نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءً اسَمِعَ مِنَّا حَدِيْثاً فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَه غَيْرَه (ترمذی)

جلد اوّل

فیوضات

شرح

مشکوٰۃ المصابیح (کامل)

پسند فرمودہ

صدر وفاق المدارس شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث حضرت مولانا منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم

مؤلف

مولانا مفتی محمد بلال بنوی





ادارۃ الغازی بنوں

0336-9077200

جلد اوّل

فیوضات

شرح

مشکوٰۃ المصابیح (کامل)

پسند فرمودہ

صدر وفاق المدارس شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب دامت برکاتہم

شیخ الحدیث حضرت مولانا منظور احمد مینگل صاحب دامت برکاتہم

مؤلف

مولانا مفتی محمد بلال بنوی

ادارۃ الغازی بنوں

0336-9077200

نام کتاب ______ فیوضات شرح مشکوٰۃ المصابیح

مؤلف ______ مولانا مفتی محمد بلال بنوی

اشاعت اول ______ ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۵ء

ناشر ______ ادارۃ الغازی بنوں
0336-9077200

اسٹاکسٹ:

مکتبہ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
0333-1450412-0300-6175026

فہرست

فیوضات (۱) شرح مشکوٰۃ (جلد اول)

رائے گرامی

حضرت مولانا شیخ الحدیث ڈاکٹر شیر علی شاہ (زید مجدہم جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عباداللہ الذین اصطفیٰ

أما بعد! محترم مکرم حضرت مولانا ابوحفص محمد بلال صاحب کی وقیع زرین تالیف ﴿فیوضات شرح مشکوٰۃ﴾ کے ابتدائی صفحات کے مطالعہ سے کافی سرور وانبساط نصیب ہوا۔ ''مشکوٰۃ المصابیح'' کو رب العالمین جل جلالہ نے مقبولیتِ عامہ سے نوازا ہے، دنیا کے تمام دینی جامعات اور مدارس میں یہ مقدس کتاب داخلِ نصاب ہے، حضرات متقدمین ومتاخرین (تقبل اللہ جہودھم) نے اس کتاب کی مطول، مختصر شروح تصنیف فرمائے ہیں مگر ''ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است'' کے مطابق محترم مولانا محمد بلال نے بھی اپنے موقر شیخ حضرتِ مولانا مفتی عمر نیاز صاحب (دامت برکاتہم) کی فرمائش پر سلف صالحین کے مستند اور معتمد مصادر ومراجع کی روشنی میں کتاب کے جمیع محتویات پر جاذب فکر ونظر محققانہ مدلل انداز میں شرح کا کما حقہ حق ادا کر دیا ہے۔ شستہ شگفتہ عام فہم اردو زبان میں جملہ احادیث سے وابستہ مسائل ومباحث کو جامع مانع انداز میں واضح کر دیا ہے۔ عقائد سے منسلک مسائل میں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کو مدلل طور پر بیان کر دیا ہے، فرق باطلہ کے غلط عقائد کو دلائلِ قویہ سے رد کیا ہے، فقہی مسائل میں حضرات ائمہ کرام (نور اللہ قبورھم) کے مذہب کو بیان کر کے مسلک احناف کو مدلل انداز میں راجح قرار دیا ہے۔ ماشاءاللہ ''فیوضات'' کا یہ بیش بہا گنج گرانمایہ اسم بامسمیٰ ہے جو حضرات اساتذہ کرام اور طلبہ سب کے لیے یکساں نفع رساں ہدیہ ہے۔ رب العالمین جل جلالہ مولانا ابوحفص محمد بلال صاحب (حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ وأوصلہ إلیٰ ما یحب ویتمناہ) سے تمام عباد وبلاد، عوام وخواص کو مستفید فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ أشرف رسلہ وخاتم أنبیائہ وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین

کتبہ: خادم اہل العلم، شیر علی شاہ (کان اللہ لہ)

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۵ ہجری

Dr. Sher Ali Shah Almadani
Prof. of Hadith in ... Darul Uloom Haqqania
Akora Khattak K.P.K. Pakistan
الدکتور شیر علی شاہ المدنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عباداللہ الذین اصطفیٰ

... ''فیوضات شرح مشکوٰۃ'' ...

رائے گرامی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان دام مجدہم

مہتمم جامعہ فاروقیہ وصدر وفاق المدارس پاکستان

JAMIA FAROOQIA
P.O.Box 11020, KARACHI 25, P.C. 75230 PAKISTAN



الجامعۃ الفاروقیۃ

[illegible]

[illegible]

سلیم اللہ خان

[illegible]

رائے گرامی

شیخ الحدیث حضرت مولانا منظور احمد مینگل حفظہ اللہ

مہتمم جامعہ صدیقیہ کراچی

JAMIA SIDDIQIA KARACHI
Gulshan-e-Memar, Karachi.
Ph: 0213-5446996 Cell: 0322-2870363

جامعہ صدیقیہ کراچی
بالمقابل گارڈن سٹی نزد گلشن معمار

تقریظ

[illegible]

[illegible]

رائے گرامی

حضرت مولانا شیخ الحدیث نور البشر حفظہ اللہ

Noor-ul-Bashar
• Ustaz-ul-Hadith Jamia Farooqia, Karachi
• Principal and president of Ma'had Usman Bin Affan Karachi

نور البشر محمد نور الحق
استاذ الحدیث بالجامعۃ الفاروقیۃ کراتشی
مدیر معہد عثمان بن عفان



Date 26-12-2013
Ref A-002-12-2013

التاریخ ۲۱ صفر ۱۴۳۵
الرقم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد النبی الأمي الأمین، وعلی آلہ وأصحابہ ومن تبعہم بإحسان إلی یوم الدین. أما بعد!

مشکوۃ المصابیح ہمارے درس نظامی کی کتابوں میں دورۂ حدیث سے پہلے پڑھائی جانے والی اہم ترین کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو زبردست مقبولیت عطا فرمائی ہے۔ جب سے اس کی تالیف ہوئی اس وقت سے لے کر آج تک علماء وطلبہ نے اس کتاب کو درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم کے لیے اختیار کیے رکھا اور بہت سے علماء نے حسب ذوق اس کی شروحات لکھیں۔

برادر عزیز مولوی محمد بلال صاحب سلمہ (فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی) نے طلبہ کی ضرورت اور خواہش کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک شرح مرتب کی ہے جس کا ماخذ اپنے ہی اکابرین کی اردو شروحات ہیں۔ سرسری طور پر احقر نے اس شرح کو دیکھا اور مفید پایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس شرح کو بھی اکابرین کی دیگر شروحات اور اصل کتاب کی طرح قبول فرمائے اور طلبہ حدیث کے لیے خوب سے خوب نافع بنائے، نیز ان کے لیے اور ان کے والدین و اساتذہ کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

وکتبہ

العبد الفقیر إلی اللہ

نور البشر محمد نور الحق

مدیر معہد عثمان بن عفان

Tel: +92-21-3...1386 Cell: +92-...2422104

رائے گرامی

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیّوم حقانی حفظہ اللہ

مہتمم جامعہ ابو ہریرہؓ و مدیر ماہنامہ ''القاسم''

الحمدُ لحضرة الجلالة والصلوٰة والسلامُ علىٰ خاتم الرسالة!

حضرت مولانا بلال کی تازہ ترین علمی کاوش ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی شرح بنام ''فیوضات شرح مشکوٰۃ'' دیکھی۔ منہج، طریقِ کار، ترتیب اور اہداف کو دیکھا تو دل نے کہا کہ کام ہے تو یہی ہے۔ بیانِ مذاہب، دلائل و مسائل اور جگہ جگہ عقلی دلائل، اساتذہ اور طلبہ کے لیے یکساں مفید، زبان آسان، سلیس، شستہ اور شگفتہ۔

نہ تو وقت ہے کہ اتنی بڑی کتاب دیکھ سکوں اور نہ فرصت اور نہ مؤلف کو وقت دینے کا یارا؛ بہرحال یہ ایک علمی، تحقیقی، عمدہ اور مختصر شرح ہونے کے ساتھ ساتھ جامع شرح ہے جو اساتذہ اور طلبہ کے تدریسی و درسی مراحل میں نافع معلوم ہونے کے ساتھ ساتھ عامۃ المسلمین کے لیے بھی مفید معلوم ہوتی ہے۔

مولانا محمد بلال کی یہ پہلی علمی کاوش ہے۔ جب نقشِ اوّل کا یہ عالم ہے تو ثانی و ثالث کے کیا کہنے؟ موصوف جواں سال ہیں، محنت کریں اور اسی منہج پر چلتے رہیں اور علمی مراکز سے مربوط ہو جائیں تو ان کا تصنیفی، تحقیقی اور علمی و قلمی مستقبل روشن ہوگا اور ان شاء اللہ مزید روشن ہوتا چلا جائے گا۔

''وصلى الله علىٰ خير خلقه محمد وآله وصحبه اجمعين''

عبدالقیوم حقانی

۱۱ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ

حرفِ آغاز

نَحمدُ اللهَ علٰی ما أفاضَ علینا مِنَ النِّعَمِ و المِنَنِ ، ونُصلّی علٰی حبیبِہٖ وصفیِّہٖ صاحبِ القرآن والسُّنَنِ، الناطقِ بالحقِ وجوامعِ الکَلِمِ ، المبعوثُ إلی سائرِ الأُمَمِ أمّا بعدُ!

اللہ تعالیٰ کی توفیقِ محض اور خصوصی عنایت سے بندہ کو تمام تر علمی کم مائیگی اور نااہلی کے باوجود گذشتہ دو سالوں سے علم حدیث کی بے نظیر کتاب مشکوٰۃ المصابیح (جلد اوّل) پڑھانے کا موقعہ ملا، اس دوران استادِ محترم حضرت مولانا مفتی عمر نیاز صاحب زید مجدہ نے بندہ کو توجہ دلائی کہ مشکوٰۃ شریف کی مستند اردو شروحات کی مدد سے ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جائے جو تمام ضروری مباحث کی شرح وتوضیح کو جامع ہونے کے ساتھ ساتھ سہل تر اور مختصر بھی ہو۔ استادِ محترم کی اس فرمائش کے پیشِ نظر بندہ نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود قلم اٹھایا اور محض اللہ تعالیٰ کے کرم سے ایک ایسا مجموعہ تیار کرلیا جو اختصار وسہولت کے باوصف تمام ضروری مباحث کی تشریح وتوضیح کو جامع ہے۔ نیز استادِ محترم ہی کی فرمائش پر تمام احادیثِ مشکوٰۃ کا سہل اور آسان ترجمہ کرنے کی جسارت بھی کی، جس میں یہ بات مدنظر رہی کہ ترجمہ نہ تو لفظی ہی ہو اور نہ اس قدر بامحاورہ ہو کہ احادیثِ مبارکہ کے الفاظ سے دور چلا جائے۔ بندہ اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہے یہ فیصلہ تو ناظرین ہی فرمائیں گے، البتہ زیرِ نظر مجموعہ میں جو امور پیشِ نظر رہیں اُن کے متعلق کچھ عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہے چنانچہ:

(۱) ہر حدیث پر مشکوٰۃ المصابیح [مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ] کے مطابق نمبر لگایا گیا ہے۔

(۲) جاذبِ نظر عربی رسم الخط اور علاماتِ املا وترقیم کی رعایت کے ساتھ "با اعراب" پوری عبارت نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۳) احادیث پر عنوانات قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ہر حدیث کی زیرِ بحث عبارت " قولہ " کے عنوان سے علیحدہ درج کی گئی ہے۔

(۴) اس مجموعہ میں مشکوٰۃ المصابیح کی تقریباً اُن تمام احادیث پر بحث کی گئی ہے، جو مشکل مطالب کی حامل ہیں۔

(۵) جو احادیث عقائد سے متعلق ہیں اُن میں اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ کی مدلّل وضاحت کے ساتھ ساتھ اہلِ باطل کے غلط عقائد کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

(۶) جو احادیث کسی فقہی مسلک کی دلیل بنتی ہیں، اُن احادیث کی تشریح میں جمہور فقہاء وائمہ اربعہ کے مسالک کو بیان کیا گیا ہے۔

(۷) اگر کوئی حدیث کسی مسئلہ میں ائمہ ثلاثہؒ میں سے کسی امام کی دلیل ہے تو وہاں حضرات احنافؒ کے مسلک کو مدلل بیان کردیا گیا ہے، نیز احناف کے ہاں ایسی ہر حدیث کا مطلب ومحمل بھی بتادیا گیا ہے۔

(۸) اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ شرحِ احادیث میں اپنے اکابر کی تحقیقات ہی کا خلاصہ پیش کیا جائے۔

(۹) احادیث کے ترجمہ کو رواں اور مطلب خیز بنانے کے لیے بین القوسین مناسب الفاظ وجملوں کا اضافہ کیا گیا ہے، چنانچہ کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ کے دوران ہی حدیث کا مطلب واضح ہوجائے۔

(۱۰) چونکہ اختصار وجامعیت مطلوب تھی، اس لیے کوشش کی گئی کہ صرف ایک استاد وطالبِ علم کو درکار مواد پر اکتفا کیا جائے، لہٰذا طول طویل بحثوں کو مختصر کیا گیا اور غیر ضروری ابحاث سے صرفِ نظر کیا گیا۔ چنانچہ تمام احادیث کی عبارت، ترجمہ اور تشریح سمیت پیشِ نظر مجموعہ چار جلدوں میں مرتب ہوا۔ پہلی دو جلدیں مشکوٰۃ جلد اول کی تشریح وتوضیح پر مشتمل ہیں اور آخری دو جلدیں مشکوٰۃ جلدِ ثانی کی توضیح وتشریح پر۔

اس مجموعہ کی پہلی دو جلدوں کی تیاری میں جو شروحات پیشِ نظر رہیں، اُن میں سرفہرست ''نفحات التنقیح'' ہے جو صدر وفاق المدارس، رئیس جامعہ فاروقیہ استادِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ العالی کی تحقیق وتفتیش کا ثمرہ اور درسِ حدیث کا شاہکار ہے۔ علاوہ ازیں شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمدؒ کی ''أشرف التوضیح'' شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمیؒ کی ''تحفۃ المرآۃ فی دروس المشکوٰۃ'' شیخ الحدیث حضرت مولانا فیض احمد ملتانیؒ کی ''المسائل والدلائل'' اور علامہ نواب محمد قطب الدینؒ کی ''مظاہر حق'' سے بھی کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ نیز کہیں کہیں ''خیر المفاتیح'' اور ''اختلاف الأئمہ فی المسائل المُهِمَّةِ'' ایسے ہی مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ آخری دو جلدوں کے لیے زیادہ تر استفادہ ملا علی قاریؒ کی ''مرقات'' اور ''مظاہر حق'' سے کیا گیا ہے۔ ترجمہ کی تیاری میں ''مظاہر حق جدید'' اور مولانا عبد الحلیم کی ''مترجم مشکوٰۃ'' سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ چونکہ زیرِ نظر مجموعہ اکابر کے فیوضات وارشادات کا خلاصہ ہے، اس لیے بندہ اس کا نام ''فیوضات فی شرح مشکوٰۃ'' تجویز کرتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعے کو بندہ مرتب اور تمام ناظرین کے لیے دارین میں نافع بنائیں، اور اُن تمام حضرات کو اپنی شان کے مطابق بہترین بدلے عطا فرمائے جو کسی بھی مرحلے میں بندہ کے ممد ومعاون رہیں، فجزاهم الله أحسن الجزاء۔

ناظرین وقارئین اگر کسی فروگذاشت پر مطلع ہوتو اسے بندہ کی کم علمی اور کج فہمی پر محمول کرے، نیز بندہ کو اس سے آگاہ کرے تاکہ بعد کی طباعتوں میں اس کی اصلاح ہو۔ امید ہے کہ اللہ عز وجل اس مجموعے کو حسنِ قبول عطا فرمائیں گے اور دورانِ تالیف بندہ سے جو فروگذاشتیں اور کمی بیشیاں سرزد ہوئیں، اُن سے درگذر فرمائیں گے۔

ابو حفص محمد بلال کان اللہ لہ عوضاً عن کل شیٔ
فاضلِ جامعہ فاروقیہ کراچی ۱۴۳۰ھ
متخصصِ جامعۃ الرشید کراچی ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمۃُ العِلم

مقصود میں شروع ہونے سے پہلے درج ذیل چند مباحث کا جان لینا ضروری ہے:

(۱) حدیث کا معنیٰ (۲) علم حدیث کی تعریف، موضوع، غرض و غایۃ (۳) فضائلِ علم حدیث (۴) حدیث کی حجیت (۵) حدیث کی ضرورت (۶) طلبِ حدیث کے آداب (۷) کچھ کتاب المصابیح اور مشکوٰۃ کے متعلق (۸) علمِ اصولِ حدیث

البحث الاوّل (حدیث کا معنیٰ):

''حدیث'' باعتبارِ لغت کے نئی اور جدید چیز کو بھی کہتے ہیں اور ہر قسم کے خبر اور کلام کو بھی اور اصطلاح میں آپ ﷺ کے اقوال و افعال کے لئے مخصوص ہے۔ یہ ''استعارۃ العام للخاص'' کے قبیل میں سے ہے اور اس کا ماخذ آپ ﷺ کے وہ ارشادات ہیں جس میں لفظ حدیث آیا ہے مثلاً ''مَن حفظ علیٰ أمتی أربعین حدیثا۔۔۔''۔

حدیث کی وجہ تسمیہ کے بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث بمعنیٰ خبر ہے۔ یہ لفظ ارشادِ باری تعالیٰ ''و أمّا بنعمۃِ ربّکَ فحدّث'' سے ماخوذ ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الضحیٰ میں آپ ﷺ کو اپنی عطا فرمائی ہوئی تین نعمتیں ذکر کی:

(۱) ألم یجِدْك یتیمًا فاوٰی یعنی ''آپ یتیم تھے ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا''۔

(۲) وَوَجدَك ضالًّا فهدٰی یعنی ''آپ کو علوم ہدایت سے نوازا''۔

(۳) ووجدَكَ عائلًا فأغْنٰی یعنی ''آپ کے فقر کو غنا سے بدل ڈالا''۔

اس کے بعد لف ونشر غیر مرتب کے طور پر تین احکام شکرِ نعمت کی ادائیگی کے لئے دیے۔ نعمتِ ایواء کے بدلہ میں حکم دیا کہ ''فأمّا الیتیمَ فلا تقْهَر'' یعنی یتیم کو مت جھڑکیے'' اور نعمتِ اِغناء کے مقابلہ میں حکم دیا کہ'' و أمّا السائلَ فلا تنهر'' یعنی'' سائل کو مت ڈانٹ'' اور نعمتِ ہدایت کے مقابلہ میں'' و أمّا بنعمةِ ربّك فحدّث'' کا حکم دیا، یعنی ''اے رسول! ہم نے آپ کو نبوت (کی نعمت) عطا کی، اس لئے آپ اس نعمت کو بیان کیجئے''۔ تو گویا حدیث نبوی ہدایتِ ربانیہ کا تذکرہ اور اخبار ہے۔ (شرح صحیح مسلم: ص ۱)

البحث الثانی (تعریفِ علم حدیث):

''هو علمٌ یشتمِلُ علیٰ نقلِ ما أضِیفَ إلی النبیِّ ﷺ قولًا و فعلًا و تقریرًا أو صفةً أو حالًا علیٰ ضبطِه و تحریرِ

لـفـظـه ". ترجمہ: "یہ وہ علم ہے جو آپ ﷺ کی طرف منسوب قول، فعل، تقریر یا صفت یا حالت کے حفظ یا کتابت پر مشتمل ہو"۔ آپ ﷺ کی طرف منسوب صفات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) صفاتِ جسمانیہ (۲) صفاتِ روحانیہ۔

موضوع علم حدیث:

أقـوالُ الـنبـيِّ ﷺ و أفـعـالُـه وتـقـريـراتُـه، أو ذاتُ الـرسـولِ ﷺ مِن حيثُ أنه نبيٌّ و رسولٌ لا مِن حيثُ أنّه بشـرٌ و جسمٌ ." یعنی "اس علم کا موضوع آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات ہیں یا ذاتِ نبی ﷺ ہے بحیثیت نبی و رسول ہونے کے نہ کہ بحیثیت بشر و جسم ہونے کے"۔

غرض و غایت علم حدیث:

"هـو الـفـوزُ بسعادةِ الدارينِ بعدَ العملِ علىٰ مرضيّاتِهٖ و الكفُّ عن غيرِ مرضياته ." یعنی "اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو جان کر اُس پر عمل کر کے اور نامرضیات سے اجتناب کر کے دارین کی فوز و فلاح حاصل کرنا اس علم کی غرض و غایت ہے"۔

فائدہ علم حدیث:

" هـی معرفةُ الأحكامِ الشرعِيةِ و دلائلِها و تفسيرِ القرانِ الحكيم و العصمةِ عن الأخطاءِ فی نقلِ الروايات ." یعنی "علم حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے احکامِ شرعیہ اور اس کے دلائل نیز تفسیرِ قرآن کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور روایت کے نقل کرنے میں غلطیوں سے حفاظت ہوتی ہے"۔

البحث الثالث (فضیلت علم حدیث):

قرآن کے بعد علمِ حدیث تمام علوم سے افضل و اشرف ہے، حدیث کی تبلیغ اور سننے سنانے کے مبارک مشغلے میں مصروف لوگوں کو آپ علیہ السلام نے بڑی دعائیں دی ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: " نـضّـر الـلـه إمرءً سمِع مَقالتِی فحفظَها ووَعاها و أدّاها ". (مشکوٰۃ ص ۳۵) ترجمہ: "اللہ ایسے شخص کو تر و تازہ رکھے جو میری بات کو سن کر یاد کرلے اور پھر دوسروں تک پہنچائے"۔ اور ایسے لوگوں کو اپنا خلیفہ قرار دے کر ان کے حق میں رحمت کی دعائیں فرمائی ہیں، چنانچہ مسند بزار میں حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت نے یہ دعا فرمائی کہ: " أللّٰهُـمَّ ارحـمْ خـلـفـائِی " [اے اللہ! میرے جانشینوں پر رحم فرما] تو ہم نے عرض کیا کہ "ومَن خلفاءُ ك ؟يا رسول الله! [اے اللہ کے رسول! آپ کے جانشین کون لوگ ہیں؟] تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ " الّـذيـنَ يحفظُون أحاديثي و يُبلّغُونَها إلى النّاس ". [میرے جانشین وہ لوگ ہیں جو میری احادیث کو یاد کرتے ہیں اور لوگوں تک پہنچاتے ہیں] اور اس پر مستزاد یہ کہ کثرتِ درود کی توفیق ملتی ہے جو قیامت میں آپ ﷺ کی قربت اور شفاعت کا ذریعہ بنے گا۔

❋

البحث الرابع (حجیتِ حدیث):

قرآن کی بہت سی آیات صراحۃً اس پر دال ہے کہ حدیثِ نبوی واجب الاتباع حجتِ شرعی ہے، چند آیات پیش خدمت ہیں:

(۱) قُل إن كنتم تُحِبُّون اللهَ فاتَّبِعُوني يُحْبِبْكم اللهُ. (آل عمران) ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری راہ چلو''۔

(۲) قُل أطيعُو الله و الرسولَ فان تَولَّوا فإنَّ اللهَ لا يُحِبُّ الكفرين. (آل عمران) ترجمہ: ''کہہ دیجئے کہ اللہ کی بات مانو اور رسول کی بات مانو اور اگر تم نے منہ موڑا تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا''۔

(۳) فلا و ربِّكَ لا يؤمنُون حتّٰى يُحَكِّمُوكَ فيمَا شجَر بينَهم ثمَّ لا يجِدُوا في أنفسِهم حرجًا ممَّا قضيتَ و يُسلِّمُوا تسليمًا. (النساء) ترجمہ: ''تیرے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک ایمان والے نہیں ہوسکتے جب تک تجھے آپس کے تنازعات میں حَکم نہ بنائیں، پھر آپ کے فیصلہ سے ان کے دل تنگ نہ ہوں اور سر تسلیم خم کردیں''۔

(٤) وما كانَ لمؤمنٍ ولا مؤمنةٍ إذا قضَى اللهُ ورسولُه أمرًا أن يكونَ لهم الخِيَرةُ مِن أمرِهِم ومَن يعصِ اللهَ و رسولَه فقد ضلَّ ضلالًا مبينًا. (الاحزاب) ترجمہ: ''کسی مومن مرد یا مومن عورت کو کسی معاملہ میں اللہ اور رسول کے فیصلہ کرنے کے بعد کوئی اختیار نہیں رہتا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ کھلی گمراہی کا مرتکب ہوتا ہے''۔

(٥) وما اٰتكم الرسولُ فخُذوه وما نهٰكم عنه فانتهُوا واتَّقُوا اللهَ إنّ اللهَ شديدُ العِقابِ. (الحشر) ترجمہ: ''اور جو حکم تمہیں رسول دے اُس کو عمل میں لاؤ اور جس سے منع کرے اس سے منع ہوجاؤ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت عقاب کرنے والا ہے''۔

البحث الخامس (حدیث کی ضرورت):

یہاں حدیث کی ضرورت کی تین وجوہ بیان کی جاتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) انسان میں فطری طور پر تین قوتیں ہیں: (اول) قوتِ عاقلہ (دوم) قوتِ شہویہ (سوم) قوتِ غضبیہ جو اس کو بالترتیب اپنے نفع ونقصان کی معرفت، اپنے حوائج وفوائد کے لئے جدوجہد اور اپنے دفاع کے لئے مرحمت کی گئی ہیں، ان تینوں قوتوں میں توسط محمود اور افراط وتفریط مذموم ہیں لیکن ہمارے لئے ہر وقت ان تین درجات میں تمیز دشوار ہے لہذا ایک ایسے معلم کا ہونا ضروری ہے جو مذموم ومحمود میں خطِ فاصل کھینچ دے۔ یہ معلم بجز ذاتِ باری تعالیٰ کے کوئی نہیں ہوسکتا لیکن ظاہر ہے کہ خود ذاتِ باری سے براہ راست ہم یہ معلوم نہیں کرسکتے لہذا ایسے برگزیدہ شخص کی ضرورت ہوئی جو ذاتِ حق سے فیوض کے حصول کے قابل ہو اور حصولِ فیض کے بعد بندوں کو اللہ کی مرضیات اور نامرضیات بتائے، ایسا شخص نبی مرسل ہے پس نبی ﷺ کی اسی تعلیم وتبلیغ کا نام حدیث ہے، جو حق وباطل محمود ومذموم کمال ونقص میں فرق اور تمیز کرنے والی ہے۔

(۲) قرآن پاک میں عبادات (مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) کے قواعد واصول بیان کئے گئے ہیں، جزئیات وفروعات سے وہ خاموش ہے، لہٰذا جزئیات کی تفصیل کے لئے حدیثِ نبوی کی ضرورت ہے جس میں ان اصول کی پوری تفصیل وتشریح مذکور ہیں۔ پس قرآن متن اور

حدیث اس کی شرح ٹھہری، اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے: "وأنزلنا إليك الذكر لتبيّن للنّاس ما نزّل إليهم." ترجمہ: ہم نے آپ کی طرف نصیحت نازل کی تا کہ آپ لوگوں کے سامنے نازل شدہ کتاب کو بیان کردے۔(پ۱۴)

(۳) صحابہ کرامؓ جو عرب ہونے کی وجہ سے قرآن کے لغوی مفہوم سے بخوبی واقف تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن فہمی کے سلسلہ میں وہ بار بار دربارِ رسالت کی طرف مراجعت کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ قرآن کا صحیح فہم حدیث پر موقوف ہے۔

البحث السادس (طالب حدیث کے لئے ضروری آداب):

(۱) طالبِ حدیث تصحیح نیت واخلاص کا اہتمام کرے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعًا روایت ہے: "مَن تعلَّم علمًا ممّا يُبتَغى به وجهُ الله لا يتعلّمُه إلّا لِيُصِيبَ به عرضًا مِن الدنيا لم يجِدْ عَرفَ الجنّةِ يومَ القيامة." (احمد، ابوداؤد، ابن ماجۃ) یعنی "جو دین کا علم کسی دنیوی غرض کی خاطر حاصل کرے وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا"۔

(۲) اخلاق حمیدہ کا اہتمام کرے۔ ابو عاصم نبیلؒ کا فرمان ہے: "طالبُ هذا الحديثِ طلبُ أعلىٰ أمورِ الدينِ فيجبُ أن يكونَ هو خيرُ النّاسِ." یعنی طلبِ حدیث دین کے اعلیٰ امور کی طلب ہے لہذا ضروری ہے کہ طالبِ حدیث تمام لوگوں میں بہترین اخلاق کا حامل ہو۔

(۳) پوری محنت وجد وجہد کرے۔ یحیٰ ابن ابی کثیرؒ محدث فرماتے ہیں: "لا يُستَطاعُ هذا العلمُ براحةِ الجسمِ" یعنی "یہ علم جسم کی راحت کے ساتھ حاصل نہیں کیا جا سکتا"۔

(۴) کلمات تعظیم کہنے کا اہتمام کرے مثلاً: لفظِ اللہ کے ساتھ "جلّ وعلا، عزّوجلّ"، آپ ﷺ کے نامِ نامی کے ساتھ درود شریف......

(۵) عبادات، اخلاق وآداب کی جو حدیث پڑھے اس پر عمل کرے اس سے حدیث محفوظ ہو جاتی ہے۔ حضرت وکیعؒ فرماتے ہیں: "إذا أردتَّ أن تحفَظَ الحديثَ فاعمَلْ به." یعنی اگر حدیث کو یاد کرنا ہو تو اس پر عمل کر۔

(۶) اپنے شیخ اور استاد کی تعظیم کرے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "تواضَعُو لِمَن تعلّمُون منه" یعنی "جس سے علم حاصل کرتے ہو ان کے سامنے تواضع اختیار کرو"۔

(۷) اپنے طالب علم ساتھیوں کو علمی فائدہ پہنچانے میں بخل سے کام نہ لے۔

(۸) تحصیلِ علم میں حیا اور تکبر سے پرہیز کرے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں "لا ينالُ العلمَ مُستحيٍ ولا مُستكبِرٌ."

(۹) پڑھے ہوئے سبق کا خوب تکرار و مذاکرہ کرے۔

(۱۰) بغیر طہارت کے حدیث کی کتابوں کو ہاتھ نہ لگائے کہ یہ مکروہ ہے۔

البحث السابع (تعارف کتاب المصابیح):

یہ کتاب محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود فرا البغوی شافعیؒ کی تصنیف ہے انہوں نے اس سے پہلے ایک کتاب شرح السنۃ لکھی، اس کی تالیف سے فراغت پر خواب میں جناب نبی پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا: "أحياكَ اللهُ كما أحييتَ سنتي" اسی وجہ سے آپؒ کا لقب "محی السنۃ" پڑا، خواب سے بیداری پر اللہ کا شکر ادا کیا اور شکر نعمت کے طور پر کتاب المصابیح لکھی۔ یہ کتاب کتبِ

احادیث میں سب سے زیادہ جامع ہے، جو احادیث دوسری کتب میں متفرق تھیں ان کو مصابیح میں یکجا جمع کیا گیا۔ امام محی السنۃ نے اول حدیث سے راوی کو اور آخر سے حوالے کو حذف کر دیا تھا اور صرف مرفوع احادیث نقل فرمائی، نیز اپنی کتاب کی احادیث کو دو اقسام پر تقسیم کیا قسمِ اوّل میں ''صحاح'' کے عنوان سے صرف [بخاری و مسلم] کی روایات نقل فرمائی، اور قسمِ ثانی میں باقی چار سنن: [ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی مع سنن دارمی] کی احادیث جمع فرمائی اور اس کا نام ''حِسان'' رکھا۔ مشکوٰۃ میں جہاں بھی ''اصول'' کا لفظ آیا ہے اس سے مراد یہی کتب سبعہ ہیں۔ مصابیح میں کل چار ہزار چار سو چونتیس (۴۴۳۴) احادیث ہیں، جن میں سے دو ہزار چار سو چونتیس (۲۴۳۴) صحاح ہیں اور باقی دو ہزار (۲۰۰۰) حسان ہیں۔

فائدہ: فرّاء مصنف کے والد کا لقب ہے جو ''فروۃٌ'' بمعنیٰ پوست (کھال) سے ماخوذ ہے، مصنف کے والد چمڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ بغوی ''بغشور'' کی طرف منسوب ہے، جو ''مرو'' اور ''ہرات'' کے درمیان ایک گاؤں ہے۔ یہ چونکہ بعلبک کی طرح ''مرکبِ امتزاجی'' ہے، لہٰذا پہلے جز کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''بغوی'' اور مرکب کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''بغشوری'' کہتے ہیں جیسے بعلی اور بعلبکی۔ بغوی میں واؤ کا اضافہ '' بغی '' بمعنیٰ بدکار کے ساتھ لفظی مشابہت سے بچنے کے لئے کیا گیا۔

مشکوٰۃ کا تعارف اور سببِ تالیف:

مصابیح میں حدیث کا ماخذ اور راوی مذکور نہیں تھا، جس کی وجہ سے تلاش ماخذ میں بڑی دقت ہوتی تھی اور سند کے غیر مذکور ہونے کی وجہ سے صحتِ حدیث پر پورا اعتماد بھی نہ ہوتا۔ علامہ طیبیؒ اور ان کے تلمیذِ رشید (مؤلف مشکوٰۃ) نے اس کمزوری کو محسوس فرمایا اور باہم مشورہ کے بعد مولف مشکوٰۃ ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب تبریزیؒ (متوفی ۷۴۳ھ) نے بامرِ استاد اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا، چنانچہ کتاب المصابیح میں معمولی سا تغیر کر کے اور (۱۵۱۱) احادیث کا اضافہ فرما کر مشکوٰۃ مرتب فرمائی، جس میں احادیث کو تین فصلوں میں تقسیم کیا۔ فصل اول میں مصابیح کی صحاح احادیث اور فصلِ ثانی میں اس کی حسان احادیث ذکر کی اور فصل ثالث کے تحت اپنی اضافہ کردہ احادیث کو لائے۔ آپؒ اپنی وفات سے چھ برس قبل ۷۳۷ھ میں مشکوٰۃ کی تالیف سے فارغ ہوئے۔ ماخذ اور راوی کی تلاش میں کئی سال کی جدوجہد کے بعد آپ کامیاب ہوئے پھر بھی جن احادیث کا حوالہ نہ مل سکا وہاں بیاض (خالی جگہ) چھوڑ دی۔ مشکوٰۃ کی احادیث کی کل تعداد پانچ ہزار پانچ سو پینتالیس (۵۵۴۵) ہے، کل فصول (۱۰۳۸) ہے، کل ابواب (۳۲۷) ہے اور کل کتب کی تعداد (۲۹) ہے۔ (تحفۃ المرآۃ)

البحث الثامن (علمِ اصولِ حدیث):

علمِ اُصولِ حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعہ حدیث کے احوال (باعتبارِ صحت، ضعف وقوت کے) معلوم کیے جاتے ہیں، اس علم کا موضوع حدیث ہے۔

حدیث کی تعریف:

رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ کبھی حدیث کو خبر واثر سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے قول وفعل کا حدیث ہونا تو سب جانتے ہیں، آپ ﷺ کی تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان نے آپ ﷺ کے سامنے

کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور آپ ﷺ نے جاننے کے باوجود اُسے منع نہ فرمایا بلکہ خاموشی اختیار فرما کر اُسے برقرار رکھا اور اس طرح اُس قول یا فعل کی تصویب فرمائی۔

حدیث کی قسمیں:

حدیث (ابتداءً) دو قسم پر ہے: (۱) خبرِ متواتر (۲) خبرِ واحد

(۱) خبرِ متواتر: وہ حدیث ہے جس کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر کثیر ہو کہ اُن سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو عقلِ سلیم محال سمجھے۔

(۲) خبرِ واحد: وہ حدیث ہے جس کے راوی اس قدر کثیر نہ ہو۔ پھر خبرِ واحد مختلف اعتبارات سے کئی قسم پر ہے۔

خبرِ واحد کی پہلی تقسیم:

خبرِ واحد اپنے منتہیٰ کے اعتبار سے تین قسم پر ہے: (۱) مرفوع (۲) موقوف (۳) مقطوع

(۱) مرفوع: وہ حدیث ہے جس میں راوی رسول اللہ ﷺ کا قول (سننے کا) یا فعل یا تقریر (دیکھنے، سننے کا) ذکر کرے۔

(۲) موقوف: وہ حدیث ہے جس میں صحابی کے قول، فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔ بالفاظِ دیگر اُس کی سند صحابی تک پہنچے۔

(۳) مقطوع: وہ حدیث ہے جس میں تابعی کے قول، فعل، یا تقریر کا ذکر ہو۔ بالفاظِ دیگر اُس کی سند تابعی تک پہنچے۔

پھر مرفوع حدیث خواہ قولی ہو یا فعلی یا تقریری، اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جس کا مرفوع ہونا صراحۃً ہو (۲) جس کا مرفوع ہونا حکماً ہو۔

صراحۃً مرفوع ہونا جیسے صحابی کہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح فرماتے سنا یا اس طرح کرتے دیکھا یا صحابی کا یہ کہنا کہ فلاں شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے فلاں کام کیا اور آپ ﷺ نے اُس پر انکار نہیں فرمایا بلکہ خاموش رہے۔ اور حکماً مرفوع ہونے کی مثال یہ ہے کہ صحابی گذشتہ انبیاء اور اُن کی امتوں کے متعلق ایسی خبر دے جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو اور وہ صحابی اگلی کتابوں سے بھی بے خبر ہو یا مستقبل کی پیشن گوئیاں، احوالِ قیامت، فتن، کسی خاص فعل پر سزا اور جزا کا ترتب بتائے۔ ان سب صورتوں میں یہی کہا جائے گا کہ اُس صحابیؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ بات سنی ہوگی۔ اسی طرح اگر صحابی یہ کہے کہ" ومن السنۃ کذا" (یعنی سنت میں سے یہ بات بھی ہے) یا ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہ کام کیا کرتے تھے۔

خبرِ واحد کی دوسری تقسیم:

خبرِ واحد راویوں کی تعداد کے اعتبار سے تین قسم پر ہے: مشہور ، عزیز ، غریب

(۱) مشہور وہ حدیث ہے جس کے روای ہر زمانہ میں تین سے کم نہ ہو، اس کو مستفیض بھی کہتے ہیں۔

(۲) عزیز وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر زمانے میں دو سے کم کہیں نہ ہو۔

(۳) غریب وہ حدیث ہے جس کا راوی ہر زمانہ میں کہیں نہ کہیں ایک ہو۔ غرابت صحت کے منافی نہیں لہذا ممکن ہے کہ کوئی حدیث صحیح غریب ہو کہ اُس کے تمام راوی ثقہ ہوں۔

خبر واحد کی تیسری تقسیم:

خبر واحد اپنے راویوں کی صفات کے اعتبار سے سولہ قسم پر ہے:

(۱) صحیح لذاتہ: یہ وہ حدیث ہے جس کے کل راوی عادل کامل الضبط ہو اور اُس کی سند متصل ہو اور معلّل اور شاذ ہونے سے محفوظ ہو۔

(۲) حسن لذاتہ: یہ وہ حدیث ہے جس کے (کسی) راوی میں صرف ضبط ناقص ہو باقی سب شرائط اُس میں صحیح لذاتہ کی موجود ہوں۔

(۳) ضعیف: وہ حدیث ہے جس میں حدیثِ صحیح اور حسن کی شرائط نہ پائی جائیں۔ (حدیث کی اصل قسمیں یہ تین ہی ہیں باقی قسمیں ان تین قسموں کی فروع ہیں)

(۴) صحیح لغیر ہ: اُس حدیث حسن لذاتہ کو کہتے ہیں جس کی سندیں متعدد ہوں۔

(۵) حسن لغیر ہ: یہ اُس ضعیف حدیث کو کہا جاتا ہے جس کی سندیں متعدد ہوں۔

(۶) موضوع: اُس حدیث کو کہتے ہیں جس کے کسی راوی پر حدیثِ نبوی میں جھوٹ بولنے کا طعن موجود ہو (بالفاظِ دیگر آپ ﷺ کی طرف منسوب کی گئی ایسی بات جو آنحضرت ﷺ نے ارشاد نہ فرمائی ہو موضوع حدیث کہلاتی ہے)۔

(۷) متروک: وہ حدیث ہے جس کا راوی متہم بالکذب ہو یا وہ روایت قواعدِ معلومہ فی الدین کے مخالف ہو۔

(۸) شاذ: وہ حدیث ہے جس کا راوی خود ثقہ ہو مگر ایک ایسی جماعتِ کثیرہ کی مخالفت کرتا ہو جو اُس سے زیادہ ثقہ ہیں۔

(۹) محفوظ: وہ حدیث ہے جو شاذ کے مقابل ہو۔

(۱۰) منکر: وہ حدیث ہے جس کا راوی باوجود ضعیف ہونے کے ثقہ راویوں کے مخالف روایت کرے۔

(۱۱) معروف: وہ حدیث ہے جو منکر کے مقابل ہو۔

(۱۲) معلَّل: وہ حدیث ہے جس میں کوئی ایسی خفی علت ہو جو حدیث کی صحت کے لیے نقصان دہ ہو، اس علت کو معلوم کرنا ماہرِ فن کا کام ہے ہر شخص کا کام نہیں۔

(۱۳) مضطرب: وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں ایسا اختلاف واقع ہو کہ اُس میں ترجیح یا تطبیق نہ ہو سکے۔

(۱۴) مقلوب: وہ حدیث ہے جس میں بھول سے متن یا سند کے اندر تقدیم وتاخیر ہو گئی ہو یعنی مقدم لفظ کو مؤخر کیا گیا ہو یا مؤخر کو مقدم یا بھولے سے ایک راوی کی بجائے دوسرا راوی ذکر کیا گیا ہو۔

(۱۵) مصحَّف: وہ حدیث جس میں صورتِ خطی باقی رہنے کے باوجود نقطوں، حرکتوں وسکونوں کے تغیر وتبدل سے تلفظ میں غلطی واقع ہو۔

(۱۶) مدرج: وہ حدیث ہے جس میں کسی جگہ راوی اپنا کلام درج کردے۔

فائدہ: حدیثِ صحیح کا احکام میں حجت ہونا متفق علیہ ہے۔ اسی طرح عام علماء کے نزدیک حسن لذاتہٖ بھی قابلِ حجت ہونے میں صحیح کے ساتھ ملحق ہے گو رتبہ میں وہ صحیح سے کم ہے۔ ایسے ہی اُس ضعیف حدیث کے لائقِ احتجاج ہونے میں اتفاق ہے جو تعددِ طرق کی وجہ سے حسن لغیرہٖ کے درجہ کو پہنچ جائے۔

خبرِ واحد کی چوتھی تقسیم:

خبرِ واحد (سند سے) راوی کے سقوط اور عدمِ سقوط کے اعتبار سے سات قسم پر ہے:

(۱) متصل: یہ وہ حدیث ہے جس کی سند میں پورے راوی مذکور ہوں کوئی راوی اُن میں ساقط نہ ہوا ہو۔ اس عدمِ سقوط کو اتصال کہتے ہیں۔

(۲) مسند: وہ حدیث ہے جس کی سند رسول اللہ ﷺ تک متصل ہو۔

(۳) منقطع: وہ حدیث ہے جس کی سند متصل نہ ہو بلکہ کہیں نہ کہیں سے راوی گرا ہو۔ راوی کے اس سقوط کو انقطاع کہتے ہیں۔

(۴) معلّق: وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع میں ایک یا بہت سارے راوی گرے ہوئے ہوں، کبھی پوری سند بھی حذف کردی جاتی ہے جیسا کہ بغیر سند کے کہہ دیا جاتا ہے کہ قال رسول اللہ ﷺ ... اس سقوط کو تعلیق کہتے ہیں۔ بخاری شریف کے تراجم میں اس قسم کی تعلیقات بکثرت پائی جاتی ہے جسے تعلیقاتِ بخاری کا نام دیا جاتا ہے، لیکن یہ سب تعلیقات اتصال کے حکم میں ہیں کیونکہ امام بخاریؒ نے اپنی اس کتاب میں صرف صحیح احادیث لانے کا التزام کیا ہے، ہاں البتہ اگر صیغہ تمریض (مثلاً قیل یا یُقال) کے ساتھ امام بخاریؒ کوئی تعلیق ذکر کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس حدیث کی صحت میں امام صاحبؒ کے نزدیک بھی کلام ہے۔

(۵) مُعضل: وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان سے کوئی راوی گرا ہو یا سند میں ایک سے زیادہ راوی پے در پے گرے ہوئے ہوں۔

(۶) مرسل: وہ حدیث ہے جس کی سند کے آخر سے کوئی راوی گرا ہوا ہو (مثلاً تابعی، صحابی کے واسطہ کے بغیر کہے کہ قال رسول اللہ ﷺ) راوی کے اس طرح سقوط کو ارسال کہا جاتا ہے۔ جمہور علماء کے ہاں مرسل کا حکم توقف ہے اس لیے کہ یہ معلوم نہیں کہ جو راوی ساقط ہوا ہے وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مرسل مطلقاً مقبول ہے بشرطیکہ تابعی کی عادت ثقہ راویوں سے ارسال کرنے کی ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر مرسل کو کسی دوسری مرسل حدیث کی تائید حاصل ہو جائے تو وہ مقبول ہو جاتی ہے۔

(۷) مدلّس: وہ حدیث ہے جس کے راوی کی یہ عادت ہو کہ وہ اپنے شیخ یا شیخ کے شیخ کا نام چھپاتا ہو، اس عادت کو تدلیس کہتے ہیں۔

فائدہ: سند راویوں کے اُس سلسلہ کا نام ہے جس کے طفیل ہم تک حدیث پہنچی، اس کو اسناد سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور متن اُس کلام کو کہتے ہیں جس پر سند کا سلسلہ ختم ہو۔ (از خیر الاصول لمولانا خیر محمد جالندھری ومقدمہ مصطلحات الحدیث لعبد الحق الدہلوی)

﴿مقدّمةُ الكتاب﴾

بسمِ اللّٰه الرّحمٰنِ الرّحيم

الحمد لله نحمدُه ونستعينُه ونستغفرُه ونعوذُ بالله مِن شرورِ أنفسناومِن سيّئاتِ أعمالنا مَن يهده اللهُ فلا مُضِلّ له

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اُسی کی تعریف کرتے ہیں اور اُسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور اُسی سے بخشش چاہتے ہیں اور ہم اپنے نفس کی برائیوں سے اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ سیدھی راہ دکھائے اُس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا

ومَنْ يُضلِل فلا هادىَ له وأشهدُ أن لاإله إلّا اللهُ شهادةً تكونُ للنّجاةِ وسيلةً ولرفع الدرجاتِ كفيلةً وأشهدُ أنّ محمّداً عبده ورسولُه

ترجمہ: اور جس کو اللہ گمراہ کردے اُس کو سیدھا راستہ دکھانے والا کوئی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ایسی گواہی (دیتا ہوں) جو نجات کے لیے وسیلہ ہو اور بلندیٔ درجات کی ضامن ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں

الّذی بعثه وطُرقُ الإيمانِ قدعفت آثارُها وخبت أنوارُها ووهنت أركانها وجُهلَ مكانها

ترجمہ: جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسے وقت میں مبعوث فرمایا جب کہ ایمان کی راہوں کے نشان مٹ چکے تھے اور اُس کی روشنیاں بجھ چکی تھیں اور اُس کے ارکان کمزور پڑ چکے تھے اور اُن (کے حصول) کی جگہیں نامعلوم ہو چکی تھیں

فشيّد [صلوٰتُ الله عليه وسلامُه] مِـن معالمها ما عفىٰ وشفىٰ مِن العليل فى تائيدِ كلمةِ التوحيدِ مَن كانَ علىٰ شفا

ترجمہ: پس نبی پاک ﷺ نے ان مٹے ہوئے نشانوں کو ازسرنو مضبوط کیا اور کلمہ توحید کے سبب اُس بیمار کو شفا بخشی جو ہلاکت کے کنارے پر تھا

وأوضحَ سبيلَ الهدايةِ لمَن أرادَ أن يَسلكهاوأظهرَ كنوزَ السعادةِ لِمن قصدَ أن يَملِكها،

اور اُس شخص کے لیے ہدایت کے راستے کو روشن کیا جو اس پر چلنا چاہتا تھا اور اُس شخص کے واسطے نیک بختی کے خزانوں کو ظاہر کیا جو اس کا مالک بننا چاہتا،

أمـا بـعـد!فإنّ التمسّكَ بهديه لا يستتبُّ إلّا بالاقتفاءِ لِما صدرَ مِن مشكوٰتهٖ والاعتصامَ

بحبلِ الله لا يَتِمُّ إلّا ببيان كَشْفِهِ

ترجمہ: امابعد! (یعنی حمد وصلاۃ کے بعد جاننا چاہیے کہ) تحقیق آپ ﷺ کی ہدی کو اختیار کرنا معتبر نہیں ہوسکتا مگر اُس چیز کی کامل اتباع سے جو آپ ﷺ کے مشکوٰۃِ نبوت (یعنی سینۂ مبارک) سے صادر ہوئی اور اللہ کی رسی (یعنی قرآن) کو مضبوطی سے تھامنا (یعنی اس پر عمل کرنا) پورا نہیں ہوسکتا مگر آپ ﷺ کے خوب کھول کھول کر بیان کرنے سے

وكانَ كتابُ المصابيح الّذى صَنّفَه الإمامُ محُيِ السنّةِ قامعُ البدعةِ أبو محمّد الحُسين بن مسعودالفرّاء البغوىّ [رفعَ اللهُ درجتَه]أجمعَ كتابٍ صُنِّفَ فى بابه

ترجمہ: اور کتاب المصابیح جس کو امام محی السنۃ قامع البدعۃ ابومحمد حسین بن مسعود فرّاء بغویؒ (اللہ اُن کا درجہ بلند فرمائے) نے تصنیف کیا جامع ترین کتاب تھی جو اپنے باب (یعنی فن) میں تصنیف کی گئی ہے

وأضبطَ لشواردِالأحاديثِ وأوابِدِها ولمّا سلكَ[رضى اللهُ عنه] طريقَ الاختصارِوحذف الأسانيدتكلّمَ فيه بعضُ النُّقّادِ

ترجمہ: اور متفرق اور منتشر احادیث کو خوب قریب کرنے والی تھی اور جب کہ امام موصوفؒ (اللہ اُن سے راضی ہو) نے اختصار کا طریقہ اختیار کیا اور اسانید کو حذف کیا تو اس پر بعض ناقدین (یعنی محدثین) نے اعتراض کیا

وإن كانَ نقلُهٗ وإنّه مِن الثقاتِ كالإسنادِ لكن ليسَ ما فيهِ أعلامٌ كالإغفال

ترجمہ: اگرچہ امام موصوف کا (کسی حدیث کو) نقل کرنا ہی سند کی طرح ہے کیونکہ امام موصوف ثقہ محدثین میں سے ہیں لیکن نشان زدہ زمین بے نشان زمینوں کی طرح نہیں ہوسکتی

فاستخرتُ اللهَ واستوفقتُ منه فأعلمتُ ماأغفلَه فأودعتُ كلّ حديثٍ منه فى مقرّهٖ كما رواه الأئمةُ المُتقِنونَ والثقاتُ الراسخونَ

ترجمہ: چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور اس سے توفیق مانگی، پس میں نے اُن احادیث پر نشان لگادیا جن کو امام موصوف نے بے نشان چھوڑ دیا تھا اور ہر حدیث کو اُس کی جگہ میں رکھا جس طرح اُس کو ثقہ واتقان اور راسخ علم والے ائمہ حدیث نے روایت کیا

مثلَ أبى عبدالله محمدبنِ إسمٰعيلِ البخاريؒ وأبى الحُسين مسلم بنِ الحجّاج القُشيريؒ وأبى عبدالله مالك بن أنس الأصبحيؒ

ترجمہ: مثلاً ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ، ابوالحسین مسلم بن حجاج قُشیریؒ، ابوعبداللہ مالک بن انس اصبحیؒ

وأبی عبداللہ محمد بن إدریس الشافعیؒ وأبی عبداللہ أحمد بن محمد بن حنبل الشیبانیؒ وأبی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ

ترجمہ: ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعیؒ، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانیؒ، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ

وأبی داؤد سُلیمان بن الأشعثِ السجستانیّ وأبی عبدالرّحمٰن أحمد بن شعیب النّسائی وأبی عبداللہ محمد بن یزید بن ماجۃالقزوینی

ترجمہ: ابوداؤدسلیمان بن الاشعث سجستانیؒ، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائیؒ، ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینیؒ،

و أبی محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی و أبی الحسن علی بن عمر الدارقُطنیّ وأبو بکرأحمدبن حُسین البیھقی

ترجمہ: اور ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، ابوحسن علی بن عمر دارقطنیؒ، ابوبکراحمد بن حسین بیہقیؒ،

وأبی الحسن رزین بن معاویۃالعبدریّ وغیرُھم وقلیلٌ ما ھو وإنّی إذا نسبتُ الحدیثَ إلیھم

ترجمہ: ابوالحسن رزین بن معاویہ عبدریؒ اوران کے علاوہ محدثین اوروہ تھوڑے ہیں، اور جب میں کوئی حدیث ان کی طرف منسوب کروں گا

کأنّی أسندتُ إلی النبیِّ ﷺ لأنّھم قد فرغُوا منہ وأغنَونا عنہ وسردتُ الکُتبَ والأبوابَ کما سردَھا واقتفیتُ إثرَہ فیھا

ترجمہ: تو گویا میں نبی پاک ﷺ تک اُس کی سند پہنچانے والا ہوں گا کیونکہ مذکورہ بالا محدثین (اپنی کتابوں میں) سند کے بیان کرنے سے فارغ ہو چکے ہیں اور ہمیں اس (یعنی سند کے بیان) سے بے پرواہ کر دیا ہے، میں نے کتب اور ابواب کو امام محیی السنہ کی ترتیب کے موافق بیان کیا ہے اور اس حوالے سے اُن کے نقشِ قدم پر چلا ہوں

وقسمتُ کلّ بابٍ غالبًا علیٰ فصولِ ثلاثۃٍ أوّلُھا ماأخرجَہ الشیخانِ أو أحدُھما واکتفیتُ بھما وإن اشترکَ فیہ الغیرُ لِعُلُوِّ درجتِھا فی الروایۃِ

ترجمہ: اور میں نے ہر باب کو اکثر تین فصلوں پر تقسیم کیا ہے، چنانچہ پہلی فصل میں وہ احادیث ہیں جن کو شیخین (امام بخاریؒ وامام مسلمؒ) نے یا دونوں میں سے ایک نے روایت کیا ہے اور میں نے ان دونوں (کا حوالہ ذکر کرنے) پر کفایت کی ہے اگر چہ اُن احادیث کی روایت میں دوسرے محدثین بھی اُن کے شریک ہوں روایت میں شیخین کے بلند درجہ ہونے کی وجہ سے

وثانیھا ماأوردَہ غیرُھما مِن الأئمّۃِ المذکورینَ وثالثُھا مااشتملَ علیٰ معنیٰ البابِ مِن

ملحقاتٍ مُناسبةٍ مع محافظةٍ علی الشریطةِ

ترجمہ: اور دوسری فصل میں وہ احادیث ہیں جن کو شیخین کے علاوہ مذکورہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے بیان کیا ہے، اور تیسری فصل میں وہ احادیث ہیں جو باب کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوئے اُس باب کے مضمون پر مشتمل ہو

وإن کانَ مأثورًا عن السَّلَفِ والخلفِ ثمّ إنّکَ إن فقدتَّ حدیثًا فی بابٍ فذلکَ

ترجمہ: اگر چہ وہ صحابہ وتابعین سے منقول ہو، پھر اگر تو (مصابیح کی) کسی حدیث کو (مشکوٰۃ کے) کسی باب میں نہ پائے تو

عَن تکریرٍ أُسقِطُه وإن وجدتَّ اٰخرَ بعضَه متروکًا علیٰ اختصارِہٖ أو مضمومًا إلیہ تمامُه فعن داعی اهتمامٍ أترُکه وأُلحِقُه

ترجمہ: تکرار کی وجہ سے میں نے اُس کو ساقط کیا ہوگا اور اگر کسی حدیث کو اس طرح پاؤ کہ اُس کا بعض حصہ اختصار پر چھوڑ دیا گیا ہے یا باقی حدیث بھی اُس کے ساتھ ملا دی گئی ہے تو اہتمام کے باعث میں اُس کو چھوڑنے والا اور ملانے والا ہوں گا

وإن عثرتَ علیٰ اختلافٍ فی الفصلین مِن ذکرِ غیرِ الشیخین فی الأوّلِ وذکرِهما فی الثانی فاعلَمْ أنّی بعدَ تتبُّعِی کتابَی الجمعِ بین الصحیحینِ للحُمَیدی وجامعَ الأصول

ترجمہ: اور اگر تو دونوں فصلوں میں کسی اختلاف پر مطلع ہو کہ غیر شیخین (کی حدیث) کا فصلِ اول میں ذکر ہو اور شیخین (کی حدیث) کا فصلِ ثانی میں ذکر ہو تو (اس کی وجہ) جان لو کہ میں نے امام حُمیدی کی جمع بین الصحیحین اور جامع الاصول میں حدیث تلاش کرنے کے بعد

اعتمدتُّ علیٰ صحیحَیِ الشیخین ومتنَیهِما وإن رأیتَ اختلافًا فی نفسِ الحدیثِ

ترجمہ: شیخین کی صحیحین (یعنی جامع بخاری ومسلم) اور اس کے متن پر اعتماد کیا اور اگر نفسِ حدیث میں تجھے اختلاف نظر آئے

فذلکَ مِن تشعُّبِ طرُقِ الأحادیثِ ولَعَلّی ماطّلعتُ علیٰ تلکَ الروایةِ الّتی سلکَها الشیخُ [رضی الله عنه] وقلیلاً ما تجدُ أقول:

ترجمہ: تو اس کی وجہ حدیث کی مختلف سندوں کی کثرت ہے اور شاید کہ میں اُس روایت (یعنی اُس سند کے ساتھ) پر مطلع نہ ہو سکا جسے شیخ امام محیی السنہ (اللہ اُن سے راضی ہو) نے اختیار کیا اور کم ہی تو مجھے یہ کہتے ہوئے پائے گا:

"ما وجدتُّ هٰذه الروایةَ فی کُتُبِ الأصولِ أو وجدتُّ خلافَها فیها" فإذا وقفتَ علیه فانسِبِ القصورَ إلیّ لِقلّةِ الدرایةِ

ترجمہ: کہ "یہ روایت کتبِ اصول میں مجھے دستیاب نہ ہو سکی یا مجھے اس کے برخلاف روایت ملی" جب ایسے اختلاف پر تو مطلع ہو تو قصور کی

نسبت میری کم مائیگی کی وجہ سے میری طرف کر

لاإلىٰ جنابِ الشيخِ [رفعَ اللهُ قدرَه]في الدارينِ حاشاللّٰه مِن ذٰلكَ ،رحِمَ اللهُ مَن إذا وقفَ علىٰ ذلكَ، نبّهَنا عليه

ترجمہ: نہ کہ جناب شیخ محیی السنہ کی طرف، اللہ تعالیٰ دارین میں اُن کا مرتبہ بلند فرمائے، اس سے (یعنی شیخ کی طرف قصور کی نسبت سے) اللہ کی پناہ، اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم فرمائے جو ایسی کسی بات پر واقف ہو تو ہمیں اس پر خبردار کرے

وأرشـدَنا طريقَ الصوابِ ولَم الُ جُهدًا في التنقِيرِ والتفتِيش بِقدرِ الوُسعِ والطّاقةِ ونقلتُ ذلكَ الاختلافَ كما وجدتُّ

ترجمہ: اور ہمیں درست راہ کی ہدایت فرمائے، اور میں نے بقدرِ وسعت وطاقت حدیث کی تحقیق وتفتیش (یعنی تلاش) میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی اور اختلاف جس طرح مجھے ملا میں نے اُس کو (اسی طرح) نقل کر دیا ہے

ومـا أشـارَ اليه[رضِىَ الله عنه] مِن غريبٍ أو ضعيفٍ أو غيرِهما بيّنتُ وجهَه غالبًا وما لم يُشِر اليه مِمّا في الأصولِ

ترجمہ: اور شیخ (اللہ اُن سے راضی ہو) نے جس حدیث کے غریب یا ضعیف وغیرہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے میں نے اکثر اُس کی وجہ بیان کر دی ہے اور اصول (یعنی کتب ستہ) کی جس حدیث (کے ضعف وغرابت) کی طرف انہوں نے اشارہ نہیں کیا

فقدقَفَيْتُه في تركهٖ إلّا في مواضعَ لغرضٍ ورُبّما تجدُ مواضعَ مُهملةً وذلكَ حيثُ لم أطّلِعْ علىٰ روايةٍ فتركتُ البياضَ

ترجمہ: میں نے بھی اُس کے چھوڑ دینے میں شیخ کی پیروی کی ہے مگر چند ایک جگہوں میں کسی خاص غرض سے (ایسا نہیں کیا) اور بعض دفعہ تو مہمل (یعنی حوالہ کے بغیر خالی) جگہیں پائے گا اور یہ اُس وقت جبکہ میں روایت (کے حوالہ وسند) پر مطلع نہ ہو سکا چنانچہ میں نے بیاض (سفید خالی جگہ) چھوڑ دی

فإن عثرتَ عـليه فألحقه بهٖ[أحسنَ اللهُ جزاكَ] وسمّيتُ الكتابَ بمشكوٰةالمَصابيحِ وأسألُ اللهَ التوفيقَ والإعانةَ والهدايةَ والصيانةَ وتَيسِيرَ ماأقصِدُهٗ

ترجمہ: پس اگر تو اس کے سند وحوالہ پر مطلع ہو تو اس سند کو اُس حدیث کے ساتھ ملا دو، (اللہ تعالیٰ تجھے بہتر بدلہ دے) میں نے اس کتاب کا نام مشکوٰۃ المصابیح رکھا ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں توفیق اور مدد کا اور ہدایت اور صیانت (خطا سے بچنے) کا اور اس بات کا کہ جس کام کا میں نے قصد کیا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو آسان بنا دے،

وأن ینفعني في الحیوۃ وبعدَ المماتِ وجمیعَ المُسلمینَ والمسلماتِ حسبِیَ اللهُ ونعمَ الوکیلِ ولاحولَ ولاقوّۃَإلاّ باللہ العزیزِ الحکیمِ .

ترجمہ: اوراُس سے مجھے میری زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی اور تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بھی نفع دے اللہ تعالیٰ میرے لیے کافی ہے۔وہ بہترین کارساز ہے،گناہ سے بچنے کی اور نیک کام کرنے کی طاقت نہیں مگر اللہ کی مدد وتوفیق سے جو غالب حکمت والا ہے۔

تشریح: قوله: بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمدللہ نحمدہ و نستعینه .... ۔مصنفؒ نے قرآن،حدیث اور ائمہ دین کی اتباع میں اپنی کتاب کی ابتداء بسم اللہ اور الحمد للہ سے فرمائی۔ذکر اللہ سے ابتداء کے مضمون پر مشتمل احادیث کے لفظوں میں معمولی سا اختلاف ہے مقصود سب کا ایک ہے۔ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ اور خطیب بغدادی کی جامع میں یہ احادیث موجود ہیں۔

مؤلف حمد کے دو جملے کیوں لائیں؟:

"الحمدللہ اور نحمدُہ" دونوں جملے حمد پر مشتمل ہیں،فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا جملہ اسمیہ ہے جو دوام پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا فعلیہ ہے جو تجدّد اور حدوث پر دال ہے۔اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں انسان پر ساری زندگی تسلسل کے ساتھ برستی ہیں تو نعمتوں کے اس تسلسل اور دوام پر اللہ کی حمد جملہ اسمیہ سے کی،اور ان نعمتوں میں ہر پل جو تجدد (نیاپن) کی شان رہتی ہے اس پر حمد کے لئے جملہ فعلیہ لیکر آئے جو کہ تجدّد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے۔

قوله: نستعینه و نستغفرہ ونعوذ باللہ من شرورِ أنفسنا ... :۔"نحمدہ" سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ ہم حمد پر قادر ہیں،حالانکہ اللہ کی مدد کے بغیر بندہ ہیچ محض ہے،اس لئے اس وہم کے دفعیہ کے لئے "نستعینه" لائے۔پھر کما حقہ اللہ کی شان بیان کرنا اور حقِ تعریف ادا کرنا چونکہ ناممکن ہے اس لئے "ونستغفرہ" فرمایا۔پھر آدمی سے چونکہ گناہ ہوتے رہتے ہیں،خواہ ظاہری ہو یا باطنی،یہ گناہ طاعت واستغفار سے مانع اور ریا وسمعت کا باعث ہوتے ہیں دونوں قسم کے گناہوں میں چونکہ خواہش نفسانی کا دخل ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ "نعوذُ باللہ من شرور أنفسِنا."

قوله: من یهدہ اللہ ... ومن یُضلِل... :۔ان دونوں جملوں میں "مَن "موصولہ ہے۔قواعدِ نحو کے اعتبار سے صلہ کی ضمیر کا لانا اور حذف کرنا دونوں جائز ہیں،لہذا ان دو جملوں میں اس قاعدے کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: وأشهد...:۔مذکورہ بالا افعال(یعنی: نحمدہ و نستعینه و نستغفرہ) کے برخلاف یہاں واحد کا صیغہ لائے،جس کی وجہ یہ ہے کہ شہادت فعلِ قلب ہے اور اپنے ماسوا کے دل پر اطلاع پانا ممکن نہیں کہ آدمی اس کی طرف سے بھی شہادت دیدے،اس لیے واحد متکلم کا صیغہ لے کر آئے۔

قوله: وطرق الإیمان...:۔اس سے مراد انبیاء کرام وعلماء ہیں جو آنحضرت ﷺ سے پہلے گذرے ہیں۔

قوله: و خبت أنوارها...:۔"أنوار" سے مراد انبیاء سابقین کی تعلیمات وہدایات ہیں۔

قوله: وو هنت أرکانُها...:۔"أرکان" سے مراد توحید ورسالت،بعثت اور قیامت کے عقائد ہیں۔

قوله: و جُهل مکانُها. . .:۔اس سے مراد صحیح علم وعقیدہ حاصل کرنے کے مقامات ہیں مثلا مدارس اور خانقاہیں۔

قوله: فشيّد [صلوٰت الله عليه و سلامه] من معالمهاما عفا:۔ "من معالمها"، " شيّد" کے مفعول مؤخر" ماعفا" کا بیان مقدم ہے۔ قوله:" و شفيٰ من العليل فی تأييد کلمة التوحيدمن کان علیٰ شفا.."ـ "من العليل" ،"شفی "کے مفعول مؤخر" من کان علیٰ شفا" کا بیانِ مقدم ہے اور" فی تائيد کلمة التوحيد "میں" فی "اجلیہ اور سببیہ ہے اور متعلق ہے" شفیٰ" کے ساتھ۔ پہلا والا" شفی "فعل ماضی کا صیغہ ہے اور دوسرا والا " شفا "اسم ہے بمعنی کنارہ کے اور اسمیں فنِ بلاغت کی صنعت جناس ہے کہ دولفظ تلفظ میں باہم متشابہ ہو اور معنی میں باہم متغایر ہو۔

"أمّا بعد "کے استعمال کے دومقام اورسب سے پہلے "أمّا بعد "کہنے والا:

قوله: أمّا بعد. . .:۔اس کے استعمال کے دومقام ہیں:

(۱)جب متکلم سابقہ اسلوب کو چھوڑکر کسی دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہونا چاہے جیسا کہ یہاں پر ہے۔

(۲)خطبہ میں" أمّـا بعد" کوذکرکرتے ہیں جو بتصریح علامہ عبدالحق محدث دہلویؒ مسنون ومستحب ہے اس کے متکلم اول صحیح قول کے مطابق حضرت سیدنا داوٗدعلیہ السلام ہیں۔

قوله: فـإنّ التمسّكَ بهديِه . . . :۔اِس عبارت میں مصنف نے اپنی کتاب کے لئے علم حدیث کو منتخب کرنے کی دووجہیں ذکرفرمائی ہیں جس سے علم حدیث کی اہمیت سامنے آجاتی ہے، چنانچہ وہ دووجہیں درج ذیل ہیں:

(۱) تمام انسانوں کی فلاح وبہبود کا مدار اتباع نبی پر ہے، جوموقوف ہے آپ علیہ السلام کے اقوال، افعال اور تقریرات کے جاننے پر، اور اس کا جاننا موقوف ہے علم حدیث پر، تو گویا فلاح انسانی موقوف ہوئی علم حدیث پر۔

(۲)فہمِ قرآن موقوف ہے آپ ﷺ کے ارشادات وتوضیحات پر اور اس کا جاننا بھی موقوف ہے علم حدیث پر۔

قوله: بالاقتفاء لما صدر. . .:۔ أی بالا تباع لعلمٍ صَدرَ من مشکوٰتہ أی من صدرہ ﷺ.

قوله: والا عتصام بحبل الله. . . :۔ "حبل الله" سے مراد قرآن کریم ہے۔

قوله: لشوار دِ ا لأحاديث. . .:۔ "شوارد"شاردةٌ کی جمع ہے بمعنی بھاگنے والا اونٹ۔

قوله: أوابدها . . .:۔ "أوابد"ابدةٌ کی جمع ہے بمعنی وحشی جانور۔

احادیث کوشوارد اور اوابد کہنے کی وجہ:

وہ احادیث جوحدیث کی بڑی کتابوں یعنی اصول میں مذکور ہیں اور عام طالبین کی وہاں تک رسائی دشوار ہے، اُن کو" شـوارد " یعنی بھاگنے والے اونٹوں سے تشبیہ دی کہ جیسے بھاگتے ہوئے اونٹوں کا ملنا دشوار ہوتا ہے اس طرح عام طالبین کو ان احادیث کا ملنا دشوار ہے اور جن احادیث کی معانی مقصودہ پر دلالت واضح نہیں بلکہ اسمیں خفاء ہے اور عقولِ عامہ سے وہ معانی غیر مانوس ہیں، اُن کو تشبیہ دی" اوابد" سے یعنی وحشی جانوروں سے کہ جیسے وحشی جانور انسانوں سے غیر مانوس ہوتے ہیں ویسے ہی یہ احادیث بھی عقول عامہ سے غیر مانوس ہیں۔اسمیں

اس مشہور محاورہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ" العلم صيدٌ والكتابةُ قيدٌ" یعنی" علم بھاگ نکلنے والے شکار کی مانند ہے، جس کی روک تھام کرنے والی بیڑی کتابت ہے"۔

قوله: طريقُ الاختصاروحذف الأسانيد...:۔" وحذف "کو بصورتِ فعل بھی پڑھا گیا ہے اور بصورت مصدر بھی پڑھا گیا ہے۔ پہلی صورت میں "الأسانيدَ "اس کے لیے مفعول بہ ہوگا اور اس کا عطف" ولـمّـا سلك" پر ہوگا اور دوسری صورت میں اس کا عطف " طريق الا ختصار " پر ہوگا اور یہ عطف تفسیری ہوگا۔

قوله: ليس مافيه أعلام كا لأغفال...:۔یعنی" جس زمین میں علامات ہو وہ بے نام ونشان زمینوں کی طرح نہیں ہے"أعلام ،علَم کی جمع ہے بمعنیٰ علامت ونشانی اور أغفال ،غُفلٌ کی جمع ہے بمعنیٰ بے نشان زمین ۔ایک نسخہ میں إعلام و إغفال دونوں بصیغہ مصدر از بابِ افعال آئے ہیں، إعلام کا معنیٰ نشان زدہ کرنا اور إغفال کا معنیٰ بے نشان چھوڑنا ہے، اس نسخہ کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ علامات نہ لگانا اور بے نشان چھوڑ دینا کوئی اچھی بات نہیں۔ (تحفۃ المرآۃ، لمحات)

مشہور ائمہ حدیث کا مختصر تعارف:

قو له: الأئمة المتقنون ...:

(۱)أبى عبد الله محمد بن إسماعيل البخاريؒ :۔آپؒ بخارا کے باسی ہیں، ۱۹۴ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۵۶ھ میں وفات پائی۔آپؒ صحیح بخاری کے جامع اور مؤلف ہیں۔

(۲)أبو الحسين مسلم بن الحجاج القشيريؒ:۔نیشاپور کے رہنے والے اور عربی قبیلہ بنو قشیر سے نسبی تعلق رکھتے ہیں، ۲۰۴ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔آپؒ صحیح مسلم کے مؤلف ہیں۔

(۳)أبوعبدالله مالك بن أنس الأصبحيؒ:۔آپؒ مدینہ منورہ کے باسی اور وہاں کے مشہور امام، فقیہ اور محدث ہیں ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۵ھ میں وفات پائی، یمن کے بادشاہوں کی نسل میں سے ہیں جن میں اصبح نامی کی طرف آپؒ منسوب ہیں حدیث میں مؤطا آپ کی شاہکار ہیں۔

(۴)أبو عبدالله محمد بن إدريس الشافعيؒ:۔آپؒ مکی اور قریشی ہیں، اپنے دادا شافع کی طرف نسبت سے شافعی کہلاتے ہیں، ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔آپؒ فقہ شافعی کے امام ہیں۔

(۵) أبو عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشيبانيؒ:۔آپؒ فقہ حنبلی کے مشہور امام اور مسند احمد کے مولف ہیں۔آپؒ خلقِ قرآن کے مسئلہ میں آزمائے گئے، حنبل آپ کے دادا تھے، شیبان قبیلہ سے آپؒ کا تعلق تھا، ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

(۶) أبو عيسى محمد بن عيسى الترمذيؒ:۔آپؒ جامع ترمذی کے مؤلف اور امام بخاری کے مایہ ناز شاگرد ہیں، نہر جیحون کے کنارے آباد" ترمذ" نامی شہر میں پیدا ہوئے، ۲۷۹ھ کو وفات پائی۔

(۷) أبو داؤد سليمان بن الأشعث السبحستانيؒ :۔آپؒ سنن ابوداؤد کے مؤلف ہیں،آپؒ سیستان نامی علاقہ کی طرف منسوب ہیں،جس کو عربی میں سجستان کہتے ہیں۔ ۲۰۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور بصرہ میں ۲۷۵ھ میں وفات پائی۔

(۸) أبو عبدالرحمن أحمد بن شعيب النسائيؒ :۔آپؒ صاحبِ سنن نسائی ہیں،حراسان کے شہر نساء کی طرف منسوب ہیں، ۲۱۵ھ میں ولادت ہوئی اور ۳۰۲ھ میں مکہ میں وفات پائی۔

(۹) أبو عبدالله محمد بن يزيد ابن ماجه القزوينيؒ :۔آپؒ سنن ابن ماجہ کے مؤلف ہیں،قزوین شہر کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں۔ ۲۰۹ھ میں متولد ہوئے اور ۲۷۳ھ میں وفات پائی،ماجہ آپ کی والدہ تھی۔ابن ماجہ میں ابن کا ہمزہ سلامت رہیگا اور یہ محمد بن یزید سے بدل ہوگا۔

(۱۰) أبو محمد عبدالله بن عبدالرحمن الدارميؒ :۔سننِ دارمی کے مؤلف ہیں، ۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۵ھ میں وفات پائی،دارم بن مالک جو قبیلہ بنو تمیم کی ایک شاخ ہے کی طرف منسوب ہو کر دارمی کہلاتے ہیں۔

(۱۱) أبو الحسن علي بن عمر الدار قطنيؒ :۔علم حدیث میں دارقطنی آپؒ کی تالیف ہے،بغداد کے ایک محلے دارقطن کی نسبت سے آپ دارقطنی کہلاتے ہیں۔ ۳۰۶ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور ۳۸۵ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

(۱۲) أبو بكر أحمد بن حسين البيهقيؒ :۔آپؒ سننِ بیہقی کے مؤلف ہیں، ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۵۸ھ میں نیشاپور میں وفات پائی،آپؒ کو''بیہق'' نامی شہر کی نسبت سے بیہقی کہا جاتا ہے۔

(۱۳) أبو الحسن رزين بن معاوية العبدريؒ :۔آپؒ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے محدث ہیں،قریش کی ایک ذیلی شاخ عبدالدار کی نسبت سے آپؒ عبدری کہلاتے ہیں، ۵۲۰ھ کے بعد وفات پائی۔

مشکوٰۃ اور مصابیح کے مابین چودہ وجوہِ فرق:

مؤلفِ مشکوٰۃ نے دیباچہ میں درج ذیل چودہ وجوہِ فرق بیان کئے ہیں:

(۱) ذکرِ صحابی: مصابیح میں صحابی کا ذکر نہیں،مشکوٰۃ میں متنِ حدیث سے پہلے اس کا نام ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) ماخذ: مصابیح میں ماخذ کا حوالہ نہیں جبکہ مشکوٰۃ میں ہے الا نادراً۔

(۳) عنوان: مصابیح میں احادیثِ صحیحین''من الصحاح''اور غیر صحیحین کی احادیث''من الحسان''کے عنوان سے ہیں جبکہ مشکوٰۃ میں ''الفصل الاول''اور''الفصل الثانی''کے عنوان سے ہیں۔

(۴) فصل ثالث: صاحبِ مشکوٰۃ نے مصابیح کے دو فصول پر فصل ثالث کا اضافہ فرمایا ہے،جس میں مضمونِ باب کے مناسب ہر طرح کی صحیح،حسن اور ضعیف احادیث جمع کی ہیں۔

(۵) حدیثِ مرفوع: مصابیح میں قصداً و اصالۃً صرف مرفوع احادیث ذکر کی گئی ہیں لیکن مشکوٰۃ میں موقوف و مقطوع احادیث بھی ہیں۔

(٦) حذفِ تکرار: مصابیح کی احادیث مکررہ میں تکرار کو صاحبِ مشکوٰۃ نے حذف کیا اور اِن احادیثِ مکررہ کو صرف اُن ابواب میں باقی رکھا جس کے ساتھ اِن کی مناسبت زیادہ تھی۔

(٧) اختصارِ حدیث: مشکوٰۃ میں مصابیح کی بعض مفصل احادیث میں مصلحت کی بنا پر اختصار کیا گیا۔

(٨) تکمیلِ حدیث: مصابیح کی بعض مختصر احادیث کو مشکوٰۃ میں بعض مصلحتوں کی بنا پر مکمل ذکر کیا گیا، مثلاً: باقی حدیث بھی باب کے مناسب تھی یا کثیر الفوائد تھی یا اس کے ذکر کیے بغیر معنیٰ مقصود میں خلل آتا۔

(٩) تبدیلی حوالہ: مشکوٰۃ میں بعض جگہ فصل اول کی احادیث میں غیر صحیحین کا حوالہ ہوتا ہے اور فصل ثانی میں صحیحین کا، جو صاحبِ مشکوٰۃ کی تحقیق وتفتیش کا ثمرہ ہے۔

(١٠) اختلاف متن: بعض جگہ مصابیح کے نقل کردہ الفاظ کتبِ اُصول میں نہیں ملے تو وہاں ان الفاظ کو ترک کرکے کتبِ اُصول ہی میں اِس روایت کے کسی دوسرے طریقۂ سند میں جو الفاظ قدرے اختلاف کے ساتھ مذکور ہیں وہ لکھ دیئے اور یہ عبارت بھی لکھ دی: ''وجدتُ خلاف هذه الرواية في كتبِ الأصول.'' یعنی ''کتب اصول میں مجھے اس کے خلاف روایت ملی''۔

(١١) عدم وجدان فی کتب الاصول: جو احادیث کتب اصول میں نہ مل سکی بلکہ ان کے علاوہ کتب میں دستیاب ہوئی وہاں بعض مقامات میں یہ لکھ دیا: ''ماوجدتُ هذه الرواية في كتب الأصول ولا في كتاب الحميدي.'' یعنی ''یہ روایت نہ کتب الاصول میں مجھے ملی اور نہ حُمیدی کی کتاب میں''۔

(١٢) بیانِ وجہ نکارت: مصابیح میں بعض احادیث کو ضعیف اور منکر کہا گیا تھا لیکن وجہ ضعف اور نکارت بیان نہیں کی گئی تھی، مشکوٰۃ میں اس کو بیان کیا گیا یعنی ائمہ محدّثین سے اس کی تائید نقل کردی۔

(١٣) بیانِ ضعف ونکارت: مصابیح میں بعض احادیث کے ضعیف یا منکر ہونے کے باوجود اس کے ضعف ونکارت کو بیان نہیں کیا گیا، مشکوٰۃ میں کسی غرض سے اس کو بیان کردیا گیا، مثلاً بعض لوگوں نے ان احادیث کو موضوع سمجھ لیا تھا تو صاحبِ مشکوٰۃ نے اس کا ضعف بیان کرکے بتا دیا کہ یہ حدیث ضعیف تو ہے لیکن موضوع نہیں۔

(١٤) بیاض: صاحبِ مشکوٰۃ کو جن احادیث کا حوالہ نہ مل سکا وہاں بیاض چھوڑ دی یعنی وہاں کچھ نہ لکھا بلکہ کاغذ میں خالی جگہ چھوڑی کہ میرے علاوہ اگر کسی کو حوالہ معلوم ہو تو یہاں لکھ ڈالے۔ (مرآۃ نفحات)

درجہ بالا وجوہِ فرق کا دیباچۂ مشکوٰۃ میں تعیّن:

''فأعلمت ما أغفله...'' میں ذکرِ صحابی کی طرف اور ''فأودعتُ كلّ حديثٍ...'' میں ماخذ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

''وإني إذا نسبتُ الحديث...'' میں ایک اعتراض کا جواب دیا ہے کہ مشکوٰۃ میں مذکورہ بالا ائمہ کا حوالہ دینا نبی پاک ﷺ تک حدیث کی سند بیان کرنے کے مترادف ہے کیونکہ یہ ائمہ اپنی کتب میں سندیں بیان کرچکے ہیں۔

''قسمتُ كلّ بابٍ علىٰ ثلثة فصول...'' میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مشکوٰۃ میں فصل کے عنوان کے تحت احادیث لائی جائیں گی

اور اس بات کی طرف بھی کہ مشکوٰۃ میں فصل ثالث کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

'' وثالثھاما اشتمل...'' میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ مصابیح مرفوع احادیث پر مشتمل ہے اور مشکوٰۃ میں مقطوع و موقوف احادیث بھی ہیں۔

'' فذلك عن تكريرٍ أُسقِطُه...'' میں حذف تکرار کی طرف اشارہ ہے اور ''متروكاً على اختصار'' میں اختصارِ حدیث کی طرف اور ''مضموماً اليه تمامه'' میں تکمیل حدیث کی طرف اور'' وان عثرتَ على اختلافٍ ...'' سے تبدیلی حوالہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

'' وإن رأيتَ اختلافافي نفس الحديث...'' میں اختلافِ متن کی جانب اشارہ ہے۔

'' وقليلا ماتجد أقول ...'' میں عدم وجدان فی کتب الاصول کی طرف اشارہ کیا ہے۔'' وما أشارإليه رضي الله عنه ...'' میں مصابیح کے منکر وضعیف روایات کی وجہِ نکارت کے بیان کی طرف اشارہ ہے۔'' ومالم يُشرإليه ... إلا في مواضع لغرض...'' میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ مصابیح کی وہ احادیث جو منکر وضعیف تھی لیکن صاحب مصابیح نے اس پر سکوت فرمایا تھا میں نے ان احادیث کے ضعف و نکارت کو بیان کر دیا ہے۔'' فتركتُ البياض..'' میں بیاض کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: الجمع بين الصحيحين للحميدى .... :۔حمیدی سے مراد ابو عبد اللہ بن ابی نصر حمیدی اندلسیؒ ہیں (یہ امام بخاریؒ کے استاد حمیدیؒ متوفی ۲۱۹ھ کے علاوہ ہیں) مسلکاً ظاہری تھے، بڑے پرہیز گار تھے، ۴۸۸ھ میں آپؒ کی وفات ہوئی۔

قوله: جامع الأصول ...:۔ یہ ابن الاثیر الجزریؒ کی تصنیف ہے۔ اس میں آپؒ نے صحاح ستہ کی احادیث کو حروفِ تہجی کی ترتیب سے جمع کیا ہے۔نہایت مفید اور جامع کتاب ہے۔ابن الاثیر الجزری کا پورا نام مجد الدین ابو السعادات مبارک بن محمد الجزریؒ ہے۔۶۰۶ھ میں آپؒ نے وفات پائی۔(مرآۃ،نفحات)

حدیث إنّماالأعمالُ بالنيّت:

عن عمر بن الخطابؓ قال: قال رسول اللهﷺ :إنّما الأعمالُ بالنيّاتِ وإنّما لإمرئٍ ما نوى فمن كانتْ هجرتهُ إلى اللهِ ورسولِه ،فهجرتُه إلى الله ورسوله،ومن كانتْ هجرتُه إلىٰ دنيا يُصيبُها أو امرأةٍ يتزوّجُها ،فهجرتُه إلىٰ ما هاجرَ إليه.

ترجمہ:حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جس کی نیت کی ہے لہٰذا جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا پانے کے لیے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہے تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہوئی جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔(متفق علیہ)

ایک اشکال اور اُس کا جواب:

تشریح: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث ''إنـمـا الأعمال بالنيات ...'' کو پہلے کیوں ذکر فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو پہلے ذکر کرنے کی کئی وجوہ ہیں:

(۱) صاحب مشکوٰۃ نے اپنے پیش رو امام بخاریؒ اور صاحب مصابیح کی اتباع میں ایسا کیا۔

(۲) تصحیح نیت پر تنبیہ کرنے کے لئے اس کو مقدم ذکر فرمایا۔

(۳) اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ طالبِ حدیث کو بھی ہجرت سے چارہ نہیں، نہ ظاہری ہجرت سے چارہ ہے جو ترکِ وطن ہے اور نہ باطنی ہجرت سے جو کہ ترک معاصی ہے۔

شانِ ورودِ حدیث:

جس طرح آیات قرآنیہ کا شانِ نزول ہوتا ہے ایسے ہی احادیث کی شان ورود ہوتی ہے۔ اس حدیث کی شان ورود یہ ہے کہ مکہ کے ایک شخص نے مدینہ میں امِ قیس نامی ایک مسلمان عورت کو پیغام نکاح بھیجا، اس نے ہجرت اور اسلام کی شرط پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اس شخص نے اس عورت سے نکاح کی غرض سے ہجرت کی۔ چونکہ یہ نیت فاسد تھی، لہٰذا آپ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس شخص اور پوری امت کی اصلاح وآ گہی کے لئے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں یہ حدیث بیان فرمائی، مذکورہ بالا شخص کو بعد میں مہاجرِ امِ قیس کہا جانے لگا۔

حضرت عمرؓ کا مختصر تعارف: حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطاب کے بیٹے ہیں، ابوالحفص آپؓ کی کنیت ہے، فاروق لقب ہے، رسول اللہ ﷺ کے دوسرے خلیفہ راشد ہیں، اسلام لانے میں آپ چالسویں نمبر پر ہیں۔ آپؓ کا اسلام لانا اسلام کی عزت وشوکت تھی اور آپ کی خلافت رحمت۔ آپؓ سے (۵۳۷) احادیث مروی ہیں، آپؓ عام الفیل کے ۱۳ برس بعد پیدا ہوئے تھے، ۱۳ھ میں خلیفہ بنے اور یکم محرم ۲۴ھ میں ابو لؤلؤ فیروز مجوسی کے لگائے ہوئے زخم سے شہادت پائی، حضرت صہیب رومیؓ نے آپؓ کا جنازہ پڑھایا۔

قولہ: إنّما الأعمال بالنيّات... :۔ اعمال، عمل کی جمع ہے، عمل، فعل کی بنسبت خاص ہے، کیونکہ عمل کی نسبت صرف ذوی العقول کی طرف ہوتی ہے اور فعل کی غیر ذوی العقول کی طرف بھی، اور عمل کے اندر قصد واختیار ضروری ہے جبکہ فعل کا صدور بلا قصد بھی ہوتا ہے۔

نیت کا لغوی، اصطلاحی معنیٰ:

"بالنيّات" یاء کی تخفیف اور تشدید دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، افصح تشدید ہے۔ یہ نِيّة کی جمع ہے نیت کا لغوی معنی ہے "انبعاثُ القلبِ نحوَ ما يراه مُوافِقًا لِغرضه" یعنی "کسی ایسی چیز کی طرف دل کا میلان جو اس کے مطلوب کے موافق ہو"۔ اور اصطلاحی معنیٰ "الإرادةُ المتوجهةُ إلى العمل ابتغاءً لِمرضاةِ الله وامتثالاً لِحُكمِه." یعنی رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر حکم خداوندی کی تعمیل کا ارادہ کرنا۔

بالنيّات کی باء کے متعلَّق کے بارے میں:

یہاں بالنیات کی باء جارہ کے متعلَّق کے بارے میں اختلاف ہوا ہے، چنانچہ عند الاحناف یہ باء متعلق ہے [تُثَــابُ] فعلِ خاص کے ساتھ۔ مطلب یہ ہوگا کہ اعمال کے ثواب کا دارو مدار نیتوں پر ہے یعنی بغیر نیت کے عمل تو وجود میں آ جائیگا، لیکن ثواب نہ ملے گا اور عند الشوافع والموالک یہ متعلق ہے [تَـصِـحّ] فعلِ خاص کے ساتھ۔ ثمرۂ اختلاف وضو میں ظاہر ہوگا کہ بلا نیت کے وضو درست ہے یا نہیں؟ تو عند الاحناف بغیر نیت کے وضو درست ہے البتہ ثواب نہیں ملے گا۔ جبکہ عند الشوافع وضو درست ہی نہیں ہوگا تو ثواب کی امید کہاں سے؟

احناف کی طرف سے شوافع کو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ حدیث کا مقصود مسائل فقہیہ بتانا نہیں بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ اعمال کے حسن

وقبح کا مدار نیت پر ہے۔

بالنیّات کی باءِ جارہ کا معنیٰ:

یہاں یہ گفتگو بھی ہوتی ہے کہ بالنیات کی باءِ جارہ کس معنیٰ میں مستعمل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو استعانت کے معنیٰ میں بھی لے سکتے ہیں کہ عمل پر حصولِ ثواب میں نیت ممد و معاون ہے اور مصاحبت کے معنیٰ میں بھی۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ نیت عمل کے ساتھ مقرون ہونی چاہئے، اقترانِ نیت کے بغیر عمل پر ثواب نہیں ملے گا۔

اس حدیث میں ''الأعمال'' کا مصداق کون سے اعمال ہیں؟:

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ الأعمال کا مصداق کون سے اعمال ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ باجماعِ علماء اعمالِ کفار اس سے مستثنیٰ ہے۔ ایسے ہی مسلمانوں کے اعمالِ معصیت بھی اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ نیتِ صالحہ سے معصیت کرنا بھی معصیت ہے۔ علاوہ ازیں دو قسم کے اعمال رہ جاتے ہیں جن کو اس حدیث میں الأعمال کا مصداق ٹھہرا سکتے ہیں:

(۱) طاعات (۲) مباحات۔

قوله: وإنما لامرئ مانوى ...:۔ [امرءٌ] مرد کو کہتے ہیں، عورتیں تبعاً اس میں داخل ہیں۔

ایک سوال اور اُس کا جواب:

قوله: فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله و رسوله ...:۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جملہ ثانیہ (فهجرته إلى الله ...) کا جملہ اولیٰ (فمن كانت هجرته ...) کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ تو بعض علماء کے ہاں یہ جملہ اولیٰ کی تاکید (اعادۃ المعنیٰ) کے لئے ہے اور عند البعض یہ جملہ اولیٰ کی تاسیس (افادۃ المعنی الجدید) کے لئے ہے، یہی راجح ہے۔ دریں صورت جملہ اولیٰ کا تعلق نفسِ عمل کے ساتھ رہے گا اور جملہ ثانیہ کا تعلق وجہِ عمل اور غرضِ عمل کے ساتھ (اسی کو صاحب مشکوٰۃ نے پسند فرمایا ہے)۔

ہجرت کی لغوی، اصطلاحی تعریف:

ہجرت لغۃً ''انتقال من مكان إلى مكان'' کے معنیٰ میں آتا ہے اور اصطلاحاً ''انتقالٌ من مكانٍ إلى مكانٍ لِمرضاةِ الله'' کے معنیٰ میں۔ اس ہجرت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ہجرتِ ظاہری (۲) ہجرتِ باطنی ۔ ہجرتِ ظاہری کی پھر دو قسمیں ہیں:

(۱) دارالفساد سے دارالامن کی طرف ہجرت جیسے: مکہ مکرمہ سے ہجرت حبشہ

(۲) دارالکفر سے دارالاسلام کو ہجرت جیسے: مکہ مکرمہ سے ہجرت مدینہ۔

جبکہ ہجرتِ باطنی معاصی وذنوب کو چھوڑ دینا ہے، یہی حقیقی ہجرت ہے جو ہر مسلمان پر فرض ہے، بالفاظ دیگر جو ہر مسلمان کی طرف متوجہ ہے۔

[مانویٰ] کی مثال ہجرت سے کیوں دی؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''مانوی'' کی مثال ہجرت سے کیوں دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں جملے (فمن

كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله)سابقہ جملہ'' إنّما لامرئٍ مانوى'' کے اجمال کی تفصیل ہے مطلب یہ ہوگا کہ ہر شخص کو'مانوی ''(یعنی نیت) کے مطابق جزا ملے گی، اس قاعدہ کلیہ کی وضاحت ایک جزئی عمل سے کی جو کہ عمل ہجرت ہے۔ عمل ہجرت کو دو وجہ سے مثال میں پیش کیا:

(۱) شان ورود کی وجہ سے۔

(۲) اور اس لیے کہ ہجرت کے ماسوا تمام اعمال کا حکم بطریقِ اولیٰ معلوم ہو کہ جب ہجرت جیسا عظیم الشان عمل نیت فاسدہ سے مردود ہوسکتا ہے تو اور اعمال کا کیا کہنا۔

اتحادِ شرط و جزا کا اشکال اور اُس کا جواب:

یہاں 'فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله، فهجرته إلى الله ورسوله... ''ان دو جملوں پر (جو کہ شرط و جزا ہیں) اشکال ہوتا ہے کہ لفظاً دونوں میں کوئی مغایرت نہیں بلکہ متحد ہے حالانکہ شرط اور جزا باہم متغایر ہوتے ہیں۔ اس اشکال کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں: آسان جواب یہ ہے کہ جملہ اولیٰ (شرط) میں 'في الدنيا'' کو محذوف مانیں اور جملہ ثانیہ میں 'في العقبى کو، پھر عبارت یوں ہوگی ''فمن كانت هجرتُه في الدنيا إلى الله ورسوله ،فهجرتُه في العُقبىٰ إلى الله ورسوله ...'' باقی رہی یہ بات کہ دونوں جملوں میں اتحاد لفظی کا فائدہ کیا ہے؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ کلامِ عرب میں بسا اوقات عظمتِ شان کے اظہار کے لئے ''تکرار کے طور' پر الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور یہاں ہجرت کی عظمتِ شان سے آگاہ کرنا ہے، نیز اللہ اور رسول کے ذکر میں تکرار تبرک اور التذاذ کے طور پر بھی ہوسکتا ہے۔

قوله: أو إلى امرأةٍ يتزوجها ... :۔امرأۃٌ دنیا میں شامل ہے پھر بھی خاص طور پر ذکر فرمایا کیونکہ فتنِ دنیا میں سب سے زیادہ ضرر رساں فتنہ عورت ہے۔ نیز شانِ ورود میں بھی [امرأۃ] ہی کا تذکرہ ہے۔ (مرآۃ،نفحات)

متفق علیہ کا مطلب اور اس کی تعداد: یہ اُس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کی ایک راوی سے تخریج پر شیخین یعنی امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے اتفاق کیا ہو۔ ایسی احادیث کل دو ہزار دو سو چھبیس (۲۲۲۶) ہیں۔ ان احادیث کا درجہ تمام احادیث پر مقدم ہے، اس کے بعد وہ احادیث ہیں جنہیں صرف امام بخاریؒ نے روایت کیا پھر وہ احادیث ہیں جنہیں صرف امام مسلمؒ نے روایت کیا، پھر اُن احادیث کی باری ہے جو بخاری و مسلم کی شرط کے موافق ہو، پھر وہ احادیث ہیں جو صرف امام بخاریؒ کی شرط کے موافق ہو اور پھر وہ جو صرف امام مسلمؒ کی شرط کے موافق ہو۔ اس کے بعد اُن ائمہ کی روایت کردہ حدیثیں ہیں جنہوں نے صحت کا التزام کیا ہے۔ (مقدمہ در مصطلحات الحدیث از شیخ عبد الحق)

﴿کتابُ الإیمانِ﴾

کتاب، باب، فصل کی تعریفات:

اوّلاً یہاں کتاب، باب، فصل کی تعریفات ذکر کی جاتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

''کتاب'' ایسے مسائل کا مجموعہ جن کی جنس متحد ہو اور اس کے تحت مختلف انواع درج ہو، مثلاً: کتاب الصلوٰۃ۔

''باب'' اُن مسائل کا مجموعہ جو نوع میں متحد ہوں اور اس کے تحت مختلف اصناف ہو، مثلا: باب مواقیت الصلوٰۃ۔

''فصل'' وہ مجموعہ مسائل جو صنف میں متحد ہو اور اس کے نیچے افراد و جزئیات ہو، مثلاً: فصل فی تعجیل الصلوٰۃ۔

ایمان کا لغوی، اصطلاحی معنیٰ:

ثانیاً ایمان کا لغوی، اصطلاحی معنی ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایمان، امن سے ماخوذ ہے، لغوی معنی مامون ہونا، مامون کرنا ہے اور باء کے تعدیہ کے ساتھ تصدیق کے معنی میں آتا ہے، مثلاً ''کلٌ امن بالله و ملائکته... الخ'' اور تعدیہ بالام کے ساتھ اذعان و انقیاد کے معنیٰ میں آتا ہے اور اصطلاحِ شریعت میں' هو التصديق بجميع ماعُلم مجيئُه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ضرورةً ''یعنی ضروریات دین کو سچا جاننا اور ماننا تصدیق ہے۔

ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اس بارے میں چھ مذاہب:

اس بارے میں کل چھ مذاہب ہیں، جن میں چار مذہب باطل ہیں اور دو مذہب اہل حق کے ہیں، تفصیل درج ذیل ہے:

چار باطل مذاہب یہ ہیں:

(۱) فرقۂ جہمیہ کے ہاں ایمان صرف معرفتِ قلب کا نام ہے۔

(۲) فرقہ مرجیہ کے ہاں ایمان صرف تصدیق قلبی کو کہتے ہیں۔

(۳) فرقہ کرامیہ کے نزدیک ایمان فقط اقرارِ ظاہری یعنی زبانی اقرار کو کہتے ہیں (یہ مذاہب اعمال صالحہ کو غیر ضروری اور ایمان سے بالکلیہ خارج سمجھتے ہیں)۔

(۴) معتزلہ و خوارج کے ہاں ایمان تصدیق قلبی، اقرار لسانی اور عملِ جوارح کے مجموعہ کا نام ہے۔ ان کے ہاں اعمالِ صالحہ حقیقتِ ایمان کا جز ہے، لہذا کبیرہ گناہ سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے اور جہنم کے دائمی عذاب کا مستحق بن جاتا ہے خوارج ایسے شخص پر کافر کا اطلاق کرتے ہیں جبکہ معتزلہ کے ہاں ایسا شخص کافر تو نہیں لیکن مسلمان بھی نہیں بلکہ کفر و اسلام کے مابین معلق ہے۔

اہل حق کے دو مذاہب یہ ہیں:

(۱) امام ابو حنیفہؒ، جمہور فقہاء اور متکلمین کے ہاں ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار لسانی احکامِ دنیوی کے اجراء کے لئے شرط ہے اور

بقول فخر الاسلامؒ اقرار لسانی ایمان کا رکن زائد ہے جو بوقتِ اِکراہ و عجز ساقط ہو جاتا ہے اور عمل کمالِ ایمان کا موجب و ذریعہ ہے۔

(۲) ائمہ ثلاثہؒ اور اکثر محدثین کے ہاں ایمان تصدیق قلبی، اقرار لسانی اور عمل جوارح کے مجموعہ کا نام ہے لیکن ترک عمل سے کوئی ایمان سے خارج ہو کر مرتد و کافر نہیں ہوتا۔(اقرار لسانی میں ان کے ہاں بھی وہی سابقہ تفصیل ہے جو مذہب اول میں گزری)

ایمان کی تعریف میں اہلِ حق کے اختلاف کی نوعیت اور اُس کا سبب:

اہل حق کا یہ اختلاف محض لفظی و تعبیری ہے جس میں بڑا دخل اِن ائمہ کے دور میں اٹھنے والے فتنوں کا ہے، چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو زیادہ واسطہ معتزلہ و خوارج سے پڑا، جن کے ہاں اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جز ہے، اور فاسق ایمان سے خارج ہے۔تو آپؒ نے مذکورہ بالا تعبیر اختیار فرمائی۔ اور ائمہ ثلاثہ کو زیادہ واسطہ مرجیہ و کرامیہ سے پڑا، جن کے ہاں عمل چنداں ضروری نہیں تو ائمہ ثلاثہؒ نے ایمان کی ذکر شدہ تعبیر اختیار فرمائی۔[اہلِ حق و باطل ہر دو فریقوں کے اپنے دلائل ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں]۔

ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں؟:

اس بارے میں اہلِ حق کے دو قول ہیں:

(۱) عندالاحناف ''الإیمان لا یزیدُ و لا ینقص'' کیونکہ ایمان نام ہے قلبی تصدیق کا جو زیادتی و نقصان کو قبول نہیں کرتا۔

(۲) عند جمہور المحدثین'' الإیمان یزید بالطاعاتِ و ینقص بالمعاصی ''یعنی ایمان طاعات سے بڑھتا ہے اور معاصی سے گھٹتا ہے۔

ان حضرات کی دلیل وہ نصوص ہیں جن میں زیادتیِ ایمان کا ذکر ہے، مثلاً: ''و إذا تُلِیَت علیهم آیاتُه زادتهم إیماناً ''یعنی ''تلاوتِ آیات سے اہلِ ایمان کا ایمان بڑھتا ہے'' اور جو چیز زیادتی قبول کرے وہ نقصان بھی قبول کرتی ہے۔

ان اہلِ حق کی آراء میں تطبیق یوں کی گئی ہے کہ یہ اختلاف بھی لفظی نوعیت کا ہے، کیونکہ احناف بھی اس کے قائل ہیں کہ اعمال کمال ایمان کا باعث ہے، البتہ ان حضرات کا 'لا یزیدُ و لا ینقص' کہنا نفس ایمان کے اعتبار سے ہے، جبکہ فریق ثانی کا 'یزید و ینقص' کہنا تکمیلِ کمالِ ایمان کے اعتبار سے ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فریق اول کا قول کمیت کے اعتبار سے ہے یعنی جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے (مثلاً: توحید، رسالت، معاد، کتب الٰہیہ، ملائکہ وغیرہ عقائد جتنے ہیں اُتنے ہی رہیں گے) کبھی ان امور میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور فریق ثانی نے کیفیت کا اعتبار کیا ہے یعنی ایمان کی کیفیات میں اعمالِ حسنہ سے اضافہ ہوتا ہے اور برے اعمال سے ان کیفیات میں کمی واقع ہوتی ہے۔

اسلام و ایمان کے درمیان نسبت:

اسلام و ایمان کے مابین کیا نسبت ہے؟ اس میں چار اقوال ہیں جس میں مختار قول درج کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ ایمان اور اسلام'' متغایر فی المفهوم' ہیں یعنی دونوں کا مفہوم جدا جدا ہے اور '' متلازم فی الوجود' ہیں یعنی ایک کا وجود دوسرے کے وجود کو مستلزم ہے۔ کیونکہ ہر ایک دوسرے کے لئے شرط ہے۔ چنانچہ ایمان نام ہے انقیادِ باطنی کا بشرطِ تسلیم ظاہری، اور اسلام نام ہے تسلیم ظاہری کا بشرط انقیادِ باطنی، پس ایمان وہ معتبر ہے جو پھوٹ پھوٹ کر اسلام بنتا جائے اور اسلام وہ معتبر ہے جو رچ رچ کر ایمان بنتا جائے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ مرتضیٰ زبیدیؒ کا یہی مؤقف ہے اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے بھی یہی ہے۔(نفحات، مرآۃ)

"الفصل الاول"

حدیثِ جبرئیل علیه السلام :

۱۔عن عمر بن الخطابؓ قال: بينما نحنُ عند رسول اللهﷺإذ طلعَ علينا رجلٌ شديدُ بياضِ الثيابِ شديدُ سوادِ الشَّعرِ لايُرٰى عليه أثرُ السفرِ ولايعرفُه مِنّا أحدٌ حتىّٰ جلسَ الى النبيّﷺ فأسندَ رُكبتَيه الىٰ رُكبتيه ووضعَ كفَّيه علىٰ فخِذيه وقال: يامحمد! أخبِرني عنِ الاسلام قال: الاسلامُ أنْ تشهدَ أن لااله الا اللهُ وأنّ محمدًا رسولُ الله وتُقيمَ الصلوٰة وتؤتي الزكوٰة وتصومَ رمضان وتحجَّ البيت اِن استطعتَ اليه سبيلاً ،قال: صدقتَ ؛فعجِبناله يسألُه ويُصدّقُه ،قال: فأخبِرني عن الايمان ، - قال:أن تؤمِنَ باللّه وملائكته وكُتبِه ورُسلِه واليومِ الآخروتؤمنَ بالقدرِ خيرِه وشرِّه ؛قال: صدقتَ ،قال: فأخبِرني عن الاحسان ،قال: أن تعبدَاللهَ كأنّكَ تراه فان لم تكنْ تراه فانّه يراكَ؛قال: فأخبِرني عن الساعة،قال: ماالمسؤلُ عنها بأعلَمَ مِن السائلِ ؛قال:فأخبِرني عن أماراتِها،قال: أنْ تلِدَ الأَمةُ ربّتَها وأن ترَى الحُفاة العُراةَ العالةَ رِعاءَ الشاءِ يتطاوَلون في البُنيان؛ قال:ثمّ انطلق ،فلبِثتُ مليًّا،ثمّ قال لي :ياعمر!أتدري مَنِ السائلُ ؟ قلتُ :اللهُ ورسولهُ أعلم؛قال: فانّه جبرئيلُ أتاكم يُعلّمُكم دينَكم .[رواه مسلم]ورواه أبوهريرةَ مع اختلافٍ وفيه: واذارأيتَ الحُفاةَ العُراةَ الصُمَّ البُكمَ مُلوكَ الأرضِ ،في خمسٍ لايعلمُهُنَّ الّا اللهُ ،ثمّ قرأ :"انّ اللهَ عنده علمُ الساعةِ ويُنزِّلُ الغيثَ " الاٰية .[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم (صحابہ) رسول اللہﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص ہمارے درمیان آیا جس کا لباس نہایت صاف ستھرے اور سفید کپڑوں پر مشتمل تھا اور جس کے بال نہایت سیاہ تھے، اس شخص پر نہ تو سفر کی کوئی علامت تھی اور نہ ہم میں سے کوئی اُس کو پہچانتا تھا (یعنی وہ کوئی مقامی شخص نہ تھا) بہر حال وہ شخص نبی پاکﷺ کے اتنے قریب بیٹھا کہ آپﷺ کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا لیے اور پھر اُس نے (ایک سعادت مند شاگرد کی طرح) اپنے دونوں ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لیے اور عرض کیا: اے محمد! مجھ کو اسلام کے بارے میں بتائیے۔آپﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور پھر تو پابندی سے نماز پڑھے اور زکوۃ دے (بشرطِ نصاب) اور رمضان کے روزے رکھے اور زادِ راہ میسر ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔اس نے کہا: آپ (ﷺ) نے سچ فرمایا، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے تعجب کیا کہ یہ شخص (لاعلم آدمی کی طرح) پوچھتا ہے اور پھر (عالم آدمی کی طرح) تصدیق بھی کرتا ہے۔پھر اس شخص نے پوچھا کہ اے محمد! اب ایمان کے بارے میں بتائیے۔آپﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو ایمان لائے اللہ پر، فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اُس کی اچھی اور بری تقدیر پر (یعنی کہ سب برا بھلا اللہ کی طرف سے ہے) اُس شخص نے کہا کہ آپﷺ نے سچ فرمایا۔پھر اس نے پوچھا کہ مجھے احسان کے متعلق بتائیے۔تو فرمایا کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے کہ گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو (یعنی اتنا حضورِ قلب میسر نہ ہو) تو پھر (دھیان رکھ کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔پھر اُس نے کہا کہ مجھے قیامت کے بارے میں بتائیے۔آپﷺ نے جواب دیا کہ اس بارے میں

جواب دینے والا پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ پھر اس شخص نے کہا کہ مجھے قیامت کی علامات ہی بتا دیجئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور تم برہنہ پا، برہنہ جسم، مفلس، بکریاں چرانے والوں کو عمارتوں میں فخر کرنے والا دیکھو گے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ پھر وہ سائل چلا گیا اور میں کچھ دیر ٹھہرا رہا (اس کے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا نہیں) پھر آپ ﷺ نے خود مجھ سے پوچھا کہ عمر! تو جانتا ہے کہ وہ سوالات کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جبرئیل تھا جو تمہیں (اپنے سوالات سے) دین سکھانے آیا تھا (مسلم) اس روایت کو ابو ہریرہؓ نے الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے، آپؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''اور جس وقت آپ دیکھے کہ برہنہ پا، برہنہ جسم اور بہرے گونگے لوگ زمین کے بادشاہ بن گئے (تو قیامت کو قریب سمجھنا) قیامت تو اُن پانچ باتوں میں سے ہے جو اللہ کے سوا کسی کے علم میں نہیں، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت ''إنّ اللـه عنده علم الساعةِ ویُنَزّلُ الغیث... '' آخر تک پڑھی (ترجمہ) ''اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش اتارتا ہے...''۔ (متفق علیہ)

اس حدیث کی فضیلت: بقولِ ملا علی قاریؒ اس حدیث کو حدیثِ جبریل، اُمّ الاحادیث اور اُمّ الجوامع کہتے ہیں، اس حدیث کا درجہ تمام احادیث میں وہی ہے جو سورۃ فاتحہ کا تمام سورتوں میں ہے کہ وہ مانندِ متن کے ہے اور باقی سورتیں مثل شرح کے۔ اسی طرح اس حدیث میں شریعت کے تمام مضامین کا اجمالی بیان ہے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ دین کا مدار فقہ، عقائد اور تصوف پر ہے اور اس حدیث میں اسلام سے فقہ کی طرف، ایمان سے عقائد کی طرف اور احسان سے تصوف کی طرف اشارہ ہوتا ہے تو گویا یہ حدیث متن ہے اور باقی سب احادیث اس کی شرح ہیں۔

اس حدیث کا شانِ وُرود:

آنحضرت ﷺ سے لوگ بکثرت سوالات کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اصلاح کی بابت سوالات کیا کرتے، جبکہ منافقین تضییعِ اوقات کے لئے۔ چنانچہ نص قرانی نے اس روئیے کو منع کر دیا، جس کے بعد صحابہ غایت درجہ کی احتیاط برتتے اور دل میں یہ خواہش ہوتی کہ کاش کوئی دیہاتی بدو آئے، سوالات پوچھے اور آپ ﷺ جواب بیان فرمائیں جس سے ہمیں بھی فائدہ ہو۔ ان حضرات کی اس نیک خواہش کی تکمیل کے لئے جبریلِ امینؑ انسانی صورت میں آئے۔ حضرت جبرئیلؑ عام طور پر صحابیِ رسول حضرت دِحیہ کلبیؓ کی صورت میں آیا کرتے تھے، لیکن اب کی بار نئی اور اجنبی صورت میں آئے تھے، یہ واقعہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع سے کچھ پہلے پیش آیا۔

تشریح: قوله: بنیما نحن عند ....: ''بین'' ظرف مضاف ہے جملہ ''نحن عند رسول الله ...'' کی طرف اس کا عامل ''مفاجاۃ'' کا معنی ہے جو ''إذطلع '' کے اذ فجائیہ سے مفہوم ہوتا ہے اور ''ما'' زائدہ ہے۔

قوله: ذات یومٍ إذطلع .....: لفظ ''ذات'' زائدہ ہے جو تحسین کلام کے لئے بولا جاتا ہے، جبریل علیہ السلام کی آمد کو إذطلع (طلوع ہوا) سے تعبیر فرمانے میں اشارہ ہے کہ ملائکہ نورانی مخلوق ہیں۔

قوله: رجلٌ شدیدُ بیاضِ الثیاب .....: یعنی نہایت سفید کپڑوں والا، یہ رجل کی صفت ہے اور چونکہ ''شدید'' صیغہ صفت کی اپنے معمول کی طرف اضافت ہوئی ہے جو اضافتِ لفظی ہے اور مفید للتعریف نہیں، لہذا ''رجل'' نکرہ کی صفت بننے میں کوئی اشکال نہ ہوگا۔ اس

سے یہ لطیف نکتہ برآمد ہوتا ہے کہ سفید کپڑے پہننا مستحب ہے خصوصاً بزرگوں کی مجلس میں حاضر ہونے کے لیے۔

قولہ: شدید سواد الشعر ...:۔ یعنی سخت سیاہ بالوں والا، اسمیں اشارہ اس طرف ہے کہ تحصیل علم کا اصل زمانہ نوجوانی کا زمانہ ہے۔

قولہ: فأسندَ رُکبتَیہ ...:۔ اُس نے دونوں زانو آنحضرت ﷺ کے زانو مبارک سے ملا دیئے یعنی دوزانو بیٹھا اور نہایت قریب بیٹھا، دوزانو بیٹھنا ادب اور تواضع سے زیادہ قریب ہے اور پاس بیٹھنا اُنسیت واُلفت کا سبب ہے اور سرعتِ جواب اور مسئول کی خاص توجہ کا باعث بھی۔

جبرئیلؑ نے اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے تھے یا آپ ﷺ کے گھٹنوں پر؟:

قولہ: ووَضعَ کفیہ علیٰ فخذیہ .....:۔ اس روایت سے اپنی رانوں پر اپنے ہاتھ رکھنا معلوم ہوتا ہے جو عموماً دوزانو حالت میں رکھے جاتے ہیں، جبکہ نسائی کی روایت سے آنحضرت ﷺ کے زانوئے مبارک پر ہاتھ رکھنا معلوم ہوتا ہے۔ دونوں میں تطبیق یوں ہے کہ جبریلؑ نے پہلے اپنی رانوں پر ہاتھ رکھے اور پھر آنحضرت ﷺ کے رانوں پر۔ جبریل امینؑ نے ایسا اس لئے کیا تا کہ آپ ﷺ بھی خوب متوجہ ہوں اور حاضرین بھی اور لوگوں پر جبرئیلؑ کا حال بھی پوشیدہ رہے اور وہ اُس کو آدابِ رسالت سے ناواقف کوئی دیہاتی سمجھے۔

یا محمد پکارنا کیسا ہے؟:

قولہ: یـا محـمد ...:۔ یہاں (حدیث میں) سائل چونکہ فرشتہ تھا، اس لیے آنجناب ﷺ کا نام لیکر پکارا اور چونکہ اس کو اپنی حالت کا اخفا بھی مقصود تھا اور حاضرین کی توجہ حاصل کرنے کے لئے ان کو تعجب میں بھی ڈالنا تھا، اس لئے اس اندازِ تخاطب کو اختیار کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ’’یا محمد‘‘ میں محمد سے وصفی معنیٰ مراد ہو کہ اے قابلِ صد ستائش۔

امتِ مسلمہ کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ آنجناب ﷺ کو اس طرح نام لے کر پکارے جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا نام لے کر پکارتے ہیں لہذا امت کے لیے یا محمد کہہ کر آپ ﷺ کو مخاطب کرنا درست نہیں جیسا کہ سورہ حجرات کی ابتدائی آیات سے مفہوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم صحابہؓ کے مجمع میں چند اعرابیوں کے ماسوا کسی کو آپ ﷺ کا نام لے کر پکارتے ہوئے نہیں پاتے۔ باقی رہی یہ بات کہ آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد یا محمد کہنا اور پکارنا کیسا ہے؟ تو یہ بھی ٹھیک نہیں اس لیے کہ اس میں اُن اہلِ بدعت لوگوں کے ساتھ مشابہت ہے جو بغیر کسی شرعی دلیل کے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں اور اپنے پکارنے والے کی پکار کو سننے اور اُس کی مدد کرنے پر قادر ہیں لہذا یہ لوگ ہر مشکل اور پریشانی میں یا محمد اور یا رسول اللہ کی دہائی دیتے ہیں اور آپ ﷺ سے مدد طلب کرتے ہیں، حالانکہ اس قسم کے عقائد عقیدۂ توحید کے سراسر منافی ہیں۔ (أعاذنا اللهُ من كلِ زيغ وضلال-آمین)

قولہ: إن استطعتَ إليه سبيلا .....:۔ اسمیں استطاعت سے مراد خاص وہ استطاعت ہے جو حج کے لئے ضروری ہے جس کو حدیث میں ’’زاد‘‘ اور ’’راحلۃ‘‘ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ایک اشکال اور اُس کا جواب:

قولہ: أن تـؤمـن باللہ ...:۔ اشکال ہوتا ہے کہ اس عبارت میں ’’تعریف الشیٔ بنفسہ‘‘ اور دَور کی خرابیاں لازم آرہی ہیں کیونکہ سائل نے

ایمان کے بارے میں پوچھا تو جواب میں فرمایا گیا کہ ''أن تؤمن'' (یعنی کہ تو ایمان لائے)۔اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ سائل نے ایمان شرعی کے بارے میں دریافت کیا تو جواب میں ''أن تؤمن باللہ'' ارشاد فرمایا گیا،اس میں '' أن تؤمن ''کالغوی معنیٰ'' تعقد و تصدق '' مراد ہے لہٰذا '' تعریف الشئی بنفسہ '' اور '' لزوم دور'' کا اشکال نہ ہوگا۔

آسمانی کتب اور صحیفے:

قولہ: و کتبہ ....:۔ قرآن میں جن کتب کے نام آئے ہیں ان پر تفصیلاً ایمان لانا اور جن کا ذکر نہیں ان پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے۔ چار کتب تو معروف ہیں باقی ایک سو صحیفے ہیں جن میں دس آدمؑ پر، پچاس حضرت شیثؑ پر، تیس حضرت ادریسؑ پر اور دس ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے،ان پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب من جانب اللہ برحق ہیں اور ان کے مضامین بھی برحق ہیں۔

انبیاء ورُسل کی تعداد اور نبی و رسول میں فرق:

قولہ: ورُسُلِہ ....:۔ایمان بالرسل کا مطلب یہ ہے کہ تمام انبیاء و رسل خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اور اپنے فرض منصبی کو پورا کرنے والے معصوم انسان ہیں اس کا پختہ یقین ہو۔تعدادِ انبیاء و رسل کے حوالے سے مشہور یہ ہے کہ کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱۲۴۰۰۰) ہے جن میں (۳۱۵) رسول ہیں، یہ مضمون ضعیف احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے لیکن قطعی اور یقینی بات نہیں ہے۔

رسول وہ ہوتا ہے جو مخاطبین کو جدید شریعت پہنچائے اور نبی وہ ہوتا ہے جو صاحبِ وحی ہو خواہ شریعت جدید ہو یا قدیم۔حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک بہترین فرق ذکر کیا ہے کہ رسول وہ ہے جس کو دشمنوں کی اصلاح اور بصورت دیگر مقابلہ کے حکم کے ساتھ بھیجا گیا ہو خواہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو اور نبی وہ ہے جس کو لوگوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہو۔

تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب:

قولہ: تؤمن بالقدر خیرہٖ و شرہٖ ....:۔تقدیر پر ایمان یہ ہے کہ راحت و نعمت،کلفت و مصیبت جو کچھ بھی بندے کے حق میں اللہ کی طرف سے مقدر ہے اس کو برحق سمجھے اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے، خیر ہے یا شر، سب اللہ کی قدرتِ کاملہ اور علمِ محیط کے تحت ہو رہا ہے معلوم ہوا کہ تقدیر مُظہر ہے مُجبر نہیں۔ یہاں '' تؤمن '' کو مکرر لانے میں اشارہ ہے اس مسئلہ کے مہتم بالشان ہونے کی طرف۔

صفتِ احسانی کا مطلب:

قولہ: فأخبرنی عن الإحسان ....:۔احسان کا لغوی معنیٰ اخلاص اور اچھے و خوبصورت طریقے سے عمل کرنے کے ہیں۔

قولہ: أن تعبداللہ کأنّك تراہ ....:۔''کأنّك تراہ '' مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے،عبارت یوں ہوگی'' أن تعبداللہ عبادةً شبیھةً بعباد تك حین تراہ '' جیسے غلام آقا کے سامنے کھڑا ہو اور اس کو دیکھ بھی رہا ہو تو غلام پوری توجہ و اخلاص سے کام کرتا ہے،اسی کیفیت کے ساتھ بندہ پورے خشوع و خضوع سے اللہ کی عبادت کرے یہ وہ مقام ہے کہ جس میں سالک کا دل اور روح مجلّٰی اور مصفّٰی ہو جاتے ہیں اور ایسا انکشاف نصیب ہوتا ہے گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے حقیقی رؤیت نہ ممکن ہے اور نہ مراد،اس لیے ''کأنّك تراہ '' فرمایا،اس کو مقامِ مشاہدہ کہتے ہیں۔

قولہ: فإن لم تکن تراہ فإنّہ یراك ....:۔اس کی تقدیری عبارت یوں ہے کہ " فإن لم تُعامل معاملتك حین تراہ فعامِل مُعاملتك حین یراك فإنّہ یراك "مطلب یہ ہے کہ اگر پہلی کیفیت یعنی مقامِ مشاہدہ واستغراق تمہیں حاصل نہیں تو دوسری کیفیت مقامِ مراقبہ واستحسان کو حاصل کرلو، یہ تصور کرلو کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اس سے بھی خوف وخشیت پیدا ہوگی کیونکہ جب غلام کومعلوم ہو کہ آقا اس کی حرکات وسکنات کو دیکھ رہا ہے اگر چہ آقا خود اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو تب بھی وہ ٹھیک ٹھیک کام کرتا ہے (اس کیفیت کے ساتھ عبادت چونکہ ایمان واسلام کے مکمّلات میں سے ہے اس لئے ایمان واسلام کے بعد اس کے متعلق دریافت فرمایا)۔

قیامت کو "ساعۃ" کہنے کی وجہ:

قولہ: فأخبرنی عن الساعة ....:۔قیامت کے وقوع کے وقتِ معیّن کے بارے میں یہ سوال تھا۔ ماقبل میں احسان کی تعریف مشاہدہ باری تعالیٰ سے کی تھی، جس سے حقیقت میں اللہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ چونکہ قیامِ ساعت کے بعد ہی ممکن ہے اس لیے بعد میں قیامت کے بارے میں دریافت فرمایا۔ ساعۃ، کا لغوی معنی ایک گھڑی کے ہیں۔ قیامت کو سرعتِ وقوع اور سرعتِ حساب کی وجہ سے ساعۃ کہا جاتا ہے یا اِس وجہ سے کہ عنداللہ قیامت کا طول طویل دن ایک گھڑی کے برابر ہے یا پھر مؤمنین کے حق میں نیک فالی کی وجہ سے اس کو ساعۃ سے تعبیر فرمایا۔

لاعلمی کے اظہار میں عار نہیں کرنی چاہیے:

قولہ: ما المسئول عنها بأعلم من السائل ....:۔یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ مسئول یعنی آنجناب ﷺ اور سائل یعنی جبریل علیہ السلام وقوع قیامت کے متعلق نہ جاننے میں برابر ہے۔ جبرئیل کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ کو وقوع قیامت کا علم نہیں، پھر بھی سوال کیا تاکہ آپ ﷺ کے جواب سے آئندہ کے لئے سوال کا دروازہ بند ہو جائے اور اس بات پر بھی تنبیہ ہو جائے کہ جس چیز کے متعلق معلوم نہ ہو تو لاعلمی کا اظہار کیا جائے اور اس میں عار نہ کرنی چاہئے۔

قیامت کی علاماتِ صغریٰ:

قولہ: فأخبرنی عن أماراتها ....:۔"أمارات" یہ أمارۃٌ بمعنیٰ علامت کی جمع ہے اس سے مراد قیامت کی علاماتِ صغریٰ ہے جن کا وقوع علامات کبریٰ سے پہلے ہوگا۔

قولہ: أن تلِدَ الأ مةُ ربّتَها ....:۔"ربّۃ" ربّ کا مؤنث ہے جو مالک، منعم، مربی اور سردار کے معنیٰ میں آتا ہے۔ تخصیص بالمؤنث کی کئی وجوہات ذکر کی گئی ہیں:

(۱) یہ لازم ہے نر مالک بچہ کے جننے کو بھی کہ جب جنی ہوئی بچی اپنی ماں کی مالکن بنے گی تو بچہ تو بطریقِ اولیٰ مالک بنے گا۔

(۲) "ربتها" کا موصوف نفساً یا نسمۃً مقدر مانیں گے۔

(۳) اس میں اشارہ ہے عقوقِ والدین کی طرف۔

(۴) کثرتِ فتوحات اور اُس کے نتیجہ میں باندیوں کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔

قوله: أن ترى الحُفاةَ العُراة العَالة رِعاء الشاء ....:۔ حفاة ،جمع ہے حافٍ کی بمعنیٰ ننگے پیروالا۔عراۃ جمع ہے عار کی ہے بمعنیٰ ننگے بدن والا۔ العالة، عائل کی جمع ہے بمعنیٰ محتاج وفقیر۔رِعاء جمع ہے راعٍ کی بمعنیٰ چرواہا ۔الشاء ،شاۃ کی جمع ہے بمعنیٰ بکری۔مطلب یہ ہے کہ قوم کے ذلیل ورذیل ترین لوگ سردار ومالدار بن جائینگے حتیٰ کہ عمارتوں کی بلندی، آرائش وزیبائش اور کثرت میں ازراہِ فخر مقابلہ کریں گے۔

قوله: فلبثتُ مليّاً....:۔ "مليّاً" کا معنیٰ ہے زمانہ دراز۔یہاں تین دن مراد ہے۔حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت میں یہ آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اُسی مجلس میں سائل کے جبرئیل امین ہونے کا تذکرہ فرمایا۔یہ بظاہر تعارض ہے جس کو اس طرح سے دفع کیا گیا ہے کہ اس سے پہلے کہ حضور ﷺ سائل کا جبرئیل ہونا بتلاتے حضرت عمرؓ مجلس سے کسی ضرورت کے تحت اٹھ کر چلے گئے تھے۔

قوله: فإنّه جبرئيل أتاكم يعلّمُكم دينكم ....:۔چونکہ جبرئیل کا سوال تعلیمِ نبوی کا سبب تھا اس لئے مجازاً تعلیم کی نسبت جبریل کی طرف فرمائی، تعلیمِ دین سے مراد دین کے قواعدِ کلیہ کی تعلیم ہے۔(نفحات، مرآۃ)

اسلام کے پانچ بنیادی ستون:

۲۔عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللهﷺ: بُنِي الإسلام علىٰ خمسٍ شهادةِ أن لا إلٰه إلا اللهُ وأنّ محمدًا عبدُه ورسولُه وإقامِ الصلوٰة وإيتاءِ الزكوٰةِ والحجِّ وصومِ رمضانَ.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اس کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور نماز کا اچھی طرح پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔(متفق علیہ)

تشریح: قوله: بُني الإسلام علىٰ خمس ....:۔ أي خمس دعائم ۔ اس حدیث میں دینِ اسلام کو پانچ ستونوں والے خیمے سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا درمیانہ ستون ادائے شہادتین ہے اس کے بغیر اسلام کا خیمہ کھڑا ہی نہیں ہوسکتا اور باقی چار اصولی اعمال بمنزلہ چار ستونوں کے ہیں جن کے بغیر خیمہ کھڑا تو ہوسکتا ہے مگر ناقص اور باقی شعبِ ایمان جو آئندہ حدیث میں مذکور ہونگے بمنزلہ میخوں کے ہیں۔

قوله: وإقام الصلوٰة ....:۔ اِقام، باب افعال کا مصدر ہے اصل میں اِقامة تھا،[تاء] واوِ محذوفہ کے عوض تھی، یہاں تخفیف کی بنا پر تاء کو حذف کیا گیا ہے۔

ایمان کی ستر سے اوپر شاخیں:

۳۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: الإيمانُ بِضعٌ وسبعونَ شعبةً ،فأفضلُها قولُ لا إلٰه إلا الله وأدناها إماطةُ الأذىٰ عن الطريقِ والحياءُ شُعبةٌ مِن الايمان.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں اُن میں سب سے افضل "لا إلٰه إلا الله" کہنا ہے اور کم درجہ کی شاخ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے نیز حیا بھی ایمان کی ایک (بڑی) شاخ ہے۔(متفق علیہ)

حالاتِ سیدنا ابو ہریرۃؓ : نبوت سے گیارہ سال پہلے حضرت ابو ہریرۃؓ کی ولادت ہوئی، دوس قبیلہ سے تعلق ہے، فتح خیبر کے سال ۶ھ میں اسلام لائے، ۵۷ھ میں ۷۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپؓ کثیر الروایۃ صحابی ہیں، پانچ ہزار تین سو چونسٹھ احادیث آپؓ سے مروی ہیں۔ آپؓ کے نام میں پینتیس (۳۵) اقوال ہیں، اصح قول یہ ہے کہ آپ کا جاہلی نام عبد شمس یا عبد عمرو تھا اور اسلامی نام عبد الرحمٰن تھا، بعد میں آپؓ کی کنیت آپؓ کے نام پر غالب آ گئی۔ بلی سے کھیلنے یا اس کی دیکھ بھال کی وجہ سے آپ کو ابو ہریرہؓ کہا جانے لگا۔ یہ لفظ بعض علماء کے ہاں اضافت کی وجہ سے مجرور پڑھا جائے گا قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے لیکن بیشتر محدثین کے ہاں یہ غیر منصرف پڑھا جائے گا علمیت اور ترکیب کی وجہ سے اور یہ بمنزلہ کلمہ واحدہ سمجھا جائے گا اصل حالت کی رعایت کے اعتبار سے "أبو" کا اعراب بدلتا رہے گا اور موجودہ حالت کے اعتبار سے "ہریرۃ" کی تاء پر جر نہیں آئے گا۔

تشریح: قوله: الإيمان بضعٌ وسبعون شعبةً... :۔ بضعٌ ،کا معنیٰ ٹکڑے کے ہیں، اس کا اطلاق تین سے نو تک کے عدد پر کیا جاتا ہے۔ "شعبۃ" بمعنیٰ ٹہنی کے ہیں، مراد اس سے عمدہ خصلتیں ہیں، بخاری کی ایک روایت میں "بضعٌ و ستون" آیا ہے تو بظاہر تعارض ہوا۔ جس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو پہلے اقل کا پھر اکثر کا علم دیا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں عدد سے مراد تحدید نہ ہو بلکہ تکثیر ہو جو ساٹھ وستر دونوں کو شامل ہے۔

قوله فأفضلُها قول لا إله إلا الله... :۔ "فأفضلها" میں فاء تفریعیہ ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی "إذا كان الإيمانُ ذا خصالٍ متعددةٍ فأفضلها قول لا إله إلا الله...."۔

قوله: وأدناها إماطةُ الأذىٰ.. :۔ "إماطۃ" مصدر ہے از باب افعال بمعنیٰ ازالہ کے اور "اذیٰ" مصدر ہے بمعنیٰ اسم فاعل موذٍ کے یا مصدر مبالغۃً ذات پر محمول ہے مراد موذی چیز ہے۔

حیا ایمان کا ایک اہم شعبہ:

قوله: والحياء شعبة من الإيمان... :۔ "حیا" سے مراد "حیا طبعی" نہیں ہے جو کافر میں بھی ہوتی ہے بلکہ "حیا ایمانی" ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ "هو ملكة تمنعُ الإنسانَ من تركِ الطاعات وارتكابِ المعاصي والفواحش بسببِ الإيمان" حیا کو خاص طور پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمام اخلاق حسنہ وشعبِ ایمانیہ کے لئے باعث ومحرک ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

کامل مسلمان کون ہے؟:

٤۔وعن عبدالله بن عمروؓ قال: قال رسول الله ﷺ: المسلمُ مَن سلِمَ المسلمونَ من لسانه ويدهِ والمهاجرُ مَن هجرَ مانهى اللهُ عنه .[هذا لفظ البخاريّ]ولمسلمٍ قال: انّ رجلاً سأل النبيّ ﷺ أيّ المسلمين خير ؟قال: مَن سلِمَ المسلمونَ مِن لسانه ويده.

ترجمہ: عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذا رسانی) سے مسلمان سلامت رہیں اور کامل مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو ترک کردے جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم میں ہے کہ

ایک آدمی نے نبی پاک ﷺ سے پوچھا کہ بہترین مسلمان کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

عبداللہ بن عمروؓ کے حالات: آپؓ اپنے والد سے پہلے اسلام لائے۔ آپؓ کے والد حضرت عمرو بن العاصؓ ۸ھ میں مشرف بااسلام ہوئے، آپؓ اپنے والد سے صرف بارہ برس چھوٹے تھے۔ ۶۵ھ یا ۷۳ھ میں آپؓ کی وفات ہوئی، آپؓ بڑے عبادت گزار تھے، آپؓ کی احادیث حضرت ابو ہریرہؓ سے زیادہ تھیں جس کی وجہ یہ تھی کہ آپؓ حدیث کو لکھ لیا کرتے تھے لیکن کتب احادیث میں آپؓ کی صرف ''سات سو'' احادیث مذکور ہیں۔

تشریح: قوله: المسلم من سلم المسلمون ....: "المسلم" سے مراد کامل مسلمان ہیں۔ "المسلمون" میں مسلمات (یعنی مسلمان عورتیں) تبعاً داخل ہیں اور دوسرے نصوص کی بنا پر اہل ذمہ بھی اسمیں شامل ہیں۔ ''مسلمین'' کی تخصیص بطور تغلیب ہے۔ چنانچہ ابن حبانؒ کی روایت میں ''من سلِم الناس'' آیا ہے۔

قوله: من لسانه و يده ..: "من لسانه'' میں زبان کی سب ایذا رسانیاں اس میں شامل ہیں۔ اور ''یده'' میں ہاتھ کی جملہ ایذا رسانیاں مراد ہیں، لسان اور ید کے ذکر سے پوری ذات انسان مراد ہیں۔ ان دونوں کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ غالب واکثر ایذا رسانی انہی دو اعضا سے کی جاتی ہے یا اس لئے تخصیص کی کہ ایذا کی عملاً دو صورتیں ہیں قولی اور فعلی، لہذا اس حدیث میں ان دونوں سے منع فرمایا گیا۔

ایمان کی تکمیل کب ہوتی ہے؟:

۵۔وعن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ :لا يؤمن أحدُكم حتىٰ أكونَ أحبَّ اليه من والده وولده والنّاس أجمعين.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (متفق علیہ)

حالاتِ انسؓ: آپؓ مالک بن نضر خزرجی کے صاحبزادے ہیں، امّ سلیم بنت ملحانؓ آپؓ کی والدہ ہیں، جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس وقت آپ کی عمر دس برس تھی۔ اُسی وقت سے آپؓ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر دس سال تک خادمِ خاص رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپؓ تعلیم فقہ کی غرض سے بصرہ منتقل ہوئے اور وہیں ۹۱ھ میں ننانوے برس کی عمر میں وفات پائی۔ آپؓ کثیر الاولاد تھے، بعض علماء کے بقول آپؓ کی اولاد پوری سو (۱۰۰) تھی اور عند البعض اسّی (۸۰) تھی جن میں ۷۸ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ آپؓ کی کل مرویات ایک ہزار دو سو چھیاسی (۱۲۸۶) ہیں۔

تشریح: قوله: لا يؤمن.... :۔ اس میں ایمان کامل کی نفی مراد ہے۔

قوله: حتىٰ أكون أحبّ....: محبت دو قسم پر ہے:

(۱) محبتِ طبعی غیر اختیاری جیسے: اپنی اولاد و ازواج سے محبت ہوتی ہے۔

(۲) عقلی اختیاری: جس میں انسان عقلی مقتضیٰ کو طبعی خواہشات پر ترجیح دیتا ہے، جیسے مریض کو کڑوی دوا باوجود طبیعت کی ناگواری کے پسند ہوتی ہے۔ یہاں محبتِ عقلی مراد ہے، یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حبِ ایمانی مراد ہے کہ آدمی محبوب کی خواہش کے سامنے تمام ماسوا سے دستبردار

ہوجائے۔

قولہ: من والدہ و ولدہ.......:۔"والد" کی تخصیص اصل ہونے کی وجہ سے ہے یا پھر"ذی ولد" کے معنیٰ میں ہے تو والدہ بھی اس میں آجائے گی یا والد سے مراد"اُصول"اور ولد سے مراد"فروع" ہیں۔

قولہ: والنّاس أجمعین.......:۔اس میں مؤمن کا اپنا نفس بھی شامل ہے۔

ایمان کی حلاوت کس کو ملتی ہے؟:

٦۔وعنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ :ثلٰثٌ مَن کُنّ فیہ وجدَ بھنّ حلاوۃَ الإیمان:مَن کان اللہُ ورسولہٗ أحبَّ الیہ ممّاسواھماومَن أحبَّ عبدًا لایُحبُّہ الّا للہِ ومَن یکرہُ أن یعودَ فی الکفرِ بعدَ أنْ أنقذہُ اللہُ منہ کمایکرہُ أنْ یُلقیٰ فی النّارِ.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس میں تین خصلتیں ہوں گی وہ (ان کی وجہ سے) ایمان کی حلاوت (لذت) پالے گا: یہ کہ اللہ اور اس کا رسول تمام چیزوں سے زیادہ اس کو محبوب ہو اور یہ کہ کسی بندہ سے محض اللہ کی رضا کے واسطے محبت رکھے اور یہ کہ کفر میں لوٹ جانے کو بعد اس کے کہ اللہ نے اس کو کفر سے نجات دی آگ میں ڈالے جانے کی طرح براجانے۔(متفق علیہ)

تشریح: قولہ: ثلاث من کنّ فیہ وجد بھنّ حلاوۃ الإیمان..:۔[ثلاثٌ أی ثلاث خصالٍ] "حلاوۃ الإیمان"اس حدیث میں ایمان کوایک شیریں چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور پھر اس کے لئے حلاوت کو ثابت کیا گیا ہے، حلاوتِ ایمان سے مراد طاعات کی لذت ورغبت اور دین میں تکالیف کا برداشت کرنا ہے۔

ایک شبہ اور اُس کا جواب:

قولہ: من کان اللہ ورسولہ أحبَّ إلیہ ممّا سوا ھما......:۔یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک خطیب نے یوں خطبہ پڑھا:"من یُطع اللہَ و رسولَہ فقد رشَدو من یعصِھمافقَدْ ضَلَّ وغویٰ "اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:"بئس خطیبُ القوم أنت" کیونکہ اس نے"یَعصِھما"میں اللہ اور رسول کو جمع کردیا تھا جو نامناسب تھا پھر اس حدیث میں آپ ﷺ نے دونوں کو کیوں جمع فرمایا؟ اس کے کئی جوابات ہیں: ایک جواب امام طحاویؒ نے دیا ہے، فرماتے ہیں کہ خطیب کے کلام میں جمع کرنے میں شرک کا ایہام تھا اس لئے منع فرمایا اور آپ ﷺ کے کلام میں شرک کا ذرا بھی احتمال نہ تھا، اس لئے جمع فرمایا۔دوسرا جواب یہ ہے کہ خطیب نے"من یعصھما"پر وقف کیا تھا جس سے"من یطع اللہ ورسولہ"پر اس کا عطف ہورہا تھا جس کی جزاء"فقد رشد"ہے اس طرح مطلب یہ ہوتا کہ"جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور ان کی نافرمانی کی اس نے ہدایت پائی"۔

قولہ: ومن یکرہ أن یعود فی الکفر.....:۔"عود فی الکفر" سے مراد"صیرورۃ الی الکفر"یا"اختیار الکفر" ہے، لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جدی پشتی مسلمانوں میں عود کیسے متحقق ہوسکتا ہے؟ انبیاء علیہم السلام کے متعلق قرآن میں کافروں کا مقولہ درج ہے"أولتعودُنّ فی ملّتِنا" یہاں بھی صیرورت کا معنیٰ مراد ہے نہ کہ رجوع وانتقال کا۔

ایمان کا ذائقہ چکھنے والا شخص:

۷۔عن العباسؓ بن عبد المطلب قال: قال رسول الله ﷺ :ذاق طعم الإيمان مَنْ رضِيَ باللهِ ربًّا و بالاسلامِ دينًا و بمحمد رسولا.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا،اس شخص نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو راضی ہوا اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد (ﷺ) کے رسول ہونے پر۔(مسلم)

آپ ﷺ تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں:

۸۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ:والّذی نفسُ محمدٍ بيده لا يسمعُ بی أحدٌ من هذه الأمة يهوديٌّ و لا نصرانیٌّ ثمّ يموتُ ولم يُؤمن بالذی أُرسلتُ به الاّ كان مِن أصحاب النّار.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! اس امت میں سے جو شخص بھی خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، میری (رسالت کی) خبر سنے اور اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں وہ یقیناً دوزخی ہے۔(مسلم)

مسئلہ مختارِ کل کی تردید:

قوله: والذی نفسُ محمدٍ بيده... :۔اس سے مبتدعہ کے ہاں معروف مسئلہ ''مختارِ کل'' (کہ آپ ﷺ کو کائنات میں ہر قسم کے تصرف کا کلی اختیار دیا گیا ہے) کی تردید ہو رہی ہے، وہ اس طرح کہ آپ ﷺ اپنی جان پر اختیار نہیں رکھتے جو فرما رہے ہیں کہ ''اس ذات کی قسم جس کے اختیار و تصرف میں میری جان ہے'' تو ساری کائنات میں مختارِ کل کیسے ہو سکتے ہیں؟۔

متشابہات کے بارے میں علماء کے دو مسلک:

مذکورہ عبارت میں اللہ کے لئے ''ید'' کا اثبات ہے جو کہ متشابہات میں سے ہے، متشابہات کے بارہ میں علماء کے دو مسلک ہیں:

(۱) متقدمین کا مذہب تفویض الی اللہ کا ہے یعنی متشابہات کی حقیقت و کیفیت علمِ الٰہی کے حوالہ کرنی چاہیے اور یوں سمجھنا چاہئے کہ ''له يدٌ كما يليقُ بشانِهِ لا كيدِ المخلوقين''۔

(۲) عند المتأخرین ایسی متشابہات میں مناسب تاویل کرنی چاہیے مثلاً: ید سے مراد قدرتِ خداوندی ہے۔ کیونکہ اظہارِ قدرت کا سببِ اکثری ہاتھ ہوتا ہے تو ذکر ہے سبب (ہاتھ) کا اور مراد مسبب (قدرت) ہے۔ مذہبِ متقدمین غلطی سے اسلم ہے اور مذہبِ متأخرین ضعیف العقل لوگوں کے لئے محکم ہے اور یہ اختلاف درحقیقت زمانہ کے اختلاف کی بنا پر ہے۔

قوله: لا يسمعُ بی أحد.....:۔ أی ليس أحدٌ يسمعُ بخبرِ رسالتی یعنی ''ایسا کوئی نہیں جو میری رسالت کے بارے میں سنے اور ایمان نہ لائے.....''۔

قوله: يهوديٌّ ولا نصرانیٌّ.....:۔ان کی تخصیص مزید تقبیح کے لئے ہے کہ باوجود آپ ﷺ کی رسالت اور ختمِ نبوت کا علم ہونے کے

آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے جونہایت بُرا ہے یا اشارہ ہے اس طرف کہ جب اہل کتاب مکلف ہیں تو غیر اہلِ کتاب یعنی مشرک، مجوسی صابی وغیرہ تو بطریق اولیٰ مکلّف ہوں گے۔ (نفحات)

دوہرا اجر پانے والے:

۹۔وعن أبی موسی الأشعریؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ثلاثةٌ لهم أجرانِ رجلٌ من أهل الكتابِ آمنَ بنبيِّه وآمنَ بمحمدٍ والعبدُ المملوكُ اذاأدىٰ حقَّ اللهِ وحقّ مواليهِ ورجلٌ كانت عنده أمةٌ يطأهافأدّبَها فأحسنَ تاديبَها وعلّمَهافأحسنَ تعليمَهاثمّ أعتقها فتزوّجَها فله أجرانِ .[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن کو دوہرا ثواب ملتا ہے۔ ایک وہ اہل کتاب (یہودی یا عیسائی) شخص جو اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا اور پھر محمد (ﷺ) پر ایمان لایا اور دوسرا وہ غلام جو اللہ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے آقاؤں کا حق بھی اور تیسرا وہ شخص جس کی کوئی باندی تھی جس سے وہ صحبت کیا کرتا تھا پھر اس کو اچھا ادب سکھایا اور اسے (دین کی) اچھی تعلیم دی پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تو اس کو دو اجر ملیں گے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے حالات: آپؓ کا نام عبداللہ بن قیسؓ ہے، قبیلہ بنوالاشعر کی طرف منسوب ہیں، یمن کے باشندے ہیں، مکہ میں اسلام لائے اور ارضِ حبشہ ہجرت فرمائی، وہاں سے پھر مدینہ ہجرت کر آئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے آپؓ کو بصرہ کا گورنر بنایا تھا، اس عہدہ پر آپؓ چار سال تعینات رہے، ۵۲ھ میں وفات پائی۔

تشریح: قوله: ثلاثةٌ...:۔ أی ثلاثة أشخاص، تین کی تخصیص اس وجہ سے فرمائی کہ ہر زمانہ میں یہ تین قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔

قوله: والعبد المملوك إذا أدّىٰ حقّ الله وحقّ مواليه .....:۔ ''مملوک'' کی قید اس لئے لگائی کہ آزاد نکل جائے ورنہ ''عباداللہ'' میں تو وہ بھی داخل ہے۔ ''مواليه'' یہ مولیٰ بمعنی مالک کی جمع ہے، صیغہ جمع اس لیے لائے کہ عام طور پر غلام مختلف ہاتھوں میں فروخت ہوتا رہتا ہے جس کی وجہ سے اس کے مالک کئی ہوتے ہیں۔

قوله: ورجلٌ كانت عنده أمةٌ يطأها فأدّبها فأحسن تأديبها وعلّمها ....:۔ یعنی بغیر ناحق سختی کے اپنی باندی کی تربیت فرمائی اور ضروری مسائل واحکام کی تعلیم دی۔

قوله: فله أجرانِ...:۔ مذکورہ شخص کو دو اجر ملنے کی توجیہ میں تین قول ہیں:

(۱) ان تین اشخاص میں سے ہر ایک کے دو، دو عمل ہیں لہٰذا ثواب بھی دو دو ملیں گے۔

(۲) ان میں سے ہر ایک کے لئے ہر عمل میں مطلقاً دو ثواب ہوتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے ان تین اشخاص کے مذکورہ بالا دو اعمال میں سے ہر عمل پر دو ثواب دیتے ہیں یہی قول راجح ہے۔

نبی پاک ﷺ کو اعلائے کلمۃ اللہ تک قتال کا حکم:

۱۰۔عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: أُمِرتُ أن أُقاتل النّاسَ حتىٰ يشهدوا أن لا إله إلّا اللهُ وأنّ محمدًا رسولُ الله

ویقیموا الصلوٰۃَ ویؤتوُ الزکوٰۃَ فاذافعلوا ذٰلکَ عصموا منّی دِمائھم و أموالَھم الا بحقّ الاسلامِ و حسابُھم علی اللہِ.[متفق علیہ، الاّ أنّ مسلمًا لم یذکر" الاّ بحقِّ الاسلام"]

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے (اللہ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ اس وقت تک لڑوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں پس جب وہ ایسا کرلیں تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچالیں گے مگر اسلام کے حق سے (یعنی اسلام کے ضابطے کی باز پرس باقی رہے گی) اوران کا حساب (باطن کا معاملہ) اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔(متفق علیہ) مگر مسلمؒ نے 'إلا بحقّ الإسلام" کے الفاظ ذکر نہیں کیے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ احکام اسلامی کے اجراء اور مال وجان کی حفاظت کے لئے صرف اقرار لسانی اور اسلام کی ظاہری علامات کافی ہیں، باقی دل کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور اس حدیث میں مرجیہ کا رد بھی ہے، اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ اہلِ بدعت کی تکفیر نہ کی جائے جب تک وہ ضروریاتِ دین میں سے کسی کے منکر نہ ہوں۔

قولہ: حتی یشھدوا أن لا إلہ إلاّ اللہ و أنّ محمدًا رسول اللہ ویقیموا الصلاۃ ویؤتوا الزکوٰۃ ...:۔اس سے مراد اعلائے کلمۃ اللہ ہے جس کی بہت ساری صورتیں ہیں مثلاً: اقرارِ توحید ورسالت، قبول جزیہ (ذمیت) طلبِ امن وصلح، تو یہاں اعلائے کلمۃ اللہ کی ایک بڑی صورت اور فرد کامل کو ذکر کیا اور مراد مطلق اعلاء ہے یعنی ذکر خاص کا ہے اور مراد عام ہے، یہاں چار امور ذکر فرمائے اور باقی احکام کی طرف 'إلا بحقّ الإسلام" سے اشارہ فرمایا، لہذا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ امور اربعۃ مذکورہ کے بعد باقی احکام کے انکار سے کوئی کافر نہ ہوگا۔

وہ مسلمان جو اللہ کے عہد وامان میں داخل ہے:

١١۔وعن أنسؓ أنّہ قال :قال رسول اللہ ﷺ: من صلّی صلاتَنا واستقبل قبلتَنا و أکلَ ذبیحتَنافذلکَ المسلمُ الذی لہ ذمّۃُ اللہ وذمّۃُ رسولِہ فلاتُخفِروا اللہَ فی ذمّتہ.[بخاری]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہو اور ہمارا ذبح کردہ جانور کھائے تو ایسا شخص وہ مسلمان ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے عہد وامان میں ہے پس اللہ کے عہد وامان میں اللہ کے ساتھ عہد شکنی مت کرو۔(بخاری)

تشریح: قولہ: من صلّی صلاتنا :۔یعنی شریعتِ محمدیہ کے موافق نماز پڑھے، پنج وقتہ پڑھے، کہ ایسی نماز اسلام کی علامت ہے۔"واستقبل قبلتنا" یعنی اہلِ کتاب والا قبلہ نہ ہو، اگرچہ نماز کا ذکر استقبال قبلہ کو مستلزم ہے لیکن تخصیص اس لئے فرمائی کہ قبلہ ہر مسلمان کو معلوم ہے اگرچہ نماز نہ بھی جانتا ہو اور قبلہ بیت اللہ امت محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

'وأکل ذبیحتنا'، پہلی دونوں خصلتیں بطور عبادت کے ممیّز ہیں اور تیسری خصلت کا ممیز ہونا بطورِ عبادت وعادت ہے بہر حال حصر مقصود نہیں بلکہ علاماتِ کفر کا فقدان اور علاماتِ اسلام کا وجود مراد ہے۔

قولہ: الّذی لہ ذمۃ اللہ ورسولہ فلا تخفرو اللہ ذمتہ :۔اس کا مطلب یہ ہے کہ پس نہ توڑو تم اللہ کے عہد کو جو اس شخص کے امان کے

بارے میں ہے۔اخفار کا معنی خیانت کرنا اور بدعہدی کرنا ہے۔

وہ اعمال جو دخولِ جنت کا قوی سبب ہیں:

۱۲۔عن أبي هريرةؓ :أتىٰ أعرابيٌّ النبيﷺ فقال: دُلّني علىٰ عملٍ إذا عمِلته دخلتُ الجنّةَ ؛قال: تعبدُ اللهَ وتُقيمُ الصلوٰةَ المكتوبةَ وتؤدّي الزكوٰةَ المفروضةَ وتصومَ رمضانَ قال: والذي نفسي بيدِهٖ لاأزيدُ علىٰ هذاشيئًا ولاأنقصُ منه فلمّاولّٰى قال النبيُّ ﷺ :مَنْ سرَّه أنْ ينظرَ الىٰ رجلٍ مِن أهلِ الجنّةِ فلينظرْ الىٰ هذا.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی آپﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا ''یارسول اللہ! مجھے ایسا کوئی عمل بتائیے کہ جسے کرنے پر میں جنت میں داخل ہوسکوں''۔ آپﷺ نے فرمایا: اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرا اور فرض نماز قائم کر اور فرض زکوٰۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ۔ اس پر اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس کی قدرت میں میری جان ہے ''میں نہ اس پر کچھ زیادتی کروں گا اور نہ اس سے کچھ کم کروں گا''۔ جب وہ چلا گیا تو آپﷺ نے فرمایا: ''جس کو اس بات سے خوشی ہو کہ وہ ایک جنتی شخص کو دیکھ لے اسے چاہیے کہ اس شخص کو دیکھ لے۔ (بخاری)

تشریح: قوله: دُلّني علىٰ عملٍ ...:۔[دُلّني] امر کا صیغہ ہے'' دَلّ يدلّ دلالةً'' سے۔حدیث بالا میں حج کا ذکر نہیں، کیونکہ اس وقت تک حج فرض نہ ہوا تھا، حج کی فرضیت ۹ھ میں ہوئی۔اس اعرابی کا نام لقیط بن صبرہؓ تھا۔

ایک اشکال اور اُس کا جواب:

قوله: لا أزيدولا أنقُص . . . :۔اس حدیث میں مذکورامورعبادات ہیں ان میں کمی نہ کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن زیادتی نہ کرنے کا کیا مطلب؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعرابی کا ''لا أزيدو لا أنقص '' کہنا محاورۃً تھا، جیسے ہم دکاندار سے بھاؤ تاؤ کرتے وقت کہتے ہیں کہ کچھ کمی بیشی نہیں ہوسکتی تو مقصود قیمت میں کمی کرنا ہوتا ہے بیشی کا ذکر محاورۃً کر دیتے ہیں۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اعرابی اپنی قوم کا نمائندہ تھا، اُن کا ''لا أزيد و لا أنقص '' سے مقصد ان احکام کی تبلیغ میں کمی زیادتی نہ کرنا تھا، مطلب یہ تھا کہ میں بلاکم وکاست یہ احکام اپنی قوم کو پہنچاؤں گا۔

قوله: فلمّا وَلّٰى قال: من سرّه أن ينظرَ إلىٰ رجل من أهل الجنّة،فلينظر إلىٰ هذا :۔اس شخص کے چلے جانے کے بعد آپﷺ نے ان کے متعلق جنتی ہونے کی بشارت دی، سامنے یہ بشارت نہیں سنائی۔ممکن ہے کہ سامنے بشارت دینا ان کے مناسب حال نہ ہو۔

ایمان پر ثابت قدم رہنا:

۱۳۔وعن سفيان بن عبدالله الثقفيؓ قال: قلتُ :يا رسولَ الله! قُل لي في الإسلام قولاً لاأسألُ عنه أحداً بعدكَ [وفي رواية: غيرَكَ] قال: قُلْ آمنتُ بالله ثمّ استقِمْ .[مسلم]

ترجمہ: حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ! مجھ کو اسلام کے بارے میں کوئی ایسی بات فرمائیں جو میں آپ (ﷺ) کے بعد کسی سے نہ پوچھوں'' ایک روایت میں ''غيرك '' کے الفاظ ہیں، آپﷺ نے فرمایا: ''کہہ کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر

اس پر ثابت قدم رہ"۔(مسلم)

استقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے:

تشریح: قوله: قل أمنتُ بالله ثم استقم:۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی "جوامع الکلم" میں سے ہے، جس کے الفاظ تھوڑے اور معانی زیادہ ہیں۔ یہ حدیث تمام ایمانیات اور تمام طاعات کو شامل ہے: ایمانیات کا ذکر "امنت باللہ" میں ہے اور طاعات کا ذکر "ثم استقم" میں، کیونکہ استقامت نام ہے ہر مامور کی ادائیگی کا اور ہر منکر سے اجتناب کرنے کا، تو گویا استقامت سے مراد پوری شریعت کی پابندی ہے اور یہ بہت بڑی چیز ہے ارشاد خداوندی ہے:"إنّ الذينَ قالوا ربّنا الله ثم استقاموا فلا خوفٌ عليهم ولا هم يحزنون." آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سورۃ ھود نے بوڑھا کر دیا کیونکہ اس میں استقامت کا حکم ہے چنانچہ ارشاد ہے:"فاستقم كما اُمِرت" یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں "الا ستقامة خيرٌ من ألفِ كرامةٍ"۔(مرقات ص۸۴،ج۱)

حدیثِ اعرابی:

۱۴۔وعن طلحة بن عبيد الله ؓ قال: جاء رجلٌ إلىٰ رسول الله ﷺ مِن أهلِ نجدٍ ثائر الرأس نسمعُ دويّ صوتِه ولانفقهُ مايقولُ حتىّٰ دنا مِن رسولِ الله ﷺ فاذاهو يسألُ عنِ الاسلامِ فقال رسولُ الله ﷺ :خمسُ صلوٰتٍ فى اليومِ والليلةِ فقال: هلْ علىّ غيرُهنّ فقال :لا الأن تطوّع قال: رسولُ الله ﷺ : وصيامُ شهر رمضانَ فقال هل علىّ غيرُه ،قال :لا الأن تطوّع قال: وذكر له رسول الله ﷺ الزكوٰةَ فقالَ هل علىّ غيرُها فقال :لا الأن تطوّع قال فأدبرَ الرجلُ وهويقولُ والله لاأزيدُ علىٰ هذا ولاأنقصُ منه فقال رسول الله ﷺ :أفلحَ الرجلُ إن صدقَ .[متفق عليه]

ترجمہ :حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ سے مروی ہے کہ اہلِ نجد کا ایک شخص رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے سر کے بال پراگندہ تھے، ہم اس کی آواز کی گنگناہٹ کو سن رہے تھے لیکن (دور ہونے کی وجہ سے) اس کی بات سمجھ نہیں رہے تھے یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے نزدیک ہوا، (تو ہم نے سنا کہ) وہ اسلام کے بارے میں پوچھ رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"رات دن میں پانچ نمازیں ہیں، اس شخص نے کہا: کیا اس کے سوا مجھ پر کچھ اور (نمازیں فرض) ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں! مگر یہ کہ تو نفل پڑھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور رمضان کے روزے (فرض) ہیں، اس شخص نے کہا کہ اس کے سوا مجھ پر کچھ (فرض روزیں) ہیں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں! مگر نفل روزے رکھ سکتے ہو۔ راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کا ذکر فرمایا پھر اس شخص نے پوچھا کہ کیا میرے اوپر اس کے علاوہ کچھ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! مگر یہ کہ آپ نفلی صدقہ کرو۔ راوی کہتا ہے کہ وہ آدمی یہ کہتے ہوئے چلا گیا کہ اللہ کی قسم! نہ میں اس پر زیادتی کروں گا اور نہ اس میں سے کچھ کم کروں گا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص نے فلاح کو پالیا اگر سچ کہا ہے تو۔(متفق علیہ)

تشریح: قوله: جاء رجل من أهل نجدٍ ثائر الرأس نسمع دويّ صوته ... :۔ اس شخص کا نام ضمام بن ثعلبہ ؓ تھا۔

"من أهل نجد" نجد بلند زمین کو کہتے ہیں اس کی ضد "تہامہ" ہے، جو پست زمین کو کہتے ہیں یہ جزیرہ عرب کے اس خطہ کو کہتے ہیں جو مکہ و عراق کے مابین ہے۔"ثائر الرأس" یہ مرفوع بھی پڑھا گیا ہے "رجل" کی صفت ہونے کی بنا پر اور منصوب بھی پڑھا گیا ہے بنا بر حالیت۔

''رأس'' سے مراد مجازاً بال ہے یعنی پراگندہ بال والا۔'' دَوِیّ صـوتـہ ''گنگنی آواز'' دوی ''اصل میں مکھیوں کی بھنبھناہٹ کو کہتے ہیں یہاں اس سے مراد پوشیدہ اور گنگنی آواز ہے جس کا مطلب سمجھ میں نہ آئے ،مقصد یہ ہے کہ وہ شخص جو پیغام اپنی قوم کی طرف سے لایا تھا اُس کو دہرار ہا تھا، لیکن دور ہونے کی وجہ سے صحابہ سمجھ نہیں رہے تھے کہ کیا کہہ رہا ہے۔

قوله: فإذا هو يسأل عن الإسلام......۔ أي"عن فرائض الإسلام و أحكامه" کیونکہ وہ شخص پہلے سے مسلمان تھا۔

وتر واجب ہے یا نہیں؟:

قوله: فقال هل عليّ غيرهنّ فقال لا إلا أن تطوع......۔اس حدیث میں پانچ فرض نمازوں کا ذکر کیا گیا، وتر کا ذکر نہیں فرمایا گیا جس سے شوافع کا مسلک ثابت ہوتا ہے کہ وتر نفل (سنت) ہے واجب نہیں۔

احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وتر عشاء کے تابع ہے اس وجہ سے وتر کو مستقل طور پر ذکر نہیں فرمایا۔ یہ جواب بھی دیا جاتا ہے کہ یہ وتر کے وجوب سے پہلے کا واقعہ ہے۔

نفل شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتے ہیں:

اس حدیث کے مذکورہ جملہ سے احناف اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ نفل کو شروع کرنے کے بعد مکمل کرنا واجب ہو جاتا ہے، گویا حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھ پر فرائض کے سوا کوئی نماز واجب نہیں مگر نفل جو شروع کردے وہ واجب ہو جائیں گے۔

روایت بالمعنیٰ کے جواز کا ثبوت:

قوله: قال و ذكر......۔ [قال] کا فاعل طلحہ ہے ان کو آنحضرت ﷺ کے الفاظ بھول گئے اس لئے لفظ[ذکرَ] بولا۔ اس سے معلوم ہوا کہ روایت باللفظ اصل ہے، لیکن اگر حدیث کے الفاظ بھول گئے تو روایت بالمعنیٰ بھی جائز ہے۔

حدیثِ وفدِ عبدالقیس:

١٥ـعن ابن عباسؓ قال: إنّ وفد عبد القيس لمّا أتو النبيَّ ﷺ، قال رسول الله ﷺ: من القوم أومَن الوفدُ ؟قالوا: ربيعة قال: مرحباً بالقوم أوبالوفد غيرَ خزاياولاندامىٰ ،قالوا: يارسولَ الله !لانستطيعُ أنْ نأتيكَ الّا في الشهرِ الحرامِ وبيننا وبينك هذالحيُّ مِن كفّارِ مُضر فمُرنابأمرٍ فصلٍ نُخبرُ به مَن وراءَ ناوندخلُ به الجنّةَ وسألوه عنِ الأشربةِ فأمرَهم بأربعَ ونهاهم عن أربع ،أمرَهم بالايمانِ بالله وحدهُ قال: أتدرون مالايمانُ بالله وحدَه قالوا اللهُ ورسولُه أعلمُ قال: شهادةُ أن لااله الااللهَ وأنّ محمداً رسولُ اللهِ وإقامُ الصلوٰةِ وإيتاء الزكوٰةِ وصيامُ رمضانَ وأن تُعطوامِن المغنمِ الخُمسَ ،ونهاهم عن أربع :عن الحَنْتمِ والدُّبّاء والنقير المُزفّتِ وقال: احفظوا هنّ وأخبروهنّ مَن وراءَ كم .[متفق عليه ولفظه للبخارى]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب وفدِ عبدالقیس نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یہ کون لگ ہیں یا یوں فرمایا: یہ کس قبیلے کا وفد ہے؟ انہوں نے کہا: ہم ربیعہ (قبیلہ) کے لوگ ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس قوم یا اس وفد کو خوش آمدید ہو، نہ (دنیا میں) اس کے لیے رسوائی ہے اور نہ (آخرت میں) پشیمانی۔ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! ہم صرف شہر حرام میں آپ (ﷺ)

کے پاس آسکتے ہیں، ہمارے اور آپ (ﷺ) کے درمیان مضر قبیلہ کے کافر حائل ہیں، لہذا ہمیں (حق و باطل کے درمیان) ایسی فیصلہ کن بات بتایئے جس کی خبر ہم ان کو بھی دیں جو ہمارے پیچھے ہیں اور ہم بھی اس پر (عمل کر کے) جنت میں جاسکیں۔ اور انہوں نے پینے کے برتنوں کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے اُن کو چار باتوں کا حکم فرمایا اور چار باتوں سے روکا: آپ ﷺ نے اُن کو ایک اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا، فرمایا: تم جانتے ہو کہ ایک اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (ایمان یہ ہے کہ) اس بات کی گواہی دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز پڑھنا اور زکوۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم غنیمت میں سے پانچواں حصہ دو۔ اور چار (قسم کے برتنوں) سے روکا: لاکھ کیے ہوئے برتنوں سے، کدو کے تونبوں سے اور درخت کی کھوکھلی جڑوں سے بنائے ہوئے برتنوں سے اور رال کیے ہوئے برتنوں سے، اور فرمایا، ان باتوں کو اچھی طرح یاد کرلوں اور جنہیں تم پیچھے چھوڑ آئے ہو ان کو بھی خبر دو۔ (متفق علیہ ولفظہ للبخاری)

حضرت ابن عباسؓ کے حالات: آپؓ آنحضرت ﷺ کے چچا عباسؓ کے صاحبزادے ہیں، ہجرت سے تین سال قبل شعبِ ابی طالب میں پیدا ہوئے، حضور ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی عمر تیرہ (۱۳) برس تھی، حضور ﷺ نے آپؓ کے حق میں حکمت، فقہ اور تفسیر قران کی دعا فرمائی تھی جو قبول ہوئی اور آپؓ نے رئیس المفسرین کا رتبہ پایا، آخری عمر میں آپؓ کی بینائی جاتی رہی جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ آپؓ نے دو دفعہ حضرت جبریلؑ کو ان کی اصل حالت میں دیکھا تھا۔ ۶۸ھ میں بمقامِ طائف اکہتر (۷۱) سال کی عمر میں آپؓ کی وفات ہوئی۔

تشریح: قوله: إنّ وفد عبد القيس لمّا أتوا النبيّ ﷺ ....: وفد جمع ہے وافد کی، یہ اس منتخب اور نمائندہ جماعت کو کہتے ہیں جو کسی مشترک اور اہم غرض کے لئے بادشاہ یا حاکم کے پاس جائے، عبدالقیس قبیلہ کا نام ہے جو ربیع بن نزار پر منتہی ہوتا ہے۔

وفدِ عبدالقیس کے آنے کا قصہ:

قوله: لمّا أتو النبی ﷺ ....: ان کے آنے کا قصہ یہ ہے کہ اس قبیلہ کا ایک شخص منقذ بن حبان نامی، بحرین سے بغرضِ تجارت مدینہ منورہ آیا، حضور اکرم ﷺ کا اِن پر گزر ہوا آپ ﷺ نے اس کے اور اس کے قبیلے کے حال احوال معلوم فرمائے اور اس شخص سے یہ بھی فرمایا: ''أمُنقِذٌ أنت'' (کیا آپ منقذ یعنی بچانے والے ہیں؟) وہ شخص آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا۔ آپ ﷺ نے اُن کے ہاتھ اُن کے قبیلہ کے سردار کے نام دعوتِ اسلام پر مشتمل ایک مکتوب بھیجا، قبیلۂ عبدالقیس کا رئیس اس وقت منذر بن عائذ تھا، لقب اشج (یعنی چہرے پر زخم والا) تھا، انہوں نے قبیلہ کے لوگوں کو جمع کیا اور آپ ﷺ کا مکتوب گرامی اُن کو پڑھ کر سنایا۔ ساری قوم اِسی وقت مسلمان ہوگئی، اور آپ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا، زیرِ بحث حدیث میں اسی وفد کا ذکر ہے۔ بعض روایات میں اِس وفد کے ارکان کی تعداد ''چودہ'' بتائی گئی ہے اور بعض میں ''چالیس''، جس میں دو طرح سے تطبیق دی گئی ہے:

(۱) یہ وفد دو دفعہ آیا تھا۔ پہلی دفعہ ۵ھ میں اس میں ''چودہ'' افراد تھے، دوسری دفعہ ۸ھ میں اس میں ''چالیس'' افراد تھے۔

(۲) وفد میں کل ''چالیس'' افراد تھے جن میں ''چودہ'' قوم کے معزز اور شرفاء تھے۔

''أو'' جو شکِّ راوی بتانے کے لیے آتا ہے:

قولہ: من القوم أو من الوفد ... :۔ أو، شکِ راوی بتانے کے لئے ہے ایسی جگہوں میں ''أو'' کے بعد ''قال'' پڑھنا چاہیے تاکہ شک کی نسبت راوی کی طرف ہونا معلوم ہو۔ اسی حدیث میں آگے ''مرحباً بالقوم أو بالوفد'' میں بھی یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

قولہ: غیر خزایا ولا ندامی ...:۔ ''خزایا'' جمع ہے خزیان کی بمعنیٰ ذلیل ورسوا اور ''ندامیٰ'' جمع ہے ندمان کی بمعنیٰ شرمندہ و پشیمان، مطلب یہ ہے کہ تم لوگ اپنی رغبت وخوشی سے مسلمان ہوئے ہو اور ضرب وحرب، قید وبند کی ذلت ورسوائی اور شرمندگی و پشیمانی تمہیں اٹھانی نہ پڑی۔

قولہ: بأمرٍ فصلٍ... :۔ أی'' فاصل بین الحق والباطل'' یعنی فیصلہ کن اٹل بات۔

قولہ: وسألوہ عن الأشربة ...:۔ [أشربة] سے مراد نشہ آور مشروبات خمر، شراب وغیرہ ہیں۔ حرمت شراب تو وفد عبدالقیس کو پہلے سے معلوم تھی، یہاں سوال ظروفِ اشربہ یعنی شراب کے برتنوں کے بارے میں تھا کہ جو برتن خمر وغیرہ بنانے اور رکھنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں اُن برتنوں کا کیا حکم ہے؟

قولہ: إلّا فی الشھر الحرامِ .....:۔ اس سے مراد یا تو تمام اشہرِ حرم ہے باعتبارِ جنس کے اور اشہر حرم چار ہیں: رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرّم الحرام (ان چار مہینوں کا عرب بے حد احترام کرتے تھے) یا پھر مراد خاص رجب کا مہینہ ہے کہ کفارِ مضر خاص ماہِ رجب کا احترام کرتے تھے، وفد کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں بار بار نہیں حاضر ہوسکتے کہ کفارِ مضر ہمارے اور آپ ﷺ کے درمیان میں حائل ہیں، ہاں شہرِ حرام میں جب قتل وقتال بند ہوتا ہے تو ہم حاضرِ خدمت ہوسکتے ہیں۔

ایک اشکال اور اُس کا جواب:

قولہ: فأمرھم بأربع ....:۔ اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہاں امورِ اربعہ کا ذکر ہے اور آگے تفصیل میں پانچ مامورات ہیں: ایمان باللہ، اقامتِ صلاۃ، ایتاءِ زکوٰۃ، صوم رمضان، خمس غنیمت، تو بظاہر اجمال وتفصیل میں مطابقت نہیں ہے؟ اس کا جواب بقول علامہ طیبیؒ وعلامہ قرطبیؒ یہ ہے کہ وہ لوگ چونکہ مسلمان تھے، نیز ایمان جملہ اعمال کی اساس وبنیاد ہے تو بطورِ تبرک وتمہید بحیثیتِ جملہ معترضہ ایمان کا ذکر فرمایا، اس کے بعد اصل مقصود یعنی مامورات اربعہ ارشاد فرمائے۔ جبکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ماموراتِ اربعہ پہلے والی چار چیزیں ہیں خمسِ غنیمت کا ذکر علی اسلوب الحکیم کیا کہ ان لوگوں کو کفارِ مضر سے جہاد کرنا پڑتا تھا تو خمسِ غنیمت کے اعطا کا ذکر فرمایا۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مأمورات چار ہی ہیں اور خمسِ غنیمت زکوٰۃ ہی کے تحت داخل ہے کیونکہ دونوں کا تعلق مال سے ہے، لیکن اس کے زکوٰۃ کے تحت واقع ہونے میں چونکہ خفا تھا تو اس خفا کو دور کرنے کے لئے صراحۃً ارشاد فرمایا۔

قولہ: الحنتم والدباء والنّقیر والمزفّت ....:۔ [حَنتم] سبز رنگ کا روغن کیا ہوا مرتبان۔ [الدباء] خشک کدو سے بنایا گیا برتن۔ [النقیر] کھجور یا کسی اور درخت کے تنے کو اندر سے کرید کر بنایا جانے والا برتن۔ [المزفّت] زِفت تارکول کو کہتے ہیں، مزفت سے مراد وہ برتن جس کو تارکول سے لیپا گیا ہو۔ پہلے ان برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا تھا، بعد میں استعمال کی اجازت دے دی۔ ممانعت کی کئی وجہیں

تھیں: (۱) حرمتِ خمر کے حکم میں تشدید پیدا کرنی مقصود تھی کہ خمر ایسی خبیث چیز ہے کہ خود تو ہے ہی حرام اور قابلِ نفرت، وہ برتن جو اس کے بنانے اور پینے میں استعمال ہوتے ہیں وہ بھی قابل نفرت اور ممنوع الاستعمال ہیں۔

(۲) ان برتنوں کے استعمال میں شراب پینے والوں کے ساتھ مشابہت تھی اس لئے انٰ کے استعمال سے منع فرمایا۔ (نفحات، مرآۃ)

آنحضرت ﷺ کا صحابہؓ سے اصلاحِ اعمال کی بیعت لینا:

۱۶۔وعن عبادة بن صامتؓ قال: قال رسول الله ﷺ: وحوله عصابة من أصحابه بايِعُو نـي علىٰ أن لاتُشرِكوابالله شيئًا ولاتسرِقوا و لاتزنوا ولاتقتلواأولادكم ولاتأتوابِبهتان تفترونَه بينَ أيديكم وأرجُلِكم ولاتعصَوا في معروفٍ فمَن وفىٰ منكم فـأجرُه عـلى الله ومَن أصابَ مِن ذلك شيئًا فعوقِبَ به في الدنيا فهو كفّارةً له ومَن أصابَ مِن ذلك شيئا ثمّ سترهُ اللهُ عليه فهوالى الله اِن شاءَ عفا عنه واِن شاءَ عاقبَه فبايعناه علىٰ ذلك .[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جبکہ آپ ﷺ کے گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی: مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ اپنے بچوں کو (فقر کے ڈر سے) قتل کرو گے اور نہ بہتان تراشی کرو گے جسے تم اپنی طرف سے باندھ کر لے آؤ اور نہ نیک بات (یعنی حکمِ شریعت) میں نافرمانی کرو گے پس جو تم میں سے (اس عہد و اقرار کو) پورا کرے گا اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو (سوائے شرک کے) ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کرلے اور دنیا میں اس کو اس کی سزا مل جائے تو یہ سزا اس کے لیے کفارہ ہوگی اور اگر کسی نے ان میں سے کوئی گناہ کیا اور پھر اللہ نے اس کی ستر پوشی فرمائی تو اب وہ اللہ کے سپرد ہے چاہے تو اس سے (آخرت میں بھی) درگزر فرمائے اور چاہے تو اسے عذاب دے۔ راوی کہتا ہے کہ ہم نے ان تمام باتوں پر آپ ﷺ کی بیعت کی۔ (متفق علیہ)

حضرت عبادہ بن صامتؓ کے حالات: آپؓ مدینہ کے باشندے ہیں۔ ہجرت سے پہلے ہونے والی دونوں بیعتوں (بیعتِ عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ) میں آپؓ حاضر رہیں، عقبہ اولیٰ کے بارہ نقباء میں سے آپؓ بھی ایک نقیب تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حمص کے قاضی تھے۔ آپؓ کی کل مرویات اکیاسی ہیں۔ ۳۴ھ میں آپؓ کی وفات ہوئی۔

تشریح: قوله: عصابة من أصحابه .... :۔ [عِصابةٌ] عین کے کسرہ کے ساتھ۔ یہ اسمِ جمع ہے جو دس سے لیکر چالیس افراد تک کی جماعت پر بولا جاتا ہے۔

بیعت کا ثبوت اور اس کی قسمیں:

قوله: بـايعوني .....:۔ اس میں بیعت کا ذکر ہے بیعت میں بیع کے ساتھ تشبیہ ہے اس کے معنی ہیں ''معاہدۂ طاعت'' بیعت چار قسم پر ہیں: (۱) بیعتِ اسلام: تمام صحابہ کرامؓ اس بیعت سے مشرف ہوئے۔

(۲) بیعتِ جہاد: صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ سن کر آپ ﷺ نے ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ سے جہاد پر بیعت لی۔

(۳) بیعتِ خلافت: سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر یہ بیعت ہوئی۔

(۴)بیعتِ طریقت یا بیعتِ اصلاح: کسی بزرگ کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ اور پابندی شریعت کا معاہدہ کرنا، حدیث باب میں اسی بیعت کا ذکر ہے، اس کا ثبوت قرآن کی اس آیت سے بھی ملتا ہے "یاأیّها النبی إذا جاءَ ك المؤمناتُ یُبایِعنك علیٰ أن لا یُشرِکن بالله ولا یسرِقن ولا یزنین". (سورۃ الممتحنہ، پارہ ۲۸)

قوله: ولا تأتوا ببهتان تفترونه بین أیدکم وأرجلکم .....: "بہتان" ایسا جھوٹا الزام جس کو سن کر سامع مبہوت ہو جائے۔ "تفترونه بین أیدیکم وأرجلکم" یعنی "تفترونه من عند أنفسکم"۔ "نفس" کی تعبیر "ید و أرجل" (ہاتھ اور پاؤں) سے اس لئے کی کہ اکثر افعال انہی سے صادر ہوتے ہیں یا پھر مراد دل ہے کہ وہ ہاتھوں پیروں کے درمیان میں ہوتا ہے۔

حدود مکفّرات ذنوب ہیں یا نہیں؟:

قوله: فعُوقِب به فی الدنیافهو کفارةٌ له ....:۔ اِس سے حضرات شوافعؒ استدلال کرتے ہیں کہ حدود یعنی جرائم کی اسلامی سزائیں مکفراتِ ذنوب ہیں یعنی گناہوں کو بالکلیہ مٹادیتی ہے، عند اللہ دوبارہ اس پر سزا نہیں ہوگی۔

جبکہ حضرات احنافؒ فرماتے ہیں کہ حدود مکفراتِ ذنوب نہیں بلکہ فقط زواجر ہیں یعنی گناہوں سے باز رکھنے والی ہیں، مکفرِ ذنوب توبہ ہے لہذا بغیر توبہ کئے اگر کسی کو حد لگی تو آخرت میں دوبارہ سزا ملے گی۔ احناف کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) قطاع طریق یعنی ڈاکوؤں کی حد (سزا) بیان کرنے کے بعد قرآن میں ارشادِ ربانی ہے "ذلكَ لهم خِزیٌ فی الدنیا ولهم فی الآخرةِ عذابٌ عظیم إلّا الّذین تابوا" (پارہ ٦) ترجمہ: "ان ڈاکوؤں کے لیے دنیا کی رسوائی بھی ہے اور آخرت کا دردناک عذاب بھی سوائے اُن کے جو تائب ہوئے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ حد کفارہ نہیں بلکہ توبہ کفارہ ہے۔

(۲) حدِ سرقہ یعنی چوری کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا: "فَمن تابَ بعدَ ظُلمِهِ وَأصلحَ فإنّ اللّٰهَ یتوبُ علیه إنّ اللّٰهَ غفورٌ رحیمٌ" (پارہ ٦) ترجمہ: "جس نے ظلم کے بعد توبہ کی اور درستگی اختیار کی تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا"۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حد فی نفسہٖ مکفر نہیں بلکہ توبہ کی بھی حاجت ہے۔

(۳) کافر ذمی پر بھی حد جاری کی جاتی ہے حالانکہ وہاں کفارہ ذنوب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرات شوافع کا مستدل چونکہ یہ حدیث باب ہے، اس لیے احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ فَعُوقِبَ سے مراد اسلامی سزائیں نہیں بلکہ وہ سزائیں ہیں جو مصائب و آفات کی شکل میں ملتی ہیں اور مصائب و آفات کے کفارۂ ذنوب ہونے کے ہم بھی قائل ہیں اس کا قرینہ یہ ہے کہ بیعت عقبہ کا واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے اور حدود کی فرضیت تو ہجرت کے بعد مدینہ میں ہوئی جبکہ ایک اسلامی ریاست وجود میں آگئی تھی۔ (نفحات، مرآۃ)

ناشکری چھوٹا کفر ہے:

۱۷۔عن أبی سعید الخدریؓ قال: خرج رسول اللهﷺ فی أضحی أو فطرٍ إلی المصلّیٰ، فمرّ علی النساء فقال: یامعشرَ النساءِ! تصدّقنَ فانّی أُریتُکنّ أکثرَ أهلِ النّارِ فقلنَ وبمَ یارسولَ الله! قال: تُکثِرن اللعنَ وتکفُرن العشیرَ، مارأیتُ من ناقصاتِ عقلٍ

ودين أذهبَ للُبِّ الرجلِ الحازمِن اِحداكنّ ،قلن: ومانقصانُ ديننا وعقلنا؟يارسول الله!قال: أليس شهادةُ المرأةِ مثلَ نصفِ شهادةِ الرجلِ ؟قُلنَ :بلىٰ !قال: فذٰلكِ مِن نقصانِ عقلِها قال: أليس اذاحاضتْ لم تُصلِّ ولم تصُمْ ؟قُلنَ : بلىٰ قال: فذٰلكِ مِن نقصانِ دينها.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر کے لیے عیدگاہ کی طرف نکلے، تو عورتوں کے پاس سے گذرے، اُن سے فرمایا: "اے عورتوں کی جماعت! صدقہ خیرات کیا کرو، کیونکہ مجھے دوزخ میں اکثر تم (عورتیں) دکھائی گئی" اس پر عورتوں نے کہا "کس سبب سے یارسول اللہ!" آپ ﷺ نے فرمایا: تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو، اور میں نے عقل و دین میں ناقص ہونے کے باوجود ہوشیار مرد کی عقل خراب کرنے میں تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ ان عورتوں نے پوچھا کہ ہمارے دین اور ہماری عقل میں کیا نقصان ہے؟ یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا عورت کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر نہیں" عورتوں نے عرض کیا: "کیوں نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا: یہ عقل کے نقصان کی بنا پر ہے۔ فرمایا: کیا ایسا نہیں کہ حیض کی حالت میں عورت نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزے رکھتی ہے۔ عورتوں نے کہا کہ ایسا ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دین میں نقصان کی وجہ سے ہے۔ (متفق علیہ)

ابوسعید خدریؓ کے مختصر حالات: ابوسعید آپؓ کی کنیت ہے، آپ کا نام "سعد بن مالک بن سنان خدری انصاری" ہے، آپ کا شمار کثیر الروایہ عالم و حافظ صحابہ میں ہوتا ہے۔ ۷۴ھ میں بعمر ۸۴ سال آپ کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

تشریح: قوله: أُرِيتُكُنّ أكثرَ أهلِ النّار.....: یہ [أرىٰ يُرى إراءةً] باب افعال سے صیغہ واحد متکلم بحث فعل ماضی مجہول ہے، معنیٰ ہے کہ مجھے تم دکھلائی گئیں اکثر دوزخی۔ یہ "اِراءت" شبِ معراج میں ہوئی جب آپ ﷺ کو جہنم دکھلائی گئی، یا بذریعہ کشف ہوئی یا پھر بذریعۂ وحی آپ ﷺ کو مطلع کیا گیا۔

لعنت بھیجنا کس پر جائز ہے؟:

قوله: تُكثِرنَ اللّعنَ.....: "لعن" لعنت سے ماخوذ ہے بمعنیٰ رحمت سے دور کرنا اور جب لعنت انسانوں کی طرف سے ہو تو معنیٰ ہوگا رحمت سے دوری کی بددعا کرنا، چونکہ اللہ کی رحمت اس کے غضب سے وسیع ہے، لہٰذا کسی پر بھی لعنت کرنا درست نہیں، نہ مسلمان پر نہ کافر پر، نہ زندہ پر نہ مردہ پر، کیونکہ ممکن ہے کہ اسکا خاتمہ اچھا ہو، ہاں اگر کسی کافر کا کفر پر مرنا یقینی طور پر (مثلاً بذریعہ وحی) معلوم ہو تو اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے، مثلاً: ابوجہل، ابلیس، فرعون وغیرہ پر، اسی طرح بطور بری وصف کے بغیر کسی آدمی کی تعیین کئے یا قاعدہ کلیہ کے طور پر لعن کرنا درست ہے، مثلاً: "لعنة الله على الكفرين" یا "على الكذبين" یعنی "اللہ کی لعنت ہو کافروں پر یا جھوٹوں پر" یا جیسے حدیث میں ہے: "لعن الله الواصله والمستو صله"، یعنی "اللہ کی لعنت ہو گودنے والی عورت پر اور گودوانے والی پر"۔

قوله: وتكفرن العشير.....: "کفر" کا لغوی معنیٰ چھپانا ہے اور شرعی معنیٰ ہے شریعت، نبوت، وحدانیت یا دین کا انکار کرنا یہ بڑا کفر ہے اور ایک اس سے کم درجہ کا کفر ہے جو کفرانِ نعمت (ناشکری) ہے، یہاں یہی معنیٰ مراد ہے۔ اسی مناسبت سے اس حدیث کو کتاب الایمان میں لائے ہیں تاکہ بڑے کفر کے ساتھ ساتھ چھوٹے کفر پر بھی متنبہ کیا جائے۔ [العشير] بمعنیٰ معاشر یعنی رفیقِ حیات کے ہیں، مراد شوہر ہے۔

قوله: مارأیت من ناقصات عقل ودین ....:۔ [مارأیتُ] کامفعول بہ احداً محذوف مانتے ہیں۔'' من ناقصات عقل ودین'' یہ بیان مقدم ہے'' من إحد اکنّ '' کی ضمیر''کنّ'' کے لئے۔

قوله: أذهب لِلُبِّ الرجلِ ... :۔[للب] میں پہلا لام جارہ ہے، لُبّ بمعنی خالص عقل کے ہے جو شائبہ ہوائے نفسانی سے پاک ہو اس کی جمع ''اَلباب'' آتی ہے۔

قوله: ومانقصان دیننا ... :۔ عورتوں نے ترتیب بدل دی کہ دین کو عقل پر مقدم کیا دین کی اہمیت کی وجہ سے کہ نقصان عقل کے مقابلہ میں نقصان دین بڑی چیز ہے۔

قوله: أَلیسَ إذا حاضت لم تُصلّ ولم تصم ،قلن: بلیٰ ،قال: فذلك من نقصان دینها...:۔نقصان کے دومعنیٰ ہیں:

(۱) کمی کا واقع ہونا　(۲) ترقی کا رک جانا

یہاں دوسرا معنیٰ مراد ہے کیونکہ حیض جو نقصان دین یعنی صوم وصلاۃ میں کمی کا سبب ہے غیر اختیاری ہے، اسی وجہ سے اس پر الزام نہیں دیا گیا البتہ مراتب اجر میں فرق کا سبب ضرور بتلایا گیا۔(تحفۃ المرآۃ،نفحات)

ابن آدم کا اللہ کے حق میں بدگوئی کرنا:

۱۸۔وعن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ :قال الله تعالیٰ :کذّبنی ابن آدمَ ولمْ یکن لهُ ذلك وشتمنی ولم یکنْ له ذلك فأمّا تکذیبُه ایّایَ فقولُه :لن یُعیدَنی کمابدأنی،ولیس أوّلُ الخلقِ بأهونَ علیّ مِن اعادتِه وأمّاشتمُه ایّایَ فقولُه: اتّخذَ اللهُ ولداً ،وأناالأحدُ الصمدُ الّذی لم ألِد ولمْ أولَد ولمْ یکن لی کفواً أحد .وفی روایةِ ابن عباسؓ: وأمّاشتمُه أیّایَ فقولُه : لی ولدٌ ، وسبحانی أن أتّخذصاحبةً ولاولدًا.[بخاری]

ترجمہ:ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم مجھ کو جھٹلاتا ہے، حالانکہ یہ بات اس کو زیب نہیں دیتی اور میرے بارے میں بدگوئی کرتا ہے حالانکہ اس کو یہ حق نہیں، اس کا مجھ کو جھٹلانا اس کا یہ کہنا ہے کہ'' اللہ مجھے ہرگز دوبارہ پیدا نہیں کریگا جیسا کہ پہلی مرتبہ (اس دنیا میں) پیدا کیا'' اور میرے بارے میں ابن آدم کی بدگوئی اس کا یہ کہنا ہے کہ'' اللہ نے (حضرت عیسیٰؑ وغیرہ کو) بیٹا بنا لیا ہے'' حالانکہ میں تنہا بے نیاز ہوں نہ میں نے جنا اور نہ مجھے کسی نے جنا اور نہ میرا کوئی ہمسر ہے۔اور ابن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ ابن آدم کی میرے بارے میں بدگوئی اس کا یہ کہنا ہے کہ'' میرا (اللہ کا) بیٹا ہے'' حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔

قرآن، حدیث قدسی اور حدیثِ نبوی میں فرق:

تشریح: قوله: قال الله تعالی کذّبنی ابن آدم.....:۔یہ حدیث قدسی ہے قرآن، حدیثِ نبوی اور حدیثِ قدسی میں فرق یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ ومعانی دونوں بواسطہ جبریل ''منزل من اللہ'' ہے نیز قرآن کے الفاظ معیّن وقطعی ہیں، معجز ومتواتر ہیں اور متلو ہیں جن کی تلاوت پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔اور حدیثِ قدسی بھی بواسطہ جبریل ''منزّل من الله '' ہوتی ہے، الفاظ ومعانی بھی اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں لیکن وہ الفاظ معیّن وقطعی، متواتر ومعجز اور متلو نہیں ہوتے بلکہ ان میں تبدیلی کا احتمال ہوتا ہے، حدیثِ قدسی کے دو احکام ہیں:

(۱) اس کے الفاظ میں تبدیلی اور روایت بالمعنیٰ جائز نہیں، بخلافِ حدیثِ نبوی کے کہ اُس کی روایت بالمعنیٰ بھی جائز ہے۔

(۲) اس کے الفاظ کا انکار موجب کفر نہیں بخلافِ قرآن کے۔

اور حدیثِ نبوی میں الہام یا منام کے ذریعہ سے من جانب اللہ صرف مضمون القا ہوتا ہے، باقی عبارات والفاظ آپ ﷺ کے ہوتے ہیں۔

قولہ: فأمّا تکذیبُہ إیّایَ فقولُہ لن یُعیدَنِي .....:۔ انکارِ حشر سے تکذیب الٰہی اس طرح سے لازم آتی ہے کہ قرآن میں کئی جگہ حشر ونشر کا ذکر ہے، قرآن چونکہ کلام الٰہی ہے اور کلام کی تکذیب متکلم کی تکذیب ہے تو گویا منکرِ حشر کلام الٰہی کی تکذیب کرتا ہے اور یوں وہ اللہ کی تکذیب کر بیٹھتا ہے۔

اللہ کی طرف ولد کی نسبت کا اس کے حق میں شتم ہونا:

قولُہ وأمّا شتمُہ إیّایَ فقولُہ اِتَّخذَاللّٰہُ ولداً :۔ '' شتم '' کا معنیٰ ہے کسی چیز کا ایسا وصف وعیب بیان کرنا جو موجبِ نقص وتحقیر ہو اور اللہ کی جانب اتخاذِ ولد (بیٹا بنا لینے) کی نسبت ایسی ہی ہے کیونکہ ولد یا تو اللہ کا مماثل ہوگا یا نہیں ہوگا اگر ولد مماثل ہوگا تو ولد تو حادث وممکن ہے لہذا اس سے ذاتِ واجب یعنی اللہ تعالیٰ میں بھی حدوث وامکان لازم آئیگا جو واجب تعالیٰ کے لئے عیب ہے اور اگر ولد مماثل نہ ہو تو یہ بھی شتم ہے کیونکہ اولاد کا دوسری جنس سے ہونا عیب ہے۔اس کے شتم ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اولاد کی ضرورت عموماً تعاون یا ابقائے نسل کے لئے ہوتی ہے اگر اللہ کے لئے ولد کو مان لیا جائے تو لازم آئیگا کہ اللہ بھی محتاج اور فانی ہونے والی ہستی ہے (العیاذ باللہ) جسکا عیب ہونا ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احد وصمد ہونے کا مطلب:

قولہ: وأنا الأحدُ الصمدُ ...:۔'' أحد ''اس ذات کو کہتے ہیں جو ذات وصفات میں یکتا ہو اگر اللہ کے لئے ولد ہو اور وہ ذات وصفات میں اللہ کے مماثل ہو تو اللہ ''احد'' نہ رہے حالانکہ وہ احد ہے، لہذا ''احد'' فرما کر ولدیت کی نفی کر دی۔'' صـمـد ''اس ذات کو کہتے ہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو، باقی سب اس کے محتاج ہو۔ والد چونکہ تعاون اور ابقائے نسل کے سلسلہ میں اولاد کا محتاج ہوتا ہے اور اللہ کسی کے محتاج نہیں لہذا ''صمد'' فرما کر والدیت کی نفی فرما دی۔

ابن آدم کا اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا اور اس کا مطلب:

۱۹۔عن أبي ہریرۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: قال اللہ تعالیٰ: یؤذیني ابنُ آدم یسبّ الدھرَ وأنا الدھرُ بیدِي الأمرُ أُقلّبُ اللیلَ والنّھارَ .[متفق علیہ]

ترجمہ: اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں ''ابن آدم مجھے تکلیف دیتا ہے (اسطرح کہ) زمانے کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ (کچھ نہیں وہ) تو میں ہوں میرے ہی دست تصرف میں سب کچھ ہے، میں ہی رات دن کو بدلتا ہوں۔

تشریح:۔ یہاں ''وعنہ'' (اضمار) سے کام اس لئے نہیں لیا کہ قریب ہی میں '' وعن ابن عباس '' مذکور ہے لہذا اگر ضمیر پر اکتفا کرتے تو اشتباہ ہوتا کہ ضمیر ابن عباسؓ کی طرف راجع ہے بوجہ قریب ہونے کے، اس لئے ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لائے۔

قولہ: یؤذیني ....:۔ یہ بابِ افعال کے مصدر ''ایذاء'' سے مشتق ہے۔ ایذاء کا معنیٰ ہے تکلیف پہنچانا۔ یہاں اشکال ہوتا ہے کہ ایذا دینا

''تاثیر'' ہے اور ایذا پانا ''تأثر'' ہے اور اللہ تعالیٰ تأثر اور انفعال سے پاک ہے، پھر اللہ کو ایذا دینے کا کیا مطلب؟ بعض علماء نے اس اشکال کی بنا پر اس حدیث کو متشابہات میں سے مانا ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں ایذا سے ظاہری اور معروف معنیٰ مراد نہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے حق میں ممکن نہیں بلکہ مطلب ہے کہ ایذا والا معاملہ کرنا، یعنی ایسا معاملہ کرنا جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ''وأنا الدھر'' کا مطلب:

قوله: وأنا الدهر.....:۔ یہاں مضاف محذوف ہے أی مُقلِّب الدهر اور قرینہ اگلا جملہ ''أُقلّب الليلَ والنهار'' ہے یا ''دھر'' مجازاً ''متصرف'' کے معنیٰ میں ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ زمانہ کو آفات وحوادث میں متصرفِ حقیقی مان کر جو گالی دی جاتی ہے جبکہ وہ متصرف نہیں وہ گویا اللہ کو گالی دی جا رہی ہے کہ متصرف تو وہی ہے ''أنا الدھر'' کا یہی مطلب ہوگا۔

اللہ سے زیادہ صبر وتحمل والا کوئی نہیں:

۲۰۔وعن أبي موسى أشعريؓ قال: قال رسول اللهﷺ :ما أحدٌ أصبرُ علىٰ أذى يَسمعه من الله يدعونَ له الولدَ ثمّ يُعافيهم ويرزقُهم. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تکلیف دہ باتوں کو سن کر اس پر اللہ سے زیادہ صبر وتحمل کرنے والا کوئی نہیں، لوگ اس کے لیے بیٹا پکارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پھر بھی ان کو عافیت بخشتا ہے اور روزی دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: ما أحدٌ أصبرُ.....:۔ [أصبر] بمعنیٰ زیادہ صبر کرنے والا، صبر کا حقیقی معنیٰ ہے ''حبسُ النفسِ علىٰ ماتكره'' یعنی ''ناگوار چیز پر نفس کو پابند کرنا'' اللہ اس سے پاک ہیں، اللہ کے حق میں اس سے مراد ''تاخيرُ العذابِ عن مستحقّه'' ہے یعنی ''مستحقِ عذاب سے عذاب کو مؤخر کرنا۔

قوله: يدعون له الولد ثمّ يعافيهم ويرزقهم.....:۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے اللہ بندوں سے درگزر کرتا ہے، ویسے بندوں کو بھی تحمل اور ترکِ انتقام کی صفت پیدا کرنی چاہیے۔

اللہ کا حق بندوں پر اور بندوں کا حق اللہ پر:

۲۱۔وعن معاذؓ قال: كنتُ رِدفَ النبيِّ ﷺ علىٰ حمارٍ ليس بيني وبينَه إلّا مؤخَرةُ الرَّحْلِ فقال: يامعاذ! هلْ تدرى ماحقُّ اللهِ علىٰ عبادهِ وماحقُّ العبادِ على اللهِ ؟قلتُ : اللهُ ورسولُه أعلمُ قال: فانّ حقَّ اللهِ على العبادِ أيعبدوه ولايشرِكوابهِ شيئًا وحقُّ العبادِ على اللهِ أن لايُعذِّبَ مَن لايُشرِكُ بهٖ قلتُ : يارسولَ الله! أفلاأُبشِّرُ به النّاسَ ؟قال: لاتُبشِّرهم فيتّكِلُوا.

ترجمہ: حضرت معاذؓ سے مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ گدھے پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا میرے اور آپ ﷺ کے درمیان صرف زین کی پچھلی لکڑی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! جانتے ہو اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ اللہ اس بندے کو عذاب نہ دے جو اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ!

کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناؤں؟ فرمایا: نہیں کیونکہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے (عمل چھوڑ دیں گے)۔ (متفق علیہ)

حالات حضرت معاذؓ: آپؓ کی کنیت ابوعبداللہ انصاری خزرجی ہے، قدیم الاسلام ہیں، اٹھارہ سال کی عمر میں بیعتِ عقبہ ثانیہ میں شامل ہوئے، تمام غزوات میں شریک رہے، آنحضرت ﷺ نے آپ کو یمن کا قاضی و معلم بنا کر بھیجا تھا ۱۸ھ میں طاعونِ عمواس میں بعمر ۳۸ سال وفات پائی۔

تشریح: قوله: كنتُ رِدف النبى ....:۔ "رِدف" راء کے کسرہ کے ساتھ بمعنیٰ ردیف کے یعنی "پیچھے سوار ہونے والا"۔

قوله: إلا مؤخرة الرحل .....:۔ "مؤخرة" باب افعال سے اسم فاعل ہے یہی افصح ہے، باب تفعیل سے بھی اسم فاعل ومفعول دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے، زین اور کجاوے کی پچھلی ابھری ہوئی لکڑی کو کہتے ہیں، حضرت معاذؓ یہ کہہ کر کمالِ قرب کی طرف اشارہ کررہے ہیں یا بقولِ محدثین حضرت معاذؓ اپنے "تثبت فی الروایۃ" کو بتانا چاہتے ہیں یعنی یہ بتانا چارہے ہیں کہ مجھے ہر ہر بات خوب یاد ہے یا بقولِ عارفین اس ہیئتِ قرب کو یاد کر کے لذت تازہ کرنا چاہتے ہیں۔

بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق ہونے کا مطلب:

قوله: ماحقُّ العبادِ على الله ....:۔ "حق" بمعنیٰ واجب، لازم، لائق وثابت کے آتا ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ مطیع کو جنت میں اور عاصی کو دوزخ میں داخل کرنا اللہ پر واجب ہے۔

جبکہ اہلِ سنت کے ہاں اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں جیسا کہ ارشاد ہے کہ " لايُسئَلُ عمّا يفعَل" (اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے اُس سے کوئی پوچھنے والا نہیں) چنانچہ اہلِ سنت والجماعت حدیثِ باب کی یہ توجیہ فرماتے ہیں کہ یہاں حق بمعنیٰ لائق کے ہے یعنی اللہ کی حکمت کے لائق یہ ہے کہ موحد کو عذاب نہ دیا جائے۔ علامہ نوویؒ یہ توجیہ فرماتے ہیں کہ توحید کے سبب عذاب نہ دینے پر حق کا اطلاق مشاکلۃً کیا گیا ہے۔

مؤحد کو عذاب نہ دینے کا مطلب:

قوله: أن لا يُعذّب من لايشرك به شيئاً .....:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کو عذابِ مخلد یعنی دائمی عذاب نہیں دیا جائے گا پس دوسری روایاتِ متواترہ (جو موحد عاصی کے عذاب پر دال ہے) کے ساتھ تصادم وتعارض نہ رہے گا۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ بدعمل مسلمان کو دوزخ میں داخل کرنا بغرضِ تطہیر ہوگا نہ کہ بغرضِ تعذیب تاکہ جنت میں جانے کے قابل بن جائے، جیسے کسی پر بہت سا میل کچیل ہو اور اس کو خوب گرم پانی سے رگڑ رگڑ کر دھویا جائے، اس سے اس کو تکلیف تو ہوگی لیکن مقصود اس کو تکلیف دینا نہیں بلکہ اس کی صفائی ستھرائی ہوتا ہے۔

ایک سوال اور اُس کے جوابات:

قوله: لا تُبشّرهم فيتكلوا ....:۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے منع فرمانے کے باوجود حضرت معاذؓ نے یہ حدیث لوگوں کو کیوں بتائی؟ اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں، چند یہ ہیں:

(۱) یہ ممانعت خاص حالات کی وجہ سے تھی کہ لوگ نومسلم تھے، اس قسم کی حدیث سن کر عمل چھوڑ دینے کا اندیشہ تھا جیسا کہ " فيتّكِلُوا" سے معلوم ہوتا ہے، پھر جب لوگ عملی طور پر مستقیم ہوگئے تو حضرت معاذؓ نے یہ حدیث بتادی کہ اب اتکال کا اندیشہ باقی نہ رہا۔

(۲) یہ ممانعت عام لوگوں کے اعتبار سے تھی نہ کہ خواص کے اعتبار سے۔ آپؐ نے خواص کو یہ حدیث موت کے وقت بتائی تا کہ کتمان علم کا گناہ نہ ہو۔ (لمحات، مرآۃ)

۲۲۔وعن أنسؓ أنّ النبیﷺ ومعاذٌ ردیفُه علی الرَّحلِ قال: یا معاذُ! قال: لبّیك یا رسولَ الله وسعدیكَ ؛ قال: یا معاذُ! قال: لبّیك یا رسول الله وسعدیكَ؛ قال: یا معاذُ!قال: لبّیكَ یا رسولَ الله وسعدیكَ ثلاثًا قال: مامِن أحدٍ یشهدُ أن لاالٰهِ الاّ اللهُ وأنّ محمدًا رسولُ الله صِدقًامِن قلبِه الاّ حرّمه اللهُ علی النّار ،قال: یارسولَ اللهِ !أفلاأُخبِرُ به الناسَ فیستبشروا،قال:اذًا یتّکِلوا،فأخبرَ بها معاذٌ عند موته تأثّمًا .[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی پاکﷺ نے فرمایا جب کہ حضرت معاذؓ آپﷺ کے پیچھے سوار تھے: اے معاذ! انہوں نے جواب دیا حاضر ہوں یارسول اللہ! آپﷺ نے پھر فرمایا: اے معاذ! انہوں نے کہا حاضر ہوں یارسول اللہ!، آپﷺ نے پھر فرمایا: معاذ! حضرت معاذ نے عرض کیا حاضر ہوں یارسول اللہ! ایسا تین مرتبہ ہوا، پھر آپﷺ نے فرمایا: جو بندہ سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، تو اللہ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دیتے ہیں۔ معاذ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں لوگوں کو اس خوشخبری سے آگاہ نہ کروں تا کہ وہ اسے سن کر خوش ہو؟ آپﷺ نے فرمایا: (نہیں) تب تو لوگ اسی کے بھروسہ پر بیٹھ جائیں گے۔ انسؓ کہتے ہیں کہ معاذؓ نے (کتمان علم کے) گناہ کے خوف سے موت کے وقت یہ حدیث بیان کی۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: لبّیك یا رسول الله وسعدیك ثلاثاً:۔ أی وقع هذا النداء والجواب ثلاثاً یعنی یہ ندا اور جواب تین مرتبہ پیش ہوا۔

قوله: صدقًا من قلبه إلاّ حرّمه الله علی النار...:۔[صدقاً] تمیز ہے [یشهد] کی ضمیر سے۔" إلا حرّمه الله علی النار " سے مراد خلود فی النار کا حرام کیا جانا ہے نہ کہ مطلق دخول نار کا حرام ہونا۔

لا إله إلاّ الله کہہ کر مرنے والا جنت میں ضرور جائے گا:

۲۳۔وعن أبی ذرؓ قال أتیتُ النبیﷺ وعلیه ثوبٌ أبیض وهو نائمٌ ثمّ أتیته وقداستیقظَ فقال: مامِن عبدٍ قالَ : لاالٰه الا اللهُ ثمّ مات علیٰ ذٰلك الاّ دخلَ الجنّةَ ،قلتُ :وإن زنیٰ وإن سرقَ قال: وإن زنیٰ وإن سرقَ ؛ قلتُ :وإن زنیٰ وإن سرقَ قال: وإن زنیٰ وإن سرقَ؛ قلتُ :وإن زنیٰ وإن سرقَ قال: وإن زنیٰ وإن سرق علیٰ رَغمِ أنفِ أبی ذرّ .وکان أبو ذر اذاحدّثَ بهٰذا قال: وإن رغِمَ أنفُ أبی ذر.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں آپﷺ کے پاس آیا، آپﷺ ایک سفید کپڑا اوڑھے آرام فرما رہے تھے، میں پھر حاضرِ خدمت ہوا جب کہ آپﷺ بیدار ہو چکے تھے تو فرمایا: جس بندے نے (صدق دل) سے" لا إلــه إلا الــلــه " کہا پھر مر گیا تو وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ میں نے عرض کیا اگر چہ اس نے چوری اور زنا کا ارتکاب کیا ہو؟ آپﷺ نے فرمایا: ہاں! اگر چہ اس نے چوری اور زنا کا ارتکاب کیا ہو۔ میں نے پھر (تعجب سے) کہا اگر چہ اس نے چوری اور زنا کا ارتکاب کیا ہو؟ آپﷺ نے پھر فرمایا: ہاں! اگر چہ وہ چوری اور زنا کا مرتکب کیوں نہ ہو۔ میں نے (سہ بارہ) پھر عرض کیا اگر چہ وہ چوری اور زنا کا مرتکب ہو؟ آپﷺ نے فرمایا: ہاں! اگر چہ وہ چوری اور زنا کا

مرتکب ہو، خواہ ابوذر کی ناک خاک میں کیوں نہ ملے (یعنی ابوذر کو کتنا ہی ناگوار ہو)۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوذر غِفاری کا مختصر تعارف: آپؓ کا نام جندب بن جنادہ ہے، قبیلہ بنوغفار سے نسبی تعلق ہے، آپؓ پانچویں نمبر پر اسلام لانے والے ہیں، نہایت زاہد و تارک الدنیا تھے، حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۳۲ھ میں ''ربذہ'' میں وفات پائی۔

تشریح: قوله: وعليه ثوب أبيض.....:۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس وقت کی پوری کیفیت مجھے یاد ہے۔

قوله: ما من عبدٍ قال لا إله إلا الله ثمّ مات علىٰ ذلك إلا دخل الجنة.....:۔ [لا إله إلا الله] کلمہ توحید کا پہلا جز ہے، یہاں جز بول کر کل مراد ہے جیسے کہہ دیا جاتا ہے کہ ''قل هو الله'' پڑھو، مراد ساری سورت کا پڑھنا ہوتا ہے۔ حدیثِ باب میں کلمہ توحید پڑھنے اور اسی پر موت آنے پر دخولِ جنت کی فضیلت سنائی گئی، مراد مطلق دخول ہے نہ کہ دخول اوّلی، یا پھر مراد وہ شخص ہے جو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا لیکن اس کو کسی نیک عمل کی مہلت موت نے نہیں دی تو ایسا شخص صرف کلمہ پڑھنے اور اسی پر موت آنے کی وجہ سے جنت میں جائے گا۔

قوله: وإن زنىٰ وإن سرَق .....:۔ یعنی اگرچہ زنا اور چوری کی ہو پھر بھی جنت میں داخل ہوگا۔ ''وإن زنى'' سے اشارہ ہے حقوق اللہ میں کوتاہی کی طرف اور ''وإن سرَق'' سے اشارہ ہے حقوق العباد میں تقصیر کی طرف۔

قوله: وإن رغم أنف أبي ذر .....:۔ [رغم] باب سمع سے، رغام بمعنیٰ ترابٌ (مٹی) سے مشتق ہے۔ رغِم بمعنیٰ خاک آلود ہونا ہے۔ یہاں اس سے مراد کراہیت و ناگواری ہے یعنی ''اگرچہ ابوذر کو ناگوار کیوں نہ ہو''۔ چونکہ ابوذرؓ نے یہ الفاظ اپنے محبوب ﷺ سے سنے تھے اس لئے وہ اِس حدیث کو بیان کرتے وقت بطورِ فخر والتذاذ ان الفاظ کو دہرایا کرتے تھے۔ (نفحات، المرآۃ)

جو شخص ان عقائد کی گواہی دے وہ جنت میں داخل ہوگا:

٢٤۔ وعن عبادةَ ابنِ الصامتؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن شهِد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأنّ محمداً عبدُه ورسولُه وأنّ عيسىٰ عبدالله ورسولُه وابنُ أمتِه وكلمتُه ألقاها الىٰ مريمَ وروحٌ مِنه والجنّةُ والنّارُ حقٌّ أدخلَه اللهُ الجنّةَ علىٰ ماكان مِن العملِ. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور تحقیق عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کی باندی (مریم) کے بیٹے اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف ڈالا تھا اور اللہ کی بھیجی ہوئی روح ہیں اور جنت اور دوزخ حق ہیں، تو اللہ ایسے شخص کو جنت میں داخل کریگا خواہ جیسا کیسا اس کا عمل ہو۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: من شهد أن لا إله إلا الله.....:۔ حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ اسلام میں داخلہ کے لئے آدمی کا اپنے تمام باطل عقائد سے برأت و بیزاری ظاہر کرنا ضروری ہے۔

یہود اور نصاریٰ پر تعریض اور ان پر رد:

قوله: وأنّ عيسىٰ عبدالله ورسولُه وابنُ أمتِه وكلمتُه.....:۔ [عبد الله] میں نصاریٰ پر تعریض ہے جو عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے اور سمجھتے

ہیں۔اور " ورسوله" میں یہود پر تعریض ہے جو عیسیٰ کو رسول نہیں بلکہ معاذ اللہ ولد الزنا سمجھتے ہیں۔اور " وابن أمته " یعنی ''اللہ کی باندی کے بیٹے ہیں''۔[أمتــه] میں اضافتِ تشریفی (اضافت جو شرف کے اظہار کے لئے ہو) ہے جیسے بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں اضافت تشریفی ہے، اس میں بھی یہود و نصاریٰ پر ردّ ہے۔نصاریٰ پر اس طرح کہ حضرت عیسیٰ اللہ کی ایک نیک باندی کے بیٹے ہیں نہ کہ اللہ کے اور یہود پر اس طرح کہ حضرت مریمؑ خدا کی خاص باندی ہیں، ایسی خاتون مرتکبِ زنا نہیں ہوسکتی۔" وكلمته" اس میں بھی اضافت تشریفی ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بلاواسطہ معتادہ محض اللہ کے کلمہ " کُن "سے پیدا ہوئے، اس میں بھی دونوں فرقوں پر ردّ ہے۔

قوله: و روحٌ منه.......:۔اس کا مضاف محذوف ہے جو" ذو" ہے، عبارت یوں ہوگی أی" ذوروحٍ كائنٍ منه" یعنی ایسی روح والے ہیں جو اللہ کی طرف سے ہے۔اور''منه ''میں "مِن" تبعیضیہ نہیں ہے کہ جزویت باری تعالیٰ کا شبہ ہو، جیسا کہ "وسخّرَ لكم مَافي السمٰوٰتِ ومَافي الأرضِ جميعًا مِنه''میں "مِن" تبعیضیہ نہیں۔

اسلام لانا گذشتہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے:

۲۵۔وعن عمرو بن العاصؓ قال: أتيتُ النبيﷺ فقلتُ: ابسط يمينك فلأُبايعَكَ فبسطَ يمينَه فقبضتُ يدي ،فقال: مالكَ ياعمرو! قلتُ أردتُ أن أشترطَ ،قال: تشترطُ،ماذا،قلتُ:أن يُغفرَ لي ،قال: أمَا علِمتَ ياعمرو! انّ الاسلامَ يهدمُ ماكانَ قبلَه و أنّ الهجرةَ تهدمُ ماكان قبلهاواِنّ الحجَّ يهدمُ ماكان قبله.[رواه مسلم] والحديثان المرويّان عن أبي هريرةؓقال: قال الله تعالىٰ :"أنا أغنى الشركاءِ عن الشركِ " والآخرُ "الكبرياءُ ردائي " سنذكرهما في باب الرياء والكبر ان شاء الله تعالىٰ.

ترجمہ:حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ میں نبی پاکﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا کہ اپنا ہاتھ آگے بڑھایئے تا کہ میں بیعت کروں، آپﷺ نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپﷺ نے فرمایا: اے عمرو! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ کچھ شرط کروں۔فرمایا: کیا شرط کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا: شرط یہ ہے کہ میری مغفرت کردی جائے۔آپﷺ نے فرمایا: آپ کو معلوم نہیں اے عمرو! کہ اسلام اُن گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اسلام لانے سے پہلے ہوئے ہو، اور ہجرت اُن تمام گناہوں کو دور کر دیتی ہے جو ہجرت سے پہلے سرزد ہوئے، اور حج اُن گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو حج سے پہلے ہوئے۔(مسلم) اور وہ دو حدیثیں جو ابو ہریرۃؓ سے مروی ہیں جن میں پہلی حدیث کے الفاظ ہیں: "قال الله تعالىٰ: أنا أغنى الشركاء"...اور دوسری حدیث کے الفاظ ہیں "الكبرياء ردائي''ان کو ہم [باب الرياو الكبر] میں بیان کریں گے۔

حالاتِ عمرو بن العاصؓ: حضرت عمروؓ ۸ھ میں مشرف باسلام ہوئے، بڑے دانشمند تھے، آنحضرتﷺ نے آپؓ کو عمان کا والی بنایا تھا، مصر آپؓ کی جرنیلی میں فتح ہوا، مشہور عابد و عالم صحابی عبداللہ بن عمروؓ آپ کے صاحبزادے ہیں۔ ۴۳ھ میں نوے سال کی عمر میں آپؓ نے وفات پائی۔''العاص''اصل میں العاصی تھا یہی قول اصح ہے، اس میں یاء تخفیف کی بناپر حذف کی جاتی ہے۔

اسلام لانے سے گناہوں کے معاف ہو جانے کا مطلب:

تشریح: قوله: إن الإسلام يهد م ما كان قبله ... :۔زمانۂ کفر کے صغائر نیز حقوق العباد غیر مالیہ مثلاً: غیبت بہتان وغیرہ اسلام لانے

سے منہدم ومعاف ہوجاتے ہیں، لیکن حقوق العباد مالی جو دَین اور خرید وفروخت سے واجب ہوئے وہ باقی رہتے ہیں یہ تفصیل غیر ذمی کافر کے اسلام لانے میں ہے اور اگر ذمی اسلام قبول کرلے تو حقوق العباد مطلقاً معاف نہیں ہوں گے خواہ مالی ہو یا غیر مالی۔

اعمالِ صالحہ سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں یا کبائر بھی؟:

قوله: و إن الهجرةَ تهدِم ما كان قبلَها :۔اس جملہ کی ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ اسلام تو کجا اس کے تو بعض اعمال بھی گناہوں کو مٹا دیتے ہیں، مثلاً: ہجرت اور حج۔ پھر جمہور علمائے اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ حج وہجرت وغیرہ اعمالِ صالحہ سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں، کبائر توبہ سے معاف ہوتے ہیں اور حقوق العباد ادائے حق سے یا حق معاف کرانے سے معاف ہوتے ہیں۔ جبکہ علامہ طیبیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ ہجرت اور حج سے کبائر بھی معاف ہوجاتے ہیں، انہوں نے زیرِ بحث حدیث سے اس دعوے پر چھ وجوہ سے استدلال کیا ہے۔

''الفصل الثانی''

ابوابُ الخیر:

۲۵۔عن معاذؓ قال: قلتُ :يا رسول الله! أخبرني بعملٍ يُدخلني الجنّة ويباعدني من النّارقال: لقدْ سألتَ عن أمرٍ عظيم وانّه ليسيرٌ علىٰ مَن يسّره اللهُ تعالىٰ عليه تعبدُ اللهَ ولاتُشرِك به شيئاً وتقيمُ الصلوٰةَ وتؤتي الزكوٰةَ تصومَ رمضانَ وتحجّ البيتَ ،ثمّ قال: ألاأدلّك علىٰ أبوابِ الخيرِ،الصومُ جُنّةٌ والصقدةُ تُطفئ الخطيئةَ كمايُطفئ الماءُ النّارَ وصلوٰةُالرجلِ في جوفِ الليلِ ثمّ تلا:"تتجافىٰ جنوبُهم عن المضاجع "حتىّ بلغَ "يعملون" ثمّ قال: ألاأدلّك برأسِ الأمرِ وعمودِهٖ وذروةِ سنامِه قلتُ :بلىٰ يارسولَ الله! قال: رأس الأمر الاسلامُ وعمودُهٗ الصلوٰةُ وذِروةُ سنامه الجهادُ ،ثمّ قال: ألاأُخبِرُكَ بِمِلاكِ ذٰلك كلِّه ،قلتُ : بلىٰ يا نبيّ الله ! فأخذ بلسانه فقال: كُفّ عليكَ هذا فقلتُ: يا نبيّ الله!وانّا لمؤاخذون بمانتكلّمُ به ،قال: ثكِلتُكَ أُمّكَ يامعاذ! وهلْ يكبّ النّاس في النّار علىٰ وجوههم [أو علىٰ مناخرهم] اِلّا حصائدُ ألسنتِهم .[احمد ترمذي ،ابن ماجه]

ترجمہ: حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے ایسا کوئی عمل بتادیجئے جو مجھ کو جنت میں داخل کرائے اور دوزخ کی آگ سے دور رکھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تحقیق تم نے ایک بڑی چیز کے متعلق سوال کیا ہے، البتہ یہ آسان ہے جس کے لیے اللہ آسان فرمادے۔ فرمایا: وہ یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرا، نماز قائم کر اور زکوٰۃ ادا کیا کر اور رمضان کے روزے رکھ اور بیت اللہ کا حج کر۔ پھر فرمایا: میں تجھ کو خیر کے دروازے نہ بتلادوں (تو سنو) روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہ کو ایسے مٹاتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھادیتا ہے اور (اسی طرح) آدمی کا آدھی رات کے وقت نماز (تہجد) پڑھنا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی "تتجافىٰ جنوبهم عن المضاجع...''حتیٰ کہ'' يعملون '' تک پہنچے، پھر فرمایا: کیا میں اس امر (دین) کا سر اور ستون اور اس کے کوہان کی بلندی نہ بتادوں؟ میں نے کہا ہاں یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: اس امر (دین) کا سر اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے، اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ان تمام چیزوں (احکام) کی جڑ نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا: ہاں اے اللہ کے نبی! آپ ﷺ نے اپنی زبان (مبارک) پکڑی اور فرمایا: اس کو بند رکھو۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کیا ہماری پکڑ ہوگی ان باتوں پر بھی جو ہم بولتے

ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: گم کردے تجھے تیری ماں، لوگوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل یا (فرمایا) ناک کے بل یہی (بری) باتیں گرائیں گی۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: قوله: ألا أدلُّك علىٰ أبواب الخير ...:۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طلب ورغبت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے پھراور کئی چیزیں بیان فرمائی جن میں سے پہلی چیز ابواب الخیر ہے، اس سے مراد نوافل ہیں، کیونکہ فرائض کا ذکر پہلے فرمایا جاچکا۔نوافل کو''ابواب الخیر'' فرمایا، کیونکہ ان سے فرائض کی تکمیل اور اعمالِ خیر کی تسہیل ہوتی ہے، گویا خیر ایک مکان ہے جس کے دروازے مذکورہ نوافل ہیں۔

روزہ کے ڈھال ہونے کا مطلب:

قوله: الصوم جُنة:۔ [جُنّة] جیم کے ضمہ اور نون کی تشدید کے ساتھ بمعنی ڈھال کے ہیں۔روزہ کے ڈھال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا میں اکثر گناہ شہوتِ فرج اور شہوتِ بطن کی وجہ سے کرتا ہے جس کا نتیجہ آخرت میں دوزخ کی آگ ہے، جب انسان روزہ رکھ کر بھوکا رہتا ہے تو شیطان کا راستہ تنگ ہوجاتا ہے چونکہ بھوکا رہنے سے انسان کمزور ہوجاتا ہے تو شہوتِ فرج بھی قابو ہوجاتی ہے اسطرح روزے کی برکت سے دنیا میں انسان شہوتِ بطن اور شہوتِ فرج کے گناہوں سے بچ جاتا ہے اور نتیجۂ آخرت میں دوزخ کی آگ سے بھی نجات پالیتا ہے۔

قوله: وصلاةُ الرجلِ في جوف الليل .....:۔یہ عبارت مبتداء ہے اور خبر محذوف ہے جو کہ''كذلك تطفئ الخطيئة'' ہے معنی ہوگا کہ رات کے پچھلے پہر نماز پڑھنا بھی گناہ کو مٹاتا ہے۔

قوله: رأسُ الأمر الاسلامُ......:۔ [الأمر] سے مراد دین ہے اور اسلام سے مراد شہادتین ہیں کہ شہادتین کے بغیر اعمال کا اعتبار و بقانہیں جیسا بدوں سر کے دوسرے اعضائے جسم کی بقانہیں ہوتی۔

'' وذِروة سنامه'' [ذروۃ] میں ذال کا کسرہ مشہور ہے، فتحہ وضمہ بھی درست ہے۔یہ کسی چیز کے بلند حصے کو کہتے ہیں اس کی جمع'' ذُریٰ '' آتی ہے اور ''سنام'' اونٹ کے کوہان کو کہتے ہیں اس کی جمع '' أسنمة '' آتی ہے، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی سربلندی وسرفرازی جہاد پر موقوف ہے۔

قوله: ألا أدلُّك بملاك ذلك كله....:۔روایت میں ''ملاك'' میم کے کسرہ کے ساتھ ہے اور لغت میں فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، یہ ''مابه إحكام الشئي وتقويته'' یعنی (ذریعہ تقویت وبقاواستحکام) کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تمام اعمال کا دارومدار حفاظتِ زبان پر ہے کہ زبان کی بے باکیاں تمام اعمال کو بے وزن اور بے نور کردیتی ہے۔

قوله: ثكلتك أمُّك يا معاذ....:۔یہ ایک محاورہ ہے جو اظہارِ تعجب کے لئے بولا جاتا ہے اور مقصود تنبیہ وتادیب ہے۔ثکل کے اصل معنی ''فقد الولد'' یعنی بچہ گم کرنے کے ہیں، بددعا کے لئے بھی مستعمل ہے لیکن یہاں بددعا مراد نہیں۔

زبان کی تباکاریاں:

قوله: وهل يكبّ الناس في النّار علىٰ وجوههم أو علىٰ مناخرهم إلا حصائدُ ألسنتِهم:۔ [مناخر] منخر کی جمع ہے بمعنی ناک کا نتھنا۔[حصائد] حصيدة کی جمع ہے بمعنی کٹی ہوئی کھیتی۔آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بلاغت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے۔اس میں

زبان کو درانتی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اس سے نکلنے والے الفاظ وکلمات کو حصائد یعنی کٹی ہوئی کھیتیوں کے ساتھ، مطلب یہ ہے کہ جس طرح درانتی رطب ویابس، جید وردی کا فرق کیے بغیر کاٹتی چلی جاتی ہے، اسطرح اکثر زبان بھی صحیح وغلط، بھلی وبُری بات کا امتیاز نہیں کرتی اگر اس کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو زبان کی یہی بے لگامی دوزخ کا سبب بن جاتی ہے، حصائد میں کفر، تہمت، غیبت، بہتان، جھوٹ، دھوکا اور چغلی سب شامل ہیں، یہ سب زبان سے سرزد ہونے والے کبائر ہیں، کیا خوب فرمایا امام شافعیؒ نے:

اِحفَظ لسَانَكَ أيُّها الإنسانُ :: لا يلدَغَنّكَ إنّه ثُعبَانُ

كم فى المقابرِ من قتيلِ لسانِه: : كانت تَها بُ لقاءَ ه الشجعانُ

چار اعمال جن کو خالص اللہ کے لیے کرنے والا کامل مؤمن ہے:

۲۷۔وعن أبى أمامةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: مَن أحبَّ لله و أبغضَ لله و أعطى لله ومنعَ لله فقداستكملَ الايمان.[رواه أبو داؤد ورواه الترمذى عن معاذبن أنس مع تقديم و تأخير وفيه :"فقدِ استملَ ايمانَه".]

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جو اللہ کے لیے محبت رکھے اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھے اور عطا کرے اللہ کے لیے اور روکے (نہ دے) اللہ کے لیے تو یقیناً اس نے ایمان کامل کیا (ابوداؤد) ترمذی نے اس کو معاذ بن انسؓ سے کسی قدر تقدیم وتاخیر کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں "فقد استكملَ ايمانه" کے الفاظ ہیں۔

حالاتِ حضرت ابوامامہؓ: ابوامامہ آپؓ کی کنیت ہے، نام صدی بن عجلان الباہلی ہے، آپؓ کی اکثر احادیث اہلِ شام روایت کرتے ہیں، آپؓ کثیر الروایۃ صحابی ہیں، شام کے علاقہ حمص میں بعمر ۹۱ برس ۸۶ھ کو آپ کا انتقال ہوا، آپؓ شام میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں۔

قوله: من أحبّ لله و أبغضَ لله و أعطىٰ لله و منعَ لله ....: اس حدیث سے مراد تمام اعمال میں اخلاص پیدا کرنا ہے، باقی رہی یہ بات کہ یہاں ان چار اعمال کی تخصیص کیوں کی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چار اعمال حظوظِ نفسانیہ میں سے ہیں ان کے کرتے وقت نفس کی آمیزش زیادہ ہوتی ہے، اور ان میں اخلاص پیدا کرنا نہایت مشکل ہوتا تو جو شخص ان اعمال مذکورہ میں اخلاص پیدا کریگا وہ باقی تمام اعمال میں اخلاص پیدا کرسکتا ہے "فقد استكمل الايمان" کا یہی مطلب ہے۔

سب سے افضل عمل:

۲۸۔وعن أبى ذرؓ قال: قال رسول اللهﷺ: أفضلُ الأعمال الحبُّ فى الله والبغضُ فى الله.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: اعمال میں سب سے افضل عمل یہ ہے کہ اللہ کے لیے (کسی سے) محبت ہو اور اللہ ہی کے لیے بغض (نفرت) ہو۔(ابوداؤد)

احادیث میں بتائے گئے افضل اعمال کا باہمی تعارض:

تشریح: قوله: أفضل الأعمال الحبّ فى الله والبغض فى الله ...: آنحضرتﷺ نے مختلف اعمال کے متعلق افضل ہونا ارشاد فرمایا ہے، مثلاً: ایمان باللہ، اِطعام طعام، نماز، حبّ فی اللہ وغیرہ، جو بظاہر متعارض ہیں؟ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ حضورﷺ نے اپنے

ارشادات میں مخاطبین کے احوال کی رعایت فرمائی ہے کیوں کہ آپ ﷺ طبیبِ روحانی تھے تو جیسا مریض دیکھتے ویسا ہی نسخہ تجویز فرماتے۔

حقیقی مسلمان، کامل مؤمن اور حقیقی مجاہد:

۲۹ـ وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: المسلم من سلِم المسلمون من لسانه ويده والمؤمنُ مَن أمِنه الناسُ علىٰ دِمائهم وأموالهم[رواه الترمذي]وَزادالبيهقي في شعب الايمان برواية فَضالة :"والمجاهدُ مَن جاهدَ نفسَه في طاعةِ الله والمُهاجرُ مَن هجرَ الخطايا والذُنوبَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (کامل) مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ (کے شر) سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں اور (کامل) مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور اپنے اموال کو امن میں سمجھیں۔ (ترمذی، نسائی) بیہقی نے شعب الایمان میں فضالہ اور مجاہد کی روایت سے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: ''مجاہد وہ ہے جو اللہ کی طاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے اور (حقیقی) مہاجر تو وہ ہے جو تمام چھوٹے بڑے گناہوں کو چھوڑ دے''۔

تشریح: قوله: والمجاهدُ من جاهدَ نفسه.....: یعنی مجاہد صرف وہ نہیں جو کفار کے ساتھ لڑے بلکہ وہ شخص بھی مجاہد ہے جو اللہ کی طاعت میں اپنے نفس کے ساتھ مقابلہ کرے یا حقیقی مجاہد وہی ہے جو اپنے نفس کا مقابلہ کرے اور اس کو اللہ کی اطاعت پر مجبور کرے۔ مجاہدِ حقیقی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ نفس کفار سے بھی بڑا دشمن ہے۔ یہ ارشادِ نبوی ہے: ''أعدیٰ عدوِّك نفسُك التي بين جنبيك'' یعنی تیرا سب سے بڑا دشمن تو نفس ہے جو تیرے پہلو میں گھات لگایا ہوا ہے نیز کفار سے مقابلہ کبھی کبھار ہوتا ہے پھر وہ دور بھی ہوتے ہیں جبکہ نفس کے ساتھ تو ہر وقت کشمکش جاری رہتی ہے اور وہ ساتھ لگا رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس دشمن کا مقابلہ جو زیادہ خطرناک اور زیادہ قریب ہو بنسبت اُس دشمن کے جو دور ہو اور اس کا ضرر کم ہو، زیادہ ضروری ہے۔

قوله: والمهاجرُ من هجر الخطايا والذنوب....: خطایا سے مراد صغائر اور ذنوب سے مراد کبائر ہیں۔ شیخ محدث عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اسمیں مہاجرین کو تو یہ تنبیہ ہے کہ صرف اپنے وطن سے نکلنے پر اکتفا نہ کریں بلکہ گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے اور غیر مہاجرین کو یہ تنبیہ ہے کہ وہ ثواب ہجرت کے حصول میں مایوس نہ ہو بلکہ جو بھی شخص رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر نفسانی خواہشات کو بالکل ترک کردے اور چھوٹے بڑے گناہوں سے مجتنب ہو جائے وہی حقیقی مہاجر کہلانے کا مستحق ہوگا۔

فائدہ: اس حدیث میں لفظِ مسلم، مؤمن، مہاجر اور مجاہد کا مبدأ اشتقاق، لغوی مفہوم کے اعتبار سے ظاہر کیا گیا ہے، مطلب یہ ہوگا کہ وہ کیسا مسلمان جس میں سلامتی نہیں، وہ کیسا مجاہد جس میں مجاہدۂ نفس ہی نہیں، جیسے سلامتی مسلمان کی اصطلاحی تعریف نہیں ایسے ہی جہادِ نفس بھی جہاد کی اصطلاحی تعریف نہیں، یہ مطلب نہیں کہ مجاہدہ نفس ہی حقیقی جہاد ہے۔ (نفحات، مرآۃ، توضیحات)

جس میں امانت نہیں اُس کا ایمان نہیں:

۳۰ـ وعن أنسؓ قال: قلّما خطبَنا رسولُ اللهﷺ إلّا قال: لا إيمانَ لمَن لا أمانةَ له ولادينَ لمَن لاعهدَ له .[بيهقي]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا خطبہ ہمیں کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو: جس میں امانت نہیں اس کا ایمان

(کامل) نہیں اور جس میں ایفائے عہد نہیں اس کا دین (کامل) نہیں۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

تشریح: قوله: لا إيمان لمن لا أمانة له ...: اس حدیث میں لا نفی کمال کے لئے ہے جیسا کہ "لا عيشَ إلا عيشَ الآخرة" میں اور " لا صلوٰةَ لجارِ المسجدِ إلا في المسجد" میں، لہٰذا اس حدیث سے معتزلہ کا مذہب ثابت نہ ہوگا جو اعمالِ صالحہ کو حقیقتِ ایمان میں داخل سمجھتے ہیں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ "لا إيمان" کہہ کر مراد تشدید زجر و تغلیظِ وعید ہے حقیقی معنیٰ مراد نہیں۔

فائدہ: [لا] برائے نفی کمال احادیث میں "اٹھائیس" جگہ مذکور ہے۔

"الفصل الثالث"

۳۱۔ عن عبادة بن الصامتؓ قال: سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: مَن شهِد أن لا اله الاّ اللهُ و أنّ محمداً رسولُ الله حرّمَ اللهُ عليه النّار. [مسلم]

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا لائق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ (اپنے فضل سے) اس پر دوزخ کی آگ حرام کردے گا۔ (مسلم)

۳۲۔ وعن عثمانؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من مات و هو يعلمُ أنّه لا إله إلا اللهُ دخلَ الجنّةَ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اس علم (یقین) پر مرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

حضرت عثمان بن عفانؓ کے حالات: آپؓ کی کنیت ابو عمرو ہے، واقعہ فیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے، ابتدا میں اسلام لائے تھے، آپؓ ذو ہجرتین ہیں، اولاً حبشہ کو ہجرت فرمائی پھر مدینہ، آپؓ حکماً بدری ہیں کیونکہ آپؓ بامرِ نبی ﷺ بنتِ رسول حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا (جو آپ کی زوجیت میں تھیں) کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں رہ گئے تھے، آپؓ کو بدر کی غنیمت سے حصہ بھی ملا۔ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضور کی دوسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا آپؓ کی زوجیت میں آئیں، بایں وجہ آپؓ کو ذو النورین کہا جاتا ہے۔ آپ بڑے سخی، صائم الدھر اور قائم اللیل تھے۔ محرم ۲۴ھ میں خلیفہ بنے اور ۱۷ یا ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں بروز جمعۃ المبارک بعمر ۸۶ سال شہید کیے گئے، حضرت جُبیر بن مطعمؓ نے جنازہ پڑھایا اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے، کل مدتِ خلافت "۱۲ دن کم ۱۲ سال" ہے، کل "ایک سو چھیالیس" احادیث آپؓ سے مروی ہیں۔

تشریح: قوله: من مات وهو يعلم أنّه لا إله إلا الله...: علم سے مراد صرف معرفت نہیں بلکہ یقین مراد ہے چنانچہ [يعلم] يستيقن کے معنیٰ میں ہوگا۔ "لا إله إلا الله" سے مراد صرف توحید نہیں بلکہ ایمان بالرسالۃ بھی مراد ہے، لیکن چونکہ "لا إله إلا الله" شہادتین کے لئے "علَم" ہے اس لئے صرف اسی پر اکتفا کیا گیا۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جز بول کر کل مراد لیا جارہا ہے۔

قوله: دخل الجنة: ۔ایمانِ کامل اور عملِ صالح ہونے کی صورت میں دخولِ اوّلی مراد ہوگا اور ایمان ناقص اور فسق و فجور کی صورت میں

دخول فی الجملہ مراد ہوگا یعنی اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر کبھی نہ کبھی جنت میں ضرور داخل ہوگا۔

جنت ودوزخ کوواجب کرنے والی دودو خصلتیں:

۳۳۔عن جابرؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ثنتانِ مُوجبتان، قال رجلٌ :یا رسولَ الله! ما الموجبتانِ؟قال: مَن مات يُشرِكُ باللهِ شيئًا دخلَ النّارَ ومَن ماتَ لايُشرِكُ بالله شيئًا دخلَ الجنّةَ. [مسلم]

ترجمہ:حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: دو باتیں (جنت ودوزخ کو) واجب کرنے والی ہیں،ایک شخص نے پوچھا: وہ دوواجب کرنے والی کیا ہیں؟ فرمایا: جواس حال میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کوشریک بنا رکھا ہو وہ دوزخ میں داخل ہوگا اور جو اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی کوشریک نہ کیا تھا وہ جنت میں جائے گا۔(مسلم)

حضرت جابرؓ کا مختصر تعارف: آپؓ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ (شہید احد) کے صاحبزادے ہیں،آپؓ کی کنیت ابوعبداللہ ہے،مشہور اور کثیر الروایہ صحابی ہیں،غزوہ بدرسمیت اٹھارہ غزوات میں شریک ہوئے،عمر کے آخری حصہ میں نابینا ہو گئے تھے۔ ۷۴ھ میں بعمر ۹۴ سال بزمانۂ عبدالملک بن مروان آپؓ کی وفات ہوئی۔

تشریح: قوله: ثنتا ن موجبتان ... .:۔[ثنتان]صفت ہے مبتدامحذوف ''خصلتان'' کے لئے،[موجبتان]تثنیہ ہے موجبۃ کی بمعنی جنت یادوزخ کوواجب کرنے والاعمل۔حضرات اہلِ سنت والجماعت کے نقطہ نظر سے ان دوخصلتوں کا موجبِ جنت یا موجبِ دوزخ ہونا وعدہ الٰہی یاوعیدِ خداوندی کے پیش نظر ہے۔جبکہ معتزلہ کے ہاں خودعمل جنت یادوزخ کا موجب ہے،کیونکہ ان کے نزدیک مطیع کوثواب دینا اورعاصی کوسزادیناحق تعالیٰ پرواجب ہے۔(أعا ذنا اللهُ مِن كل زيغٍ وضلالٍ)۔(نفحات)

لا الٰہ الّا اللہ کی گواہی دینے سے متعلق آپﷺ کی بشارت:

٣٤۔ وعن أبي هريرةؓ قال: كُنّا قُعودًا حولَ رسول الله ﷺ ومعنا أبو بكرٍوعمرُ في نفرٍ فقامَ رسولُ اللهﷺ مِن بين أظهُرِنا فأبطأ علينا وخشِينا أن يُقتطعَ دونَناوفزِعنا فقُمنافكنتُ أوّلَ مَن فزِعَ فخرجتُ أبتغي رسول الله ﷺ حتىٰ أتيتُ حائطاً للأنصارلبني النجّار فدُرتُ به هل أجدُ له باباً فلم أجدُ فاذاربيعٌ يدخلُ في جوف حائطٍ مِن بئر خارجة ۔والربيعُ الجَدْوَلُ۔ قال: فاحتفزتُ فدخلتُ علىٰ رسول اللهﷺفقال: أبوهريرة؟ فقلتُ :نعم! يا رسول الله! قال: ماشأنُك ؟قلتُ :كنتَ بينَ أظهرِنا فقُمتَ فأبطأتَ علينا فخشينا أن تُقتطعَ دونَنا ففزِعنا فكنتُ أولَ مَن فزِع فأتيتُ هذاالحائطَ فاحتفزتُ كمايحتفزُ الثعلبُ وهؤلاء النّاسُ ورائي فقال: ياأباهريرة! وأعطاني نعليهِ فقال: اذهبْ بنعليّ هاتين فمَن لقِيكَ مِن وراءِ هذاالاحائطِ يشهد أن لااله الاّ الله مُستيقِنًا بها قلبُه فبشِّرهُ بالجنّةِ فكانَ أوّلُ من لقيتُ عمرَ فقال: ماهاتان النعلان؟ يا أباهريرة!قلتُ هاتان نعلا رسولِ الله ﷺ بعثني بهمامَن لقيتُ يشهد أن لااله الاّ الله مُستيقنًا بها قلبُه بشّرتُهُ بالجنّة فضربَ عمرُ بين ثديَيّ فخررتُ لِاستي فقال: ارجع يا أباهريرة! فرجعتُ الىٰ رسولِ اللهﷺ فأجهشتُ بالبُكاء وركبني عمرُ واذاً هو علىٰ اِثري فقال رسول اللهﷺ:مالكَ يا أباهريرة! قلتُ :لقيتُ عمرَ فأخبرتُه بالّذي بعثتَني به فضربَ بين ثديَيّ خررتُ لِاستي فقال:

ارجِعْ ،فقال رسولُ اللهﷺیاعمر! ماحملَكَ علیٰ مافعلتَ ؟قال: یا رسولَ اللهِ !بأبی أنتَ وأمّی ،أبعثتَ أباهریرةَ بنعلیكَ مَن لقِیَ یشهد أن لااله الّا الله مُستیقِناً بها قلبُه بشَّرَهُ بالجنّة قال: نعم! قال: فلاتفعلْ فانّی أخشیٰ أن یتّكلَ النّاسُ علیهافخلّهم یعملونَ فقال رسولُ الله ﷺ فخلّهم.[مسلم]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہﷺ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ ابو بکرؓ وعمرؓ بھی تھے۔ نبی پاکﷺ ہمارے درمیان سے اٹھ کھڑے ہوئے اور (واپسی میں) دیر لگادی۔ہم ڈر گئے کہ ہماری غیر موجودگی میں آپﷺ کو (دشمن کی جانب سے) کوئی تکلیف نہ پہنچائی گئی ہو،سوہم گھبرائے اور اٹھ کھڑے ہوئے،سب سے پہلے گھبرانے والا میں تھا۔چنانچہ میں آپﷺ کو تلاش کرنے نکلا حتیٰ کہ بنی نجار کے انصار کے ایک باغ کے پاس آیا،میں اس باغ کے گرد پھرا تاکہ دروازہ پاؤں،لیکن مجھے (کھلا ہوا) دروازہ نہ ملا،اچانک ایک نالی نظر آئی جو باہر کے ایک کنویں سے باغ کے اندر جارہی تھی۔"[ربیع] جدول کو کہتے ہیں" لہٰذا میں سمٹ سکڑ کر اس باغ میں داخل ہوا اور رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔حضور(ﷺ) نے فرمایا: ابو ہریرہ ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! آپﷺ نے پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ (ﷺ) ہمارے درمیان تشریف فرما تھے،پھر اٹھ کر چلے گئے اور (واپس) آنے میں دیر کر دی تو ہم ڈر گئے کہ کہیں ہماری غیر موجودگی میں آپﷺ کو کوئی ایذاء نہ پہنچائی جائے،ہم گھبرا گئے اور سب سے پہلے گھبرانے والا میں تھا،پھر میں اس باغ کے پاس آیا اور لومڑی کے سمٹنے کی طرح سمٹ کر باغ میں داخل ہوا اور لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہیں۔(یہ سن کر) آپﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! اور مجھے اپنی دونوں جوتیاں دیں اور فرمایا میری ان جوتیوں کو لے کر جاؤ اور اس باغ کے باہر تجھے جو شخص دل کے یقین کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہوا ملے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،اسے جنت کی بشارت دے دو۔(چنانچہ میں باہر نکلا اتفاق سے) سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمرؓ سے ہوگئی۔انہوں نے پوچھا یہ جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا یہ رسول اللہﷺ کی جوتیاں ہیں،آپﷺ نے یہ مجھے دیکر بھیجا ہے کہ جو شخص مجھے صدقِ دل سے لا إلٰه إلا الله کی گواہی دیتا ہوا ملے میں اس کو جنت کی خوشخبری دے دوں (یہ سننا تھا کہ) حضرت عمرؓ نے میری چھاتیوں کے درمیان میں مارا حتیٰ کہ میں سرین کے بل گر پڑا۔عمرؓ نے کہا کہ واپس جاؤ اے ابو ہریرہ! میں رسول اللہﷺ کے پاس آیا اور زور زور سے رونے لگا اور عمرؓ کا خوف بھی میرے اوپر سوار تھا وہ بھی میرے پیچھے آگئے،تو رسول اللہﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: (راستے میں) عمرؓ سے میری ملاقات ہوگئی،میں نے آپﷺ کا پیغام ان کو بتایا،تو انہوں نے میری چھاتی کے درمیان اتنے زور سے مارا کہ میں پیچھے گر گیا اور انہوں نے کہا کہ واپس جاؤ۔(یہ سن کر) آپﷺ نے عمرؓ سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان،کیا آپﷺ نے ابو ہریرہ کو اپنی جوتیاں دے کر اس پیغام کے ساتھ بھیجا تھا کہ جو شخص صدقِ دل کے ساتھ لا إلٰه إلاالله کی گواہی دیتا ہوا ملے اس کو جنت کی خوشخبری دے دو؟ آپﷺ نے فرمایا: جی ہاں! حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آپ (ﷺ) ایسا نہ کیجئے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ لوگ اسی (بشارت) پر بھروسہ نہ کر بیٹھے،اس لیے ان کو عمل میں لگا رہنے دیجئے، چنانچہ رسول اللہﷺ نے فرمایا پھر لوگوں کو چھوڑ دو یعنی عمل میں لگا رہنے دو۔(مسلم)

تشریح: قوله: فقام رسول اللهﷺ من بین أظهر نا...۔[أظهر] کا لفظ زائد ہے،مقصود تحسینِ کلام ہے اور مراد "من بیننا" ہے یعنی "ہمارے درمیان سے اٹھ کر چلے گئے"۔

قوله: حتیٰ أتیتُ حائطا....:۔ حائط، اصل میں دیوار کو کہتے ہیں اور یہاں وہ باغ مراد ہے جس کے گرد چار دیواری ہو۔

قوله: فدُرتُ به هل أجدُ له باباً فلم أجد....:۔ [بابًا] کی صفت مفتوحًا محذوف ہے، مطلب یہ ہوگا کہ مجھے کھلا ہوا دروازہ نہ ملا یا پھر یوں کہنا پڑیگا کہ غایتِ پریشانی کی وجہ سے دروازہ ہی نظر نہ آیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دخولِ بستان کے لئے یقیناً کوئی نہ کوئی دروازہ ضرور ہوگا۔

قوله: بئر خارجة...:۔ یہ موصوف صفت ہیں، یہی اصح ہے، علاوہ ازیں اس طرح بھی پڑھا گیا ہے کہ ''بئر'' منوّن ہو اور اس کے بعد والا لفظ'' خارجه ''منصوب ہو اور مضاف ہو [ہٗ] ضمیر مجرور کی طرف یعنی خارجَهٗ ہو یا بئر مضاف ہو خارجة نام کے آدمی کی طرف۔

قوله: وأعطاني نعليه فقال اِذهب بنعليّ هاتين...:۔ حضورﷺ نے بطورِ نشانی کے نعلین مبارک دیئے کہ صحابہ کو خوب یقین حاصل ہو جائے کہ ابو ہریرہؓ حضورﷺ کے پاس سے آئے ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف بھی شاید اشارہ تھا کہ دخولِ جنت کے لئے آپﷺ کے نقش قدم پر چلنا ضروری ہے۔

قوله: فضرب عمر بين ثديّ فخررتُ لِاستي فقال ارجع يا أبا هريرة...:۔ حضرت عمرؓ کا مقصود ابو ہریرہؓ کو واپس کرنا تھا نہ کہ مارنا، لیکن چونکہ آپ ایک قوی اور زور آور آدمی تھے اور ابو ہریرہؓ مدرسہ صفہ کے ایک کمزور طالبعلم تھے، حضرت عمرؓ نے ہلکا سا ہاتھ لگایا اور آپؓ گر گئے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمرؓ صحابہ کے درمیان جس امتیازی شان کے حامل تھے، اس کے پیش نظر آپؓ کو تنبیہ و سرزنش کا حق حاصل تھا، کیوں کہ آپؓ بڑے تھے اور ہر جماعت و خاندان کے بڑوں کو چھوٹوں کی تنبیہ کا حق حاصل ہوتا ہے تو گویا آپ کا مارنا از راہِ تنبیہ تھا۔

قوله: ارجع يا أباهريرة....:۔ حضرت عمرؓ نے ابو ہریرہؓ کو اس لئے واپس فرمایا کہ آپﷺ کا امر ''فبشرهم'' وجوب کے لئے نہیں تھا صرف صحابہؓ کی خوشنودی کے لئے تھا، جس کا قرینہ حضرت معاذؓ والی حدیث میں خود آنحضرتﷺ کا یہ فرمانا ہے کہ ''لاتبشّرهم فيتّكلوا''۔ لیکن یہاں غلبہ شفقت و رحمت و نیز غلبہ استغراق کی وجہ سے اس طرف توجہ نہ رہی، حضرت عمرؓ کے یاد دلانے سے آپﷺ کو وہ مصلحت مستحضر ہوگئی اور آپﷺ کو حضرت عمرؓ کی رائے پسند آگئی اس لئے رجوع فرمالیا۔

اس قسم کی احادیث کے لیے ایک اصولی بات:

اس قسم کی آیات و احادیث پر غور کرتے وقت ایک اصولی بات یہ بھی ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ اس قسم کی بشارتوں میں متکلم کا مقصد کسی عمل خیر کی ذاتی خاصیت اور اس کا اصلی اثر بتانا ہوتا ہے قطع نظر اس سے کہ اگر دوسرے اعمال کا تقاضا اس کے خلاف ہو تو پھر انجام کیا ہوگا؟ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ طب کی کتابوں میں مثلاً اطریفل کے بارے میں لکھا جاتا ہے کہ جو شخص اطریفل استعمال کرتا رہیگا ہمیشہ نزلے سے محفوظ رہیگا۔ اب اس سے یہ سمجھ لینا کہ جو شخص اطریفل کھانے کے ساتھ ساتھ تیل، ترشی وغیرہ ہر قسم کی نزلہ آور چیزیں بھی برابر کھاتا رہے اس کو بھی کبھی نزلہ نہیں ہوگا سخت نافہمی اور کلامِ اطباء سے ناواقفی ہے۔ اس اصول کی روشنی میں ان جیسی احادیث کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ توحید و رسالت کی گواہی کا ذاتی تقاضا یہ ہے کہ ایسا آدمی عذاب دوزخ سے محفوظ رہے، لیکن اگر اس نے بدبختی سے کچھ ایسے اعمال بھی کئے ہو جن کا ذاتی اقتضا قرآن و حدیث میں عذاب پانا اور دوزخ میں جانا ہی بتلایا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنا کچھ نہ کچھ اثر ضرور دکھائیں گے۔ اگر یہ چھوٹا سا نکتہ ملحوظ رہے تو وعدہ اور وعید، ترغیب اور ترہیب کے سلسلے کی سیکڑوں احادیث کے بارے میں لوگوں کو جو غلط فہمی اور الجھن ہوتی ہے وہ انشاء اللہ ہوگی۔ (نفحات)

جنت کی کنجیاں:

۳۵۔وعن معاذِبن جبلٍؓ قال: قال لی رسولُ اللهﷺ: مفاتیحُ الجنّة شهادةُ أن لا إله إلا اللهُ .[أحمد]

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جنت کی کنجیاں اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔(احمد)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

تشریح: قوله: مفاتیح الجنه شهادة أن لا إله إلا الله:۔ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مبتدا وخبر میں جمع وافراد کا اختلاف ہے یعنی مبتدا جمع ہے اور خبر مفرد۔ بقولِ ملا علی قاریؒ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ شہادۃ سے جنس شہادت مراد ہے جو قلیل وکثیر دونوں کو شامل ہے تو ہر شخص کی شہادت ایک مفتاح ہے لہذا "مفاتیح" مبتدا کے لیے شہادۃ کا خبر بننا درست ہے۔

دینِ اسلام میں نجات کا بنیادی سبب کیا چیز ہے؟:

۳۶۔وعن عثمانؓ قال: إنّ رجالاً مِن أصحابِ النبیﷺ حین تُوُفّی حزنوا علیه حتیٰ کاد بعضُهم یوسوِسُ قال عثمانُ : و کنتُ منهم فبیناأناجالسٌ مرَّ علیّ عمرُ و سلّم فلم أشعُرُ به فاشتکیٰ عمرُ الیٰ أبی بکر[رضی اللهُ عنهما]ثمّ أقبلاحتیٰ سلّما علیّ جمیعاً فقال أبوبکر:ماحملَك أن لاترُدّ علیٰ أخیكَ عمرَ سلامَه؟ قلتُ :مافعلتُ فقال عمر:بلیٰ والله! لقد فعلتَ قال: قلتُ : والله ماشعُرتُ أنك مررتَ ولا سلّمتَ ،قال أبوبکر: صدقَ عثمان،قد شغلكَ عن ذٰلك أمرٌ ؟فقلتُ: أجل قال: ماهو؟ قلتُ توَفّی اللهُ نبیّه ﷺ قبلَ أن نسألَه عن نجاةِ هذاالأمر،قال أبوبکر: قد سألتُه عن ذٰلك فقمتُ الیه وقلتُ له: بأبی أنتَ وأمّی، أنتَ أحقُّ بها،قال أبوبکر: قلتُ :یارسولَ الله ! مانجاةُ هذاالأمرِ ؟فقال رسولُ اللهﷺ مَن قَبِل منّی الکلمةَ التی عرضتُ علیٰ عمّی فردّها فهی له نجاةٌ.[أحمد]

ترجمہ: حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ (بہت سے) صحابہ آپﷺ کی وفات پر بڑے غمگین ہوئے حتیٰ کہ بعض وساوس میں گرفتار ہوئے۔عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا۔چنانچہ اس اثنا میں کہ میں بیٹھا ہوا تھا حضرت عمرؓ میرے پاس سے گزرے اور سلام کیا، مجھے (شدت غم سے) پتہ نہیں چلا۔حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی، پھر وہ دونوں میرے پاس آئے اور دونوں نے مجھے سلام کیا، پس ابوبکرؓ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا بات ہے تم نے اپنے بھائی عمر کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے کہا کہ میں نے تو ایسا نہیں کیا، عمرؓ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! تو نے ایسا ہی کیا ہے۔عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے احساس تک نہ ہوا کہ آپ میرے پاس سے گذرے ہو اور مجھے سلام کیا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: عثمان سچ کہتا ہے (ممکن ہے) کسی (خاص) بات نے اُن کو اس سے باز رکھا ہو، میں نے کہا: جی ہاں۔ابوبکرؓ نے پوچھا وہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ نے اپنے نبی کو اٹھالیا قبل اس کے کہ ہم آپﷺ سے اس امر کی نجات کے بارے میں پوچھ لیتے۔حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: میں اس بارے میں پوچھ چکا ہوں (عثمانؓ کہتے ہیں) میں (بے اختیار) اٹھا اور کہنے لگا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ ہی یہ بات پوچھنے کے زیادہ حق دار تھے۔ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے آپﷺ سے پوچھا کہ اس امر

میں نجات کس چیز میں ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھ سے اس کلمہ کو قبول کرلیا جسے میں نے اپنے چچا (ابوطالب) پر پیش کیا تھا اور انہوں نے اسے قبول نہ کیا تھا تو وہ کلمہ اس شخص کے لیے نجات (کا ضامن) ہے۔ (احمد)

تشریح: قوله: يُوَسوِس ....:۔ یہ فعل لازم ہے معنی ہے وسوسے میں پڑنا اور مراد دین اسلام کے مٹنے کا وسوسہ ہے۔

قوله: قلتُ: يارسول الله! مانجاة هذا الأمر...:۔ "هذا الأمر" سے مراد یا تو دین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس دین میں نجات کا بنیادی سبب کونسی چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دین میں دوزخ کی آگ سے نجات کا بنیادی سبب کلمہ "لا إله إلا الله" ہے۔ یا 'هذا الأمر" سے مراد خواہشاتِ دنیویہ میں ابتلا اور دنیا کی محبت ہے جن میں مبتلا و مشغول ہونے کے بعد انسان کے لئے نجات آخرت کا ذریعہ کلمہ طیبہ کو قرار دیا گیا ہے۔ یا مراد شیطانی وساوس سے نجات ہے کہ وہ کلمہ طیبہ میں مضمر ہے۔

قوله: مَن قبِل منى الكلمةالّتي عرضتُ علىٰ عمّي فردّها فهي له نجاةٌ... :۔[الكلمة] سے مراد کلمہ طیبہ ہے، مطلب یہ ہے کہ جب ابوطالب ستر پچھتر سالہ کفر سے اور اس کے نتیجہ میں دوزخ کی آگ سے اس کلمہ کی برکت سے نجات پا سکتے تھے اگر وہ اس کو پڑھ لیتے تو پھر ایک مسلمان کی نجات کیونکر اس کلمہ سے نہ ہوگی۔

قربِ قیامت میں سارا کا سارا دین اللہ کا ہو جائے گا:

۳۷۔وعن المقدادؓ أنّه سمِعَ رسول اللهﷺ لا يبقىٰ علىٰ ظهر الأرض بيت مَدَرٍ ولا وَبَرٍ الّاأدخلَه اللهُ كلمةَ الاسلامِ بعِزّ عزيزٍ وذُلّ ذليلٍ اِمّايُعِزّهمُ اللهُ فيجعلهم مِن أهلها أو يُذلّهم فيدينون لها،قلتُ: فيكونُ الدينُ كلُّه لله.[أحمد]

ترجمہ: حضرت مقدادؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ (قیامت کے قریب) روئے زمین پر کوئی مٹی کا بنا ہوا گھر اور کوئی خیمہ باقی نہیں رہیگا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اسلام کا کلمہ داخل فرمائے گا، معزز کو عزت دینے اور ذلیل کو ذلت دینے کے ساتھ۔ یا تو اللہ (اسلام کی توفیق دے کر) اُن کو معزز بنائیگا کہ ان کو اس کلمہ کا اہل بنادیگا، اور یا اللہ ان کو (ذمی بنا کر) ذلیل کریگا اور وہ اس کے سامنے (مجبور ہوکر) اطاعت اختیار کرینگے، میں نے (یہ سن کر) کہا پھر تو دین سارا کا سارا اللہ کا ہو جائے گا۔ (احمد)

حالاتِ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ: آپؓ ذوہجرتین ہیں، آپؓ کی نسبت کندی ہے کیونکہ آپؓ کے والد اسود نے بنوکندہ کے ساتھ معاہدہ و حلفِ وفاداری کیا تھا، آپؓ قدیم الاسلام ہیں، بعض حضرات آپؓ کو چھٹے نمبر پر اسلام لانے والا بتاتے ہیں۔ مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع مقام جُرف میں آپؓ نے ۳۳ھ میں بعمر ۷۰ سال وفات پائی، حضرت عثمان غنیؓ نے جنازہ پڑھایا۔

تشریح: قوله: لا يبقىٰ على ظهر الأرض.....:۔ اگر "ظهر الارض" سے مراد جزیرہ نمائے عرب اور اس کا گرد و نواح ہو تو پھر یہ پیشن گوئی خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں صادق آچکی اور اگر اس سے مراد پوری زمین ہے تو پھر یہ قربِ قیامت میں ظاہر ہوگی۔

قوله: بيت مدرولا وبر...:۔ "مَدَر" "مدرةٌ" کی جمع ہے بمعنیٰ کچی اینٹ: اس سے مراد شہر اور دیہات کے مکانات ہیں اور "وبر" اونٹ کے اون کو کہتے ہیں، مراد صحرا و جنگل میں رہنے والوں کے خیمے ہیں جو عموماً اونٹ کی کھال کے ہوتے تھے۔

قوله: بعزعزيز وُ ذُلّ ذليل...:۔ یہ "متلبّسةً" محذوف سے متعلق ہوکر "كلمة الإسلام" سے حال واقع ہے "عز عزيز" سے مراد

یہ ہے کہ بخوشی اسلام میں داخل ہوکر اپنی عزت کو محفوظ کرلے اور "ذُلِّ ذلیل" سے مراد یہ ہے کہ وہ بخوشی اسلام قبول نہ کرے حتی کہ مسلمان بذریعہ جہاد ان کو قید کرلیں اور یا ان پر جزیہ عائد کرلیں، گویا غلبہ دین مراد ہے خواہ وہ کسی بھی طریقے سے ہو۔

بقولِ علامہ عثمانیؒ کے: باقی ادیان پر اسلام کا غلبہ حجت و دلیل کے اعتبار سے تو الحمدللہ ہر زمانہ میں نمایاں رہا، باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے تو وہ اس وقت حاصل ہوا ہے اور ہوگا جبکہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان وتقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے اور دینِ اسلام کا ایسا غلبہ کہ باقی تمام ادیان مغلوب ہوکر صفحہ ہستی سے مٹ جائے قربِ قیامت میں نزولِ مسیح علیہ السلام کے بعد ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

قوله: قلت فيكون الدين كلّه لله :۔اس قول کے قائل خود حضرت مقدادؓ ہیں اور بظاہر آنحضرت ﷺ کی غیر موجودگی میں روایت بیان کرتے وقت آپؓ نے یہ ارشاد فرمایا ہے اسی وجہ سے اس قول کے لئے جواب وارد نہیں۔(لمحات، مرآۃ)

دروازہ اُسی کنجی سے کھلتا ہے جس کے دندانے ہو:

۳۸۔وعن وهب بن منبّہؒ قيل له: أليس لا إله إلا الله مفتاح الجنّة قال: بلىٰ ولكنْ ليس مِفتاحٌ الّاوله أسنانٌ فإن جئتَ بمفتاحٍ له أسنانٌ فتَح لك وإلّا لم يفتَحْ لك.[بخاری فی ترجمة الباب]

ترجمہ: وہب بن منبہؒ سے مروی ہے: آپؒ سے پوچھا گیا کہ کیا لا الٰہ الا اللہ (کہنا) جنت کی کنجی نہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! لیکن ہر کنجی کے دندانے بھی ہوتے ہیں۔سو اگر تم ایسی کنجی لیکر آؤ گے جس میں دندانے ہو تو تیرے لیے (جنت کا دروازہ) کھولا جائے گا وگرنہ (دندانے نہ ہونے کی صورت میں) نہیں کھولا جائے گا۔(بخاری فی ترجمۃ الباب)

وہب بن منبہؒ کا تعارف: آپؒ کی کنیت ابوعبد صنعانی ہے، آپؒ جلیل القدر تابعی ہیں، زیادہ روایات حضرت عبداللہ بن جابرؓ اور ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔ مُنَبِّہ، بصیغہ اسمِ فاعل ہے۔

قوله: ليسَ مفتاح إلّاوله أسنانٌ....:۔[أسنان] سِنٌّ کی جمع ہے دانت کو کہتے ہیں یہاں "چابی کے دندانے" ترجمہ کریں گے مراد یہ ہے کہ جیسے ہر چابی کے دندانے ہوتے ہیں ایسا ہی کلمہ طیبہ جو جنت کی چابی ہے، اس کے دندانے اعمال صالحہ ہیں۔حضرت وہبؒ کے مذکورہ بالا ارشاد کو جنت کے دخولِ اوّلی پر محمول کیا جائے گا کہ دخولِ اوّلی کے لئے کلمہ توحید اس وقت مفتاح کا کام دے گی جب اعمال صالحہ بھی پائے جائیں گے، مطلق دخول جنت کے لئے صرف کلمہ توحید ہی کافی ہے۔

احسانِ اسلام کے بعد تضعیفِ حسنات:

۳۹۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا أحسن أحدُكم إسلامه فكلُّ حسنةٍ يعملُها تُكتبُ له بعشرِ أمثالها الىٰ سبعمأةِ ضِعفٍ و كلُّ سيئةٍ يعملُها تُكتبُ بمِثلِها حتىّٰ لقِيَ اللهَ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو کوئی اپنے اسلام (ایمان) کو اچھا بنالیتا ہے، تو وہ جو بھی نیک عمل کرتا ہے اس کے اعمالنامہ میں اس جیسی دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا تک نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور وہ جو برا عمل کرتا ہے وہ (اس جیسا)

ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ سے وہ ملاقات کرے۔ (متفق علیہ)

قوله: فكلّ حسنةٍ يعملها.....:۔اس حدیث میں حسنات کی تضعیف کا بیان ہے، حسنات کی تضعیف کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب بندہ ایمان واسلام سے گزر کر صفتِ احسان میں قدم رکھتا ہے۔ راجح قول کے مطابق حسنات میں یہ تضعیف وزیادتی سات سوگنا پر جا کر ختم نہیں ہوجاتی بلکہ معاملہ اس سے بھی کہیں اوپر جا پہنچتا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ''والله يُضاعِفُ لمن يشاء'' سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد بھی اس کا مؤید ہے کہ ''فإن هو همّ بها، فعمِلها ،كتَبها اللهُ له بها عنده عشرَ حسناتٍ إلىٰ سبعِ مئةِ ضعفٍ إلى أضعافٍ كثيرة.'' البتہ تضعیف اوراضافہ کے لئے جو'' سبع مائة'' کی قید لگائی ہے تو وہ کثرت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کیونکہ یہ عدد تکثیر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

ایمان کی علامت:

٤٠۔وعن أبي أمامةَ أنّ رجلاً سأل رسولَ الله ﷺ ماالإيمانُ؟ قال: إذا سرّتْك حسنتُكَ و ساء تْك سيّئتُك فأنتَ مؤمنٌ قال يارسولَ الله! فماالإثمُ ؟قال: اذاحاكَ في نفسكَ شيٌ فدَعْهُ.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول پاک ﷺ سے پوچھا کہ ایمان (کی علامت) کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تیری نیکی تجھے بھلی لگے اور تیری برائی تجھے بری لگے تو تم (پکے) مؤمن ہو، پھر اس نے پوچھا کہ یارسول اللہ! گناہ (کی علامت) کیا ہے؟ فرمایا: جب کوئی بات تیرے دل میں کھٹکے (تو سمجھو کہ وہ گناہ ہے) تو اسے چھوڑ دو۔ (احمد)

تشریح: قوله: ماالإيمان...:۔یہ سوال علامتِ ایمان کے بارے میں ہے نہ کہ حقیقتِ ایمان کے بارہ میں، مطلب یہ ہے کہ کمال ایمان کی علامت کیا ہے؟

جو بات دل میں کھٹکے اُس کو چھوڑ دو:

قوله: إذا حاك في نفسك شئ فدعه.....:۔یعنی جب کوئی چیز یا بات دل میں کھٹکے، خواہ یہ کھٹکا اور تردّد جانبِ فعل میں ہو یا جانبِ ترک میں تو اس کو چھوڑ دو۔ یہ معیار صرف اُن لوگوں کے لئے ہے جن کے دل پاک وصاف ہو نیز یہ درجہ اُس معاملہ میں معتبر ہے جس کے گناہ ہونے کی شریعت میں تصریح نہ ہو بلکہ وہ مشتبہ ہو یا مختلف فیہ۔

ایک صحابی کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکالمہ:

٤١۔وعن عمروبن عبسةَ قال: أتيتُ رسول اللهﷺ، فقلتُ: يا رسول الله! من معك علىٰ هذا الأمر؟ قال: حُرٌّ وعبدٌ ،قلتُ: ماالاسلامُ؟ قال:طِيبُ الكلام وإطعامُ الطعام،قلتُ: ماالايمانُ؟قال: الصبرُ والسماحةُ ،قال: قلتُ :أيّ الاسلام أفضلُ ؟قال: مَن سلِمَ المُسلمونَ مِن لسانه ويدهِ قال: قلتُ: أيّ الايمان أفضلُ ؟ قال: خُلقٌ حسنٌقال: قلتُ: أيّ الصلوٰةِ أفضل؟ قال: طولُ القنوت قال:قلتُ:أيّ الهجرةِ أفضلُ ؟ قال: أن تهجر ماكرِهَ ربُّك ،قال: فقلتُ: فأيّ الجهادِ أفضلُ ؟ قال:مَن عُقِرَ جوادُه وأُهريق دمُه،قال: قلتُ: أيّ الساعاتِ أفضلُ ؟قال: جوف الليل الآخر.[أحمد]

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبسہؓ راوی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ کے ساتھ اس دین پر (آغاز میں) کون تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک آزاد اور ایک غلام۔ میں نے عرض کیا کہ اسلام کی علامت کیا ہے؟ فرمایا: خوش کلامی اور (مساکین کو) کھانا کھلانا۔ میں نے عرض کیا کہ ایمان (کی علامت) کیا ہے؟ فرمایا: صبر اور سخاوت۔ میں نے کہا کہ کس کا اسلام افضل ہے؟ فرمایا: اس کا جس کے زبان اور ہاتھ (کی ایذا) سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔ میں نے کہا کہ ایمان میں کونسی بات بہتر ہے؟ فرمایا: اچھے اخلاق۔ میں نے پوچھا کہ نماز میں کونسی چیز بہتر ہے؟ فرمایا: دیر تک کھڑے رہنا۔ میں نے عرض کیا کہ کونسی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم ان چیزوں کو چھوڑ دو جو تیرے رب کو ناپسند ہے۔ میں نے پوچھا کہ کونسا جہاد افضل ہے؟ فرمایا: اس شخص کا جہاد جس کا گھوڑا مارا جائے اور اس کا خون بہایا جائے (خود بھی شہید ہو)۔ میں نے پوچھا کہ کون سی گھڑی افضل ہے؟ فرمایا: رات کا آخری حصہ۔ (احمد)

حضرت عمرو بن عبسہؓ کے حالات: آپؓ کی کنیت ابو نُجیح سُلمی ہے، قدیم الاسلام ہیں، آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ جب تم کو میرے غلبہ وظہور کے بارے میں معلوم ہو تو میرے پاس آجانا، چنانچہ آپؓ اپنی قوم میں مقیم رہے حتیٰ کہ خیبر فتح ہوا اُس وقت آپؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدینہ ہی میں رہنے لگے حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

قولہ: حرٌ وعبدٌ ۔۔۔: [حرٌ] سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور [عبدٌ] سے مراد یا حضرت زید بن حارثہؓ ہیں اور یا پھر حضرت بلالؓ کہ یہی اولین مسلمان تھے باقی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر مستور ہونے اور لوگوں کے سامنے ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کیا اور حضرت علیؓ کو ان کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا۔

ایمانِ کامل اور خلقِ حسن ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں:

قولہ: أيّ الإيمانِ أفضلُ قال: خلق حسن ۔۔۔: ’’خلقِ حسن‘‘ سے مراد تمام مکارمِ اخلاق ہیں اسی طرح اوامر کی پیروی اور منہیات سے اجتناب بھی اس میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ جو تمام مکارمِ اخلاق کا حامل ہو، اوامر کا متبع ہو اور نواہی سے مجتنب ہو اس کا ایمان افضل ہی ہوگا۔ ایمانِ کامل وخلقِ حسن ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں لہذا اگر کسی شخص میں بغیر ایمان کے اخلاق کی صفت نظر آئے تو وہ حقیقی اخلاق نہیں بلکہ اخلاق کی صورت ہوگی جس کی عند اللہ کوئی قیمت نہیں۔

قولہ: من عُقِرَ جوادُہ وأُهرِيقَ دمه ۔۔۔: اس جملہ سے قبل لفظِ جہاد مضاف محذوف ہوگا اس کو افضل جہاد اس لئے قرار دیا گیا کہ یہ اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرنے پر بھی مشتمل ہے اور شہادت یعنی اپنی جان اللہ کی خوشنودی کے لئے فدا کرنے پر بھی۔ ’’أُهرِيقَ‘‘ أهراق يُهريق إهراقةً سے ہے جو اصل میں ’’أراق يُرِيق إراقةً‘‘ تھا۔ اس میں ’’ہاء‘‘ زائدہ ہے، اس کو أهرق يُهرِق إهراقا پڑھنا بھی منقول ہے اور ہمزہ کو ہاء سے بدل کر هَرَاقَ يُهرِيق هِراقةً پڑھنا بھی۔

جس کو اس حال میں موت آئی کہ۔۔۔:

٤٢۔ وعن معاذ بن جبلؓ قال: سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: من لقى الله لا يُشرك به شيئاً ويُصلّى الخمسَ ويصومُ رمضانَ غُفِرَ له، قلتُ: أفلا أُبشِّرُهم يا رسولَ الله! قال: دعْهم يعملوا. [أحمد]

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جو شخص اللہ سے اس حال میں ملا (اس کو موت آئی) کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو، پانچوں نمازیں پڑھتا ہو اور رمضان کے روزے رکھتا ہو اس کی مغفرت کی جائیگی۔ میں نے کہا کہ یارسول اللہ! کیا میں لوگوں کو بشارت نہ دوں؟ فرمایا: لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو، عمل میں لگا رہنے دو۔ (احمد)

قوله: لا یشرك به شیئاو یصلی الخمس و یصوم رمضان... :۔اس روایت میں حج اور زکواۃ کو اس لئے ذکر نہیں فرمایا کہ وہ صرف مالداروں کے ساتھ خاص ہیں۔ (نفحات، مرآۃ)

قوله: غُفِرله ....:۔اس سے مراد صغائر کی معافی و مغفرت ہے، البتہ اُن کبائر کی معافی کی بھی امید ہے جو حقوق اللہ سے متعلق ہو۔

ایمان کی بہترین خصلتیں:

۴۳۔عنه أنه سألَ رسول الله ﷺ عن أفضل الإيمان قال: أن تُحبَّ لله و تبغضَ لله و تُعمِلَ لسانَكَ فی ذكرِ الله قال: وماذایا رسولَ الله! قال: وأن تُحبَّ للنّاسِ ماتُحِبُّ لنفسكَ و تكرهُ لهم ماتكرهُ لنفسكَ.[أحمد]

ترجمہ: حضرت معاذؓ راوی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ ایمان کی بہترین خصلتیں کیا ہیں؟ فرمایا کہ تو (کسی سے) محبت بھی اللہ کے لیے رکھے اور بغض بھی اللہ کے لیے رکھے اور اپنی زبان کو تو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھے، معاذؓ نے پوچھا: اور کیا کیا ہے؟ فرمایا کہ تو لوگوں کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، اور وہ چیز ان کے لیے ناپسند کرو جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔ (احمد)

(باب الكبائرِ و علاماتِ النفاقِ)

صغیرہ اور کبیرہ کی طرف گناہوں کی تقسیم درست ہے یا نہیں؟:

اس باب میں کبیرہ گناہوں اور علاماتِ نفاق کے متعلق احادیث ہیں۔ یہاں یہ بحث ہوتی ہے کہ گناہوں کی صغیرہ اور کبیرہ کی طرف تقسیم درست ہے یا نہیں؟ تو بعض محققین فرماتے ہیں کہ معصیت حق تعالیٰ کی نافرمانی کا نام ہے اور اس عظیم الشان ذات کی عظمت و جلال کے اعتبار سے ہر گناہ کبیرہ ہی ہے نہ کہ صغیرہ، لہذا یہ تقسیم ہی درست نہیں، ابواسحاق اسفرائنیؒ اور قاضی عیاضؒ اس کے قائل ہیں۔لیکن جمہور سلف و خلف کے ہاں صغائر و کبائر کی طرف گناہوں کی تقسیم درست ہے بلکہ قرآن و سنت اور اجماع و قیاس سے ثابت شدہ مسئلہ ہے کہ اگرچہ حق تعالیٰ کی عظمت کے اعتبار سے ہر گناہ بہت بڑی نافرمانی ہے، مگر پھر بھی تمام گناہوں کے آثار و نتائج یکساں نہیں، چند آیاتِ قرانی جو جمہور کے مؤقف کی تائید کرتی ہیں، ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) ویقولون یٰویلتنا مالِ هذا الكتاب لا یُغادِرُ صغیرةً و لا كبیرةً إلاّ أحصٰها... (کہف:۴۹) ترجمہ: ''اور کہیں گے کہ یہ اعمال نامہ کیسا ہے جس نے نہ صغیرہ کو چھوڑا ہے نہ کبیرہ کو''۔

(۲) الذین یجتَنِبُونَ الكبائرَ و الفواحشَ إلاّ اللّمَم ...(النجم:۳۲) اس آیت میں ''اللمم'' سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔

(۳) إن تَجتَنِبُوا كبائرَ ما تُنهَونَ عنه نُكفّر عنكم سیّئاتِكم... (نساء:۳۱) اس آیت میں کبائر سے اجتناب پر کفارہ سیئات کی بشارت

ہے اور سیئات سے مراد صغائر ہیں۔

صغیرہ اور کبیرہ کی تعریفات:

یہاں گناہ کبیرہ وصغیرہ کی متعدد تعریفات ذکر کی جاتی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) کبیرہ وہ گناہ ہیں کہ طاعات اس کا کفارہ نہ بن سکیں اور اس کے برعکس صغیرہ ہیں۔

(۲) ہر گناہ اپنے مافوق یعنی اپنے سے اوپر والے گناہ کے اعتبار سے صغیرہ اور اپنے ماتحت کے اعتبار سے کبیرہ ہے مثلاً ہاتھ کاٹنا باعتبار قتل کے صغیرہ ہے اور باعتبارِ ضرب وشتم کے کبیرہ ہے۔

(۳) جس گناہ میں مفسدہ لذاتہٖ ہو یعنی اس کی ذات میں خرابی ہو یا گناہ ہی غایت ومقصود ہو تو وہ گناہ کبیرہ ہے اور جو گناہ بذاتِ خود مقصود نہ ہو بلکہ گناہ کا وسیلہ اور ذریعہ ہو یا اس کی ذات مفسدہ سے خالی ہو وہ صغیرہ ہے، مثلاً: زنا جو اپنی ذات کے اعتبار سے خرابی کی حامل اور بذاتِ خود مقصود ہے کبیرہ ہے اور اجنبی عورت کی طرف دیکھنا یا اس کو چھونا زنا کے وسائل وذرائع ہیں خود مقصود نہیں، لہذا یہ صغیرہ ہے۔ حافظ ابن قیمؒ، مولانا نانوتویؒ اور شیخ الہندؒ اسی کے قائل ہیں۔

(۴) بقولِ علامہ تھانویؒ کبائر کی تعریف میں سب سے جامع قول شیخ الاسلام بارزیؒ کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :"کل ذنبٍ قُرِن بوعيدٍ أو حدٍّ أو لَعنٍ بنصِّ كتابٍ أو سُنّةٍ أو عُلِم أنّ مفسدتَه كمفسدةِ ما قُرِن بوعيدٍ أو حدٍّ أو لعنٍ أو أكثرَ من مفسدتِها أو أشعرَ بتهاونٍ فهو كبيرةٌ وإلّا فصغيرةٌ" یعنی جس گناہ پر وعید یا حد یا لعنت آئی ہو یا اس گناہ میں مفسدہ کسی ایسے ہی گناہ کے مفسدے کے برابر یا زیادہ ہو یا وہ گناہ دین کو حقیر سمجھتے ہوئے کیا جائے تو وہ کبیرہ ہے ورنہ صغیرہ۔ لیکن اصرار سے صغیرہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے۔

"الفصل الاوّل"

سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟:

٤٤ ـ عن عبدالله بن مسعودؓ قال: قال رجلٌ: يا رسولَ الله! أيّ الذنبِ أكبرُ عند الله ؟قال: أن تدعوَ للهِ نِدًّا وهو خلقَكَ ،قال: ثمّ أيّ ؟ قال: أن تقتلَ ولدَك خشيةَ أن يطعمَ معكَ قال: ثمّ أيّ ؟قال: أن تزني حليلةَ جارِك ؛فأنزلَ اللهُ تصديقَها:"والذين لايدعُون معَ اللهِ الٰهًا آخر ولايقتلونَ النفسَ الّتي حرّمَ اللهُ الابالحقّ ولايزنون."الآية.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ! اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا: یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اس شخص نے پوچھا کہ پھر کونسا گناہ؟ فرمایا: یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا۔ اس نے پوچھا پھر کونسا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا: یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ اس ارشاد کی تصدیق میں اللہ نے آیت اتاری: والّذين لايدعون مع الله إلهاً آخر ولايقتلون ...." [ترجمہ] "اور جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہیں پکارتے اور اس جان کو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں"۔ (الفرقان)۔ (متفق علیہ)

حالات سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ : آپؓ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن الھذلی ہے، ابن مسعود سے آپؓ کی شہرت ہے، ذوہجرتین ہیں، غزوہ بدر اوراس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے، آپؓ آنحضرت ﷺ کے مقرب، رازداراور خدمتگار تھے، سفر میں آنحضرت ﷺ کی مسواک، نعلین مبارک اور وضوکا پانی آپؓ ہی اٹھاتے تھے، حضور ﷺ نے آپؓ کے حق میں قرآن، حدیث، فقہ اور سیادت وامارت کی دعا فرمائی تھی، آپؓ مذہبِ حنفی کے اصل الاصول ہیں۔ ۳۲ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، حضرت عثمانؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔ آپؓ سے پانچ سواڑتالیس احادیث مروی ہیں۔

تشریح: قوله: أن تدعو لله ندًّاوهو خلقكَ... :۔ " نِدّ "نون کے کسرہ کے ساتھ مثل کے معنی میں ہے۔ بقول شیخ دہلویؒ " نِد " وہ ہے جوذات وصفات میں مشابہ ہواوراحکام وافعال میں مخالف ہواور جوذات وصفات میں بھی مخالف ہواور افعال واحکام میں بھی وہ " ضِد " کہلاتا ہے اوراللہ تعالیٰ [ند] سے بھی پاک ہے اور [ضد] سے بھی، پس کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا اکبرالکبائر ہے جوایک ایسا گناہ ہے جسے اللہ کبھی معاف نہیں فرماتا برخلاف دوسرے گناہوں کے۔" وهـو خـلـقـك "کا جملہ حالیہ ہے اور یہ قید غایتِ شناعت وقباحت بیان کرنے کے لئے لائی گئی ہے۔

قوله: أن تَـقتُلَ و لدَكَ خشيةَ أن يطعَم معكَ: قتلِ ولد مطلقا ناجائز ہے" خشية أن يطعم معك " کی قید شدتِ شناعت کے لئے لگائی، کیونکہ اس نقطۂ نظر سے اپنی اولاد کو قتل کرنے والا گویا اللہ کی رزّاقیت کا قائل نہیں ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ قید احترازی نہیں بلکہ بیان واقعہ کے لئے ہے کیونکہ اہلِ عرب اسی خوف سے اولاد کو قتل کیا کرتے تھے جیسا کہ وہ بچیوں کو باعثِ عار سمجھ کر قتل کرتے تھے۔

قوله: أن تزني حليلةَ جارِكَ :۔[حليلة] بیوی کو کہا جاتا ہے یہ لفظ یا تو" حِلّ "بمعنیٰ حلالٌ سے ماخوذ ہے اور یا" حُلولٌ "سے، کیونکہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے حلال بھی ہے اور ہرایک کا دوسرے میں حلول بھی ہے۔ یوں تو زنا مطلقاً کبیرہ گناہ ہے اوراس پر سخت سزا مقرر ہے لیکن پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے میں حقِ جوار کا ضیاع بھی ہے اور ہمسایہ کے ساتھ خیانت بھی، تو گویا یہ زیادہ شنیع وقبیح ہے۔

اکبرالکبائر (سب سے بڑے گناہ):

۴۵۔وعن عبدالله بن عمروؓ قال: قال رسول الله ﷺ: أكبر الكبائر الإشراكُ بالله وعقوقُ الوالدينِ وقتلُ النفسِ واليمينُ الغموسُ .[رواه البخاري] وفي روايةِ أنسٍ :"وشهادةُ الزُّور"بدل "اليمين الغموس".[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑے گناہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا اور (ناحق) کسی کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا ہے۔ (بخاری) ایک روایت میں جھوٹی قسم کھانے کی بجائے جھوٹی گواہی دینے کا ذکر ہے۔

کبائر کی تعداد:

تشریح: قوله: أكبر الكبائر الإشراك بالله... :۔ مختلف احادیث میں کبائر کی تعداد مختلف مروی ہے، کسی میں 'سات' کسی میں 'نو' کہیں 'گیارہ' اور کہیں 'ستر' حتیٰ کہ 'سات سو' بھی مروی ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ احادیث میں کبائر کی جو تعداد مروی ہے اس سے حصر مقصود نہیں بلکہ وقت کے تقاضا کے مطابق خاص عدد مذکور ہوتا ہے یعنی کسی وقت تقاضا کسی خاص عدد کا ہوتا ہے اور کسی وقت دوسرے عدد کا۔

عقوقِ والدین:

قولہ: وعقوق الوالدین:۔"عقوق" عقٌ بمعنیٰ شق کرنا،قطع کرنا سے ماٗخوذ ہے۔عقوق سے مراد ایسی ایذا ہے جو عرفاً وعادتاً والدین اولاد سے گوارہ نہ کرتے ہو یا ایسے امور میں والدین کی نافرمانی مراد ہے جو شرعاً معصیت نہ ہو۔ چونکہ نافرمانی اور ایذا رسانی صلہ رحمی کو قطع کرتی ہے اس لئے اس کو عقوق کہا جاتا ہے۔

فائدہ: والدین کو کفر سے نکالنے کے لئے ایسی ایذا دینا جو ایمان کا سبب بنے،عقوق میں داخل نہیں،اجداد اور جدّات بھی والدین کے حکم میں ہے۔جس طرح والدین کو ایذا دینا حرام ہے اس طرح سے ان کی جانی و مالی خدمت کرنا بھی واجب ہے جبکہ اولاد خدمت پر قادر ہو اور والدین خدمت کے محتاج ہو۔والدین کے کہنے پر فرائض وواجبات کو ترک کرنا،محرّمات کا ارتکاب کرنا یا کسی کا حق تلف کرنا جائز نہیں اور سننِ مؤکدہ مثلاً: جماعت اور صومِ عرفہ ایک آدھ مرتبہ چھوڑ دینا جائز ہے البتہ مستحبات کا ترک والدین کے کہنے پر جائز ہے۔

یمین غموس میں کفارہ ہے یا نہیں؟:

قولہ: والیمینُ الغموس....:''یمین غموس'' یہ ہے کہ گذشتہ جھوٹی بات پر قصداً قسم اٹھائے مثلاً:''واللہ میں نے یہ کام نہیں کیا'' اور واقع میں کیا ہو۔غموس کا لغوی معنیٰ ہے''غوطہ دینے والی'' یہ بھی اپنے فاعل کو اوّلاً گناہ میں غوطہ دیتی ہے اور ثانیاً دوزخ میں غوطہ دے گی۔ احناف کے نزدیک اس میں فقط گناہ ہے اور عند الشوافع کفارہ بھی واجب ہے۔(نفحات،مرآۃ)

سات ہلاک کرنے والے گناہ:

٤٦ـوعن أبي هريرة قال: قال رسول اللهﷺ: اجتَنبوا السبعَ الموبقات،قالوا: يارسولَ الله! وماهنّ ؟قال: الشركُ بالله و السحرُ وقتلُ النفسِ الّتي حرَّمَ اللهُ الابالحقّ وأكلُ الربٰو وأكلُ مالِ اليتيم والتولّي يومَ الزَّحفِ وقذفُ المؤمناتِ الغافلاتِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی باتوں (گناہوں) سے بچو۔صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور جادو کرنا اور اس جان کو ناحق قتل کرنا جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور لڑائی کے دن (دشمن کو) پیٹھ دکھانا اور پاکدامن ایمان والی بے خبر عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔(متفق علیہ)

سحر کا معنیٰ،اس کی سات صورتیں اور اس کے احکام:

تشریح: قولہ: الشرك بالله والسحر ....:۔سحر کا معنیٰ ہے جادو۔جادو کرنا،کرانا،سیکھنا سکھانا سب گناہ کبیرہ اور فسق ہے۔اگر اس میں غیر اللہ کی عبادت ہو یا اُس کی نذر و نیاز ہو یا اس سے استمداد ہو یا اُس کی ایسی تعظیم ہو جیسا کہ اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے یا وہ کلماتِ کفریہ اور افعالِ شرکیہ پر مشتمل ہو یا جادو کو مؤثر بالذات سمجھا جائے تو یہ ساتوں صورتیں کفر و شرک ہیں۔

سحر کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں؟:

سحر کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں معتزلہ کا خیال یہ ہے کہ سحر ایک خیالی چیز ہے اس کی کوئی واقعی حقیقت نہیں۔

جبکہ جمہور اہلِ سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ سحر کی حقیقت ہے کتاب وسنت اس پر شاہد ہیں۔سحر کے ذریعہ سے جسم کا فساد، مزاج کی تبدیلی اور مختلف قسم کے امراض کا ظہور ہوتا ہے۔

معجزہ اور سحر میں فرق:

بعض لوگ معجزہ اور سحر کو ایک سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دونوں اپنی ماہیت، اپنے فاعل اور اپنی غایت ہر اعتبار سے ایک دوسرے سے ممتاز ہیں کیونکہ معجزہ کا صدور تضرع وابتہال اور کلماتِ طیبہ کی بدولت قدسی صفات پیغمبر کے ہاتھ پر ہوتا ہے، جس کی غرض وغایت معرفتِ رب اور نجاتِ آخرت ہوتی ہے۔جبکہ سحر کا صدور خبیث النفس ساحر سے کلماتِ شرکیہ، نفسی توجہ اور ارواحِ خبیثہ کی اعانت سے ہوتا ہے۔نیز معجزہ نبی کے اپنے ارادے کا تابع نہیں ہوتا کہ جب چاہے دکھادے، جبکہ سحر ساحر کے ارادے کے تابع ہوتا ہے۔

معجزہ، کرامت، ارہاص اور استدراج میں فرق:

یہاں معجزہ، کرامت، ارہاص اور استدراج میں فرق ذکر کیا جاتا ہے۔چنانچہ ''معجزہ'' پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والی خرق عادت بات کو کہتے ہیں جس میں تحدی (یعنی مقابلہ کی دعوت) ہوتی ہے اور ''کرامت'' بھی اگرچہ خرقِ عادت ہوتی ہے جو کہ متبع سنت اور پابندِ شریعت ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے لیکن اس میں تحدی نہیں ہوتی۔پیغمبرؑ سے جو خرقِ عادت بات نبوت ملنے سے پہلے ظاہر ہو اس کو ''ارہاص'' کہتے ہیں۔کسی کافر یا بے دین شخص کے ہاتھ پر جو خوارق ظاہر ہو اس کو ''استدراج'' کہتے ہیں۔

ربا کی تعریف اور اکلِ ربا کا معنیٰ:

قوله: وأكل الربا....: ۔ربا، کا لغوی معنیٰ مطلق زیادتی کا ہے اور شرعاً اُس زیادتی کو کہتے ہیں جس کو قرض دینے والا، قرض لینے والے سے اجل کے بدلہ میں وصول کرتا ہے: '' زيادةٌ يا خذُها المقرِض من المستقرض بدل الأجل ''۔''اکل ربا'' سے مراد تصرف اور استعمال ہے لیکن چونکہ مال کا بڑا فائدہ اکل (یعنی کھانا) ہے اس وجہ سے مطلق تصرف کو اکل سے تعبیر فرمایا، جس میں محاورے کی بھی رعایت ہے کہ عام طور پر کسی کا مال ناجائز طور پر استعمال کرنے کو کھانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یتیم کا مال کھانا:

قوله: و أكلُ مالِ اليتيم :۔مالِ یتیم کو ظلماً ہڑپ کرنا گناہ کبیرہ ہے، ہاں اگر یتیم کا ولی جو اس کے مال کی دیکھ بھال اور حفاظت پر مأمور ہو اگر تنگدست ومفلس ہے اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہیں تو معروف طریقہ سے اتنی مقدار یتیم کے مال سے لے سکتا ہے جس سے حوائج ضروریہ پورے ہو۔

میدان جنگ سے بھاگنا کب گناہ ہے؟:

قوله: والتولي يوم الزحف ....:۔'' زحف ''کا لغوی معنیٰ ہے سرین کے بل گھسٹنا، پھر اس کا اطلاق بڑے لشکر پر ہونے لگا جو کثرت کی وجہ سے آہستہ آہستہ حرکت کرے۔یہاں ''یوم الزحف '' سے مراد جنگ ہے۔جنگ سے منہ پھیر کر بھاگنا اس وقت گناہ کبیرہ ہے کہ جب ہر مسلمان کے مقابلے میں صرف دو یا دو سے کم کافر ہو لیکن اگر ہر مسلمان کے مقابلہ میں دو سے زیادہ کافر ہو تو پھر ''تَــوَلّـــی'' یعنی بھاگنے کی

رخصت ہے، ائمہ اربعہؒ کا اس پر اتفاق ہے۔

قذف المحصنات کا مطلب:

قوله: وقذفُ المحصناتِ المؤ مناتِ الغافلاتِ ...۔[قذف] کا لغوی معنیٰ ہے دور پھینکنا۔ پھر گالی دینے اور بہتان لگانے کے لئے بطورِ استعارہ بولا جانے لگا۔ "المحصنات" محصنةٌ کی جمع ہے، یہ احصان سے مشتق ہے اس کو بصیغہ اسمِ مفعول واسم فاعل دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے، یعنی وہ خواتین جن کی آبرو کو اللہ نے محفوظ کیا ہو یا وہ خواتین جو آبرو کی حفاظت کرنے والی ہوں۔ شریعت میں احصان دو قسم پر ہے:

(۱) احصان جس کا حدِ زنا میں اعتبار کیا گیا ہے، یہاں یہ مراد نہیں۔

(۲) احصان جس کا حدِ قذف یعنی تہمت زنا میں اعتبار کیا گیا ہے۔ اس جگہ یہی مراد ہے کہ جس پر تہمتِ زنا لگائی جا رہی ہے وہ عاقل بالغ، آزاد مسلمان ہو اور عفیف ہو، پہلے کبھی اس پر زنا کا ثبوت نہ ہوا ہو۔

فائدہ: مرد و عورت دونوں پر تہمت باندھنا گناہ کبیرہ ہے پھر بھی عورت کی تخصیص عادت اور موافقتِ آیت کی وجہ سے فرمائی۔ "غافلات" کنایہ ہے براءت سے یعنی وہ عورتیں جو زنا اور اس کے متعلقات سے قطعاً بے خبر ہوں۔ (نفحات)

زانی بوقتِ زنا مؤمن نہیں رہتا:

۴۷۔وعنه قال: قال رسول الله ﷺ:لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمنٌ ولايسرقُ السارقُ حينَ يسرِقُ وهومؤمنٌ ولايشربُ الخمرَ حينَ يشربُها وهومؤمنٌ ولاينتهبُ نُهبةً يرفعُ النّاسُ اليهِ فيها أبصارَهم حينَ ينتهِبُهاوهومؤمنٌ ولايغلُّ أحدُكم حين يغُلُّ وهومؤمنٌ فإيّاكم إيّاكم.[متفق عليه]وفي روايةِ ابنِ عباسؓ :ولايقتلُ حينَ يقتلُ وهومؤمنٌ قال: عِكرمة: قلتُ لابنِ عباسؓ: كيفَ يُنزَعُ الايمانُ منه؟قال: هكذا وشبّكَ بين أصابعه.وقال أبوعبدالله: لايكونُ هذامؤمنًا تامًّا ولايكونُ له نورُ الايمان.هذالفظ البخاري.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس وقت زانی زنا کرتا ہے اس وقت وہ مؤمن نہیں رہتا اور چور جس وقت چوری کرتا ہے اس وقت وہ مؤمن نہیں رہتا اور آدمی جس وقت شراب پیتا ہے اس وقت وہ مؤمن نہیں رہتا اور جس وقت وہ (اعلانیہ) چھینا جھپٹی کرتا ہے کہ لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف اٹھے (اور خوف کے مارے اسے کچھ کہہ نہ سکے) وہ مؤمن نہیں رہتا اور جو تم میں سے خیانت کرتا ہے وہ اس وقت مؤمن نہیں رہتا پس تم (ان گناہوں سے) بچو۔ ابن عباسؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: جس وقت قتل کرنے والا ناحق قتل کرتا ہے وہ مؤمن نہیں رہتا۔ عکرمہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ اس سے ایمان کیسے نکالا جاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس طرح اور (یہ کہہ کر) اپنے (دونوں ہاتھوں کی) انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کی اور پھر نکالی اور فرمایا کہ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو ایمان اس طرح واپس آجاتا ہے اور ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کر دیں۔ ابو عبداللہ (امام بخاریؒ) فرماتے ہیں کہ (مذکورہ بالا گناہوں کا مرتکب) کامل مومن نہیں ہوتا اور نہ اس کے لیے ایمان کا نور ہوتا ہے۔ (یہ بخاری کے الفاظ ہیں)

تشریح: قوله: لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمنٌ.... :۔ یہاں اس بات کا ذکر ہے کہ زنا، چوری وغیرہ گناہوں کے وقت آدمی مؤمن نہیں رہتا۔ اس سے بظاہر معتزلہ اور خوارج کی تائید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے، اس لیے اہلِ سنت والجماعت نے اس حدیث کی کئی توجیہات فرمائی ہے جو کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کے عین مطابق ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) یہ حدیث مستحل (ان گناہوں کو حلال سمجھنے والے) پر محمول ہے۔

(۲) یہ حدیث تشدید وتغلیظ اور زجر ووعید پر مشتمل ہے۔

(۳) اس حدیث میں ارتکابِ کبیرہ کے وقت خروج ایمان کا اثبات ہے نہ کہ دائمی طور پر خروج کا۔

(۴) مؤلفِ مشکوۃؒ نے امام بخاریؒ کی توجیہ کتاب میں نقل کی ہے کہ اس میں کمال ایمان اور نورِ ایمان کی نفی ہے نہ کہ نفسِ ایمان کی۔

(۵) ایمان کے بڑے شعبے (حیا) کی نفی مراد ہے۔

منافق کی تین علامتیں:

۴۸۔عن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: آیة المنافق ثلاثٌ [زاد مسلمٌ: وإن صامَ وصلّٰی وزعمَ أنّہٗ مسلمٌ]۔ثمّ اتفقا۔ اذاحدّثَ کذبَ واذاوعدَ أخلفَ واذااؤتُمِنَ خان. [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں: [مسلم نے یہ الفاظ بڑھائے ہیں]: ''اگر چہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں'' [پھر دونوں (بخاری ومسلم) متفق ہیں] جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: آیة المنافق ثلاثٌ..:۔ یہ اشکال نہ ہونا چاہیے کہ آیة پر ثلاث کا حمل کیسے درست ہے کیونکہ یہاں ''آیۃ'' سے جنس مراد ہے لہذا ثلاث کا حمل آیۃ پر درست ہے۔

قوله: وإذا وعد أخلف....:۔ وعدہ خلافی اس صورت میں نفاق کی علامت ہے جبکہ وعدہ کرتے وقت پورا کرنے کی نیت نہ ہو بلکہ اخلافِ وعد (وعدہ خلافی) کا ارادہ ہو لیکن اگر پورا کرنے کی نیت ہو اور بعد میں کسی مجبوری کی وجہ سے پورا نہ کر سکے تو یہ اخلافِ وعد کے حکم میں نہیں۔ اس حدیث میں منافق سے مراد منافقِ عملی ہے نہ کہ منافقِ اعتقادی۔ پس یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ یہ صفات تو مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے تو پھر منافق کی کیا تخصیص؟۔

چار باتیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے:

۴۹۔وعن عبداللہ بن عمروؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: أربع من کن فیه کان منافقاً ومَن کانتْ فیه خصلةٌ منھنّ کانتْ فیه خصلةٌ مِن النفاقِ حتیٰ یدعُھا اذااؤتُمِنَ خانَ واذاحدّثَ کذبَ واذاعاھدَ غدرَ واذاخاصمَ فجرَ. [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار باتیں جس میں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں کوئی ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک بات ہوگی یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے: جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے اور

جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو توڑے اور جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: أربع من كنّ فيه...:۔ پہلی حدیث میں علاماتِ نفاق تین بتائی گئی اور یہاں چار۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے آپ ﷺ کو تین کا علم دیا گیا اور پھر چار کا، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

قوله: كان منافقا خالصا...:۔ یہ کلام تشبیہ پر محمول ہے مطلب یہ ہوگا کہ جس میں جتنی خصلتیں نفاق کی پائی جائیں گی اتنا ہی وہ منافقین سے مشابہ ہوگا، چنانچہ علامہ نوویؒ ''كان منافقا خالصا'' کا مطلب ''كان شديدَ الشَّبهِ بالمنافقين'' بتاتے ہیں۔ بعض علماء نے یہاں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ چونکہ دین کا انحصار تین چیزوں پر ہے: (۱) قول (۲) فعل (۳) نیت۔ مذکورہ بالا حدیث میں کذب سے فسادِ قول پر، خیانت سے فسادِ فعل پر اور اخلافِ وعد سے فسادِ نیت پر متنبہ کیا جا رہا ہے۔

منافق کی مثال:

۵۰۔ وعن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: مثل المنافق كالشاة العائرةِ بين الغنمين تَعِيرُ إِلىٰ هذه مرةً والى هذه مرّةً.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان (نر کی تلاش میں) پھرتی ہے کبھی اس ریوڑ کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور کبھی دوسرے ریوڑ کی طرف۔ (مسلم)

تشریح: قوله: مثل المنافق كالشاة العائرة بين الغنمين تعيرُ إلىٰ هذه مرةً...:۔ العائرة، عار يعير عيرةً سے ماٴخوذ ہے جسکے معنیٰ ہے جانا، چکر لگانا، پھرنا۔ ''الشاة العائرة'' اس بکری کو کہتے ہیں جو اپنی شہوت پوری کرنے کے لئے کبھی ایک ریوڑ کی طرف جاتی ہے اور کبھی دوسرے ریوڑ کی طرف، اس کو ایک جانب قرار نہیں ہوتا۔ منافق کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ اپنے نفسانی اغراض کی تکمیل کے لئے کبھی مسلمانوں کی آغوش میں پناہ لیتا ہے اور کبھی کافروں کے پاس چلا جاتا ہے، اس کیفیت کو قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے: ''مذبذبين بين ذلك لا إلىٰ هؤلاء ولا إلىٰ هؤلاء'' نہ ادھر کے رہتے ہیں نہ ادھر کے۔ بکری کے ساتھ تشبیہ دینے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ منافق کی مردانگی سلب ہو جاتی ہے اور وہ بزدل ہوتا ہے۔ نفاق سے نفرت پیدا کرنے کے لئے یہ تشبیہ بہت موثر اور انتہائی بلیغ ہے۔ (نفحات)

''الفصل الثانی''

آیاتِ بینات (نو واضح احکام):

۵۱۔ عن صفوان بن عسالؓ قال: قال يهوديٌّ لصاحبه: اذهب بنا إلىٰ هذا النبيّ قال: لاتقلْ ''نبيٌّ'' فانّه لو سمعكَ لكان له أربعُ أعينٍ، فأتيا رسول الله ﷺ فسألاه عن اياتٍ بيّناتٍ فقال رسول الله ﷺ: لا تُشرِكوا باللهِ شيئًا ولا تَسرِقُوا ولاتَزنُوا ولاتقتلُوا النفسَ التي حرّمَ اللهُ الابالحقِّ ولاتَمشُوا ببريءٍ الىٰ ذِي سلطانٍ لِيقتلَه ولاتسحَرُوا ولاتأكلُوا الربٰوا ولاتقذِفُوا مُحصِنةً ولاتَولَّوُا الفِرار يومَ الزَّحفِ وعليكم خاصّةً اليهودَ أن لاتعتدُوا في السَّبتِ قال: فقبّلايديهِ ورِجليه وقالا: نشهدُ أنّك نبيٌّ قال: فمايمنعُكم أن تتبعُوني قالا: إنّ داوٗدَ عليه السلام دعا ربَّه أن لايزالَ مِن ذريّته نبيٌّ وإنّا نخافُ إن

تبِعْناكَ أن يقتلَنا اليهودُ .[ترمذی ،أبو داؤد،نسائی] .

ترجمہ: حضرت صفوان بن عسالؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ چلو اس نبی کی طرف چلتے ہیں۔اس کے ساتھی نے کہا: انہیں نبی مت کہو! کیونکہ اگر انہوں نے سن لیا (کہ یہودی بھی انہیں نبی کہتے ہیں) تو ان کی چار آنکھیں (خوشی کے مارے) ہو جائیں گی۔ پھر وہ دونوں نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے نو واضح احکام کے بارے میں پوچھا۔رسول اللہ ﷺ نے (جواب میں) فرمایا: کسی کو اللہ کا شریک مت ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، جس جان کو مارنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل مت کرو اور کسی (بے گناہ) کو قتل کرانے کے لیے حاکم کے پاس لے کر مت جاؤ، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ اور نہ کسی پاکدامن عورت کو زنا کی تہمت لگاؤ اور مت بھاگو (دشمن کے مقابلہ میں) لڑائی کے دن اور اے یہودیو! خاص طور سے تم پر واجب ہے کہ ہفتہ کے دن کے بارے میں (حکم الٰہی سے) تجاوز مت کرو۔راوی کہتا ہے کہ (یہ سن کر) ان دونوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پیر چوم لیے اور بولے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ واقعی نبی ہیں۔(اس پر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر کون سی چیز تمہیں میری اتباع سے روک رہی ہے؟ انہوں نے کہا کہ داؤدؑ نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبی ہوا کرے اور ہم اس سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم آپ کی اتباع کریں گے تو یہودی ہمیں قتل کر دیں گے۔(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

حالات حضرت صفوانؓ: آپؓ کا تعلق قبیلہ بنی مراد سے ہے، کوفہ میں اقامت اختیار کی، اہل کوفہ نے آپؓ کی احادیث حاصل کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں آپؓ نے وفات پائی۔

تشریح: قوله: لكـان لـه أربع أعين.....: ''آنکھوں کا چار ہونا'' کنایہ ہے نہایت خوشی سے، کیونکہ خوشی سے آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی ہے اور نگاہ تیز ہو جاتی ہے، جیسا کہ غم سے عالم تاریک اور دنیا اندھیر ہو جاتی ہے۔

آیاتِ بینات کا مطلب:

قوله: فسـألا ه عـن ايـاتٍ بيّـنـاتٍ فقال رسول الله ﷺ.لا تشركوا بالله شيئاً ولا تسرقوا.....: آیات بینات سے یا تو ''نو احکام'' مراد ہیں جو ہر ملت میں مشروع ہیں یا پھر موسیٰ علیہ السلام کے ''نو معجزات'' مراد ہیں۔بعض علماء کے قول کے مطابق قرانِ پاک میں حضرت موسیٰؑ کے تذکرہ کے ذیل میں سورۃ النمل اور سورۃ بنی اسرائیل میں ''تسع آیات'' کا ذکر ہوا ہے۔سورۃ النمل میں تسع آیات سے مراد درج ذیل ''معجزات تسعہ'' ہیں:

(۱) عصا (۲) ید بیضا (۳) قحط سالی (۴) نقصِ ثمرات (۵) طوفان (۶) جراد یعنی ٹڈیوں کا عذاب (۷) قُمّل یعنی چچڑی (۸) ضفادع یعنی مینڈک (۹) دم۔

جبکہ سورۃ بنی اسرائیل میں ''تسع آیات'' سے مراد ''احکامِ تسعہ'' ہیں اور مذکورہ حدیث میں اسی کا بیان ہے۔ جبکہ بعض علماء کے ہاں یہاں بینات سے مراد معجزات ہیں نہ کہ احکام۔اس صورت میں سوال و جواب میں مطابقت نہیں رہتی۔اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے معجزات تسعہ اور احکام تسعہ دونوں بیان فرمائے تھے چونکہ معجزات مشہور اور قرآن میں مذکور ہیں۔بنابریں راوی نے بطورِ اختصار

ان کوذکرنہیں کیااوراحکام تسعہ کوذکرکردیا۔

قولہ: وعلیکم خاصة الیھود....:۔ یہ دسواں حکم ہے جسے مزید افادہ کی غرض سے ذکرفرمایا، یہ حکم خاص یہود سے متعلق ہے۔ بقول علامہ طیبیؒ یہود کے پاس احکام منصوصہ دس تھے، نو میں تو وہ مسلمانوں کے ساتھ متفق تھے اور دسواں چونکہ ان کے ساتھ خاص تھا، اس لئے اس کو چھپانے کی کوشش کی اور نو کے بارہ میں سوال کیا۔ آپ علیہ السلام نے متفق علیہ احکام اور دسواں حکم جو مخصوص تھا یہود کے ساتھ، سب کو ذکر فرمایا تاکہ آپ علیہ السلام کے معجزہ و نبوت کا واضح ثبوت ہو۔

یہودیوں کا جھوٹ:

قولہ: إنّ داؤد دعا ربّه....:۔ آپ ﷺ کی پیروی سے بچنے کے لئے ان یہودیوں نے حضرت داؤد علیہ السلام پر جھوٹ باندھا کہ انہوں نے یہ دعا کی تھی کہ بنی اسرائیل میں سے ہمیشہ نبی آیا کرے گا۔ حالانکہ تورات و زبور اس پر شاہد و ناطق ہیں کہ بنو اسماعیل میں سے قبیلہ قریش کے ایک فرد حضرت محمد ﷺ ختم نبوت کا تاج سجا کر تشریف لائیں گے جو تمام ادیان کو منسوخ فرمادیں گے۔ اس کے ہوتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام یہ دعا کیسے کر سکتے تھے۔ (فتحات)

تین باتیں ایمان کی اصل ہیں:

۵۲۔ وعن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ثلثٌ من أصل الإيمان: الكفّ عمن قال: لا إله إلا الله لاتُكفّرُه بذنبٍ ولاتُخرجُه مِن الاسلام بعملٍ والجهاد ماضٍ مُذ بعثني اللهُ الیٰ أن يُقاتلَ آخرُ هذه الأمّةِ الدجّالَ لايُبطله جورُ جائرٍ ولاعدلُ عادلٍ والايمانُ بالأقدار. [أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین باتیں ایمان کی اصل ہیں: [۱] رُکنا (مخاصمت نہ کرنا) اُس شخص سے جو لا إله إلا الله کا اقرار کرے (یعنی) کسی گناہ کی وجہ سے اُسے کافر نہ کہو اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اُس کو اسلام سے نکالو [۲] اور جہاد میری بعثت سے لے کر اس وقت تک جاری رہے گا کہ میری امت کا آخری حصہ دجال سے لڑے، نہ کسی ظالم کا ظلم اسے ختم کر سکتا ہے اور نہ کسی عادل کا عدل [۳] اور تقدیر پر ایمان لانا۔ (ابوداؤد)

خوارج ومعتزلہ کی تردید:

تشریح: قولہ: لا تكفره بذنبٍ ولا تخرجه من الإسلام بعملٍ....:۔ "لا تکفّره" خطاب کے صیغہ کے ساتھ نہی ہے اور اگر "لا نُكفّره" متکلم کا صیغہ ہو تو مضارع منفی ہے، روایت دونوں طرح سے منقول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کافر کو جب تک کہ وہ اقرارِ توحید و رسالت نہیں کرتا نیک اعمال کی بنا پر مسلمان کہنا منع ہے اسی طرح مسلمان کلمہ گو کو اعمالِ بد کی بنا پر کافر کہنا بھی منع ہے۔ "لا تُكفّره بذنب" سے تو خوارج کی تردید ہوتی ہے جو ارتکاب کبیرہ پر آدمی کو کافر قرار دیتے ہیں اور "لا تخرجه من الإسلام بعمل" سے معتزلہ کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ گناہِ کبیرہ سے آدمی دین اسلام سے نکل جاتا ہے اگرچہ کافر نہیں ہوتا ہے، بلکہ کفر اور اسلام کے درمیان میں لٹکا رہ جاتا ہے کہ نہ تو وہ مومن رہتا ہے اور نہ کافر۔

قولہ:: والجهاد ماض....: ۔بظاہر اس کا ماقبل سے کوئی ربط معلوم نہیں ہوتا، لہذا شارحینِ حدیث نے مختلف توجیہات فرمائی ہیں، مثلاً: یہ کہ "الجهاد" خبر ہو مبتدا محذوف 'ثانیها' کی، نیز 'ماض' سے پہلے بھی 'هو' مبتدا کو محذوف مانا جائے، تقدیری عبارت یوں ہوگی کہ "ثانيها الجهاد وهو ماض'' ۔

قوله: إلىٰ أن يقاتل آخر هذه الأمة الدجال.. :۔[آخر هذه الأمة] سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مہدیؒ اور ان حضرات کے متبعین ہیں۔

جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اُس سے نکل جاتا ہے:

٥٣۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ:إذا زنى العبدخرج منه الإيمانُ فكانَ فوقَ رأسهِ كالظُّلّةِ فاذاخرجَ مِن ذلك العملِ رجع اليه الايمانُ.[ترمذی،أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اُس سے نکل جاتا ہے اور اس کے سر پر سائبان کی طرح چھا جاتا ہے پھر جب اس گناہ سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ جاتا ہے۔(ترمذی، ابوداؤد)

قوله: إذا زنى العبد خرج منه الإيمان..:۔"ایمان" سے مراد حیا ہے یا پھر نورِ ایمان و کمالِ ایمان اور یہ محض تمثیل ہے وعید کی شدت ظاہر کرنے کے لئے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مردانگی کے منافی کام کرنے پر مرد کو عار دلانے کے لئے یہ کہا جائے کہ اس کے اندر تو مردانگی نام کو نہیں، گویا یہاں پر بھی ایمان اور معصیتِ زنا میں منافات سمجھانے کے لئے یہ کہا جا رہا ہے کہ ایسے شخص میں تو گویا ایمان ہے ہی نہیں۔

"الفصل الثالث"

حضرت معاذؓ کو آنحضرت ﷺ کی دس وصیتیں:

٥٤۔عن معاذؓ قال: أوصاني رسول الله ﷺ بعشر كلمات ،قال: لا تشرك بالله شيئاً وإن قُتِلتَ وحُرِّقتَ ولاتعقَّنّ والديكَ وإن أمراكَ أن تخرُجَ مِن أهلكَ ومالِكَ ولاتتركنّ صلاةً مكتوبةً فانّ مَن تركَ صلوٰةً مكتوبةً متعمّدًا فقدْ برِئت منهُ ذمّةُ اللهِ ولاتشربنّ خمرًا فانّه رأسُ كلّ فاحشةٍ وإيّاك والمعصيةِ فإنّ بالمعصيةِ حلّ سخطُ اللهِ وإيّاك والفرارَ مِن الزّحفِ وإن هلكَ النّاسُ واذاأصابَ النّاسَ موتٌ وأنتَ فيهم فاثبُتْ وأنفِقْ علىٰ عيالكِ مِن طَوْلِك ولاترفعْ عنهم عصاكَ أدبًا وأخِفْهم في الله.

ترجمہ: حضرت معاذؓ راوی ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے دس باتوں کی وصیت فرمائی، چنانچہ فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تجھے قتل کیا جائے یا جلا دیا جائے اور والدین کی نافرمانی نہ کر اگرچہ وہ تمہیں حکم دیں کہ تو اپنے اہل (بیوی) اور مال کو چھوڑ دے اور فرض نماز جان بوجھ کر مت چھوڑو، کیونکہ جو جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑتا ہے اللہ کا ذمہ اس سے بری ہو جاتا ہے اور شراب مت پیو کیونکہ وہ تمام برائیوں کی جڑ ہے اور گناہ سے بچو کیونکہ گناہ کرنے سے اللہ کا غصہ اترتا ہے اور (جہاد میں) پیٹھ مت دکھاؤ اگرچہ سارے لوگ (ساتھی) مر جائے اور جب لوگوں میں موت (یعنی وبائی مرض) پھوٹ پڑے اور تو بھی ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہ اور اپنے اہل و عیال پر اپنی وسعت کے بقدر خرچ کر اور ان کی تادیب و اصلاح کی خاطر ان سے چھڑی مت ہٹا اور ان کو اللہ کے معاملہ میں ڈراتے رہو۔(احمد)

چاراحکامِ عزیمت:

تشریح: قولہ: أوصاني رسول الله ﷺ بعشر كلمات....:۔ اس حدیث کے درجِ ذیل چار احکام عزیمت واولویت پر مبنی ہیں:

(١)لا تُشرك بالله شياء وإن...   (٢) ولا تعقّن والدَيك وان أمراكَ ....

(٣) واياكَ والفرارَ من الزحفِ....   (٤) واذا اصاب الناس موت... ۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت معاذؓ کو آپ ﷺ نے مکرہ ہونے کی حالت میں بھی کلمہٗ کفر کہنے سے منع فرمایا حالانکہ مکرَہ (جس کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے) کے لئے ظاہری کفر کی رخصت ہے جبکہ دل ایمان پر مطمئن ہو۔ چنانچہ جب مکرہ کو اس بات کا غالب گمان ہو کہ دھمکی دینے والے کو دھمکی کے نفاذ پر پوری قدرت حاصل ہے تو وہ کلمہ کفر کہہ سکتا ہے۔

اسی طرح والدین کے حکم کے باوجود بیوی نہ چھوڑنے اور مال ہبہ نہ کرنے کی اجازت ورخصت ہے لیکن اگر والدین کسی شرعی سبب سے طلاق دینے کا حکم کریں تو تعمیل ضروری ہے ہاں جب کوئی شرعی سبب نہ ہو اور بیوی کو طلاق دینے سے بیٹے کا حرج ہو اور فتنہ میں گرفتار ہونے کا اندیشہ ہو تو بیٹا طلاق نہ دینے میں معذور سمجھا جائے گا۔

اسی طرح اگر ہر مسلمان کے مقابلہ میں دو سے زیادہ کافر ہوں تو فرار کی رخصت ہے، لیکن ڈٹ جانا عزیمت ہے۔ ایسے ہی محلِ وبا سے ضرورت یا احتیاط کی بنا پر نکلنے کی اجازت ہے۔

عمداً نماز ترک کرنے والے کا کیا حکم ہے؟:

قولہ: من ترك صلاةً مكتوبةً متعمدًا فقد برئت منه ذمة الله...:۔ مطلب یہ ہے کہ عمداً نماز ترک کرنے سے آدمی اللہ کے عہدِ امان میں نہیں رہتا بلکہ دنیا میں تعزیر وملامت اور آخرت میں عذاب کا مستحق قرار پاتا ہے۔ چنانچہ جو شخص نماز کو عمداً (یعنی جان بوجھ کر) ترک کرتا ہو، ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں اسلامی حکومت اُس کو قتل کرے گی۔ پھر امام مالکؒ وامام شافعیؒ کے ہاں تو ایسے شخص کو قتل کرنا بطورِ حد وتعزیر کے ہے اور امام احمدؒ کے ہاں بطورِ ارتداد کے ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں ایسا شخص تادمِ مرگ قید کیا جائے گا الاّ یہ کہ وہ ترکِ صلوٰۃ سے تائب ہو کر آئندہ کے لئے ادائے صلوٰۃ کا عہد کرے تو پھر چھوڑ دیا جائے گا۔

اعتقادی نفاق (کا حکم) تو عہدِ رسالت میں تھا:

٥٥۔وعن حذيفةؓ قال: إنما النفاقُ كا ن علىٰ عهد رسول الله ﷺ فأمّا اليومُ فانّماهوالكفرُ أوِ الايمانُ.[بخاری]

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ نفاق (کا حکم) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا، لہٰذا آج (اب) تو یا کفر ہوگا یا ایمان۔ (بخاری)

حالات حضرت حُذیفہؓ: ان کے والد کا نام حُسیل اور لقب یمان ہے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ عبسی اور لقب صاحب السر ہے، کیونکہ حذیفہ حضور ﷺ کے رازدان تھے، حضور ﷺ زیادہ تر آپؓ ہی کو راز کی باتوں خصوصاً فتن وحوادث کی خبر دیا کرتے۔ ۳۵ھ میں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے چالیس روز بعد مدائن میں آپؓ کا انتقال ہوا۔

تشریح: قوله: إنما النفاق كان على عهد رسول الله ﷺ....: ۔مطلب یہ ہے کہ نفاقِ اعتقادی پر اطلاع عہدِ رسالت میں بذریعہ وحی ہوا کرتی تھی، اب چونکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے لہذا کوئی بھی شخص یا تو مؤمن ہوگا یا کافر نہ کہ منافق ۔لہذا اگر کسی شخص کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ درحقیقت کافر ہے اور از راہِ نفاق مسلمان بنا ہوا ہے تو اس پر کافروں والا حکم جاری ہوگا یعنی وہ مباح الدم ہوگا اور اس کا مال بھی مباح ہوگا عہدِ رسالت کے منافقین کا حکم یعنی مباح الدم نہ ہونے کا حکم ان پر جاری نہ ہوگا۔

عہدِ رسالت میں منافقین کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک کرنے کے مصالح:

عہدرسالت میں باوجود اس کے کہ منافقین کا علم تھا پھر بھی چند مصالح کی وجہ سے ان پر مسلمانوں والے احکام جاری کئے جاتے تھے۔من جملہ اُن مصالح کے یہ ہیں:

(۱) لوگ منافقین کو مسلمان سمجھتے تھے اگر ان کو قتل کیا جاتا تو ممکن تھا کہ لوگ یہ کہتے کہ محمد (ﷺ) تو اپنے ساتھیوں کو بھی بے دریغ قتل کرتا ہے۔

(۲) کفار پر رعب ڈالنے کے لئے مسلمانوں کی ظاہری کثرت مطلوب تھی۔

(۳) ممکن تھا کہ آنحضرت ﷺ کے حسنِ معاشرت اور صحابہ کی نیک سیرتی سے وہ منافق کفرونفاق سے تائب ہو کر پکے مسلمان بن جاتے۔

(بابٌ فی الوسوسةِ)

وسوسہ کی تعریف، اقسام واحکام:

"وسوسة" مصدر ہے۔لغت میں صوتِ خفی یعنی پست آواز کو اور اصطلاح شریعت میں برے فکر و خیال کو وسوسہ کہا جاتا ہے، اس کی جمع وساوس آتی ہے اگر ایک ہی گناہ کا وسوسہ بار بار آئے تو یہ "نفسانی" ہے اور اگر مختلف گناہوں کے خیالات بدل بدل کر آئے تو "شیطانی"۔ وسوسے کا حکم یہ ہے کہ اگر غیر ارادی اور غیر اختیاری طور پر آئے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، لیکن اگر اپنے ارادے اور اختیار سے وساوس لائے جائے یا غیر اختیاری وساوس میں غور وفکر کیا جاوے تو اس پر مواخذہ ہوگا۔

وسوسہ کے برعکس اچھے خیال کو "الہام" کہتے ہیں۔انبیاء علیہم السلام کا الہام چونکہ وحی کی ایک قسم ہے، لہذا صحیح اور قطعی حجت ہے اور غیر نبی کا الہام قطعی وصحیح حجت نہیں بلکہ اس میں غلطی کا احتمال بھی ہوتا ہے۔

دل میں پانچ قسم کے خیالات آتے ہیں:

(۱) هاجس : کوئی خیال جو یکا یک آئے اور بغیر ٹھہرے نکل جائے۔

(۲) خاطر : وہ خیال جو پیدا ہونے کے بعد کچھ توقف کرے اور پھر دور ہو جائے۔

(۳) حديث النفس : وہ خیال جو بعد قرار پانے کے کچھ تردّد بھی پیدا کر دے لیکن کسی جانب کو ترجیح نہ ہو۔

(٤) همّ : اگر تردّد کے بعد کسی جانب کو ادنیٰ سی ترجیح ہو جائے۔

(۵) عزم بالجزم : بعد تردّد کے کسی جانب کو قوی ترجیح حاصل ہو جائے اور پختہ ارادہ کرنے یا نہ کرنے کا ہو جائے تو یہ عزم بالجزم ہے۔
پچھلی امتوں کا صرف ''ہاجس'' پر مواخذہ نہیں تھا، باقی وسوسہ کے چاروں درجات پر مواخذہ تھا اور اس امت کے ساتھ خصوصی لطف وکرم کا معاملہ ہے کہ عزم بالجزم کے ماسوا قصد وارادہ کے چاروں مراتب پر کوئی مواخذہ نہیں، البتہ عزم اگر گناہ کا ہو تو اس پر عذاب اور اگر نیکی کا ہو تو اس پر ثواب ہوگا۔ جمہور محدثین وفقہاء کا یہی مذہب ہے برخلاف بعض حضرات کے کہ جن کے ہاں عزمِ معصیت پر بھی مواخذہ نہیں ہوگا۔ (نفحات، مرآۃ)

''الفصل الاوّل''

وسوسہ معاف ہے جب تک اُس پر عمل نہ کیا جائے:

۵۶۔عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ:إن الله تجاوز عن أمتی ما وسوستْ به صدورُها مالم تعمَلْ به أو تتكلّمْ.
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے معاف فرما دیا ہے ان وسوسوں کو جو میری امت (کے لوگوں) کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں، جب تک وہ ان وسوسوں پر عمل نہ کریں یا اس کو زبان پر نہ لائیں۔ (متفق علیہ)

کن وساوس پر مؤاخذہ ہوتا ہے؟:

تشریح: قوله: مالم تعمل به أو تتكلم ...۔وساوس کا تعلق یا تو برے اعمال مثلاً: قتل زنا وغیرہ سے ہوگا یا برے اقوال مثلاً: جھوٹ، غیبت، چغلی وغیرہ سے، دونوں قسم کے وساوس میں ازروئے اس حدیث کے کوئی مواخذہ نہیں۔ البتہ غلط عقائد مثلاً، شرک یا عقیدۂ انکارِ ختم نبوت وغیرہ یا وہ برے اخلاق جن کا محل صرف قلب ہے ان میں بلا قول و بلا عمل صرف استقرارِ وسوسہ کی صورت میں بھی مواخذہ ہوگا۔

وساوس آنا اور اُس کو گراں سمجھنا صریح ایمان ہے:

۵۷۔وعنه قال: جاء ناسٌ من أصحاب رسول اللهﷺ إلى النبی ﷺ فسألوه :إنّا نجدُ فی أنفسنا مایتعاظمُ أحدُنا أن یتكلمَ به قال: أوَ قدْ وجدتُموه ؟قالوا: نعم! قال: ذاكَ صریحُ الایمانِ.[مسلم]
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ چند اصحاب رسول ﷺ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم اپنے دلوں میں ایسی باتیں (وسوسے) پاتے ہیں جن کا زبان پر لانا بھی ہم میں سے ہر ایک بہت برا سمجھتا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم واقعی ایسی ناگواری پاتے ہو صحابہؓ نے عرض کیا: جی ہاں! تب آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو صریح ایمان ہے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: أوقد وجد تموه...۔اس کی تقدیری عبارت یہ ہے: ''أحصَل ذلك الشیء وقد وجدتم تعاظمه'' یعنی'' وسوسہ پیدا ہوا اور تم لوگوں کو وہ بڑا بوجھل اور گراں محسوس ہوا''۔ ''ذاك صریح الإیمان'' ذاک، اسم اشارہ ہے اس کا مشارالیہ یا تو ''تعاظم'' مصدر ہے جو ''یتعاظم'' کے ضمن میں آیا ہے، مطلب یہ ہوگا کہ ان وساوس کو گراں اور بڑا سمجھنا صریح ایمان کی دلیل ہے۔ یا پھر مشارالیہ ''وساوس'' ہے کہ اس کا آنا ہی ایمان کی علامت ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ سے شیطان دولتِ ایمان پر ڈاکہ ڈالتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ

چور خالی گھر میں نقب نہیں لگاتا تو جس دل میں ایمان ہوگا شیطان اسی میں وسوسہ ڈالے گا۔ (نفحات، تحفۃ المرآۃ)

یہ وسوسہ کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟:

۵۸۔وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: يأتي الشيطٰن أحدَكم فيقول: مَنْ خلقَ كذا؟ مَن خلقَ كذا؟ حتىٰ يقولَ :مَن خلقَ ربّكَ؟ فاذابلغَه فلْيَستَعِذْ بالله ولينْتَهِ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی، فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ یہاں تک کہ پھر وہ یہ کہتا ہے کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب بات (وسوسہ) یہاں تک پہنچ جائے تو اس شخص کو چاہیے کہ اللہ کی پناہ مانگے اور اس سلسلہ کو ختم کردے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: حتّٰی يقول: من خلق ربّك فإذا بلغه فليستعذ بالله ولينته .....:۔یعنی جب وسوسہ اس حد تک پہنچ جائے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ تو ''أعوذ بالله '' پڑھ کر اس وسوسہ کو جھٹک دے، استدلال میں نہ پڑے ورنہ خوامخواہ پریشان ہوگا۔ اسی طرح غور وفکر سے باز آجائے اور کسی کام میں مشغول ہوجائے یا کم از کم مجلس و ہیئت بدل دے۔ ویسے اس سوال یعنی رب کو کس نے پیدا کیا؟ کا جواب یہ ہے کہ خالق کے لئے بھی اگر کوئی خالق ہو تو تسلسل لازم آئے گا جو باطل ہے اور مستلزم باطل خود باطل ہے لہذا یہ سوال ہی غلط ہے۔

۵۹۔وعنه قال :قال رسول الله ﷺ:لا يزال الناس يتسائلون حتّٰى يقال: هذا خلقَ اللهُ الخلقَ،فمَن خلقَ اللهَ ،فمَن وجدَ مِن ذٰلك شيئاً فليقُلْ امنتُ باللّٰه ورُسله .[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ ہمیشہ آپس میں (مخلوقات وغیرہ کے بارے میں) پوچھتے رہیں گے، یہاں تک کہ کہا جائے گا (وسوسہ آئے گا) کہ اس تمام مخلوق کو تو اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ سو جو شخص اس قسم کا وسوسہ (دل میں) پائے تو وہ یہ کہے کہ میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: فليقل امنت باللّٰه ورُسله ... :۔بطورِ تسلی ودفعِ وسوسہ کے یہ الفاظ کہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں نے جو کچھ ذات و صفات کے متعلق بیان کیا ہے اس پر ایمان لایا ہوں۔

آپ ﷺ کا شیطان سے محفوظ رہنا:

۶۰۔وعن ابن مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ:ما منكم من أحدٍ إلا وقدْ وُكِّلَ به قرينه من الجنّ وقرينُه مِن الملائكة قالوا: وإيّاكَ يارسولَ الله! قال: وإيّايَ ولكنّ الله أعانني عليه فأسلَمَ فلايأمُرُني الاّ بخير.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے ساتھ ایک ہمنشین جنات میں سے اور ایک ہمنشین فرشتوں میں سے مقرر نہ کیا گیا ہو۔ صحابہؓ نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ (ﷺ) کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی، لیکن اللہ نے اس جن کے خلاف میری مدد فرمائی اس لیے میں اس (کے مکر وفریب) سے محفوظ رہتا ہوں پس وہ مجھے بھلائی کا مشورہ ہی دیتا ہے۔ (مسلم)

تشریح: قولہ: وقد وُکّل بہ قرینُہ من الجنّ.....:۔"قرین" ایسے ساتھی کو کہتے ہیں جو ہر وقت ساتھ رہے۔"جنّ" سے مراد شیطان ہے جس کا نام "اہرمن" یا "وسواس" ہے جو برائی کا خیال ڈالتا ہے۔

قولہ: ولکنّ اللہ أعاننی علیہ فأسلم...:۔[أسلم] میں دو روایتیں ہیں:

(۱) یہ کہ "أسلَمَ" صیغہ واحد مذکر غائب از باب افعال ہو، بعض علماء کے ہاں یہی راجح ہے، اگلا جملہ اس کا مؤید ہے جو بصیغہ غائب ہے۔ پھر ان علماء میں قاضی عیاضؒ وعلامہ تورپشتیؒ وغیرہ حضرات نے اس کا لغوی معنیٰ یعنی انقیاد واطاعت مراد لیا ہے۔

(۲) یہ کہ باب "سمع یسمع" کے مصدر سلامۃ سے واحد متکلم فعل مضارع کا صیغہ ہو، یعنی "میں محفوظ رہتا ہوں"۔ یہ علامہ خطابیؒ کا قول ہے۔

شیطان خون کی مانند انسان کی رگوں میں دوڑتا ہے:

۶۱۔وعن أنسؓ قال: قال رسول اللہﷺ: إنّ الشیطٰنَ یجرِی من الإنسانِ مَجرَی الدَّمِ.[متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: شیطان انسان کے اندر خون کی گردش کی طرح دوڑتا ہے۔(متفق علیہ)

تشریح: "مجری الدم" میں درج ذیل دو احتمال ہیں:

(۱) "مجریٰ" مصدر میمی ہو اور کاف حرف تشبیہ محذوف ہو، مطلب ہوگا کہ جس طرح خون کی گردش غیر محسوس ہوتی ہے اسی طرح شیطان انسان کو اپنے دام میں پھنسانے کے لئے غیر محسوس انداز میں وار کرتا ہے اور جیسے خون سارے بدن انسانی کو محیط ہے ایسے ہی شیطان انسان کو ہر طرف سے گھیرے میں رکھتا ہے۔

(۲) "مجریٰ" اسم ظرف ہو، پھر چاہے ظرف مکان ہو یا زمان۔ظرف مکان کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بوجہ لطافتِ جسم، شیطان انسان کے خون دوڑنے کی جگہوں یعنی رگوں میں دوڑتا ہے تاکہ وساوس کے انجکشن لگائے۔ظرف زمان ہونے کی صورت میں یہ معنیٰ ہوگا کہ شیطان اس وقت تک انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتا جب تک کہ اس کے بدن میں خون گردش کرتا رہے یعنی وہ زندہ ہو۔(نفحات، مرآۃ)

ولادت کے وقت بچے کے چیخنے کا سبب:

۶۲۔وعن أبی ہریرۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ما من بنی ادم مولودٌ إلا یمسّہ الشیطانُ حین یولدُ فیستھلُّ صارخًا مِن مَسّ الشیطٰن غیرَ مریمَ و ابنِھا.[متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: بنی آدم میں سے ہر بچے کو پیدا ہوتے وقت شیطان چھوتا ہے جس کی وجہ سے وہ چیخ اٹھتا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے۔(متفق علیہ)

تشریح: قولہ: مامن بنی آدم مولودٌ إلا یمسّہ الشیطان...:۔مسِ شیطان سے بظاہر "حسی مس" (چھونا) مراد ہے البتہ بعض علماء کے ہاں اس سے مراد "وسوسہ" ہے۔راجح پہلی بات ہے۔

قولہ: فیستھلّ صارخًا من مسّ الشیطٰن غیر مریم و ابنِھا:۔ یہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی جزوی فضیلت ہے جس سے آنحضرتﷺ کی فضیلتِ کلی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث کے عمومی مضمون میں آپﷺ داخل ہی نہیں بلکہ

آپ ﷺ اپنے سوا دوسرے انسانوں کا حال بتا رہے ہیں۔ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی یہ خصوصیت حضرت مریمؑ کی والدہ ماجدہ حضرت حنہ بنت فاقوذ ؒ کی اس دعا کا ثمرہ تھا کہ ''إنی أعیذُها بكَ و ذریتَها من الشیطن الرجیم ''یعنی'' اے اللہ! میں اس نومولود بچی اور اس کی ذریت کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں''۔

٦٣۔وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: صیاحُ المولودِ حینَ یقعُ نَزغةٌ مِن الشیطان.[متفق علیه]

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولادت کے وقت بچے کا رونا شیطان کے کچوکے لگانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ابلیس کا دربار:

٦٤۔وعن جابرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ إبلیس یضع عرشه علی الماءِ ثمّ یبعثُ سرایاه یفتنونَ النّاسَ فأدناهم منه منزلةً أعظمُهم فتنةً یجیُٔ أحدُهم فیقولُ :فعلتُ کذاو کذا ،فیقول: ماصنعتَ شیئاً ،قال: ثمّ یجیُٔ أحدُهم فیقولُ :ماترکتُه حتیٰ فرّقتُ بینهُ و بینَ امرأتِه ،قال: فیُدنیه منه ویقولُ: نعمَ أنتَ .قال الأعمشُ: أراه قال:فیلتزمُه.[مسلم]

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابلیس اپنا تخت پانی (سمندر) پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو لوگوں کے گمراہ کرنے کے لیے بھیجتا ہے۔ ان میں ابلیس کا سب سے زیادہ مقرب وہ ہوتا ہے جو سب سے بڑا فتنہ پرداز ہو۔ ان میں سے ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے ایسا کیا، ایسا کیا (فتنے پیدا کیے) ابلیس کہتا ہے تو نے تو کچھ نہیں کیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر ایک شیطان آکر کہتا ہے میں نے اس (یعنی بندہ) کو اس وقت تک نہیں چھوڑا حتیٰ کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دی۔ راوی کہتا ہے کہ پھر ابلیس اس شیطان کو اپنے قریب کر کے اس سے کہتا ہے کہ تو نے بڑا اچھا کام کیا۔ اعمش (حدیث کا ایک راوی) کہتا ہے میرے خیال میں جابرؓ نے کہا کہ ابلیس اسے گلے لگا لیتا ہے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: یضع عرشه علی الماء ....: اس میں (پانی پر عرش رکھنے میں) درج ذیل دو احتمال ہیں:

(۱) یہ حقیقت پر محمول ہے کہ شیطان ظاہری طور پر اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ مجازاً کنایہ ہے کمال تسلط سے۔

میاں بیوی میں تفریق کی تین شیطانی صورتیں:

قوله: حتی فرّقتُ بینه و بین امرأتِه ....: ''تفریق بین الزوجین'' (میاں بیوی میں جدائی) کی تین صورتیں ہیں:

(۱) کبھی شیطان شوہر کے منہ سے ایسے کلمات نکلوا دیتا ہے جس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنی سابقہ منکوحہ سے نکاح والا تعلق برقرار رکھتا ہے جس سے ولد الزنا (حرامی اولاد) کی کثرت ہوتی ہے جن کے لئے فضائل کا حاصل کرنا اور ایک اچھا انسان بننا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔

(۲) کبھی شوہر اور بیوی میں کشیدگی اور ناراضگی پیدا کر کے دونوں میں تفریق ڈال دیتا ہے کہ نہ تو شوہر طلاق دیتا ہے اور نہ بیوی شوہر کا گھر بساتی ہے۔

(۳) کبھی طلاق دلوا کر بیوی کو شوہر سے جدا کر دیتا ہے جس سے دونوں خاندانوں میں باہمی تصادم کی فضا بن جاتی ہے مزید یہ کہ زنا کاری میں ابتلا ہو جاتا ہے۔

مشاجرتِ صحابہ کی پیشن گوئی:

٦٥۔وعنه قال: قال رسول اللهﷺ: إنّ الشيطٰن قد أَيِسَ مِن أن يَعبُدَه المصلّونَ فی جزيرةِ العربِ ولکنْ فی التحريشِ بينهم.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا: شیطان اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ جزیرہ عرب میں نمازی (مسلمان) اس کی عبادت کریں، لیکن ان کے درمیان فتنہ فساد پھیلانے سے مایوس نہیں ہوا۔(مسلم)

تشریح: قوله: مَن أن يعبده المصلّون.....:۔''عبادتِ شیطانی'' سے مراد بت پرستی ہے، جیسا کہ اس ارشاد باری میں جو ابراہیم علیہ السلام کی حکایت کرتا ہے''يا أبتِ لا تعبدِ الشيطٰنَ''پس یہ اشکال ہی نہ ہوگا کہ بعض عرب قبائل تو آپﷺ کی وفات کے ساتھ ہی مرتد ہو گئے تھے کیونکہ ان قبائل کا ارتداد بت پرستی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ مسلیمہ کذاب کی پیروی اور انکارِ زکوٰۃ کی وجہ سے تھا۔

قوله: المصلون...:۔مراد اہلِ ایمان ہیں نماز کے افضل العبادات اور علامتِ ایمان ہونے کی وجہ سے اس کو اختیار کیا۔

قوله: ولکنْ فی التحريش بينهم...:۔''تحریش'' کا معنیٰ ہے ایک کو دوسرے کے خلاف ابھارنا، ورغلانا۔اس حدیث میں مشاجرتِ صحابہؓ کی پیشن گوئی ہے۔ (مرآۃ)

''الفصل الثانی''

شیطان کو وسوسہ ڈالنے سے زیادہ طاقت نہیں دی گئی:

٦٦۔عن ابن عباسؓ أنّ النبی ﷺ جاءه رجلٌ ،فقال: إنی أحدّثُ نفسی بالشیءِ لأن أکونَ حَمَمةً أحبُّ الیّ مِن أن أتکلّمَ به قال: الحمدلله الذی ردّ أمرَهٗ الی الوسوسةِ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ راوی ہے کہ نبی پاکﷺ کے پاس ایک آدمی آیا، کہنے لگا کہ میں اپنے دل میں کچھ بات (براوسوسہ) پاتا ہوں کہ اس بات کو زبان پر لانے سے میں یہ زیادہ پسند کرتا ہوں کہ کوئلہ ہو جاؤں۔آپﷺ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اس شخص کے معاملہ کو وسوسہ کی حد تک رکھا۔(ابوداؤد)

تشریح: قوله: إنی أحدث نفسی ....:۔یعنی میں دل میں سوچتا ہوں، مجھے وسوسے آتے ہیں۔

قوله: الحمد لله الذی ردّ أمرَه إلی الوسوسة :۔ [أمره] کی ضمیر کا مرجع یا تو ''شیطان'' ہے جو کلام سابق میں ضمناً مذکور ہے، اس صورت میں ''امر'' بمعنیٰ حکم ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے شیطان کے امرِ معصیت کو اس امت کے حق میں وسوسۂ معصیت تک محدود کر دیا جبکہ پہلے صراحتہً گناہ کا حکم کرتا تھا۔دوسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر اسی شخص کی طرف لوٹے۔اس وقت ''امر'' بمعنیٰ شان

(معاملہ) کے ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ شکر ہے کہ اللہ نے اس شخص کا معاملہ صرف وسوسہ کی حد تک رکھا، قول وعمل تک نہیں پہنچا۔

ابن آدم پر ایک تصرف شیطان کا ہے، ایک فرشتے کا:

٦٧۔وعن ابن مسعودؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إنّ لِلشَّيطانِ لَمَّةً بابن آدم وللمَلَكِ لمّةً فأمّالَمّةُ الشيطان فإيعادٌ بالشرّ وتكذيبٌ بالحقّ وأمّالَمّةُ المَلَكِ فإيعادٌ بالخير وتصديقٌ بالحق فمَن وجدَ ذلك فليعلمْ أنّه مِن الله فليحمَدِ اللهَ ومَن وجدَ الأُخرىٰ فليتعوّذْ بالله مِن الشيطان الرجيم ،ثمّ قرأ: الشيطٰن يعِدكمُ الفقرَ ويأمرُكم بالفحشاءِ .[رواه الترمذی]

ترجمہ: ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: بے شک ابن آدم پر ایک تصرف تو شیطان کا ہے اور ایک تصرف فرشتے کا ہے۔ شیطان کا تصرف تو یہ ہے کہ وہ برائی پر ابھارتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور فرشتے کا تصرف نیکی پر ابھارنا اور حق کی تصدیق کرنا ہے، لہذا جو شخص یہ (کیفیت) پائے تو اس کو جاننا چاہیے کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے، پس وہ اللہ کی حمد کرے۔ اور جو دوسری کیفیت (شیطان کا وسوسہ) پائے تو اس کو چاہیے کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے۔ پھر آپﷺ نے یہ آیت پڑھی: (جس کا ترجمہ یہ ہے) ''شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور گناہ پر اکساتا ہے''۔ (ترمذی)

پانچ صفات جو اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہونے کی نفی پر دال ہیں:

٦٨۔وعن أبی هريرةؓ عن رسول اللهﷺ قال :لا يزال الناسُ يتساء لون حتىٰ يُقالَ :هذاخلقَ اللهُ الخلْقَ ،فمَن خلقَ اللهَ؟ فاذاقالوا ذلك ،فقولوا: اللهُ أحدٌ اللهُ الصمدُلم يلِد ولَم يُولدْ ولم يكن له كفوًا أحدٌ ،ثمّ لِيتفُلْ عن يسارِهٖ ثلاثاً وليستعذ بالله مِن الشيطان الرجيم .[رواه أبوداؤد]وسنذكر حديث عمروبن الأحوص فی باب خطبةِ يوم النحر ان شاء الله تعالىٰ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہﷺ سے روایت کرتے ہیں فرمایا: لوگ (مخلوق کے پیدا ہونے کے بارے میں) ہمیشہ ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ کہا جانے لگے کہ ساری مخلوق کو تو اللہ نے پیدا کیا ہے تو خود اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جب لوگ یہ کہنا شروع کریں تو تم یہ کہو کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ اس کا کوئی ہمسر (جوڑا) ہے پھر اپنے بائیں طرف تین بار تھوک دے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے۔ (ابوداؤد)

تشریح: قوله: فقولو: الله أحد الله صمد... :۔ یہ ''فمن خلق الله'' والے قول پر ردّ ہے کہ اللہ تو ان صفات کے ساتھ متصف ہے اور یہ صفات اللہ کے مخلوق ہونے کی نفی پر دال ہیں۔ یہ کل پانچ صفات ہیں۔

قوله: ثم ليتفُل.... :۔ ''ليتفل'' نصر وضرب سے بمعنیٰ تھوکنا کے آتا ہے۔ تھوکنے سے مقصود اظہارِ نفرت وکراہیت ہے۔ اگر انسان فرض نماز میں مشغول ہو اور وساوس آئے تو نہ تھوکنا چاہیے بلکہ ارکان نماز میں مشغول رہنا چاہیے۔ اور اگر نفل نماز ہے تو اگر مسجد میں ہے تو تعوذ تو پڑھ لے لیکن تھوکے نہیں یا کپڑے وغیرہ میں تھوکے اور اگر مسجد سے خارج ہے تو عملِ قلیل کے ساتھ تھوک بھی سکتا ہے۔

''الفصل الثالث''

٦٩۔وعن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لن يبرحَ النّاس يتساء لونَ حتّیٰ يقولوا:هذا اللهُ خلقَ كلَّ شئٍ فمَن خلقَ اللهَ عزّ وجلّ.[رواه البخاریُ]وكمسلمٍ قال :قال اللهُ عزّ وجلّ :اِنّ اُمّتكَ لايزالون يقولونَ :ماكذا،ماكذا ،حتّیٰ يقولوا:هذااللهُ خلَقَ الخلقَ ،فمَن خلقَ اللهَ عزّ وجلّ.

ترجمہ:حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ آپس میں پوچھتے رہیں گے حتیٰ کہ یہ کہنے لگ جائینگے کہ اللہ ہی نے ہر مخلوق کو پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟(اس کو بخاری نے روایت کیا ہے)اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے کہ آپ(ﷺ) کی امت(شیطان کے وسوسہ سے)اس طرح کہے گی کہ یہ کیا ہے؟یہ کیا ہے؟حتیٰ کہ آخر میں کہے گی کہ اللہ ہی نے تمام مخلوق کو پیدا فرمایا تو اللہ عزّ وجلّ کو کس نے پیدا کیا؟

خنزب،نماز میں وسوسہ ڈالنے والا شیطان:

٧٠۔وعن عثمان بن أبي العاصؓ قال: قلتُ: يا رسول الله! إنّ الشيطٰن قدحالَ بيني وبينَ صلوٰتی وبينَ قرأتی يُلبّسُها عليّ ،فقال رسول اللهﷺ: ذاك شيطانٌ يقال له :خِنزب،فاذاأحسستَه فتعوّذ بالله منه واتفُل علیٰ يسارِك ثلاثاً ففعلتُ ذلك فأذهبه اللهُ عنّی.[مسلم]

ترجمہ:عثمان بن ابوالعاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ!شیطان میرے اور میری نماز وقرأت کے درمیان حائل بنتا ہے اور نماز وغیرہ کو میرے اوپر مشتبہ کرتا ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:یہ وہ شیطان ہے جس کا نام خنزب ہے۔جب تمہیں اس کا احساس ہو تو اس (شیطان)سے اللہ کی پناہ مانگو اور بائیں طرف تین مرتبہ تھوک دیا کرو۔عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو اللہ نے مجھ سے اس کے وساوس کو ختم فرمادیا۔(مسلم)

حالاتِ عثمان بن ابی العاصؓ: آپؓ کا نسبی تعلق بنوثقیف سے ہے،حضور ﷺ نے آپؓ کو طائف کا عامل بنایا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو عمان وبحرین کا والی بنایا۔آپؓ ۱۰ھ میں انتیس سال کی عمر میں ثقیف کے ایک وفد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے،۵۱ھ میں بعمرِ ۷۰ سال بصرہ میں آپؓ کا انتقال ہوا۔

تشریح: قوله: ذاك شيطٰنٌ يُقال له: خنزب ....:۔''خنزب'' درہم کی طرح بھی پڑھا جاسکتا ہے اور جعفر کی طرح بھی۔لغت میں ''الجرِیّ علی الفجور''(گناہوں پر دلیر)کو بھی کہا جاتا ہے اور بدبودار گوشت کو بھی،یہاں اس سے مراد نماز میں وسوسہ ڈالنے والا شیطان ہے۔

قوله: فتعوذّ بالله منه واتفل.. .:۔یعنی نماز سے فارغ ہوکر''أعوذ بالله''پڑھو اور تھوکو۔تھوکنے اور تعوذ کے سلسلہ میں یہاں بھی وہی

تفصیل ہے جس کا ذکر فصلِ ثانی کی حدیث ابی ہریرہؓ میں ہوا۔

وساوس کا علاج:

یہاں دفعِ وساوس کے لئے تعوذ کی تعلیم دی گئی ہے۔امام غزالیؒ نے مِن جملہ اور چیزوں کے وضواور نماز کو بھی دفع وساوس کے لئے مفید لکھا ہے۔وساوس کا ایک بہترین علاج وساوس کی طرف عدم التفات ہے۔بقول استادِ محترم مولانا یوسف افشانی صاحب (زید مجدہم) ''علاجُ الوسوسة تركُ الوسوسة''یعنی وسوسے کا علاج ترکِ وسوسہ ہے کہ اس وسوسہ کی طرف توجہ ہی نہ دی جائے ،اگلی حدیث میں اسی جانب اشارہ ہے۔علاج وساوس کے سلسلہ میں یہ بات بھی مفید ہے کہ عدم التفات کے ساتھ ساتھ آدمی وسوسہ سے ملنے والی ذہنی کوفت پر اجر وثواب کی امید رکھے،اللہ کی شانِ کریمی ورحیمی کو ذہن میں لائے اور ہو سکے تو یہ دعا بھی پڑھا کرے:'' الحمد لله الذى ردّأمرَه إلى الوسوسة'' .

۷۱۔وعن القاسم بن محمد أنّ رجلاً سأله، فقال: إنّي أهِمُ في صلوٰتي فيكثرُ ذلك عليَّ فقال له :إمضِ في صلوٰتكَ فإنّه لن يذهبَ ذلك عنكَ حتىّٰ تنصرِفَ و أنتَ تقول:ماأتممتُ صلوٰتي.[مالك]

ترجمہ:حضرت قاسم بن محمدؒ سے ایک شخص نے پوچھا کہ مجھے نماز میں وہم ہوتا رہتا ہے جو مجھ پر گراں گزرتا ہے،آپؒ نے فرمایا تو اپنی نماز جاری رکھ کیونکہ وہ (شیطان یا وسوسہ) جب ہی دور ہوگا کہ آپ اپنی نماز پوری کرلو اور یہ کہو کہ ہاں! میں نے اپنی نماز پوری نہیں کی۔(مالک)

فائدہ: حضرت قاسم بن محمد حضرت ابوبکرؓ کے پوتے ہیں اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں۔

(بابُ الإيمانِ بالقدرِ)

ایمان بالقدر کو مستقل عنوان کے تحت ذکر کرنے کی وجہ:

ایمان بالقدر (تقدیر پر ایمان لانے) کو خصوصیت کے ساتھ مستقل عنوان کے تحت لانا عام کے بعد خاص کو ذکر کرنے کے قبیل سے ہے اور یہ خصوصیت اس عقیدہ کی اہمیت کے پیش نظر اختیار کی گئی ہے کہ بڑا مشکل اور نازک مسئلہ ہے نیز اللہ کی صفات سے تعلق رکھنے والا یہی مسئلہ اہلِ ایمان میں زیادہ تر مختلف فیہ رہا۔

تقدیر کے متعلق گفتگو پسندیدہ نہیں اور حضرت علیؓ کا ارشاد:

تقدیر کے متعلق گفتگو نہ کرنا اور بحث ومباحثہ میں نہ الجھنا ہی زیادہ اسلم واحوط ہے،یہی شریعت کی تعلیم ہے۔بایں وجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقدیر کے متعلق سوال کرنے والے کو فرمایا تھا کہ ''طريقٌ مُظلِمٌ لا تَسلُكه''(یہ ایک تاریک راستہ ہے اس پر مت چل) ''وبحرٌ عميقٌ لا تَلِجْه''(اور گہرا سمندر ہے اس میں مت گھس)'' وسِرُّ الله قد خفِي عليكَ''(اور اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے جو تجھ سے پوشیدہ ہے)لیکن چونکہ اس مسئلہ میں بعض لوگوں نے افراط وتفریط سے کام لیا،کسی نے تو تقدیر کا انکار ہی کردیا اور بندہ کو اس کے افعال کا

خالق قرار دے دیا جیسے قدریہ ومعتزلہ اور کسی نے بندہ کو مجبور محض سمجھ لیا جو تقدیر کے سامنے بالکل بے بس ہے اور کسی قسم کے ارادے اور اختیار کا مالک نہیں جیسے جبریہ۔ لہٰذا اِن لوگوں کی خرافات وضلالات سے امت کو بچانے کے لئے اور ان کے پیدا کردہ شبہات کو ختم کرنے کے لئے علمائے اہلِ سنت والجماعت نے اپنا موقف بھی دلائل کے ساتھ واضح کیا اور مذکورہ بالا فرقوں کی تردید بھی علمی انداز سے فرمائی۔ یہاں چونکہ تفصیل کی گنجائش نہیں لہذا مختصراً تقدیر کے لغوی، اصطلاحی معنیٰ اور اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ تقدیر کے متعلق کچھ باتیں عرض کی جاتی ہیں:

تقدیر کا لغوی اصطلاحی معنیٰ:

"تقدیر" لغت میں اندازہ کرنے کو کہتے ہیں جس طرح ہر وہ کام جس میں ارادہ واختیار کو دخل ہو، اندازہ لگا کر کیا جاتا ہے اسی طرح جب حق تعالیٰ نے کائنات بنانے کا ارادہ فرمایا تو بنانے سے پہلے اپنے علم ازلی (جس میں ابتدا سے انتہا تک ہر چیز کا اندازہ لگایا گیا تھا) میں اُس کا اندازہ لگایا۔ اسی اندازۂ خداوندی کا نام تقدیر ہے اور اس اندازہ کے مطابق وجود دینے اور پیدا کرنے کا نام قضا ہے۔

تقدیر کی حیثیت:

تقدیر کی حیثیت فقط مظہر ومخبر کی ہے نہ کہ مُجبِر کی، جیسے: ایک طبیب مریض کے متعلق انداز لگا کر یہ کہے کہ اگر اس نے صحیح طریقہ سے علاج کیا اور پرہیز رکھا تو اتنی مدت میں ٹھیک ہو جائیگا اور اگر علاج اور پرہیز پر توجہ نہیں دی تو اتنی مدت میں چل بسے گا، اب اگر وہ مریض شفایاب ہوتا ہے یا پھر چل بستا ہے تو اسمیں طبیب کے کہے کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور نہ ہی اس کی صحت وموت کو طبیب کے قول کی طرف منسوب کیا جاتا ہے بلکہ مریض کے صحیح علاج کرنے نہ کرنے کی طرف صحت وموت کی نسبت کی جاتی ہے۔ طبیب نے تو اندازہ لگا کر صرف خبر دی تھی۔ بعینہ اسی پر اللہ کی بنائی ہوئی تقدیر کو قیاس کیا جائے۔ البتہ حق تعالیٰ اور انسان کے اندازہ میں فرق صرف اتنا ہے کہ اللہ کا لگایا ہوا اندازہ حتمی اور یقینی ہے، جس میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں اور انسان کا اندازہ بسا اوقات غلط بھی ہو جاتا ہے اس ساری تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ گناہ کر کے تقدیر کا سہارا لینا اور اپنے آپ کو لائقِ ملامت نہ سمجھنا درست نہیں۔

تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب:

اہلِ سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ قضا وقدر حق ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے اور ایمان بالقدر کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہی خیر وشر، ایمان وکفر، ہدایت وضلالت، طاعت ومعصیت، غرض ہر چھوٹی بڑی بات مقدّر فرمادی ہے اور اس کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اب عالَم میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اُس کے ارادے ومشیت کے تحت ہو رہا ہے۔ نیز یہ حضرات افعالِ عباد کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ بندوں کے تمام افعال اللہ کی مخلوق ہیں اور تقدیرِ الٰہی کے تابع ہیں خواہ وہ اچھے ہو یا برے، بندہ نہ تو افعال کا خالق ہے اور نہ ہی مجبور محض، بلکہ اپنے قصد واختیار سے کاسبِ افعال ہے۔

عقیدہ تقدیر پر ایمان لانے کے فوائد:

عقیدہ تقدیر پر ایمان لانے کے بہت سے فوائد ہیں: من جملہ یہ کہ انسان میں صبر کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ اپنی ناکامی و نقصان سے مایوس ودل شکستہ نہیں ہوتا، قرآن میں اس طرف اشارہ ہے: "لِکَیْلَاتَأْ سَوْا علیٰ مافاتکم" (ترجمہ) "تاکہ تم ان باتوں پر دل

برداشتہ نہ ہو جو تمہیں نہ مل سکی'' ۔اسی طرح شکر کا مادہ پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی کسی کامیابی وکمال پر مغرور نہیں ہوتا بلکہ اس کو اللہ کی طرف سے جانتا ہے،ارشادِ باری تعالیٰ ہے:'' ولا تفرَحُوا بمااٰتکم'' ۔ایسے ہی شجاعت پیدا ہوتی ہے کہ انسان اپنی موت وغیرہ سے بےخوف ہو جاتا ہے اور جرأت وجوانمردی اس میں پیدا ہو جاتی ہے،جیسا کہ قرآن میں ہے:"وما كانَ لنفسٍ أن تموتَ إلّا بإذنِ الله كتابًا مؤجلا''یعنی''کسی نفس کو اذنِ الٰہی کے بغیر موت نہیں آسکتی،موت کا وقت مقرر ہے'' ۔(نفحات،مرآۃ)

''الفصل الاوّل''

تقدیر آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے لکھی گئی:

۷۲۔عن عبد الله بن عمروؓ قال: قال رسول اللهﷺ: كتبَ اللهُ مقاديرَ الخلائقِ قبلَ أن يَخلُقَ السمٰوٰتِ والأرضَ بخمسينَ ألفَ سنةً وكان عرشُه على الماءِ.[مسلم]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:اللہ نے مخلوقات کی تقدیریں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے لکھ دی۔اور فرمایا کہ(اس وقت)اللہ کا عرش پانی پر تھا۔(مسلم)

کتابتِ تقدیر کا مطلب:

تشریح: قوله: كتب الله مقادير الخلائق....:۔کتابتِ تقدیر کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ نے خود اپنے ہاتھ سے تقدیریں لکھ دی تھی،ایسا خیال کرنا اللہ کی شانِ اقدس سے ناواقفی ہوگی۔بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے قلم کو لوحِ محفوظ پر آئندہ آنے والے تمام حالات کے لکھنے کا حکم دیا اور قلم نے تعمیل کی۔اور بقولِ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کتابت کا مطلب''معین فرمانا اور مقرر کر دینا'' ہے،چنانچہ قرآن کریم میں اسی معنیٰ کے اعتبار سے "كتب عليكم الصيام" اور "كتب عليكم القصاص" فرمایا گیا ہے۔'' مقادير'' مقدار(اندازہ کرنے کا آلہ)کی جمع ہے،اس جگہ خود تقدیر واندازہ کے معنی میں ہے۔

پچاس ہزار سال پہلے تقدیر لکھے جانے کا مطلب:

قوله: بخمسين ألف سنة....:۔بقول علامہ نوویؒ یہ لوحِ محفوظ میں کتابت کے وقت کی تحدید ہے کیونکہ اصل تقدیر ازلی ہے جس کی کوئی ابتدا ہی نہیں۔" خمسين ألف سنة" سے مراد یا تو طویل زمانہ ہے یا یہ عدد بطورِ تخمینہ کے ہے کہ اگر آسمانی نظام اس وقت موجود ہوتا تو کتابتِ تقدیر سے ارض وسما کی تخلیق تک کی جو مدت ہے وہ پچاس ہزار برس بنتی۔

کتابتِ تقدیر کے پانچ مراتب:

بقول حافظ ابن قیمؒ کتابتِ تقدیر کے پانچ مراتب ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) کتابتِ تقدیر کا پہلا مرتبہ تو وہ ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔

(۲) دوسرا مرتبہ وہ ہے جو زمین وآسمان کی پیدائش کے بعد اور ذریتِ آدم کی پیدائش سے پہلے لکھا گیا۔

(۳) تیسرا مرتبہ وہ ہے جو اس وقت لکھا جاتا ہے جبکہ انسان شکم مادر میں ہوتا ہے۔

(۴) چوتھا مرتبہ وہ ہے جو شب قدر میں ہر سال لکھا جاتا ہے جسے ''تقدیر حولی'' کہتے ہیں۔

(۵) پانچواں مرتبہ ''تقدیر یومی'' کا ہے جو روزمرہ لکھا جاتا ہے، چنانچہ " کل یوم هو فی شان "اس کی واضح دلیل ہے۔

ہر چیز مقدر سے ملتی ہے:

۷۳۔وعن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللهﷺ: كلُّ شيءٍ بقدرٍ حتى العجزُ والكيسُ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ہر چیز مقدر سے ملتی ہے حتیٰ کہ ناتوانی اور دانائی بھی۔ (مسلم)

اشکال اوراس کا جواب:

تشریح: قوله: حتى العجزو الكيس:۔ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ بیانِ استغراق کے وقت ''ضدین'' کو ذکر کیا جاتا ہے اور یہاں ایسا نہیں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عجز سے مراد قوتِ عملیہ ہے اور کیس سے مراد قوۃ عقلیہ ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہے۔ یہ جواب بھی دیا جاتا ہے کہ احد الضدین کو ذکر کیا جا رہا ہے جس سے دوسری ضد خود بخود معلوم ہو جاتی ہے کیونکہ عجز کی ضد قوت ہے اور کیس کی ضد بلادت۔

معتزلہ اور قدریہ پر رد:

بقول ملا علی قاری اس حدیث سے معتزلہ وقدریہ پر ردّ مقصود ہے جو بندوں کے افعالِ اختیاریہ کو ''مخلوق للعباد'' کہتے ہیں حالانکہ افعال اختیاریہ قوتِ علمیہ وعملیہ کے بغیر وجود میں آتے نہیں اور اس حدیث میں ان دونوں قوتوں کو تقدیر کے ساتھ وابستہ بتایا جا رہا ہے تو جو افعال اِن قوتوں سے وجود میں آئیں گے وہ بطریق اولیٰ تقدیر کے ساتھ متعلق ہونگے اور تقدیر کے ساتھ تعلق ثابت ہونے کے بعد اس کو مخلوق للعباد نہیں کہا جا سکتا۔

عالمِ ارواح میں دو نبیوں کا مناظرہ:

۷٤۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: احتجّ آدم وموسىٰ عند ربّهما فحجّ آدمُ موسىٰ ،قال موسىٰ :أنتَ آدم الذي خلقكَ اللهُ بيده ونفخَ فيك مِن روحه وأسجدَ لكَ ملائكته وأسكنكَ في جنّته ،ثمّ أهبطتَّ النّاسَ بخطيئتِكَ الى الأرض؛قال آدم: أنتَ موسىٰ الذي اصطفاك اللهُ برسالته وبكلامه وأعطاك الألواحَ فيهاتبيانُ كلِّ شيءٍ وقرّبكَ نجيًّا فبِكم وجدتَّ اللهَ كتبَ التوراةَ قبلَ أنْ أُخلقَ ،قال موسىٰ :بأربعين عامًا ،قال آدم :فهل وجدتَّ فيها "وعصىٰ آدمُ ربَّه فغوىٰ" قال: نعم ،قال: أفتلُومُني علىٰ أنْ عمِلتُ عملاً كتبهُ اللهُ عليَّ أن أعمَلَه قبلَ أن يخلقَني بأربعين سنةً .قال رسول اللهﷺ: فحجّ آدمُ موسىٰ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: آدم اور موسیٰ علیہم السلام نے (عالم ارواح میں) اپنے رب کے ہاں مناظرہ کیا پس آدمؑ موسیٰؑ پر غالب آگئے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ آپ وہی آدم ہیں جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا پھر آپ کے اندر اپنی روح پھونکی اور اپنے ملائکہ سے آپ کو سجدہ کرایا اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا پھر آپ نے اپنی خطا سے لوگوں کو زمین پر اتروا دیا۔ آدمؑ نے کہا: آپ

وہی موسیٰ ہو جن کو اللہ نے اپنی رسالت اور ہم کلامی سے برگزیدہ بنایا اور آپ کو (توراۃ کی) تختیاں دیں جس میں ہر چیز (حکم شریعت) کا بیان تھا اور پھر آپ کو سرگوشی کرتے ہوئے مقرب کیا، آیا تم جانتے ہو کہ اللہ نے میری پیدائش سے کتنی مدت پہلے تورات لکھی؟ موسیٰؑ نے کہا! چالیس سال پہلے، آدمؑ نے پوچھا: کیا آپ نے تورات میں یہ الفاظ نہیں پائے "وعصیٰ آدمُ ربّہ فغویٰ" (آدمؑ نے اپنے رب کا کہنا نہ مانا پس بہک گیا) موسیٰؑ نے جواب دیا: پائے ہیں۔ (اس پر) آدمؑ نے کہا: تو کیا آپ مجھے ایک ایسے عمل پر ملامت کرتے ہو جو میری پیدائش سے چالیس برس پہلے اللہ نے میرے لیے لکھ دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اس طرح) آدمؑ موسیٰؑ پر غالب آ گئے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: احتجّ آدم و موسٰى عند ربهما... : بعض علماء کی رائے یہ ہے حضرت آدم و موسیٰ علیہم السلام کے مابین یہ مناظرہ عالمِ ارواح میں ہوا جیسا کہ "عند ربهما" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور بقول ملا علی قاری چونکہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اس لئے ان حضرات کی آپس میں جسمانی ملاقات بھی ممکن ہے۔

غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنے کی حیثیت:

قوله: وأسجد لك ملائكته .....: اس عبارت میں سجدہ سے مراد یا تو سجدہ تعظیمی ہے یا پھر بقول ابن مسعودؓ: "اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ حضرت آدمؑ کے سجدہ کرتے وقت وہ بھی حضرت آدم کے سجدہ کی اقتدا کریں"۔ اس صورت میں لامِ جارہ تعلیل یا توقیت پر محمول ہوگا۔ محققین علماء کے ہاں سجدہ تعظیمی اگرچہ شریعتِ محمدیہ میں حرام ہے لیکن شرک و بت پرستی میں داخل نہیں جب کہ ایسی چیز کے سامنے نہ ہو جو کفر و شرک کا شعار ہو لہذا بت وغیرہ کو سجدہ کرنا شرک جلی ہوگا اگرچہ سجدہ کرنے والا زبان سے یہ کہتا ہو کہ میری نیت تعبد کی نہیں بلکہ تعظیم کی تھی۔

حضرت آدمؑ کی لغزش کی حقیقت:

قوله: أهبطتَّ الناس بخطيئتك .....: یہاں "خطیئة" سے مراد حقیقی گناہ نہیں کیونکہ گناہ کے لئے قصد و ارادہ شرط ہے اور حضرت آدم نے گناہ کا قصد ہی نہیں کیا تھا چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے کہ "فنَسِيَ ولم نجِدْ له عزمًا" (ترجمہ) "آدمؑ بھول گئے تھے اور ہم نے اُن کو بالقصد خطا کرنے والا نہیں پایا"۔ لہذا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ حضرت آدمؑ نے ارتکابِ گناہ کیا جو عصمت انبیاء کے منافی ہے۔ بلکہ خطیئۃ سے مراد پیغمبرانہ اجتہاد کی ایک معمولی سی لغزش ہے کہ شیطان لعین نے قسم کھا کر آپؑ کو یہ لالچ دلائی کہ شجرہ ممنوعہ کو کھانے سے آپؑ میں ملکیت کا اثر آ جائیگا اور آپ کو ہمیشہ کے لئے جنت کا باشندہ بنا دیا جائے گا۔ حضرت آدمؑ نے محبوب حقیقی کے قرب سے دائمی طور پر سرشار ہونے کے لئے شجرہ ممنوعہ کو کھالیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کے درجۂ کمالِ قرب کے اعتبار سے عتاب فرمایا کہ آپؑ کی شان عالی سے یہ معمولی لغزش بھی گویا خطا تھی، تب ہی تو کہا گیا ہے: "حسناتُ الأبرارِ سيئاتُ المقربين"۔

گناہ کر کے تقدیر کا سہارا لینا درست نہیں:

قوله: فحجّ آدم موسٰى .....: یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کیا کوئی معصیت کر کے تقدیر کا سہارا لے کر حضرت آدمؑ کی طرح اپنی برأت کا اظہار کر سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے معصیت کے لئے تقدیر کی آڑ نہیں لی کیونکہ یہ کسی کے لئے جائز نہیں، بلکہ دنیا میں آنے کی جو مصیبت اِن کی اولاد کو پیش آئی اس پر تسلی و تشفی کے لئے تقدیر کا سہارا لیا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال درحقیقت یہ

تھا ہی نہیں کہ آپؑ نے گیہوں کیوں کھایا یعنی معصیت کیوں کی؟ بلکہ سوال یہ تھا کہ ہمیں اس دار التکلیف میں رہنے کی مصیبت میں کیوں مبتلا کر دیا؟ مگر یہاں آنا چونکہ گیہوں کھانے کا نتیجہ تھا اس لئے اس کا ذکر ضمناً کر دیا، حضرت آدمؑ نے ان کی تسلی کے لئے تقدیر کا سہارا لے کر یہ بتلا دیا کہ یہ مصیبت تمہارے لئے مقدر ہو چکی تھی لہٰذا اس پر مجھے ملامت کرنا درست نہیں اگر چہ سبب میں ہی بنا۔ (نفحات)

ماں کے پیٹ میں فرشتہ ہر انسان کے لیے چار باتیں لکھتا ہے:

۷۵۔وعن ابن مسعودؓ قال: حدّثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق والمصدوق: أنّ خلقَ أحدِكم يُجمَعُ في بطنِ أُمّه أربعينَ يومًا نطفةً ثمّ يكونُ علقةً مثلَ ذلك ثمّ يكونُ مُضغةً مثلَ ذلك ثمّ يبعثُ اللهُ اليه مَلَكًا بأربعِ كلماتٍ فيكتبُ عمَلَه وأجلَه ورزقَه وشقيٌّ أوسعيدٌ ثمّ يُنفخُ فيه الروحُ فوالّذي لاالٰهَ غيرُه ،انّ أحدَكم ليعملُ بعملِ أهلِ الجنّةِ حتىّ مايكونُ بينه وبينها الّا ذراعٌ فيسبِقُ عليه الكتابُ فيعملُ بعمل أهل النّار فيدخلها وانّ أحدَكم لَيَعْمَلُ بعملِ أهلِ النارِ حتىّ مايكونُ بينه وبينها الّا ذراعٌ فيسبِقُ عليه الكتابُ فيعملُ بعمل أهل الجنّةِ فيدخلها.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ صادق ومصدوق رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا: تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس طرح ہوتی ہے کہ (پہلے) وہ (نطفہ) چالیس دن تک ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے پھر اتنے ہی دنوں میں وہ جما ہوا خون بنتا ہے پھر اتنے ہی دنوں میں وہ لوتھڑا بن جاتا ہے پھر اللہ پاک اس کے پاس ایک فرشتہ چار باتوں کے ساتھ بھیجتا ہے پس وہ فرشتہ اس کے عمل کو، اس کے اجل (موت کے وقت) کو، اس کے رزق (کی مقدار) کو اور اس کے شقی وسعید ہونے کو لکھتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے کوئی جنتیوں کے سے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ (کا فاصلہ) رہ جاتا ہے تو اس پر نوشتہ تقدیر غالب آجاتا ہے اور وہ دوزخیوں کا سا عمل کر بیٹھتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں سے کوئی دوزخیوں والے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ (کا فاصلہ) رہ جاتا ہے پھر تقدیر کا لکھا ہوا اس کے آگے آتا ہے اور وہ جنتیوں کا سا عمل کر لیتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

شرح: قوله: وهو الصادق والمصدوق.....۔ [المصدوق] کے معنی ہیں کہ آنے والی وحی کے تمام احکام میں جس کی تصدیق کی گئی ہے یہاں '' الصادق والمصدوق '' ایک دوسرے کی تاکید نہیں بلکہ یہاں تاسیس ہے ہر ایک کے الگ معنیٰ ہیں۔

احادیث میں تعارض اور اُس کا دفعیہ:

قوله: ثم يبعثُ اللهُ إليه ملَكًا.... : ۔ یہاں نطفہ کے مضغہ بننے کے بعد فرشتہ کے آنے کا ذکر ہے جس پر چار ماہ لگتے ہیں جبکہ صحیحین کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ ابتدائے نطفہ ہی سے ایک فرشتہ مقرر ہو جاتا ہے جو کہ بظاہر تعارض ہے۔ اس تعارض کو اس طرح دفع کیا گیا ہے کہ حدیثِ زیر بحث میں بعثتِ ملک سے مراد یہ ہے کہ چار ماہ بعد اس کو لکھنے کا حکم ہوتا ہے یا یہ دوسرا فرشتہ ہے جو کتابت کے لئے بھیجا جاتا ہے اور صحیحین کی حدیث میں ذکر شدہ فرشتہ تصرّف کے لئے مقرر ہے۔

فائدہ: رحمِ مادر کے اندر چار ماہ میں تخلیق کا مکمل ہونا بعض افرادِ بشر کا معاملہ ہے نہ کہ قاعدہ کلیہ، لہٰذا کوئی اشکال کی بات نہیں۔

نجات وہلاکت کا دارومدار خاتمہ پر ہے:

قولہ: إنّ أحدَكم لَيعمَلُ بِعَمَلِ أهلِ الجنّة ... :۔اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو اپنے اعمال پر کبھی ناز نہیں کرنا چاہئے اور اپنا معاملہ ہمیشہ حد درجہ انکساری کے ساتھ اللہ کے حوالے کرنا چاہیے اور کسی بدعمل انسان کو دیکھ کر اس کے قطعی دوزخی ہونے کا حکم نہیں لگانا چاہیے، کیا معلوم کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو۔

٧٦۔وعن سهل بن سعدٌ قال: قال رسول اللهﷺ: إنّ العبد لَيعملُ عملَ أهل النار وانّه مِن أهلِ الجنّةِ ويعملُ عملَ أهلِ الجنّةِ وإنّه مِن أهلِ النّارِ وانّماالأعمالُ بالخواتيمِ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ بندہ دوزخیوں کے سے کام کرتا ہے اور وہ جنتی ہوتا ہے اور جنتیوں کے سے کام کرتا ہے اور ہوتا وہ دوزخی ہے، کیونکہ اعمال (کے اچھے برے نتیجے) کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔ (متفق علیہ)

اچھے عمل اور برے خاتمہ کا ایک واقعہ:

تشریح: قوله: إنّ العبد ليعملُ عمل أهل النّار ... :۔اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ایک غزوہ میں ایک شخص ''قزمان'' نے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچایا۔حضور ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: جو کسی جہنمی کو دیکھنا چاہتا ہو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔یہ ارشاد سن کر ''اکثم بن ابی الجونؓ'' نامی ایک آدمی نے اس شخص (قزمان) کا پیچھا کیا جو مشرکین پر بڑی شدت کے ساتھ حملہ آور ہو رہا تھا حتیٰ کہ خوب زخمی ہوا۔ چنانچہ زخموں کی تکلیف سے جلدی نجات پانے کی غرض سے اُس نے خودکشی کر لی۔ پیچھا کرنے والے آدمی نے جب یہ دیکھا تو جلدی سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ گواہی دی ''أشهدُ أنّكَ رسولُ اللّٰه'' اور کہا کہ میرا یہ خیال نہیں تھا کہ ایسے آدمی کا انجام اتنا خطرناک ہوگا لیکن جیسا آپ ﷺ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔اس وقت آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔

تکبر کا قلع قمع کرنے والا ارشاد گرامی:

قوله: إنّما الأعمالُ بالخواتيم :۔اس ارشاد نے تکبر کا قلع قمع کر دیا ہے چونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور اس کا علم کسی کو نہیں، لہٰذا اچھے اعمال پر عجب وخود اعتمادی کبھی نہیں ہونی چاہیے۔ ہاں اچھے اعمال سے حسن خاتمہ کی امید اور برے اعمال سے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ضرور ہونا چاہیے، اچھے اور برے اعمال کی بنا پر حتمی طور پر جنتی یا دوزخی ہونے کی شہادت نہیں دی جاسکتی، اس لئے کہ اصل فیصلہ تو وہی ہے جو قضا وقدر میں طے ہو چکا ہے اعمال تو صرف ظاہری نشانیاں ہیں۔

کیا نابالغ مرنے والے مسلمان بچے جنتی ہیں؟:

٧٧۔عن عائشةؓ قالت: دُعِيَ رسول اللّٰهﷺإلىٰ جنازةِ صبيٍ من الأنصار فقلتُ: يا رسولَ الله!طوبىٰ لهذا،عصفورٌ مِن عصافيرِ الجنّةِ لم يعملِ السُوءَ ولمْ يُدرِكْه ،فقال: أوَ غيرَ ذلك يا عائشة! إنّ اللهَ خلقَ للجنّةِ أهلاً خلقهم لها وهم في أصلابِ آبائهم وخلقَ للنّار أهلاً خلقَهم لها وهم فى أصلابِ آبائِهم.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری بچے کے جنازہ پر بلائے گئے، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس (بچہ

کے لیے خوشخبری ہے، (یہ تو) جنت کے چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے اور نہ گناہ (کی عمر) کو پہنچا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! کیا اس کے سوا کوئی اور بات بھی ہے؟ کیونکہ اللہ نے جنت کے لیے کچھ لوگوں (اہل جنت) کو پیدا کیا ہے جب کہ وہ اپنے باپوں کے پشتوں میں تھے، اور دوزخ کے لیے بھی لوگوں کو پیدا کیا ہے جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔ (مسلم)

تشریح: قولها: يا رسول الله طوبى لِهٰذا عصفورٌ من عصافير الجنّة. . . :۔ بچے کو معصومیت پیار اور چھوٹے پن کی وجہ سے عصفور یعنی چڑیا کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

قوله: أوَغيرَ ذلك يا عائشه. . . :۔ "أوَ غير"، میں واو حالیہ ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے "أتعقدين مثل ماقلت و الحقُ غير ذلك وهو عدم الجزم بكونه من أهل الجنة "یعنی" آپ کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ بچہ جنتی ہے حالانکہ حق یہ نہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس نابالغ کے جنتی ہونے کا حتمی یقین نہ رکھا جائے"۔

فائدہ: اس حدیث سے بعض حضرات نے اطفالِ مسلمین کے بارے میں توقف کرنے اور قطعی طور پر جنتی ہونے کا حکم نہ لگانے کے سلسلہ میں استدلال کیا ہے۔ جبکہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اطفالِ مسلمین قطعی طور پر جنتی ہیں یہ حضرات اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ ابتدا پر محمول ہے جبکہ آپ ﷺ کو اطفالِ مسلمین کے بارے میں جنتی ہونے کا علم نہیں دیا گیا تھا۔

ہر شخص کا ٹھکانہ دوزخ میں سے اور جنت میں سے لکھ دیا گیا ہے:

۷۸۔ وعن عليٍّ قال: قال رسول الله ﷺ: ما منكم من أحدٍ إلا وقد كُتبَ مَقعدُه من النّار ومقعدُه مِن الجنّة، قالو: يا رسولَ الله! أفلانتّكِلُ علىٰ كتابِنا وندَعُ العملَ قال: اعمَلوا فكلٌّ مُيسّرٌ لِما خُلِقَ له أمّا مَن كان مِن أهلِ السعادةِ فسيُيَسّرُ لِعَمَلِ السعادةِ وأمّا مَن كان مِن أهلِ الشقاوةِ فسيُيَسّرُ لعملِ الشقاوةِ ثمّ قرأ: "فأمّا مَن أعطى واتّقى وصدّق بالحُسنىٰ". الآية.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا ٹھکانہ دوزخ میں سے اور جنت میں سے نہ لکھا گیا ہو (یعنی یا جنتی ہوگا اور یا دوزخی) صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنی تقدیر پر بھروسہ نہ کرے اور عمل کرنا چھوڑ دیں؟ فرمایا: تم عمل کرو اس لیے کہ ہر شخص کے لیے وہ عمل آسان کر دیا گیا ہے جس کے (نتیجے کے) لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے پس جو شخص اہل سعادت میں سے ہوتا ہے اس کے لیے سعادت والے اعمال آسان کر دیے جاتے ہیں اور جو اہل شقاوت میں سے ہوتا ہے اس کے لیے شقاوت والے اعمال آسان کر دیے جاتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے آیت پڑھی: "فأمّا من أعطىٰ واتّقىٰ وصدّق بالحسنىٰ". الآیۃ (ترجمہ) "سو جس نے اللہ کی راہ میں دیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور اچھی بات (کلمہ اسلام) کی تصدیق کی اس کے لیے ہم آسانی کی جگہ (جنت) کا حصول آسان کر دیں گے"۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: أفلا نتكل علىٰ كتابنا وندع العمل قال: اعملوا فكلٌّ ميسرٌ لماخُلق له . . . :۔ بقولِ علامہ خطابیؒ آپ ﷺ اور صحابہؓ کے مابین اس سوال و جواب کا حاصل یہ ہے کہ دخول جنت و نار کے لئے دو چیزیں معتبر ہیں ایک امر ظاہری یعنی اعمال حسنہ وسیئہ اور دوسری چیز امرِ باطنی یعنی اللہ کا ارادہ جو جس کے لئے جنت جانے کا ہوگا وہ جنت میں چلا جائیگا اور جس کے لئے دوزخ میں جانے کا ہوگا وہ

دوزخ میں چلا جائیگا۔ تو حضرات صحابہؓ کے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ امر ظاہری کو چھوڑ کر امر باطنی پر کیوں اعتماد نہ کیا جاوے جبکہ حقیقت میں مؤثر بھی وہی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دنیا دار العمل ہے اس میں ظواہر سے قطع نظر نہیں کیا جا سکتا اس لئے تم عمل کرتے رہو۔ (نفحات، مرآۃ)

آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے:

۷۹۔ وعن أبی هریرۃؓ قال: قال رسول الله ﷺ: کتبَ علی ابن آدمَ حظَّه مِن الزنا أدرکَ ذلکَ لا مُحالةَ، فزنا العینِ النظرُ وزنا اللسانِ المنطقُ والنفسُ تمنّی وتشتهی والفرجُ یُصدِّقُ ذلكَ ویُکذّبُه. [متفق علیه] وفی روایةٍ لمسلمٍ: قال: کُتِبَ علی ابن آدمَ نصیبُه مِن الزنا مُدرِکُ ذلك لامُحالةَ العینانِ زناهما النظرُ والأُذنانِ زناهما الاستماعُ واللسانُ زناهما الکلامُ والیدُ زناها البطشُ الرِّجْلُ زناها الخُطیٰ والقلبُ یهوی ویتمنّی ویُصدّقُ ذلك الفَرْجُ ویُکذِّبُه.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے انسان پر زنا میں سے اس کا حصہ (تقدیر میں) لکھ دیا ہے وہ ضرور اس سے عمل میں آئے گا پس آنکھ کا زنا (نامحرم کی طرف) دیکھنا ہے اور زبان کا زنا (نامحرم کے ساتھ شہوت کی) باتیں کرنا ہے اور نفس آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ (متفق علیہ) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آدمی کے لیے زنا میں سے جتنا حصہ لکھ دیا گیا ہے وہ ضرور اس کو پائے گا آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل خواہش و آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتا ہے۔

تشریح: قوله: کُتِبَ علی ابن آدم حظّه من الزنا ....: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قدرت نے انسان میں فطری طور پر شہوت اور عورتوں کی طرف رغبت و میلان کو پیدا فرمایا ہے اور انسان سے اس فطرت کا ظہور کبھی اُس کی آنکھ سے کبھی زبان سے اور کبھی اِس سے بڑھ کر ہاتھ پاؤں کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن یہ تمام درجات مقدمہ و تمہید ہے کیونکہ اصل زنا فرج یعنی شرمگاہ کا ہے جس کو حدیث میں "والفرج یُصدق ذلك و یکذبه" (یعنی شرمگاہ اس کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

تقدیر کے جبر اور بندہ کے اختیار میں کوئی منافات نہیں:

۸۰۔ وعن عمران بن حصینؓ أنّ رجلین من مزَینة قالا: یارسول الله! أرأیتَ ما یعمَلُ النّاسُ الیومَ ویکدحُونَ فیه أشیٌٔ قُضِیَ علیهم ومضیٰ فیهم مِن قدرٍ سبقَ أوفیما یستقبلونَ به ممّا أتاهم به نبیُّهم وثبتتِ الحُجّةُ علیهم فقال: لابل شیٌٔ قُضِی علیهم ومضیٰ فیهم وتصدیقُ ذٰلك فی کتاب اللهِ عزّ وجلّ: "ونفسٍ وماسوّاهافألهمَهافُجورَها وتقوٰها". [مسلم]

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ راوی ہیں کہ (قبیلہ) مزینہ کے دو شخص آئے، عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ (ﷺ) بتائیے کہ آج (دنیا میں) لوگ عمل کرتے ہیں اور عمل کی کوشش میں لگے رہتے ہیں کیا یہ ایسی چیز ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور وہ (تقدیر کا فیصلہ) انسانوں کے بارے میں نافذ ہو چکا یا یہ عمل ان احکام کے موافق ہے جو ان کے نبی (ﷺ) لائے ہیں اور ان پر دلیل ثابت ہو چکی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ (عمل) وہی شے ہے جس کا فیصلہ (تقدیر میں) کیا جا چکا ہے اور وہ (فیصلہ) ان کے بارے میں نافذ ہو چکا ہے اور اس کی

تصدیق کتاب اللہ (کی اس آیت) میں ہے (ترجمہ) ''قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اس (نفس) کو بنایا پھر اس کو بدکاری اور پرہیزگاری کا القا کیا''۔ (مسلم)

تشریح: قوله: أرأيتَ ما يعملُ الناسُ اليومَ .....:۔ [أرأيت] یہاں پر'' أخبر'' کے معنی میں ہے چونکہ رؤیت، اِخبار کا سبب ہوتا ہے اسی مناسبت سے سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

قوله: أشيءٌ قُضِي عليهم ومَضىٰ فيهم منْ قدرٍ سبق....:۔ یہاں ''من'' جارہ یا تو بیانیہ ہے اور اس وقت قضا وقدر دونوں ایک ہی چیز ہوگی، یا من تعلیلیہ ہے اور قضی سے متعلق ہے اس صورت میں عبارت یوں ہوگی'' قُضِي عليهم من أجل قدرٍ سبق '' یا ''مِن'' ابتدائیہ ہے یعنی کیا یہ ایسی شئی ہے جس کی قضا ''ناشئ عن قدر'' ہے (یعنی تقدیر کے باعث ہے)۔

قوله: أوفيما يستقبِلُونَ:۔ یہ مجہول ومعروف دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ کیا اعمال پہلے سے ازل میں مقدر ہے یا لوگ آئندہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنے اختیار وخلق سے طاعت ومعصیت کو وجود میں لاتے ہیں جیسا کہ معتزلہ وقدریہ کا مذہب ہے۔

قوله: فَألهَمَها فُجورَ ها و تقواها... :۔''ألهَمَ'' ماضی کا صیغہ ہے اس میں اشارہ ہے تقدیر کی طرف۔ مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے پہلے ہی اسے انسان میں خیر وشر کی استعداد یعنی قوت ملکیہ اور قوت بہیمیہ رکھ دی ہے اسی سے اچھے وبرے اعمال وجود میں آتے ہیں تو گویا ان قوتوں کے ساتھ ساتھ ان سے پیدا ہونے والے اعمال بھی اللہ کے مخلوق ٹھہرے۔ اس سے معتزلہ کی تردید ہوئی اور آگے'' فجور و تقوىٰ '' کی نفس انسانی کی طرف نسبت سے اس کے اختیار کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح'' زكّٰها ''اور'' دسّٰها ''میں تزکیہ وتدسیس کی انسان کی طرف نسبت میں بھی اس کے ارادہ واختیار کی طرف اشارہ ہے جس سے مرجیہ وجبریہ کی تردید ہوتی ہے تو گویا تقدیر کے جبر اور بندہ کے اختیار میں کوئی منافات ہی نہیں۔

تقدیر کا قلم خشک ہو چکا ہے:

۸۱۔عن أبي هريرةؓ قال: قلتُ: يارسولَ الله! إنّي رجلٌ شابٌ وأنا أخافُ علىٰ نفسي العنتَ ولاأجدُ ماأتزوّجُ به النساءَ كأنّهٗ يستأذنه في الاستحصاء قال: فسكتَ عنّي ،ثمّ قلتُ مثل ذلك فسكت عنّي ثمّ قلتُ مثل ذلك فسكت عنّي ثمّ قلتُ مثل ذلك فقال النبيُّ ﷺ :ياأباهريرة! جَفَّ القلمُ بماأنتَ لاقٍ فاختصِ علىٰ ذلك أوذَرْ.[بخاری]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ایک جوان مرد ہوں اور اپنے نفس سے مجھے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے اور اتنی استطاعت نہیں کہ کسی عورت سے شادی کر لوں۔ گویا حضرت ابو ہریرہؓ آپ ﷺ سے خصی ہونے کی اجازت مانگ رہے تھے۔ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) سکوت فرمایا۔ میں نے پھر یہی بات کہی۔ آپ ﷺ پھر خاموش رہے۔ میں نے پھر وہی بات کہہ دی آپ ﷺ نے پھر کوئی بات نہیں فرمائی۔ میں نے پھر وہی بات کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ! قلم (وہ بات لکھ کر) خشک ہو چکا ہے جس کو تو ملنے (یعنی کرنے) والا ہے پس خصی ہونا اختیار کر یا چھوڑ۔ (بخاری)

تشریح: قوله: جَفّ القلمُ بما أنتَ لاقٍ فاختصِ علىٰ ذلك أو ذَرْ:۔ قلم کے خشک ہونے سے مراد'' کتابت تقدیر سے فراغت''

ہے۔اوراس ارشادِگرامی کا مطلب یہ ہے کہ اگر تیری تقدیر میں تیرے واسطے زنا لکھا جاچکا ہےتو وہ ہوکر رہے گااور اگرنہیں لکھا گیاتو خصی نہ ہونے کے باوجودبھی آپ سے زنا کا صدورنہیں ہوگا۔پھرازراہِ توبیخ فرمایا کہ اب چاہوتو خصی بن جااور چاہوتو رہنے دوپس معلوم ہوا کہ یہ خصی ہونے کی اجازت نہیں جیسا کہ قرآن میں کافروں کوتوبیخی ارشاد ہے کہ ''اِعملوا ماشئتم''(جو جی میں آئے کرو)۔(مرآۃ،نفحات)

تمام انسانوں کے قلوب رحمٰن کی دوانگلیوں کے درمیان ہیں:

۸۲۔وعن عبدالله بن عمروؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إنّ قلوبَ بنی آدم كلَّها بین أصبعین مِن أصابع الرحمٰن كقلبٍ واحدٍ يُصرّفُه كيفَ يشاءُ ثمّ قال رسولُ اللهﷺ :اللهمّ مصرّفَ القلوبِ صَرِّفْ قُلوبَنا علىٰ طاعتِكَ.[مسلم]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دوانگلیوں کے درمیان ایک انسان کے دل کی طرح ہیں اوروہ جس طرح چاہتا ہے اس کو پھیرتا ہے،پھر رسول اللہﷺ نے(دعا کے طور پر)فرمایا:''اے دلوں کے پھیرنے والے!ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے''۔(مسلم)

متشابہات کی دوقسمیں:

تشریح: قوله: إنّ قلوبَ بنی آدم كلَّها بین أصبعین من أصابع الرحمٰن...:۔یہاں "أصابع الرحمٰن" کا ذکر ہے۔علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی وہ صفات جو بندوں کی صفات کے مشابہ ہیں ان میں تفصیل ہے کیونکہ یہ متشابہات کے قبیل سے ہیں جس کی دو قسمیں ہیں:

(۱)وہ متشابہہ جوتاویل کوقبول کرتا ہو۔

(۲)وہ متشابہہ جوتاویل کوقبول نہ کرے بلکہ اس کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہو،اس کی مثال جیسے:''نفسٌ "اللہ کےاس ارشاد میں" تعلمُ مافی نفسِی و لا أعلمُ مافی نفسِكَ"یا جیسے "وجاء ربُّكَ والمَلَكُ صَفًّا صفًّا" نیزفواتح السورجیسےحٰم،الٓم،وغیرہ ۔

تاویل کو جائز قرار دینے والے حضرات یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس تاویل میں حق تعالیٰ کے جلال وعظمت وکبریائی کالحاظ رکھا جائے گا۔اس تفصیل کے اعتبار سے حدیث کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ اپنے بندوں کے دلوں میں تصرف کرنے پرقادر ہیں،جیسے چاہے تصرف کریں،اردو کا محاورہ ہے کہ''فلاں تو میری مٹھی میں ہے''یعنی میرے اختیار کے ماتحت ہے۔(نفحات)

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے:

۸۳۔ و عن أبی هریرةَ قال: قال رسول اللهﷺ: ما من مولودٍ إلّا یُولدُ علی الفطرةِ فأبواه یُهوّدانهِ أوینصّرانه أویُمجّسانهِ كماتُنتِجُ البهیمةُ بهیمةً جمعاءَ ،هل تُحسُّون فیهامِن جدعاءَ ثمّ یقول: "فطرةَ الله الّتی فطرَ النّاسَ علیهَا لا تبدیلَ لخلقِ اللهِ ذلكَ الدینُ القیّمُ".[متفق علیه]

ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت(اسلام)پر پیدا ہوتا ہے پھراس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں جیسے چار پایہ جانور پورا بچہ جنتا ہے کیاتم اس میں کوئی ناقص بچہ پاتے ہو۔پھرآپﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی

"فطرة الله التى فطر النّاسَ عليها لا تبديلَ لِخلقِ الله ذلكَ الدينُ القيّمُ ." (ترجمہ) "اللہ کی فطرت ہے جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا فرمایا ہے، اللہ کی خلقت میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا، یہ سیدھا (مستحکم) دین ہے"۔ (متفق علیہ)

فطرت کیا چیز ہے؟:

تشریح: قوله: مـامن مَولُود إلّا يولدُ على الفطرةِ ....:۔فطرت کیا چیز ہے؟ مشہور قول کے مطابق فطرت سے مراد اسلام ہے۔ امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور حافظ ابن عبدالبرؒ اسی کے قائل ہیں۔

جبکہ علامہ طیبیؒ، علامہ تورپشتیؒ، علامہ قرطبیؒ، امام شاہ ولی اللہؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی رائے یہ ہے کہ فطرت سے مراد قبول حق کی استعداد وصلاحیت ہے، یہی قول راجح ہے۔ وجوہ ترجیح تین ہیں:

(۱) اسلام کسبی ہے اسی لئے اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے اگر فطری ہوتا تو اس پر ثواب ملنے کے کیا معنیٰ ہوتے؟

(۲) حدیث میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں فطرت کو غیر مبدّل قرار دیا جارہا ہے، حالانکہ اسلام میں بسا اوقات تبدیلی آجاتی ہے اور استعداد ولیاقت میں کبھی تبدیلی نہیں آتی۔

(۳) کافر کی نابالغ اولاد دنیاوی احکام میں اپنے کافر والدین کی تابع ہیں اگر وہ فطری و پیدائشی مسلمان ہوتو پھر اس تبعیت کا کیا معنیٰ؟

باقی حضرت حضر علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہونے والے بچے کے متعلق صحیح حدیث (مشکوٰۃ ۵۰۷ ج ۲) میں جو یہ آتا ہے کہ " طُبِعَ يـوم طبعَ كافرًا " تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ پیدائشی کافر تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا کہ بڑا ہو کر کافر ہوگا۔ اس صورت میں پہلا والا "طُبِعَ" قُدِّرَ کے معنی میں ہوگا، لہذا اس سے قبولِ حق کی استعداد کی نفی نہ ہوگی۔

اللہ ترازو کو پست اور بلند کرتا ہے:

٨٤۔عـن أبـي موسىٰؓ قال: قام فينا رسول الله ﷺ بخمسٍ كلماتٍ فقال: إنّ اللهَ لا ينامُ ولاينبغى له أنْ ينامَ يَخفِضُ القِسطَ ويـرفـعُـه يـرفعُ اليه عملُ الليلِ قبلَ عمَلِ النهارِ وعملُ النّهار قبل عملِ الليلِ حجابُه النّورُ لو كشفَهُ لأحرَقتْ سُبحاتُ وجههِ ماانتهىٰ اليه بصرُه مِن خلقِه.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک مرتبہ) ہمیں خطبہ دیا اور پانچ باتیں ارشاد فرمائی (جو یہ ہیں کہ) اللہ سوتا نہیں اور نہ سونا اس کے لائق ہے۔ وہ ترازو کو پست اور بلند کرتا ہے، رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اس کی طرف اٹھایا جاتا ہے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے، اس کا حجاب نور ہے اگر اس کو اٹھادے تو اس کی ذاتِ پاک کا نور تاحدِ نگاہ تمام مخلوق کو جلادے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: يخفض القِسط ويرفعُه ... :۔ "قسط" کے کئی معانی آتے ہیں مثلاً: حصہ، عدل وانصاف وغیرہ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رزق کو کم زیادہ کرتا رہتا ہے، ہر شخص کا رزق اس کا حصہ ہے یا یہ کہ میزانِ رزق مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اس کو جھکا دیتا ہے اور کبھی بلند کردیتا ہے۔

اللہ کا حجاب نور ہے:

قوله: حجابه النور ....:۔ "حجاب" اس چیز کو کہتے ہیں جو رائی (دیکھنے والا) اور مرئی (جس کی طرف دیکھا جائے) کے درمیان حائل ہو جس کی وجہ سے مرئی رائی کو نظر نہ آسکے یہاں مراد مطلق مانع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جسمیت سے منزہ ہیں۔ اور نور سے مراد عظمت وجلال کے انوار ہیں جو اس قدر تیز ہیں کہ ان فانی آنکھوں سے اُن کا مشاہدہ نہیں ہوسکتا گویا یہ حجاب مخلوق کے عجز کے اعتبار سے ہے نہ کہ خالق کے اعتبار سے، بایں وجہ خدا کو محجوب نہیں کہہ سکتے کیونکہ محجوب مغلوب ہوتا ہے اور اللہ کی شان تو یہ ہے کہ " والله غالبٌ علیٰ أمره"۔

قوله: لأحرقت سُبحاتُ و جهِه ماانتهیٰ إلیه بصرُه من خلقِهٖ ....:۔ [سُبحات] سُبحةٌ کی جمع ہے جیسے غرفات ، غرفة کی۔ اس سے مراد اللہ کی عظمت وجلال کے وہ انوار ہیں جن کے ادراک کے بعد فرشتے خداوندِ قدوس کی عظمت وجلال سے مرعوب ہو کر تسبیح وتہلیل میں مشغول ہو جاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ پاک اپنی ذات وصفات منکشف کردے تو تاحدِ نگاہ (یعنی ساری کی ساری) مخلوق جل کر راکھ ہو جائے۔ (مرآۃ)

اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے:

۸۵۔ وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: يدُ الله ملآیٰ لا تغيضُها نفقةٌ سحّآءَ الليلَ والنهارَ أرأيتم ماأنفقَ مُذ خلقَ السماءَ والأرضَ فإنّه لم يغِضْ مافی يدِه و كان عرشُه علی الماءِ وبيدِه الميزانُ يخفضُ ويرفعُ .[متفق عليه] وفی رواية لمسلمٍ: "يمينُ الله ملْآیٰ " قال ابن نُميرؒ ملآنُ سحّاء لايُغيضُها شئٌ الليلَ والنّهارَ .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ (خزانہ) بھرا ہوا ہے، رات دن (ہر وقت کا) خرچ کرنا بھی اسے کم نہیں کرتا۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ کتنا (زیادہ) خرچ کیا جب سے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا ہے لیکن (اس قدر) خرچ کے باوجود جو اس کے ہاتھ (خزانہ) میں ہے اس میں کمی نہیں آئی اور اس کے ہاتھ میں ترازو ہے جسے پست اور بلند کرتا رہتا ہے۔ (متفق علیہ) اور مسلم کی ایک روایت میں "يمين الله ملآی" آتا ہے کہ اللہ کا داہنا ہاتھ بھرا ہوا ہے، اور ابن نمیرؒ "ملآن سحاء..." روایت کرتا ہے۔

تشریح: قوله: يد الله ملآی ....:۔ چونکہ ہاتھ کے ذریعہ سے خزائن کے اندر تصرف کیا جاتا ہے اس لئے یہاں خزائن پر "ید" کا اطلاق کیا گیا، مطلب یہ ہے کہ اللہ کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔

قوله: نفقة سحّاء الليلَ ....:۔ [سحّاء] فعلاء کے وزن پر ہے یہ "سَحَّ الماءُ" باب نصر سے مشتق ہے اور نفقہ کی صفت ہے، اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ کی عطا بسہولت، بکثرت اور ہمیشہ جاری رہنے والی ہے۔

قوله: قال: ابن نميرؒ ملآنُ سحاء:۔ ابن نمیرؒ امام مسلمؒ کے استاد ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "ملآی" کی بجائے "ملآن" ہے، لیکن دیگر محدثین کے ہاں صحیح روایت "ملآی" ہی ہے۔

مشرکین کی نابالغ مرنے والی اولاد کا حکم:

۸۶۔ وعنه قال: سئل رسول الله ﷺ عن ذراری المشركين، قال: اللهُ أعلم بما كانوا عاملين.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی (نابالغ مرنے والی) اولاد کے (جنتی یا دوزخی ہونے کے) بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ (اگر زندہ رہتے) تو کیا کیا عمل کرتے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: اللهُ أعلمُ بما كانوا عاملين :۔ مشرکین کی نابالغ اولاد دنیوی احکام مثلاً غلامی، نمازِ جنازہ، کفن دفن وغیرہ میں اپنے والدین کے تابع ہیں اور اُخروی احکام کے متعلق مشہور اقوال چار ہیں جو یہ ہیں:

(۱) مشرکین کی اولاد اصل فطرت کے اعتبار سے مطلقاً جنتی ہیں۔ جمہور ائمہ کا یہی قول ہے۔

(۲) اپنے والدین کے اعتبار سے قطعاً دوزخی ہیں۔ اس قول کے قائلین بھی مختلف احادیث سے استدلال کرتے ہیں، مثلاً: اسی باب میں (مشکوٰۃ ص۲۳ پر) حدیث ہے جس میں ہے کہ "من أبائهم" یعنی اپنے آباء کے تابع شمار ہوں گے، اور اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے کہ "إنّ المشركين وأولادهم في النار" یعنی مشرکین اور ان کی ذریت دوزخ میں ہوں گے۔ جمہور ائمہؒ کی طرف سے پہلی حدیث کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں دنیاوی احکام مراد ہے اور دوسری حدیث ابتدا پر محمول ہے۔

(۳) سکوت اور توقف کیا جائے گا یہ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

(۴) حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ بچے علم الٰہی میں زندہ رہتے اور ایمان و عمل صالح والے ہوتے تو جنتی اور اگر علم الٰہی میں ان کے متعلق کفر و عصیان تھا تو دوزخی ہوں گے۔

"الفصل الثانی"

سب سے پہلے کون سی مخلوق پیدا کی گئی؟:

۸۷۔عن عبادة بن الصامتؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ أوّل ما خلق اللهُ القلمَ فقال له: اُكتبْ ،قال: ما أكتُبُ ؟قال: اُكتبِ القدرَ فكتبَ ما كانَ وماهو كائنٌ الى الأبَدِ.[رواه الترمذى وقال:هذاحديثٌ غريبٌ اِسنادًا]

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا فرمایا اور اس کو حکم دیا کہ لکھ، قلم نے پوچھا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا کہ تقدیر لکھو۔ پس قلم نے وہ سب لکھ دیا جو ہو چکا تھا اور جو آئندہ ہونے والا تھا۔ (ترمذی)

تشریح: قوله: إنّ أوّل ماخلق اللهُ القلم ....:۔ سب سے پہلے کون سی مخلوق پیدا کی گئی؟ اس بارے میں مختلف روایات ہیں: بعض میں اوّلیت کی نسبت نورِ محمدی یعنی روحِ محمدی کی طرف کی گئی ہے بعض میں پانی کی طرف، بعض میں عرش کی طرف اور بعض میں قلم کی طرف۔ ان روایات میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ اوّلیتِ حقیقی تو نورِ محمدی کو حاصل ہے اس کے بعد پانی کو پیدا کیا گیا، پھر عرش اور پھر قلم کو۔ تو گویا ان چیزوں کی طرف اوّلیت کی نسبت اضافی ہوگی۔ قلم میں اوّلیتِ اضافی کا مطلب یہ ہوگا کہ نورِ محمدی پانی اور عرش کے علاوہ دوسری مخلوق سے پہلے قلم کو پیدا کیا گیا۔

کتابتِ تقدیر کسی احتیاج کی بنا پر نہیں ہوئی:

قوله: فقال ما أكتب؟ قال: اكتب القدر.... :۔کتابتِ تقدیر کسی احتیاج کی بنا پر نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ تو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ کو جمیع مخلوقات کا پہلے سے علم تھا، تب ہی تو تقدیر میں ہر چیز کا پورا پورا اندازہ اور اس کی مخصوص مقدار و شکل بھی لکھ دی گئی۔

جب جنت، دوزخ مقدر میں لکھے جا چکے ہیں تو عمل کا کیا فائدہ؟:

۸۸۔وعن مسلم بن يسارؒ قال: سُئِل عمربن الخطاب عن هذه الآية:"وإذ أخذَ ربُّكَ مِن بني آدمَ مِن ظُهورهِم ذريّتَهم" قال عمرُ :سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ يُسألُ عنها فقال: إنّ اللهَ خلقَ آدمَ فمسحَ ظهرَه بيمينهٖ فاستخرجَ منهُ ذُريّةً فقال: خلقتُ هؤلاء للجنّةِوبعملِ أهلِ الجنّةِيعمَلون؛ ثمّ مسحَ ظهرَه فاستخرجَ منهُ ذُريّةً فقال: خلقتُ هؤلاء للنّارِوبعملِ أهلِ النّاريعمَلون،فقال رجلٌ :ففيمَ العملُ يارسولَ الله!فقال رسولُ الله ﷺ :انّ اللهَ اذاخلقَ العبدَ للجنّةِ استعملَه بعملِ أهلِ الجنّةِ حتىٰ يموتَ علىٰ عملٍ مِن أعمالِ أهلِ الجنّةِ فيُدخِلُه به الجنّةَ،و اذاخلقَ العبدَ للنّارِ استعملَه بعملِ أهلِ النّارِ حتىٰ يموتَ علىٰ عملٍ مِن أعمالِ أهلِ النّارِ فيُدخِلُه به النّار.[مالك ،ترمذی،أبوداؤد]

ترجمہ:مسلم بن یسارؒ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ سے اس آیت:"وإذ أخذَ ربّكَ من بني آدم من ظهورهم ذريّتهم ...الخ" کے بارے میں پوچھا گیا (ترجمہ) "اور جب تیرے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور ان کو (سمجھ عطا کرنے کے بعد) ان سے انہی کے متعلق گواہی طلب کی گئی کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! ہم اس کی گواہی دیتے ہیں، (پھر اللہ نے فرمایا کہ) تاکہ قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم تو اس (اقرار توحید و ربوبیت) سے بے خبر تھے"۔حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں نے سنا کہ آپ ﷺ سے اس (آیت) کے متعلق سوال کیا جارہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ نے آدم کو پیدا فرمایا پھر ان کی پیٹھ پر داہنا ہاتھ پھیرا اور اس میں سے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا: میں نے ان کو جنت کے لیے اور جنتیوں کے سے اعمال کرنے کے لیے (جو کہ یہ کریں گے) پیدا کیا ہے۔پھر آدمؑ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس میں سے ان کی اولاد نکالی اور کہا کہ میں نے ان کو دوزخ کے لیے اور دوزخیوں کے سے کام کرنے کے لیے (جو کہ یہ کریں گے) پیدا کیا ہے۔(یہ سن کر) ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! پھر عمل کا کیا فائدہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ جب کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں والے عمل کراتا ہے یہاں تک کہ اس بندہ کو اہلِ جنت والے اعمال میں سے کسی عمل پر موت آجاتی ہے، جس کی وجہ سے اللہ اس کو جنت میں داخل کردیتا ہے اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے سے اعمال کراتا ہے یہاں تک کہ اس کو اہلِ دوزخ کے اعمال میں سے کسی عمل پر موت آجاتی ہے جس کی وجہ سے اللہ اس کو دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔

عہدِ ألستُ کا قصہ صرف تمثیل ہے یا خارج میں بھی پیش آیا؟:

تشریح: قوله: وإذأخذ ربك من بني آدم من ظهورهم ذريتهم...: ۔اس آیت کے متعلق قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمثیل و تصویر ہے، حقیقت پر محمول نہیں اور مطلب یہ ہے کہ خارج میں نہ تو ظہرِ آدم سے اخراجِ ذریت ہوا اور نہ اُن سے "ألستُ بربّكم" کا سوال ہوا اور نہ اس کا جواب، بلکہ حق تعالیٰ نے ہر انسان کو جو عقل و شعور سے نوازا ہے اس کو "أشهدهم علىٰ أنفسهم" سے تعبیر فرمایا۔لیکن جمہور

محدثین اور صوفیائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ یہ واقعہ خارج میں پیش آیا، چنانچہ فصلِ ثالث میں حضرت ابو ہریرہؓ، ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ وغیرہ حضرات کی روایات اس پر دال ہیں۔

حدیث اور اس میں مذکور آیت میں تضاد کا اشکال اور اس کا جواب:

قوله: إنّ الله خلق آدم ثمّ مسحَ ظهرَه بيمينه فاستخرج منه ذريته ....اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخراجِ ذریت ظہرِ آدم سے ہوا جبکہ اسی روایت میں قرآن کی جس آیت کا حوالہ دیا جا رہا ہے:''وإذْ أخذَ ربُّك من بني آدمَ من ظهورِهم ذريتَهم ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخراجِ ذریت ظہورِ بنی آدم سے ہوا جو بظاہر تضاد ہے۔

امام رازیؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ دونوں اپنی جگہ درست ہیں، لہذا دونوں کو جمع کیا جا سکتا ہے کہ بعض ذریت کا اخراج بعض ذریت کے ظہور سے اور سب کے سب کا اخراج ظہرِ آدم سے ہوا ہو بطور خلاصہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آیت میں ظہورِ آباء سے اخراجِ ذریت کو ذکر کیا گیا جو کہ مخرج قریب ہے اور حدیث میں مخرج بعید ظہرِ آدم کا اعتبار کیا گیا اس لئے دونوں اپنی جگہ درست ہیں اور کوئی تضاد نہیں۔

قوله: ثم مسح ظهره بيمينه......خیر کی نسبت چونکہ یمین یعنی دائیں ہاتھ کی طرف ہوتی ہے اس لئے اہلِ جنت کے لئے یمین کا ذکر فرمایا، جبکہ اہلِ دوزخ کے لئے یمین کا ذکر نہیں فرمایا اور نہ ہی یمین کی ضد شمال یعنی بائیں ہاتھ کا ذکر فرمایا کیونکہ حق تعالیٰ کے ہاتھ پر شمال کا اطلاق خلافِ ادب ہے بلکہ روایات میں آیا ہے''كلتا يَدَيِ الله يمين ''یعنی اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔

اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کے ناموں پر مشتمل دو کتابیں:

۸۹۔وعن عبدالله بن عمروؓ قال خرج رسول اللهﷺ وفي يديه كتابان فقال أتدرونَ ماهذان الكتابان؟قلنا:لايارسولَ الله! اِلّاأن تُخبِرَنافقال للّذى فى يده اليُمنىٰ :هذاكتابٌ مِن ربّ العالمين فيه أسماءُ أهلِ الجنّةِ وأسماءُ آبائهم وقبائلِهم ثمّ أُجمِلَ علىٰ آخرِهم فلايزيدُ فيهم ولاينقصُ منهم أبدًا؛ثمّ قال للّذى فى شمالِه: هذاكتابٌ مِن ربّ العالمين فيه أسماءُ أهلِ النّار وأسماءُ آبائهم وقبائلهم ثمّ أُجمِلَ علىٰ آخرِهم فلايزيدُ فيهم ولاينقصُ منهم أبدًا؛فقال أصحابُه :ففيمَ العملُ ؟يارسولَ الله! إن كان أمرٌ قدْ فُرِغَ منه،فقال: سدِّدُوا وقاربُوا فإنّ صاحبَ الجنّةِ يُختمُ له بعملِ أهلِ الجنّةِ وإنْ عمِلَ أىّ عملٍ وإنّ صاحبَ النّارِ يُختمُ له بعملِ أهلِ النّار وإن عمِل أىّ عملٍ ؛ثمّ قال رسولُ اللهﷺ بيديه فنبذهما،ثمّ قال: فرَغَ ربُّكم مِن العبادِ فريقٌ فى الجنّةِ وفريقٌ فى السعير.[ترمذى]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہﷺ اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ (ﷺ) کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔آپﷺ نے (ہم سے) پوچھا کہ جانتے ہو کہ یہ دونوں کتابیں کیا ہیں؟ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں علم نہیں الا یہ کہ آنحضرت (ﷺ) ہی بتادیں۔تو آپﷺ نے اس کتاب کے بارے میں جو آپﷺ کے دائیں ہاتھ میں تھی بتایا کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔اس میں اہلِ جنت ان کے آباء اور ان کے قبیلوں کے نام لکھے ہوئے ہیں پھر آخر میں ان کو جمع کیا گیا ہے، لہذا ان میں نہ کبھی اضافہ ہوگا اور نہ کمی ہوگی۔پھر اس کتاب کے متعلق فرمایا جو بائیں ہاتھ میں تھی کہ یہ کتاب بھی اللہ کی جانب سے ہے اس میں اہلِ دوزخ، ان کے آباء اور

ان کے قبیلوں کے نام ہیں پھر آخر میں جمع بندی کی گئی ہے لہذا نہ ان میں اضافہ ہوگا اور نہ کمی ہوگی۔ (یہ سن کر) صحابہؓ نے پوچھا: یارسول اللہ! پھر عمل کی کیا حاجت ہے؟ اگر بات ایسی ہے کہ جس سے (یعنی نوشتہ تقدیر سے) فارغ ہوا جا چکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (ایمان وعمل صالح کو) اچھی طرح مضبوط کرو اور (اللہ کا) تقرب حاصل کرو کیونکہ جنتی کا خاتمہ جنتیوں کے سے عمل پر ہوتا ہے اگر چہ اس نے ایسے ویسے عمل کیے ہوا اور دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے سے عمل پر ہوتا ہے اگر چہ (بظاہر) اس کے عمل کیسے ہی (اچھے) کیوں نہ ہو۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا اور ان کتابوں کو (عالم الغیب میں) رکھ دیا، پھر فرمایا: تمہارا رب بندوں (کے جنتی، دوزخی ہونے کی تعیین) سے فارغ ہو چکا ہے کہ ایک جماعت جنت میں اور ایک دوزخ میں ہوگی۔ (ترمذی)

تشریح: قوله: و في يديه كتابان....: بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ محض تمثیل وتصویر ہے، حقیقت میں آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں کوئی مکتوب نہ تھا۔

جبکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حقیقۃً آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں دو کتابیں تھیں۔ باقی رہا یہ اشکال کہ تمام اہل جنت اور تمام اہلِ جہنم کے ناموں کی فہرست مع ان کے آباء اور قبائل کے ناموں کے ایک مختصر سے دفتر میں کیسے سما سکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کتابیں عالم الغیب سے آئی تھی اور عالم الغیب کے اختصار وطول کو اس عالم کے پیمانوں سے ماپنا ممکن نہیں، جیسا کہ اس ارشادِ ربانی سے اس کی تائید ہوتی ہے: "وإنّ يوماً عند ربك كألفِ سنةٍ ممّا تعدُّون" یعنی "تیرے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے بقدر ہے"۔ نیز آج کی نت نئی سائنسی ایجادات نے اس اشکال کا جواب بالکل آسان کر دیا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چھوٹے سے میموری کارڈ میں دنیا جہاں کی کتابیں اور معلومات آجاتی ہیں۔

اہلِ عرب "قول" کا اطلاق "افعال" پر بھی کرتے ہیں:

قوله: ثمّ قال رسولُ الله ﷺ بيديه: فنبذهما....: اہلِ عرب قول کا اطلاق تکلم کے علاوہ دیگر تمام افعال پر بھی کرتے ہیں چنانچہ "قال بيده" کو أشار یا أخذ کے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں اور "قال برجله" کو مشی یعنی چلنے کے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں۔ "فنبذهما" سے زمین پر کتابیں پھینکنا مراد نہیں، کیونکہ کتابوں کا پھینکنا آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ سے بعید معلوم ہوتا ہے بلکہ مراد "فنبذهما إلى عالم الغيب" ہے یعنی عالم الغیب کی طرف ان کتابوں کو پہنچا دیا۔

اسباب اختیار کرنا بھی تقدیر میں سے ہے:

۹۰۔ وعن أبي خزامة عن أبيهؓ قال: قلتُ: يا رسولَ الله! أرأيتَ رُقًى نسترقيها ودواءً نتداوى به وتُقاةً نتّقيها هلْ تردُّ مِن قدَرِ اللهِ شيئًا؟ قال: هيَ مِن قدرِ الله. [أحمد، ترمذي، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابوخزامہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! وہ منتر (دم، جھاڑ پھونک) جو ہم پڑھواتے ہیں اور دوائیں جو ہم حصول صحت کے لیے استعمال کرتے ہیں اور حفاظت کی چیزوں (ڈھال وغیرہ) کے بارے میں بتائیے کیا یہ چیزیں اللہ کی تقدیر کو ٹال سکتی ہیں؟ فرمایا: یہ (چیزیں بھی) تقدیر میں سے ہے۔ (احمد، ترمذی)

تشریح: قوله: أرأيت رُقىً... :۔ [رُقىً]، رقية کی جمع ہے جیسے ظلمة، کی جمع ظُلَم آتی ہے۔علاج کی غرض سے جو کلمات مثلاً: جھاڑ پھونک، دم درود وغیرہ پڑھ کر مریض پر دم کئے جاتے ہیں اس کو "رُقیۃ" کہتے ہیں۔

قوله: و تُقَاةً نتقيها.....:۔[تُقاة] بچاؤ اور حفاظت کے آلہ کو کہتے ہیں۔اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کرنا بھی تقدیر کے احاطہ میں داخل ہے لہذا اسباب کے اختیار کرنے اور نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جھاڑ پھونک اور تعویذات کے جواز اور عدمِ جواز کی بحث:

یہاں جھاڑ پھونک اور تعویذات کے جواز وعدم جواز کے متعلق شارحین احادیث نے گفتگو فرمائی ہیں، چنانچہ بقولِ علامہ ابن حجرؒ کے "جھاڑ پھونک کے جواز پر علماء کا اجماع ہے بشرطیکہ تین شرائط موجود ہوں:

(۱) کلامُ اللہ یا اسماءُ اللہ یا صفاتُ اللہ پڑھ کر دم کیا جائے۔

(۲) دم عربی زبان میں ہو اور غیر مفہوم المعنیٰ نہ ہو۔

(۳) یہ اعتقاد رکھا جائے کہ دم و تعویذ اپنی تاثیر میں اللہ کے حکم وارادہ کے تابع ہے بذاتِ خود مؤثر نہیں۔

باقی وہ احادیث جن میں جھاڑ پھونک کی ممانعت وارد ہے، اس سے مراد وہ دم ہے جس میں کلماتِ شرکیہ ہو یا غیر اللہ سے طلبِ امداد ہو یا اُس کے الفاظ مبہم ہو۔

تعویذ لکھنے، گردن میں لٹکانے اور پانی میں گھول کر پلانے کا ثبوت:

رقیہ (یعنی دم درود) کے باب میں اصل تو یہی ہے کہ قرآن کریم یا اسمائے الٰہیہ سے دم کیا جائے اور یہ متعدد احادیث سے ثابت ہے۔البتہ جہاں تک تعویذ لکھنے، گردن میں لٹکانے اور پانی میں گھول کر پینے پلانے کا تعلق ہے تو وہ متعدد حضرات صحابہؓ و تابعین سے ثابت ہے چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک مرفوع روایت مروی ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے بچوں کو درجہ ذیل کلمات سکھاتے اور اگر کوئی بچہ سیکھنے کی عمر کا نہ ہوتا تو لکھ کر اس کے گلے میں لٹکا دیتے۔وہ کلمات یہ ہیں: "أعوذُ بكلماتِ اللهِ التامّاتِ من غضبهٖ وسوءِ عقابهٖ ومن شرِّ عبادهٖ ومن شرِّ الشياطينَ وأن يحضرونَ"۔

حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں: "ويجوزُ أن يكتبَ للمُصابِ وغيره من المرضِ شيئاً من كتابِ اللّٰه و ذكرِهٖ بالمِدادِ المُباحِ ويُغسَلُ و يُسقىٰ، كما نصّ علىٰ ذلكَ أحمدُ وغيره"۔ ترجمہ: یہ جائز ہے کہ کسی مرض میں گرفتار شخص کے لیے کتاب اللہ یا ذکر اللہ میں سے مباح روشنائی سے کچھ لکھا جائے اور اس کو پلایا جائے جیسا کہ امام احمدؒ وغیرہ حضرات نے اس کی تصریح کی ہے۔

دم و تعویذ کو ناجائز کہنے والے حضرات کا استدلال اور اُس کا جواب:

بعض حضرات جو دم و تعویذ کو ناجائز کہتے ہیں یا پھر شرک قرار دیتے ہیں وہ استدلال کرتے ہیں حضرت ابنِ مسعودؓ کے اس قول سے: "إنّ الرُّقىٰ والتمائمَ و التِّوَلةَ شركٌ"، یعنی "جھاڑ پھونک اور تعویذ وغیرہ شرک ہے"۔لیکن اس قول سے استدلال اس لئے درست نہیں کہ اس روایت میں خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے چنانچہ روایت کے آخر میں تصریح ہے کہ رقیہ ممنوعہ سے مراد رقیہ اہلِ شرک ہے، جس میں

وہ شیاطین سے مدد مانگتے تھے اور تمائم یعنی تعویذات کو مؤثر بالذات سمجھتے تھے۔خلاصہ یہ ہوا کہ آیات قرانی اور ادعیۂ ماثورہ سے شفا کا انکار کرنا حماقت و جہالت اور لاکھوں انسانوں کے تجربات کو جھٹلانے کے سوا کچھ نہیں۔(نفحات)

مسئلہ تقدیر میں صحابہ کے بحث کرنے پر مزاج اقدس کی برہمی:

۹۱۔وعن أبي هريرةؓ قال :خرج علينا رسول اللهﷺ ونحنُ نتنازَعُ في القدرفغضِبَ حتىٰ احمرّوجهُهٗ حتىٰ كأنّمافُقِئَ في وجْنتيه حَبُّ الرُّمّان،فقال: أبهذاأُمِرتُم أمْ بهذاأُرسِلتُ اليكم،انّماهلكَ مَن كانَ قبلَكُم حينَ تنازعوا في هذاالأمرِ عزمتُ عليكم،عزمتُ عليكم أنْ لاتنازَعُوافيه.[ترمذی ورواه ابن ماجة عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه]

ترجمہ:۔حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ (ایک دن) تشریف لائے جبکہ ہم تقدیر کے بارے میں بحث ومباحثہ کررہے تھے، آپﷺ (یہ دیکھ کر) شدید غصہ ہوگئے گویا آپ (ﷺ) کے چہرۂ انور پر انار کے دانے نچوڑ دیے گئے ہو۔فرمانے لگے: کیا تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور کیا اسی بات کے ساتھ مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا گیا ہے؟ بے شک تم سے پہلے لوگ اس وقت ہلاک ہوئے جب انہوں نے اس (تقدیر) کے بارے میں الجھنا شروع کردیا۔میں تمہیں اس بات کی قسم دیتا ہوں، (پھر دوبارہ) قسم دیتا ہوں کہ اس مسئلہ میں بحث نہ کیا کرو۔(ترمذی، ابن ماجہ عن عمرو بن شعیب...)

مسئلہ تقدیر میں بحث سے ممانعت کی وجہ:

تشریح: قوله: ونحنُ نتنازع في القدر فغَضِبَ.....:۔آنحضرتﷺ چونکہ صحابہؓ سے قلبی تعلق رکھنے والے معلم ومربی تھے جب آپﷺ نے ایک خطرناک مسئلہ کے بارہ میں بحث ومباحثہ کرنے میں صحابہ کو مبتلا دیکھا تو آپﷺ کو سخت غصہ آیا اور نہایت شدت کے ساتھ اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمایا۔ممانعت کی وجہ اس مسئلہ کی خطرناکی تھی نہ کے کچھ اور، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ دریا میں جہاں پانی زیادہ گہرا اور خطرناک ہوتا ہے وہاں پر شفیق استاد نا آزمودہ تیراک کو تیراکی سے روکتا ہے۔یہ واضح رہے کہ اس حدیث میں نزاع سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص تقدیر کے مسئلہ پر ایک مؤمن کی طرح قطعی ایمان رکھتے ہوئے صرف اطمینان قلبی کے لئے کسی اہل سے سوال کرے تو اس کی ممانعت نہیں۔

مشہور متنازع سند "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه" کی تحقیق:

قوله: وروىٰ ابنُ ماجةَ نحوَه عن عمرِو بن شعيبٍ عن أبيه عن جده :۔عمرو بن شعیب کا نسب یہ ہے: "عمرو بن شعيب بن محمد بن عبدالله بن عمرو بن عاص " امام بخاری وامام مسلم کے علاوہ جمہور محدثین اس سند سے روایت لاتے ہیں۔ یہ مشہور متنازع فیہ سند ہے چنانچہ: " جده " کی ضمیر کے مرجع میں اختلاف ہوا ہے، صحیح قول کے مطابق اس کا مرجع ''شعیب'' ہے، مطلب یہ ہوگا کہ عمرو بن شعیب اپنے باپ ''شعیب'' سے اور وہ اپنے دادا ''عبداللہ بن عمروؓ'' سے روایت کرتا ہے، لہٰذا یہ سند متصل اور حجت ہوگی اور بعض حضرات کا اس کو منقطع قرار دینا اور یہ کہنا کہ شعیب کو اپنے دادا سے لقاوسماع حاصل نہیں، درست نہیں، کیونکہ شعیب کے والد ''محمد'' اپنے والد عبداللہ بن عمروؓ کی زندگی ہی میں وفات پا گئے تھے جس کی وجہ سے شعیب کی تربیت ہی اُن کے دادا عبداللہؓ نے فرمائی۔(نفحات، مرآۃ)

اولادِ آدم زمین کی مٹی کے موافق پیدا ہوئی:

۹۲۔وعن أبی موسیٰؓ قال: سمعتُ رسول الله ﷺ یقول: إنّ الله خلق آدمَ من قبضةٍ قبضَھامِن جمیعِ الأرض فجاءَ بنوآدمَ علیٰ قدَرِ الأرضِ منھم الأحمرُ والأبیضُ والأسودُ وبینَ ذٰلکَ والسھلُ والحَزْنُ والخبیثُ والطّیِّبُ.

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی تخلیق ایک مٹھی (مٹی) سے کی جو اللہ نے زمین کے تمام جگہوں سے لی، لہذا آدمؑ کی اولاد زمین (کی مٹی) کے موافق پیدا ہوئی چنانچہ ان میں سے بعض سرخ، بعض سفید، بعض کالے، بعض درمیانہ رنگ والے، بعض نرم خو، بعض سخت مزاج، بعض پاک اور بعض ناپاک ہیں۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

اللہ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا:

۹۳۔وعن عبدالله بن عمروؓ قال: سمعتُ رسول الله ﷺ یقول: إنّ اللهَ خلقَ خلْقَهٗ فی ظُلمةٍ فألقیٰ علیھم مِن نورِهٖ فمَن أصابَه مِن ذٰلك النُّورِ اهتدیٰ ومَن أخطأَهٗ ضَلَّ فلذلكَ أقولُ: جُفّ القلمُ علیٰ عِلمِ الله.[أحمد،ترمذی]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ اللہ نے اپنی مخلوق (انسان اور جنات) کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور میں سے کچھ کرنیں ڈالیں، سو جس کو اس نور میں سے روشنی میسر آئی اس نے ہدایت پالی اور جس سے یہ نور چوک گیا یعنی نہ پہنچا وہ گمراہ ہوگیا، اسی لیے میں کہتا ہوں کہ علم الٰہی (تقدیر) پر قلم خشک ہوگیا۔ (احمد، ترمذی)

تشریح: قوله: إنّ الله خلق خلقه فی ظلمةٍ فألقی علیھم من نوره... : ظلمت سے مراد نفسانی خواہشات کی ظلمت ہے جو انسان کی فطرت وجبلت میں ہے اور نور سے مراد براہین ودلائل کا نور ہے اور یہ نور اس کو نصیب ہوتا ہے جو غور وتدبر کرے۔

اللہ تعالیٰ دلوں میں جیسا چاہتا ہے تصرف کرتا ہے:

۹۴۔وعن أنسؓ قال: کان رسول الله ﷺ یُکثرُ أن یقول: یا مقلّبَ المقلوب ثبِّت قلبی علیٰ دینك، فقلتُ: یانبیّ اللهِ! آمنّابكَ وبماجئتَ به فھلْ تخافُ علینا؟ قال: نعم! إنّ القلوبَ بینَ إصبعینِ مِن أصابعِ اللهِ یُقلّبھا کیف یشاء.

ترجمہ: حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بکثرت یہ (دعا) فرمایا کرتے تھے کہ "اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ"۔ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم آپ (ﷺ) پر اور آپ (ﷺ) کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائیں تو کیا آپ ہمارے بارے میں (گمراہ ہونے کا) اندیشہ کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمام (انسانوں کے) دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ اس میں جیسا چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

دل کی مثال:

۹۵۔وعن أبی موسیٰؓ قال: قال رسول الله ﷺ: مثل القلبِ کریشةٍ بأرضِ فَلاةٍ یُقلّبُھا الریاحُ ظھرًا لِبطْنٍ.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دل کی مثال کسی میدان میں پڑے ہوئے اس پر کی طرح ہے جسے ہوائیں پیٹھ سے پیٹ کی طرف پھیرتی رہتی ہیں۔ (احمد)

چار باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے:

۹۶۔عن عليؓ قال: قال رسول اللهﷺ: لا يؤمنُ عبدٌ حتىٰ يؤمنُ بأربعٍ يشهدُ أن لا إله إلّا الله وأنّ رسولُ اللهِ بعثني بالحقّ ويؤمنُ بالمَوتِ والبعثِ بعدَ الموتِ ويؤمنُ بالقدرِ .[ترمذی ،ابن ماجة]

ترجمہ:حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ چار باتوں پر ایمان نہ لے آئے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں (اور) مجھے اللہ نے حق (دین) دے کر بھیجا ہے اور موت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان لائے اور تقدیر پر ایمان لائے۔(ترمذی،ابن ماجہ)

موت پر ایمان لانے کا مطلب:

تشریح: قوله: ويؤمنُ بالموت.....:۔موت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ موت کو حکمِ خداندی جانے نہ کہ مزاج کا فساد۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا کے فنا ہونے کا عقیدہ رکھے۔اس حدیث میں شہادتین کو "یشھد" کے ساتھ تعبیر فرمایا اور باقی دو امور کو "یؤمن" کے ساتھ،اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شہادتین میں اقرار باللسان بھی ضروری ہے اور باقی دو امور میں صرف ایمان ضروری ہے۔

مرجیہ اور قدریہ کا اسلام میں کچھ حصہ نہیں:

۹۷۔عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللهﷺ: صِنفانِ مِن أمتي ليس لهُما في الإسلام نصيبٌ:المرجئةُ والقدريةُ.[ترمذی]

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: میری امت کے دو فرقے ایسے ہیں جن کا اسلام میں کچھ حصہ نہیں اور وہ مرجیہ اور قدریہ ہیں۔(ترمذی)

استلزامی باتوں سے کفر لازم نہیں آتا:

تشریح: قوله: ليس لهما في الإسلام نصيبٌ.....:۔اس میں نصیبِ کامل اور اچھے یعنی لائق اعتبار نصیب کی نفی ہے یعنی یہ لوگ کم نصیب ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ "ليسَ للبخيلِ من مالهِ نصيبٌ"۔بعض حضرات نے ان جیسی روایات سے مرجیہ وقدریہ کی تکفیر پر استدلال کیا ہے جو درست نہیں۔محققین کے ہاں یہ حدیث زجر وتغلیظ پر محمول ہے۔ان حضرات کا مذہب یہ ہے کہ فرقِ ضالہ میں سے کسی کی تکفیر اس وقت تک درست نہیں جب تک صریح کفر نہ ہو فقط استلزامی باتوں سے کفر لازم نہیں آتا۔

قوله: المرجئة :۔یہ "ارجاء" بمعنی مؤخر کرنا اور پس پشت ڈالنا سے ماخوذ ہے ان لوگوں نے اعمال کو اور ان نصوص کو جو بندہ کے قصد و اختیار پر دلالت کرتے ہیں، پس پشت ڈال دیا ہے اسی وجہ سے ان کو مرجیہ کہتے ہیں۔ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ تمام افعال اللہ کے حکم وفیصلہ سے ہوتے ہیں بندہ کو اس میں کوئی اختیار ہی نہیں بلکہ وہ تو مجبور محض ہے، پس نہ تو طاعت مفید ہے اور نہ ہی معصیت مضر۔اس فرقہ کو جبریہ بھی کہتے ہیں۔

قوله: والقدريه :۔ان سے مراد مرجیہ کے برخلاف وہ لوگ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال پر اللہ کو کوئی

قدرت حاصل نہیں وہ تو خود بندوں ہی کی مخلوق ہیں۔

آپ ﷺ کا فرمان کہ میری امت میں خسف ومسخ ہوگا:

۹۸۔عن ابن عمرؓ قال: سمعتُ رسولَ اللہ ﷺ یقول : یکونُ فی أُمّتی خَسفٌ ومَسخٌ وذلك فی الْمُکَذِّبین فی القدر.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ میری امت میں (زمین میں) دھنس جانا اور صورتوں کا مسخ ہونا ہوگا اور یہ (عذاب) منکرین تقدیر کو ہوگا۔(ابوداؤد)

تشریح: قوله: یکون فی أمتی خسفٌ و مسخٌ....:۔"خسف "کا معنیٰ زمین میں دھنس جانا ہے اور"مسخ "کا معنیٰ بدصورت وبد شکل بنا دینا ہے جبکہ بعض حضرات کے ہاں ''حسف'' سے چہرے اور بدن کا سیاہ کیا جانا مراد ہے، اس صورت میں یہ خسوف قمر سے ماخوذ ہوگا اور ''مسخ'' سے مراد دلوں کی سیاہی اور قساوت ہے۔ بعض احادیث سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ امت خسف ومسخ میں مبتلا نہیں کی جائے گی، وہاں پوری کی پوری امت کا اس قسم کے عذاب میں مبتلا ہونے کی نفی ہے اور اس حدیث میں ایک مخصوص فرقہ کے متعلق اس عذاب کی خبر دی جارہی ہے، لہذا کوئی اشکال نہ ہوگا۔

فرقہ قدریہ اس امت کے مجوس ہیں:

۹۹۔وعنه قال: قال رسول اللہ ﷺ: القدریةُ مجوسُ هذہِ الأمة،إن مرِضوا فلا تَعُودُوهُم وإن ماتوا فلا تَشهَدُوهُم.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرقہ قدریہ اس امت کے مجوس ہیں اگر وہ بیمار پڑ جائیں تو ان کی عیادت مت کرو اور اگر وہ مرجائیں تو ان کے جنازہ میں شریک مت ہونا۔(احمد،ابوداؤد)

تشریح: قوله: مجوس هذہ الأمة ،إن مرضوا.....:۔"هذہ الأمة" سے امتِ اجابت یعنی کلمہ گو مسلمان مراد ہے نہ کہ امتِ دعوت یعنی کافر۔اس حدیث میں قدریہ کو امت مسلمہ کے مجوسی قرار دیا جارہا ہے کیونکہ یہ بھی مجوسیوں کی طرح تعدد خالق کے قائل ہیں، مجوسیوں کے ہاں تو خالق دو ہیں: ایک خالق خیر ہے جسے ''یزداں'' کہتے ہیں اور دوسرا خالق شر ہے جسے ''اہرمن'' کہتے ہیں اور قدریہ کے ہاں تو ہر بندہ ہی اپنے افعال اختیاریہ کا خالق ہے۔

قوله: إن مرضوا فلا تعودوهم وإن ماتوا فلاتشهدوا هم: ۔یہ وہ حقوق ہیں جو عام مسلمانوں کے لئے بھی واجب ہیں، منکرین قدر اس کے بھی مستحق نہیں، ان کا یہ عدمِ استحقاق ان کے کفر کی بنا پر نہیں جیسا کہ بعض حضرات کہتے ہیں بلکہ بطورِ زجر وتنبیہ ہے اور اس ارشادِ نبوی کا مقصد اس جماعت کی گمراہی وضلالت کو بیان کرنا اور ان کے زجر وملامت میں شدت کا اظہار کرنا ہے۔(نفحات،مرآۃ)

باطل فرقوں کے ساتھ میل ملاپ کی ممانعت:

۱۰۰۔وعن عمرؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ:لا تُجَالِسُوا أهلَ القدرِ ولا تُفاتِحُوهم .[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قدریہ کے ساتھ نہ نشست وبرخاست رکھو اور نہ ان کو اپنا حکم (ثالث) بناؤ۔

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ میل ملاپ اورنشست و برخاست رکھنا جائز نہیں، البتہ دنیوی ضرورت کی خاطر میل ملاپ مباح اور تبلیغِ دین کی خاطر عبادت شمار کیا جائے گا۔"ولا تفا تحوهم" یہ یاتو" فُتَاحَة " سے مشتق ہے، معنیٰ ہوگا کہ ان کو باہمی تنازعات میں فیصل مت بناؤ یا پھر افتتاح سے ماخوذ ہے، اس صورت میں معنیٰ ہوگا کہ سلام وکلام میں پہل مت کرو۔

چھ ملعون:

۱۰۱۔وعن عائشة قالت: قال رسول اللهﷺ: ستةٌ لعنتُهم ولعنهم الله و كلّ نبيّ يُجابُ:الزائدُ فی كتابِ اللهِ والمكذِّبُ بقدرِ اللهِ والمتسلّطُ بالجبروتِ لِيُعِزّ مَنْ أذلّه اللهُ ويُذِلّ مَن أعزّه اللهُ والمُستحِلُّ لحَرَمِ الله والمستحلُّ مِن عِترتی ماحرّمَ اللهُ والتاركُ لسنّتی.[رواه البيهقی فی المدخل ورزين فی كِتابه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: چھ شخص ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے اور اللہ نے بھی ان پر لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا قبول کی جاتی ہے (وہ چھ شخص یہ ہیں): کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا اور اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا اور زبردستی غالب آنے والا تا کہ ایسے شخص کو معزز بنائے جسے اللہ نے ذلیل کر رکھا ہے اور ایسے کو ذلیل کرے جسے اللہ نے عزت بخشی ہے اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال جاننے والا اور میری اولاد سے اس چیز کو حلال جاننے والا جسے اللہ نے حرام کردیا ہے اور میری سنت کو ترک کرنے والا۔(بیہقی)

تشریح: قوله: الزائد فی كتاب الله...:۔قرآن میں زیادتی یہ ہے کہ اس کے الفاظ میں یا معنیٰ میں یعنی حکم میں زیادتی کرے، یہ کفر ہے اور کسی آیت کی ایسی تاویل کرنا جو قرآن وسنت کے خلاف ہو، یہ بدعت ہے۔

قوله: و المتسلط با لجبروت...:۔زبردستی حکومت کرنے والا جس کی غرض یہ ہو کہ زیادہ سے زیادہ اغراض ومفادات سمیٹے جائے خواہ کسی حقدار کی حق تلفی ہی کیوں نہ ہو اور خواہ اس کے لئے اللہ کے نیک صالح بندوں کو ذلیل وخوار ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور فساق وجہال کو معزز ہی کیوں نہ بنایا جائے۔

قوله: والمستحل لحرم الله .....:۔[حُرُم]حُرمةٌ کی جمع ہے، معنیٰ ہوگا:''اللہ کی حرام کردہ چیزیں'' اور اگر دو فتحوں کے ساتھ حَرَمٌ ہو تو اس سے حرمِ مکہ مراد ہے۔اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ جو شخص حرم شریف کی حرمت کو پامال کرنے والا ہو یعنی حرم کے اندر حرام کی گئی چیزوں کو حلال سمجھے مثلاً: شکار کھیلے جو حدود حرم میں حرام ہے تو وہ بھی ملعون ہے۔شوافع کے ہاں یہی حکم حرم مدینہ کا بھی ہے جبکہ مالکیہ واحناف کے ہاں حرم مدینہ احترام کی رعایت کی حد تک تو حرم ہے لیکن احکام کے اعتبار سے حرم نہیں۔

قوله: والمستحل من عترتی...:۔اس کے دو مطلب ہیں:

(۱) جو شخص میری اولاد کی تعظیم نہ کریں یا ان کو کسی طرح بھی ایذا پہنچائے وہ بھی مستحق لعنت ہے۔

(۲) میری نسل واولاد میں سے ہونے کے باوجود کوئی شخص حرام کو حلال جانے اس پر لعنت ہو، اس صورت میں مِــن بیانیہ ہوگا اور پہلی صورت میں ابتدائیہ۔

قوله: والتارك لسنتی :۔سنت کو استہزاءً واستخفافاً (یعنی معمولی اور حقیر سمجھتے ہوئے) ترک کرنا کفر ہے۔اس صورت میں لعنت اپنے حقیقی

معنیٰ میں ہوگی اور تکاسل (سستی) کی بنا پر سنت کو ترک کرنا فسق ہے اس صورت میں لعنت زجراً و توبیخاً ہوگی۔

موت کی مقررہ جگہ کی طرف کوئی حاجت پیدا کردی جاتی ہے:

۱۰۲۔وعن مَطر بن عُكامِسٍؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إذا قضَى اللهُ لِعَبْدٍأن يموتَ بأرضٍ ،جعلَ لهُ اليه حاجةً.

ترجمہ: حضرت مطر بن عکامسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے، کے لیے ایک زمین میں مرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس (زمین) کی طرف اللہ اس بندے کی کوئی حاجت بنا دیتا ہے۔(احمد، ترمذی)

اطفالِ مشرکین کی تعذیب کے قائلین کی دلیل:

۱۰۳۔وعن عائشةَؓ قالت:قلتُ: يا رسولَ الله! ذُرارِى المؤمنينَ ،قال: من آبائهم فقلتُ: يا رسول الله!بلاعملٍ ،قال: اللهُ أعلَمُ بماكانوا عامِلينَ؛قلتُ:فذُرارِى المشركينَ ،قال: مِن آبائِهم فقلتُ: يا رسولَ الله!بلاعملٍ ،قال: اللهُ أعلمُ بماكانوا عاملينَ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مسلمانوں کی (مرنے والی نابالغ) اولاد کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: اپنے آباء کے تابع ہیں (یعنی جنتی ہیں) میں نے کہا کہ یارسول اللہ! بغیر کسی عمل کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ خوب جانتا ہے ان اعمال کو جو (زندہ ہونے کی صورت میں) یہ کرتے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا کہ مشرکین کے بچوں کا کیا حکم ہے؟ فرمایا وہ بھی اپنے آباء کے تابع ہیں۔میں نے پوچھا، بغیر کسی عمل کے؟ فرمایا: اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ بچے (زندہ رہنے کی صورت میں) کیا عمل کرتے۔(ابوداؤد)

۱۰۴۔وعن ابن مسعودؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: الوائدةُ والموؤدةُ فى النارِ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (بچی کو) زندہ گاڑنے والی (دائی) اور جس (بچی) کو گاڑا گیا ہے دونوں جہنم میں ہوں گے۔(ابوداؤد)

تشریح: بقولِ علامہ طیبیؒ زیرِ بحث حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث کو اثباتِ قدر پر اور اطفالِ مشرکین کی تعذیب ثابت کرنے کے لئے اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔اس ارشادِ گرامی میں "وائدة" سے مراد دائی ہے جو بچی کو درگور کرنے میں معاون ہوتی اور "الموؤدة" سے مراد زندہ درگور کردہ بچی ہے۔اس صورت میں یہ حدیث اطفالِ مشرکین کی تعذیب کے قائلین کی دلیل ہوگی۔جمہور کے ہاں موؤدۃ (زندہ درگور کی جانے والی بچی) کے حق میں یہ حدیث منسوخ ہوچکی ہے یا پھر اس سے مراد کوئی خاص موؤدۃ ہے، جس کے کفر کے متعلق آپ ﷺ کو آگاہ کردیا گیا تھا کہ اگر یہ بڑی ہوتی تو کافرہ بنتی جیسا کہ حضرت خضرؑ کے قتل کردہ بچے کے کفر کے بارہ میں حضرت خضرؑ کو آگاہ کردیا گیا تھا یا پھر اس سے مراد "موؤدةٌ لها" یعنی درگور کی جانے والی بچی کی ماں ہے اس صورت میں "لها" صلہ محذوف مانا جائے گا۔

"الفصل الثالث"

اللہ تعالیٰ ہر بندے کے متعلق پانچ باتوں سے فارغ ہو چکا ہے:

۱۰۵۔عن أبي الدرداءؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إنّ الله عزّ وجلّ فرغ إلیٰ کلّ عبدٍ من خلقهٖ من خمسٍ: مِن أجلِهٖ وعملهٖ ومَضْجَعهٖ وأثرِهٖ ورِزقِهٖ.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اللہ عز وجل اپنی مخلوق میں ہر بندے کے متعلق پانچ باتوں سے (تقدیر لکھ کر) فارغ ہو چکا ہے: اس کی موت (کے وقت مقرر) سے، اس کے (اچھے برے) عمل سے، اس کے رہنے کی جگہ سے، اس کے پھرنے سے اور اس کے رزق سے"۔(احمد)

تشریح: قوله: مِن أجلـه و عـملـه و مضجعه و أثره ورزقهٖ :۔"أجـله" سے مراد یا تو زندگی ہے اور یا موت کا وقتِ مقرر اور "مضجعه" سے مراد جائے سکون وقرار اور "أثره" سے تمام حرکات وسکنات مراد ہے یا "مضجعه" سے مراد قبر اور "أثره" سے مراد اعمال کا اچھا یا بُرا اثر یعنی ثواب وعقاب ہے۔

۱۰۶۔وعن عائشةؓ قالت: سمعتُ رسول اللهﷺ يقول: من تكلّمَ في شيءٍ من القدرِ سُئِل عنه يومَ القيامةِ ومَنْ لم يتكلّم فيه لَمْ يُسئَلُ عنه.[ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے تقدیر (کے کسی مسئلہ) میں کلام کیا اُس سے قیامت کے دن (اس بارے میں) باز پرس ہوگی اور جس نے (اس حوالے سے) بحث نہیں کی اس سے باز پرس نہ ہوگی۔(ابن ماجہ)

اگر اللہ آسمان وزمین کی تمام مخلوق کو عذاب دے تب بھی وہ ظالم نہ ہوگا:

۱۰۷۔وعن ابن الدَّيْلَمِيِّ قال أتيتُ أُبَيَّ بن كعبٍؓ فقلتُ له :قد وقع في نفسي شيءٌ من القدر فحدِّثْني لعلّ اللهَ أنْ يُذهِبَهٗ مِن قلبي فقال: لوْ أنّ اللهَ عزّ وجلّ عذّبَ أهلَ سمٰوٰتِهٖ وأهلَ أرضِهٖ عذّبَهم وهوغيرُ ظالمٍ لهم ولورحِمهم لكان رحمتُه خيرًا لهم مِن أعمالِهم ولو أنفقتَ مثلَ أحدٍ ذهبًا في سبيلِ اللهِ ماقبِله اللهُ منكَ حتىٰ تؤمِنَ بالقدرِ وتعلمَ أنّ ماأصابكَ لم يكنْ ليُخطِئَكَ وإنّ ماأخطأكَ لَمْ يكنْ لِيُصيبَكَ ولومُتَّ علىٰ غيرِ هذالدخلتَ النّار.قال :ثمّ أتيتُ عبدَاللهِ بن مسعودٍ فقال: مثلَ ذلك قال: ثمّ أتيتُ حُذيفةَ بن اليمانؓ فقال مثلَ ذلك ثمّ أتيتُ زيدَ بن ثابتٍؓ فحدّثني عن النبيِّ ﷺ مثلَ ذلك.

ترجمہ: ابن دیلمیؒ کہتا ہے کہ میں حضرت ابی بن کعبؓ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے دل میں تقدیر کے حوالے سے کچھ شبہات پیدا ہوئے ہیں لہذا میرے واسطے کوئی حدیث بیان کیجئے امید ہے کہ اللہ (حدیث کی برکت سے) میرے شبہ کو ختم فرمائے گا۔(یہ سن کر) حضرت ابیؓ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان وزمین والوں کو عذاب دے تو بھی اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ ہوگا اور اگر اِن کو اپنی رحمت سے نوازے تو اللہ کی

رحمت اِن (اہلِ سمٰوٰت واہلِ ارض) کے لیے ان کے اعمال سے بہتر ہوگی۔اور اگر تو اُحد (پہاڑ) کے بقدر سونا اللہ کے راستے میں خرچ کردے تو اللہ اس کو تجھ سے قبول نہ فرمائے گا یہاں تک کہ تو تقدیر پر ایمان لائے اور اس (بات) کا یقین کرلے کہ جو تجھے (مقدر سے) ملنے والا تھا وہ تجھ سے چوکنے والا نہ تھا اور جو تجھے نہیں ملنا تھا وہ مل نہیں سکتا تھا۔اگر تجھے اس (تقدیر پر ایمان) کے علاوہ کسی عقیدہ پر موت آئی تو یقیناً دوزخ میں جاؤ گے۔ابن دیلمی کہتا ہے کہ پھر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا،انہوں نے بھی یہی بات بیان کی۔پھر میں حضرت حذیفہؓ کے پاس آیا،انہوں نے بھی یہی کہا۔پھر میں حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس گیا،انہوں نے یہی بات نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہوئے بیان کی۔(احمدؒ،ابوداؤد،ابن ماجہ)

تشریح: قوله: لو أنّ الله عذب أهل سمٰوٰته و أهل أرضه عذّبهم وهو غيرُ ظالمٍ لهم... :۔ابن دیلمیؒ کے دل میں عقیدۂ قدر کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہوگیا تھا جسے دور کرنے کے لیے آپؒ نے حضرت ابیؓ سے رجوع کیا۔انہوں نے عقیدۂ قدر کے متعلق چند اصول بتلائے جس میں ایک یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام اہلِ سمٰوٰت والارض کو عذاب دے تب بھی وہ ظالم نہیں ہوگا،کیونکہ ظلم'' تصرف فی ملك الغير ''کو کہتے ہیں یعنی دوسرے کی ملک میں ناروا تصرف کرنا اور یہاں یہ متحقق نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ کا ہر تصرف ''تصرف فی ملكہ'' ہے یعنی اس کا ہر تصرف اپنے ملک میں تصرف ہے۔

بدعتیوں کے سلام کا جواب نہ دیا جائے:

۱۰۸۔وعن نافعٍ أنّ رجلاً أتیٰ ابن عمرؓ فقال: إنّ فلانًا يُقرِءُ عليك السلامَ ،فقال: إنّه بلغَنِي أنّه قد أحدثَ فإن كان قدأحدثَ فلاتُقرِءْهُ منّي السلامَ فإنّي سمعتُ رسولَ اللهﷺ يكون في أمّتي[أو]في هذه الأمّة خسفٌ ومَسخٌ أوقذفٌ في أهلِ القدَرِ.[ترمذی،أبو داؤد،ابن ماجة؛وقال الترمذي هذاحديثٌ حسنٌ غريب]

ترجمہ:حضرت نافع کہتا ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے،آپؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس شخص نے (دین میں) کوئی نئی بات نکالی ہے،اگر واقعۃً اس نے کوئی نئی بات ایجاد کی ہے تو میری طرف سے اسے (جواب میں) سلام مت کہو،کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میری امت میں یا فرمایا کہ اس امت میں (زمین میں) دھنس جانا اور صورتوں کا مسخ ہوجانا یا پتھروں کا برسنا تقدیر (کا انکار کرنے) والوں میں ہوگا۔(ترمذی،ابن ماجہ،ابوداؤد)

۱۰۹۔وعن عليٍّؓ قال: سألت خديجة النبيﷺ عن ولدين ماتا لها في الجاهليّة ،فقال رسول اللهﷺ:هما في النّار ،قال: فلمّا رأى الكراهةَ في وجهِهاقال: لورأيتِ مكانَهمالأبغضتِهما،قالتْ :يارسولَ الله! فولدِي منكَ ،قال: في الجنّة،ثمّ قال رسول اللهﷺ :إنّ المؤمنينَ وأولادَهم في الجنّة وإنّ المشركينَ وأولادَهم في النّار،ثمّ قرأ رسولُ اللهﷺ:"والذين آمنواواتبعتُهم ذريّتُهم" .[أحمد]

ترجمہ:حضرت علیؓ راوی ہیں کہ حضرت خدیجہؓ نے نبی پاک ﷺ سے اپنے ان دو بچوں کے متعلق پوچھا جو جاہلیت میں فوت ہوگئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:وہ دوزخ میں ہیں۔حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے

تو فرمایا کہ اگر تم ان (بچوں) کا حال دیکھ لیتیں تو ان سے نفرت کرنے لگتیں۔ حضرت خدیجہؓ نے پوچھا کہ میری وہ (نابالغ مرنے والی) اولاد جو آپ (ﷺ) سے ہے؟ فرمایا: وہ جنت میں ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمنین اور ان کی اولاد جنت میں ہیں اور مشرکین اور ان کی اولاد دوزخ میں ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ) ''جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کا اتباع کیا تو ہم ان کی اولاد کو (جنت میں) ان کے ساتھ ہی رکھیں گے''۔ (رواہ احمد)

حضرت آدمؑ کا حضرت داؤدؑ کو اپنی عمر میں سے ساٹھ سال دینا:

۱۱۰۔عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لمّا خلق اللهُ آدم مسح ظهره ،فسقطَ عن ظهرِه كلُّ نسمةٍ هوَ خالقُهامِن ذريّتِه الیٰ يومِ القيامةِ وجعلَ بين عينيْ كلِّ انسانٍ منهم وبيصًا مِن نورٍ ثمّ عرضهم علىٰ آدمَ ،فقال:اي ربِّ ! مَن هؤلاءِ ؟ قال: ذريّتُك ،فرأىٰ رجلاً منهم فأعجبَه وبيصُ مابينَ عينيه،فقال: اي ربِّ ! مَن هذا؟ قال: داؤد،فقال:اي ربِّ ! كم جعلتَ عمرَهُ ،قال: ستّين سنةً ،قال:ربِّ ازِدْه مِن عمري أربعينَ سنةً ،قال رسولُ الله ﷺ :فلمّاانقضٰى عمرُ آدمَ الّا أربعينَ جاءه ملَكُ الموت فقال آدمُ:أوَلَم يبقَ مِن عمري أربعينَ سنةً ،قال: أوَلَم تُعطِها ابنكَ داؤدَفجحَدَ آدمُ فجحَدَ ذريّتُه ونسِي آدمُ فأكلَ مِن الشجرةِ فنسيتْ ذريّتُه وخطأ آدمُ وخطأتْ ذريّتُه.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، چنانچہ آدمؑ کی پشت سے وہ تمام جانیں گر پڑیں جن کو آدمؑ کی اولاد میں اللہ نے قیامت تک پیدا کرنا تھا اور ان میں سے ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھی پھر ان سب کو آدمؑ کے سامنے کھڑا کیا۔ (ان کو دیکھ کر) حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا: اے پروردگار! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیری اولاد ہیں۔ آدمؑ نے ان میں سے ایک آدمی کو دیکھا جس کے آنکھوں کے درمیان (غیر معمولی) چمک اُن کو بہت بھلی لگی۔ پوچھا اے پروردگار! یہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ داؤدؑ ہیں۔ آدمؑ نے پھر پوچھا: تو نے اِن کی عمر کتنی مقرر کی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال۔ آدمؑ نے عرض کیا: پروردگار! میری عمر کے چالیس سال اِن کی عمر میں بڑھادے۔ (راوی کہتا ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب حضرت آدمؑ کی عمر میں سے صرف چالیس برس رہ گئے تو موت کا فرشتہ ان کے پاس آیا، (اسے دیکھ کر) آدمؑ نے کہا کہ کیا ابھی میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں رہتے؟ فرشتے نے کہا کہ کیا آپ نے (اپنی عمر میں سے) چالیس سال اپنے بیٹے داؤدؑ کو نہیں دیے تھے؟ چنانچہ حضرت آدمؑ نے انکار کیا اور ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے اور آدمؑ سے بھول ہوئی اور شجرہ (ممنوعہ) کھالیا تو اُن کی اولاد بھی بھولتی ہے اور آدمؑ نے خطا کی اور اُن کی اولاد بھی خطا کرتی ہے۔ (ترمذی)

تشریح: قوله: وجعل بين كل إنسانٍ منهم وبيصًامن نورٍ۔ "وبیص" کے معنی چمک کے ہیں، یہ فطرت انسانی کی طرف اشارہ ہے

قوله: قال ربِّ زِده من عمري أربعين سنة. . . : ۔یہ تقدیر کا دوسرا مرحلہ ہے جس میں تغیر آسکتا ہے، اصل تقدیر جو علم الٰہی کا نام ہے. اس میں تبدیلی نہیں آتی بلکہ اس لحاظ سے حضرت داؤدؑ کی عمر سو سال ہی تھی، مگر اس حساب سے کہ ساٹھ سال کے ساتھ چالیس سال کا اضافہ ہوگا۔ اس حدیث میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے کہ ان کا نورِ جبین خوب خوب چمک رہا تھا، جو حضرت آدمؑ کو بہت ہی بھلا معلوم ہوا

حتیٰ کہ اللہ سے دعا کردی کہ میری عمر کے چالیس برس داودؑ کو دے دیے جائیں۔ یہ حضرت داودؑ کی جزوی فضیلت ہے اور وجہ اس تخصیص کی غالبا یہ ہے کہ حضرت داودؑ ہی حضرت آدمؑ کے بعد پہلے نبی ہیں جن کو نبوت کے ساتھ ساتھ خلافت بھی عطا کی گئی۔

قوله: فجحدَ آدم فجحدت ذريته ونسي آدم... : ۔جحودِ آدمؑ کے بعد نسیانِ آدم کا ذکر اس لئے فرمایا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جحودِ آدمؑ نسیان کی بنا پر تھا نہ کہ ضد وعناد کی بنا پر۔ (نفحات، مرآۃ)

اللہ بے پرواہ ہے اُس پر کسی کا کوئی حق واجب نہیں:

۱۱۱۔وعن أبي الدرداءؓ عن النبي ﷺ قال: خلق اللهُ آدمَ حينَ خلقَه، فضربَ كتِفَه اليُمنىٰ فأخرجَ ذُرِّيَّةً بيضاء كأنّهم الذَّرُّ وضربَ كتِفَه اليُسرىٰ فأخرجَ ذُرِّيَّةً سوداءَ كأنّهم الحَممُ فقال للذي في يمينه الى الجنّةِ ولاأُبالي وقال للذي في كتِفه اليُسرىٰ: الى النّار ولاأُبالي. [أحمد]

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کے داہنے مونڈھے پر (قدرت کا) ہاتھ مارا اور اس سے سفید اولاد نکالی گویا کہ وہ چیونٹیاں تھیں، پھر بائیں مونڈھے پر ہاتھ مارا اور اس سے سیاہ اولاد نکالی گویا کہ وہ کوئلہ تھے۔ پھر اللہ نے دائیں طرف والی اولاد کے متعلق فرمایا: یہ جنت میں جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اور بائیں (مونڈھے) کی طرف والی اولاد کے بارے میں فرمایا: یہ دوزخ میں جائیں گے اور مجھ کو (اس کی) پرواہ نہیں۔ (رواہ احمد)

تشریح: قوله: فأخرجَ ذرية بيضاء كأنّهم الذرّ...: ۔[ذرّ] ذال کے فتحہ کے ساتھ بمعنیٰ چھوٹی چیونٹیاں۔ یہ تشبیہ صغرِ جسامت میں ہے۔ "فأخرجَ ذُريةً سوداءَ كأنّهم الحُمَم" [حُمَم] حممة کی جمع ہے کوئلہ کو کہتے ہیں اور یہ تشبیہ رنگت میں ہے۔

قوله: فقال للذي في يمينه إلى الجنة ولا أبالي وقال للّذي في كتفه اليُسرىٰ إلى النّار ولا أُبالي...: ۔اس سے اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ بندوں کا کوئی حق بھی اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں اور معتزلہ کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اعمال موجب ہیں اور بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ پر ایسا معاملہ کرنا جو "اصلح للعبد" ہو یعنی بندے کے حق میں زیادہ مفید ہو، واجب ہے۔

۱۱۲۔وعن أبي نضرةَ أنّ رجلاً من أصحابِ النبي ﷺ يقالُ له: أبو عبدالله، دخل عليه أصحابُه يعودُونهُ وهو يبكي، فقالوا له: مايُبكيكَ؟ ألَم يقلْ لك رسولُ الله ﷺ: خُذْمِنْ شاربِكَ ثمّ أقِرّه حتيّٰ تلقاني، قال: بليٰ! ولكِنْ سمعتُ رسول الله ﷺ يقولُ: انّ اللهَ عزّ وجلّ قبضَ بيمينه قبضةً وأُخرىٰ باليد الأُخرىٰ وقال: هذه لهذه وهذه لهذه ولاأُبالي، ولاأدري في أيّ القبضتينِ أنا. [أحمد]

ترجمہ: حضرت ابونضرہؒ راوی ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے صحابہ میں سے ایک صاحب ابوعبداللہ نام کے تھے اُن کی عیادت کے لیے ان کے دوست آئے۔ (انہوں نے دیکھا کہ) وہ رو رہے ہیں۔ پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ سے یہ نہ فرمایا تھا کہ تم اپنے لبوں (مونچھوں) کے بال پست کرو پھر اسی پر قائم رہ حتیٰ کہ مجھ سے (جنت میں) تیری ملاقات ہو۔ ابوعبداللہ نے کہا: ہاں! لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دائیں ہاتھ میں (انسانوں سے) ایک مٹھی لی اور دوسری مٹھی دوسرے ہاتھ میں لی، پھر دائیں ہاتھ والی مٹھی کے بارے میں فرمایا کہ یہ اس (یعنی جنت) کے لیے ہیں اور دوسری مٹھی کے بارے میں فرمایا: یہ دوزخ کے

لیے ہیں اور میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ (یہ کہہ کر ابو عبداللہ نے فرمایا) میں نہیں جانتا کہ میں کس مٹھی میں ہوں۔ (احمد)

تشریح: قوله: فقالوا له :مايُبكِيكَ ألَم يَقُل لكَ رسولُ اللهِ: خُذ من شاربك ثُمّ أقرّه حتىٰ تلقاني :۔ ابو عبداللہؓ کے دل پر تقدیر کی قہرمانی کا ایسا تسلط تھا کہ آخرت کے تصور اور خوف خدا کے غلبہ سے لسان نبوت سے نکلی ہوئی بشارت کو بھی بھول گئے اس لئے رو رہے تھے۔

جمہور حنفیہ کے ہاں ''حلقِ شوارب'' مسنون ہے:

قوله: خذ من شاربك ...:۔ اس سے معلوم ہوا کہ لبوں کا کتروانا سنت ہے، نیز کتروانے میں اتنا مبالغہ کرنا کہ منڈے ہوئے ہونے کا شبہ ہو، یہ بھی جائز ہے۔ جمہور حنفیہؒ کے ہاں حلقِ شوارب مسنون ہے اور کتروانے کی بنسبت زیادہ افضل و راجح ہے، چنانچہ امام طحاویؒ نے [شرح معانی الآثار] میں "باب حلق الشارب" قائم فرمایا ہے۔

قوله: أقرّه حتى تلقاني ...:۔ اس ارشاد میں ایک سنت کی مواظبت پر خوص کوثر پر ملاقات کی بشارت دی جارہی ہے تو بقدرِ استطاعت تمام سنتوں پر مواظبت کا کیا کچھ اثر ہوگا؟

میثاقِ ''الستُ'' وادی نعمان یعنی عرفات میں لیا گیا:

١١٣۔ وعن ابن عباسؓ عن النبيّ ﷺ قال: أخذ الله الميثاق من ظَهرِ آدمَ بنعمانَ يعني عرفةَ فأخرجَ مِن صُلبِه كلّ ذريّةٍ ذرأهافنثرَهُم بينَ يديهِ كالذَّرّ ثمّ كلّمَهم قُبُلاً ،قال: ألستُ بربّكم ؟قالوا:بلىٰ ،شهدْناأنْ تقولوايوم القيامة:إنّا كنّاعنْ هذاغافِلين،أوتقولوا:إنّماأشركَ أباءُ نا و كُنّاذريّةً مِن بعدِهم،أفتُهْلِكُنابمافعلَ المُبطِلون.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے وادی نعمان یعنی میدان عرفات میں آدمؑ کی پشت (سے پیدا ہونے والی اولاد) سے عہد لیا چنانچہ اُن کی صلب (پشت) سے اللہ نے اُن کی تمام اولاد جنہیں (قیامت تک) پیدا کرنا تھا نکالی اور ان کو آدمؑ کے سامنے چیونٹیوں کی طرح پھیلا دیا۔ پھر اللہ نے ان سے روبرو گفتگو کی۔ فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا کیوں نہیں۔ (پھر اللہ نے فرمایا کہ) ہم نے یہ شہادت (تم سے) اس لیے لی ہے کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے بے خبر تھے یا تم یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے (یعنی ہم نے ان کی اتباع میں شرک کیا) تو کیا تو ہمیں ہلاک کریگا باطل پرستوں کے اعمال کے سبب۔ (احمد)

میثاقِ ألستُ اور میثاقِ انبیاء:

١١٤۔ وعن أبيّ بن كعبؓ في قول الله عزّ وجلّ :وإذ أخذَ ربُّك مِن بني آدمَ مِن ظُهورهم ذرّيّتَهُم ؛قال:جمعَهُم فجعلَهم أزواجاً،ثمّ صوّرَهم فاستنطَقَهُم فتكلّمواثمّ أخذَ عليهم العهْدَ والميثاقَ وأشهدَهم علىٰ أنفسهِمْ :"ألستُ بربّكم ،قالوا:بلىٰ" قال:فإنّي أُشهِدُعليكُمُ السمٰوٰت السبعَ والأرضينَ السبعَ وأُشهِدُ عليكم أباكم آدمَ أن تقولوايومَ القيامةِ :لَم نعلَمْ بهذا، اعلَموا،أنّه لاالٰهَ غيري ولاربَّ غيري ولاتُشرِكوابِي شيئاًانّي سأُرسِلُ اليكم رُسُلي يُذكّرونكم عهدي وميثاقي وأُنزِلُ اليكمُ كُتُبي ،قالوا: شهِدنابأنّكَ ربّنا والٰهنالاربَّ لنا غيرُك ولاالٰهَ لنا غيرُكَ فأقرّوابذلك ورُفِع عليهم آدمُ عليه السلام ينظرُ اليهم

فرأى الغنيَّ والفقيرَ وحَسنَ الصورةِ ودونَ ذلك ،فقال:ربِّ !لولا سوّيت بينَ عبادِك،قال: إنّي أحببتُ أنْ أُشكرَ ورأى الأنبياءَ فيهم مثلَ السُّرُجِ عليهم النُّورُ ،خُصُّوابميثاقٍ آخرَفي الرسالةِ والنّبوّةِ وهوقولُه تبارك وتعالىٰ :"وإذْ أخذْنا مِن النبيّين ميثاقَهم [الىٰ قوله]عيسىٰ بن مريمَ "كان في تلك الأرواحِ فأرسلهُ الىٰ مريمَ [عليهاالسلام]فَحُدِّثَ عن أُبَيّ :أنّه دخلَ مِن فِيها.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ اس آیت: "وإذ أخذَ ربّك من بني آدم من ظهورهم ذرّيتهم..." کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کو جمع فرمایا اور ان کو قسم قسم بنایا پھر ان کو صورت بخشی اور پھر ان کو گویائی بخشی تو انہوں نے باتیں کیں پھر ان سے عہد اور میثاق لیا اور ان کو انہی پر گواہ بنا کر پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: بے شک! کیوں نہیں۔ (پھر) اللہ نے فرمایا: میں سات آسمانوں اور سات زمینوں کو تم پر گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدمؑ کو تم پر گواہ بناتا ہوں تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس سے واقف نہ تھے۔ خوب جان لو کہ نہ میرے سوا کوئی معبود ہے اور نہ میرے سوا کوئی ربّ ہے اور میرے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا، عنقریب میں تمہارے پاس اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں میرا عہد و پیمان یاد دلائیں گے اور میں تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ (یہ سن کر) اولادِ آدم نے کہا کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب اور معبود ہے تیرے سوا نہ ہمارا کوئی رب ہے اور نہ تیرے علاوہ ہمارا کوئی معبود ہے، چنانچہ ان سب نے اس کا اقرار کیا اور آدمؑ اُن پر بلند کیے گئے، وہ اپنی اولاد کو دیکھ رہے تھے۔ پس آدمؑ نے دیکھا کہ اُن (کی اولاد) میں امیر بھی ہیں اور فقیر بھی اور خوبصورت بھی ہیں اور بدصورت بھی (یہ دیکھ کر) آدمؑ نے عرض کیا: اے اللہ! اپنے تمام بندوں کو تو نے یکساں کیوں نہ بنایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے اور آدمؑ نے اپنی اولاد میں انبیاء علیہم السلام کو چراغوں کی مانند (روشن) دیکھا جن پر ایک (خاص قسم کا) نور تھا۔ اُن سے رسالت و نبوت کے متعلق ایک خاص قسم کا عہد (الگ سے) لیا گیا اس عہد کا ذکر اللہ کے اس ارشاد میں ہے "وإذْ أخذَ مِن النبيّين ميثاقَهم" سے لے کر قولِ باری تعالیٰ "عيسى بن مريم" تک۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان روحوں میں تھے، اللہ تعالیٰ نے ان (کی روح) کو مریم علیہا السلام کی طرف بھیج دیا۔ حضرت ابیؓ نے حدیث بیان فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روح حضرت مریم علیہا السلام کے منہ کی جانب سے اُن (کے بدن) میں داخل ہوئی۔ (احمد)

پہاڑ اپنی جگہ سے سرک سکتا ہے لیکن اخلاق نہیں بدل سکتے:

۱۱۵۔ وعن أبي الدرداءؓ قال: بينما نحنُ عند رسولِ اللهِ ﷺ نتذاكرُ ما يكونُ إذْ قال رسولُ اللهِ ﷺ:اذاسمِعتم بجبلٍ زالَ عن مكانِه فصدّقُوه واذاسمِعتمُ برجلٍ تغيّرَ عنْ خُلُقِهٖ فلاتُصدّقوابه فإنّه يصيرُ الىٰ ماجُبِلَ عليه.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس (بیٹھے ہوئے) آئندہ ہونے والے واقعات پر گفتگو کر رہے تھے۔ اس وقت (ہماری باتیں سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے سرک گیا ہے تو اس کو سچا مان لو اور جب تم کسی آدمی کے متعلق یہ سنو کہ وہ اپنے خُلُق سے بدل گیا ہے تو اس کو سچ نہ مانو، کیونکہ انسان اسی (خُلق) کی طرف جاتا ہے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے۔ (احمد)

ایک شبہ اور اُس کا جواب:

تشریح: قوله: و إذا سمعتم برجل تغير عن خلقه فلا تصدقوا به... :۔اس حدیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اخلاق مقدر ہو چکے ہیں ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی جبکہ دیگر نصوص اس کے برخلاف ہیں؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ایک ہے ''ذاتی تغیر'' یعنی کسی خلق کا مادہ ہی ختم ہو جائے۔تو جاننا چاہیے کہ اخلاق میں ذاتی تغیر نہیں ہو سکتا، مثلاً: غضب ایک خلق ہے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کا مادہ ہی ختم ہو جائے اور اس کی جگہ شفقت لے لے۔حدیث زیرِ بحث کا یہی مطلب ہے اور ایک ہے ''وصفی تغیر و تبدیلی'' کہ خلقِ غضب کے متعلقات بدل جائے مثلاً: پہلے ناحق کے لئے غصہ تھا اور اب حق کی خاطر۔دوسری جن احادیث میں اخلاق سنوارنے کی ترغیب ہے ان میں اسی تبدیلی کی طرف اشارہ ہے۔ بالفاظ دیگر تغیرِ اخلاق کے حوالے سے دو باتیں کہی جا سکتی ہیں: (۱) تغیر بمعنیٰ ازالۂ اخلاق (۲) تغیر بمعنیٰ امالۂ اخلاق۔ تو ازالۂ اخلاق ناممکن ہے جس پر حدیثِ زیرِ بحث دال ہے اور امالۂ اخلاق ممکن ہے جس پر دیگر احادیث دال ہیں۔(فحات، تحفۃ المرآۃ)

آپ ﷺ کا ہر سال بیمار پڑنا:

۱۱۶۔وعن أمّ سلمةؓ قالت :يا رسول الله إلا يزالُ يُصيبُك في كلّ عامٍ وجعٌ مِن الشّاةِ المسمومةِ ،قال: ماأصابني شئٌ منهاالا وهومكتوبٌ عليَّ وآدمُ في طينته.[ابن ماجة].

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ (ﷺ) نے (خیبر کے موقع پر) جو زہر آلود بکری کھائی تھی اس سے آپ (ﷺ) ہر سال بیمار پڑتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو (بیماری و تکلیف) مجھے اس بکری (کا گوشت کھانے) سے پہنچتی ہے وہ میرے لیے اُس وقت لکھ دی گئی تھی جب کہ آدمؑ اپنی مٹی میں تھے۔(ابن ماجہ)

(بابُ إثباتِ عذابِ القبرِ)

قبر کے عذاب و ثواب کا ثبوت:

مرنے کے بعد عذاب و راحت کے ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اس لئے کہ یہ قرآنی آیات، نبوی ارشادات اور اجماع امت سے صراحۃً ثابت ہے۔البتہ چونکہ اہلِ قبور میں کفار اور عصاۃ مومنین کی تعداد زیادہ ہے اس لئے تغلیباً صرف ''عذاب قبر'' کا عنوان اختیار کیا جاتا ہے ''ثواب'' کو ذکر نہیں کرتے۔یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کے بعد معطوف علیہ محذوف ہے تقدیری عبارت یہ ہوگی: ''باب إثبات عذاب القبر و راحته''۔لفظ ''قبر'' حقیقۃً تو اس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے اور مجازاً مرنے کے بعد ''برزخی مقام'' کو قبر کہتے ہیں، یہاں یہی مراد ہے یعنی اگر کسی کو حسی گڑھے میں دفن نہ بھی کیا جائے، اس کے لئے بھی قبر کی راحت اور اس کا عذاب ثابت ہے۔

عذابِ قبر کے بارے اسلامی فرقوں کا اختلاف:

عذابِ قبر کے بارے میں اسلامی فرقوں میں اختلاف ہوا ہے، یہاں چار مشہور مذاہب نقل کئے جاتے ہیں:

(۱) بعض خوارج، معتزلہ اور بعض روافض کا مذہب یہ ہے کہ قبر میں ثواب وعذاب کچھ نہیں ہوتا نہ روح کو نہ جسد کو۔

(۲) ابوالحسین صالحی وغیرہ بعض لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ قبر میں ثواب وعذاب صرف جسم کو ہوتا ہے روح کو نہیں ہوتا۔

(۳) ابن حزم ظاہریؒ کا مذہب یہ ہے کہ عذاب وثواب صرف روح کو ہوتا ہے بدن کو نہیں ہوتا۔

(۴) جمہور اہلِ سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ قبر میں عذاب وثواب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے یعنی جسم اور روح میں اس درجہ کا تعلق پیدا کر دیا جاتا ہے کہ جسم میں ''نوع من الحیاۃ'' (ایک گونہ حیات) آجاتی ہے جس سے جسم عذاب وثواب کا ادراک کر سکتا ہے۔

عذابِ قبر کے ثبوت میں اہلِ سنت والجماعت کے دلائل:

جمہور اہلِ سنت والجماعت کے موقف کی تائید متعدد قرآنی آیات، احادیث اور اجماعِ امت سے ہوتی ہے۔ احادیثِ عذابِ قبر بقولِ علامہ ابن ہمامؒ تواترِ معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں چنانچہ مشکوٰۃ کے زیرِ بحث باب میں بھی کئی ساری احادیث اس سلسلے میں مذکور ہیں۔ جبکہ قرآنی آیات میں سے چند ایک یہ ہیں:

(۱) ''وَحَاقَ بِآلِ فِرعونَ سوءُ العذابِ النارُ يُعرَضُونَ عليها غُدُوًّا وعَشِيًّا و يومَ تقومُ الساعةُ أدخِلوا آلَ فرعونَ أشدَّ العذابِ''. (پ:۲۴) ترجمہ: ''آلِ فرعون کو برے عذاب نے آگھیرا، وہ لوگ آگ پر صبح وشام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (کہا جائے گا کہ) آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو''۔ بقولِ علامہ ابن کثیرؒ اس آیت میں عذابِ قبر کے متعلق اہلِ سنت کے مذہب کی اصلِ کبیر موجود ہے۔

(۲) '' ولو ترى اِذِ الظّٰلمونَ في غمراتِ الموتِ والملائكة باسِطُوا أيديهم أخرِجوا أنفسَكم اليومَ تجزونَ عذابَ الهون ...'' (پ:۷) ترجمہ: ''اگر تم دیکھو جس وقت ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوتے ہیں اور ملائکہ موت اُن کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہتے ہیں کہ اپنی جانیں ہمارے سپرد کرو، آج تمہیں ذلت والا عذاب بدلے میں دیا جائے گا''۔ اس آیت میں ''عذابِ الھون'' سے مراد عذابِ قبر ہے کیونکہ قیامت کا عذاب تو کافی مدت بعد ہوگا اس کو موت کے وقت ''الیوم عذاب الھون'' سے تعبیر نہیں کر سکتے۔

(۳) ''مِمّا خطِيئتهم أغرِقوا فادخِلوا نارًا'' . (پ۲۹) ترجمہ: ''اپنے گناہوں کے سبب سے قومِ نوح کو غرق کیا گیا پھر فوراً آگ میں داخل کیا گیا''۔ اِس میں ادخالِ نار سے نارِ قبر میں داخل ہونا مراد ہے نہ کہ نارِ جہنم میں کیونکہ قومِ نوح کی غرقیابی کے ذکر کے بعد فاء (جو عطف بلاتراخی کے لئے آتا ہے) کے ساتھ ''فادخلوا نارا'' فرمایا گیا ہے۔

(٤) ''يُثَبِّتُ اللهُ الّذينَ امنوا بالقولِ الثابتِ في الحيٰوةِ الدنيا و في الآخرةِ....''۔ از روئے حدیثِ مرفوع (جو فصل اول میں مذکور ہے) یہ آیت عذابِ قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

عذابِ قبر پر دو شبہات اور اُس کے جوابات:

عذابِ قبر پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ میت کے اعضاء کبھی تو چورا چورا ہو کر مٹی میں مل جاتے ہیں تو کبھی جل کر راکھ اور کبھی کسی درندے کے جسم کا حصہ بن جاتے ہیں تو ان صورتوں میں عذابِ قبر کی صورت کیا ہوگی؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ اور علیمِ محیط سے اس پر قادر ہے۔

کہ میت کے جسم کے ہر ہر جز کے ساتھ عذاب وثواب کا تعلق قائم کردیں جبکہ اہلِ سنت والجماعت کا مسلک بھی یہی ہے۔ یہ شبہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ قبر کھولنے پر عذابِ قبر ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟ کیونکہ عذابِ قبر کا تعلق عالمِ برزخ کے ساتھ ہے اور ایک عالم سے دوسرے عالم کا مشاہدہ نہیں ہوسکتا جیسے آدمی عالمِ بیداری سے عالمِ خواب کا مشاہدہ نہیں کرسکتا۔ ہاں بذریعہ کشف مشاہدہ ہوسکتا ہے اور اسی طرح کبھی کبھار لوگوں کی عبرت کے لئے اللہ پاک مشاہدہ کرادیتے ہیں۔

''الفصل الاول''

مسلمان بندے کا قبر میں توحید ورسالت کی گواہی دینا:

۱۱۷۔عن البراء بن عازبؓ عن النبی ﷺ قال: المسلمُ إذا سُئل فی القبرِ یشهدُ أن لا إله إلا اللهُ وأنّ محمدًا رسولُ الله فذلك قوله: "یُثَبّتُ الله الّذین امنوا بالقولِ الثابت فی الحیوٰة الدنیا وفی الآخرةِ'' . وفی روایةٍ عن النبیّ ﷺ قال:"یُثبّت اللهُ الّذین امنوا بالقولِ الثابت"نزلتْ فی عذاب القبرِ ،یُقالُ له :مَنْ ربُّكَ ؟فیقولُ :ربّی اللهُ ونبیّی محمدٌ.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس وقت مسلمان سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں، یہی اللہ کا فرمان ہے:"یُثبّتُ الله الّذین امنوا بالقولِ الثابت فی الحیوٰة الدنیا وفی الآخرةِ''ترجمہ:''اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو محکم بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتے ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی''۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آیت:''یُثبّت الله الّذین امنوا بالقولِ الثابتِ....''عذابِ قبر کے بارے میں نازل ہوئی، چنانچہ مردہ سے (قبر میں) سوال کیا جاتا ہے: تیرا رب کون ہے؟ (جس کے) جواب میں وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا نبی محمد ہے۔

میت کا لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سننا:

۱۱۸۔وعن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ العبدَ إذا وُضِع فی قبرهِ وتولّیٰ عنه أصحابه، إنّه لیسمعُ قرعَ نِعالهم أتاه ملَكانِ فیُقْعِدانِه فیقولانِ :ماكنتَ تقولُ فی هذاالرجلِ لمحمّدٍ فأمّاالمؤمنُ فیقول: أشهدُ أنّه عبدُ اللهِ ورسولُه فیُقالُ له :اُنظرْ الیٰ مقعدِكَ مِن النّار قدْ أبدلكَ اللهُ به مقعدًا مِن الجنّة فیراهماجمیعًا؛وأمّاالمنافقُ والكافرُفیُقالُ له :ماكنتَ تقولُ فی هذاالرجلِ لمحمّد،فیقولُ :لاأدری ،كنتُ أقولُ مایقولُ النّاسُ ،فیقالُ له :مادریتَ وماتلیتَ ویُضرَبُ بمطارقَ مِن حدیدٍ ضربةً فیصیحُ صیحةً یسمعُهامَن یلیه غیرَ الثّقَلین.[متفق علیه ولفظه للبخاری]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی (رشتہ دار وغیرہ) واپس جانے لگتے ہیں تو وہ (میت) ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ (اور) اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھانے کے بعد پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص یعنی محمد (ﷺ) کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ پس مؤمن جواب میں کہتا ہے: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر اس بندہ مؤمن سے کہا جاتا ہے: دیکھ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ، جس کے بدلے میں اللہ نے تجھے جنت میں ٹھکانہ دیا ہے، چنانچہ وہ (مردہ) دونوں ٹھکانوں کو دیکھتا ہے۔ اور منافق وکافر مردہ سے (بھی یہ) پوچھا جاتا ہے کہ تو اس شخص

یعنی محمد (ﷺ) کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا جو (مؤمن) لوگ کہا کرتے تھے میں بھی وہی کہا کرتا تھا۔ اس (مردہ) سے کہا جاتا ہے کہ نہ تو نے (عقل سے) جانا اور نہ (قرآن) پڑھا، (اس کے بعد) اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے جس سے وہ چیختا ہے اس کی چیخ وپکار انسانوں اور جنوں کے ماسوا قریب کی تمام مخلوقات سنتی ہیں۔ (متفق علیہ)

مسئلہ سماعِ موتی:

تشریح: قوله: إنّه ليسمعُ قرعَ نعالهم ..... :۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے سنتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے سماع میں تو سلف کا کوئی اختلاف ہی نہیں، البتہ عام مردوں کے سماع میں صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف اعتقادی نوعیت کا نہیں بلکہ علم و تحقیق اور بحث وتمحیص پر اس کی بنا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ دونوں طرف اکابر بھی ہیں اور دلائل بھی، سوا ایسے اختلافی امر کا فیصلہ کون کرسکتا ہے؟ البتہ نفی سماع کے قائلین صحابہ کرامؓ مطلق نفی کے قائل نہیں بلکہ اُن مواقع میں یہ حضرات بھی سماع کے قائل ہیں جو نصوص سے ثابت ہیں۔ حضرت عائشہؓ جو نفی سماع کی قائل ہیں، اُن کا رجوع بھی ثابت ہے۔

جمہور اہلِ سنت والجماعت اور اکابر علماء دیوبند کا مذہب اس مسئلہ میں جوازِ سماع ہے۔ اور بقول علامہ کشمیریؒ احادیث جو دال علی السماع ہیں حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ بھی ایسا ہی فرماتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پر سلف کا اجماع ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ بھی قریب قریب وہی بات کرتے ہیں جو جمہور علماء کرتے ہیں۔

قوله: ماكنتَ تقولُ في هذا الرجلِ لمحمدٍ... :۔فرشتے کا کسی تعظیمی لفظ کے بغیر آپ ﷺ کو "الرجل" سے تعبیر کرنا اس لئے ہے کہ مسئول یعنی مردہ فرشتے کے الفاظ سے جواب حاصل نہ کرسکے، باقی "لمحمد" راوی کی طرف سے "الرجل" کا بیان ہے نہ کہ فرشتے کی طرف سے۔

کیا آپ ﷺ ہر قبر میں حاضر ہوتے ہیں؟:

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ "هذا" تو اسمِ اشارہ قریب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ ہر قبر میں حاضر ہوتے ہیں، تبھی تو فرشتہ آپ ﷺ کی طرف اشارہ کر کے میت سے پوچھتا ہے: "ماكنتَ تقول في هذا الرجل؟"

بعض محدثین نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ حضور کی شبیہ (صورتِ مثالی) قبر میں ظاہر ہو جاتی ہے اسی کی طرف اشارہ کر کے یہ سوال پوچھا جاتا ہے۔ بعض علماء کے ہاں میت اور آپ ﷺ کے درمیان سے حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں پھر سوال ہوتا ہے۔ لیکن یہ دونوں توجیہات جمہور محدثین کے ہاں بے اصل ہیں۔ درست توجیہ یہ ہے کہ بسا اوقات کوئی چیز مشہور ومعروف اور ذہن میں معلوم ومعہود ہوتی ہے اسی معہودِ ذہنی کی طرف اشارہ قریب ہوتا ہے، تو چونکہ آپ ﷺ اپنی شہرت کی وجہ سے معہودِ ذہنی ہیں اس لئے اسی معہودِ ذہنی کی طرف اشارہ قریب کر دیا گیا، محدثین نے اس کے ڈھیر سارے نظائر وامثال ذکر فرمائے ہیں۔

میت کو قبر میں صبح شام اُس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے:

١١٩۔ وعن عبد الله بن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ أحدَكم إذا مات عُرِضَ عليه مقعدُه بالغداةِ إن كانَ مِن أهلِ

الجنّة فمِن أهل الجنّة وإن كان مِن أهلِ النّار فمِن أهلِ النّار،فيُقالُ :هذامقعدُك حتىٰ يبعثَك اللهُ اليه يوم القيامة.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمرؓروایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو (قبر میں) صبح شام اس کا ٹھکانہ اس کے سامنے لایا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنتیوں کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور اگر وہ دوزخی ہے تو دوزخیوں کو ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے (پس انتظار کر) یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تجھے (قبر سے) اٹھا کر اس (ٹھکانے) کی طرف بھیجے۔(متفق علیہ)

یہود بھی قبر کے عذاب کے قائل ہیں:

۱۲۰۔عن عائشةؓ إنّ يهوديةً دخلت عليها، فذكرت عذاب القبرِ،فقالت: أعاذكِ الله من عذاب القبرِ فسألتُ عائشةُ رسولَ اللهﷺ عن عذابِ القبرِ فقال:نعم! عذابُ القبرِ حقٌّ ،قالت عائشةُ :فمارأيتُ رسولَ اللهﷺ بعدَصلّى صلاةً الّاتعوّذَ بالله مِن عذاب القبر.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی اور اس نے عذابِ قبر کا ذکر کیا اور اُن سے کہا کہ اللہ تجھے عذابِ قبر سے بچائے،حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عذابِ قبر کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! قبر کا عذاب حق ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ کوئی نماز پڑھی ہو اور اس کے بعد عذابِ قبر سے پناہ نہ مانگی ہو۔(متفق علیہ)

آپ ﷺ کو پہلے عذابِ قبر کا علم نہیں تھا بعد میں اس کا علم دیا گیا:

تشریح: قوله: صلّى صلاة إلا تعوذَ بالله من عذابِ القبرِ.....:۔آپ ﷺ کا عذابِ قبر سے پناہ مانگنا محض امت کی تعلیم کے لئے تھا کہ جب وہ محبوبِ خدا عذابِ قبر سے پناہ مانگ رہا ہے تو امت کو تو ضرور پناہ مانگنی چاہیے۔آپ ﷺ کو پہلے عذابِ قبر کا علم نہیں تھا اسی بنا پر ایک حدیث میں آتا ہے کہ عذابِ قبر سے آپ ﷺ نے یہ کہہ کر انکار بھی فرمایا: ”كذب اليهودُ ولا عذابَ دونَ عذاب يوم القيامة ،وإنما تفتنُ اليهودُ.“ لیکن بعد میں جب عذابِ قبر کا علم دیا گیا تو آپ ﷺ نے اُس سے پناہ مانگنی شروع کی اور جب یہودی عورت سے بواسطۂ حضرت عائشہؓ اس کے متعلق سنا تو باواز بلند ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگنی شروع فرمائی۔(لمعات،مرآۃ)

۱۲۱۔وعن زيد بن ثابتؓ قال: بينا رسول الله ﷺ في حائط لبني النجار على بغلةٍ له ونحنُ معَهُ إذْ حادت به فكادتْ تُلْقيهِ وإذاً أقبرٌ ستّةٌ أو خمسةٌ ،فقال: مَن يعرفُ أصحابَ هذه الأقبُرِ ؟قال رجلٌ :أنا،قال: فمتىٰ ماتوا؟قال: في الشّرك،فقال:إنّ هذه الأمّةَ تُبتلىٰ في قبورهافلولاأنْ لاتدافنُوالَدعوتُ اللهَ أنْ يُسمِعَكم مِن عذابِ القبرِ الذى أسمعُ منه ثمّ أقبلَ علينا بوجهِهِ فقال: تعوّذُوابالله مِن عذابِ النّار،قالوا:نعوذبالله مِن عذاب النّار،قال: تَعوّذُوابالله مِن عذابِ القبر،قالوا:نعوذبالله مِن عذاب القبر،قال:تعوّذُوابالله مِن الفِتنِ ماظهر منهاومابطنَ،قالوا:نعوذبالله مِن الفِتنِ ماظهر منهاومابطنَ،قال:تعوّذُوابالله مِن فتنةِ الدجّال،قالوا:نعوذبالله مِن فتنة الدجّال.[مسلم]

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم بنی نجار کے ایک باغ میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھے جب کہ آپ ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے، اچانک خچر بدک گیا اور قریب تھا کہ آپ ﷺ کو گرا دیتا، اچانک پانچ چھ قبریں نظر آئیں، آپ ﷺ نے پوچھا، ان قبر والوں کو کوئی جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں، حضور ﷺ نے (اس سے) پوچھا کہ یہ کب مرے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ (حالتِ) شرک میں مرے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے (یعنی عذاب دیا جاتا ہے) اگر (مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ) تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں ضرور اللہ سے یہ دعا کرتا کہ وہ تم کو قبر کا عذاب سنا دے جس کو میں سنتا ہوں۔ اس کے بعد ہماری طرف چہرہ مبارک کر کے فرمانے لگے: ''اللہ کی پناہ مانگو آگ کے عذاب سے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں آگ کے عذاب سے۔ پھر فرمایا اللہ کی پناہ مانگو قبر کے عذاب سے۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں قبر کے عذاب سے۔ پھر فرمایا ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ نے عرض کیا: ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ظاہری اور باطنی فتنوں سے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دجّال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہ کہنے لگے ہم دجّال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ (مسلم)

''الفصل الثانی''

قبر میں منکر نکیر کے سوالات:

۱۲۲۔ وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا أُقبر الميّتُ، أتاه ملكانِ أسودانِ أزرقانِ يُقالُ لأحدِهما المُنكَرُ وللآخرِ النّكيرُ فيقولانِ: ماكنتَ تقول في هذا الرجلِ؟ فيقولُ: هوعبدُ اللهِ ورسولُه أشهد أن لاالٰه الّا اللهُ وأنّ محمدًا عبدُه ورسولُه فيقولان: قدْ كنّا نعلمُ إنّكَ تقولُ هذا، ثمّ يُفسحُ له في قبرِهِ سبعونَ ذراعًا في سبعينَ، ثمّ يُنوّرُ له فيه ثمّ يقالُ له: نَمْ، فيقول: أرجعُ الىٰ أهلي فأُخبرُهم فيقولانِ: نَمْ كنومةِ العُروسِ الذي لايُوقظُه الّا أحبُّ أهلِهِ حتّىٰ يبعثه اللهُ مِن مضجعِهِ ذلك وإن كانَ منافقاً قال: سمعتُ النّاسَ يقولونَ قولاً فقلتُ مثلَهُ لاأدري، فيقولانِ: قدْ كنّانعلم أنّكَ تقولُ ذلك، فيُقال للأرضِ: التئِمي عليه، فتَلْتئِمُ عليه فتختَلِفُ أضلاعُه، فلايزالُ فيها مُعذّبًا حتّىٰ يبعثَه اللهُ مِن مضجعِهِ ذلك. [ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو کالے سیاہ نیلگوں آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں، ایک کو منکر کہا جاتا ہے اور دوسرے کو نکیر، وہ دونوں (اس میت) سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص (محمد ﷺ) کے بارے میں کیا کہتے تھے؟ اگر وہ (مردہ) مؤمن ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ (محمد ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں (یہ سن کر) وہ فرشتے کہتے ہیں ہمیں یقینی طور سے معلوم تھا کہ تو یہی جواب دے گا، پھر اس کے لیے اس کی قبر کو (لمبائی اور چوڑائی میں) ستر ستر گز کشادہ کر دیا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ سو جاؤ، مردہ کہتا ہے کہ میں اپنے اہل وعیال کی طرف جانا چاہتا ہوں تاکہ ان کو (اپنی خوشحالی کی) خبر دوں، وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں کہ دلہن کی طرح سو جاؤ جسے صرف اس کا محبوب (شوہر) ہی جگاتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس مردہ کو اس جگہ سے اٹھائے اور اگر میت منافق ہوتا ہے تو (فرشتوں کے سوال کے جواب میں) کہتا ہے کہ میں لوگوں کو ایک بات کہتے سنتا تھا وہی میں بھی کہتا تھا (لیکن) میں اس بات (کی

حقیقت) نہیں جانتا، فرشتے (یہ سن کر) کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ تھا کہ تو یقیناً یہی کہے گا، (اس کے بعد) زمین کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس پر مل جائے پس زمین اس پر (اس طرح) مل جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں باہم ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، اور اسے ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ اس کو اس جگہ سے اٹھائے۔ (ترمذی)

تشریح: قوله: إذا أقبر الميّتُ......۔ [أُقبِرَ] سے مراد "دفن" ہے اور یہ قید غالبی ہے، عربوں میں اسی کا رواج تھا، لہٰذا اگر دفن کے علاوہ طریقہ سے میت کی نعش ٹھکانے لگائی جائے تب بھی منکر نکیر کا سوال ہوتا ہے۔

منکر نکیر کا معنیٰ، ایک اشکال اور اُس کا جواب:

قوله: يُقالُ لأحدِهما المنكرُ وللآخر النكير...:۔ [منکر] بابِ افعال سے صیغہ اسم مفعول ہے بمعنیٰ نامانوس واجنبی اور [نکیر] باب سمع سے صفت کا صیغہ ہے بمعنیٰ نامانوس۔ اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ فرشتے دو ہیں اور بسا اوقات میتیں زیادہ ہوتی ہیں تو ایک ہی وقت میں سب میتوں سے سوال وجواب کیونکر ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منکر اور نکیر یہ دو نوع ہیں اور اس کے تحت بہت سارے افراد ہیں تو گویا ہر ہر میت کے پاس اس نوع میں سے دو، دو فرشتے آتے ہیں۔

قوله: ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعاً في سبعين...:۔ اس سے کثرت مراد ہے نہ کہ تحدید، کیونکہ دوسری حدیث میں "مدّ بصره" (تا حد نگاہ قبر کی وسعت) وارد ہوا ہے اور ممکن ہے کہ قبر کی وسعت میں یہ اختلاف، اختلافِ اشخاص کی وجہ سے ہو۔

قبر میں مؤمن کا اعزاز واکرام اور کافر کی تعذیب وتذلیل:

١٢٣۔ وعن البراءِ بن عازبٍ عن رسول اللهﷺ قال: يأتيهِ ملكانِ فيُجلسانِهِ فيقولانِ له: من ربُّك؟ فيقولُ: ربّي اللهُ، فيقولان له: مادينُكَ؟ فيقولُ: دينيَ الاسلامُ، فيقولان: ماهذا الرجلُ الذي بُعِثَ فيكم؟ فيقول: هو رسولُ الله[ﷺ] فيقولان له: وما يُدريكَ؟ فيقول: قرأتُ كتابَ اللهِ فآمنتُ به وصدّقتُ فذلك قولُه: "يُثبّتُ اللهُ الّذينَ آمنوا بالقولِ الثابتِ" [الآية] قال: فيُنادي منادٍ مِن السماء: أن صدقَ عبدي فأفرِشوهُ من الجنّة وألبِسوهُ مِن الجنّةِ وافتحوا له بابًا الى الجنّةِ فيفتَحُ قال: فيأتيه مِن رَوحِها وطِيبِها ويُفسحُ له فيها مَدّ بصرِه، وأمّا الكافرُ فذكرَ موتَه، قال: ويُعادُ روحُه في جسدِه ويأتيه ملَكانِ فيُجلِسانِه فيقولانِ مَن ربُّك؟ فيقول: هاه هاه لاأدري، فيقولانِ له: مادينُك؟ فيقول: هاه هاه لاأدري، فيقولانِ: ماهذا الرجلُ الذي بُعِثَ فيكم؟ فيقول: هاه هاه لاأدري، فيُنادي منادٍ مِن السماءِ أنْ كذبَ فأفرِشوه مِن النّار وألبِسوه من النّار وافتحوا بابًا الى النّار، قال: فيأتيه مِن حرّها وسَمُومِها قال: ويُضيّقُ عليه قبرُه حتىّٰ تختلفَ فيه أضلاعُه ثمّ يُقيّضُ له أعمٰى أصمُّ معهُ مِرزبةٌ مِن حديدٍ لوضُرِبَ بها جبلٌ لصارَ ترابًا فيضربهُ بها ضربةً يسمعُها مابينَ المشرقِ والمغربِ الاّ الثقلينِ فيصيرُ ترابًا ثمّ يُعادُ فيه الروح.

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ پھر فرشتے پوچھتے ہیں کہ وہ شخص کون ہیں جو تمہاری طرف (رسول بنا کر) بھیجا گیا تھا؟ وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ فرشتے پوچھتے ہیں: یہ

تجھے کس نے بتایا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اور اس پر ایمان لایا اور اس کو سچ جانا۔ یہی مطلب ہے اللہ کے قول: "یُثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت..." کا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ آسمان سے (اللہ کے حکم سے) ایک پکارنے والا (فرشتہ اللہ کی جانب سے یہ) پکارتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا لہٰذا اس کے لیے جنت کا بچھونا بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ (اس دروازے سے) اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اور تاحدِ نگاہ قبر اس کے لیے کشادہ کر دی جاتی ہے۔ اور کافر کی موت کا آپ ﷺ نے ذکر کیا اور فرمایا کہ اس کی روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر وہ پوچھتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے میں نہیں جانتا، پھر وہ پوچھتے ہیں: یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجا گیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ ہائے، ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے: یہ جھوٹا ہے، اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھاؤ، آگ کا لباس اسے پہناؤ اور اس کے واسطے دوزخ کی طرف ایک دروازہ کھول دو، آپ ﷺ نے فرمایا: اس دروازے سے اس کے پاس دوزخ کی گرم ہوائیں اور لوئیں آتی ہیں اور فرمایا کہ اس کی قبر اس پر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں آپس میں مل جاتی ہیں۔ پھر اس پر ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا ایک ایسا گرز ہوتا ہے کہ اس کو اگر پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے۔ وہ فرشتہ اس کو اس گرز سے اس طرح مارتا ہے کہ جس کی آواز کو جن اور انس کے سوا مشرق اور مغرب کی تمام مخلوق سنتی ہے (اور اس مارنے سے) وہ مٹی ہو جاتا ہے، (اس کے بعد) پھر اس کے اندر روح ڈالی جاتی ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

قبر کا عذاب وثواب صرف روح کو ہوتا ہے یا بدن کو بھی؟:

تشریح: قولہ: ویعاد رُوحہ فی جسدہ.....: یہاں عذابِ قبر کے متعلق بحث ہوئی ہے کہ یہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے یا روح مع الجسد کو؟ چنانچہ جمہور علماء کے نزدیک عذابِ قبر روح مع الجسد کو ہوتا ہے؛ زیرِ بحث حدیث جمہور کے دلائل میں سے ہے۔

جبکہ حافظ ابن حزمؒ وغیرہ حضرات کے ہاں عذابِ قبر صرف روح کو ہوتا ہے؛ ان حضرات نے اس حدیث کی سند پر کچھ اعتراضات کر کے اس حدیث کو ناقابلِ اعتبار بنانے کی کوشش کی ہے، وہ اعتراضات اور ان کے جوابات تفصیل کے ساتھ بڑی شروح میں موجود ہیں۔

یہاں اس حدیث کی صحت کے متعلق صرف دو ائمہ حدیث کی اجمالی شہادت ذکر کی جاتی ہے جس سے ان اعتراضات کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی؛ چنانچہ مشہور امام فی الحدیث حافظ عبداللہ حاکم، صاحبِ مستدرکؒ کی شہادت اس حدیث کی سند کے بارے میں یہ ہے: " ھذا حدیثٌ صحیحٌ علیٰ شرطِ الشیخینِ وقد احتجا جمیعًا بالمِنھال بن عمرو وزاذان أبی عمر الکندی و فی ھذا الحدیثِ فوائدُ کثیرۃ لأھلِ السنۃِ و قمعٌ للمبتدعۃِ " یعنی "یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور تحقیق کہ حضرات شیخین نے منہال بن عمرو اور زاذان ابی عمر کندی سے احتجاج کیا ہے اور یہ حدیث اہلِ سنت کے حق میں فوائدِ کثیرہ پر مبنی ہے اور اہلِ بدعت کا قلع قمع کرتی ہے"۔

اور حافظ ابن قیمؒ اس حدیث کے متعلق اپنی مشہور کتاب "کتاب الروح" میں فرماتے ہیں: " ھذا حدیثٌ ثابتٌ مشھورٌ

مستفیض صححه جماعةٌ منَ الحفاظِ ولا نعلمُ أحدًا منْ أئمة الحديث طعنَ فيه بل أوردُوه في كتبهم و تلقَّوه بالقبول وجعلوه أصلاً من أصولِ الدين في عذابِ القبرونعيمِه ومسئلةِ منكرٍ و نكيرٍ و قبضِ الأرواح و صعودِها الى بينَ يدى الله ثم رجوعِها إلى القبر" یعنی" یہ حدیث ثابت مشہور و مستفیض ہے، حفاظِ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، ہمارے علم میں ائمہ حدیث میں کسی نے بھی اس حدیث پر قدغن نہیں کی، بلکہ اس کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا اور لائق قبول جانا اور قبر کی راحت وعذاب، منکر نکیر کے سوال اور قبض ارواح، پھر ان ارواح کی اللہ کے سامنے حاضری اور پھر قبر کی طرف ان کے لوٹائے جانے کی بابت اس حدیث کو اصل قرار دیا"۔

ان دو شہادتوں سے اس حدیث کی صحت کی معتد بہ وضاحت ہو جاتی ہے اور اس کی سند پر کیے جانے والے اعتراضات بھی بے وزن ہو جاتے ہیں اور اگر بالفرض ان اعتراضات کو صحیح بھی مان لیا جائے یا اس حدیث کو بالکل کالعدم ہی قرار دیا جائے پھر بھی جمہور کا موقف کمزور نہیں ہوگا کیونکہ صحیحین کی حدیثوں سے بھی وہ ثابت ہے۔(نفحات)

قبر منازلِ آخرت میں پہلی منزل:

۱۲۴۔وعن عثمانَؓ أنه كان إذا وقفَ على قبرٍ بكىٰ حتىٰ يبلَّ لحيتَه ،فقيل له تذكُر الجنّةَ والنّارَفلا تبكى وتبكى مِن هذا،فقال: انَّ رسولَ اللهِ ﷺ قال: انَّ القبرَ أوّلُ منزلٍ من منازلِ الآخرةِ فإنْ نجامنه فمابعدهٗ أيسرُمنه وإن لم ينجُ منه فمابعدَه أشدُّ منه ،قال:و قال رسول اللهِ ﷺ:مارأيتُ منظرًا قطُّ الاّ والقبرُ أفظعُ منه.[ترمذی ،ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت عثمانؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ داڑھی کو آنسوؤں سے تر کر دیتے۔ آپؓ سے کہا گیا کہ جنت اور دوزخ کے تذکرہ کے وقت آپؓ اتنا نہیں روتے اور اس (قبر کے پاس کھڑا ہونے) سے روتے ہیں۔آپؓ نے جواب میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کے منازل میں سے پہلی منزل ہے اگر کسی نے یہاں سے نجات پالی تو اس کے بعد والے منازل اس کے لیے آسان ہیں اور اگر اس منزل پر نجات نہ پائی تو بعد والی منزلیں اس سے بھی سخت ہیں۔حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (یہ بھی) فرمایا کہ میں نے قبر سے زیادہ کوئی ہولناک (خوفناک) منظر کبھی نہیں دیکھا۔(ترمذی،ابن ماجہ)

۱۲۵۔وعنه قال: كان النبى ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه ،فقال: استغفروا لأخيكم ثمّ سلوا له بالتّثبيتِ فإنّه الآنَ يُسألُ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب میت دفن کرنے سے فارغ ہو جاتے ،(تو) قبر کے پاس کھڑے ہو کر (لوگوں سے) فرماتے: اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو پھر اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جاتا ہے۔(ابوداؤد)

کافر پر قبر میں ننانوے اژدھوں کا مسلط کیا جانا:

۱۲۶۔وعن أبي سعيدؓ قال: قال رسول اللهِ ﷺ: ليُسلَّطُ على الكافر في قبرِه تسعةٌ وتسعون تنّينًا تنهسُه وتلدَغُه حتىٰ يقومَ الساعةُ لو أنَّ تِنّينًا منها نفخ بالأرضِ ماأنبتتْ خضراءَ.[دارمی ؛وروى الترمذى نحوَه وقال:"سبعون" بدلَ "تسعة

وتسعون".]

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کافر پر اس کی قبر میں ننانوے اژدہا مسلط کیے جاتے ہیں جو اس کو قیامت تک کاٹتے اور ڈستے رہتے ہیں، اگر ان میں سے ایک اژدہا زمین پر پھونک (پھنکار) مار دے تو زمین (کبھی) سبزہ نہ اگائے۔ (دارمی) اور ترمذی کی روایت میں "ننانوے" کی بجائے "ستر" کا ذکر ہے۔

تشریح: قوله: تسعةٌ و تسعون تِنِّيناً تنهسه و تلدغه. . .:۔ [تنين] تاء کے کسرہ اور نون کی تشدید کے ساتھ اژدھا کو کہا جاتا ہے، عدد تسعةٌ و تسعون (۹۹) کی تخصیص وتعیین کے سلسلے میں علامہ تورپشتیؒ کا کہنا یہ ہے کہ اس کی حکمت اور فائدہ وحی ہی سے معلوم ہوسکتا ہے نہ کہ اس کے بغیر، البتہ علماء نے احتمال کے درجہ میں کچھ حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔

قوله: وروى الترمذي نحوه وقال سبعون بدلَ تسعةٌ تسعون.... :۔ ترمذی کی روایت میں بجائے "تسعةٌ تسعون" کے "سبعون" کا عدد ہے۔ بقول علامہ ابن حجرؒ: دونوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ "سبعون" کا عدد کثرت کے لئے استعمال ہوا ہے جو تعین و تحدید کے سلسلہ میں مبہم و مجمل ہے جبکہ "تسعةٌ تسعون" اس (اجمال) کے لیے بیان ہے۔

"الفصل الثالث"

حضرت سعد بن معاذؓ کا قبر کی تنگی میں مبتلا ہونا:

۱۲۷۔ وعن جابرؓ قال خرجنا مع رسولِ الله ﷺ الىٰ سعد بن معاذؓ حينَ تُوُفِّيَ فلمّا صَلّى عليه رسولُ الله ﷺ ووُضِعَ في قبرِه وسُوِّيَ عليه سبّحَ رسولُ الله ﷺ فسبّحنا طويلاً ثمّ كبّر فكبّرنا فقيل: يا رسولَ الله! لِمَ سبّحتَ ثمّ كبّرتَ؟ قال: لقدْ تضايقَ علىٰ هذا العبدِ الصالحِ قبرُه حتىّٰ فرّجَهُ اللهُ عنه. [أحمد]

ترجمہ: جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سعد بن معاذؓ کے جنازہ پر گئے جس وقت وہ فوت ہوئے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اُن کا جنازہ پڑھا اور حضرت سعدؓ قبر میں اتار دیے گئے اور اس پر مٹی برابر کردی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ پڑھا اور ہم بھی دیر تک سبحان اللہ کہتے رہیں پھر آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہا چنانچہ ہم نے بھی اللہ اکبر کہا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) نے پہلے تسبیح اور پھر تکبیر کیوں کہی؟ فرمایا کہ اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی پھر اللہ نے (ہماری تسبیح اور تکبیر کہنے کی وجہ سے) قبر کو کشادہ کر دیا۔

تشریح: قوله: قال لقد تضايقَ علىٰ هذا العبد الصالح قبرُه حتىٰ فرّجه الله عنه....:۔ اس میں تعظیم اور تخویف کی طرف اشارہ ہے کہ جب ایسا نیک بندہ ضغطہ قبر میں مبتلا ہوسکتا ہے تو دوسروں کا کیا حال ہوگا، ضغطہ قبر سے مراد یہ ہے کہ قبر تنگ ہوتی ہوئی معلوم ہوا گرچہ حقیقت میں تنگ نہ ہو اس سے وحشت ہوتی ہے۔

حضرت سعدؓ کے تین مناقب:

۱۲۸۔ وعن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: هذا الذي تحرّكَ له العرشُ وفُتِحت له أبوابُ السماءِ وشهِدهٗ سبعونَ ألفًا مِن

الملائكةِ لقدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثم فُرِّجَ عنه.[نسائی]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت سعد بن معاذؓ کے بارے میں) فرمایا کہ یہ وہ شخصیت ہیں جن کے لیے عرش نے حرکت کی اور آسمان کے دروازے جن (کی روح) کے لیے کھولے گئے اور ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے، تحقیق ان کی قبر تنگ کی گئی اور پھر کشادہ کی گئی۔(نسائی)

تشریح: قوله: تحرّكَ له العرشُ وفُتِحت له أبوابُ السماءِ.......:۔اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذؓ کے تین مناقب بیان کئے گئے: جس میں پہلی منقبت یہ ہے کہ عرش بریں آپؓ کی موت پر حرکت میں آ گیا، اس کے درجہ ذیل تین مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) عرش آپؓ کی مبارک روح کی آمد سے خوشی میں جھوم اٹھا

(۲) مارے رنج وغم کے عرش پر کپکپی طاری ہوگئی

(۳) عرش کے اٹھانے والے فرشتے خوشی یا غم کے مارے حرکت میں آ گئے۔

۱۲۹۔وعن أسماء بنت أبی بكرؓ قالت: قامَ رسول الله ﷺ خطيبًا فذكرَ فتنةَ القبرِ التي يُفتَنُ فيها المرءُ فلمّا ذكرَ ذلك ضجّ المسلمونَ ضجّةً.[رواه البخاری هكذا] وزاد النسائی :حالتْ بيني وبينَ أن أفهمَ كلامَ رسولِ الله ﷺ فلمّاسكنتْ ضجّتُهم،قلتُ لرجلٍ قريبٍ مِنّي :ای بارك اللهُ فيكَ ،ماذاقال رسولُ الله ﷺ فی آخرِ قوله:قال: قال: قد أُوحيَ إليّ أنّكم تُفتَنُون فی القبورِ قريبًا من فتنةِ الدجال.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور قبر کے فتنہ کا ذکر کیا جس میں آدمی مبتلا کیا جاتا ہے جب آپ ﷺ نے اس کا ذکر کیا تو مسلمان (خوف کے مارے) چیخنے لگے۔اس کو روایت کیا بخاری نے۔اور نسائی نے یہ اضافہ نقل کیا ہے (اسماء کہتی ہیں) کہ وہ چیخیں میرے اور رسول اللہ ﷺ کے کلام کو سمجھنے میں حائل ہوگئی، جب (وہ) چیخنا چلانا بند ہوگیا تو میں نے (اوٹ کے پاس) اپنے قریب بیٹھے ہوئے شخص سے کہا: اللہ تمہیں برکت عطا فرمائے! رسول اللہ ﷺ نے آخر میں کیا ارشاد فرمایا؟ اس شخص نے کہا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے یہ وحی کی گئی کہ تم قبروں میں آزمائے جاؤ گے دجال کے فتنہ کے قریب قریب۔

تشریح: قوله: قال: قد أُوحيَ إليّ أنّكم تفتنون فی القبور قريباً من فتنةِ الدجال :۔ "قريبا" مفعولِ مطلق محذوف "افتتانًا" کی صفت ہے، مطلب یہ ہوگا کہ قبروں میں تمہاری آزمائش شدت وہولناکی کے اعتبار سے دجال کے فتنہ کے قریب قریب ہے۔

قبر میں میت کو غروبِ آفتاب کا منظر پیش آنا:

۱۳۰۔وعن جابرؓ عن النبی ﷺ قالَ: إذا أُدخِل الميتُ القبرَ مُثّلتْ له الشمسُ عندَ غُروبِها فيَجلِسُ يمسحُ عينيهِ ويقولُ: دَعُونی أُصلّی.[ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت جابرؓ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو (اس کے سامنے) سورج کے غروب کا منظر پیش کیا جاتا ہے، چنانچہ وہ آنکھیں ملتا ہوا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو تا کہ میں نماز پڑھ لوں۔(ابن ماجہ)

تشریح: قوله: مُثِّلت له الشمس عند غروبها فيجلِس يمسح عينيه.....: یعنی نزولِ ملکین کے وقت میت غروب شمس کا منظر دیکھتا ہے۔ بقول ملاعلی قاری: غروبِ شمس میں اشارہ ہے دنیا سے کوچ کرنے کی طرف کیونکہ دنیا بمنزلہ آج کے دن کے ہے اور آخرت بمنزلہ کل آئندہ کے ہے تو گویا عالم برزخ دو دِنوں کے درمیان حائل رات کی مانند ہوا۔

١٣١۔وعن أبي هريرةؓ عن النبيﷺ قال: إنّ الميّتَ يصير إلى القبر ،فَيُجلَسُ في قبره غيرَ فزِعٍ ولامشغوبٍ ثمّ يُقالُ: فيما كنتَ ؟فيقول: كنتُ في الاسلامِ ،فيقالُ ماهذاالرجلِ ؟فيقول:محمدٌ رسولُ الله جاء نا بالبيّناتِ مِن عندالله فصدّقناه ، فيقال له: هلْ رأيتَ اللهَ؟فيقولُ :ماينبغي لأحدٍ أنْ يرى اللهَ فيُفرَّ جُ له فُرجةً قِبَلَ النّارِ فينظر اليهيحطمُ بعضُهابعضًا فيقال له : أُنظر الىٰ ماوقاكَ اللهُ ثمّ يفرّجُ له فُرجةً قِبلَ الجنّةِ فينظرُ الىٰ زهرتهاومافيهافيُقالُ له هذا مقعدُك ،على اليقينِ كنتَ وعليه مُتَّ وعليه تُبعثُ اِن شاء اللهُ تعالىٰ ؛ويُجلس الرجلُ السّوءُ في قبرِهٖ فزِعًا مشغوبًا ،فيقالُ له :فيماكنتَ ؟ فيقولُ : لاأدري،فيقال له : ماهذاالرجلُ ؟فيقول: سمعتُ النّاسَ يقولونَ قولاً فقلتُه فيفرّجُ فُرجةً قِبلَ الجنّةِ فينظرُ الىٰ زهرتها وماfيها فيقالُ له :أُنظرُ الىٰ ماصرف اللهُ عنك ثمّ يفرّجُ له فُرجةً الى النّار فينظرُ اليهايحطمُ بعضُها بعضًا فيقالُ له :هذا مقعدُكَ ،على الشّكِّ كنتَ وعليه مُتَّ وعليه تُبعثُ اِن شاء اللهُ تعالىٰ. [ابن ماجه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ (مؤمن) مردہ قبر میں پہنچتا ہے تو قبر میں اس طرح بیٹھ جاتا ہے کہ نہ خوف زدہ ہوتا ہے اور نہ گھبرایا ہوا، پھر اس سے کہا جاتا ہے: تو کس دین پر تھا؟ وہ کہتا ہے: میں دینِ اسلام پر تھا۔ پھر کہا جاتا ہے: یہ شخص کون ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ یہ محمد اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے پاس اللہ کی طرف سے کھلے ہوئے دلائل لے کر آئے اور ہم نے ان کی تصدیق کی۔ پھر مردہ سے کہا جاتا ہے: کیا تو نے اللہ کو دیکھا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ کسی کے لیے لائق نہیں کہ وہ اللہ کو دیکھے۔ پھر اس کے لیے دوزخ کی طرف ایک روشن دان کھول دیا جاتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ آگ کا بعض حصہ بعض کو کھا رہا ہے اس سے کہا جاتا ہے اس آگ کو دیکھ جس سے اللہ نے تجھے بچایا۔ پھر جنت کی طرف ایک روشن دان کھول دیا جاتا ہے وہ جنت کی تروتازگی اور اس کی چیزوں کو دیکھتا ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے: یہ آپ کا ٹھکانہ ہے تو (صحیح) یقین پر تھا اور اسی پر تجھے موت آئی اور اسی اعتقاد و یقین پر انشاء اللہ تجھے اٹھایا جائے گا۔ اور (کافر) آدمی اپنی قبر میں ڈرا ہوا اور گھبرایا ہوا بیٹھتا ہے۔ اس سے پوچھا جاتا ہے تو کس دین پر تھا؟ وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا پھر اس سے کہا جاتا ہے: یہ شخص (محمد ﷺ) کون ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ میں لوگوں کو ایک بات کہتے ہوئے سنتا تھا وہی میں کہتا تھا۔ اس کے بعد اس کے لیے جنت کی طرف ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے چنانچہ وہ جنت کی تروتازگی اور اس کی نعمتوں کو دیکھتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھ اس (جنت) کی طرف جو اللہ نے تجھ سے پھیر دی۔ پھر اس کے واسطے دوزخ کی طرف ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے وہ دیکھتا ہے کہ آتشِ دوزخ کا بعض حصہ بعض کو کھا رہا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے: یہ تیرا ٹھکانہ ہے (جس کی وجہ یہ ہے کہ) تو شک پر تھا اسی شک پر تجھے موت آئی اور اسی پر تجھے اٹھایا جائے گا انشاء اللہ۔

(بابُ الاعتصامِ بالکتابِ والسُّنّۃِ)

کتاب وسنت کے ساتھ اعتصام کا مطلب:

"الا عتصام" باب افتعال سے کسی چیز کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کے معنی میں آتا ہے جوکہ عصمۃ بمعنی منع (بچانا) وحمایت کے آتا ہے۔ یہاں پر اعتصام بالکتاب والسنۃ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت کے حق ہونے کا عقیدہ رکھا جائے اوران کے مقتضا پر عمل کیا جائے خواہ وہ اَوامر کے قبیل سے ہو یا نواہی کے قبیل سے، ارشاد باری تعالیٰ: " واعتصِمُوا بحبلِ اللہِ جمیعًا " کی مفسرین نے یہی تفسیر کی ہے؛ یہاں "الکتاب" کے ساتھ "السنۃ" کا اضافہ کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کتاب اللہ پر عمل بغیر سنتِ رسول کے ممکن نہیں، گویا اعتصام بالکتاب اور اعتصام بالسنۃ ایک دوسرے کولازم وملزوم ہیں۔

سنت وبدعت کی تعریف اور بدعت کی دو قسمیں:

اس باب کی روایات ''ترغیب الی السنۃ'' (سنت کی ترغیب) اور ''تحذیر عن البدعۃ'' (بدعت سے خبردار کرنے) پر مشتمل ہے۔
سنت کا لغوی معنیٰ '' الطریقۃ المسلوکۃ '' (چلا ہوا راستہ) ہے اور اصطلاح میں سنت آپ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے ہیں۔اس کے مقابلہ میں بدعت ہے جو لغت میں ہر اس نئی چیز کو کہتے ہیں جس کی کوئی سابقہ مثال موجود نہ ہو، خواہ اچھی ہو یا بری، جبکہ اصطلاح میں بدعت ہر اُس نئی چیز کو کہتے ہیں جس کو دین اور قابل ثواب سمجھ کر کیا جائے اور قرآن وسنت میں اس کا کوئی ثبوت نہ ہو اور صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کی اصل نہ ملے اور اجماع امت سے بھی اس کی تائید نہ ہو اس کو بدعتِ شرعیہ کہتے ہیں؛ اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بدعت حقیقیہ: یہ وہ بدعت ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل ہی نہ ہو اور اسے دین سمجھ کر کیا جائے جیسا کہ عید میلاد النبی، عرس، چہلم، برسی وغیرہ۔

(۲) بدعت اضافیہ: یہ وہ بدعت ہے جس کی اصل تو شریعت میں موجود ہو لیکن اس کی کیفیت، مقدار، طریقہ اور وقت اپنی طرف سے مقرر کیا جائے اور اس میں ثواب کی امید رکھی جائے مثلاً: جنازہ کے بعد اجتماعی طور پر دعا کرنا، صدقات کے لئے وقت اور دن مقرر کرنا یا کسی بھی مشروع عمل میں قیودات لگانا اور اس میں زیادہ ثواب سمجھنا۔ اس کو بدعتِ اضافیہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اصل تو دلیل شرعی سے ثابت ہوتی ہے لیکن کیفیت شریعت سے ثابت نہیں ہوتی، جبکہ کیفیت وہیئت کے لئے بھی مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کو 'بدعتِ وصفیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

جوازِ بدعات پر بدعتیوں کے دلائل اور اُس کے جوابات:

بعض لوگ اپنی بدعات کو جواز کی سند فراہم کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں جو آپؓ نے بیس رکعات تراویح باجماعت کے اجرا کے وقت فرمایا تھا کہ ''نعمت البدعۃُ ھٰذہٖ '' (کیا ہی اچھی بدعت ہے) حالانکہ یہاں پر بدعت لغوی

معنیٰ میں ہے کیونکہ اس پر بدعت کی اصطلاحی تعریف صادق ہی نہیں آتی۔ اس لیے کہ ایک تو خیر القرون میں یہ کام ہو رہا ہے اور پھر کرنے والا بھی خلیفہ راشد حضرت عمرؓ ہے۔ پس درحقیقت یہ سنتِ نبوی ہے جس کا اظہار حضرت عمرؓ نے فرمایا اور اسی اظہار کو" نعمت البدعة" سے تعبیر فرمایا۔ اس وضاحت سے بدعت سیئہ وحسنہ کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ بقولِ مجدد الف ثانیؒ: کوئی بدعت حسنہ نہیں بلکہ ہر ہر بدعت ضلالت وسیئہ ہے چنانچہ آپؐ نے "كل بدعة ضلالة" میں لفظ "کلّ" کے ساتھ ہر ہر بدعت کے ضلالت ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

بعض لوگ جوازِ بدعات کے لئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے منع بھی تو نہیں فرمایا۔ یہ دلیل درست نہیں کیونکہ آپ ﷺ کی تباع جس طرح فعل میں لازم ہے، ترکِ فعل میں بھی لازم ہے۔ آپ ﷺ کا کسی کام کو چھوڑنا اور اس کو نہ کرنا خود ایک دلیل ہے کہ یہ کام ثواب کا کام نہیں۔ چنانچہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عدمِ نقل (نبی پاک ﷺ سے منقول نہ ہونا) کراہت کی دلیل ہے "فالفاعلُ لماترَكَ كالتاركِ لمافعلَ" یعنی" آپ ﷺ کے ترک کردہ فعل کو کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کے کئے ہوئے کام کو ترک کرنے والا"۔ یہ بحث ان اعمال کے چھوڑنے کے متعلق ہے جن کے نہ کرنے سے زمانہ نبوت میں کوئی مانع موجود نہ ہو، بلکہ کرنے کے دواعی موجود ہو مثلاً عیدین کے لئے اذان واقامت، عیدگاہ میں نفلی نماز پڑھنا وغیرہ۔ (نفحات، مرآۃ)

"الفصل الاول"

بدعت اور بدعتی مردود ہے:

۱۳۲۔عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله ﷺ: من أحدثَ في أمرِنا هذا ما ليسَ منه فهو ردٌّ. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو اس (یعنی دین) میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: في أمرنا هذا ...:۔ اس سے مراد دین ہے، یعنی جس نے ہمارے دین میں نئی بات نکالی۔

قوله: فهوردٌّ :۔ "ردّ" بمعنیٰ مردود" کے ہیں۔ "هو" ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں:

(۱) امرِ محدث یعنی بدعت (۲) شخصِ محدِث یعنی بدعتی۔ (مرآۃ)

بدعت بدترین چیز ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے:

۱۳۳۔وعن جابرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: أمّا بعدُ! فانّ خيرَ الحديثِ كتابُ الله وخيرَ الهَدْيِ هَدْيُ محمدٍ وشرَّ الأمورِ محدثاتُها وكلُّ بدعةٍ ضلالةٌ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اما بعد! (حمد وصلاۃ کے بعد) بے شک سب سے بہتر بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راستہ محمد (ﷺ) کا ہے اور بدترین چیز وہ ہے جو نئی نکالی گئی ہو اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مسلم)

اللہ کے ہاں تین مبغوض ترین آدمی:

۱۳۴۔وعن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللہﷺ: أبغض النّاسِ إلی الله ثلاثةٌ: مُلحِدٌ فی الحرم ومُبتَغٍ فی الاسلامِ سنّةَ الجاهليّةِ ومُطّلبٌ دمَ امرئٍ مسلمٍ بغيرِ حقٍّ ليُهريقَ دمَه.[بخاری]

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے مبغوض تین (قسم کے) لوگ ہیں (جو یہ ہیں):حرم میں کج روی اختیار کرنے والا اور اسلام میں جاہلیت کا طریقہ ڈھونڈنے والا اور کسی مسلمان کے خون کا ناحق طلبگار تا کہ اس کا خون بہائے۔(بخاری)

تشریح: قوله: أبغضُ الناسِ إلی اللهِ ... :۔ "الناس" سے مراد مسلمان ہیں یعنی مسلمانوں میں اللہ کے ہاں سب سے مبغوض ترین شخص؛مبغوض تر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان تینوں صورتوں میں گناہ کے ساتھ گناہ کی زیادتی وشدت کا سبب بھی موجود ہے،مثلاً الحاد (بے دینی وگناہ) اور وہ بھی حدودِ حرم میں،اسی طرح برا طریقہ اور وہ بھی جاہلیت کا،ایسے ہی قتل مسلم اور وہ بھی ناحق۔(مرآۃ)

آپﷺ کی اطاعت سے انکار کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا:

۱۳۵۔وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: كلُّ أمتی يد خلون الجنّة إلا مَنُ أبیٰ قيل :و مَن أبیٰ؟ قال: مَن أطاعَنی دخلَ الجنّةَ ومَن عصانی فقدُ أبیٰ.[بخاری]

ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اس شخص کے جس نے (میری اطاعت سے) انکار کیا۔پوچھا گیا کہ انکار کرنے والا کون ہے؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔(بخاری)

تشریح: قوله: كلُّ أمتی يدخلون الجنةَإلا من أبیٰ..:۔آپﷺ کی امت دوقسم پر ہے:

(۱)امتِ اجابت یعنی امتِ مسلمہ جس نے آپؐ کی دعوت قبول کی۔

(۲)امتِ دعوت یعنی امتِ کافرہ جس کو آنحضرتﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی جائے گی۔

یہاں"كل أمتی يدخلون الجنة" میں امت سے مراد اگر امتِ دعوت ہو تو"من أبیٰ" سے مراد دعوت قبول نہ کرنے والا کافر ہے۔ایک احتمال یہ بھی ہے کہ" كلُّ امتی" سے امتِ اجابت مراد لی جائے اور"مَن أبیٰ" سے امتِ اجابت کے گناہگار مسلمان جو دخولِ اوّلی سے محروم ہوں گے گو کہ بعد میں جنت میں داخل کئے جاویں۔(مرآۃ،نفحات)

محمد (ﷺ) لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں:

۱۳۶۔وعن جابرؓ قال: جاء ت ملائكةٌ الی النبیﷺ وهو نائمٌ فقالوا: إنّ لصاحبِكم هذا مثلاً فاضربُو لَهٗ ،قال بعضُهم: انّه نائمٌ وقال بعضُهم :انّ العينَ نائمةٌ و القلبُ يقظانُ فقالوا:مَثلُه كمثلِ رجلٍ بنیٰ داراً و جعلَ فيها مأدُبةً وبعثَ داعياً فمَن أجاب الداعِیَ دخلَ الدارَ وأكلَ مِن المأدُبةومَن لَم يُجِبِ الداعِیَ لَم يدخُلِ الدارَ ولم يأكلُ مِن المأدُبةِ،فقالوا: أوِّلوها لهايفقهُهاقال بعضُهم: انه نائمٌ وقال بعضُهم :انّ العينَ نائمةٌ والقلبُ يقظان،فقالوا: الدارُ الجنّةُ والداعِیَ محمدٌ فمن أطاعَ

محمدًا فقد أطاعَ اللهَ ومنْ عصٰی محمدًا فقدْ عصی اللهَ ومحمدٌ فَرْقٌ بین النّاس.[بخاری]

ترجمہ:حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ملائکہ نبی پاک ﷺ کے پاس ایسے وقت میں آئے کہ آپ ﷺ سو رہے تھے۔فرشتوں نے (آپس میں) کہا تمہارے اس ساتھی (حضور ﷺ) کی ایک مثال ہے وہ ان کے سامنے بیان کرو۔ایک نے کہا کہ آپ ﷺ سوئے ہوئے ہیں (بیان کرنے کا فائدہ نہیں) اور بعض نے کہا کہ بے شک آنکھیں سورہی ہیں اور دل جاگ رہا ہے، چنانچہ وہ کہنے لگے کہ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس میں کھانے کی دعوت رکھی اور (لوگوں کو) بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا، سو جس نے بلانے والے کی بات مان لی وہ گھر میں داخل ہوا اور دعوت میں سے کھالیا اور جس نے بلانے والے کی بات نہ مانی وہ گھر میں داخل نہ ہوسکا اور دعوت میں سے نہ کھاسکا۔پھر فرشتوں نے (آپس) میں کہا اس مثال کی وضاحت (ان کے سامنے) بیان کرو تا کہ اس کو سمجھ لیں۔بعض نے کہا کہ آپ (ﷺ) سورہے ہیں اور بعض نے کہا کہ آنکھیں سورہی ہیں اور دل جاگ رہا ہے۔پھر فرشتے کہنے لگے کہ گھر جنت ہے اور بلانے والا محمد (ﷺ) ہے سو جس نے محمد (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور محمد لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔(بخاری)

نفوسِ قدسیہ کی قوتِ ادراک نیند کی حالت میں معطل نہیں ہوتی:

تشریح: قوله: إنّ العین نائمة والقلب یقظان ...:۔ملائکہ کے اس قول میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ نفوسِ قدسیہ کی قوتِ ادراک وشعور نیند کی حالت میں معطل نہیں ہوتی بلکہ اس میں مزید قوت واستحکام پیدا ہوجاتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان حضرات کے ادراک وشعور کا مدار ظاہری حواس پر نہیں ہوتا اور نیند کی حالت میں تو صرف حواسِ ظاہرہ میں تعطل پیدا ہوجاتا ہے اسی لئے ظاہری حواس سے تعلق رکھنے والے محسوسات کا ادراک نیند کی حالت میں نہیں ہوتا، چنانچہ اسی بنا پر لیلۃ التعریس میں آپ ﷺ کی نماز فجر قضا ہوئی اور طلوعِ شمس کا آپ ﷺ کو احساس نہ ہوسکا کیونکہ اس کا تعلق حسِ ظاہری سے تھا جبکہ بحالت نوم احساسات ظاہری سے یکسوئی اور فراغت نصیب ہوتی ہے جس کی وجہ سے احساسِ باطنی میں مزید قوت پیدا ہوجاتی ہے۔(نفحات)

فرمانِ نبوی ''جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں'':

۱۳۷۔وعن أنسؓ قال: جاءَ ثلاثةُ رهطٍ إلیٰ أزواج النبی ﷺ یسألونَ عن عبادةِ النبی ﷺ فلمّا أُخبِروا بها کأنّهم تقالُّوها،فقالوا أینَ نحنُ مِن النبیّ ﷺ وقدْغفر اللهُ له ماتقدّمَ مِن ذنبه وماتأخّرَ، فقال أحدُهم:أمّاأنا فأصلّی اللیلَ أبدًا ،وقال الآخرُ :أناأصوم النّهارَ أبدًا ولاأُفطِرُ وقال الآخرُ :أناأعتزلُ النساءَ فلاأتزوّجُ أبدًا فجاء النبیّ ﷺ الیهم فقال:أنتم الذین قلتُم :کذاو کذا،أما واللهِ!إنّی لأخشاکمْ للهِ وأتقاکم له لکنّی أصومُ وأُفطِرُ وأُصلّی وأرقدُ وأتزوّجُ النساءَ فمَن رغِبَ عنْ سنّتی فلیسَ منّی.

ترجمہ:حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ تین شخص نبی پاک ﷺ کی ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ آپ ﷺ کی عبادت (کا حال) دریافت کریں، جب ان لوگوں کو آپ ﷺ کی عبادت کے متعلق بتایا گیا تو انہوں آپ ﷺ کی عبادت کو کم خیال کیا اور (آپس میں) کہنے لگے کہ آنحضرت سے ہمیں کیا نسبت؟ (کیونکہ) اللہ نے آپ (ﷺ) کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیے ہیں۔چنانچہ ان میں سے

ایک نے کہا کہ (اب) میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا اور افطار نہ کروں گا۔ اور تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا، لہذا کبھی نکاح نہ کروں گا۔ (اس دوران) نبی پاک ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ایسی ایسی باتیں کی ہیں، غور سے سن لو! اللہ کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تقویٰ اختیار کرتا ہوں لیکن (اس کے باوجود) میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں کے ساتھ نکاح بھی کرتا ہوں سو جو شخص میری سنت (طریقہ) سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: جاءَ ثلاثةُ رهطٍ...: یہ بمعنیٰ "ثلاثة رجال" ہیں اور مراد حضرت علیؓ، عثمان بن مظعونؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ ہیں۔

قوله: فلما أُخبِروا بها كأنهم تقالوها ...: یہ بات ان حضرات کے ذہن میں راسخ تھی کہ آپ ﷺ اعبد البشر ہیں یعنی سب سے زیادہ عبادت گزار ہیں، جب انہوں نے اس اعتقاد کے مطابق عبادت کی مقدار و کمیت نہ پائی تو آنحضرت ﷺ کی عبادت کو اپنے حق میں کم سمجھا اور کہا: "أين نحنُ مِنَ النبيِّ ﷺ وقد غفرَ اللهُ ما تقدّم من ذنبه وما تأخر ..." یعنی کہاں ہم گنہگار اور کہاں حضور ﷺ جبکہ آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہیں۔

قوله: فقالوا: أين نحن من النبي ﷺ...: یعنی کہاں آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ کہ معصوم و مغفور ہیں، کہاں ہم کہ ہمارا تو آخری انجام بھی معلوم نہیں، لہذا ہمیں مقدار و کمیت میں آپ ﷺ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے۔

قوله: غفر الله ما تقدم من ذنبه...: یہاں ذنب سے مراد خلاف شان امور یا خطائے اجتہادی ہے یا پھر مغفرت سے مراد عصمت از گناہ ہے کیونکہ نبی کی مغفرت ان کے اور گناہ کے درمیان حائل ہونے کا نام ہے اور امت کے حق میں مغفرت گناہ اور اس کی سزا کے درمیان حائل ہونے کا نام ہے۔

قوله: والله إنّي لأخشاكم لله وأتقاكم له، لكنّي أصومُ وأُفطرُ وأُصلّي وأرقد وأتزوّج النساء...: یعنی میں باوجود کمال خشیت وکمال تقویٰ کے رخصت پر عمل کرتا ہوں، مثلاً مسلسل روزہ نہیں رکھتا، نکاح بھی کرتا ہوں اور قیام اللیل کے ساتھ ساتھ سوتا بھی ہوں، تو تم تو بطریق اولیٰ رخصت پر عمل کرو کہ اس میں اظہار عجز و ضعف ہے۔

۱۳۸۔ وعن عائشةؓ قالت: صنع رسول الله ﷺ شيئًا، فرخّص فيه فتنزّهَ عنه قومٌ فبلغَ ذلكَ رسولَ اللهِ ﷺ فخطبَ فحمِدَ اللهَ فقال: مابالُ أقوامٍ يتنزّهونَ عن الشيءِ أصنعُه، فواللهِ انّي لأعلمُهم بالله وأشدّهم له خشيةً. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کیا اور اس میں رخصت رکھی اس سے کچھ لوگوں نے پرہیز کیا۔ یہ بات رسول پاک ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور اللہ کی حمد کے بعد فرمایا: لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسے کام سے پرہیز کرتے ہیں جس کو میں کرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں ان کی نسبت اللہ کو زیادہ جانتا ہوں اور ان سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (متفق علیہ)

دنیاوی معاملات میں آپ ﷺ کے مشورہ کی حیثیت:

۱۳۹۔ عن رافع بن خديجؓ قال: قَدِمَ النبيُّ ﷺ المدينةَ وهم يؤبّرونَ النخل فقال: ما تصنعونَ؟ قالوا: كنّا نصنعُه، قال: لعلّكم

لولم تفعلوا كان خيرًا فتركوه، فنقصت، فذكروا ذلك له فقال: انّما أنا بشرٌ اذا أمرتُكم بشئٍ مِن أمرِ دينِكم فخذوا به وإذا أمرتُكم بشئٌ مِن رأيي فإنّما أنا بشرٌ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج ؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ مدینہ تشریف لائے جبکہ اہلِ مدینہ کھجوروں کی تأبیر کیا کرتے تھے، چنانچہ حضور ﷺ نے (یہ دیکھ کر) دریافت فرمایا کہ تم یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: ہم (پہلے سے) ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرو تو شاید کہ بہتر ہو (یہ سن کر) صحابہ نے اس کو چھوڑ دیا۔ پس (اس سال) پھل کم آیا۔ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے اس بات کا تذکرہ آپ ﷺ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں بھی ایک انسان ہوں (لہذا) جب میں تمہیں دین کے معاملہ میں کسی بات کا حکم دوں تو اسے قبول کرلو اور جب اپنی رائے (عقل) سے (دنیا کے معاملہ میں) کوئی بات بتاؤں (تو سمجھ لو کہ) میں بھی ایک انسان ہوں۔ (مسلم)

تشریح: قوله: وهم يؤبّرون النخل ....: اس حدیث میں تابیر النخل کا ذکر ہے۔ ''تابیر النخل'' یہ ہے کہ مادہ کھجور کا شگوفہ چیر کر نر کھجور کا شگوفہ اس میں ملا دیتے ہیں جس سے پھل زیادہ اور اچھا آتا ہے، آنحضرت ﷺ نے اپنے اجتہاد سے اس سے منع فرمایا۔ صحابہ ؓ نے اس پر عمل کیا۔ نتیجۃً پھل نسبتاً کم لگے۔ صحابہ ؓ نے آپ ﷺ کو اس سے آگاہ کیا، جس سے آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اللہ نے بطورِ سبب کے اس (تابیر النخل) میں یہ تاثیر رکھی ہے کہ اس سے پھل زیادہ آتا ہے تو فرمایا کہ " إنّما أنا بشرٌ "۔

قوله: إنّما أنا بشر إذا أمرتكم بشيءٍ من أمرِ دينكم فخذوا به وإذا أمرتُكم بشيءٍ من رأيي فإنّما أنا بشرٌ: یعنی میں بھی انسان ہوں اگر کسی دنیاوی معاملہ میں کوئی مشورہ یا حکم دوں تو ممکن ہے کہ وہ خطا ہو کیونکہ دنیا سے مجھے کوئی لگاؤ نہیں بلکہ میری تمام تر توجہ امورِ آخرت کی طرف ہے پس امورِ دنیاویہ میں بحیثیت ایک بشر جب میری رائے سے تمہیں موافقت نہ ہو تو میری رائے پر عمل کرنا شرعاً ضروری نہیں، ہاں جب میں امورِ آخرت تمہیں بتاؤں تو اس کو قبول کرنا ضروری ہے۔ (مرآۃ نفحات)

آپ ﷺ کی دعوت اور لوگوں کی مثال:

۱۴۰۔ وعن أبي موسىٰ ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّما مثلي و مثلُ ما بعثني الله به كمثلِ رجلٍ أتىٰ قومًا فقال: ياقومي! إنّي رأيتُ الجيشَ بعينيّ و إنّي أنا النذير العريان فالنجاءَ النجاءِ فأطاعه طائفةٌ من قومه فأدلجوا فانطلقُوا علىٰ مَهلهم فنجَوا وكذّبتْ طائفةٌ منهمُ فأصبحُوا مكانَهم فصبّحَهُمُ الجيشُ فأهلكهم واجتاحَهم فذلك مثلُ مَنْ أطاعَني فاتّبعَ ماجئتُ به ومثلُ مَنْ عصاني و كذّبَ ماجئتُ بهٖ مِن الحقّ. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور اس دین کی مثال جسے دے کر مجھے اللہ نے بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور کہا: اے قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے (جو حملہ آور ہونا چاہتا ہے) اور میں ننگا (کھلم کھلا اور بے غرض) ڈرانے والا ہوں، پس تم جلدی کرو، جلدی کرو، پس اس کی قوم میں سے ایک جماعت نے اس کی بات مان لی اور رات کے اندھیرے میں آہستہ آہستہ نکل گئی اور نجات پالی اور ایک جماعت نے اس کو جھٹلایا اور صبح تک اپنی جگہ رہی۔ صبح کو لشکر نے ان کو آلیا اور ان کو ہلاک کرڈالا اور جڑ سے ان کو اکھاڑ پھینکا۔ چنانچہ یہ مثال ہے اس شخص کی جس نے میری فرمانبرداری کی اور جو (دین) میں لے کر آیا

ہوں اس کی پیروی کی اور مثال ہے اس شخص کی جس نے میری نافرمانی کی اور جس حق (دین) کو میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔

تشریح: قوله و إنّی أنا النذیر العریان... :۔ یہ عربی کی ایک مشہور کہاوت ہے جو سخت اور ناگہانی حادثہ کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اگر کوئی کسی ناگہانی آفت، دشمن وغیرہ کی خبر دیتا تو برہنہ ہو جاتا اور اپنے کپڑے سر پر رکھ کر کسی بلند جگہ پر کھڑے ہو کر چیختا تاکہ لوگ خطرے کا احساس کر کے خبردار ہو جائیں اور اپنے بچاؤ کا بندوبست کر لیں۔ یہاں اس کا معنیٰ کریں گے [کھلم کھلا اور بے غرض ڈرانے والا]۔ (مرآۃ ،لمعات)

قوله: فالنجاء النجاء ... :۔ یہ مصدر ہے بمعنیٰ جلدی کرنے کے اور منصوب ہے مفعولِ مطلق ہونے کی بنا پر۔

آپ ﷺ کی مثال:

١٤١۔وعن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: مثلی کمثلِ رجلٍ استوقدَ ناراً فلمّا أضاءتْ ما حولَها جعلَ الفَراشُ وهذه الدوابَّ الّتی تقعُ فی النّار یقعْنَ فیها وجعلَ یحجزُهنّ ویغلبنَه فیتقَحّمنَ فیها فأنا آخذٌ بحُجَزِکُم عنِ النّارِ وأنتمُ تقحّمُون فیها.[هذه روایة البخاری]ولمسلمٍ نحوَها وقال فی آخرِها:"قال: فذلك مَثلی ومَثَلُکم أنا آخذٌ بحُجَزِکُم عن النّار هلمّ عن النّار هلمّ عن النّار فتغلِبونی تقحّمُون فیها.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی، چنانچہ جب آگ نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا تو پروانے اور دوسرے وہ جانور (حشرات) جو آگ میں گرتے ہیں، اس آگ میں گرنے لگے اور وہ (آگ جلانے والا) اِن کو آگ میں گرنے سے روکنے لگا (جبکہ) پروانے اس پر غالب رہتے ہیں اور آگ میں داخل ہوتے ہیں۔ (اسی طرح) میں بھی تمہاری کمر پکڑ کر (دوزخ کی) آگ میں گرنے سے روکتا ہوں اور تم اس میں گرتے ہو۔ یہ روایت بخاری کی ہے اور مسلم کی بھی ایسی ہی روایت ہے البتہ اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: فرمایا: ''چنانچہ یہ میری اور تمہاری مثال ہے میں تمہاری کمریں پکڑا ہوا ہوں تاکہ تمہیں آگ سے بچالوں اور (کہتا ہوں) دوزخ سے بچو، دوزخ سے بچو لیکن تم مجھ پر غالب آتے ہو اور اس میں گر پڑتے ہو۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: جعل الفراش و هذه الدواب التی تقعُ فی النار یقعن فیها .... :۔ "وهذه الدواب" کا عطف ''الفراش'' پر عطفِ تفسیری ہے اس صورت میں دواب سے مراد فراش (پتنگے) ہی ہوں گے اور یا پھر'' هذه الدواب '' سے مراد پروانوں کے علاوہ دیگر حشرات مثلاً مچھر، ٹڈیاں وغیرہ ہیں۔

قوله: فیتقحّمن فیها... :۔ "یتقحمن" صیغہ جمع مونث غائب، فعل مضارع ہے۔ یہ "تقحُم" سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ہے ''کسی تیاری کے بغیر بلا سوچے سمجھے مشکل امور میں گھسنا''۔

قوله: فأنا اخذ بحجز کم عن النار ... :۔'' حجُز "حجزةٌ" کی جمع ہے جس کا معنیٰ ہے ''ازار باندھنے کی جگہ'' یعنی کمر کا نچلا حصہ، جسے اردو میں کوکھ کہتے ہیں، اس کی تخصیص اس لیے کی کہ اس جگہ سے پکڑنا زیادہ مستحکم و مضبوط ہوتا ہے جو روکنے میں زیادہ مؤثر ہے۔

قوله: هلمّ عن النار.... :۔ "هلمّ" "اسم فعل بمعنیٰ "ایتوا" ہے کہ آؤ میری طرف، اور ''عن النّار ''، متعلق ہے فعل محذوف

"لِأخلصكم" کے ساتھ یا پھر "ابعدو" فعلِ محذوف کے ساتھ متعلق ہے۔(مرآۃ،نفحات)

علم شریعت اوراس سے نفع اٹھانے والوں کی مثال:

۱۴۲۔وعن أبی موسیٰؓ قال: قال رسول الله ﷺ: مَثَلُ ما بعثَنِی اللهُ بِهٖ من الهُدٰی والعلمِ کمَثَلِ الغَیثِ الکثیر أصابَ أرضًا فکانتْ منها طائفةٌ طیِّبَةٌ قَبِلتِ الماءَ فأنبتتِ الکلأَ والعُشبَ الکثیرَ وکانتْ منها أجادبُ أمسکتِ الماءَ فنفعَ اللهُ بها النّاسَ فشرِبُوا وسَقَوا وزرعُوا وأصابَ منها طائفةً أُخرٰی إنّماهیَ قیعانٌ لاتُمسِكُ ماءً ولاتُنبِتُ کلأً فذلك مثلُ مَنْ فقُهَ فی دینِ الله ونفعه بمابعثَنی اللهُ بهٖفعلِمَ وعلَّمَ ومَثلُ مَن لَم یرفعْ بذلك رأسًا ولم یقبَلْ هُدی اللهِ الّذی أُرسِلتُ به.[متفق علیه]

ترجمہ:حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اس علم وہدایت کی مثال جسے دے کراللہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس بارش کی مانند ہے جوایک زمین پر برسی چنانچہ زمین کا جو اچھا حصہ تھا اس نے اس (بارش کے پانی) کوقبول (جذب) کیااور خوب گھاس چارہ اگایااوراس زمین کا کچھ حصہ سخت تھا جس نے پانی کوروک کرجمع کرلیااللہ نے اس سے بھی لوگوں کونفع پہنچایاچنانچہ لوگوں نے اسے پیا، پلایا اور کھیتی کوسیراب کیا،اور وہ بارش زمین کے ایسے حصہ پر بھی برسی جوسخت چٹیل میدان تھا جونہ پانی کوروک سکااور نہ سبزہ اگاسکا،سویہی مثال ہے اس شخص کی جس نے اللہ کے دین کوسمجھااوراس (علمِ شریعت) کو جسے دے کراللہ نے مجھے بھیجا ہے اُس سے لوگوں کوبھی نفع دیا،لھذا خود (بھی) سیکھااور (دوسروں کوبھی) سکھایا،اوراس شخص کی مثال ہے جس نے (ازراہِ تکبر) دین سیکھنے کے لیے سرنہ اٹھایااوراللہ کی اس ہدایت کو قبول نہ کیاجومجھے دے کربھیجا گیا۔(متفق علیہ)

تشریح: قوله: مثلُ ما بعثنی الله بهٖ من الهدیٰ والعلم کمثل الغیث الکثیر أصابَ أرضًا...:۔اس حدیث میں حضور ﷺ علمِ وحی وعلمِ شریعت کوبارش کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں اوراس سے نفع اٹھانے کے اعتبار سے انسان کوزمین کیساتھ تشبیہ دے رہے ہیں، زمین تین قسم پرہوتی ہے:

(۱)زرخیز زمین جس میں بارش خوب خوب اثر کرےاورخوب خوب سبزہ اگائے۔

(۲)سخت زمین جوپانی کوبوجہ صلابت کے روک کرذخیرہ کرلےخودتواس سے فائدہ نہیں اٹھاسکتی لیکن دوسروں کوفائدہ پہنچاتی ہے۔

(۳)وہ چٹیل،سخت اورہموارزمین جونہ توپانی سے سیراب ہوکرسبزہ اگاسکےاورنہ پانی ذخیرہ کرسکے۔

اسی طرح انسان بھی تین قسم پر ہیں:

(۱)عالم باعمل جوعلم پرعمل کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کوبھی سکھائے۔

(۲)بےعمل عالم ومعلم جوخودتوعمل نہ کرےلیکن دوسروں کوسکھائے۔

(۳)جاہل جوعلمِ شریعت سے نہ خودمنتفع ہواورنہ دوسروں کونفع پہنچاسکے۔

ایک اشکال اوراُس کاجواب:

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ بظاہر مُشَبَّہ بِہٖ (زمین) اورمُشَبَّہ (انسان) میں مطابقت نہیں کیونکہ اس حدیث میں دوسری قسم کی زمین کا

کوئی مُشَبَّہ ذکر نہیں ہوا؟ اس اشکال کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں یہاں ایک جواب پر اکتفاء کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ مُشَبَّہ یعنی انسان کی جانب میں حضور ﷺ نے دوسری قسم یعنی عالم بے عمل کو صراحۃً بیان نہ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ بے عمل ہونا عالم دین کے شایانِ شان نہیں، ایسا عالم گویا قابل ذکر ہی نہیں۔

قوله: فذلك مثلُ من فَقُهَ في دينِ الله.... :۔ یہ پہلی قسم کی زمین کا مُشَبَّہ ہے یعنی عالم باعمل ومعلم۔ تو گویا علم مع العمل قبولِ ماء کی مانند اور دوسروں کو تعلیم دینا انبات کلأ یعنی سبزہ اگانے کی مانند ہوا۔

قوله: و مثلُ من لم يرفع بذلك رَاسًا ولم يقبل هدى الله الّذى...: ۔ یہ تیسری قسم کی زمین (جو نہ پانی جمع کر سکے نہ سبزہ اگا سکے) کا مُشَبَّہ ہے یعنی جاہل وکافر انسان۔ (مرآۃ)

آیات محکمات اور متشابہات:

١٤٣۔وعن عائشةؓقالت تلا رسول اللهﷺ:" هو الّذى أنزلَ عليكَ الكتابَ مِنه آياتٌ مُحكَمَاتٌ هنّ أُمّ الكتاب[وقرأ الىٰ] وما يذّكّرُ الّا أولو الألباب"قالتْ :قال رسولُ اللهﷺ:فإذا رأيتِ[وعندَ مسلم :رأيتم] الّذين يتبعون ماتشابهَ منه فأُولئك الذين سمّاهم اللهُ فاحذرُوهم.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: "هو الّذى أنزل عليك الكتاب منه آياتٌ محكماتٌ هنّ أمّ الكتاب" ترجمہ: "اللہ وہ ذات ہے جس نے آپ (ﷺ) پر یہ کتاب نازل کی جس میں (بعض) آیات محکم ہیں"۔ اور آخرِ آیت: "وما يذّكّر إلا أُولوا الألباب" تک پڑھا [ترجمہ:] "اور نصیحت نہیں پکڑتے مگر عقل والے"۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (اس کے بعد) اللہ کے رسول نے فرمایا کہ جب تو دیکھے [اور مسلم کی روایت میں ہے: جب تم ان لوگوں کو دیکھو] جو ان آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں جو متشابہ ہیں (پس جان لو) کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کا نام اللہ نے گمراہ رکھا ہے لہذا ان سے بچو"۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: منه آياتٌ محكماتٌ...:۔ یہ محکمۃ، کی جمع ہے اس آیت کو کہتے ہیں جس کی مراد بالکل واضح ہو۔

آیاتِ متشابہات کی تعریف اور ان آیات کا مقصد:

قوله: فإذا رأيتِ الّذين يتبعون ماتشابهَ منه...:۔ "ما تشابه منه" سے مراد متشابہات ہیں۔ یہ وہ آیات ہیں جن کی مراد واضح نہ ہو بلکہ اس کی صحیح مراد مشتبہ ہو مثلاً: حروف مقطعات یعنی الٓمّٓ وغیرہ اور وہ آیات جن میں اللہ کی طرف اعضاء کی نسبت کی گئی ہے یا جن میں اللہ کی طرف نزول، استواء وغیرہ افعال کی نسبت کی گئی ہیں؛ ایسی آیاتِ متشابہات کا مقصد امتحان ہے لہذا اس میں زیادہ غور وخوض نہ کیا جائے بلکہ اس پر بلا جھجک ایمان لایا جائے اس کی حقیقی مراد نہ معلوم ہو سکتی ہے نہ اس کے معلوم کرنے کے درپے ہونا جائز ہے۔ اس حدیث میں ایسے لوگوں سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے جو متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے" فأولئك الذين سمّاهم الله فاحذَرُوهم" یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کا نام قرآن میں اہلِ زیغ رکھا ہے، پس ایسے لوگوں سے بچو۔

فائدہ: بعض مفسرینِ اہلِ سنت والجماعت نے جو متشابہات کی مرادیں بیان کی ہیں وہ نہ تو حتمی ویقینی ہیں اور نہ ہی آیاتِ محکمات کے معارض،

لہذا اس کو ممنوع ومحظور نہیں کہہ سکتے۔قرآن وسنت تو اس کو منع کرتے ہیں کہ آیات متشابہات کی حتمی ویقینی مراد بیان کی جائے یا ایسی مراد بیان کی جائے جو دوسری آیات محکمات کے ساتھ معارض ہو۔

کتاب اللہ کے اندر اختلاف کرنا باعثِ ہلاکت ہے:

۱۴۴۔عن عبد الله بن عمروؓ قال: هجّرتُ إلىٰ رسول اللهﷺ يوماً فسمع أصواتَ رجلين اختلفا في آيةٍ فخرجَ علينا رسولُ اللهﷺ يُعرَفُ في وجهِهِ الغضَبُ فقال: إنّماهلكَ مَن كان قبلَكُم باختلافهِم في الكتاب.[مسلم]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ ایک دن دوپہر کے وقت میں رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپﷺ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنی جو ایک (متشابہ) آیت (کے معنی) میں اختلاف کر رہے تھے چنانچہ رسول اللہﷺ (باہر) ہمارے پاس تشریف لائے، آپﷺ کے چہرہ مبارک سے غصہ پہچانا جاتا تھا،فرمایا:تم سے پہلے لوگ (اللہ کی) کتاب میں اختلاف کرنے کے سبب ہلاک ہوئے۔

کون سا اختلاف مذموم و باعثِ ہلاکت ہے؟:

تشریح: قوله: إنّما هلكَ مَن كان قبلكم باختلافهم في الكتاب.....:۔بقولِ علامہ نووی کتاب اللہ کے اندر ایسا اختلاف مذموم و باعث ہلاکت ہے جو کفر یا بدعت تک پہنچائے مثلاً: قرآن کے الفاظ متواترہ میں اختلاف یا ایسے معنیٰ میں اختلاف جو محل اجتہاد نہ ہو جیسے متشابہات کے قطعی معنیٰ میں اختلاف کرنا یا ایسا اختلاف کرنا جو فتنہ وفساد اور شک وشبہ کا باعث ہو۔

رہا ائمہ مجتہدین کا اختلاف سو وہ مذموم نہیں بلکہ محمود ہے اور دین میں وسعت کا باعث ہے۔کیونکہ ائمہ مجتہدین کا اختلاف ان معانی ومسائل میں ہوتا ہے جو محلِ اجتہاد ہیں،اسی اختلاف کو رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے،چنانچہ ارشاد نبوی ہے:"اختلاف امتی رحمة" یعنی امتِ محمدیہ کے مجتہدین کا اختلاف امت کے لیے باعث رحمت ہے ۔(مرآۃ)

مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم:

۱۴۵۔وعن سعد بن أبي وقاصؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إنّ أعظمَ المُسلمين في المُسلمين جُرمًا مَنْ سألَ شيئًا لمْ يُحرّم علىٰ النّاس فحُرِّمَ مِن أجلِ مسئلتِهِ.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے بڑھ کر مجرم شخص وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کا سوال کیا جو لوگوں پر حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے سے وہ حرام کردی گئی۔(متفق علیہ)

تشریح: قوله: إنّ أعظم المسلمين في المسلين جر مامن سأل عن شيءٍ لم يُحرّم على النّاسِ فحُرّم :۔اس سے مراد وہ شخص ہے جو محض ضد وعناد کی بنا پر یا آپﷺ کو ایذا دینے کی خاطر بے جا اور فضول سوال کرے،سو اگر اس شخص کے کسی ایسے سوال کی وجہ سے مسلمانوں پر کوئی حلال چیز حرام کردی گئی تو یہ شخص مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم ہوگا،کیونکہ اس کی وجہ سے سارے لوگ تنگی میں مبتلا کئے گئے۔لیکن اگر سوال ضرورت یا مصلحت کی بنا پر ہو تو یہ نا صرف درست بلکہ بسا اوقات واجب بھی ہوتا ہے،جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون" (اگر خود نہیں جانتے تو اہلِ علم سے سوال کرو) پس شیعوں کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس

حدیث کا مصداق ٹھہرانا کہ آپؐ کے سوال سے شراب حرام قرار دی گئی تھی، کسی طرح بھی درست نہ ہوگا۔

آخری زمانہ میں جھوٹے اور دجال ہوں گے:

۱۴۶۔و عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: یکونُ فی آخرِ الزمانِ دجّالونَ کذّابونَ یأتونَکُم من الأحادیثِ بمالم تسمعوا أنتمُ ولا آباءُکُم فإیّاکم وإیّاهمُ لایُضِلُّونکُم ولا یفتنُونکم. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخری زمانہ میں فریب دینے والے جھوٹے (لوگ) ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی احادیث لے کر آئیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے باپ دادوں نے سنی ہوگی سوان سے بچو اور اپنے آپ کو اُن سے دور رکھو تا کہ وہ تمہیں نہ گمراہ کرسکیں اور نہ فتنہ میں ڈال سکیں۔ (مسلم)

اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب:

۱۴۷۔وعنه قال: کان أهلُ الکتاب یقرؤونَ التوراةَ بالعبرانیّةِ ویُفسّرونها بالعربیّةِ لأهلِ الإسلامِ فقال رسولُ الله ﷺ: لاتُصدّقُوا أهلَ الکتابِ ولاتُکذّبُوهم وقولوا: "آمنّا باللهِ وماأُنزِلَ إلینا". [بخاری]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اہلِ کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے اس کی تفسیر عربی زبان میں کیا کرتے تھے۔ (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور کہو کہ "ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کتاب (قرآن) پر جو ہماری طرف نازل کی گئی..." الآیۃ۔ (بخاری)

ہر سنی سنائی بات بیان کرنا آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے:

۱۴۸۔وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: کفیٰ بالمرءِ کذِباً أن یُحدِّثَ بکلّ ما سمعَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو (بلا تحقیق آگے) بیان کردے۔ (مسلم)

دوسروں کو نصیحت اور خود عمل نہ کرنے کی مذمت:

۱۴۹۔وعن ابن مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ: مامِن نبیٍّ بعثهُ اللهُ فی أمتهٖ قبلی إلّا کان له فی أُمتهٖ حواریّونَ وأصحابٌ یأخذون بسنّتهٖ ویقتدُون بأمرهٖ ثمّ تخلُفُ مِن بعدِهم خُلوفٌ یقولون مالایفعلون ویفعلونَ مالایُؤمَرونَ فمَن جاهدَهم بیدهٖ فهو مؤمن ومَن جاهدَهم بلسانهٖ فهو مؤمنٌ ومَن جاهدَهم بقَلْبهٖ فهو مؤمنٌ ولیسَ وراءَ ذلك مِن الایمانِ حبّةُ خردلٍ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ سے پہلے کوئی نبی اپنی قوم میں ایسا نہیں بھیجا جس کے مددگار اور دوست اسی قوم میں سے نہ ہوں جو اس نبی کے طریقہ کو اختیار کرتے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے۔ پھر ان (حواریوں) کے بعد ایسے نالائق جانشین پیدا ہوتے جو (لوگوں سے) ایسی بات کہتے جس پر خود عمل نہ کرتے اور خود وہ کام کرتے جس کا انہیں حکم نہ دیا جاتا تھا سو جو ان سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو اپنی زبان سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو ان لوگوں سے اپنے دل

سے (برامان کر) جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور اس (دل سے برا ماننے) کے بعد رائی کے دانہ کے بقدر بھی ایمان نہیں۔ (مسلم)

تشریح: قولہ: إلّا کان لہ فی أمتہ حواریون....:۔ "حواریون" حواری کی جمع ہے جو مشتق ہے حَورٌ بمعنیٰ خالص سفیدی سے، رازدار اور مخلص مددگار کو کہتے ہیں جن کی نیت خالص اور صاف ستھری ہو اور حوارین کی کثرت باعتبار اکثر انبیاء علیہم السلام کے ہیں کیونکہ بعض نبی ایسے بھی ہوئے ہیں جن کا صرف ایک حواری تھا یا بالکل کوئی تھا ہی نہیں۔

خَلْفٌ اور خَلَفٌ میں فرق:

قولہ: ثم إنہا تخلُفُ من بعدِھم خلوف... :۔ [خُلُوفٌ] جمع ہے خَلْفٌ کی بمعنیٰ نالائق جانشین کے جیسے عُدول جمع ہے عَدْلٌ کی اور خلَفٌ (لام کے فتحہ کے ساتھ) بمعنیٰ نیک ولائق جانشین، اس کی جمع اَخلافٌ آتی ہے جیسے سلَفٌ کی جمع اَسلافٌ آتی ہے۔ (لمعات)

ہدایت کی طرف بلانے والے کا اجر:

۱۵۰۔وعن أبی ہریرۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من دعا إلیٰ ھدیً کان لہ من الأجرِ مِثلَ أجورِمن تبِعَہ لاینقصُ ذلك مِن أُجورِھِمْ شیئاً ،ومَن دعاالیٰ ضلالۃٍ کانَ علیہ مِن الِاثْمِ مِثلَ آثامِ مَنْ تبِعَہ لاینقصُ ذلك مِن آثامِھِم شیئًا.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے (لوگوں کو) ہدایت کی طرف بلایا اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ ان لوگوں کو جنہوں نے اس ہدایت کی پیروی کی اور اس سے ان (پیروی کرنے والوں) کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی اور جس نے کسی گمراہی کی طرف بلایا اس کو اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا کے اس (گمراہی) کی پیروی کرنے والوں کو ملے گا، اس سے ان (پیروی کرنے والوں) کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ (مسلم)

اہلِ ایمان کا اپنوں میں بیگانہ ہونا:

۱۵۱۔وعنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: بدأ الإسلامُ غریباً و سیعودُ کما بدأ فطوبیٰ للغرباءِ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی ابتدا حالت غربت میں ہوئی اور (آخر میں) ایسا ہی ہو جائیگا جیسا کہ شروع ہوا تھا پس خوشخبری ہو غرباء کے لیے۔ (مسلم)

تشریح: قولہ: بدأ الا سلام غریباً ....:۔ [غریبٌ] اجنبی اور پردیسی کو کہتے ہیں جو پردیس میں بے یارومددگار ہوتا ہے۔ یہاں اسلام اگر اپنے حقیقی معنیٰ میں ہو تو کلام تشبیہ پر محمول ہوگا یعنی ابتدا میں اسلام بے یارومددگار پردیسی کی طرح تھا اور اگر اسلام سے بطورِ استعارہ مسلمان مراد ہو تو معنیٰ یہ ہوگا کہ مسلمان ابتدا میں جیسے کمزور اور بے یارومددگار تھے، اپنے ہی دیس میں وہ بیگانے سمجھے جاتے تھے، "وسیعودُ کما بدأ" یعنی ایک زمانہ پھر ایسا آئیگا کہ دین کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے والے اور اس کی سربلندی چاہنے والے اپنے ہی دیس میں بیگانے سمجھے جائیں گے اور بے یارومددگار ہوں گے، یہاں یہی دوسرا والا معنیٰ زیادہ موافق ہے "فطوبی للغرباء" کے قرینہ سے۔

قولہ: فطوبی للغرباء....:۔ "غرباء" غریب کی جمع ہے بمعنیٰ پردیسی واجنبی، یہاں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو گمراہی کے زمانہ میں دینِ اسلام کو مضبوطی کے ساتھ تھامے ہوئے ہوں اور لوگوں کی اصلاح میں اور سنتوں کو رواج دینے میں سرگرم ہو۔ (مرآۃ، لمعات)

مدینہ (زادھااللہ عزًا وشرفًا ونورًا) ایمان کی حفاظت گاہ:

۱۵۲۔وعنه قال: قال رسول اللهﷺ: إنّ الإيمانَ ليأرزُ إلى المدينةِ كما تأرِزُ الحيّةُ إلى جُحْرِها[متفق عليه] وسنذكرُ حديثَ أبي هريرةؓ:"ذَرُوني ما تركتُكم"وحديثَي معاوية وجابر:"لا يزال من أمتي"و"لا يزال طائفةٌ من أمتي "في[باب ثواب هذه الأمة] إن شاء الله تعالىٰ.

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ ایمان مدینہ کی طرف سمٹ آئے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف سمٹتا ہے۔(متفق علیہ)اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث"ذرونی ما ترکتکم ..."کو ہم کتاب المناسک میں ذکر کریں گےاور حضرت معاویہؓ اور حضرت جابرؓ کی حدیث" لا يزال من أمتي..."اور "لا يزال طائفةٌ من أمتي ...."کو ہم ان شاءاللہ (باب ثواب هذه الأمة) میں ذکر کریں گے۔

تشریح: قوله: الإيمان ليأرز إلى المدينه...:۔ [ليأرز]أرَزَ يأرِزُ سے بمعنی سمٹنا۔ایمان کے مدینہ کی طرف سمٹنے کا مطلب یہ ہے کہ قربِ قیامت میں اہلِ ایمان،ایمان کی حفاظت کی خاطر مدینہ منورہ میں پناہ لیں گے۔ایمان کے مدینہ میں سمٹ آنے کو سانپ کے اپنے بل میں سمٹ آنے سے تشبیہ سرعت کے ساتھ سمٹنے میں دی جارہی ہے پھر مدینہ کی تخصیص شرافت کی وجہ سے فرمائی گئی ہے،جبکہ دوسری احادیث میں حجاز اور شام کو بھی اہلِ ایمان کے ایمان کی حفاظت گاہیں قرار دیا گیا ہے لہذا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مدینہ اپنے اطراف وجوانب سمیت ایمان کی حفاظت گاہ ہے۔

قوله: و حديثَي معاويةؓ و جابرؓ"لا يزال من أمتي،ولا يزال طائفةٌ من أمتي ":۔صاحبِ مصابیحؒ نے یہاں ان دو حضرات کی احادیث ذکر کی تھی،مؤلفِ مشکوٰۃ فرمارہے ہیں کہ ان حضرات کی حدیثوں کو ہم ان شاءاللہ باب ثواب هذه الامة میں ذکر کرینگے۔جبکہ وہاں صرف حضرت معاویہؓ کی حدیث ذکر کی گئی ہے،حضرت جابرؓ کی حدیث وہاں مذکور نہیں تو گویا مؤلف مشکوٰۃ سے سہو ہوئی ہے۔

"الفصل الثاني"

سردار اللہ ہے،بلانے والا محمد ہے،گھر اسلام ہے اور کھانا جنت ہے:

۱۵۳۔عن ربيعة الجرشيؓ قال: أُتِيَ نبي اللهﷺ، فقيل له: لتنم عينُك ولتسمع أذنُك وليعقلْ قلبُكَ قال: فنامتْ عينيَّ وسمِعتْ أُذنايَ وعقَلَ قلبي،قال: فقيل لي: سيّدٌ بنىٰ داراًفصنَعَ فيها مأدُبةً وأرسلَ داعياً فمَنْ أجابَ الداعِيَ دَخلَ الدارَوأكلَ مِن المأدُبةِ ومَنلمْ يُجبِ الداعيَ لمْ يدْخُلِ الدّارَولَمْ يأكُلْ مِن المأدُبةِوَسخطَ عليه السيّدُ قال: فاللهُ السيّدُ ومحمدٌ الداعي والدارُالاسْلامُ والمأدُبةُ الجنةُ.[دارمي]

ترجمہ:حضرت ربیعہ جرشیؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی پاکﷺ نے خواب (میں فرشتوں کو) دیکھا آپﷺ سے کہا گیا کہ چاہیے کہ تیری آنکھ سوئے اور تیرے کان سنے اور تیرا دل سمجھے۔آپﷺ فرماتے ہیں کہ میری آنکھیں سوگئی اور میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے سمجھا،

(پھر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے (بطور مثال) کہا گیا کہ ایک سردار نے گھر بنایا اور اس میں کھانا تیار کیا اور (لوگوں کو بلانے واسطے) ایک بلانے والے کو بھیجا سو جس نے بلانے والے کی دعوت قبول کی وہ گھر میں داخل ہوا اور کھانے میں سے کھالیا اور سردار اس سے خوش ہوا اور جس نے بلانے والے کی دعوت قبول نہ کی وہ گھر میں داخل نہ ہوا اور نہ کھانے میں سے کھا سکا اور سردار اس سے ناراض ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا (اس مثال میں) سردار اللہ ہے، بلانے والا محمد (ﷺ) ہے، گھر اسلام ہے اور کھانا جنت (کا) ہے۔ (دارمی)

تشریح: قوله: والدارُ الإسلامُ والمادبةُ الجنة: ۔اس حدیث میں "دار" اسلام کو کہا جارہا ہے جبکہ فصل اول میں حضرت جابرؓ کی روایت میں "دار" جنت کو کہا گیا ہے، چونکہ اسلام لا محالہ دخولِ جنت کا سبب ہے اور جنت مسبب، تو اس حدیث میں سبب بول کر مسبب مراد لیا جارہا ہے، اُس حدیث میں نعماءِ جنت پر مأدبہ کا اطلاق کیا گیا تھا اور اِس حدیث میں مبالغۃً نعماءِ جنت پر جنت کا اطلاق کیا جارہا ہے یا محل بول کر حال مراد لیا جارہا ہے کہ جنت، نعماءِ جنت کا محل ہے ۔(نفحات)

حدیث کی حجیت اور فتنہ انکارِ حدیث:

۱۵۴۔وعن أبي رافعؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لا أُلفيَن أحدَكم متكئًا على أريكته يأتيه الأمرُ من أمري ممّا أمرتُ به أو نهيتُ عنه فيقول: لاأدري ماوجدنافي كتابِ اللهِ اتّبعناه.[أحمد،أبو داؤد،ابن ماجة ،بيهقي]

ترجمہ: حضرت ابورافعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نہ پاؤں تم سے کسی کو کہ اپنی مسہری پر تکیہ لگائے ہوئے ہو اور میرے (ان) احکام میں سے جن کا میں نے حکم دیا ہے یا اس سے منع کیا ہے، کوئی حکم اس کے پاس آئے اور وہ یہ کہے کہ میں (حدیث کو حق) نہیں جانتا جو کچھ ہم نے اللہ کی کتاب میں پایا اسی کی پیروی کی۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی)

حضرت ابورافعؓ کا تعارف: ابورافع حضرت عباسؓ کے غلام تھے انہوں نے ابورافع آپ ﷺ کو ہبہ کردیا تھا جب فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کو حضرت عباس کے اسلام کی خوشخبری دی گئی تو آپ ﷺ نے ابورافعؓ کو آزاد کردیا۔ حضرت ابورافعؓ قبطی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، اصل نام [اسلم] تھا لیکن کنیت سے مشہور ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے وفات پائی، بہت سے لوگوں نے آپؓ سے روایت کی ہے۔

معتزلہ اور آج کے منکرینِ حدیث میں فرق:

تشریح: قوله: لا أُلفينّ أحدَكم ....: ۔یہ حدیث حجیتِ حدیث پر دال ہے اور انکارِ حدیث پر ردّ ہے۔ سب سے پہلے حدیث کا انکار معتزلہ نے کیا جو نصوص کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے عادی تھے، اگر اخبارِ متواترہ کے علاوہ کوئی حدیث ان کے عقل کی کسوٹی پر پوری نہ اترتی تو انکار کر بیٹھتے، ایسے ہی قرآنی آیات میں تاویل کرنے لگتے۔

معتزلہ کا یہ فتنہ ایک علمی فتنہ تھا حتیٰ کہ ان کی جماعت نے یہ تصریح کی کہ خبرِ واحد اگر عزیز ہو یعنی اس کے راوی ہر زمانہ میں دو ہوئے ہوں تو قابلِ احتجاج اور مفیدِ یقین ہے ورنہ تو نہیں۔ تو گویا انکارِ حدیث اُن کی ایک اصولی غلطی کی بنیاد پر تھا نہ کہ دین سے جان چھڑانے کی خاطر۔ جبکہ ہمارے اس دور میں فتنہ انکارِ حدیث جہل وعناد کی بنیاد پر ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مذہب کی گرفت ڈھیلی کردی جائے اور ا...

ایسی صورت میں پیش کیا جائے جو ہر سانچہ میں ڈھلنے کے قابل ہو،اس فتنہ میں مبتلا جاہلوں نے صرف چند احادیث میں معمولی شبہات پیدا کر کے تمام ذخیرۂ احادیث کو بے دلیل رڈ کر دیا۔(نفحات)

فتنۂ انکارِ حدیث کی پیشن گوئی:

۱۵۵۔وعن المقدام بن معدیکربؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ألا إنّي أُوتيتُ القرآنَ ومثلَهُ معَه ،ألا يوشِكُ رجلٌ شبعانُ علىٰ أريكتِه يقول:عليكم بهذاالقرآنِ فماوجدتُّم فيهمِن حلالٍ فأحِلُّوه وماوجدتُّم فيه مِن حرامٍ فحرِّمُوه ،وإنّ ماحرّمَ رسولُ اللهﷺ كما حرّمَ اللهﷻألالايَحِلُّ لكمُ الحمارُ الأهليُّ ولاكلُّ ذي نابٍ مِن السباعِ ولالُقطةُ معاهدٍإلاّ مايستغني عنها صاحبُها ومَن نزلَ بقومٍ فعليهم أن يَقرُوه فإن لم يقروه فلهُ أن يُعقِّبَهم بمثلِ قِراه.[رواه أبوداؤد،وروى الدارميُّ نحوَه وكذاابن ماجة الىٰ قوله:"كماحرّم اللهُ"]

ترجمہ:حضرت مقدام بن معدیکربؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غور سے سن لو! مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا مثل (حدیث بھی)۔خبردار!عنقریب ایک پیٹ بھرا شخص اپنے چھپر کھٹ (مسہری) پر پڑا ہوا یہ کہے گا کہ ''اس قرآن کو لازم پکڑلو،اس میں جو حلال پاؤ اس کو حلال جانو اور اس میں جو حرام پاؤ اس کو حرام جانو'' حالانکہ رسول اللہ(ﷺ) نے جو کچھ حرام فرمایا ہے وہ اس چیز کی طرح ہے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔غور سے سنو! گھریلو گدھا حلال نہیں اور نہ ہر کچلی والا درندہ۔اور نہ تمہارے لیے معاہد (ذمی) کا لقطہ حلال ہے مگر یہ کہ اس سے بے پرواہ ہوا جائے اور جو کسی قوم کا مہمان بنے اس قوم پر لازم ہے کہ اس کی مہمانی کریں اور اگر وہ اس کی مہمانی نہ کریں تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مہمانی کے مانند ان سے حاصل کرے۔(ابوداؤد،دارمی)

تشریح: قوله: ألا انّي أُوتيت القرآنَ و مثله معه...:۔''قرآن کے مماثل'' جو چیز آپﷺ کو دی گئی وہ حدیث ہے،قرآن کے ساتھ اس کی مماثلت یا تو وحی ہونے میں ہے یا وجوبِ عمل میں اور یا پھر احکام کی مقدار میں ہے۔

قوله: ألا يوشكُ رجلٌ شبعانُ علىٰ أريكته...:۔ "شبعان" بمعنیٰ پیٹ بھرا ہوا،یہ کنایہ ہے بدفہمی اور بے پروائی سے۔اور''علیٰ أريكته" کنایہ ہے تکبر وغرور اور مال وجاہ سے۔

قوله: وإنّ ما حرّمَ رسول الله كما حرّمَ الله ألا لا يحلُّ لكم الحمارُ الأهليُّ ....:۔یہاں سے بطورِ تمثیل چند احکامات بیان فرمائے جارہے ہیں جن کی تفصیل قرآن میں نہیں مثلاً: گدھے کے گوشت کی حرمت وغیرہ۔

مہمانی کی حیثیت:

قوله: ومن نزل علىٰ قومٍ فعليهم أن يقروه فإن لم يقروه فله أن يعقبهم بمثلِ قراه...:۔اس حدیث کی رو سے امام احمدؒ مہمانی یعنی مہمان کی خاطر مدارت کو واجب قرار دیتے ہیں جبکہ جمہور کے ہاں مہمانی سنت یا پھر مستحب ہے یہ حضرات حدیثِ باب کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ذمیوں کے بارے میں ہے جن پر معاہدہ کی رو سے مسلمانوں کی مہمانی کرنا لازم تھا یا یہ حدیث بھوک سے لاچار مضطر شخص کے بارہ میں ہے یا پھر اگلی حدیث یعنی حدیثِ عرباضؓ سے منسوخ ہے ۔

۱۵۶۔وعن العرباضؓ بن ساریةؓ قال: قام رسول اللهﷺ، فقال: أيحسبُ أحدُكم متكئاً على أريكتِه يظنُّ إنّ اللهَ لم يُحرِّمْ شيئاً الّا مافي هذاالقرآن ،ألاوإنّي واللهِ قدأمرتُ ووعظتُ ونهيتُ عن أشياء إنّها لَمِثلُ القرآنِ أوأكثر وإنّ الله لم يحلّ لكم أن تدخلُوابيوت أهلِ الكتاب الّا بإذنٍ ولاضربَ نسائهم ولاأكلَ ثمارِهم اذا أعطَوكم الذى عليهم.[رواه أبوداؤد،وفى اسناده أشعث بن شعبة المصيصى قدُ تُكلِّم فيه]

ترجمہ:حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے چھپرکھٹ پر تکیہ لگائے ہوئے یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ نے صرف وہی چیزیں حرام کی ہیں جو اس قرآن میں ہے،خبردار!اللہ کی قسم:تحقیق میں نے حکم دیااور نصیحت کی اور منع کیا کئی چیزوں سے،تحقیق کہ وہ قرآن کی مانند ہے یا(مقدار میں)اس سے زیادہ ہے اور بے شک اللہ نے تمہارے لیے(یہ)حلال نہیں کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں تم بلا اجازت کے داخل ہو اور نہ اُن کی عورتوں کو مارنا حلال کیا ہے اور نہ ان کے پھلوں کا کھانا جب کہ وہ چیز(جزیہ)جواُن کے ذمہ ہے تمہیں ادا کریں۔(ابوداؤد)

دین میں ہرنئی بات بدعت ہےاور ہر بدعت گمراہی ہے:

۱۵۷۔وعنه قال: صلّى بنا رسول اللهﷺ ذاتَ يومٍ ثمّ أقبل علينا بوجهه فوعظَناموعظةً بليغةً زرَفتْ منها العيونُ ووجِلت منها القلوبُ فقال رجلٌ يا رسولَ اللهِ !كأنّ هذهٖ موعظةَ مُوَدِّعٍ فأوصِنافقال: أُوصيكُم بتقوى الله والسمعِ والطاعةِ وإن كان عبداً حبَشياً فإنّه مَن يعِشْ منكُم بعدى فسيرٰى اختلافًا كثيرًا فعليكم بسنّتي وسنّةِ الخلفاءِ الراشدين المَهدِيّين تَمسّكُوابهاوعَضُّوا عليهابالنّواجذِ وإيّاكم ومحدثاتِ الأُمورِ فإنّ كلَّ مُحدثةٍ بدعةٌ وكلّ بدعةٍ ضلالةٌ .[أحمد،أبوداؤد، ترمذى،الّا أنّهما لم يَذكرا الصلوٰةَ]

ترجمہ:حضرت عرباضؓ کہتے ہیں کہ ہمیں ایک دن رسول اللہﷺ نے نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں بلیغ اور مؤثر انداز میں نصیحت فرمائی جس سے آنکھیں(آنسوؤں)بہہ پڑیں اور دل ڈر گئے۔ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ!گویا یہ رخصت کرنے والے کی(آخری)نصیحت ہے لہٰذا ہمیں وصیت فرمادیجئے۔آپﷺ نے فرمایا:میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے کی اور(امیر کی)سننے اور حکم بجالانے کی اگرچہ وہ(امیر)حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہیگا عنقریب وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا،پس میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم جانو،اس پر بھروسہ کرو اور دانتوں سے مضبوط پکڑو۔اور دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے سے بچو،کیونکہ(دین میں)ہرنئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔(احمد،ابوداؤد،ترمذی)

تشریح: قوله: فقال رجلٌ :يا رسول الله! كأنّ هذه موعظة مودّعٍ ....:۔آپﷺ کی اس نصیحت کو الوداع کہنے والے کی نصیحت کے ساتھ تشبیہ خوب جامع وکامل اور پر تاثیر ہونے میں دی جارہی ہے۔

قوله:أُوصيكم بتقوى الله والسمعِ والطاعة وإن كان عبدا حبشيًا....:۔آپﷺ نے امیر کی اطاعت کا حکم فرمایا اور بطورِ مبالغہ (علےٰ سبیل الفرض والتقدیر)یہ ارشاد فرمایا کہ اگر وہ امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس کی اطاعت تم پر لازم ہے پس حدیث: "الأئمة من

قریش"(یعنی حکمران قریش میں سے ہوں گے)اس کے ساتھ متعارض نہ ہوگی۔

خلفائے راشدین کی سنت درحقیقت سنتِ رسول ہے:

قوله: فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهدين... : ۔خلفائے راشدین سے مراد خلفائے اربعہ ہیں۔یہ حدیث دوسرے لوگوں سے خلافت کی نفی نہیں کررہی بلکہ صرف خلفاء اربعہ کے امتیازی مقام کا اظہار کررہی ہے۔یہ حضرات رُشد وہدایت اور صدق واخلاص کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے اور اِن کی سنت آنحضرت ﷺ کی سنت کی تشریح تھی،گویا آپ ﷺ کو اس بات کا علم تھا کہ یہ حضرات اپنے اجتہاد سے سنتِ نبویہ سے جن احکام کا استنباط کریں گے اس میں غلطی نہیں کریں گے۔نیز یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بتادیا گیا ہو کہ آپؐ کی بہت سی سنتیں خلفائے راشدین کے زمانہ میں جاکر مشہور ہوں گی اور خلفاء ہی کی طرف ان سنتوں کی نسبت ہوگی تو کسی کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ یہ تو سنت رسول نہیں بلکہ سنتِ خلفاء ہے،آپؐ اسی وہم کو دفع فرمارہے ہیں کہ سنتِ خلفائے راشدین درحقیقت سنتِ رسول اللہ ہی ہے۔

قوله: تمسّكو بهاو عضّو عليها بالنواجذ.. :۔"نواجذ"ناجذةٌ کی جمع ہے جو اضراس(داڑھ کے دانتوں)کو کہتے ہیں اور یہ سنت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے سے کنایہ ہے یا پھر اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ سنت کے راستہ میں مصائب اور شدائد برداشت کرنے پڑیں گے۔چونکہ جب کسی کو بڑی مصیبت اور تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا بلکہ برداشت کرتا ہے تو دانت پیتا ہے۔

اللہ کا راستہ اور شیطان کے راستے،ایک نبوی تمثیل:

١٥٨۔وعن عبد الله بن مسعودؓ قال: خطّ لنا رسول الله ﷺ خطّاً،ثمّ قال: هذا سبيلُ اللهِ ،ثمّ خطّ خُطُوطًا عن يمينه و عن شماله وقال: هذهٖ سُبلٌ علىٰ كلّ سبيلٍ منها شيطانٌ يدعُواليه وقرأ:"وأنّ هذاصراطي مستقيماً فاتّبِعُوه".

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک(سیدھا)خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں بائیں خطوط کھینچے اور فرمایا یہ(بھی)راستے ہیں(ان میں سے)ہر راستے پر ایک شیطان ہے جو کہ اپنے راستے کی طرف بلاتا ہے اور آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:"وأنّ هـذا صـراطي مستقيماً فاتّبعوه... "الآیۃ(ترجمہ)"اور بے شک یہ ہے میرا سیدھا راستہ، لہٰذا اس کی پیروی کرو..."۔(احمد،نسائی،دارمی)

کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا.....:

١٥٩۔وعن عبدالله بن عمروؓ قال: قال رسول الله ﷺ :لا يؤمنُ أحدُكم حتىٰ يكونَ هواهُ تبعاً لِماجئتُ به.[رواه في شرح السنّة وقال النوويُّ في أربعينه :هذاحديثٌ صحيحٌ رويناه في كتاب الحجّةِ باسنادٍ صحيح]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں(اللہ کی جانب سے)لایا ہوں۔(رواہ فی شرح السنۃ)

تشریح: قوله: لا يـؤمـن أحـدكـم حتي يكون هواه تبعاً لما جئتُ به... :۔اگر عقائد میں اتباع مراد ہو تو "لا یؤمن" سے نفسِ ایمان کی نفی مراد ہوگی اور اگر اعمال میں اتّباع مراد ہو تو"لا یؤمن" سے کمالِ ایمان کی نفی مراد ہوگی۔(مرآۃ)

قولہ: حتی یکون ھواہ تبعا لماجئتُ بہ...:۔ [حتیٰ] تدریج کے لئے مستعمل ہے اور اس کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ کیفیت کہ انسان کی خواہشات بھی دین کے تابع ہو جائیں، رفتہ رفتہ پیدا ہوتی ہے پھر تابعاً کی بجائے "تبعاً" مصدر کا استعمال مبالغۃً فرمایا کہ جب تک مکمل تابعیت نہ ہوگی اس وقت تک ایمان کامل حاصل نہ ہوگا۔ (لمحات)

مردہ سنت کو زندہ کرنے والے کا اجر:

١٦٠۔وعن بلال بن الحارث المزنی قال: قال رسول اللہ ﷺ: مَن أحییٰ سنۃً مِن سُنّتی قد أُمِیتتْ بعدی فإنّ لہ مِن الأجرِ مثلَ أُجورِ مَن عمِلَ بھا مِن غیر أنْ یُنْقَصَ مِن أجورھم شیئاً ومَن ابتدعَ بدعۃً ضلالۃً لایرضاھا اللہُ ورسولُہ کان علیہ مِن الإثمِ مِثلُ آثامِ مَن عمِل بھا لایَنقُصُ ذلک مِن أوزارِھم شیئًا.[ترمذی وابن ماجۃ عن کثیر بن عبداللہ بن عمرو عن أبیہ]

ترجمہ: حضرت بلال بن حارثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری کسی ایک سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد چھوڑ دی گئی تھی تو اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو ملے گا بغیر اس کے کہ اُن (عمل کرنے والوں) کے ثواب سے کوئی کمی ہو اور جس نے گمراہی کی کوئی ایسی بدعت نکالی جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند نہ ہو تو اس کو اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا کہ اس بدعت پر عمل کرنے والوں کو ہوگا بغیر اس کے کہ اُن (عمل کرنے والوں) کے گناہ سے کچھ کم ہو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

دین کا حجاز مقدس میں پناہ گزین ہونا:

١٦١۔وعن عمرو بن عوفؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: إنّ الدینَ لیأرِزُ إلی الحجازِ کما تأرِزُ الحیۃُ إلیٰ جُحرِھا ولَیعقِلَنّ الدینُ مِن الحجازِ مَعقِلَ الأرْوِیَۃِ مِن رأس الجبلِ،إنّ الدینَ بدأ غریباً وسیعودُ کما بدأفطوبیٰ للغُرباء وھم الّذین یُصلِحُونَ ماأفسدَ النّاسُ مِن بعدی مِن سنّتی.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت عمرو بن عوفؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دین حجاز کی طرف سمٹ آئے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف سمٹتا ہے اور بلا شبہ دین حجاز میں اس طرح جگہ پکڑے گا جیسے پہاڑی بکری پہاڑ کی چوٹی پر جگہ پکڑتی ہے۔ بے شک دین غربت میں شروع ہوا اور آخر میں ایسا ہی ہو جائیگا، پس خوشخبری ہے غرباء کے لیے اور یہ وہی لوگ ہیں جو میرے بعد میری ان سنتوں کو درست کریں گے جنہیں لوگوں نے بگاڑ دیا ہوگا۔ (ترمذی)

تشریح: قولہ: ولیعقلن الدین من الحجاز معقل الأرویۃ من رأس الجبل...:۔ "معقل" مصدر میمی ہے اور "لیعقلنّ" کے لئے مفعول مطلق ہے یا اسمِ ظرف ہے اور مطلب یہ ہے کہ قربِ قیامت میں جب مختلف قسم کے فتنے ظاہر ہوں گے تو دین سمٹ کر حجاز پہنچ جائیگا اور وہاں اس طرح پناہ لے گا جس طرح پہاڑی بکری پہاڑ کی چوٹی پر پناہ پکڑتی ہے۔ "أرویۃ" پہاڑی بکری کو کہتے ہیں اس کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جگہ پکڑنے پر بنسبت بکرے کے زیادہ قادر ہوتی ہے۔

امت محمدیہ تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی:

١٦٢۔عن عبداللہ بن عمروؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لیأتینّ علیٰ أمتی کما أتیٰ علیٰ بنی اسرائیلَ حَذْوَ النّعلِ بالنّعلِ حتیٰ إن

كـانَ منهـم مَن أتىٰ أمّه علانيّةً لكانَ في أمّتي مَن يصنعُ ذلكَ وإنّ بني اسرائيلَ تفرّقتْ علىٰ ثنتين و سبعين مِلّةً و تفترقُ أمّتي علىٰ ثلثٍ و سبعينَ ملةً كلُّهم في النّار الاّ مِلّةً واحدةً ،قالوا: مَن هي يا رسُولَ الله!قال: ماأناعليه و أصحابي.[ترمذی] وفي روايةِ أحـمـدوأبي داؤدَ عن معاويةؓ :"ثنتان و سبعُون في النّار وواحدةٌ في الجنّةِ وهي الجماعةُ وإنّهٗ سيخرُجُ في أمّتي أقوامٌ تَتَجارىٰ بهِم تلكَ الأهواءُ كمايتجارَى الكلَبُ بصاحِبه لايبقىٰ منه عرقٌ ولامَفصلٌ الاّ دخله.

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ضرور میری امت پر ایسا زمانہ آئے گا جیسا بنی اسرائیل پر آیا، جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے بالکل مطابق ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ بدکاری کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا کریں گے۔اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی جو سب کے سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک فرقہ کے (جو جنتی ہوگا) صحابہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ (جنتی فرقہ) کون سا ہوگا؟ آنحضرت نے فرمایا: (یہ فرقہ وہ ہوگا جو اس دین پر ہوگا) جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔(ترمذی) اور مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت معاویہؓ سے مروی ہے کہ بہتر فرقے دوزخ میں ہوں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائیگا اور وہ گروہ ''جماعت'' ہے اور عنقریب میری امت میں ایسی قومیں پیدا ہوں گی جن میں (نفسانی) خواہشات (یعنی عقائد واعمال میں بدعات) اس طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح ہڑک والے میں ہڑک سرایت کر جاتی ہے کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ اس (بیماری) سے باقی (بچا ہوا) نہیں رہتا۔

تشریح: قوله: تفترق أمتي علىٰ ثلث و سبعين ملةً :۔"أُمتي" سے مراد امتِ اجابت ہے جس کے باعتبارِ سوئے اعتقاد کے تہتر [۷۳] فرقے بنیں گے جن میں ایک ناجیہ یعنی نجات پانے والا ہوگا اور بہتر [۷۲] فرقے اپنی بداعتقادی کی وجہ سے جہنم میں جائینگے، ان [۷۲] فرقِ مبتدعہ کے چھ اصول ہیں:

(۱)خوارج (۲)روافض یعنی شیعہ (۳)معتزلہ (۴)جبریہ (۵)مُرجیہ (۶)مُشبّہہ

ان کے گروہوں کی تفصیل یہ ہے کہ خوارج کے پندرہ گروہ ہیں روافض کے بتیس، معتزلہ کے بارہ، جبریہ کے تین اور مرجیہ اور مشبہہ کے پانچ پانچ گروہ ہیں۔

قوله: كما يتجارى الكلَب بصاحبه...:۔"كلَب" (کاف اور لام کے فتحہ کے ساتھ) ہڑک کو کہتے ہیں۔یہ ایک بیماری ہے جو پاگل کتے کے کاٹنے سے پیدا ہوتی ہے، اس کا مریض پانی سے بھاگتا ہے اور بالآخر پیاسا مر جاتا ہے۔(مرآۃ)

اللہ تعالیٰ ہرگز امتِ محمدیہ کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا:

۱۶۳۔وعـن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ اللهَ لا يَجمَعُ أُمّتي [أوقال: أُمّةَ محمد] علىٰ ضلالةٍ ويدُ الله على الجماعةِ ومَنْ شَذَّ شُذَّ في النّار.[ترمذی]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ میری امت کو یا فرمایا کہ امت محمدیہ کو گمراہی پر جمع نہیں کریگا اور اللہ کا ہاتھ ہے جماعت پر اور جو شخص (جماعت) سے الگ ہوا اُس کو (جنتیوں سے) الگ کر کے دوزخ میں ڈالا جائیگا۔(ترمذی)

تشریح: قوله:"إنّ الله لا يجمع أمتي علىٰ ضلالةٍ..: ۔یہ حدیث اجماع امت کی حجیت کی دلیل ہےاور اجماع امت سے مراد علمائے امت کا اجماع ہے۔"ضلالة" سے مراد ماسوائے کفر کے دیگر گناہ ومعاصی ہیں یعنی امتِ اجابت کفر کے سوا دوسری گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔

قوله: يدُ الله على الجماعة...:۔"علیٰ" بمعنیٰ "فوق" کے ہےاور یہ نصرت اور غلبہ سےاور رحمت الٰہیہ سے کنایہ ہے۔

قوله: من شَذّ شُذّ فی النار...: ۔حدیث کا یہ جملہ اجماع امت کے برخلاف کوئی رائے اختیار کرنے پر وعید ہے،اس مضمون کی تائید قرآن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:"ومن يُشَاقِقِ الرسولَ من بعد ماتبيَّنَ له الهدیٰ و يتّبعْ غيرَسبيلِ المؤمنينَ نُوَ لِّهٖ ماتوَلّٰی و نُصلِهٖ جهنّمَ و ساء تْ مَصيرًا". یہ آیت اُن لوگوں کو جہنم کی وعید سناتی ہے جو مخالفتِ رسول کے جرم کے مرتکب ہو یا پھر جس کام پر علمائے اُمت کا اتفاق ہو اس کو چھوڑ کر اس کے خلاف کوئی راستہ اختیار کریں۔(نفحات)

سوادِ اعظم کی پیروی کا حکم:

۱٦٤۔وعنه قال: قال رسول اللهﷺ :اتّبعوا السوادَ الأعظمَ فإنّه مَن شَذّ شُذّ فی النّار.[ابن ماجة]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ سوادِ اعظم (یعنی بڑی جماعت) کی پیروی کرو۔اس لیے کہ جو (بڑی جماعت سے) الگ ہوا وہ (جنتیوں سے) الگ آگ میں ڈالا جائے گا۔(ابن ماجہ)

تشریح: قوله: اتبعوا السواد الأعظم :۔"سواد" بمعنیٰ سیاہی کے ہےاور جماعت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے یہاں اس سے مراد جمہور علمائے اہل سنت والجماعت ہیں جو اہلِ حق ہوں اگر چہ باعتبار عدد کے کم ہو کیونکہ حدیث میں الأعظم بمعنیٰ عظیم الشان کا لفظ آیا ہے نہ کہ الأکثر آیا ہے،سوادِ اعظم کی اتباع کا یہ حکم صرف اصولی عقائد میں ہے،باقی فروعی مسائل میں ہر فقیہ مجتہد کی تقلید شخصی درست ہے۔(مرآۃ)

سنت سے محبت آپﷺ سے محبت:

١٦٥۔وعن أنسٍؓ قال: قال لی رسول الله ﷺ: يا بُنيّ! إن قدرتَ أن تُصبحَ وتُمسِي وليسَ فی قلبِك غِشٌّ لأحدٍ فافعلْ ثمّ قال: يابُنيّ ! وإنّ ذلك مِن سنّتي ،ومَن أحبّ سنّتي فقدْ أحبّني ومن أحبّني كان معي في الجنّةِ.[ترمذی]

ترجمہ:حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اے میرے (پیارے) بیٹے !اگر تو اس پر قادر ہو کہ صبح اور شام اس حالت میں کرے کہ تیرے دل میں کسی کے لیے کوئی کینہ نہ ہو تو ایسا کر گزر۔پھر فرمایا:اے میرے بیٹے !اور یہ میری سنت ہےاور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔(ترمذی)

امت کے بگاڑ کے وقت سنت کو زندہ کرنے کا ثواب:

١٦٦۔وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: مَن تمسّكَ بسُنّتِي عند فسادِ أمتی، فلهٗ أجرُ مائةِ شهيدٍ.[بیهقی]

ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری سنت کو میری امت کے بگاڑ کے وقت میں دلیل بنایا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔(بیہقی)

تشریح: قولہ: من تمسّك بسنتي......: "سنت" سے مراد وہ سنت ہے جو بدعت اور سوسائٹی کے رسوم ورواج کے مقابلے میں ہو۔

قولہ: فله أجرُ مائة شهيدٍ: سنت پر عمل کرنے کی کس قدر عظیم الشان فضیلت بتائی جارہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شہید کو میدانِ جہاد میں کودتے وقت تو تھوڑی سی دشواری ہوتی ہے لیکن بعد میں وہ دشواری ختم ہو جاتی ہے اور زخموں میں بھی مزا آتا ہے جبکہ فسق وفجور رسوم ورواج اور بدعات کے مقابلہ میں سنت پر عمل کرنا اول سے لے کر آخر تک مشقت ہی مشقت ہے کہ ابتدا ہی سے طعن وتشنیع کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔

آپ ﷺ کی اتباع سے کسی کو چارہ نہیں:

۱۶۷۔ وعن جابرؓ عن النبيّ ﷺ حينَ أتاه عمرؓ فقال: إنّا نسمعُ أحاديثَ مِن يهودٍ تُعجبُنا أفتَرى أن نكتبَ بعضَها، قال: أمُتَهوِّ كُون أنتم كما تهوّكتِ اليهودُ و النصارىٰ لقد جئتُكم بها بيضاءَ نقيةً ولو كانَ موسىٰ حيًّا ماوسِعه الّا اتّباعي.

ترجمہ: حضرت جابرؓ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم یہود کی حدیثیں (دینی باتیں) سنتے ہیں جو ہمیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، پس آپ ﷺ کا کیا خیال ہے کیا ہم ان میں سے بعض لکھ لیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم بھی اس طرح حیران ہو جس طرح یہود ونصاریٰ حیران ہوئے؟ بلاشبہ میں تمہارے پاس صاف وروشن شریعت لے کر آیا ہوں اور اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو اس کو بھی میری اتباع سے چارہ نہ تھا۔ (احمد، بیہقی)

تشریح: قولہ: أفتَرىٰ أن نكتب بعضها، قال: أمتهوّ كون أنتم كما تهوّكت اليهودُ و النصارىٰ...: [تهوّك] کا معنیٰ تحیّر اور اضطراب کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ تم اپنے دین کو ناقص سمجھ رہے ہو اور تحیّر میں پڑھ کر دوسروں سے دین لینا چاہتے ہو جیسا کہ یہود ونصاریٰ تحیّر میں پڑے اور اپنی کتاب اور پیغمبر کی تعلیمات کو چھوڑ کر احبار ورہبان کے پیچھے چلنے لگے۔

قولہ: لقد جئتُكم بها بيضاءَ نقية...: بيضاء، نقية کے معنیٰ ہیں صاف وظاہر۔ شک وشبہ سے پاک اور آسان۔ یہ دونوں لفظ "بها" ضمیر سے حال واقع ہیں اور ضمیر کا مرجع "شريعة" ہے جو متعہودِ ذہنی ہے اور مطلب یہ ہے کہ شریعتِ محمدیہ ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے، آسان ہے اور تحریف وتبدیل سے محفوظ بھی۔

دینِ محمدی جملہ ادیانِ سماویہ کے لیے ناسخ ہے:

قولہ: ولو كانَ موسىٰ حيّاً ماوسِعَه إلاّ اِتّباعي: ۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ دینِ محمدی جملہ ادیان سماویہ کے لیے ناسخ ہے، چنانچہ اگر اس وقت یہود کے اولوالعزم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو اُن کو بھی میری اتباع سے چارہ نہ تھا پس تم کیونکر یہود سے دین کی باتیں سنتے ہو، تمہیں کیا حق ہے۔ اس مضمون کی تائید قرآن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے: "وإذ أخذ اللهُ ميثاقَ النبيّن لما آتيتُكم من كتابٍ و حكمةٍ ثمّ جاءَ كم رسولٌ مصدّقٌ لما معَكم لتؤمننّ به و لتنصرُنّه." (سورۃ العمران) [ترجمہ] "اور یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت دی ہے پھر تمہارے پاس آئے ایک رسول جو اُن شریعتوں کی تصدیق کریگا جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور بالضرور اُس پر ایمان لاؤ گے اور اُس کی مدد کرو گے"۔

مذکورہ حدیث سے غیر مقلدین کا یہ استدلال درست نہیں کہ "جب شریعت محمدیہ کے ہوتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم

پیغمبر کی اتباع درست نہیں تو پھر ائمہ مجتہدین کی اتباع کیونکر درست ہوگی'' ۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کا عدم جواز اس بنا پر ہے کہ ان کا دین منسوخ ہو چکا ہے اور ائمہ کا دین اُن کا خود ساختہ نہیں بلکہ حضور ﷺ ہی کا دین ہے لہذا ان کی اتباع حضور ﷺ ہی کی اتباع ہوگی۔

سنت پر عمل کرنے کا بدلہ دخولِ جنت کی صورت میں:

۱۶۸۔وعن أبی سعید الخدریؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: مَنْ أکلَ طیِّبًا وعمِلَ فی سنّۃٍ وأمِنَ النّاسُ بَوائقَہ دخلَ الجنّۃَ فقال رجلٌ :یارسولَ اللہِ اِنّ ھذاالیومَ لکثیرٌ فی النّاسِ قال: وسیکونُ فی قرونٍ بعدی.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے حلال کھایا اور سنت پر عمل کیا اور لوگ اس زیادتیوں سے محفوظ رہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (اس پر) ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! آج ایسے لوگ بہت ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور میرے بعد (کے زمانوں میں) بھی ایسے لوگ ہوں گے۔ (ترمذی)

تشریح: قولہ: وعمل فی سنۃ...:۔ ''سنۃ'' کو نکرہ ذکر کیا گیا تا کہ جنس سنت کے تمام افراد کا استغراق ہو جائے یعنی وہ شخص تمام کی تمام سنتوں کو بجالایا۔

قولہ: و أمِنَ النا سُ بوائقہ...:۔ [بوائق] بائقۃٌ کی جمع ہے بمعنیٰ مصیبتِ عظیمہ کے، یہاں بمعنیٰ شر کے ہیں۔ (نفحات)

دین کے دسویں حصے پر عمل باعث نجات:

۱۶۹۔وعن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: إنّکم فی زمانٍ من ترکَ منکم عُشرَ ما أُمِر بہٖ ھلکَ ثمّ یأتی زمانٌ مَن عمِلَ منھم بعُشرِ ماأُمِرَ بہٖ نجا.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اس چیز کا دسواں حصہ بھی چھوڑے گا جس کا حکم دیا گیا ہے وہ ہلاک ہو جائیگا، پھر (ایک) ایسا زمانہ آئے گا کہ جو شخص اس چیز کے دسویں حصہ پر بھی عمل کرے گا تو نجات پالے گا۔ (ترمذی)

تشریح: قولہ: ما أمر بہ...:۔ اس سے مراد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آج جب کہ بھلائی غالب ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اگر کوئی اس فریضہ کے دسویں حصے سے بھی کوتاہی برتے گا تو ہلاک ہو جائیگا لیکن ایک دور ایسا آئے گا کہ شرّ کا دور دورہ ہوگا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ نہایت دشوار ہو جائے گا اس وقت جو شخص اس فریضہ کا دسواں حصہ بھی ادا کرے گا نجات پالے گا۔ (نفحات، مرآۃ)

بحث ومباحثہ گمراہی کا باعث ہے:

۱۷۰۔وعن أبی أمامۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ما ضلّ قومٌ بعدَ ھُدیً کانوا علیہ إلّا أُوتُوا الجدَلَ ،ثم قرأ رسول اللہ ﷺ ھذہ الآیۃ:"ماضربُوہ لکَ إلّا جدَلاً بلْ ھُم قومٌ خصِمُونَ".[أحمد،ترمذی ،ابن ماجۃ]

ترجمہ: حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی قوم اس ہدایت کے بعد جو اسے دی گئی گمراہ نہیں ہوئی مگر اس وقت

جب کہ ان کو جھگڑا (بحث و مباحثہ) دیا گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ''ماضربوہ لك إلا جدلا...'' (ترجمہ) ''وہ آپ کے سامنے مثال بیان نہیں کرتے مگر جھگڑنے کے لیے بلکہ وہ جھگڑالو قوم ہی ہے''۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: قوله: إلّا أوتو الجدل...: ''جدل'' سے مراد وہ مباحثہ اور خصومت ہے جس میں متکلم کی نیت صحیح نہ ہو، جو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے اور اپنی غلط آراء کو رواج دینے کے لئے ہو اور ضد و عناد پر مبنی ہو۔

قوله: ثم قرأ رسول الله ﷺ هذه الآية "ماضر بوه لك إلّا جدلاً بل هم قومٌ خصِمون"...: جب قرآن کی آیت: "إنكم وما تعبدون من دون الله حصبُ جهنم" یعنی ''اللہ کے ماسوا تم اور تمہارے معبودانِ باطلہ سب جہنم کا ایندھن ہوں گے''۔ نازل ہوئی تو مشرکین مکہ نے اعتراض کیا کہ پھر تو عیسیٰؑ اور عزیرؑ بھی (العیاذ باللہ) جہنم کا ایندھن بنیں گے کیونکہ وہ بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں اللہ کے ماسوا معبود ہیں، اللہ پاک نے اِن کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی "ماضربوہ لك إلّا جدلاً بل هُم قومٌ خَصِمُون" ''یعنی ''ان لوگوں کا عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کے بارے میں مذکورہ موقف بیان کرنا نری خصومت ہے''۔ ان کے ہاں بھی اس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ اہلِ لسان ہونے کی وجہ سے اتنا تو یہ لوگ بھی جانتے ہیں کہ آیت "إنكم و ما تعبدون'' میں لفظ" ما" سے اصنام غیر ذوی العقول مراد ہیں نہ کہ ذوی العقول مثل عیسیٰؑ و عزیرؑ، لہذا آپ ﷺ پریشان مت ہو۔

اپنی جانوں پر سختی مت کرو ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا:

۱۷۱۔ وعن أنسؓ أنّ رسول الله ﷺ كان يقولُ: لا تشدّدوا علىٰ أنفسكم، فيُشَدِّدُ الله عليكم فإنّ قومًا شدّدُوا علىٰ أنفسِهم فشدّدَ اللهُ عليهم فتلك بقاياهم فی الصوامعِ والدِّيارِ "رهبانيّةٍ ابتدعُوها ما كتبناها عليهم". [أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اپنی جانوں پر سختی مت کرو (ورنہ) اللہ تم پر سختی کرے گا، چنانچہ ایک قوم (بنی اسرائیل) نے اپنی جانوں پر سختی کی تو اللہ نے ان پر سختی کی، پس گرجوں اور (یہود کے) عبادت گاہوں میں اُن لوگوں کا بقایا پایا جاتا ہے: "رهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم" (ترجمہ) ''رہبانیت جسے ان لوگوں نے ایجاد کیا ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی''۔ (ابوداؤد)

تشریح: قوله: لا تُشَدِّدُوا على أنفسكم فيشدّدُ الله عليكم...: یعنی منت مان کر اور قسمیں کھا کر اپنے اوپر مشقت والے اعمال لازم کر کے اپنی جانوں پر سختی مت کرو مثلاً: اس بات کی منت ماننا یا قسم کھانا کہ ساری زندگی روزہ رکھوں گا یا رات بھر جاگوں گا یا پیدل حج کروں گا وغیرہ۔ کہ پھر سستی ہوگی جس کی وجہ سے اللہ تمہیں عذاب دیں گے۔

قوله: فتلك بقاياهم فی الصوامع والديار: "صوامع" جمع ہے صومعۃ کی بمعنیٰ نصاریٰ کا گرجا اور الديار، دیر کی جمع ہے بمعنیٰ یہود کی عبادت گاہ۔

قرآن پانچ طرح پر نازل ہوا ہے:

۱۷۲۔ و عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: نزلَ القرآن علىٰ خمسةِ أوجهٍ حلالٌ و حرامٌ ومُحكمٌ ومتشابهٌ وأمثالٌ فأحِلُّوا الحلالَ و حرِّمُوا الحرامَ واعمَلُوا بالمُحكمِ و آمِنوا بالمتشابه واعتبرُوا بالأمثال. [هذا لفظُ المصابيح] وروى البيهقیُّ فی

شعب الایمان ولفظُه :فاعملُوابالحلالِ واجتنبُواالحرامَ واتّبعُواالمُحکمَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن پانچ طرح پر نازل ہوا ہے، حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال، پس تم (اس کے) حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام جانو اور محکم پر عمل کرو اور متشابہ پر ایمان لاؤ اور امثال (قصوں) سے عبرت حاصل کرو۔ یہ مصابیح کے الفاظ ہیں اور بیہقی کی شعب الایمان میں اس طرح سے مروی ہے کہ پس حلال پر عمل کرو اور حرام سے بچو اور محکم کی پیروی کرو"۔

مسائل "مسکوت عنہا" کا علم اللہ کے سپرد کیا جائے:

۱۷۳۔وعن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: الأمرُ ثلاثةٌ امرٌ بيّنٌ رُشدُه فاتّبِعه وأمرٌ بيّنٌ غيُّه فاجتَنِبهُ وأمرٌ اختُلِفَ فيه فكِلْهُ الى اللهِ عزّ وجلّ.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امر تین طرح کے ہیں: وہ امر جس کی ہدایت ظاہر ہے اس کی پیروی کر اور وہ امر جس کی گمراہی ظاہر ہے اس سے بچو اور وہ امر جس (کے جواز وعدم جواز) میں اختلاف کیا گیا ہو اس کو اللہ کے سپرد کردو۔(احمد)

تشریح: قوله: وأمرٌ اُختُلِفَ فيه فكِله إلى الله...:۔اس سے مراد یا تو مختلف فیہ مسائلِ اجتہادیہ ہیں کہ ایک پہلو پر عمل کرتے ہوئے باقی پہلوؤں کے غلط یا درست ہونے کا علم اللہ کے سپرد کردیا جائے یا پھر اس سے مراد مسکوت عنہا مسائل ہیں یعنی وہ مسائل جن کے بارے میں سکوت اور توقف کیا گیا ہے اُن کا علم اللہ کے سپرد کردیا جائے بحث ومباحثہ اور غور وفکر میں نہ پڑے۔

"الفصل الثالث"

شیطان انسانوں کا بھیڑیا ہے:

۱۷٤۔عن معاذ بن جبلؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ الشيطانَ ذئبُ الإنسان كذئبِ الغنمِ يأخذُ الشاذّةَ والقاصيةَ والنّاحيةَ وإيّاكُم والشِّعابَ وعليكم بالجماعةِ والعامةِ.[أحمد]

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک شیطان انسانوں کا بھیڑیا ہے جس طرح بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے جو ریوڑ سے بھاگنے والی بکری کو، دور چلی جانے والی بکری کو اور (ریوڑ کے) کنارے والی بکری کو پکڑتا ہے اور تم پہاڑ کی گھاٹیوں سے (گمراہی کے راستوں سے) بچو اور جماعت اور عامۃ المسلمین کو لازم پکڑو۔(احمد)

تشریح: قوله: يأخذ الشاذة والقاصية والناحية...:۔"شاذّة" (ذال کی تشدید کے ساتھ) اس بکری کو کہتے ہیں جو اپنے گلے سے مانوس نہ ہونے کی وجہ سے علیحدہ چل رہی ہو اور "قاصية" وہ بکری جو گھاس چارے کی تلاش میں ریوڑ سے دور چلی جائے اور "ناحية" وہ بکری جو ازراہِ غفلت گلے سے جدا ہو جائے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بھیڑیا اُن بکریوں پر دلیر ہوتا ہے جو گلے سے الگ ہوگئی ہوں اور اُن کو شکار کر لیتا ہے اسی طرح جو شخص علمائے اہلِ حق کے گروہ سے الگ ہو جائے اور اپنے عقل وفہم پر اعتماد کرنے لگ جائے تو شیطان پوری طرح اس پر مسلط ہو

جاتا ہے اور اس کو اپنا شکار بنالیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ شخص گمراہی کی گہری کھائیوں میں جا گرتا ہے۔

قوله: وإيّاكم والشعاب ....:۔" شعاب" شعْبة" کی جمع ہے بمعنی گھاٹی، پہاڑی درہ یعنی راستہ۔شیطان کے راستے کو پہاڑی راستوں کے ساتھ تشبیہ دی جارہی ہے کہ جس طرح پہاڑی راستوں پر چلنا دشوار ہوتا ہے اسی طرح صراط مستقیم کے علاوہ دوسرے راستوں پر چلنا بھی انتہائی دشوار ہوتا ہے۔((لمحات، خیر المفاتیح، مرآۃ)

اہلِ حق کی جماعت سے جدا ہونے پر وعید:

۱۷۵۔وعن أبي ذرؓ قال: قال رسول اللهﷺ: من فارقَ الجماعةَ شِبرًا، فقدْ خلعَ رِبقةَ الإسلامِ من عُنقِه:

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو جماعت سے ایک بالشت (یعنی تھوڑی دیر کے لیے) بھی علیحدہ ہوا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا۔(احمد، ابوداؤد)

تشریح: قوله: من فارق الجماعة شبرا....:۔یعنی عام اہلِ حق سے ایک بالشت بھی جدا ہوا۔یہ کنایہ ہے قلت سے یعنی کسی شخص کا تھوڑے احکام میں بھی جمہور کی مخالفت کرنا یا اجماع کی خلاف ورزی کرنا بھی قابلِ وعید ہے۔

قوله: فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه:۔[رِبقۃ] ویسے تو اس پٹہ اور حلقہ کو بولتے ہیں جو جانور کے گلے میں رسی باندھنے کے لئے ڈالتے ہیں، یہاں اس سے مراد حلقۂ اسلام ہے، بطورِ تغلیظ وتشدید کے کہا جارہا ہے کہ اجماع اور جمہور علمائے امت کی مخالفت کرنا آہستہ آہستہ آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج کردیتا ہے۔

کتاب وسنت کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کی تاکید:

۱۷۶۔وعن مالك بن أنسؓ مرسلاً قال: قال رسول الله ﷺ: تركتُ فيكم أمرين لنْ تَضِلُّوا ما تمسَّكتُم بهما كتابَ الله وسنةِ رسوله.[رواه في المؤطّا]

ترجمہ: حضرت مالک بن انسؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں تم ہرگز گمراہ نہیں ہوں گے جب تک ان (دونوں) کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہوگے؛وہ (دو چیزیں) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہیں۔(مؤطا امام مالکؒ)

بدعت سنت سے محرومی کا باعث ہے:

۱۷۷۔وعن غُضيفؓ بن الحارث الثمالي قال: قال رسول الله ﷺ: ما أحدثَ قومٌ بدعةً إلّا رُفِعَ مثلُها مِن السنّةِ فتمسكٌ بسنّةٍ خيرٌ من إحداثِ بدعةٍ.[أحمد]

ترجمہ: حضرت غضیف بن حارث ثمالیؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: کسی قوم نے کوئی نئی بات (بدعت) نہیں نکالی مگر اس کے مثل سنت اٹھالی گئی، لہذا سنت کو مضبوط پکڑنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔(احمد)

۱۷۸۔وعن حسانؓ قال: ماابتدع قومٌ بدعةً في دينهم إلّانزَع اللهُ من سنّتهم مثلَها ثمّ لا يُعيدُهاإليهم الىٰ يومِ القيامة.

ترجمہ: حضرت حسانؓ سے مروی ہے کہ جوقوم اپنے دین میں کوئی نئی بات نکالتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی سنت میں سے اس کا مثل چھین لیتا ہے اور پھر تا قیامت وہ سنت اللہ تعالیٰ ان کو واپس نہیں فرماتا۔ (دارمی)

بدعتیوں کی تعظیم کی مذمت:

۱۷۹۔وعن إبرا هیم بن میسرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من وقّر صاحب بدعةٍ ،فقد أعان علیٰ هدم الإسلام.[بیهقی]

ترجمہ: ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرانے پر مدد کی۔

کتاب اللہ پر عمل کرنے کا فائدہ:

۱۸۰۔وعن ابن عباسؓ قال :مَنُ تعلّم کتابَ اللهِ ثُمّ اتّبعَ ما فیه هَداهُ اللهُ من الضّلالةِ فی الدنیاووقاهُ یومَ القیامةِ سُوءَ الحسابِ .وَفی روایةٍ قال: مَن اقتدیٰ بکتابِ اللهِ لا یَضِلُّ فی الدُّنیاولایشقٰی فی الآخرة ،ثمّ تلاهذه الآیة:"فَمَنِ اتّبعَ هُدایَ فلایَضِلُّ ولایشقیٰ".[رزین]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس نے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا پھر اس (ہدایت) کی پیروی کی جو اس کے اندر ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کو گمراہی سے ہدایت دے گا اور قیامت کے دن برے حساب سے بچائے گا۔ اور ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ جس نے کتاب اللہ کی پیروی کی وہ دنیا میں گمراہ نہ ہوگا اور آخرت میں بد بخت نہ ہوگا پھر یہ آیت تلاوت فرمائی (ترجمہ) ''سو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بد بخت''۔ (رزین)

اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ ایک مثال:

۱۸۱۔وعن ابن مسعودؓ أنّ رسول الله ﷺقال: ضربَ اللهُ مَثلاً صراطًا مستقیمًا وعن جَنْبَتِي الصراطِ سُوْرانِ فیهماأبوابٌ مُفتّحةٌ وعلی الأبوابِ سُتورٌ مُرخاةٌ وعندَ رأسِ الصراطِ داعٍ یقولُ :اِستقیمُواعلی الصِراطِ ولاتَعُوَجُّوا وفوقَ ذلك داعٍ یدعُو کلّما هَمّ عبدٌ أنیفتحَ شیئاً مِن تلك الأبوابِ قال: وَیْحكَ لاتَفتحه فاِنّك اِن تفتحه تَلِجهُ ثمّ فسّرَه فأخبرَ أنّ الصراطَ هوالاسلامُ وأنّ الأبوابَ المُفتّحةَ محارِمُ اللهِ واِنّ السُّتورَ المُرخاةَ حُدودُ اللهِ واِنّ الداعِیَ مِن فوقِه هوواعظُ اللهِ فی قلبِ کلِّ مؤمنٍ .[رزین]ورواه أحمد والبیهقی فی شعبِ الایمان عن نوّاس بن سَمْعانؓ و کذاالترمذیّ عنه الاّ أنّه ذکر أخصرمنه.

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے (وہ یہ کہ) ایک سیدھا راستہ ہے اور اس کے دونوں طرف (دو) دیواریں ہیں، ان دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں اور دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور راستے کے سر پر ایک پکارنے والا ہے جو پکار رہا ہے کہ راستے پر سیدھے چلے آؤ اور ادھر اُدھر مائل مت ہو، اور اُس پکارنے والے کے اوپر (آگے) ایک (دوسرا) پکارنے والا ہے۔ جب کوئی بندہ ان دروازوں میں سے کسی دروازے کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ پکار کر کہتا ہے: تجھ پر افسوس! اس کو مت کھول، اگر تو اسے کھولے گا تو اندر داخل ہو جائیگا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی اور کہا کہ راستہ (سے مراد) اسلام ہے اور کھلے ہوئے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور (دروازوں پر) پڑے ہوئے پردوں سے مراد اللہ کی حدود ہیں اور راستہ

کے سرے پر جو پکارنے والا کھڑا ہے وہ قرآن ہے اور اس سے آگے جو پکارنے والا ہے وہ اللہ کی طرف سے نصیحت کرنے والا (فرشتہ) ہے جو ہر مؤمن کے دل میں ہوتا ہے۔ (احمد، رزین، بیہقی)

اگر پیروی کرنی ہے تو صحابہؓ کی کرو جو.... :

۱۸۲۔وعن ابن مسعودٍؓ قال: مَن كان مُستَنًّا فليَستَنَّ بمَن قد ماتَ، فإنّ الحيَّ لا تؤمَنُ عليه الفتنةُ أُولئك أصحابُ محمدٍ ﷺ كانوا أفضلَ هذه الأُمّةِ أبرّها قلوبًا وأعمقَها علمًا وأقلّها تكلُّفًا اختارهُمُ اللهُ لصُحبةِ نبيّهِ ولإقامةِ دينِه فاعرِفوا لهم فضلَهم واتّبِعوهم على أثرِهم وتمسّكوا بما استطعتم مِن أخلاقِهم وسِيَرِهم فإنّهم كانوا على الهُدىٰ المُستقيم.[رزین]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جو شخص (کسی طریقہ کی) پیروی کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ ان لوگوں کی پیروی کرے جو مر گئے اس لیے کہ زندہ آدمی فتنہ سے محفوظ نہیں ہوتا۔ وہ (لائق پیروی لوگ) آپ ﷺ کے اصحاب ہیں جو اس امت کے بہترین لوگ تھے جو امت میں سب سے زیادہ نیک دل، گہرے (کامل) علم والے اور بہت کم تکلف کرنے والے تھے، اللہ نے ان کو اپنے نبی کی رفاقت کے لیے اور اپنے دین کی اقامت کے لیے منتخب کرلیا تھا، لہذا تم ان کی بزرگی کو پہچانو اور ان (کے نقشِ قدم) کی پیروی کرو اور ان کے اخلاق اور سیرت کو جہاں تک ہوسکے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھو، کیونکہ یہی لوگ (اصحابِ محمد) سیدھے راستے پر تھے۔ (رزین)

حضرت عمرؓ کے توراۃ پڑھنے پر آنحضرت کا غصہ ہونا:

۱۸۳۔وعن جابرؓ أنّ عمر بن الخطابؓ أتىٰ رسول الله ﷺ بنُسخةٍ من التوراةِ، فقال: يا رسولَ الله! هذهِ نسخةٌ مِن التوراةِ فسكتَ فجعلَ يقرأُ ووَجْهُ رسولِ اللهِ ﷺ يتغيّرُ فقال أبوبكر: ثكِلتْكَ الثواكلُ ماترىٰ مابوجهِ رسولِ اللهِ ﷺ، فنظر عمرُ الىٰ وجهِ رسولِ اللهِ ﷺ فقال: أعوذُ باللهِ مِن غضبِ اللهِ وغضبِ رسولِهِ رضينا بالله ربًّا وبالاسلامِ دينًا وبمحمدٍ نبيًّا فقال رسولُ اللهِ ﷺ: والّذي نفسُ محمد بيدِهِ لو بدالكُم موسىٰ فاتّبعتُموه وتركتُموني لَضَلَلْتم عن سواءِ السبيل ولو كان حيًّا وأدركَ نبوّتي لاتّبعَني.[دارمی]

ترجمہ: حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس تورات کا ایک نسخہ لے کر آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تورات کا نسخہ ہے۔ آپ ﷺ خاموش رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے تورات کو پڑھنا شروع کیا (جبکہ) رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک (غصہ کی وجہ سے) متغیر ہونے لگا۔ (یہ دیکھ کر) حضرت ابوبکرؓ نے (حضرت عمرؓ) سے کہا کہ گم کرنے والیاں تجھے گم کردیں، کیا تجھے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کا تغیر نظر نہیں آتا؟ حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا اور (غصہ کے آثار دیکھ کر) کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اللہ اور اس کے رسول کے غضب (غصہ) سے، ہم راضی ہیں اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد (ﷺ) کے نبی ہونے پر۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر تمہارے سامنے موسیٰ (بھی) ظاہر ہوجاتے اور تم اس کی پیروی کرتے اور مجھے چھوڑ دیتے تو (یقینا) تم سیدھے راستہ سے (بھٹک کر) گمراہ ہوجاتے حالانکہ اگر موسیٰؑ بھی زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پالیتے تو (یقیناً) میری پیروی کرتے۔ (دارمی)

نسخ کی بحث:

۱۸۴۔وعنه قال: قال رسولُ اللهﷺ: كلامي لا يَنسَخُ كلامَ اللهِ و كلامُ الله ينسَخُ كلامي و كلامُ اللهِ يَنسَخُ بعضُه بعضا.

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کر دیتا ہے اور کلام اللہ کا بعض (حصہ) بعض کو منسوخ کرتا ہے۔(دار قطنی)

تشریح: قوله: كلامي لا ينسخ كلام الله...: ۔یعنی حدیث کلام اللہ کے لیے ناسخ نہیں بن سکتی۔اس روایت کی سند میں ''جبرون بن واقد افریقی'' متہم راوی ہے اور یہ حدیث ان کے موضوعات میں سے ہے۔اگر چہ بتصریح محدثین یہ حدیث ''موضوع'' ہے، لیکن شارحین اس مقام پر ''نسخ'' کی بحث کرتے ہیں ہم یہاں اس بحث کو اجمالاً ذکر کریں گے،تفصیلات کے لیے مشکوٰۃ شریف کی مفصل شروح کی طرف مراجعت کی جائے۔

نسخ کا لغوی اصطلاحی معنیٰ ،قرآن میں اس کا وقوع،اس کا زمانہ اور محل:

لغت میں ''نسخ'' مٹانے اور نقل کرنے کے معنی میں آتا ہے مثلاً:''نسخَتِ الشمسُ الظلَّ '' (دھوپ نے سایہ زائل کر دیا)اور ''نسختُ الكتابَ''(میں نے کتاب نقل کی) جبکہ اصطلاحِ شریعت میں نسخ کے معنی یہ ہیں: ''هو بيانٌ لانتهاءِ مدةِ الحكمِ الشرعيِّ المطلقِ عندنا'' (ہمارے اعتبار سے جو حکم شرعی،دائمی و مطلق تھا اس کے مدت کا اختتام بیان کرنا) یا'' رفعُ الحكمِ الشرعي بدليلِ شرعيٍّ متأخرٍ''یعنی کسی شرعی حکم کو بعد کی شرعی دلیل سے اٹھا دینا۔

قرآن میں ''نسخ'' ثابت اور واقع ہے،اس پر علمائے امت کا اجماع ہے،البتہ ابو مسلم بن بحر اصفہانی اس کے وقوع کا قائل نہیں، اس باب میں اُنہوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے۔نسخ کا وقت نزول وحی کا زمانہ ہے اور اس کا محل فروعی احکام ہیں نہ کہ اصول دین وعقائد۔

ایک سوال کہ نسخ میں کیا حکمت ہے؟:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نسخ میں کیا حکمت ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ تمام احکام شرع کی بنیاد بندوں کے مصالح پر ہے اور زمانہ کے ساتھ ساتھ بندوں کے مصالح بدلتے رہے ہیں اس لئے احکام میں نسخ اور تبدیلی ہی بندوں کے مصالح کے عین مطابق ہے۔

نسخ کے تحت حکم کی تبدیلی صرف بندوں کے علم کے اعتبار سے ہوتی ہے،ورنہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہمیشہ سے یہ بات ہوتی ہے کہ کون سا حکم کس وقت تک کے لئے ہے جیسے ماہر طبیب مریض کے مرض کی تشخیص کے ساتھ اس کے آخری حالات تک کی دوائیں تجویز کر لیتا ہے مگر مریض کو تدریجاً دوائیں دیتا رہتا ہے تو مریض تو یہ سمجھتا ہے کہ طبیب دوائیں بدل رہا ہے حالانکہ طبیب ہر دوا کے استعمال کا وقت ختم ہونے پر اس کے استعمال سے روکتا ہے۔

نسخ کی قسمیں:

نسخ کی چار قسمیں ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) نسخ القرآن بالقرآن: جیسا کہ حدیث باب اور اگلی حدیث یعنی حدیث ابن عمرؓ سے معلوم ہوتا ہے اس کی مثال جیسے آیت: "والـذيـن يُتـوفَّـون مـنكم ويذرون أزواجًا وصيةً لأزواجهم متاعًا إلى الحولِ غير إخراج." (سورة بقره:۲۴۰) منسوخ ہے اس آیت سے: "والـذيـن يُتـوَفَّونَ منكم و يذرون أزواجاً يتربصْنَ بانفُسِهِنَّ أربعةَ أشهرٍ وعشرًا." (سورة بقره:۲۳۴) پہلی آیت میں ''متوفیٰ عنها زوجها'' (بیوہ) کی عدت کامل ایک سال بتائی گئی ہے، دوسری آیت نے اس کو منسوخ کر دیا اور عدت چار ماہ دس دن کی متعین کر دی۔

(۲) نسخ الحدیث بالقرآن: حدیث باب اس پر بھی دال ہے اس کی مثال جیسے: بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم آنحضرت ﷺ کے ارشاد (حدیث) کے باعث تھا جو دوسرے پارہ کی ابتدائی آیات: '' سيقولُ السفهاءُ ما ولّٰهم عن قبلتهم التى كانوا عليها" اور "فولّ وجهَكَ شطرَ المسجدِ الحرامِ ...'' سے منسوخ کر دیا گیا۔

(۳) نسخ الحدیث بالحدیث: اس کی دلیل حدیث ابن عمرؓ مرفوعاً ہے:"إنّ أحـاديثَـنـا ينسخُ بعضُها بعضاً كنسخِ القرآن." (دار قطنی) ترجمہ:'' ہماری احادیث ناسخ ہے بعض بعض کے لیے''۔ مثال آپ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے :"كـنـتُ نهيتُـكـم عـن زيـارةِ القبورِ ألا فزُوروها." اس حدیث میں ''نهی عن زیارةِ القبور'' (زیارت قبور سے ممانعت) منسوخ ہے اور زیارت قبور کی اجازت دینا ناسخ ہے۔

(۴) نسخ القرآن بالحدیث: احناف کے ہاں یہ صورت جائز اور واقع ہے جس کی ایک مثال یہ ہے کہ حدیث: "لا وصيةَ لـوارث" ناسخ ہے'' آیتِ وصیت للاقربین'' کے لیے، جس میں قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کا حکم ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کے ہاں یہ صورت جائز نہیں اور آپؒ کا مستدل حدیث باب کا یہ جملہ ہے'' كلامي لا ينسخ كلام الله "۔

أحناف کی طرف سے امام شافعیؒ کی دلیل کے درج ذیل کئی جوابات دیئے گئے ہیں:

(۱) یہ حدیث موضوع ہے لہٰذا اس سے استدلال ہی درست نہیں۔

(۲)" كـلامی " سے مراد آپ ﷺ کا کلام اجتہادی ہے یعنی آپ ﷺ کا اجتہادی کلام قرآن کے لیے ناسخ نہیں بن سکتا نہ کہ کلام وحی خفی جو کہ حدیث ہے کہ وہ قرآن کے لیے ناسخ بن سکتا ہے۔

(۳) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میرا کلام اللہ کے کلام کے الفاظ کی تلاوت منسوخ نہیں کر سکتا۔

منسوخ ہونے کے اعتبار سے کلام اللہ کی

منسوخ اگر کلام اللہ ہو تو اس کی چار قسمیں ہیں:

(۱) منسوخ الحکم والتلاوۃ

(۲) منسوخ الحکم فقط مثلاً:" لكم دينُكم ولي دين"

(۳) منسوخ التلاوۃ فقط مثلاً: "الشيخُ والشيخةُ إذا زَنَيا فارجُموهما نكالاً مّن اللهِ واللهُ عزيزٌ حكيمٌ "

(۴) حکم کا کوئی وصف منسوخ ہو جائے۔ جیسے نصِ قرآنی کا تقاضا وضو میں دونوں پاؤں کا دھونا ہے جبکہ موزے پہنے کی حالت میں حدیث کا تقاضا مسح کرنا ہے۔ یہ گویا مطلق کی تقیید ہے جو کہ حنفیہ کے ہاں از قبیلِ نسخ ہے اور شافعیہ کے ہاں اس کو ''بیان'' کہا جاتا ہے۔ (لمعات و مرآۃ)

حدیث کا حدیث کے لیے ناسخ ہونا:

۱۸۵۔وعن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إنّ أحاديثنا ينسَخُ بعضُها بعضاً كنسخ القرآن.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: "ہماری احادیث بعض، بعض کو منسوخ کرتی ہیں جیسا کہ قرآن (بعض، بعض کو) منسوخ کرتا ہے"۔

۱۸۶۔وعن أبی ثعلبه الخشنیؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إنّ اللّٰه فرضَ فرائضَ فلا تُضيّعوها وحرّمَ حُرمات فلاتنتهِكُوها وحَدّ حدودًا فلاتعتدُوها وسكتَ عن أشياءَ مِن غير نسيان فلا تبحثوا عنها .[روى الأحاديث الثلاثة الدارقطنی]

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض کو فرض کیا پس تم ان فرائض کو ضائع مت کرو اور کچھ چیزیں حرام کردی پس تم ان کے قریب مت جاؤ اور چند حدیں مقرر فرمائی ان سے تجاوز مت کرو اور چند چیزوں سے بغیر بھولے سکوت اختیار فرمایا، لہذا (اپنی طرف سے) ان چیزوں سے متعلق بحث مت کرو۔ (دار قطنی)

کتابُ العِلم

علم کا لغوی اصطلاحی معنیٰ:

"علم" کا لغوی معنیٰ ہے جاننا اور اصطلاحِ شریعت میں اس کا معنیٰ کرتے ہیں: "هو نورٌ فی قلبِ المؤمنِ يؤخَذُ من الكتابِ و السنةِ فيهتدی به الى اللهِ و صفاتِه و أحكامِه". ترجمہ: "علم، کتاب وسنت سے ماخوذ مومن کے دل میں پایا جانے والا وہ نور ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے احکام کی معرفت حاصل ہوتی ہے"۔

علم کی دو قسمیں:

علم دو قسم پر ہے: (۱) دینی (۲) دنیاوی

یہاں کتاب العلم میں جس قدر روایات فضیلتِ علم سے متعلق ہیں یا اس سے غفلت برتنے یا اس کے غلط استعمال پر وعید سے متعلق ہیں ان سب سے علمِ دین وشریعت مراد ہے نہ کہ دنیاوی علم۔

دینی علم سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کی معرفت اور اس کے احکام یعنی اوامر ونواہی کا علم ہے جو کہ خشیتِ خداوندی کا سبب ہوتا ہے، تب ہی تو ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "إنّما يخشىَ اللهَ من عبادِه العلماءُ" گویا خشیت بقدرِ علم ہوگی اور یہ کہ خشیتِ الٰہیہ علماء کا وصفِ خاص اور وصفِ لازم ہے پس وہ لوگ جو معلوماتِ دینیہ کے تو حامل ہوں، لیکن خشیتِ الٰہیہ سے خالی ہوں، رسمی عالم تو ہوسکتے ہیں حقیقی نہیں، چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے: "ليس العلمُ عن كثرةِ الحديثِ إنّما العلمُ عن كثرةِ الخشية" ترجمہ: "علم بکثرت احادیث یاد ہوجانے کا نام نہیں بلکہ علم تو حق تعالیٰ کی خشیت کا نام ہے"۔ امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے: "إنّ العلمَ ليس بكثرةِ الروايةِ وإنّما العلمُ نورٌ

یجعله اللهُ فی القلبِ" یعنی "علم کثرتِ روایات کا نام نہیں بلکہ وہ تو اس نور کا نام ہے جو اللہ دل میں پیدا فرماتا ہے"۔

"الفصل الاول"

جھوٹی حدیث بیان کرنے پر وعید:

۱۸۷۔وعن عبدالله بن عمروؓ قال: قال رسول اللهﷺ: بلّغوا عنّی ولو آیةً وحدّثوا عن بنی اسرائیلَ ولاحرجَ ومَن کذَب علیّ متعمّداً فلیَتبوّأ مقعدَه مِن النّار .[بخاری]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے پہنچاؤ اگر چہ ایک آیت ہی ہو اور بنی اسرائیل سے (اُن کے سنائے ہوئے قصے لوگوں کے سامنے) بیان کرو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا (یعنی جھوٹی بات منسوب کی) وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔ (بخاری)

"بلِّغُوا عَنّی ولَوْ آیةً" کا مطلب:

تشریح: قوله: بلّغوا عنّی ولو آیةً...:۔ "آیة" سے مراد اگر آیتِ قرآن ہو تب بھی یہ ارشادِ نبوی تبلیغِ حدیث کی نفی نہیں کرتا کیونکہ آیاتِ قرآنیہ جو محکم و متواتر ہیں اور اس کی حفاظت کا ربانی وعدہ ہے جب اس کی تبلیغ کا حکم دیا جا رہا ہے تو حدیث کی تبلیغ تو بطریقِ اولیٰ ثابت اور واجب ہوگی۔ اور اگر "آیة" اپنے لغوی معنیٰ یعنی علامت و نشانی میں مستعمل ہو تب بھی یہ عام ہوگی آیتِ قرآن کو بھی اور حدیثِ رسول کو بھی۔ چونکہ آپﷺ کے دہن مبارک سے نکلی ہر بات آپﷺ کی نبوت کی نشانی و علامت ہے پس مطلب یہ ہوگا کہ لسانِ نبوّت سے نکلی ہوئی ایک بات بھی اگر تمہیں معلوم ہو تو اس کو بھی آگے پہنچاؤ خواہ وہ آیت ہو یا حدیث۔

بنی اسرائیل سے نقلِ قصص کی اجازت ہے نہ کہ نقلِ احکام کی:

قوله: وحدِّثوا عن بنی إسرائیلَ و لا حرجَ ...:۔ پہلے حضرت عمرؓ کی روایت گزر چکی جس میں آتا ہے کہ آپﷺ نے تورات کے پڑھنے پر نکیر فرمائی اور اس حدیث میں آپﷺ اسرائیلی روایات نقل کرنے کی اجازت مرحمت فرما رہے ہیں۔ بظاہر تعارض ہے لیکن درحقیقت کوئی تعارض نہیں کیونکہ ممانعت نقلِ احکام کی ہے کہ وہ احکام اب منسوخ ہو چکے ہیں اور اجازت نقلِ قصص کی ہے۔

آپﷺ کے ایک ارشادِ گرامی کا اعزاز:

قوله: من کذبَ علیّ مُتعمّداً فلیَتبوّأ مقعدَه من النّار: ۔ یہ ارشاد حدیثِ متواتر ہے، ذخیرۂ احادیث میں اس درجہ کی متواتر حدیث کوئی نہیں کیونکہ قریباً باسٹھ صحابہؓ اس کو نقل کرتے ہیں جن میں "عشرہ مبشرہ" بھی داخل ہیں، یہ اعزاز کسی اور حدیث کو حاصل نہیں۔

"فلیتبوأ" صیغۂ امر ہے بمعنیٰ خبر کے یعنی اس شخص کا ٹھکانہ دوزخ ہے، البتہ صیغۂ امر سے تعبیر از راہِ اہانت ہے۔ (نفحات ومراۃ)

جھوٹی حدیث بیان کرنے والے کی مذمت:

۱۸۸۔وعن سمرة بن جندبؓ والمغیرة بن شعبةؓ قالا: قال رسول اللهﷺ: من حدّث عنّی بحدیثٍ یُری أنّه کذبٌ فهو أحدُ

الکاذبِینَ .[مسلم]

ترجمہ: حضرت سمرہؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری طرف (منسوب کرکے) کوئی حدیث بیان کی جس کے بارے میں اس کا خیال ہو کہ وہ (حدیث) جھوٹی ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ (مسلم)

تشریح: قولہ: یری أنّہ کذب... :۔ "یُریٰ" بصیغہ مجہول زیادہ مشہور ہے اس صورت میں گمان ہونے کے معنیٰ میں ہوگا، نیز بصیغہ معروف بھی منقول ہے اس وقت "یعلم" کے معنیٰ میں ہوگا۔

قولہ: فھو أحدُ الکاذبین... :۔ "الکاذبِینَ" (باء کے کسرہ اور نون کے فتحہ کے ساتھ) بصیغہ جمع اس کا ضبط ہونا مشہور ہے اور بعض حضرات نے (باء کے فتحہ اور نون کے کسرہ کے ساتھ) بصیغہ تثنیہ بھی اس کو نقل کیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ "راوی اور مروی عنہ" دونوں جھوٹے ہیں۔ (لمحات وخیر المفاتیح)

دین کی سمجھ کس خوش نصیب کو عطا کی جاتی ہے؟:

۱۸۹۔وعن معاویۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من یُرِدِ اللہ بہٖ خیرًا یُفقّھہ فی الدین وإِنّما أنا القاسمُ واللہُ یُعطِی.[متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت معاویہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قولہ: یفقّھہ فی الدین... :۔ یعنی اللہ پاک اس کو معاملات دینیہ کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں، فقاہت فی الدین کی دو علامتیں ہیں:

(۱) خشیتِ الٰہی کا دل میں ہونا

(۲) اعضاء پر اس کے اثر کا ظاہر ہونا، معلوم ہوا کہ صرف مسائل کا معلوم ہو جانا فقاہت نہیں جب تک اللہ کے خوف کی وجہ سے اُن مسائل کے مقتضیٰ پر عمل نہ ہو۔

قولہ: وإنّما أنا القاسم و اللہ یُعطی :۔ اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) حق تعالیٰ مجھے علوم عطا فرماتے ہیں اور میں اُن علوم کو لوگوں کے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔

(۲) میں تو علوم کو بذریعہ بیان تقسیم کر دیتا ہوں لیکن اُن کے لئے جس فہم کی ضرورت ہے وہ اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ مُعطی بھی ہے اور قاسم بھی لیکن عرف میں مالک کو مُعطی اور خازن کو قاسم کہا جاتا ہے جو مالکِ مُعطی اور مُعطیٰ لہ (جسے عطا کیا جائے) کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اسی عرف کی رعایت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ (جو کہ مالک ہیں) کو مُعطی سے تعبیر فرمایا اور خود کو قاسم اور واسطہ ثابت کیا۔ (خیر المفاتیح، لمحات)

لوگ سونے چاندی کے کانوں کی طرح ہیں:

۱۹۰۔وعن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: النّاسُ مَعادنُ کمعادن الذھبِ والفضۃ خیارُھم فی الجاھلیّۃِ خیارُھم فی الاسلام اذا فقِھوا.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ کان ہیں، جس طرح سونے، چاندی کے کان ہوتے ہیں، جو لوگ جاہلیت میں ان میں بہتر ہیں وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں جب کہ سمجھ بوجھ پیدا کرلیں۔ (مسلم)

تشریح: قوله: الناس مُعادن كمعادن الذهب والفضه.... :۔ انسانوں کو معادن یعنی کانوں کے ساتھ تشبیہ دی جارہی ہے کہ جس طرح معدن سونے چاندی اور قیمتی جواہرات کے لئے مستقر و محل ہوتا ہے اسی طرح انسان بھی اخلاق فاضلہ اور حکمتوں کا مستقر ہے جس طرح سونا چاندی اس کے معادن سے محنت و مشقت کر کے حاصل کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح محنت، مشقت، مجاہدہ و ریاضت سے انسانوں کے پوشیدہ جوہر اور چھپی ہوئی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آتی ہیں۔

اسلام میں شرافت وفضیلت کا مدار:

قوله: خيارهم في الجاهلية خيارهم في الاِ سلام.... :۔ جاہلیت میں شرافت وفضیلت کا دارومدار آباء واجداد کی شرافت یعنی نسبی شرافت پر تھا جبکہ اسلام میں اس کا دارومدار علم وحکمت پر ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:"ومن يؤتَ الحكمةَ فقد اُوتي خيرًا كثيرا" (سورة البقرة) یعنی جسے حکمت سے نوازا گیا اُسے بڑے خیر سے نوازا گیا۔ گویا کہ پہلی قسم کی شرافت موروثی شرافت ہے اور دوسری کسبی۔ درجہ بالا وضاحت کی روشنی میں حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں نسبی شرافت کی بنا پر "خیار" تھے وہ اسلام میں بھی خیار شمار ہوں گے بشرطیکہ علم وفقہ میں دوسروں کے برابر ہوں ورنہ اگر علم وفقہ میں دوسروں کے برابر نہ ہوئے تو زمانۂ جاہلیت کی نسبی شرافت کی بنا پر ان کو خیار نہیں کہا جائیگا بلکہ جو لوگ افقہ (یعنی زیادہ علم رکھنے والے) ہوں گے وہی خیار ہوں گے۔ (نفحات)

دو شخصوں پر حسد جائز ہے:

۱۹۱۔وعن ابن مسعودؓ قال: قال رسول اللهﷺ: لا حسد إلّا في اثنتين رجلٌ اتاه الله مالاً فسلّطه علىٰ هَلكته في الحقّ وعجلٌ اتاه اللهُ الحكمةَ فهو يقضي بها ويعلّمها.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حسد جائز نہیں مگر دو شخصوں کے بارے میں: ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا اور پھر اللہ نے اُس کو راہِ حق میں مال کو خرچ کرنے کی توفیق عنایت فرمائی اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت (علم شریعت) سے نوازا وہ اس علم کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور (دوسروں کو) سکھاتا ہے۔ (متفق علیہ)

حسد کی تعریف، حکم اور اس حدیث میں حسد کا مطلب:

تشریح: قوله: لا حسدَ إلا في اثنتين ....:۔ "حسد" کے معنیٰ ہیں کسی شخص سے زوال نعمت کی تمنا کرنا خواہ خود کو وہ نعمت حاصل ہو یا نہ ہو، یہ مطلقاً مذموم وحرام ہے، البتہ دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں:

(۱) کافر سے زوالِ نعمت کی تمنا کرنا (۲) کسی فاسق کو کوئی نعمت میسر ہو اور وہ اس کو معاصی میں استعمال کرتا ہو تو ایسی صورت میں اس فاسق سے زوالِ نعمت کی تمنا کرنا اور حسد کرنا جائز ہے۔

"اثنتين" تاکید ہے "خصلتين" محذوف کی اس صورت میں "رجل" سے پہلے خصلة مضاف محذوف مانیں گے، تقدیری

عبارت یوں ہوگی کہ "لا حسدَ إلّا فی خصلتین اثنتین خصلة رجلٍ ..."۔

اس حدیث میں حسد سے مراد غبطہ ہے جس کا معنیٰ رشک کرنا آتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی نعمت نظر آئے تو اپنے لئے آدمی اس نعمت کے حصول کی تمنا کرے، دوسرے سے زوال کی تمنا نہ ہو۔ غبطہ یعنی رشک تمام نعمتوں میں جائز ہے، البتہ علم اور مال کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ تصدق مال اور تحصیل علم کی ترغیب ہو کیونکہ تمام نعمتوں میں یہ دو نعمتیں خاص طور پر قابل رشک اور اس قابل ہیں کہ اس کے حصول کی کوشش کی جائے۔

قوله: فسلّطه على هلكته فى الحق... :۔ یہ راہِ حق میں دھڑا دھڑ مال خرچ کرنے سے کنایہ ہے کہ اس طرح انجام کار مال باقی نہیں رہتا۔ "فی الحق" کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ اسراف کا شائبہ نہ ہو، ویسے بھی کہا گیا ہے کہ "لا إسراف فی الخیر" یعنی "خیر کے کاموں میں خرچ کرنا اسراف نہیں"۔ (نفحات)

تین چیزوں کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا ہے:

۱۹۲۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إذا مات الإنسانُ انقطعَ عنه عملُه إلّا من ثلثةٍ إلّا من صدقةٍ جارية أو علمٍ ينتفعُ به أو ولدٍ صالحٍ يدعو له. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل (کے ثواب) کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے مگر تین عملوں کا ثواب ملتا ہے: صدقہ جاریہ یا ایسا علم جس سے نفع اٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اس (میت) کے لئے دعا کریں۔

تشریح: قوله: انقطع عنه عمله إلّا من ثلاثة الّا من صدقة جارية أو علم ينتفعُ به أو ولد صالحٌ ....:۔ اس عبارت میں مستثنیٰ منہ کی جہت میں لفظِ "ثواب" مضاف محذوف ماننا پڑیگا، تب یہ استثناء درست ہوگی، تقدیری عبارت یوں ہوگی "انقطع عنه ثوابُ عمله إلّا من ثلاثة..."۔ صدقہ جاریہ، علم نافع اور نیک اولاد ان تین چیزوں کے علاوہ دیگر چیزیں جو دوسری احادیث میں وارد ہیں کہ مرنے کے بعد اُن کا ثواب بھی ملتا ہے وہ چیزیں یعنی اعمال مذکورہ تین چیزوں کے اندر منحصر ہیں، گویا یہ تین کلیات ہیں اور باقی جزئیات۔

علمِ دین کے چند فضائل:

۱۹۳۔وعنهؓ قال: قال رسول اللهﷺ: من نفّس عن مؤمنٍ كربةً من كرَب الدنيا نفّس الله عنه كُربةً مِن كُربِ يومِ القيامةِ ومَن يسّر على معسّرٍ يسّر اللهُ عليه فى الدنيا والآخرةِ ومَن سترَ مسلمًا سترهُ اللهُ فى الدنيا والآخرةِ واللهُ فى عونِ العبدِ ما كان العبدُ فى عونِ أخيه ومَن سلكَ طريقاً يلتمسُ فيه علمًا سهّل اللهُ له به طريقًا الى الجنّةِ وماجتمعَ قومٌ فى بيتٍ مِن بيوتِ الله يتلون كتابَ الله ويتدارَسُونه بينهم الّا نزلتْ عليهم السكينةُ وغشِيتْهمُ الرحمةُ وحفّتهُمُ الملائكةُ وذكرَهمُ اللهُ فيمَن عندَه ومَن بطّأَ به عملُه لَمْ يُسْرِعْ به نسبُه. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی مسلمان سے دنیا کی سختیوں میں سے کوئی سختی دور کی اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن (کی سختیوں میں سے) ایک بڑی سختی دور کردے گا اور جس نے کسی تنگدست کے ساتھ آسانی کا معاملہ کیا اللہ تعالیٰ

اس کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانی پیدا فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کا پردہ رکھا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اللہ (اس وقت تک) اپنے بندہ کی مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے اور جو علم کی تلاش (حصول) میں کسی راستہ پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ (اس کی بدولت) اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں اور کوئی قوم اللہ کے کسی گھر (مسجد، مدرسہ) میں قرآن پڑھنے اور سیکھنے سکھانے کے لیے جمع نہیں ہوتی مگر یہ کہ اُن پر سکینہ (سکون) نازل ہوتا ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے اُن کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اِن لوگوں کا ذکر اُن (ملائکہ) میں کرتا ہے جو اللہ کے پاس ہیں اور جس کو پیچھے رکھا اس کے عمل نے، (آخرت میں) اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھائے گا (یعنی نسب کام نہیں آئے گا)۔ (مسلم)

تشریح: قوله: من نفّس عن مؤمنٍ كربةً من كُرب الدنيا نفّس الله عنه كربةً ....:۔ پہلے "كربةً" میں تنوین تحقیر کے لئے ہے اور دوسرے میں تعظیم کے لئے، یعنی کسی مؤمن سے دنیا کی معمولی اور حقیر مصیبت دور کرنے پر اللہ تعالیٰ آخرت کی غیر معمولی اور عظیم مصیبت سے نجات عطا فرمائیں گے۔

قوله: ومن يسّرعلىٰ مُعسِرٍ يسّر الله عليه... :۔ یعنی جو شخص کسی تنگدست کو ادائے دین میں مہلت دے یا بعض یا کل دین معاف کر دے تو اللہ اُس کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمائیں گے۔

قوله: ومن سترَ مسلماستره الله في الدنيا والآخرة ....:۔ "سترِ مسلم" سے مراد اس کے عیوب پر پردہ ڈالنا ہے، البتہ سترِ عورت کا بھی احتمال ہے یعنی کسی کو ستر ڈھانپنے کا لباس دیا۔

قوله: ومن سلك طريقاًيلتمسُ فيه علمًا...: ۔ یہاں "طریق" عام ہے جو کہ شامل ہے بری، بحری، زمینی اور فضائی راستے کو بھی اور قریب وبعید، مشکل وآسان راستے کو بھی۔

قوله: يتلون كتابَ الله يتدارسُونه بينهم.... :۔ یہ متنِ قرآن کے پڑھنے پڑھانے کے علاوہ قرآن کے ساتھ متعلق وملحق تمام علوم کے پڑھنے پڑھانے کو شامل ہے۔

قوله: ومَن بطّأبه عملُه لم يُسرِع به نسبهٗ ....: ۔ یعنی جس کے برے اعمال اس کو درجۂ سعادت سے مؤخر کر دے نسبِ عالی اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا کیونکہ سعادت اور قربِ الٰہی عمل صالح سے حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: "إنّ أكرمَكم عندَالله أتقاكم." (سورۃ الحجرات) یعنی "اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو"۔ (نفحات، مرآۃ)

تصحیحِ نیت کے بغیر بڑے بڑے عمل بھی بیکار ہیں:

۱۹۴۔ وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ أوّلَ النّاسِ يُقضىٰ عليه يوم القيامةِرجلٌ استُشهِدَفأُتِي به فعرّفه نعمتَه فعرَفهافقال فماعمِلتَ فيها قال: قاتلتُ فيك حتىّ استُشهِدتُ قال: كذبتَ ولٰكنّكَ قاتلتَ لأن يقالَ: جريٌ فقدُ قيل ثمّ أُمِر به فَسُحِبَ علىٰ وجهه حتىٰ أُلقِي في النّارورجلٌ تعلّم العلمَ وعلّمَه، وقرأ القرآنَ فأُتِي به فعرّفه نِعَمَه فعرَفهافقال فماعمِلتَ فيهاقال: تعلّمتُ العلمَ وعلّمتُه وقرأتُ فيك القرآنَ قال: كذبتَ ولٰكنّكَ تعلّمتَ العِلم ليُقالَ: إنّكَ عالمٌ وقرأتَ القرآنَ ليقالَ :

ھو قاریٌ فقدُ قیل ثمّ أُمِر به فَسُحِبَ علیٰ وجهہٖ حتیٰ أُلقِی فی النّار،ورجلٌ وسّعہ اللہُ مِن أصنافِ المال کلّہٖ فأُتِی به فعرّفه نِعمہ فعرفھا فقال: فماعمِلتَ فیھا قال: ماترکتُ مِن سبیلٍ تُحبُّ أنْ یُنفقَ فیھا لکَ قال: کذبتَ ولکنّك فعلتَ لِیُقالَ: ھو جوّادٌ فقدُ قیل ثمّ أُمِر به فَسُحِبَ علیٰ وجهہٖ حتیٰ أُلقِی فی النّار .[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے جس کا فیصلہ کیا جائیگا یہ وہ شخص ہوگا جو شہید کیا گیا تھا، چنانچہ اُسے لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں یاد دلائے گا جو اسے یاد آجائیں گی پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ (ان نعمتوں کے شکر میں) تو نے کیا عمل کیے؟ وہ کہے گا: میں تیرے راستے میں لڑا، یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے، لیکن تو تو اس لیے لڑا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے چنانچہ وہ (بہادر) تو کہا گیا۔ پھر اس کے متعلق (دوزخ میں ڈالے جانے کا) حکم دیا جائے گا چنانچہ اسے منہ کے بل کھینچا جائے گا یہاں تک کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائیگا اور ایک وہ شخص ہوگا جس نے علم حاصل کیا اور (دوسروں کو) سکھایا اور قرآن پڑھا، چنانچہ اسے لایا جائیگا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیگا جو اسے یاد آجائیں گی، پھر اللہ پوچھے گا: (ان نعمتوں کے شکر میں) تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور تیرے واسطے قرآن پڑھا۔ اللہ فرمائیگا: تو جھوٹا ہے تو نے تو علم (اس لیے) حاصل کیا تھا کہ تجھے قاری (عالم) کہا جائے اور وہ تو کہا جاچکا۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائیگا چنانچہ اسے منہ کے بل کھینچا جائے گا اور دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ایک وہ شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے (مالی) وسعت دی تھی اور ہر قسم کا مال عطا کیا تھا، چنانچہ اس کو لایا جائے گا اور اللہ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا جو اسے یاد آجائیں گی پھر اللہ پوچھے گا: تو نے اس میں (شکر کے طور پر) کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے کوئی ایسی راہ نہیں چھوڑی جس میں خرچ کرنا تجھے پسند ہو مگر یہ کہ میں نے اس میں تیرے واسطے خرچ کیا۔ اللہ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے لیکن تو نے تو اس لیے خرچ کیا تھا کہ تجھے سخی کہا جائے اور وہ کہا گیا۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا چنانچہ اس کو منہ کے بل کھینچا جائے گا اور پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم)

علماء کی موت علم اٹھنے کا باعث:

۱۹۵۔ وعن عبد الله بن عمروؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ اللّٰہ لایَقْبِضُ العلمَ انتزاعاً ینتزِعُه مِن العبادِ ولکنْ یقبضُ العلمَ بقبضِ العُلماء حتیٰ اذالمْ یُبقِ عالمًا اتّخذَ النّاسُ رُؤُسًا جُھّالاً فَسُئِلُوا فأفْتَوْا بغیرِ علمٍ فضلُّوا وأضلُّوا.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک (اس) علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ بندوں (کے دل و دماغ) سے اسے نکال دے لیکن علماء کو اٹھا کر (موت دے کر) اللہ اس علم کو اٹھائے گا۔ یہاں تک کہ جب کسی عالم کو (اللہ تعالیٰ) باقی نہیں رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، چنانچہ ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے (جس کی وجہ سے) خود بھی گمراہ ہوں گے اور (دوسروں کو بھی) گمراہ کریں گے۔ (متفق علیہ)

عادتِ مبارکہ ہر وقت وعظ و نصیحت کی نہ تھی:

۱۹۶۔ وعن شقیقٍ قال: کان عبد الله بن مسعودؓ یُذکّر النّاسَ فی کلّ خمیسٍ فقال له رجلٌ یا أباعبدالرحمٰن لوَدِدتُ أنّك

ذکرتنا في كلّ يومٍ قال: أما إنّه يمنعني من ذلك أنّي أكره أن أُملّكم وإنّي أتخوّلكم بالموعظة كما كان رسولُ الله ﷺ يتخوّلنا بها مخافةَ السآمةِ علينا .[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت شقیقؒ راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے۔ایک آدمی نے کہا کہ اے ابوعبدالرحمن! میری خواہش ہے کہ آپ ہمیں ہر روز وعظ ونصیحت کیا کریں۔حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: خبردار! مجھ کو اس سے یہ بات منع کرتی ہے کہ میں پسند نہیں کرتا کہ تمہیں اکتاہٹ میں مبتلا کردوں اور میں وعظ ونصیحت کے معاملہ میں تمہاری ایسی خبر رکھتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ نصیحت کے معاملہ میں ہماری خبر گیری کیا کرتے تھے ہمارے اکتا جانے کے اندیشہ سے۔(متفق علیہ)

آپ ﷺ اہم یا مشکل بات کو تین مرتبہ دہراتے:

۱۹۷۔وعن أنسؓ قال: كان النبيّ ﷺ إذا تكلّم بكلمةٍ أعادها ثلاثاً حتىٰ تُفهم عنه وإذا أتىٰ علىٰ قومٍ فسلّم عليهم ثلاثًا.

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب کوئی (اہم) بات فرماتے تو اس کو تین مرتبہ دہراتے یہاں تک کہ وہ بات (اچھی طرح) سمجھ لی جاتی اور جب آپ ﷺ کسی جماعت کے پاس تشریف لاتے اور انہیں سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام فرماتے۔(بخاری)

تشریح: قوله: إذا تكلّم بكلمة أعادها ثلاثا حتىٰ تُفهَمَ عنه... :۔ "حتىٰ تفهم عنه" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اعادہ اور تکرار اُس بات کا ہوتا جو بغیر تکرار کے سمجھ میں نہ آتی۔اور تین دفعہ تکرار غالباً لوگوں کے فہم وسمجھ میں تفاوت یعنی ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ کے اعتبار سے فرماتے۔یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ مہتم بالشان بات کا اعادہ اور تکرار فرماتے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مجمع کی زیادتی کے باعث تین مرتبہ بات فرماتے ایک مرتبہ سامنے، ایک مرتبہ دائیں اور ایک مرتبہ بائیں تاکہ سب سن لیں اور سمجھ سکیں۔

قوله: و إذا أتىٰ علىٰ قومٍ فسلّم عليهم ثلاثاً.....:۔آپ ﷺ کی عادتِ مستمرہ تھی کہ جب کسی قوم کے ہاں تشریف لاتے تو تین سلام فرماتے: پہلا سلام برائے استیذان یعنی اجازت طلبی، دوسرا سلام تحیہ (سلام عند اللقاء) اور تیسرا سلام وِداع (رخصتی کے وقت) اور یہ بھی ممکن ہے کہ تین سلام مجمع کی کثرت کے وقت ہو ایک سلام سامنے کی جانب اور ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب، تاکہ سب سلام سن لے اور سب کو آپ ﷺ کے سلام کی برکت حاصل ہو۔(نفحات)

بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والے کا اجر:

۱۹۸۔وعن أبي مسعود الأنصاريؓ قال: جاءَ رجلٌ الى النبيّ ﷺ فقال: إنّه أُبدِعَ بي فاحمِلْني فقال: ما عندي، فقال رجلٌ: يارسولَ الله! أنا أدلّه علىٰ مَن يَحمِلُه فقال رسولُ الله ﷺ: مَن دلّ علىٰ خيرٍ فله مِثلُ أجرِ فاعِله.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاریؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میری سواری چلنے سے عاجز ہوگئی ہے لہٰذا آپ ﷺ مجھے سواری عطا فرمادے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس (کوئی سواری) نہیں۔ایک شخص نے (یہ سن کر) کہا کہ یارسول اللہ! میں اس کو ایسا شخص بتاتا ہوں جو اسے سواری دے دے۔آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بھلائی کی طرف رہنمائی کردے اس کو بھی بھلائی کرنے والے جیسا ثواب ملے گا۔(مسلم)

تشریح: قوله: أُبدِع بی... :۔اس کا مطلب یہ ہے کہ میری سواری تھک کر چلنے سے عاجز ہوگئی، گویا سواری کا دائمی عادت کے خلاف چلنے سے رک جانا ایک قسم کا ابداع اور ایجاد ہے یعنی نئی اور انوکھی بات ہے، اس وجہ سے اس کو ابداع سے تعبیر کیا۔

کسی اچھی بات کی طرح ڈالنے کا ثواب:

۱۹۹۔وعن جريرٍ قال: كنّا فى صدر النهار عند رسول الله ﷺ فجاء قومٌ عُراةٌ مُجتابى النِّمارِ [أو] العَباء متقلّدِى السُّيوفِ عامتُهم مِن مُضَر بلْ كلُّهم مِن مُضر فتمعّرَ وجهُ رسولِ الله ﷺ لِمارأىٰ بهِم مِن الفاقةِ فدخلَ ثمّ خرجَ فأمرَ بلالاً فأذّنَ وأقامَ فصلّىٰ ثمّ خطب فقال:"يا أيّها النّاسُ اِتّقوا ربّكمُ الذى خلقَكُم مِن نفسٍ واحدة[الىٰ آخر الآية] إنّ الله كان عليكم رقيباً" والآيةَ التى فى الحشر:"اِتّقوا اللهَ ولْتَنظُر نفسٌ ماقدّمتْ لغدٍ "تَصَدّقَ رجلٌ مِن ديناره مِن درهمِه مِن ثوبِه مِن صاعِ بُرّه مِن صاعِ تمرِه حتىّٰ قال: ولو بِشِقِّ تمرةٍ ،قال:فجاء رجلٌ مِن الأنصارِ بِصُرّةٍ كادتْ كفُّه تَعجزُ عنها بلْ قد عجزتْ ثمّ تتابعَ النّاسُ حتىّٰ رأيتُ كومَين مِن طعامٍ وثيابٍ حتىٰ رأيتُ وجهَ رسولِ الله ﷺ يتهلّلُ كأنّه مُذهَّبةٌ ،فقال رسولُ الله ﷺ :مَن سَنّ فى الاسلام سُنّةً حسنةً فله أجرها وأجرُ مَن عمِلَ بها مِن بعدِه مِن غيرِ أنْ يُنقصَ مِن أُجورهم شئٌ ؛و مَن سَنّ فى الاسلام سُنّةً سيّئةً فله وِزرُها ووِزرُ مَن عمِلَ بها مِن بعدِه مِن غيرِ أنْ يُنقصَ مِن أوزارهم شئٌ.[مسلم]

ترجمہ:حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ ہم دن کے شروع حصہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک قوم ننگے بدن والی، کمبل یا عبا لپیٹے ہوئے اور تلواریں (گلے میں) لٹکائے ہوئے آئی۔اُن میں سے اکثر بلکہ سب کے سب (قبیلہ) مضر کے تھے۔اُن کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور متغیر ہوگیا چنانچہ آپ ﷺ (ان کے فاقہ کو دور کرنے کے لیے گھر میں) داخل ہوئے (اور جب وہاں کچھ نہ ملا) تو باہر تشریف لائے اور حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم فرمایا، انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور یہ آیت پڑھی:''یٰاَیّها النّاس اتّقوا ربّكم الّذى .....''الآیۃ [ترجمہ:]''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (حضرت آدمؑ) سے پیدا فرمایا...'' آیت کے آخر میں ان الفاظ تک،[ترجمہ:]''البتہ اللہ تم پر نگہبان ہے''۔اور سورۃ الحشر کی یہ آیت پڑھی: ''اتّقوا الله ولتنظر نفسٌ ما قدّمت لغدٍ.'' الآیۃ [ترجمہ:]''اللہ سے ڈرتے رہو اور چاہیے کہ ہر شخص دیکھے کہ کل (قیامت) کے لیے اس نے کیا آگے بھیج رکھا ہے''۔(پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ) خیرات کرے آدمی اپنے دینار میں سے، اپنے درہم میں سے، اپنے کپڑے میں سے اور اپنے گندم اور کھجور کے صاع میں سے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر چہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔راوی کہتا ہے کہ ایک انصاری آدمی ایک (بھری ہوئی) تھیلی لایا قریب تھا کہ اس کا ہاتھ تھیلی کے اٹھانے سے عاجز آجائے بلکہ (ہاتھ تھیلی کے اٹھانے سے) عاجز ہو چکا تھا پھر لوگ پے در پے (صدقات) لے کر آئے یہاں تک کہ میں نے کھانے اور کپڑے کی دو ڈھیریاں دیکھی، حتیٰ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ (خوشی کے باعث) کندن (سونے) کی طرح چمکتے ہوئے دیکھا، (اس موقع پر) آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اسلام میں کوئی اچھی بات رواج دی تو اس کو اس (اچھی بات پر خود عمل کرنے) کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد عمل کرنے والے لوگوں کا ثواب بھی، بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے ثواب سے کچھ کم کیا جائے اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقے کو رواج دیا تو اس کو اس کا گناہ بھی ملے گا

اوراُن لوگوں کا گناہ بھی جنہوں نے اس پر عمل کیا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے گناہ میں سے کچھ کم ہو۔ (مسلم)

تشریح: قوله: مجتابی النمار ....۔ "مجتابی" اصل میں "مجتابین" تھا، نونِ اضافت کی بنا پر گر گیا بمعنیٰ پہننے والے، لپیٹنے والے اور النمار، نمرۃ کی جمع ہے بمعنیٰ اُونی دھاری دار کمبل۔

قوله: تصدّق رجلٌ من دیناره :۔ بقولِ علّامہ طیبیؒ "تصدّق" کا صیغہ بظاہر ماضی کا نہیں بلکہ امر کا صیغہ ہے اور لامِ امر محذوف ہے، تقدیری عبارت یہ ہوگی" لیتصدّق رجلٌ" اور لامِ امر کو محذوف ماننا جائز ہے، لغت عرب میں اس کے نظائر موجود ہیں۔

جبکہ بقولِ علّامہ ابہریؒ "تصدّق" ماضی اور اِخبار کا صیغہ ہے اور امر وانشاء کے معنیٰ میں مستعمل ہے اور اِخبار کا اِنشاء کے معنیٰ میں استعمال کلامِ عرب میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ (مرآۃ، لمعات)

ہر ناحق خون کا وبال قابیل پر ہوگا:

۲۰۰۔ وعن ابن مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لاتُقتلُ نفسٌ ظلماً إلّا كانَ على ابن آدمَ الأوّلِ كِفلٌ مِن دمهالأنه أوّلُ مَن سَنَّ القتلَ .[متفق عليه]وسنذكر حديثَ مغوية :"لايزالُ مِن أمّتي "في [باب ثواب هذه الأمة]ان شاء الله تعالىٰ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی جان ظلماً (ناحق) قتل نہیں کی جاتی مگر یہ کہ آدمؑ کے پہلے بیٹے (قابیل) پر اس کے خون کا ایک حصہ ہوتا ہے اس لیے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ نکالا۔ (متفق علیہ)

"الفصل الثانی"

علمِ دین کے فضائل:

۲۰۱۔ وعن كثير بن قيسؒ قال: كنتُ جالساً مع أبي الدرداءؓ في مسجد دمشق فجاء ه رجلٌ فقال: ياأباالدرداءإنّي جئتُك مِن مدينةِ الرسول ﷺ لحديثٍ بلغني أنّكَ تُحدِّثُه عن رسولِ الله ﷺ ماجئتُ لحاجةٍ ،قال:فإنّي سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقول: مَن سَلَكَ طريقًا يَطلُبُ فيه علمًا سلكَ الله به طريقاً من طرق الجنّة وإنّ الملائكةَ لَتَضعُ أجنحتَها رِضًالطالبِ العلم وانّ العالمَ يستغفِرُ له مَن في السمٰوٰت ومَن في الأرضِ والحِيتانُ في جَوفِ الماءِ وإنّ فضلَ العالمِ على العابدِ كفضلِ القمرِ ليلةَ البدرِ علىٰ سائرِ الكواكبِ وإنّ العُلماءَ ورثةُ الأنبياءِ وإنّ الأنبياءَ لم يُورِّثُوادينارًا ولا درهمًا وانّماورّثُواالعلمَ فمَن أخذَه أخذَ بحظٍّ وافرٍ .[أحمد ،ترمذي، ،أبوداؤد،ابن ماجة ،دارميّ وسمّاه الترمذي "قيس بن كثير"]

ترجمہ: حضرت کثیر بن قیسؒ کہتے ہیں کہ میں دِمشق کی مسجد میں حضرت ابوالدرداءؓ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اے ابودرداء میں تیرے پاس رسول اللہ ﷺ کے شہر سے ایک حدیث کے لیے آیا ہوں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپؓ اسے رسول اللہ ﷺ سے (مرفوعاً) بیان کرتے ہیں، (اس کے علاوہ) میں کسی دوسری غرض سے نہیں آیا ہوں (یہ سن کر) ابودرداءؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص طلب علم کی خاطر کسی راستہ پر چلے تو اللہ تعالیٰ اُس کو جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ پر چلاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی

رضامندی کے لیے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں اور عالم کے لیے ہر وہ چیز استغفار کرتی ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور مچھلیاں پانی کے اندر (استغفار کرتی ہیں) اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسا کہ چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر اور علماء انبیاء (علیہم السلام) کے وارث ہیں اور بے شک انبیاء علیہم السلام نے میراث میں دینار اور درہم نہیں چھوڑے بلکہ انہوں نے علم کا ورثہ چھوڑا ہے، لہذا جس نے علم حاصل کیا اس نے کامل حصہ لے لیا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی ، ترمذی نے راوی کا نام "قیس بن کثیر" بتایا ہے)

تشریح: قوله: جئتك من مدينة الرسول ﷺ لحديثٍ بلغني أنك تحدّثه :۔ممکن ہے کہ سائل نے پہلے اجمالی طور پر یہ حدیث سنی ہو اور اب تفصیل کے ساتھ سننا چاہتا ہو یا پہلے بالواسطہ سنی تھی اور اب علوّ سند کی خاطر بلا واسطہ سننا چاہ رہا تھا اور بظاہر یہ لگتا ہے کہ حدیثِ باب سائل کا مقصود نہیں بلکہ مقصود کوئی دوسری حدیث تھی ،باقی یہ حدیث حضرت ابو الدرداءؓ نے حوصلہ افزائی کے لئے سنائی تھی۔

قوله: من سلك طريقاً يطلب فيه علمًا سلك اللهُ به طريقًا من طُرقِ الجنّة....:۔طریق اور علم کو مطلق ذکر فرمایا تا کہ عموم ہو اور ہر قسم کے سفر کو شامل ہو خواہ قریب کا ہو یا دور کا، مشکل ہو یا آسان ،اور علم دین کی ہر مقدار پر صادق آئے خواہ کم ہو یا زیادہ بلند مرتبہ ہو یا کم مرتبہ۔"سلك اللــه بــه "میں "بـه" کی ضمیر مجرور یا تو "مَن" کی طرف راجع ہے اور باء تعدیہ کے لئے ہے،اس صورت میں "سلك" سلوک سے مشتق ہوگا اور معنیٰ ہوگا "جـعـلـه سـالـكـا"، یعنی "اللہ نے اس کو جنت کے ایک راستے پر چلنے والا بنادیا" یا "بـه" کی ضمیر مجرور "علم" کی طرف راجع ہے اور باء سببیت کے لئے ہے اس صورت میں "سلك" سهّل کے معنیٰ میں ہوگا اور "سِلكٌ" س سے ماخوذ ہوگا یعنی اللہ اس کے لئے علم کے سبب سے جنت کا ایک راستہ آسان فرمادیں گے۔

قوله: وإنّ الملائكة لتضع أجنحتها رضاً لطالب العلم ....:۔ملائکہ کے "وضعِ اجنحہ" کے کئی مطلب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) یہ کنایہ ہے تواضع سے کہ فرشتے طالبعلم کے سامنے علم کی شرافت وعظمت کی وجہ سے تواضع اختیار کرتے ہیں

(۲) کنایہ ہے اس سے کہ فرشتے اڑنا موقوف کردیتے ہیں اور ذکرِ خداوندی سننے کے لئے طالبعلم کے پاس اتر آتے ہیں

(۳) یہ حقیقت پر محمول ہے کہ فرشتے طالبعلم کے احترام کی خاطر اس کے قدموں کے نیچے پَر بچھاتے ہیں۔یہ مطلب مشہور ومعروف ہے۔

قوله: وانّ الـعـالِم يَستَغفِرُ له...:۔یہ "ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی" کے قبیل سے ہے کہ پہلے طالب کی حیثیت سے ذکر فرمایا پھر اس کے لئے علم ثابت کر کے عالم کی حیثیت سے ذکر فرمایا۔

قوله: يستـغـفـرُله مَن في السموٰتِ والأرضِ ....:۔چونکہ عالم کا علم اور اس پر عمل، پورے عالَم کے لئے سبب رحمت ہے اس لئے پورا عالَم علماء کے لئے استغفار اور دعائے خیر کرنے پر مامور ہے۔یہاں پر "مَـن" تغلیباً لذوی العقول لایا گیا ہے اور مراد تمام موجودات ہے خواہ ذویُ العقول ہے یا غیر ذوی العقول۔

قوله: و الـحِيتـانُ في جوفِ الماء ....:۔ "مَن في الأرض" سے یہ وہم پیدا ہورہا تھا کہ صرف خشکی کی مخلوق مراد ہوگی اس وہم کو دور کرنے کے لیے پانی کی مخلوق یعنی مچھلیوں کو الگ سے ذکر فرمایا۔

قوله: وإنّ فـضـلَ العالِمِ على العابدِ.... :۔"عالم" سے مراد وہ معلّم ومدرس ہے جو فرائض، واجبات وسننِ مؤکدہ کی ادائیگی کے علاوہ اپنا زیادہ تر وقت تعلیم وتصنیف میں صرف کرتا ہو اور عابد سے مراد وہ عالم ہے جو تعلیم وتدریس کا شغل نہ رکھے بلکہ ہر وقت کا مشغلہ عبادت کو

بنائے رکھے۔ عالم معلم کی یہ فضیلت صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کا نفع متعدی ہے، بخلاف عالم عابد کے، کہ عبادت کا نفع صرف اس کی ذات تک محدود ہے جس طرح کہ چاند کی روشنی متعدی ہوتی ہے اور تاروں کی روشنی صرف اُن تک محدود۔

قوله: وإنّ العلماءَ ورثةُ الأنبياءِ وإنّ الأنبياءَ لم يورِّثوا دينارًا ولا درهمًا...: ۔اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اہلِ علم دنیا سے ضرورت سے زیادہ نہیں لیتے بلکہ اہلِ علم کا اپنی ذات اور اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر کامل درجہ کا توکل ہوتا ہے، نیز اس بات پر بھی تنبیہ ہے کہ طالبِ دنیا کا شمار حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارثین نہیں ہوتا۔

عالم کی عابد پر فضیلت:

۲۰۲۔وعن أبي أمامة الباهليؓ قال: ذُكِر لرسول الله ﷺ رجلان أحدُهما عابدٌ والآخرُ عالمٌ فقال رسولُ الله ﷺ: فضلُ العالمِ على العابدِ كفضلي على أدناكُم ثمّ قال رسولُ الله ﷺ: إنّ اللهَ وملائكتَه وأهلَ السمٰوٰتِ والأرضِ حتّى النَّملةَ في جُحرِها وحتّى الحوتُ ليُصَلُّون على معلّمِ النّاس الخير.[ترمذی] ورواه الدارمي عن مكحولٍ مُرسلاً ولم يذكر "رجلان" وقال: فضلُ العالمِ على العابد كفضلي على أدناكُم ثمّ تلاهذه الآية:" إنّما يخشَى اللهَ مِن عبادِه العلماءُ"وسردَ الحديث الىٰ آخرِه.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا کہ ایک عابد ہے اور دوسرا عالم (اُن میں سے کون افضل ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی کہ میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اللہ، اس کے فرشتے اور اہلِ آسمان واہلِ زمین یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں اس شخص کے لیے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتا ہے۔ (ترمذی) اور دارمی نے مکحولؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے اور لفظِ "رجلان "کا ذکر نہیں کیا ہے: آپ ﷺ نے فرمایا کہ عالم کو عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ پر پھر یہ آیت تلاوت فرمائی :" إنّما يخشَى اللهَ من عباده العلماءُ."[ترجمہ:]'' اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں''۔اور پھر حدیث آخر تک بیان کی۔

طالب علموں کے ساتھ بھلائی کرنے کی نبوی وصیت:

۲۰۳۔وعن أبي سعيد الخدريؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ النّاسَ لكم تبعٌ وإنّ رجالاً يأتونكم مِن أقطار الأرضِ يتفقّهون في الدين فاذاأتَوكُم فاستَوْصُوابهِم خيرا.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تحقیق لوگ تمہارے تابع ہیں اور تحقیق لوگ تمہارے پاس علمِ دین میں سمجھ حاصل کرنے کی غرض سے زمین کے اطراف (مختلف حصوں) سے آئیں گے جب وہ تمہارے پاس آئیں تو اُن کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا۔(ترمذی)

حکمت دانا آدمی کی متاعِ گم گشتہ ہے:

۲۰۴۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: الكلمةُ الحكمةُ ضالّةُ الحكيم فحيثُ وجدَها فهو أحقُّ بها.[الترمذي

وابنُ ماجة] وقال الترمذی :هذاحدیثٌ غریب وابراهیم بن الفضل الراوی یُضعّفُ فی الحدیث.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دانائی والی بات دانا آدمی کی (مطلوب) متاعِ گم گشتہ ہے سو جہاں اس کو پائے اس کا (زیادہ) مستحق ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: قوله: الكلمةُ الحكمةُ ضالّةُ الحكيم . . . : ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ دانا آدمی کو جہاں کہیں سے بھی حکمت و دانائی کی بات دستیاب ہوتی ہے وہ اس کو فوراً لے لیتا ہے نہ اس میں کوئی عار محسوس کرتا ہے اور نہ ہی اس حکمت بھری بات کے قائل یعنی کہنے والے کو دیکھتا ہے کہ معمولی آدمی ہے یا بڑا۔ جیسے: کسی سے کوئی قیمتی چیز گم ہو جائے اور وہ کسی گرے پڑے شخص کے ہاتھ لگ جائے، تو مالک اپنی گمشدہ اُس قیمتی چیز کو واپس لینے سے یہ کہہ کر انکار نہیں کرتا کہ یہ تو معمولی شخص کے ہاتھ لگی ہے میں اس کو نہیں لوں گا۔ اسی مضمون کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان الفاظ میں ادا فرمایا: '' أنظر إلیٰ ماقال ولا تنظر إلیٰ مَن قال ''یعنی'' بات کو دیکھو، کہنے والے کو مت دیکھو''۔ (لمحات)

ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے:

۲۰۵۔وعن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ :فقيهٌ واحدٌ أشدُّ على الشيطانِ من ألفِ عابدٍ.[ترمذی،ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک فقیہ (عالمِ دین) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

نااہل کو علمِ دین سکھانے کی مذمت:

۲۰۶۔عن أنسؓ قال: قال رسول اللهﷺ: طلب العلمِ فريضةٌ علىٰ كلّ مسلمٍ وواضعُ العلمِ عندَ غير أهلِه كمُقلّد الخنازيرِ الجواهرَ واللُّؤلؤَ والذّهبَ.[ابن ماجة]وروی البیهقی فی شعب الایمان الیٰ قوله:"مسلم" وقال: هذاحديثٌ متنُه مشهورٌ واسنادُه ضعيفٌ وقدْ رُوِیَ مِن أوجُهٍ كلُّها ضعيفٌ.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علم طلب کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے اور نااہل کو علم سکھانے والا ایسا ہے جیسا کہ خنزیروں کے گلے میں جواہرات، موتیوں اور سونے کا ہار ڈالنے والا۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح: قوله: و واضع العلم عند غير اهله . . . ۔"غیر أهل"(نااہل) کی دو صورتیں ہیں:

(۱) استعداد ہی نہ ہو علمِ دین سیکھنے کی۔

(۲) استعداد تو ہو لیکن حصولِ علم سے اُس کا مقصود فتنہ و فساد پھیلانا ہو نہ کہ خیر و صلاح پھیلانا۔

علمِ دین کے فضائل کو دنیاوی علوم پر چسپاں کرنا:

قوله: طلبُ العلمِ فريضةٌ علىٰ كلّ مسلمٍ . . . :۔ "مسلم" سے مراد جنسِ مسلم ہے چاہے مرد ہو یا عورت اور'' طلب العلم'' سے مراد علمِ دین کی طلب ہے نہ کہ دینوی علوم کی طلب پس قرآن و حدیث میں وارد شدہ طلبِ علم کے فضائل علمِ دین سے متعلق ہیں ان کو دنیاوی علوم کی طلب پر چسپاں کرنا "وضع الشئی فی غیر محله" کے قبیل سے ہے اور تحریف معنوی ہے۔

منافق میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوسکتی:

۲۰۷۔وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: خصلتان لا تجتمِعانِ فی منافقٍ :حُسْنُ سَمْتٍ و لا فِقْهٌ فی الدین.

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہوسکتی: حسنِ خلق اور دین میں سمجھ۔(ترمذی)

طالبِ علم جب تک گھر نہیں لوٹتا اللہ کی راہ میں ہوتا ہے:

۲۰۸۔عن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ :من خرجَ فی طلبِ العلمِ فهو فی سبیل اللهِ حتّٰی یرجِعَ.

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علم طلب کرنے کے لیے (گھر سے) نکلا وہ اللہ کے راستہ میں ہے یہاں تک کہ گھر واپس نہ آئے۔(ترمذی، دارمی)

حصولِ علم گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہے:

۲۰۹۔عن سنجرة الأزدیؓ قال: قال رسول الله ﷺ: مَن طلبَ العلمَ کان کفّارةً لِما مَضٰی.[ترمذی،دارمی]وقال الترمذی هذاحدیثٌ ضعیف الإسنادِ وأبو داؤد الراوی یُضَعّف.

ترجمہ: حضرت سنجرۃ ازدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص علم حاصل کرتا ہے تو وہ اس کے گذشتہ گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتا ہے۔(ترمذی، دارمی)

مؤمن خیر (علم) سے سیر نہیں ہوتا:

۲۱۰۔وعن أبی سعید الخدریؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لن یشبعَ المؤمنُ مِن خیرٍ یسمعُه حتّٰی یکون مُنتهاه الجنّةَ.

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن خیر (یعنی علم کی باتیں) سننے سے سیر نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس کی انتہا جنت ہوتی ہے۔(ترمذی)

کتمانِ علم پر وعید:

۲۱۱۔وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: مَن سُئلَ عن علمٍ علِمَه ثمّ کتَمه أُلجِمَ یومَ القیامةِبلِجامٍ مِن نارٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی گئی جو اسے معلوم تھی پھر اس نے اس کو چھپایا تو قیامت کے دن اس کو (منہ میں) آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔(احمد، ابوداود، ترمذی)

تشریح: قوله: من سئل عن علم علمه ثم کتمه أُلجم یوم القیامة بلجام من نار... :۔''کتمانِ علم'' (علم چھپانے) کی اس وعید کا حقدار ہونے کے لئے چند شرائط ہیں جو یہ ہیں: (۱) اچھی طرح مسئلہ کا علم ہونے کے باوجود مسئلہ نہ بتائے (۲) پوچھنے والا حقیقۃً طالب ہو (۳) جس مسئلہ کو پوچھا جارہا ہے سائل کو واقعۃً اس کی ضرورت بھی ہو اور وہ اس کو سمجھتا بھی ہو (۴) وہاں کوئی دوسرا صحیح بتانے والا عالم نہ ہو۔(خیر المفاتیح)

اغراضِ فاسدہ کے لیے علم حاصل کرنے پر وعید:

۲۱۲۔وعن کعب بن مالکؓ قال: قال رسول الله ﷺ: مَن طلبَ العلمَ لِيُجارِي به العلماءَ أولِيُمارِي به السُفهاءَ أويصرِفَ به وُجوهَ النّاسِ اليه أدخلَه اللهُ النّار.[ترمذی] وروی ابن ماجة عن ابن عمرؓ.

ترجمہ:حضرت کعب بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے علم کواس غرض سے سے حاصل کیا کہ اس کے ساتھ علماء پر فخر کرے یا بے وقوفوں سے جھگڑے یا اس کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کریگا۔(ترمذی)

۲۱۳۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: مَن تعلَّم علمًا ممّا يُبتغى به وجهُ الله لا يتعلّمُه إلّا لِيُصيبَ به عَرَضًا مِن الدنيا لم يَجِدْ عَرفَ الجنّةِ يومَ القيامةِ يعني رِيحَها.[أحمد،أبوداود،ابن ماجة]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اُس علم کو جس سے اللہ کی رضا طلب کی جاتی ہے،صرف اس غرض سے سیکھا کہ اس کے ذریعہ سے دنیا کی متاع حاصل کرے وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)

تشریح: قوله: لم يجد عرف الجنة يوم القيامة: یعنی علم دین کو حصولِ دنیا کے لیے طلب کرنے والا شخص جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔جنت کی خوشبو نہ پانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص ابتداءً دخولِ جنت سے محروم کر دیا جائے گا پھر سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے معتزلہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب دائمی جہنمی ہے۔اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں مثلاً: یہ حدیث مستحل پر محمول ہے جو دنیا کے لئے علمِ دین کی طلب کو حلال سمجھے یا یہ حدیث زجر و توبیخ پر محمول ہے۔

علومِ حدیث کی خدمت کرنے والوں کے لیے دعا:

۲۱۴۔وعن ابن مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ: نضّر اللهُ عبدًاسمِعَ مقالتي فحفِظها ووَعاها وأدّاها فرُبَّ حاملِ فقهٍ غيرِ فقيهٍ ورُبَّ حاملِ فقهٍ الىٰ مَن هو أفقهُ منه ،ثلاثٌ لايُغِلّ عليهنّ قلبُ مسلم:إخلاصُ العملِ للهِ والنّصيحةُ للمُسلمينَ ولزومُ جماعتِهم ،فاِنّ دعوتَهم تُحيطُ مِن ورائِهم .[الشافعي ،البيهقي في المدخل]ورواه أحمد والترمذي وأبو داؤد وابن ماجة والدرمي عن زيد بن ثابتؓ الّا أنّ الترمذي وأباداؤدَ لم يذكرا"ثلثٌ لايغلُّ "الىٰ آخره.

ترجمہ:حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تر و تازہ رکھے اس بندے کو جس نے میری بات سنی اور اسے یاد کرلیا اور ہمیشہ یاد رکھا اور (دوسروں تک) پہنچایا کیونکہ بعض حاملِ فقہ (یعنی حاملِ حدیث) فقیہ (سمجھ دار) نہیں ہوتے اور بعض حاملِ فقہ اُن لوگوں تک (حدیث کو) پہنچا دیتے ہیں جو اُن سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں۔تین (چیزیں) ایسی ہیں کہ مسلمان کا دل اس میں خیانت نہیں کرسکتا:عمل کا خاص اللہ کے لیے کرنا اور مسلمانوں کی خیرخواہی چاہنا اور ان کی جماعت کو لازم پکڑنا اس لیے کہ جماعت کی دعا اُن کو پیچھے سے (یعنی چاروں طرف سے) گھیرے میں لیے ہوتی ہے۔(شافعی،بیہقی،احمد،ترمذی)

تشریح: قوله: نضرالله عبدا.... :۔[نضر] تخفیف اور تشدید دونوں طرح سے منقول ہے اور نضارۃٌ بمعنی نعمت و رونق سے مشتق ہے۔بعض علماء کے ہاں اس سے چہرے کی ظاہری رونق اور ترو تازگی مراد ہے اور بعض کے ہاں لوگوں میں قدر و منزلت کے لحاظ سے برتری

مراد ہے۔پھر اکثر شارحین کے ہاں یہ جملہ دعائیہ ہے جس سے آپ ﷺ حفاظتِ حدیث اور تبلیغ حدیث کی ترغیب دے رہے ہیں اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ جملہ خبریہ ہے جس میں آپ ﷺ علومِ حدیث کی خدمت میں مشغول حضرات کے بارے میں رونق وتر وتازگی کی خبر دے رہے ہیں۔

قولہ: فحفظها وَوَعاها وَأدّاها فرُبّ حاملِ فقهٍ غير فقيهٍ .... :۔اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کو یادرکھنے والے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو زیادہ سمجھدار نہیں ہوتے اور حدیث سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتے لیکن جن کے سامنے وہ حدیث بیان کرتے ہیں وہ اُن سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں اور حدیث سے مسائل کا استنباط بھی کر سکتے ہیں پس چاہیے کہ حدیث جیسے سنی جائے ویسے ہی آگے پہنچائی جائے تا کہ اس کا فائدہ عام وتام ہو جائے۔

مصابیح کی روایت میں یہاں ''وأدّاها كماسمِعَها'' کے الفاظ وارد ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ بلا کم وکاست حدیث کو بیان کرے نہ لفظ بدلے اور نہ معنیٰ یعنی حدیث کو علی وجہ الکمال نقل کرے، لیکن اگر الفاظ یاد نہیں اور معانی خوب یاد ہے تو عند الجمہور مطلقاً روایت بالمعنیٰ بھی جائز ہے کیونکہ روایات میں اصل اعتبار معانی اصلیہ کا ہے نہ کہ محسنات لفظیہ کا کہ اس کی حیثیت ثانوی ہے۔

مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا...

قولہ: ثلاثٌ لا يغُلّ عليهِنّ قلبُ مسلمٍ:۔ ''لا يغلّ'' یا تو باب ضرب کے مصدر ''غِلٌّ'' سے مشتق ہے بمعنیٰ کینہ والا ہونا اور یا باب افعال کے مصدر ''إغلالٌ'' سے مشتق ہے بمعنیٰ خیانت کرنا۔پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان تین چیزوں کے بارے میں مسلمان کے دل میں ایسا کینہ نہیں ہوتا جو اس کو حق سے پھیر دے۔اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان ان تین چیزوں کے بارے میں خیانت نہیں کرتا۔خلاصہ یہ ہوا کہ مؤمن میں یہ تین باتیں ضرور پائی جاتی ہیں جس کی برکت سے اس کے دل میں کینہ اور خیانت کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔

قولہ: إخلاصُ العملِ لله... :۔''اخلاص'' کے دو مراتب ہیں:

(ا) عوام کے اخلاص کا مرتبہ: جو یہ ہے کہ خالص اللہ کی رضامندی کی خاطر عمل کیا جائے کوئی دنیاوی غرض مدِّ نظر نہ ہو۔

(۲) خواص کے اخلاص کا مرتبہ: جو یہ ہے کہ محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر عمل کیا اور پیشِ نظر مولائے کریم کی رضا ہو نہ کوئی دنیوی غرض مقصود ہو اور نہ کوئی اُخروی منفعت۔

قولہ: والنصيحةُ للمسلمين.....: ۔''نصیحت'' کے معنیٰ خیر خواہی ووفاداری کے ہیں اور نصیحۃ للمسلمین یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی رکھی جائے، اِن کے عیوب کی پردہ پوشی کی جائے، خیر خواہی میں اُن کو اپنے نفس کے برابر سمجھا جائے اور دین کی تعلیم دے کر دینی و دنیوی مصالح کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے۔قرآن کریم میں نصح وخیر خواہی کو انبیاء علیہم اسلام کی دعوت کا اہم جز قرار دیا گیا ہے۔

قولہ: و لزومُ جماعتهم فانّ دعوتهم تُحيطُ من ورائهم :۔یعنی عقائد اور اجتماعی طور پر ادا کئے جانے والے اعمال صالحہ میں مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنا چاہئے، کیونکہ ان کی دعا قبول ہوتی ہے جو ان کو شیطان مردود کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہوتی ہے۔''من ورائهم'' میں ''مِن'' حرف جر اور ''مَن'' موصولہ دونوں طرح منقول ہے۔(مرآۃ نفحات)

۲۱۵۔وعن ابن مسعودؓ قال سمعتُ رسول الله ﷺ يقولُ: نضّرَ اللهُ امْرءً سمِعَ منّا شيئًا فبلّغَه كماسمِعَه فرُبّ مُبلّغٍ أوعى

له مِن سامعٍ.[ترمذی ،ابن ماجة ورواه الدارمی عن أبی الدرداء]

ترجمہ:حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تازہ رکھے (یعنی خوش اور معزز رکھے) اس شخص کو جس نے مجھ سے کوئی بات سنی اور اس کو آگے پہنچایا جیسا کہ اس کو سنا تھا کیونکہ بعض وہ لوگ جنہیں پہنچایا جاتا ہے وہ اُس بات کو زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں سننے والے سے۔(ترمذی،ابن ماجہ)

۲۱۶۔وعن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: اتّقوا الحديثَ عنّی إلا ما علِمتُم فمَن كذبَ علیَّ مُتعمّدًا فليتبوّأ مقعدَه مِن النّار.[ترمذی] ورواه ابن ماجة عن ابن مسعود و جابرولم يذكرا:"اِتّقوا الحديثَ عنّی الاّ ماعلمتُم".

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری جانب سے حدیث بیان کرنے سے ڈرو،مگر اس حدیث کو بیان کرسکتے ہو جس کا (حدیث ہونا) تمہیں معلوم ہو۔جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

تفسیر بالرائے پر وعید:

۲۱۷۔وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: من قال فی القرآنِ برأيِه فليتبوّأ مقعدَه من النّار .وفی روايةٍ:"من قال فی القرآن بغير علمٍ فليتبوّأُ مقعدَه من النّارِ."[ترمذی]

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے قرآن (کی تفسیر کے بارے) میں اپنی عقل سے کچھ کہا بس چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:''جس نے قرآن میں بغیر علم کے کچھ کہا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔(ترمذی)

تشریح: قوله: من قال فی القران برأيه... :۔قرآنِ پاک کی تفسیر کے سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی ایسی بات کہنا یا کسی ایسی رائے کا اظہار کرنا جس کی بنیاد حدیث نبوی،صحابہ وتابعین کے افعال واقوال اور ائمہ مفسرین کی نقل پر نہ ہو اور نہ ہی وہ رائے عربی کے مشہور قواعد کے موافق ہو اور نہ ہی سیاق وسباق کے موافق ہو،یہ تفسیر بالرائے کہلاتا ہے جو حرام ہے۔

تفسیر بالرائے اگر صحیح بھی ہو پھر بھی مذموم ہے:

۲۱۸۔عن جندبؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من قال فی القرآنِ برأيه فأصابَ فقد أخطأ.[ترمذی ،أبوداؤد]

ترجمہ:حضرت جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے قرآن (کی تفسیر) میں اپنی رائے (عقل) سے کچھ کہا اور درست کہا پھر بھی اس نے خطا (غلطی) کی۔(ترمذی،ابوداؤد)

تشریح: قوله: من قال فی القرآن برأيه فأصاب. فقد أخطأ:۔یعنی اگر تفسیر بالرائے کرنے والا اتفاقاً حق ودرستی کو پہنچ گیا تو بھی خطا کار کا حکم رکھتا ہے کیونکہ تفسیرِ قرآن کے سلسلہ میں اس کا یہ طریقہ شرع شریف کے خلاف ہے نیز اس کی یہ آزادی آئندہ کے لئے خطا کا احتمال رکھتی ہے،اس لئے باوجود مصیب ہونے کے وہ خطا کار کا حکم رکھتا ہے برخلاف مجتہد کے جو باوجود خطائے واقعی کے شرعاً مستحقِ ثواب ہے کیونکہ اس کا طریق کار شرع کے موافق ہے۔

قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے:

۲۱۹۔عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: المِراءُ فی القرأن کفرٌ .[أحمد ،أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔(احمد،ابوداؤد)

۲۲۰۔عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جدّہٖ قال: سمِع النبیّ ﷺ قومًا یتدارءُ ون فی القرأنِ فقال: اِنّماھلکَ مَن کان قبلَکُم بھذا،ضربُوا کتابَ اللہِ بعضَه ببعضٍ واِنّمانزلَ کتابُ اللہِ یُصدّقُ بعضُه بعضًافلاتُکذّبُوابعضَه ببعضٍ فماعلِمتُم منه فقُولوا وماجَھِلتُم فکِلُوہ الیٰ عالمِه.[أحمد ،ابن ماجة]

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے باپ (شعیب) سے وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمروؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ قرآن میں باہم جھگڑا (مباحثہ) کر رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اسی (جھگڑے کے) سبب سے ہلاک ہوئے، انہوں نے کتاب اللہ کے بعض حصہ کو بعض پر دے مارا (آیات میں باہم تضاد اور اختلاف ثابت کیا) حالانکہ اللہ کی (طرف سے) نازل شدہ کتاب الٰہی کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے لہذا تم اس کے بعض حصہ کو اس کے بعض سے نہ جھٹلاؤ، پس جو تمہیں اس (کتاب اللہ) میں سے معلوم ہو اس کو بیان کرو اور جس کا علم نہ ہو تو اس کو جاننے والوں کے سپرد کرو۔(احمد،ابن ماجہ)

آیاتِ متعارضہ کی تفسیر کا طریقہ:

تشریح: قوله: یتدارؤن فی القران.... قوله : ضربوا کتاب الله بعضه ببعضٍ... :۔حدیثِ عمرو بن شعیب کے ان دو جملوں اور ماقبل میں مذکور حدیثِ ابوہریرہؓ: "المراء فی القرآن کفر" کا مطلب قاضی بیضاویؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ میں اگر تکذیب کے ارادہ سے باہمی تعارض وتضاد پیدا کیا جائے تو اس کا باعثِ کفر و باعثِ ہلاکت ہونا واضح ہے۔صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن آیات میں بظاہر تعارض ہو اُن میں حتی الامکان تطبیق دینے کی کوشش کی جائے اور اگر کوئی تطبیق نہ دی جاسکے تو اس کو اپنی کم فہمی و کم علمی کا قصور سمجھا جائے۔رئیس المفسرین حضرت ابن عباسؓ سے یہی طریقہ آیاتِ متعارضہ کی تفسیر کے متعلق منقول ہے۔

قرآن کے سات حروف پر نازل ہونے کی بحث:

۲۲۱۔وعن ابن مسعودؓ قال: قال رسول اللهﷺ: اُنزِل القرأنُ علیٰ سبعةِ أحرفٍ لکلِّ آیةٍ منھاظھرٌ وبطنٌ ولکُلِّ حدٍّ مُطّلعٌ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن سات طرح پر نازل کیا گیا اُن میں سے ہر آیت کا ظاہر اور باطن ہے اور ہر حد کے واسطے آگاہ ہونے کی جگہ ہے۔(شرح السنة)

قوله: اُنزل القران علیٰ سبعة أحرفٍ ....:۔یہ حدیث متواترات میں سے ہے۔سبعةُ أحرف کی شرح میں علامہ سیوطیؒ نے چالیس علامہ ابن عربیؒ نے پینتیس اور علامہ آلوسیؒ نے سات اقوال نقل کئے ہیں، ان میں چند اقوال درج ذیل ہیں:

(۱) یہ حدیث غیر معلوم المعنیٰ ہے اور متشابہات میں سے ہے۔

(۲) سبعۃ احرف سے مراد معانی سبعہ (یعنی سات قسم کے مضامین) ہیں جو (یا تو یہ ہیں) امر، نہی، قصص، اَمثال، وعد، وعید اور وعظ۔(یا یہ

ہیں) عقائد، اَحکام، قصص، اَمثال، اخلاق، وعد، وعید۔

(۳) بعض حضرات سبعۃ احرف سے عرب کے سات فصیح ترین قبائل کی سات لغات مراد لیتے ہیں اور اسی کو راجح قرار دیتے ہیں۔ یہ سات قبیلے یہ ہیں: (۱) قریش (۲) ہذیل (۳) تیم الرُّباب (۴) اَزد (۵) ربیعہ (۶) ہوازن (۷) سعد بن بکر۔

اس قول کے پیشِ نظر ابتدا میں سات لغات پر پڑھنے کے جواز میں حکمت یہ تھی کہ یہ تمام قبیلے کلامِ الٰہی کی برکت سے بہرہ یاب ہوں اور اُن کو اپنی لغتِ خاصہ کی محرومی کا افسوس بھی نہ ہو اور لسانی تعصب کا اندیشہ بھی نہ رہے۔ بعد میں یعنی خلافتِ عثمانؓ میں صرف لغتِ قریش پر اکتفا کرنے میں حکمت یہ تھی کہ عہدِ عثمانی میں فتوحات کی کثرت کی بنا پر جب دائرہ اسلام وسیع ہو گیا اور قبائلی خصوصیات ختم ہو گئی اور تمام قبائل وحدتِ اسلامی کے رنگ میں رنگ گئے تو لغاتِ سبعہ کی ضرورت باقی نہ رہی، لہذا لغتِ قریش پر اکتفا کیا گیا۔ لغت قریش پر اکتفا اجماع صحابہ یا امر نبوی سے تھا یا انتہائے حکم بانتہائے علت کے قبیل سے تھا جیسے مؤلفۃ القلوب کو عہدِ نبوی میں زکوٰۃ دی جاتی تھی لیکن عہدِ فاروقی میں اسلام کو شان و شوکت حاصل ہونے کی وجہ سے اِن کو زکوٰۃ دینے کی علت باقی نہ رہی لہٰذا ان کو زکوٰۃ دینا بھی بند کر دیا گیا۔

(۴) سبعۃ احرف کی مراد کے حوالہ سے چوتھا قول امام مالکؒ، ابن قتیبہؒ، ابو الفضل رازیؒ، محقق ابن الجزریؒ، قاضی باقلانیؒ اور علامہ محدث انور شاہ کشمیریؒ وغیرہ حضرات کا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک ''سبعۃ احرف'' سے مراد اختلافِ قراءات کی سات نوعیتیں ہیں۔ چنانچہ قراءتیں تو اگرچہ سات سے زیادہ ہیں لیکن ان میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ سات اقسام میں منحصر ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) مفرد اور جمع کا اختلاف کہ ایک قراءت میں لفظ مفرد آیا ہو اور دوسری میں صیغہ جمع کے ساتھ ہو مثلاً: ''وتَمّتْ كلِمةُ ربّكَ'' اور ''وتمّتْ كلماتُ ربّكَ''۔ (۲) تذکیر و تانیث میں اختلاف جیسے: ''لا يُقْبَلُ'' اور ''لا تُقْبَلُ''۔

(۳) اعراب میں اختلاف ہو کہ زیر، زبر وغیرہ بدل جائیں مثلاً: ''هل من خالقٍ غيرِ الله'' اور ''غيرَ الله''۔

(۴) صرفی ہیئت میں اختلاف ہو جیسے: ''يَعرِشُونَ'' اور ''يُعرِشُون''۔

(۵) حرفوں کا ایسا اختلاف جس سے الفاظ بدل جائیں جیسے: ''تعلمون'' اور ''يعلمون'' اسی طرح ''نُنشِزُها'' اور ''نَنشُرُها''۔

(۶) حروفِ نحویہ کا اختلاف ہو جیسے: ''لكنَّ الشيطينَ'' اور ''لكنِ الشيطين''۔

(۷) لہجوں میں اختلاف ہو جیسے تخفیف، تفخیم، اِمالہ، مدّ، قصر، اِظہار، اِدغام وغیرہ۔

فنِ قرآت کے مشہور امام محقق ابن الجزری اس (ساتویں) قول کے نقل کرنے سے پہلے اس کی تائید کے طور پر فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کے بارے میں اشکالات میں مبتلا رہا اور اس پر تیس سال سے زیادہ عرصہ تک غور و فکر کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کی ایسی شرح کھول دی جو انشاء اللہ صحیح ہوگی۔

قوله: لكل آيةٍ منها ظهرٌ و بطنٌ... :۔ ''منها'' کی ضمیر ''سبعۃ احرف'' کی طرف راجع ہے ''ظهر و بطن'' کی تشریح میں مختلف اقوال منقول ہیں جن میں راجح تر یہ ہے کہ ''ظہر'' سے مراد ظاہری احکام و معانی ہیں اور ''بطن'' سے مراد باطنی اسرار و دقائق ہیں۔

قوله: ولكل حدٍ مُطّلَعٌ... :۔ [حدٌ] کا معنیٰ ''منع کرنے'' کے آتے ہیں چنانچہ احکامِ شریعت کو اسی لئے ''حدود اللہ'' کہا جاتا ہے کہ ان میں ''روکنے'' کے معنیٰ پائے جاتے ہیں یہاں عبارت میں اختصار ہے، تقدیری عبارت یوں ہوگی:

قولـه:ولكلٍّ من الظهر والبطن حدٌّ ولكلّ حدٍّ مطّلَعٌ ...:۔ "مُطَّلَعٌ" بلند مقام سے اطلاع حاصل کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ قران میں شریعت کا ہر حکم اطلاع حاصل کرنے کی جگہ ہے جس کے ساتھ توفیق الٰہی شامل حال ہوتی ہے وہ اس جگہ سے حکمِ شرعی کی اطلاع حاصل کر لیتا ہے۔اس حدیث میں قرآن کریم کے علوم کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔(از نفحات)

علم تین ہیں:

۲۲۲۔وعن عبدالله بن عمروؓ قال: قال رسول اللهﷺ :العلم ثلاثةآيةٌ محكمةٌأو سنةٌ قائمةٌ أو فريضةٌ عادلةٌوماسِوٰى ذلك فهوفضلٌ.[أبو داؤد،ابن ماجة]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ (اصل) علم تین ہیں: آیتِ محکمہ،سنت قائمہ،فریضہ عادلہ۔اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زائد ہے۔(ابوداؤد،ابن ماجہ)

فقہ کے ادلّہ اربعہ کا ثبوت:

تشریح: قوله: العلم ثلاثة آية محكمة أو سنّة قائمة أو فريضة عادلة ...:۔[العلم] میں الف لام "عہدی" ہے اور "علم" سے مرادِ علمِ شریعت ہے۔اس حدیث میں آنحضرتﷺ نے علم شریعت کو درجہ ذیل تین اقسام میں منحصر فرمایا ہے:

(۱) آية محكمة: اس سے کتاب اللہ کی طرف اشارہ ہے پھر چونکہ آیات محکمات ہی "امّ الکتاب اور اصل الکتاب" ہیں جو تمام تر تعلیماتِ شریعت کی جڑ ہیں اور متشابہات بھی انہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں اس لئے بطور خاص "آية محكمة" کو ذکر فرمایا۔بقولِ علامہ طیبیؒ: "آية محكمة" میں کتاب اللہ کے علم کے ساتھ ساتھ اُن تمام علوم کی طرف بھی اشارہ ہے جو کتاب اللہ کے علم وفہم کے لئے موقوف علیہ کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً:علوم عربیت وغیرہ۔

(۲) سنة قائمة : اس سے سنتِ رسولﷺ کا علم مراد ہے اور "قائمة" سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ وہ سنت صحیح بھی ہو اور سنداً محفوظ بھی ہو۔اس میں بھی وہ تمام علوم آجاتے ہیں جو علمِ حدیث کے لئے مبادی ومقدمات اور موقوف علیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۳) فريضة عادلة:[عادلة: عدل" بمعنیٰ برابری سے ماخوذ ہے۔اس سے اجماع اور قیاس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ قرآن وسنت سے ماخوذ ہونے کی وجہ سے عمل کرنے میں قرآن وسنت کے برابر ہیں۔"فريضة" میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ قیاس واجماع دونوں پر عمل کرنا واجب اور فرض ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ احکام دینیہ کے اثبات کے ادلۂ چار ہیں چنانچہ قرآن کریم میں بھی ادلۂ اربعہ کا ذکر موجود ہے،ارشاد باری تعالیٰ ہے:"يا يهأ الذين امنوا أطيعوا اللهَ و أطيعوا الرسولَ و أُولي الأمرِمنكم فإن تنازعتم في شيئٍ فرُدُّوه إلى اللهِ والرسولِ إن كُنتم تؤمنون بالله واليومِ الآخر ..." (النساء:۵۹)اس آیت میں "أطيعو الله" میں کتاب اللہ کی اتباع کی طرف اشارہ ہے جو اصولِ دین میں اصلِ اول ہے۔اور "أطيعو الرسول" میں سنتِ رسول کی اتباع کی طرف اشارہ ہے جو اصلِ ثانی ہے۔"اولی الامر کی اطاعت" سے اجماع علماء کی طرف اشارہ ہے جو دین کی اصل ثالث ہے۔رسول اللہﷺ کے بعد قطعی طور پر جس چیز کا اتباع واجب ہے وہ اجماع علماء ہے

،علماء اگرچہ فرداً فرداً معصوم عن الخطا نہیں لیکن علمائے مستنبطین کا اجماع معصوم عن الخطا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "لن تجتمع أمتي علىٰ ضلالة فعليكم بالجماعة فإنّ يدالله على الجماعة" یعنی میری امت ہرگز گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی لہذا جماعت کو لازم رکھو کیونکہ اللہ کی خصوصی مدد جماعت کے ساتھ ہے۔ اس لئے آیت میں اولی الامر (بصیغہ جمع) کے اجماع کی اطاعت کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ ملا کر ایک ہی "أطيعوا" کے تحت لایا گیا۔

پھر "فإن تنازعتم في شئ فردُّوه إلى الله والرسول" میں اصلِ رابع "قیاس" کی طرف اشارہ ہے۔اس کی وضاحت یہ ہے کہ آیت میں نزاع سے مراد غیر منصوص احکام میں نزاع ہے،اس نزاع کو ختم کرنے کے لیے قرآن یہ نصیحت کر رہا ہے کہ اس کو اللہ اور رسول یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول کی طرف راجع کرو اور اس جیسے دوسرے واقعات کا جو حکم کتاب وسنت میں ملے وہ مماثلت کی بنا پر اس غیر منصوص کے لیے بھی ثابت کردو، یہی قیاس ہے جو علمائے مجتہدین کا کام ہے باقی لوگوں پر اِن کی تقلید واتباع واجب ہے۔

قوله: وما سوىٰ ذلك فهو فضل: مطلب یہ ہے کہ ان علومِ ثلاثہ اور ان کے مبادیات ومقدمات کے علاوہ جو علوم ہیں وہ زائد اور غیر ضروری ہیں جن کا علمِ شرعی سے کوئی واسطہ نہیں۔(نفحات)

وعظ تین قسم کے آدمی کہتے ہیں:

٢٢٣ـ وعن عوف بن مالكٍ الأشجعي قال: قال رسول الله ﷺ: لا يقصّ إلاّ أميرٌ أو مأمورٌ أوُ مُختالٌ. [أبوداؤد] ورواه الدرمي عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه وفي روايته :"أو مُراءٍ" بدل"أو مُختال".

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قصہ (وعظ ونصیحت) بیان نہیں کرتے مگر (تین شخص): حاکم یا محکوم یا متکبر۔اور دارمی میں عمرو بن شعیب کی سند سے اس روایت میں "أو مختال" کی بجائے "أو مُراءٍ" (ریاکار) کا ذکر ہے۔

بغیر علم کے فتویٰ دینے کا وبال:

٢٢٤ـ وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من أُفتِيَ بغيرِ علمٍ كان إثمه علىٰ من أفتاه ومن أشارَ علىٰ أخيه بأمرٍ يعلمُ أنّ الرُّشدَ في غيرِهِ فقدْ خانَه .[أبوداؤد]

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو بغیر علم کے (غلط) فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ اُس شخص پر ہوگا جس نے فتویٰ دیا ہے اور جس نے اپنے بھائی کو کسی کام کا مشورہ دیا اور اس کو معلوم ہو کہ بھلائی اس کے علاوہ میں ہے تو اس نے خیانت کی۔(ابوداود)

معمہ اور پہیلی کا حکم:

٢٢٥ـ وعن معاويةؓ قال: انّ النبيَّ ﷺ نهى عن الأغلوطاتِ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مغالطہ میں ڈالنے والی باتوں سے منع فرمایا۔(ابوداود)

تشریح: "الأغلوطات" اغلوطۃ کی جمع ہے جو ایسے مشکل اور پیچیدہ سوال کو کہتے ہیں جس سے کسی کو دھوکہ اور مغالطہ میں ڈالا جائے یا اس کو لاجواب کر کے ذلیل کیا جائے یا پھر اپنی لیاقت کا اظہار کیا جائے،اس کو معمہ اور پہیلی بھی کہتے ہیں۔یہ ابتداءً حرام ہے کہ اس میں درجہ بالا

مفاسد ہیں اور جوابًا جائز ہے جیسا کہ اس ارشادِ باری تعالیٰ میں: ''وجزاءُ سیئةٍ سیئةٌ مثلُها'' ترجمہ: اور برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہی ہے۔

البتہ اگر معلم طلبہ کی ذہنی صلاحیتیں پرکھنے یا تیز کرنے کی خاطر سوال کرے تو یہ جائز اور سنت سے ثابت ہے مثلاً: آپ ﷺ نے ایک دفعہ صحابہؓ سے بطورِ امتحان فرمایا: ''إنّ من الشجر شجرةٌ لا یسقطُ ورقُها وإنّها مثلُ المسلم حدّثُونی ماهی؟'' [ترجمہ:] ''ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے گرتے نہیں اور وہ مسلمان کی مثال ہے، بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟۔ (فحات، مرآۃ)

فرائض کے سیکھنے کا حکم:

۲۲۶۔وعن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: تَعلّمُو االفرائضَ والقرآنَ وعلّمُوا النّاسَ فإنّی مقبوضٌ.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرائض اور قرآن (کا علم) سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ کیونکہ میں قبض کیا جانے والا (فوت ہونے والا آدمی) ہوں۔ (ترمذی)

تشریح: قوله: تعلّموا الفرائضَ والقرآن.....: بعض علماء کے ہاں فرائض سے مراد علمِ میراث ہے، لیکن راجح یہ ہے کہ اس سے مراد وہ تمام دینی احکام ہیں جن کی معرفت لوگوں پر واجب ہے اور قرآن کے مقابل ذکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرائض وہ ہیں جو ثابت بالسنۃ ہیں اس صورت میں قرآن وسنت دونوں کے سیکھنے کی طرف اشارہ ہوگا، کیونکہ یہی دو چیزیں آپ ﷺ کی وفات سے منقطع ہونے والی ہیں لہذا انہی کے تعلیم وتعلّم کی وصیت فرمائی۔ (فحات ومرآۃ)

۲۲۷۔وعن أبی الدرداءؓ قال: کنّا مع رسول الله ﷺ فشخصَ ببصره إلی السماءِ ثمّ قال: هذا أَوَانُ یُختلَسُ فیه علمٌ مِن النّاس حتیّٰ لایقدِروامنه علیٰ شئٌ.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی پھر فرمایا کہ یہ وقت ہے کہ علم لوگوں سے جاتا رہے گا یہاں تک کہ وہ علم میں سے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھیں گے۔ (ترمذی)

آپ ﷺ کی ایک پیشن گوئی:

۲۲۸۔عن أبی هریرةؓ روایةً یوشكُ أن یضربَ النّاسُ أکبادَ الإبلِ یطلُبونَ العلمَ فلایَجِدُونَ أحدًا أعلمَ من عالمِ المدینة. [رواه الترمذیُّ فی جامعِه]قال ابن عُیینة:إنّه مالكُ بن أنسٌ ؛ومثلُه عن عبدالرزّاق ،قال اسحٰق بن موسٰی :سمعتُ ابن عُیینةأنّه قال: هو العُمریُّ الزاهدُ واسمُه عبدالعزیز بنُ عبدِالله.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایۃً منقول ہے کہ قریب ہے کہ لوگ علم حاصل کرنے کے لیے اونٹوں کے جگر کو ماریں گے پس وہ مدینہ کے عالم سے بڑا عالم کسی کو نہیں پائیں گے (ترمذی) اور جامع ترمذی میں ہے کہ ابن عُیینہ کہتے ہیں کہ عالم مدینہ سے مراد ''حضرت مالک بن انسؓ'' ہیں اور عبدالرزاق سے بھی یہی مروی ہے۔ اور اسحٰق بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عیینہ کو سنا کہ اس سے مراد ''عمری زاہد'' ہیں جن کا نام ''عبدالعزیز بن عبداللہ'' ہے۔

تشریح: ''روایةً'' یہ کنایہ ہے اس حدیث کے مرفوع ہونے سے۔ ''أکباد الابل'' یہ کنایہ ہے سواریوں کو تیز دوڑانے سے، اکباد، کبدٌ کی

جمع ہے، جگر کو کہتے ہیں۔

قوله: فلا يجدون أحداً أعلمَ من عالم المدينة....:۔ بقولِ صاحب مشکوٰۃ اس سے مراد یا ''امام مالکؒ'' ہیں یا ''عبدالعزیز العمری الزاهدؒ'' ہیں جبکہ بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد ''عمر بن عبدالعزیزؒ'' ہیں یا ''حضرت مہدیؑ'' ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر سو سال پر مجدد بھیجتے ہیں:

۲۲۹۔وعنه فيما أعلمُ عن رسول اللهﷺ قال: إنّ الله عزّ وجلّ يَبعَثُ لهذه الأمةِ على رأسِ كلِّ مائةٍ مَن يُجَدِّدُ لها دينَها.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو مجھے رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے واسطے ہر سو سال پر ایسا آدمی بھیجتا ہے جو اس (امت) کے لیے دین کو تازہ کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث میں ''مجدد'' کا ذکر ہے۔ ''مجدّد'' وہ ہوتا ہے جو دین کے ظاہری اور باطنی علوم کا عالم باعمل ہو، سنت کو رواج دینے والا اور بدعت کو مٹانے والا ہو اور اس کے زمانے کے علماء و اہل اللہ اُس کے احوال کے قرینے سے درجہ ظن میں اس کی تعیین فرمادیں۔ مجدد ایک شخص بھی ہوسکتا ہے اور پوری جماعت بھی۔ اس کی تجدید دین کے ایک شعبے میں بھی ہوسکتی ہے اور تمام میں بھی۔ نیز ایک زمانہ میں مختلف ممالک میں مختلف مجدد بھی ہوسکتے ہیں۔

علمِ دین کی حفاظت کا وعدہ:

۲۳۰۔وعن إبراهيم بن عبد الرحمٰن العذري قال: قال رسول اللهﷺ: يحملُ هذا العلمَ مِن كُلِّ خَلَفٍ عُدولُه ينفُونَ عنه تحريفَ الغالِينَ وانتحالَ المُبطِلِينَ وتأويلَ الجاهلينَ. [بيهقي في كتابه المدخل] وسنذكرُ حديثَ جابر: "فإنّماشفاءُ العِيِّ السوالُ" في [باب التيمم] ان شاء الله تعالىٰ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن عذریؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس علم (قرآن وحدیث) کو ہر آئندہ آنے والی جماعت میں سے نیک (ثقہ اور معتمد) لوگ حاصل کریں گے جو اس علم سے حد سے گزرنے والوں کی تحریف کو اور باطل پرستوں کے جھوٹ کو اور جاہلوں کی تاویلوں کو دور کریں گے۔ (بیہقی فی کتابہ المدخل)

تشریح: قوله: يحمل هذا العلم من كل خلفٍ عدوله....:۔ [عدول] عادل کی جمع ہے، اس ارشاد میں باعمل علماء کو عدول قرار دیا جارہا ہے جو بڑا شرف ہے کیونکہ عدول ہونا صحابہ کا وصف ہے جیسا کہ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے ''الصحابة كلهم عدول''۔

قوله: وانتحال المبطلين...:۔ پرائے شعر کو اپنی طرف منسوب کرنا انتحال کہلاتا ہے، یہاں جھوٹ بولنا مراد ہے۔

''الفصل الثالث''

علمِ دین حاصل کرنے کی زبردست فضیلتیں:

۲۳۱۔عن الحسنِ مرسلاًقال: قال رسول اللهﷺ: من جاء ه الموتُ وهو يطلبُ العلمَ لِيُحيِيَ به الاسلامَ فبينه وبين النبيِّينَ

درجةٌ واحدةٌ في الجنّة.[دارمی]

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اس حال میں موت آئی کہ وہ (اس غرض سے) علم حاصل کر رہا ہوتا کہ اسلام کو زندہ (رائج) کرے تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ (دارمی)

۲۳۲۔وعنه مرسلاً قال: سئِل رسول الله ﷺ عن رجلين كانا في بني إسرائيل أحدُهما كانَ عالمًا يُصلّي المكتوبةَ ثمّ يجلِسُ فيُعلِّمُ النّاسَ الخيرَ والآخرُ يصومُ النّهارَ ويقومُ الليلَ أيّهُما أفضلُ؟قال رسولُ الله ﷺ:فضلُ هذا العالِمِ الذي يُصلّي المكتوبةَ ثمّ يجلسُ فيُعلّمُ النّاسَ الخيرَ على العابدِ الّذي يصومُ النّهارَ ويقومُ الليلَ كفضلي على أدناكُم.[دارمی]

ترجمہ: حضرت حسنؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کے بارے میں پوچھا گیا جن میں سے ایک تو عالم تھا جو فرض نماز پڑھتا پھر بیٹھ کر لوگوں کو بھلائی (علم) سکھاتا اور دوسرا شخص وہ تھا جو دن کو روزہ رکھتا اور (ساری) رات عبادت کرتا تھا۔ (پوچھا گیا) کہ ان دونوں میں کون افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس عالم کو جو فرض پڑھ کر لوگوں کو علم سکھانے بیٹھ جاتا ہے اُس عابد پر جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات میں عبادت کرتا ہے ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے تم میں سے ادنیٰ آدمی پر فضیلت حاصل ہے۔ (دارمی)

۲۳۳۔عن عليؓ قال: قال رسول الله ﷺ: نِعْمَ الرجلُ الفقيهُ في الدين إن احتيج إليه نفعَ وإن استُغْنِيَ عنه أغنى نفسَه.

ترجمہ: حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہترین آدمی وہ ہے جو دین کی سمجھ رکھتا ہوا گر اس کی طرف محتاج ہوا جائے تو نفع پہنچائے اور اگر اس سے بے پروائی برتی جائے تو وہ اپنے آپ کو بے پرواہ کر لیتا ہے۔ (رزین)

وعظ ونصیحت کہنے کے آداب:

۲۳۴۔عن عكرمة أنّ ابنَ عباسٍؓ قال: حدِّثِ النّاسَ كلَّ جمعةٍ مرّةً ،فإن أبيتَ فمرّتين فإن أكثرتَ فثلاثَ مرّاتٍ ولاتُمِلّ النّاسَ هذا القرآنَ ولاأُلفِيَنّكَ تاتي القومَ وهم في حديثٍ مِن حديثِهم فتقُصُّ عليهم فتقطعُ عليهم حديثَهُم فتُمِلّهم ولكنْ انصِتْ فاذاأمَرُوك فحدّثْهُم وهم يشتهُونَه وأنظِرِ السجعَ مِن الدُّعافاجتنِبْه فإنّي عهِدتُّ رسولَ الله ﷺ وأصحابَه لايفعلون ذلك .[بخاری]

ترجمہ: عکرمہ راوی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم ہر جمعہ لوگوں کے سامنے ایک مرتبہ حدیث بیان کرو اگر اس سے انکار ہو (یعنی ایک مرتبہ کو آپ کافی نہ سمجھے) تو دو مرتبہ، اگر زیادہ کرنا چاہو تو تین مرتبہ اور لوگوں کو تنگ نہ کر اس قرآن سے اور میں تمہیں نہ پاؤں کہ تو لوگوں کے پاس آئے اور وہ اپنی باتوں میں مشغول ہو اور تو ان کو وعظ ونصیحت کہنا شروع کر دے اور ان کی باتوں کو منقطع کر دے (اس طرح) تو ان کو تنگ کر دے گا، لیکن (ایسے موقع پر) خاموش رہ، پس جب وہ خود فرمائش کریں تو ان کے سامنے حدیث بیان کر جب تک کہ وہ خواہش مند ہوں اور دعا میں مقفیٰ کلام سے صرف نظر کرو اور اس سے بچو، چنانچہ مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور اُن کے صحابہ ایسا نہیں کیا کرتے تھے۔

دعا میں تنگ بندی کی مذمت:

تشریح: قوله: وأنظر السجع.....:۔ ''سجع'' ہم قافیہ کلام کو کہتے ہیں۔ ''أنظر'' بابِ افعال سے امر کا صیغہ ہے، افعال کی ایک

خاصیت سلبِ ماخذ ہے جو یہاں پر ملحوظ ہے، پس ترجمہ ہوگا: ''دعا میں تنگ بندی سے صرفِ نظر کر'' کیونکہ اس سے دعا میں عاجزی، خلوص اور حضورِ قلب باقی نہیں رہتا۔ البتہ اگر بلا تکلف زبان پر مسجع دعا آجائے تو مضائقہ نہیں، آنحضرت ﷺ کی کئی دعاؤں میں سجع بندی اسی قبیل سے ہے جو آپ ﷺ کی فصاحت کی آئینہ دار ہے۔

مسئلہ تلاش کرنے کا ثواب:

۲۳۵۔وعن واثلة بن الأسقعؓ قال: قال رسول الله ﷺ :مَن طلبَ العلمَ فأدركَهٗ كانَ له كِفلانِ مِن أجرٍ فإن لَمْ يُدرِكْه كانَ له كِفلٌ مِن الأجرِ.[دارمی]

ترجمہ: حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے علم (مسئلہ) کو طلب کیا اور پالیا اس کو دوہرا ثواب ملے گا اور اگر (طلب کے بعد) اس کو نہ پایا تو اس کو ایک حصہ ثواب ملے گا۔(دارمی)

وہ اعمال جن کا ثواب مرنے کے بعد ملتا ہے:

۲۳۶۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ :إنّ ممّا يلحقُ المؤمنَ مِن عملِه وحسناتِه بعدَ موتِه :عِلمًا علّمَه ونشرَه وولدًا صالحًا تركَه أومُصحفًا ورّثَه أومسجدًا بناه أوبيتًا لابن السبيل بناه أونهرًا أجراه أوصدقةً أخرجَها مِن ماله في صحتِه وحيٰوتِه تلحَقُه مِن بعدِ موتِه .[ابن ماجة ،بيهقي]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کو اس کے عمل یا نیکیوں میں سے جس کا ثواب مرنے کے بعد ملتا ہے اس میں (ایک) تو وہ علم ہے جو اس نے سیکھا اور پھیلایا اور (دوسرا) وہ نیک اولاد ہے جس کو اپنے بعد چھوڑا اور (تیسرا) قرآن ہے جس کو ورثہ میں چھوڑا، (چوتھا) مسجد ہے جس کو بنایا، (پانچواں) مسافر خانہ ہے جسے تعمیر کیا، (چھٹا) نہر ہے جس کو جاری کیا یا (ساتواں) صدقہ ہے جسے اپنے مال سے اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں نکالا۔ یہ تمام عمل یعنی ان کا ثواب مرنے کے بعد اس کو ملتا ہے۔(ابن ماجہ، بیہقی)

علم میں زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے:

۲۳۷۔وعن عائشةؓ أنّها قالت: سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: إنّ الله عزّ وجلّ أوحىٰ إليّ أنّه مَن سلكَ مسلكاً في طلَبِ العلمِ سهّلتُ له طريقَ الجنّةِ ومَن سلبتُ كريمتيهِ أثبتُّه عليهما الجنّةَ وفضلٌ في علمٍ خير من فضلٍ في عبادةٍ ومِلاكُ الدينِ الوَرَعُ.[بيهقي في شعب الايمان]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا فرمایا کہ اللہ عزّ وجلّ نے میری طرف یہ وحی کی کہ جو شخص علم کی طلب میں ایک راستہ پر چلا میں اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کردوں گا اور جس کی میں نے دونوں آنکھیں چھین لی ہوں تو میں اس (پر صبر) کے بدلے اس کو جنت دوں گا اور علم کے اندر زیادتی بہتر ہے عبادت کے اندر زیادتی سے، اور دین کی جڑ پرہیز گاری ہے۔(بیہقی)

۲۳۸۔عن ابن عباسؓ قال: تدارسُ العلمِ ساعةً مِن اللّيل خيرٌ من إحيائها.[دارمی]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رات کو تھوڑی دیر کے لیے علم کا درس کہنا سننا ساری رات زندہ کرنے (عبادت میں گذارنے) سے

بہتر ہے۔(دارمی)

ارشادِ گرامی: ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں'':

۲۳۹۔وعن عبد الله بن عمروؓ أنّ رسول الله ﷺ مرّ بمجلسين في مسجدهٖ فقال :كِلاهُما علىٰ خيرٍ وأحدُهما أفضلُ مِن صاحبِه أمّاهٰؤلاء فيدْعُون اللهَ ويرغبُون اليه فإن شاءَ أعطاهم وإن شاء منعَهُم وأمّاهٰؤلاء فيتعلّمُونَ الفقهَ [أو العلمَ] ويُعلّمُونَ الجاهلَ فهُمْ أفضلُ وإنّمابُعِثتُ مُعلّمًاثمّ جلسَ فيهم.[دارمی]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ(ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ کا گزر مسجد نبوی میں منعقد دو مجلسوں پر سے ہوا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ دونوں بھلائی پر ہیں، لیکن ان میں سے ایک (نیکی میں) دوسرے سے افضل ہے، یہ لوگ (ایک مجلس والے) اللہ سے دعا کرتے ہیں اور (عبادت کر کے) اللہ کی طرف رغبت کر رہے ہیں، اگر اللہ چاہے تو ان کو دے اور چاہے تو نہ دے اور یہ لوگ (دوسری مجلس والے) فقہ یا علم سیکھ رہے ہیں اور جاہل کو سکھا رہے ہیں، چنانچہ یہ (اُن سے) افضل ہے اور میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔پھر اُن میں بیٹھ گئے۔(دارمی)

چالیس احادیث یاد کرنے والے کی فضیلت:

۲۴۰۔وعن أبي الدرداءؓ قال: سُئِل رسول الله ﷺ ما حدُّ العلمِ الّذي إذا بلغَهُ الرجلُ كان فقيهًا، فقال رسولُ الله ﷺ:مَن حفِظَ علىٰ أمّتي أربعين حديثًا في أمرِ دينهابعثَهُ اللهُ فقيهًا و كنتُ له يومَ القيامةِ شافعًا وشهيدًا.[بیهقی]

ترجمہ:حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ (اس) علم کی کیا مقدار ہے جس تک آدمی پہنچے (اس کو حاصل کرلے) تو فقیہ (عالم) ہو جائے۔آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری امت (کو فائدہ پہنچانے) کے لیے امر دین کی چالیس احادیث یاد کرلے، اللہ تعالیٰ اس کو (روزِ محشر) فقیہ اٹھائے گا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے والا اور (اس کے حق میں) گواہی دینے والا ہوں گا۔(بیہقی)

تشریح: قوله: ماحدّ العلم الذي إذا بلغه الرجل كان فقيهًا.....:۔صحابہؓ نے اصطلاحی فقیہ کی تعریف پوچھی اور آپ ﷺ نے حکیمانہ انداز میں جواب عنایت فرمایا کہ جو شخص بنا بر شفقت میری امت کے دین کی حفاظت کی خاطر چالیس حدیثیں یاد کرلے وہ آخرت میں فقیہ اٹھایا جائے گا۔اس حدیث میں احادیث کی حفاظت اور نشر واشاعت کی ترغیب ہے۔

قوله:من حفظ علىٰ أمتي أربعين.....:۔بقولِ علامہ نوویؒ حفظ سے مراد اِن احادیث کو امت کے سامنے پیش کرنا ہے نہ کہ صرف یاد کرنا۔

۲۴۱۔عن أنس بن مالكؓ قال:قال رسول الله ﷺ:هل تَدرُونَ مَن أجودُ جوادًا ؟قالوا: اللهُ ورسولُه أعلمُ،قال:اللهُ تعالىٰ أجودُ جوادًاثمّ أناأجودُ بني آدمَ وأجودُهم مِن بعدي رجلٌ عَلِمَ عِلمًافنشَره يأتي يومَ القيامةِ أميرًاوحدَه أوقال أمّةًواحدة

ترجمہ:انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ سخاوت کرنے میں کون بڑا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سخی ہیں پھر میں بنی آدم میں سب سے زیادہ سخی ہوں اور میرے بعد سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہے جس نے علم سیکھا اور پھر اسے پھیلایا، یہ شخص قیامت کے دن اکیلے امیر کی طرح یا فرمایا کہ ایک امت بن کر آئے گا۔

تشریح: قوله: أميرًا وحده أو قال أمةً واحدة: ۔یعنی روزِ محشر ایسا شخص اس شخص کی مانند مخدوم ومتبوع ہوگا جو جماعت کا تنہا امیر ہو یا عظمت اور شان وشوکت میں ایک امت کے مانند ہوگا۔

دو حریص جو سیر نہیں ہوتے:

٢٤٢۔وعنه أنّ النبي ﷺ قال: منهومان لا يشبعان منهومٌ في العلم لا يشبع منه ومنهومٌ في الدنيالا يَشبعُ منها.[روى البيهقيُّ الأحاديثَ الثلاثةَ في شُعبِ الايمان وقال: قال الإمامُ أحمدُ في حديثِ أبي الدرداء:"هذامتنٌ مشهورٌ فيما بين النّاس وليسَ له إسنادٌ صحيحٌ.]

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دو حریص ہیں جو سیر نہیں ہوتے: (ایک) علم میں حرص کرنے والا کہ اس کا پیٹ کبھی علم سے نہیں بھرتا اور دوسرا دنیا کی حرص کرنے والا کہ اس کا پیٹ کبھی دنیا سے نہیں بھرتا۔ (بیہقی)

٢٤٣۔عن عون قال: قال عبدُ الله بن مسعودؓ :منهومان لا يشبعان صاحبُ العلمِ وصاحبُ الدنيا ولا يستويانِ ،أمّاصاحبُ العلمِ فيزدادُ رِضًى للرحمٰنِ وأمّاصاحبُ الدنيا فيتمادى في الطُّغيانِ ثمّ قرأ عبدالله:"كلّا اِنّ الانسانَ لَيَطغٰى أن راٰه استغنٰى" قال: وقال الآخرَ:"اِنّمايخشَى اللهَ مِن عبادِهِ العلماءُ".[دارمی]

ترجمہ: عونؒ راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ دو حریص ہیں جن کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا: (ایک) عالم اور (دوسرا) دنیادار اور یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ کیونکہ عالم تو اللہ کی رضامندی میں بڑھتا ہے اور دنیادار سرکشی میں زیادہ ہوتا ہے۔ پھر حضرت عبداللہؓ نے یہ آیت پڑھی: ''كلّا إنّ الانسانَ ليطغٰى ...'' ترجمہ: خبردار! انسان سرکشی کرتا ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو (مال کی کثرت سے) غنی سمجھتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ ابن مسعودؓ نے (اس کے بعد) دوسری آیت پڑھی کہ (ترجمہ) اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔ (دارمی)

علماء کے لیے حکام کے پاس جانے کی مذمت:

٢٤٤۔عن ابنِ عباسؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إنّ أناسًا من أمّتي سيتفقّهُونَ في الدين ويقرؤنَ القرآن يقولونَ :نأتي الأمراءَ فَنُصيبُ مِن دنياهم ونعتزِلُهم بدينِناولا يكونُ ذٰلك كمالايُجتَنٰى مِن القتادِ الّا الشُّوكُ كذٰلك لايُجتنٰى مِن قُربهم الّا.قال محمد بن الصباح:كأنّه يعني الخطايا.[ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں بہت سے لوگ دین میں سمجھ (علم) حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم امراء (حکمرانوں) کے پاس جا کر ان کی دنیا میں سے (حصہ) پائیں گے اور اپنے دین کو ان سے یکسو رکھیں گے لیکن ایسا نہیں ہوگا جیسا کہ خاردار درخت سے صرف کانٹے ہی حاصل ہوسکتے ہیں اسی طرح ان (امراء) کے قرب سے نہیں حاصل ہوتے مگر۔ محمد بن صباح کہتا ہے کہ گویا آپ ﷺ کی مراد (إلّا کے بعد والے لفظ سے) خطایا یعنی گناہ تھے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: قوله: كذلك لا يجتنىٰ من قربهم إلا: ۔آپ ﷺ نے یہاں مستثنیٰ کو یا تو غایتِ وضوح کی وجہ سے ذکر نہیں فرمایا کیونکہ امراء یعنی حکام کی قربت میں معاصی سے دوچار ہونا بدیہی اور مشاہد ہے۔ یا اس لیے ذکر نہیں فرمایا کہ ظالم اُمراء کے پاس جانے میں مضرتیں ہی

مضرتیں ہیں، آخر کس کس کو بیان کیا جائے۔

٢٤٥۔وعن عبد الله بن مسعودؓ قال: لو أنّ أهلَ العلم صانُوا العلمَ ووَضَعُوه عندَ أهلِه لسادُوا به أهلَ زمانهم ولكنّهم بذلوه لأهلِ الدنيالِيَنالُوا به مِن دنياهم فهانوا عليهم؛سمعتُ نبيّكُم ﷺ يقول: مَن جعلَ الهُمُومَ همًّا واحدًا همَّ آخرتِه كفاه اللهُ همَّ دُنياهُ ومَن تشعَّبَتْ به الهُمومُ أحوالُ الدنيالَم يُبالِ اللهُ في أيّ أوديتِها هلكَ .[ابن ماجة]والبيهقيّ في شعب الايمان عن ابن عمرمِن قولِه:"مَن جعلَ الهُمومَ"الىٰ آخره.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اگر علماء علم کی حفاظت کریں اور علم کو اس کے اہل ہی کے پاس رکھیں (یعنی اہلوں کو سکھائیں) تو اس سبب سے دنیا والوں کے سردار بن جائیں، لیکن انہوں نے علم کو اہلِ دنیا کے لیے خرچ کیا تا کہ اس ذریعہ سے وہ اُن کی دنیا حاصل کریں تو (دنیاداروں کے ہاں) ذلیل ہوئے، میں نے تمہارے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: جس نے تمام مقاصد کو ایک مقصد یعنی آخرت کا مقصد بنالیا، تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے مقصد کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور جس کے مقاصد پراگندہ (منتشر) ہو یعنی دنیا کے احوال (اس کے مقاصد ہوں) تو اللہ تعالیٰ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ دنیا کے کس جنگل میں ہلاک ہوا۔(ابن ماجہ)

علم کی آفت بھول جانا ہے:

٢٤٦۔وعن الأعمش قال: قال رسولُ الله ﷺ: آفةُ العلمِ النِسيانُ وإضاعتُه أن تُحدّثَ به غيرَ أهلِه.[دارمي مرسلاً]

ترجمہ: حضرت اعمشؒ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم کی آفت بھول جانا ہے اور علم کو ضائع کرنا یہ ہے کہ تو اسے نااہل کے سامنے بیان کرے۔(دارمی مرسلاً)

علماء کے دل سے علم کو نکالنے والی چیز:

٢٤٧۔وعن سفيان أنّ عمربن الخطّابؓ قال لكعبٍ: مَن أربابُ العلم؟ قال: الّذين يعملونَ بما يعلمُونَ قال: فماأخرجَ العلمَ مِن قلوبِ العلماءِ قال: الطمعُ.[دارمي]

ترجمہ: حضرت سفیان راوی ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت کعبؓ سے پوچھا کہ (آپ کے ہاں) صاحبِ علم کون ہیں؟ کعبؓ نے جواب دیا وہ لوگ جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں، پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کون سی چیز علماء کے دلوں سے علم کو نکالتی ہے؟ کعبؓ نے کہا کہ طمع (دنیا کی لالچ)۔(دارمی)

سب سے بدترین مخلوق، بدعمل علماء ہیں:

٢٤٨۔وعن الأحوص بن حكيمٍ عن أبيه قال: سأل رجلٌ النبيَّ ﷺ عن الشرّ ،فقال: لا تسألوني عن الشّرّ ثمّ قال: ألاإنّ شرَّ الشرِّ شِرارُ العلماء وانّ خيرَ الخير خيارُ العلماء .[دارمي]

ترجمہ: حضرت احوص ابن حکیمؒ اپنے والد (حکیمؒ) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے شر (برائی) کے بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے برائی کے بارے میں مت پوچھو بلکہ خیر کے بارے میں مجھ سے سوال کرو۔ پھر فرمایا: آگاہ رہو کہ بروں

میں سے بدترین برے علماء ہیں اور بھلوں میں سے زیادہ بہتر بھلے علماء ہیں۔ (دارمی)

تشریح: قوله: إنّ شر الشرّ شرارُ العلماء وانّ خيرَ الخير خيارُ العلماء: ۔بدعمل علماء کا بدترین ہونا اور باعمل علماء کا بہترین ہونا اس سبب سے ہے کہ کائنات کی صلاح وبقا اور فساد کا دارومدار علماء کے صلاح وفساد سے وابستہ ہے، تب ہی تو کہا گیا ہے: ''زَلّة العالِم زلة العالَم ''یعنی ایک عالم کی لغزش ایک جہان کی لغزش ہے۔ ایسے ہی'' موت العالِم موت العالَم ''یعنی ایک عالم باعمل کی موت پورے جہان کی موت ہے۔

قیامت کے دن بدتر درجہ والا شخص:

۲۴۹۔وعن أبی الدرداءؓ قال: إنّ من أشرّ النّاسِ عندَ الله منزلةً يوم القيامةِ عالمٌ لا يَنتفع بعلمِه. [دارمی]

ترجمہ: ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بدتر رتبہ والا شخص وہ عالم ہے جس نے اپنے علم سے نفع نہ اٹھایا۔

تشریح: قوله: و عالم لا ينتفع بعلمه ....:۔"لا ينتفع" معروف ومجہول دونوں طرح سے ضبط کیا گیا ہے۔ پہلی صورت میں یہ وعید اس عالم کے بارے میں ہوگی جس نے خود اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا یعنی بےعمل عالم اور دوسری صورت میں اس عالم کے بارے میں ہوگی جس کے علم سے دوسروں کو نفع نہ ہو یعنی عالم غیر مدرس اور غیر واعظ وغیرہ۔ (خیر المفاتیح)

اسلام کو ڈھانے والی چیزیں:

۲۵۰۔وعن زياد بن حديرؓ قال: قال لی عمرؓ :هل تعرفُ ما يهدمُ الاسلام؟ قلتُ: لا،قال:يهدِمُه زَلّةُ العالِم و جِدالُ المُنافقِ بالكتابِ و حكمُ الأئمّةِ المُضِلّين. [دارمی]

ترجمہ: حضرت زیاد بن حدیرؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا تو جانتا ہے کہ اسلام (کی عمارت کو) کو گرانے والی چیز کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ عالم کا پھسلنا (مسئلہ غلط بتانا) منافق کا کتاب اللہ کے (معانی) میں جھگڑنا (مباحثہ کرنا) اور گمراہ کرنے والے حکام کی حکومت۔ (دارمی)

علمِ نافع اور غیر نافع:

۲۵۱۔وعن الحسنؒ قال: العلمُ علمان: فعلمٌ فی القلب، فذاك العلمُ النافعُ ،وعلمٌ على اللسان فذاكَ حُجّةُ الله عزّ و جلّ على ابن آدم. [دارمی]

ترجمہ: حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ علم دو ہیں: ایک علم دل میں ہوتا ہے یہی علم نافع ہے اور ایک علم زبان پر ہوتا ہے، یہ علم آدمی پر اللہ کی حجت ہے۔ (دارمی)

علمِ ظاہر اور علمِ باطن:

۲۵۲۔وعن أبی هريرةؓ قال: حفظتُ من رسولِ اللهﷺ وِعائين فأمّا أحدُهما فبَثَثْتُه فيكم و أمّا الآخرُ فلو بثثتُه قُطِعَ هذا البُلْعُومُ ۔يعنی: مجرَى الطعامِ۔[بخاری]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ میں نے دو برتن (علم کے) رسول اللہ ﷺ سے یاد کیے ہیں، ان میں سے ایک کو میں نے تمہارے

درمیان پھیلا دیا اور دوسرا (علم) وہ ہے کہ اگر میں اسے پھیلاؤں تو (میرا) یہ گلا کاٹ دیا جائے۔ (بخاری)

تشریح: قوله: حفظتُ من رسول اللہ ﷺ وعائين......[وعائين] وعاء کی تثنیہ ہے بمعنیٰ برتن کے، یہاں اس سے مراد دو قسم کے علم ہیں:

(۱) علمِ ظاہر تشریعی: جس کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: ''فبثثته فيكم'' اس کا کتمان معصیت ہے۔

(۲) علمِ باطن غیر تشریعی: مثلاً تصوف کے اسرار و رموز کا علم، تکوینی امور کا علم اور آنے والے فتنوں کا علم، اس کا چھپانا گناہ نہیں، یہاں اکثر شارحین نے فتنوں کا علم مراد لیا ہے۔

لاعلمی کا اظہار کرنا بھی علم ہے:

۲۵۳۔ وعن عبداللہؓ قال: يأيها النّاس مَن علِم شيئاً فليَقُلْ به ومَن لم يعلَمْ فليقُل: اللّٰهُ أعلَم قال اللّٰهُ تعالىٰ لنبيّه ﷺ "قُل: لاأسئلكم عليه مِن أجرٍ وماأنامِن المتكلِّفين". [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ اے لوگو! جس کو کسی بات کا علم ہو تو چاہیے کہ اسے بیان کردے اور جسے علم نہ ہو تو چاہیے کہ وہ کہے کہ اللہ زیادہ جانتا ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی علم ہے کہ جو تو نہیں جانتا اس کے بارے میں کہہ دے کہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے ترجمہ: ''کہہ دو کہ میں اس (قرآن) کے عوض تم سے بدلہ نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں''۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: فإنّ من العلم أن تقولَ لِما لا تعلَم ....:۔ یعنی نامعلوم بات پر اپنی لاعلمی کا اظہار کرنا بھی علم ہے، یا علم کی شان ہی یہی ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو انسان اس کے متعلق صاف طور پر اپنی لاعلمی کا اظہار کردے نہ یہ کہ بتکلف الٹا سیدھا جواب دے جو کہ خلافِ سنت ہے۔ اسی بات کی وضاحت کے لیے حضرت ابنِ مسعودؓ نے آیت: "قل لا أسئلكم عليه من أجر وما أنا من المتكلّفين'' کی تلاوت فرمائی۔

علمِ دین کے حصول میں اسناد کی حیثیت:

۲۵۴۔ وعن ابن سيرينؒ قال: إنّ هذا العلمَ دينٌ فانظرُوا عمَّن تأخذونَ دينَكم. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ یہ علم (قرآن وحدیث) دین ہے پس دیکھو کہ اپنا دین کس سے حاصل کررہے ہو۔ (مسلم)

علماء کو استقامت کا حکم:

۲۵۵۔ وعن حذيفةؓ قال: يا معشرَ القرّاء! استقيمُوا فقد سُبِقْتُم سَبقًا بعيدًا وإن أخذتُم يمينًا وشمالاً لقدْ ضللتُم ضلالاً بعيدًا. [بخاری]

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ اے قاریوں (علماء) کی جماعت! سیدھے رہو، اس لیے کہ تم دور کی سبقت لے گئے ہو اور اگر تم نے دائیں بائیں ہونا شروع کردیا تو دور کی گمراہی میں پڑجاؤ گے۔ (بخاری)

تشریح: قولہ: یا معشر القرّاء استقیموافقد سبقتم سبقًا ...: "معشر القراء" سے مراد علماء ہیں۔ "قد سبقتم" یہ معروف ومجہول دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ پہلی صورت میں مطلب ہوگا کہ تم نے ابتدائے اسلام کو پایا اور حضور ﷺ سے براہ راست علم حاصل کیا لہذا استقامت اختیار کرو۔ اور مجہول ہونے کی صورت میں مطلب ہوگا کہ تم سے پہلے بھی ارباب استقامت گزرے ہیں، لہٰذا تم بھی استقامت اختیار کرو، اور اس سے پیچھے نہ رہو۔

جہنم کی ایک وادی جس سے جہنم بھی پناہ مانگتی ہے:

٢٥٦۔وعن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: تعوّذوا بالله من جُبِّ الحُزن قالوا: یا رسولَ الله! وماجُبُّ الحزن؟ قال: وادٍ فی جهنّم یتعوّذُمنهُ جهنمُ کلَّ یومٍ أربعَمائةِ مرّةٍ قیل: یارسولَ الله! ومَن یدخلُها؟ قال القرّاءُ المُراؤنَ بأعمالهم.[رواه الترمذی وکذاابن ماجةوزادفیه: "وإنَّ مِن أبغضِ القرّاءِ الی اللهِ تعالیٰ الّذین یزورونَ الأمَراءَ" قال المحاربی: یعنی الجَوَرَةَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ مانگو "جُبّ الحزن" (غم کے کنویں) سے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ جُبّ الحزن کیا ہے؟ یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہنم کی ایک وادی ہے۔ جس سے ہر روز خود جہنم بھی "چار سو مرتبہ" پناہ مانگتی ہے۔ پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! کون اس میں داخل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دکھلاوے کے لیے عمل کرنے والے قاری (علماء) اس میں داخل ہوں گے۔ (ترمذی) اور ابن ماجہ نے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ اللہ کے ہاں سب سے مبغوض قاری وہ ہیں جو حاکموں کے ساتھ (دنیا کے اغراض کی خاطر) ملاقاتیں کریں گے۔ محاربی کہتا ہے کہ ظالم حاکم مراد ہیں۔

اخیر زمانہ میں اسلام کا صرف نام رہ جائے گا:

٢٥٧۔وعن علیؓ قال: قال رسول الله ﷺ: یوشِكُ أن یأتیَ علی النّاسِ زمانٌ لا یبقی من الإسلامِ الّا اسمُه ولایبقی مِن القرآنِ الّا رسمُه، مساجدُهم عامرةٌ وهیَ خرابٌ مِن الهُدیٰ، علماءُ هم شرُّ مَن تحتَ أدیم السماءِ، مِن عندِهم تخرُجُ الفتنةُ وفیهم تعودُ.[بیهقی فی شعب الایمان]

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن میں سے صرف نقوش باقی رہ جائیں گے، اُن (لوگوں) کی مسجدیں (بظاہر تو) آباد ہوں گی اور (درحقیقت) وہ ہدایت سے خالی ہوں گی، ان کے علماء آسمان کے نیچے (بسنے والی تمام) مخلوق سے بدتر ہوں گے، اُن ہی سے فتنہ نکلے گا اور اُن ہی میں لوٹ آئے گا۔ (بیہقی)

علم پر عمل نہ کرنے سے علم اٹھ جاتا ہے:

٢٥٨۔وعن زیاد بن لبید قال: ذکر النبیُّ ﷺ شیئًا، فقال: ذلك عند أوانِ ذهابِ العلمِ، قلتُ یا رسولَ الله! وکیف یذهبُ العلمُ ونحنُ نقرءُ القرآنَ ونُقرءُهُ أبناءَ نا ویُقرءُهُ أبناءُنا أبناءَ هُم الیٰ یومِ القیامةِ، قال: ثَکِلتُكَ أُمُّكَ زیاد! أن کنتُ لَأُراكَ مِن أفقهِ رجلٍ بالمدینةِ، أولیسَ هذه الیهودُ والنصاریٰ یقرؤنَ التوراةَ والانجیلَ لایعمَلُون بشیٍٔ ممّافیهما.[أحمد، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت زیاد بن لبیدؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے کسی چیز (فتنہ) کا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ علم کے جاتے رہنے کا وقت ہے۔ میں نے

عرض کیا کہ یا رسول اللہ! علم کس طرح جاتا رہے گا جب کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں اور قیامت تک ہمارے بچے اپنے بچوں کو پڑھائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں تجھے گم کردے، اے زیاد! میں تو تمہیں مدینہ کا سب سے ہوشیار آدمی سمجھتا تھا، کیا یہودی اور عیسائی تورات اور انجیل نہیں پڑھتے ہیں لیکن ان دونوں کتابوں میں جو کچھ ہے اس پر عمل نہیں کرتے۔ (احمد، ابن ماجہ، ترمذی)

عنقریب علم اٹھالیا جائے گا:

۲۵۹۔عن ابن مسعودؓ قال: قال لی رسول اللہ ﷺ :تعلّموا العلمَ وعلِّموه الناسَ تعلّموا الفرائضَ وعلّموها النّاسَ تعلّموا القرآنَ وعلّموه النّاسَ فإنّی امرءٌ مقبوضٌ والعلمُ سینقبِضُ ویظهرُ الفتنُ حتی یختلف اثنانِ فی فریضةٍ لایجدانِ أحدًا یفصِلُ بینهما.[دارمی ،دارقطنی]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، فرائض (علم میراث) سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، اس لیے کہ میں اٹھایا جانے والا (فوت ہونے والا) آدمی ہوں اور عنقریب علم بھی اٹھالیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو شخص کسی فریضہ (فرض چیز) میں اختلاف کریں گے اور (علم کے اٹھ جانے کے باعث) کسی کو ایسا نہ پائیں گے جو اُن کے درمیان فیصلہ کرے۔ (دارمی، دارقطنی)

اُس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے:

۲۶۰۔عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ :مثلُ علمٍ لایُنتفَعُ به کمَثلِ کنزٍ لا یُنفَقُ منه فی سبیل اللہ.[أحمد ،دارمی]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے اُس خزانہ کی طرح ہے جس سے اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کیا جائے۔ (احمد، دارمی)

﴿کتابُ الطَّهارَةِ﴾

کتاب الطہارۃ کو کتاب الصلاۃ پر مقدم کرنے کی وجہ:

ماقبل سے اِس کی مناسبت یہ ہے کہ اصل الاصول چونکہ ایمان ہے اور جملہ احکام اسلام اسی پر متفرع ہوتے ہیں اس لیے پہلے اس کو ذکر فرمایا پھر ارکان اسلام پر عمل کرانے کے لیے چونکہ علم کی ضرورت ہے، لہٰذا کتاب العلم کو لے کر آئے پھر چونکہ بعد از ایمان سب سے پہلے جو فریضہ انسان پر عائد ہوتا ہے وہ نماز ہے اس لیے نماز کو ذکر کرنا چاہیے تھا لیکن چونکہ نماز موقوف ہے شرائط پر اور شرط مشروط پر مقدم ہوتا ہے، لہٰذا نماز کی اہم ترین کثیر المسائل اور طویل مباحث شرط طہارت کو مستقلاً کتاب الصلاۃ سے پہلے ذکر کیا۔ فقہاء اور محدثین کی عام طور پر یہی عادت ہے۔ طہارۃ ''باب نصر وکرم'' سے نظافت حاصل کرنے کے معنی میں ہیں اور شرعاً اس سے مراد انجاس اور احداث سے پاکی حاصل کرنا ہے۔ ''انجاس'' نجاست غلیظہ وخفیفہ دونوں کو شامل ہے اور ''احداث'' حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر (بے وضو اور جنبی ہونا) کو شامل ہے۔ (نفحات)

"الفصل الاول"

پاکی نصف ایمان ہے:

۲۶۱۔عن أبی مالك الأشعریؓ قال: قال رسول الله ﷺ: الطُّهورُ شطر الإیمان والحمدُ للهِ تملأُ المیزانَ وسبحانَ الله والحمدُ لله تملآن [أو تملأُ] مابین السَّموٰت والأرضِ والصلاةُ نورٌ والصدقةُ برهانٌ والصبرُ ضیاءٌ والقرآنُ حُجَّةٌ لك أو علیك، كلُّ النّاسِ یغدُو فبائعٌ نفسَه فمُعتِقُها أو مُوبقُها. [رواه مسلم] وفی روایةٍ: لااله الّا اللهُ واللهُ أكبرُ تملآنِ مابین السماء والأرضِ". لم أجِدْ هذه الروایةَ فی الصحیحینِ ولافی كتاب الحُمیدی ولافی الجامعِ ولكنْ ذكرها الدارمیُّ بدل "سبحان الله والحمدُ لله".

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پاک رہنا آدھا ایمان ہے اور ''الحمد للہ'' کہنا ترازو کو بھر دیتا ہے یا ''سبحان اللہ'' اور ''الحمد للہ'' بھر دیتے ہیں اس چیز (فضا) کو جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے اور نماز نور ہے اور صدقہ دلیل ہے اور صبر روشنی ہے اور قرآن یا تیرے حق میں دلیل ہے یا تیرے خلاف۔ ہر شخص صبح کرتا ہے تو اپنی جان کو بیچتا ہے پھر یا اسے آزاد کرتا ہے یا ہلاک کرتا ہے۔ (مسلم) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' اور ''اللہ اکبر'' آسمان اور زمین کے مابین کو بھر دیتا ہے۔ [مؤلف مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ] مؤخر الذکر روایت مجھے نہ ہی صحیحین میں دستیاب ہوئی، نہ حُمیدی میں اور نہ جامع میں، البتہ دارمی نے ''سبحان اللہ والحمد للہ'' کی بجائے اس کو ذکر کیا ہے۔

پاکی کے نصف ایمان ہونے پر اشکال اور توجیہات:

تشریح: قوله: الطهور شطرُ الایمان والحمدُ لله تملأُ المیزان.....:۔ "طَهور" (بفتح الطاء) ماءِ طہارت کو کہتے ہیں اور (بضم الطاء) مصدر ہے بمعنی پاکی حاصل کرنا۔ اور شطر نصف کو کہا جاتا ہے یعنی پاکی نصف ایمان ہے۔ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ پاکی کو نصف ایمان کیسے کہا گیا حالانکہ ایمان کے تو بہت سے شعبے ہیں، نیز ایمان کا مقام تو بہت اونچا ہے حتیٰ کہ نماز کو بھی نصفِ ایمان نہیں کہا جاسکتا چہ جائیکہ طہارت کو نصفِ ایمان قرار دیا جائے؟! اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ طہور یعنی وضو کے شطر الایمان ہونے کی کئی توجیہات ہیں:

(۱) ایمان سے صغائر و کبائر دونوں معاف ہو جاتے ہیں جبکہ طہور یعنی وضو سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں۔

(۲) ایمان سے مراد نماز ہے جیسا کہ اس آیت: ''ما كان اللهُ لِیُضِیعَ إیمانَكم'' میں ایمان سے مراد نماز ہے، تو اس ارشاد نبوی کا مطلب یہ ہوگا کہ طہارت نماز کی اتنی اہم شرط ہے گویا کہ نصف نماز ہے۔

(۳) شطر مطلقاً جز کے معنیٰ میں بھی آتا ہے، تو مطلب یہ ہوگا کہ طہارت ایمانِ کامل کا ایک جز ہے۔

''والحمد لله تملأ المیزان'' یعنی اس ایک کلمہ کا ثواب میزانِ اعمال کو بھر دیگا، چونکہ ثواب نورانی اور لطیف چیز ہے لہٰذا یہ اشکال نہ کیا جائے کہ جب ایک ''الحمد للہ'' کے ثواب سے ترازو بھر گیا تو پھر باقی اعمال کے ثواب کا کیا کیا جائے گا؟ کیونکہ لطیف اشیاء ایک ہی ظرف میں کئی

ساری سما سکتی ہیں جیسے: ایک کمرے میں جتنے بلب چاہے روشن کیجیے سب کی روشنی اس کمرے میں سمائے گی۔

قوله: وسبحان الله والحمد لله تملأ أو تملأن.....: "أو" یہاں راوی کو شک ہوا ہے۔ "تملأ" (مفرد) کی ضمیر کا مرجع "کل کلمة منهما" مقدر مانا جائے گا تاکہ اشکال نہ ہو۔ "سبحان اللہ" میں شوائب نقص سے پاکی بیان کرنا مقصود ہے اور "الحمد للہ" میں صفات کمال کا ذکر مقصود ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ کلمات تو اعراض ہیں جن کے لیے نہ بقا ہے اور نہ جسم تو ان کا وزن کیسے ہوگا؟ کیونکہ آج جبکہ انسان ہوا، حرارت و برودت اور روشنی جیسے اعراض کی وزن و پیمائش پر قادر ہو چکا ہے تو خالقِ کائنات کیونکر اعمال کا وزن نہیں کر سکتا حالانکہ وہ تو "علیٰ کل شیء قدیر" ہے۔

قوله: والصلوة نورٌ.....: یعنی نماز قبر کی تاریکی میں نور کا باعث ہوگی ایسے ہی محشر میں بھی۔ اور دنیا میں بھی نماز قلب کی نورانیت اور چہرے کے رونق کا باعث ہے، تو گویا نماز کو نور کہنا بالکل بجا ہے۔

قوله: والصدقة برهان....: یعنی صدقہ متصدق کے ایمان کی واضح دلیل ہے، کہ ایمان ہی کی بدولت مؤمن شخص بخل سے پرہیز کرتا ہے برخلاف منافق کے۔

قوله: والصبر ضياءٌ....: بعض حضرات کے نزدیک "صبر" سے مراد صوم (روزہ) ہے جس پر قرینہ اس کو صلاۃ و صدقہ کے ساتھ ذکر کرنا ہے اور "صدقہ" سے مراد زکوٰۃ ہے، اسی بنا پر رمضان کو "شهر الصبر" کہا گیا ہے۔ "ضیاء" ایک قسم کا روشنی ہے، جو نور سے اعلیٰ ہے۔ یہاں ضیاء سے مراد یا تو ضیاء فی القلب ہے یا "ضیاء فی القبر" یا "فی القیامۃ"۔

قوله: كل الناس يغدو.....: یعنی ہر انسان بوقتِ صبح اچھے، برے کام میں مشغول ہوتا ہے پہلی صورت میں وہ اللہ کے ساتھ سودا کرتا ہے جس کی بدولت اپنے نفس کو آگ سے آزاد کرا لیتا ہے جبکہ دوسری صورت میں وہ شیطان سے سودا کر کے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

گناہوں کو مٹانے اور بلندیٔ درجات کا ذریعہ:

٢٦٢ - عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ألا أدُلُّكم علىٰ ما يمحوا اللهُ به الخطايا ويرفعُ به الدرجاتِ قالوا: بلىٰ يارسولَ الله! قال: اِسباغ الوُضوءِ على المكارهِ و كثرةُ الخُطىٰ الى المساجدِ وانتظارُ الصلوٰةِ بعدَ الصلوٰةِ فذلكمُ الرباطُ. وفي حديث مالك بن أنس: "فذلكم الرباطُ فذلكمُ الرباطُ" مرّتين. [مسلم] وفي رواية الترمذي: ثلاثاً.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں جس سے اللہ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: مشقت کے اوقات میں کامل وضو کرنا اور مساجد کی طرف بکثرت قدم اٹھانا اور (ایک) نماز کے بعد (دوسری) نماز کا انتظار کرنا پس یہ رباط ہے۔ اور مالک بن انسؒ کی حدیث میں [پس یہ رباط ہے، پس یہ رباط

ہے]دومرتبہ ہے[مسلمؒ] جبکہ ترمذی کی روایت میں تین مرتبہ ہے۔

تشریح: قوله: ما يمحو به الخطايا....:۔یہ کنایہ ہے عفوومغفرت سے۔یا اعمال نامہ سے گناہوں کا مٹا دینا مراد ہے۔

اسباغِ وضو کے تین درجات:

قوله: اسباغ الوضوء علىَ المكاره....:۔''اسباغ''بمعنیٰ اکمال ہے اوراس کے تین درجات ہیں:

(۱)فرض: کہ تمام اعضائے وضوکوایک ایک مرتبہ بقدرِفرض دھویا جائے۔

(۲)سنت:اعضائے وضوکوتین تین باردھویاجائے مع پورے سر کے مسح کے۔

(۳)مستحب:ادائیگی سنت کے ساتھ ساتھ اطالہ غرہ بھی کیا جائے یعنی مفروضہ مقدار سے کچھ زیادہ دھویا جائے۔''على المكاره'' یہ مکرۃ کی جمع ہے،مراد سخت ناگواری کی حالت یا ناگواری کے زمانہ میں کامل وضوکرنا ہے۔

قوله: و كثرة الخُطى الى المساجد....:۔''خطىٰ'' خطوۃٌ کی جمع ہے بمعنیٰ قدم۔مسجد سے دور ہونے کی صورت میں مسجد کی طرف اٹھنے والے قدموں کی کثرت مراد ہوگی،جبکہ قریب ہونے کی صورت میں مسجد کی طرف بکثرت آمدورفت۔

قوله: فذلكم الرباط....:۔''ذلكم'' اسم اشارہ بعید میں مشارٌ الیہ کی عظمت کی طرف اشارہ ہے،اس کا مشارٌ الیہ یا تو''انتظار الصلاة بعد الصلاة'' ہے اور یا مذکورہ امورِ ثلاثہ۔رباط اورمرابطہ ،اسلامی سرحدات کی حفاظت کو کہتے ہیں۔یہاں ''ذلكم'' کے مشارٌ الیہ کو رباط سے تعبیر فرمانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح رباط میں اسلامی سرحدات کی حفاظت ہے اسی طرح ان اعمال کے اہتمام میں شیطان سے حفاظت ہے جو اسلام اوراہلِ اسلام کا بدترین دشمن ہے۔(نفحات)

وضو سے گناہوں کا معاف ہونا:

٢٦٣۔وعن عثمانَ قال: قال رسول اللهﷺ: مَنْ تَوضّأ فأحسَنَ الوُضُوءَ خرجتْ خطاياه مِن جسدِه حتىّٰ تخرُجَ مِن تحت أظفارِه.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جس نے وضوکیا اوراچھی طرح وضوکیا تو اس کے گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔(متفق علیہ)

تشریح: قوله: خرجت خطاياه من جسده ....:۔''خطایا'' سے مراد صغائر ہے اورخروجِ خطایا عن الجسد بقولِ علامہ سیوطیؒ حقیقت پر محمول ہے کہ وضو کی بدولت خطایا سے ظاہر وباطن میں پیدا ہونے والے برے اثرات دھل جاتے ہیں۔اور بقول علامہ ابن العربیؒ یہ کنایہ ہے مغفرت خطایا سے۔بہرصورت خطایا کے أعراض ہونے اوردخول وخروج کے ساتھ عدمِ اتصاف کا اشکال نہ ہوگا۔

٢٦٤۔ و عن أبى هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إذا توضأ العبدُ المسلمُ أو المؤمنُ فغسلَ وجهَهُ خرجَ مِن وجهِهِ كلُّ خطيئةٍ نظر اليهابعَينيهِ معَ الماء أومع آخرِ قَطرِ الماءِ ،فاذاغسلَ يديه خرجَ مِن يديه كلُّ خطيئةٍ كان بطشتْهايداه مع الماء أومع آخرِ قطرِ الماء ،فاذاغسلَ رِجليهِ خرجَ كلُّ خطيئةٍ مشتْهارِجلاهُ مع الماء أومع آخرِ قَطرِ الماء حتىّٰ يخرجَ نقيًّا من

الذنوبِ .[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مسلمان آدمی یا فرمایا مؤمن آدمی وضو کرتا ہے اور اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرہ سے پانی کے ساتھ یا (فرمایا کہ) پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جب ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے ہر گناہ جسے اس نے ہاتھوں سے پکڑا تھا پانی کے ساتھ یا (فرمایا کہ) پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتا ہے، پھر جب وہ دونوں پاؤں کو دھوتا ہے تو ہر وہ گناہ جس کی طرف اس کے پاؤں چلے تھے پانی کے ساتھ یا (فرمایا کہ) پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک نکل آتا ہے۔ (مسلم)

تشریح: قولہ: خرج من وجهه كل خطيئةٍ نظرَ ليها بعينه.....: یہاں صرف آنکھوں کے گناہوں کے دھلنے کا ذکر ہے کیونکہ دیگر اعضاء کے برعکس آنکھوں کے لیے مستقل طہارت موجود نہ تھی جس سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ آنکھوں سے خروجِ خطایا نہ ہوتا ہوگا، یہ ارشاد فرما کر اس طرف اشارہ کردیا کہ وضو کی برکت سے جب آنکھوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو دیگر اعضاء کے گناہ تو بطریقِ اولیٰ معاف ہوں گے۔ نیز یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہاں روایت میں اختصار ہے۔

قولہ: حتیٰ یخرج نقیًّا من الذنوب....: اس سے مراد صرف صغائر سے پاک ہوجانا ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

۲۶۵۔ وعن عثمانَ قال: قال رسول اللهِ ﷺ: ما من إمرءٍ مسلمٍ تحضرُه صلاةٌ مكتوبةٌ فيُحسِنُ وُضوءَ ها و خُشوعَها و ركُوعَهاالاّ كانتْ كفّارةً لِماقبلَهامِن الذُّنوبِ مالمْ يؤتِ كبيرةً وذلك الدهرَ كلَّه.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان شخص فرض نماز کا وقت آنے پر اچھی طرح وضو کرے اور اس کا خشوع ورکوع بھی اچھی طرح کرے تو وہ نماز اس کے ان گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہے جو نماز سے پہلے سرزد ہوئے جب تک کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور ایسا ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ (مسلم)

احسانِ رکوع سے کیا مراد ہے؟:

تشریح: قولہ: تحضره صلاةٌ مكتوبة فيحسن وضوئها وخشوعها وركوعها...: ''احسانِ وضو'' سے مراد اسباغِ وضو ہے۔ اور ''احسانِ خشوع'' یہ ہے کہ دل کامل طور پر حق تعالیٰ کی عظمت کو اور اپنی عاجزی کو محسوس کررہا ہو۔ اور ''احسان رکوع'' سے یہ مراد ہے کہ تمام ارکانِ صلاۃ کو ادب کی رعایت کے ساتھ ادا کیا جائے، رکوع کی تخصیص یا تو اس وجہ سے کی گئی کہ یہ صرف اس امت کے حق میں مشروع ہے یا اس وجہ سے کہ دوسرے ارکان کی بنسبت رکوع کی ادائیگی مشکل ہے۔

قولہ: مالم یؤت کبیرةً....: بظاہر اس کا مفہوم یہ ہے کہ نماز سے صغائر کی معافی کبائر کے عدمِ ارتکاب کے ساتھ مشروط ہے، آیت: "ان تجتنبُوا كبائرَ ما تُنهَون نُكفِّرْ عنكم سيّئاتِكم'' بھی اس کی مؤید ہے، لیکن یہ معنیٰ سیاقِ حدیث کے خلاف ہے۔ درست مطلب یہ ہے کہ نماز وغیرہ حسنات سے کبائر کے ماسوا تمام گناہ معاف ہوتے ہیں جبکہ کبائر کی معافی کے لیے توبہ ضروری ہے الّا یہ کہ اللہ عزّ وجلّ اپنی رحمت سے معاف فرمائے، یہی اہلِ سنت کا مذہب ہے۔ (نفحات)

قوله: وذلك الدهر كلّه....:۔یعنی نماز کا کفّارۂ ذنوب ہونا کسی خاص زمان یا مکان یا کسی خاص فرض کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر زمان ومکان میں ہر فرض نماز کی یہی فضیلت ہے۔"الدهر"نزعِ خافض کی بنا پر یا ظرفیت کی بنا پر منصوب ہے۔(نفحات،مرآۃ)

۲۶۶۔وعنه أنّه توضأ فأفرغ علىٰ يديه ثلاثًا ثمّ تمَضمَضَ واستَنثَرثمّ غسلَ وجهَه ثلاثًا ثمّ غسل يدَه اليُمنىٰ الى المِرفقِ ثلاثًا ثمّ غسل يدَه اليُسرىٰ الى المِرفقِ ثلاثًا ثمّ غسل رِجلَه اليُمنىٰ ثلاثًا ثمّ اليُسرىٰ ثلاثًا ثمّ قال :رأيتُ رسولَ الله ﷺ توضأ نحوَ وضوئي هذا،ثمّ قال: مَن توضأ وضوئي هذا ثمّ يُصلّي ركعتين لا يُحدِّثُ نفسَه فيهما بشئٍ غُفِرله ماتقدّمَ مِن ذنبِه.

ترجمہ:حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ آپؓ نے وضوفرمایا،چنانچہ پہلے ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا پھر تین مرتبہ کلی کی اور ناک جھاڑی پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ کہنی سمیت تین مرتبہ دھویا،پھر بایاں ہاتھ کہنی سمیت تین مرتبہ دھویا،پھر دایاں پاؤں تین مرتبہ دھویا پھر بایاں پاؤں تین مرتبہ دھویا۔پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے میرے اس وضو کی مانند وضو کیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا:جو شخص میرے اس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعت ایسے(دھیان کے ساتھ)پڑھے کہ ان دونوں(رکعتوں)میں اپنے نفس(دل)کے ساتھ کوئی بات نہ کرے تو اس کے تمام وہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں جو پہلے سرزد ہوئے۔(متفق علیہ ولفظہ للبخاری)

تشریح: قوله: واستنثر.....: ناک میں ڈالے ہوئے پانی کو جھاڑنا"استنثار"کہلاتا ہے جبکہ سانس کے ذریعہ پانی ناک میں چڑھانے کو"استنشاق"کہتے ہیں،یہاں صرف استنثار کے ذکر پر اکتفا کیا گیا کیونکہ یہ استنشاق کو لازم ہے۔

قوله: ثمّ يصلّي ركعتين لا يحدّث نفسه فيهما بشيءٍ....:۔یہاں امورِ دنیا کے بارے میں آنے والے اختیاری خیالات کی نفی مراد ہے،غیر اختیاری خیالات کی نفی کا انسان مکلّف ہی نہیں لہٰذا غیر اختیاری خیالات کا آنا مضر نہیں جبکہ اس سے اعراض برتا جائے اور اپنے اختیار سے اس میں مشغول نہ ہوا جائے۔(نفحات)

تحیۃ الوضو کی فضیلت:

۲۶۷۔وعن عقبةَ بنِ عامرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ما من مسلم يتوضأفيُحسِنُ وضوءَهٗ ثمّ يقومُ فيصلّي ركعتينِ مُقبلاً عليهما بقلبِهٖ ووَجْهِهٖ الّا وجبتْ له الجنّةُ.[مسلم]

ترجمہ:حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان وضو کرے اور اچھا وضو کرے پھر دل اور منہ(ظاہر اور باطن)کے ساتھ متوجہ ہو کر دو رکعت نماز پڑھے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔(مسلم)

وضو کے بعد شہادتین پڑھنے کی فضیلت:

۲۶۸۔وعن عمر بن الخطابؓ قال: قال رسول الله ﷺ:ما منكم من أحدٍيتوضأ فيُبلِغُ أو فيُسبِغُ الوضوءَ ثمّ يقول:"أشهدُ أن لا إلٰه إلا اللهُ وأنّ محمدًا عبدُه ورسولُه"[وفي روايةٍ:]"أشهدُ أن لا إلٰه إلا اللهُ وحدَه لا شريكَ له وأشهدُ أنّ محمدًا عبدُه ورسولُه" الّا فُتِحتْ له أبوابُ الجنّة الثمانيةُيدخلُ مِن أيّهاشاء .[هٰكذا رواه مسلم في صحيحي والحُميديُّ في أفرادِ مسلم وكذاابنُ الأثيرِ في جامعِ الأصولِ وذكرَ الشيخُ مُحيي الدين النوَويُّ في آخرِ حديثِ مسلمٍ علىٰ مارويناه ،وزاد الترمذي:

"اللهم اجعلني مِن التوابينَ واجعلْني مِن المُتطهرين" والحديث الذي رواه محيي السنّةِ في الصحاحِ :"مَنْ توضّأ فأحسنَ الوُضوءَ" الىٰ آخرِه ، رواه الترمذيُّ في جامعِه بعينِهِ الاّ كلمةَ "أشهد" قبلَ "أنّ محمدًا".]

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی وضو کرے پھر وضو کو کمال درجہ تک پہنچائے پھر کہے: "أشهد أن لا إله إلا اللهُ وأنّ محمدًا عبدُه ورسوله" اور ایک روایت میں یوں وارد ہے: "أشهدُ أن لا إله إلا الله وحدَه لا شريك له وأشهدُ أنّ محمدًا عبده ورسوله" اس شخص کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جس دروازے میں سے چاہے داخل ہو۔ [مسلم نے ایسا ہی روایت کیا ہے اپنی صحیح میں....اور ترمذی نے یہ اضافہ نقل کیا ہے: "اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين" ترجمہ: "اے اللہ! مجھ کو توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں سے بنا"۔ اور حدیث: "مَن توضّأ فأحسن الوضوء" جسے محی السنۃ نے "صحاح" (یعنی فصلِ اول) میں روایت کیا ہے اس کو ترمذی نے اپنی جامع میں بعینہ روایت کیا ہے سوائے اس کے کہ "أنّ محمدًا" سے پہلے "کلمہ "أشهدُ" نقل نہیں کیا۔]

تشریح: قوله: فيبلغ أو فيسبغ.....: "أو" شک راوی پر دال ہے، یہ دونوں لفظ اکمال کے معنیٰ میں ہیں۔

قوله: ثمّ يقول أشهدُ .....: بعد از وضو کلمہ شہادت پڑھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ظاہری طہارت کے ساتھ ساتھ باطنی طہارت بھی حاصل ہو جائے۔

قوله: فُتِحت له أبواب الجنّة الثمانية: آٹھوں دروازوں کا کھولا جانا تعظیماً و تکریماً ہے، اگرچہ دخول کے لیے تو ایک ہی دروازہ کافی ہے۔ (نفحات)

امتِ مسلمہ کا قیامت کے دن روشن اعضاء والا ہونا:

۲٦٩۔ وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: إنّ أمّتي يُدعَونَ يومَ القيامةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِن آثار الوُضوءِ فمنِ استطاعَ مِنكُمْ أنْ يُطيل غُرّتَه فليفعلْ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز میری امت وضو کے آثار کی وجہ سے روشن پیشانی والی اور چمکتے ہوئے اعضا والی پکاری جائے گی، سو تم میں سے جو طاقت رکھے کہ اپنی پیشانی کی روشنی کو بڑھائے تو اسے چاہیے کہ ایسا کرے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: إنّ أمتي يُدعون يومَ القيامة غُرًّا محجّلين.....: [غرّ] أغرّ کی جمع ہے بمعنیٰ سفید چہرے و پیشانی والا ہونا، یہ غرّۃ سے ماخوذ ہے جو گھوڑے کی پیشانی پر پائے جانے والے سفید نشان کو کہتے ہیں، پھر ہر سفید و چمکدار چیز پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ "محجّلين" محجّل کی جمع ہے جو حجلٌ بمعنیٰ بیڑی سے ماخوذ ہے۔ "محجل" اس جانور کو کہتے ہیں جس کے پاؤں باقی بدن کے برعکس سفید ہوں، لیکن یہاں اعضائے وضو کا روشن و چمکدار ہونا مراد ہے جو اس امت کی خصوصیت ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

جنت میں مؤمن کا زیور:

۲۷۰۔وعنه قال: قال رسولُ الله ﷺ: تبلُغُ الحِلیةُ مِن المؤمنِ حیثُ یبلغُ الوضوءُ.[مسلم]

ترجمہ:ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کا زیور (جنت میں) وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔

''الفصل الثانی''

وضو کی حفاظت مؤمن ہی کرسکتا ہے:

۲۷۱۔وعن ثوبانؓ قال: قال رسول الله ﷺ: استقِیمُوا ولن تُحصُوا واعلَمُوا أنّ خیرَ أعمالِکم الصلوٰۃُ ولایُحافِظُ علی الوضوءِ الاّ مؤمنٌ .[أحمد،مالك ،ابن ماجه ،دارمی]

ترجمہ:حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سیدھے رہو اور تم ہرگز (سیدھے رہنے کی) طاقت نہ رکھ سکو گے اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں سے سب سے بہتر عمل نماز ہے اور وضو کی حفاظت مؤمن ہی کرسکتا ہے۔(رواہ مالک، احمد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: قوله: استقیموا ولن تحصوا: ۔اس کا مطلب ہے کہ تم کامل استقامت اختیار نہیں کرسکتے لہذا بقدرِ استطاعت کوشش کرو، یا یہ مطلب ہے کہ تم استقامت کے ثواب کو شمار نہیں کرسکتے۔

وضو پر وضو کرنے کا ثواب:

۲۷۲۔وعن ابن عمرؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن توضّأَ علیٰ طهرٍ کُتِب له عشرُ حسناتٍ.[ترمذی]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وضو پر وضو کرے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔(ترمذی)

''الفصل الثالث''

جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے:

۲۷۳۔عن جابرؓ قال:قال رسولُ الله ﷺ :مفتاحُ الجنةِ الصلاةُ ومفتاحُ الصلاةِ الطُّهورُ.[أحمد]

ترجمہ:حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے۔(احمد)

مقتدیوں کے اچھی طرح وضو نہ کرنے کا اثر امام پر:

۲۷٤۔وعن شبیب بن أبی روحٍ عن رجلٍ من أصحابِ رسولِ الله ﷺ أنّ رسولَ الله ﷺ صلّی صلاةَ الصُّبحِ فقرأ ''الرومَ'' فالتبسَ علیه فلمّاصلّی قال: مابالُ أقوامٍ یُصلُّون معَنالایُحسِنُونَ الطُّهورَ وإنّمایُلبِّسُ علینا القرآنَ أُولٰئك.[نسائی]

ترجمہ:شبیب بن ابی روح رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابیؓ سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھی اور (اس میں) سورۃ الروم کی تلاوت کی، (اس اثنا میں) آپ (ﷺ) پر قرأت متشابہ ہوگئی، چنانچہ جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہمارے

ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اچھی طرح وضو نہیں کرتے، یہی لوگ ہم پر قرآن (کی تلاوت) میں اشتباہ ڈالتے ہیں۔ (نسائی)

تشریح: قوله: و إنّما يلبّس علينا القرآن أولئك...... : اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی عبادت کے سنن و مستحبات میں کوتاہی برتنے سے نہ صرف یہ کہ اپنے اوپر برا اثر مرتب ہوتا ہے بلکہ دوسرے بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں، خود رسول اللہ ﷺ کا متاثر ہونا اس کی واضح دلیل ہے۔ اب اُن لوگوں کو ذرا سوچنا چاہیے جو اہلِ فسق و فجور کی صحبت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ (نفحات)

روزہ آدھا صبر ہے اور پاکی نصف ایمان ہے:

۲۷۵۔ وعن رجل من سُلَيم قال: عدَّهُنّ رسولُ الله ﷺ في يدي أو في يدِهٖ قال: التسبيحُ نصفُ الميزانِ والحمدُ لله يملأهٗ والتكبيرُ يملأُ مابين السماء والأرضِ والصومُ نصفُ الصبرِ والطُّهورُ نصفُ الايمان. [ترمذی وقال هذاحديثٌ حسن]

ترجمہ: بُنُلیم (قبیلہ) کا ایک شخص روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اِن (آگے مذکور باتوں) کو میرے ہاتھ میں گنایا (کہا کہ) اپنے ہاتھ میں گِنا۔ فرمایا: سبحان اللہ کہنا آدھا ترازو (بھر دیتا) ہے اور (سبحان اللہ کے ساتھ یا فقط) الحمدللہ کہنا ترازو کو بھر دیتا ہے اور اللہ اکبر کہنا آسمان وزمین کے درمیان (فضا) کو بھر دیتا ہے اور روزہ آدھا صبر ہے اور پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔ (ترمذی)

ایک اشکال اور اُس کا جواب:

تشریح: قوله: والصوم نصف الصبر ...: یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ روزہ کو نصفِ صبر کیوں قرار دیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مطلق صبر خواہ وہ ''صبر علی الطاعۃ'' ہو یا ''صبر علی المصیبۃ'' یا ''صبر عن المعصیۃ'' ہو، دن ورات دونوں میں ہوتا ہے جبکہ روزہ میں صرف دن کو صبر ہوتا ہے اس لیے اس کو ''نصفِ صبر'' قرار دیا۔

وضو کی وجہ سے تمام اعضا سے گناہوں کا نکلنا:

۲۷۶۔ وعن عبدالله الصنابحيؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا توضأ العبدُ المؤمنُ فتَمَضْمَضَ خرجتِ الخطايا مِن فِيهِ واذا استنثَر خرجتِ الخطايا مِن أنفِهٖ واذاغسلَ وجهَهٗ خرجتِ الخطايا مِن وجهِهٖ حتىٰ تخرُجَ مِن تحتِ أشفارِ عينيه فاذاغسلَ يديه خرجتِ الخطايا مِن يديه حتّٰى تخرجَ مِن تحتِ أظفارِ يديه فاذامسح برأسه خرجتِ الخطايا مِن رأسه حتّٰى تخرجَ مِن أذنيه فاذغسلَ رِجليه خرجتِ الخطايا مِن رِجليه حتّٰى تخرجَ مِن أظفارِ رجليه ثمّ كان مشيُه الى المسجدِ وصلوٰتُه نافلةً له. [مالك، نسائی]

ترجمہ: حضرت عبداللہ صنابحیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مؤمن بندہ وضو کرتا ہے اور کلی کرتا ہے تو گناہ اس کے منہ سے نکل جاتے ہیں اور جب ناک جھاڑتا ہے تو گناہ اس کی ناک سے نکل جاتے ہیں اور جب اپنا چہرہ دھوتا ہے تو گناہ اس کے چہرے سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کے پلکوں سے بھی گناہ خارج ہو جاتے ہیں اور جب اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو گناہ اس کے ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں اور جب اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو گناہ اس کے سر سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے دونوں کانوں سے بھی نکل جاتے ہیں اور جب پیر دھوتا ہے تو گناہ اس کے پیروں سے بھی نکل جاتے

ہیں یہاں تک کہ اس کے پیر کے ناخنوں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنا اس کے لیے زائد (ثواب) ہے۔(مالک، نسائی)

تشریح: قوله: حتیٰ تخرج من تحت أشفارِ عينيه...:۔"أشفار" شَفر کی جمع ہے بمعنیٰ پلکوں کی جڑ۔

کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لینے کا مسئلہ:

قوله: فإذا مسح برأسه خرجت الخطايا من رأسه حتى تخرج من أذنيه.... :۔اس روایت سے احناف کی تائید ہوتی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ سر کے مسح سے باقی رہ جانے والی تری سے کانوں کا مسح کرنا درست ہے نیا پانی لینے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہاں مسحِ رأس کے ذیل میں "خروجِ خطایا عن الاذنین" کا ذکر فرمایا گیا، معلوم ہوا کہ اذنین مسح کے حکم میں رأس کے ساتھ شریک ہیں۔جبکہ شوافع مسحِ اذنین کے لیے ماءِ جدید کے قائل ہیں۔

قوله: ثمّ كان مشيه إلى المسجد وصلاته نافلة له...: ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وضو سے گناہ معاف ہو چکے اب اس شخص کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنا مزید ثواب اور رفعِ درجات کا باعث بنے گا۔(نجحات)

آپ ﷺ کا امت کو شرفِ اخوت سے نوازنا:

٢٧٧۔وعن أبي هريرةؓ أنّ رسول الله ﷺ أتى المقبرةَ فقال: السلامُ عليكم دارَ قومٍ مؤمنين!وإنّا إن شاء اللهُ بكم لاحقونَ، وَدِدتُ أنّا قد رأينا إخوانَنا،قالوا:أولسنا إخوانَك يارسولَ الله! قالَ: أنتم أصحابي وإخوانُنا الذين لم يأتوا بعدُ فقالوا: كيف تعرفُ مَن لم يأتِ بعدُ مِن أمّتكَ يا رسول الله!فقال: أرأيتَ لو أنّ رجلًا له خيلٌ غُرٌّ مُحجّلة بينَ ظَهرَي خيلٍ دُهمٍ بُهمٍ ألا يعرِفُ خيلَه؟قالوا: بلىٰ يا رسولَ الله!قال: فإنّهم يأتون غُرًّا مُحجّلين مِن الوضوءِ وأنا فَرَطُهم على الحَوضِ.[مسلم]

ترجمہ:ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ قبرستان تشریف لائے اور فرمایا کہ "اے مؤمنین کی جماعت!تم پر سلام ہو اور ہم بھی انشاء اللہ تمہارے پاس آنے والے ہیں،میں اس بات کی تمنا رکھتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو دیکھوں"۔صحابہؓ نے عرض کیا کہ آیا ہم آپ کے بھائی نہیں۔فرمایا:تم تو میرے صحابہ (دوست) ہو اور میرے بھائی وہ لوگ ہیں جو ابھی (دنیا میں) نہیں آئے۔صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ!آپ کی امت میں سے جو ابھی تک آئے نہیں ہیں آپ اُنہیں (قیامت میں) کس طرح پہچانیں گے؟آنحضرت نے فرمایا:مجھے یہ بتاؤ کہ اگر کسی شخص کے ایسے گھوڑے ہوں جن کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں اور وہ نہایت سیاہ گھوڑوں کے درمیان ملے ہوئے ہو،کیا وہ شخص اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچان سکے گا؟صحابہؓ نے عرض کیا:یارسول اللہ!کیوں نہیں پہچان سکے گا۔(یہ سن کر) آنحضرت نے فرمایا:وہ وضو کے اثر سے (قیامت کے دن) سفید پیشانی والے،سفید اعضاء والے ہو کر آئیں گے اور میں حوضِ کوثر پر ان کا میر سامان (پہلے سے موجود) ہوں گا۔(مسلم)

تشریح: قوله: أتىَ المقبرة فقال ....:۔یعنی آپ ﷺ جنۃ البقیع کے قبرستان میں تشریف لائیں۔" السلام عليكم دارَ قومٍ مؤمنين"،میں [دار] سے مراد اموات مؤمنین کی جماعت ہے اور اس کا نصب یا تو علی وجہ الاختصاص ہے اور یا پھر [یا] حرفِ ندا محذوف کی وجہ سے ہے۔" وإنّا إن شاء الله بكم لاحقون" میں آپ ﷺ کا [إن شاء الله] فرمانا ازراہِ تبرک تھا ورنہ موت تو یقینی ہے یا مقامِ موت و

مدفن میں شک کی بنا پر [إن شاء لله] فرمایا۔ یہ روایت واضح طور پر سماعِ موتی پر دال ہے۔

قوله: أنتم أصحابي وإخواننا الّذين لم يأتوا :۔ یہاں صحابہ سے اخوت کی نفی مقصود نہیں بلکہ ان کے لیے شرفِ صحابیّت کا اثبات مقصود ہے جو کہ اخوت سے بڑھ کر ہے۔

قوله: بين ظَهرَىْ خيلٍ دُهْمٍ بُهْمٍ......: ۔لفظ" ظهری "زائد برائے تحسینِ کلام ہے۔ "دُهمٌ" ادهم کی جمع ہے بمعنیٰ کالا سیاہ اور "بُهمٌ" ابهم کی جمع ہے بمعنیٰ خالص سیاہ، یہ "دُهم" کی تاکید ہے۔

قوله: وأنا فرطهم على الحوض......:۔ یعنی میں ان سے پہلے ہی خدا کے پاس جا کر اُن کی مغفرت اور بلندی درجات کے اسباب کروں گا۔ یہ اس امت کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔ فرط اصل میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو قافلہ سے آگے جا کر اہلِ قافلہ کے لیے پانی وغیرہ کا بندوبست کرتا ہے۔ (لمحات، مرآۃ)

۲۷۸۔ وعن أبي الدرداءِ قال: قال رسول اللهﷺ: أنا أوّلُ مَن يُؤذَنُ له بالسجودِ يومَ القيامةِ وأنا أوّل مَن يؤذَنُ له أن يَرفعَ رأسَه فأنظرُ الى مابين يديّ فأعرِفُ أُمّتي مِن بين الأُمَمِ ومِن خلفي مثلُ ذلك وعن يميني مثلُ ذلك وعن شمالي مثلُ ذلك فقال رجلٌ: يا رسولَ الله! كيفَ تعرفُ أمّتكَ مِن بينِ الأُمَمِ فيمابين نوحٍ الىٰ أُمّتكَ؟ قال: هُم غُرٌّ مُحجّلُونَ مِن أثرِ الوضوءِ ليس أحدٌ كذلك غيرُهم وأعرِفُهم أنّهم يُؤتَون كُتبَهم بأيمانهم وأعرفُهم تسعٰى بينَ أيديهم ذريّتُهم. [أحمد]

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائیگی اور میں ہی پہلا وہ شخص ہوں گا جسے سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت دی جائے گی چنانچہ میں اپنے سامنے دیکھوں گا تو اپنی امت کو دوسری امتوں کے درمیان پہچان لوں گا اور پھر اپنے پیچھے اس طرح اور اپنے دائیں اس طرح اور اپنے بائیں اس طرح (دیکھوں گا اور اپنی امت کو پہچان لوں گا) ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! نوح علیہ السلام کی امت سے لے کر اپنی امت تک کی تمام امتوں میں آپ (ﷺ) اپنی امت کو کیسے پہچان پاؤ گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ (یعنی میرے امتی) وضو کے اثر سے سفید پیشانی اور سفید اعضا والے ہونگے ان کے سوا کوئی بھی ایسا نہ ہوگا اور میں ان کو (اس بات سے) پہچان لوں گا کہ اُن کے اعمالنامے ان کو دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور ان کو (اس بنا پر) پہچانوں گا کہ ان کے آگے ان کی (نابالغ) اولاد دوڑتی ہوگی۔ (احمد)

تشریح: قوله: وأعرفُهم أنّهم يؤتون كتبهم بأيمانهم......:۔ امتِ محمدیہ کو اعمال ناموں کا دائیں ہاتھ میں ملنا اور ان کی اولاد کا ان کے آگے آگے دوڑنا بطورِ مدح و کرامت کے ذکر فرمایا گیا نہ کہ بطورِ تخصیص کے، کیونکہ دوسری امتوں کے صلحاء کو بھی اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔

(بابُ ما يوجِبُ الوُضُوْءَ)

موجبات وضو کے تین درجات:

فضائلِ وضو بیان کرنے کے بعد اب موجباتِ وضو کا بیان فرما رہے ہیں، موجباتِ وضو یعنی نواقضِ وضو کے تین درجات ہیں:

(۱)وہ چیزیں جن کے موجبِ وضو ہونے پر جمہور صحابہؓ کا اتفاق ہے جیسے: بول و براز، مذی، نوم ثقیل وغیرہ۔
(۲)وہ چیزیں جن کے موجبِ وضو ہونے میں صحابہؓ وتابعین کا اختلاف ہے اور روایات بھی اس کے بارے میں متعارض ہیں جیسے مسّ ذَکر (یعنی شرمگاہ کو ہاتھ لگانا) اور مسّ امرأۃ کا موجبِ وضو ہونا۔
(۳)وہ چیزیں جن کا موجبِ وضو ہونا حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے لیکن بالاجماع ان سے وضو واجب نہیں ہے جیسے: "وضوء ممّا مسّت النار" یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو کرنا اور "وضوء من لحوم الابل" یعنی اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو وغیرہ، صاحبِ مشکوٰۃ بالترتیب ان کے متعلق احادیث لائے ہیں۔

"الفصل الاوّل"

بے وضو شخص کی نماز قبول نہیں کی جاتی:

۲۷۹۔وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: لاتُقبَلُ صلاةُ مَنْ أحدثَ حتّٰی یتوضّأ .[متفق علیه]
ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے وضو شخص کی نماز قبول نہیں کی جاتی یہاں تک کہ وضو کرلے۔

کوئی نماز بغیر طہارت کے قبول نہیں کی جاتی:

۲۸۰۔عن ابنِ عمرؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: لا تُقبَلُ صلاةٌ بغیرِ طُهورٍ ولا صدقةٌ من غُلُولٍ .[مسلم]
ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں کی جاتی اور نہ حرام مال سے صدقہ قبول کیا جاتا ہے۔(مسلم)

تشریح: قوله: لا تقبل صلاةٌ بغير طهور ......صلاۃ نکرہ ہے اور تحت النفی واقع ہے اس لیے یہ عموم کا فائدہ دے گا۔مطلب یہ ہوگا کہ کوئی بھی نماز خواہ فرض ہو یا نفل یا جنازہ یا سجدہ تلاوت بغیر طہارت کے صحیح نہیں، ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔یہاں قبولیت کی نفی سے صحت کی نفی مقصود ہے نہ کہ ترتبِ اجر وثواب کی نفی، کیونکہ لفظِ قبول کے دو معنیٰ آتے ہیں:
(۱) "کون الشیء مُستَجمِعًا لِجمیع الشرائط و الأرکان" یعنی کسی چیز کا تمام شرائط وارکان کا جامع ہونا۔اس معنیٰ کے اعتبار سے قبول وصحت دونوں مترادف ہیں، اسے قبولِ صحت بھی کہتے ہیں کہ آدمی کا فریضہ ادا ہوجائے خواہ ثواب ملے یا نہ ملے اس کی نظیر یہ ارشاد نبوی ہے:"لا یقبَلُ اللهُ صلاةَ حائضٍ إلّا بِخمارٍ" یہاں نفی قبول سے نفی صحت مراد ہے۔
(۲) "وقوعُ الشّئُ فی حِیَزِ مرضاةِ اللهِ" یعنی اجر وثواب کا مرتب ہونا، یہ معنیٰ مراد لینے کی صورت میں نفی قبولیت سے مراد اجر وثواب کی نفی ہے۔حدیث مذکور میں بالاتفاق قبول کا پہلا معنیٰ مراد ہے، گویا[لا تُقبل]، لاتصحّ کے معنیٰ میں ہے، اس پر درج ذیل کئی قرائن ہیں:
(۱) آیت: "إذا قُمْتُم الی الصلاةِ فاغسِلُوا وُجُوهَکم و أیدِیَکم....." سے معلوم ہوتا ہے کہ طہارت صحتِ صلاۃ کے لیے شرط ہے اس کے بغیر نماز صحیح نہ ہوگی۔

(۲) حدیث: ''مفتاحُ الصَّلاۃِ الطھورُ'' بھی اس پر قرینہ ہے۔
(۳) بغیر طہارت کے نماز صحیح نہ ہونے پر امت کا اجماع بھی اس کا قرینہ ہے۔

فاقد الطہورین کا مسئلہ:

یہاں شارحین فاقد الطہورین (یعنی ایسا شخص جو حصولِ طہارت کے لیے نہ پانی پر قادر ہو اور نہ مٹی پر) کا مسئلہ ذکر کرتے ہیں کہ ایسا شخص نماز پڑھے گا یا نہیں؟

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں ایسا شخص نماز نہ پڑھے بلکہ مؤخر کرے اور بعد میں قضا پڑھ لے۔

امام احمدؒ کے ہاں ادا پڑھنا واجب ہے اور قضا واجب نہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک نہ فی الحال ادا پڑھنا واجب ہے اور نہ بعد میں قضا واجب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے اس مسئلہ میں چار اقوال ہیں، راجح قول کے مطابق ادا اور قضا دونوں واجب ہیں۔

جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے ہاں ایسا شخص ''تشبہ بالمصلّین'' کرے گا یعنی بغیر نیت و بلا قراءت و بلا تسبیحات کے صرف قیام اور رکوع وسجدہ کی ہیئت اختیار کرے گا۔ اس کے متعدد نظائر شریعت میں موجود ہیں، مثلاً: جس کا حج وقوفِ عرفہ سے پہلے فاسد ہو جائے تو وہ صرف تشبہ بالحجاج کریگا وغیر ذلک، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا رجوع بھی اس قول کی طرف ثابت ہے۔

حرام مال سے کیا جانے والا صدقہ:

قولہ: ولا صدقۃٌ من غلولٍ...:۔ ''غلول'' کا معنیٰ ہے مالِ غنیمت میں خیانت کرنا۔ پھر اس کا اطلاق ہر اس مال پر ہونے لگا جو حرام ذرائع سے حاصل ہوا ہو، یہاں پر یہی معنیٰ مراد ہے۔ ماقبل سے اس جملہ کا ربط یہ ہے کہ وہاں ظاہری طہارت کا بیان تھا اور یہاں طہارت باطنی کا بیان ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "خُذْ مِن أموالھم صدقۃً تُطھِّرُھم وتُزَکِّیھم"۔ یعنی ''لیجیے ان کے مالوں سے زکوٰۃ جو ان کو پاک کرے گا''۔ حدیث کے زیرِ بحث جملے کا مطلب یہ ہے کہ مالِ حرام سے کیا جانے والا صدقہ صحیح نہیں حتیٰ کہ اجر وثواب کی امید پر مالِ حرام سے صدقہ کرنے سے اندیشۂ کفر ہے، البتہ اگر حرام مال سے جان چھڑانے کی خاطر بلا نیت ثواب اس کو صدقہ کیا جائے تو یہ درست ہے اور اس پر ثواب بھی ملے گا۔ (نفحات، مرآۃ)

مذی آنے پر وضو کا حکم:

۲۸۱۔ وعن علیؓ قال: کنتُ رجلاً مذّاءً فکنتُ أستحیی أن أسألَ النبیﷺ لمکان ابنتہٖ فأمرتُ المِقدادَ فسألہ فقال: یغسِلُ ذَکَرَہٗ ویتوضّأُ. [متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں ایسا شخص تھا جسے کثرت سے مذی آتی ہو اور (اس بارے میں) آنحضرتﷺ سے پوچھنے سے آپﷺ کی صاحبزادی (حضرت فاطمہؓ) کی وجہ سے حیا مانع تھی، چنانچہ میں نے حضرت مقدادؓ سے درخواست کی۔ انہوں نے آپﷺ سے (یہ) مسئلہ پوچھا۔ آپﷺ نے جواب دیا کہ (مذی نکلنے پر) اپنی پیشاب گاہ کو دھو ڈالے اور وضو کر لے۔ (متفق علیہ)

مرد کی شرمگاہ سے نکلنے والا پانی:

تشریح: قوله: كنتُ رجلًا مذّاءً ....:۔[مذّاء] صیغہ مبالغہ ہے، اُس شخص کو کہتے ہیں جس کو مذی بکثرت آئے۔

مرد کے ذکر (شرمگاہ) سے تین قسم کا پانی خارج ہوتا ہے:

(۱) مذی: یہ وہ سفید ولیس دار پانی ہے جو ملاعبتِ زوجہ یا تذکرۂ جماع کے وقت خارج ہوتا ہے اور اس کے خروج سے ضعف وفتور لاحق نہیں ہوتا، حدیث میں اسی کی کثرت کی شکایت ہے۔

(۲) منی: یہ وہ سفید گاڑھا پانی ہے جو اچھل کر اور شہوت ولذت کے ساتھ نکلتا ہے اور نکلنے کے بعد ضعف وفتور طاری ہو جاتا ہے۔

(۳) ودیؔ: یہ وہ سفید گاڑھا پانی ہے جو پیشاب سے پہلے یا بعد میں ایک یا دو قطروں کی صورت میں نکلتا ہے۔

مذی بالاتفاق نجس اور ناقض وضو ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک خروجِ مذی سے خصیتین سمیت پورے ذکر کو دھونا واجب ہے، آپؒ کا استدلال ابوداؤد شریف کی ان احادیث سے ہے جن میں اس صورت میں غسلِ ذکر مع خصیتین کی صراحت ہے۔

جبکہ جمہور فقہاءؒ کے ہاں خروجِ مذی سے صرف موضعِ نجاست کو دھونا ضروری ہے، یہ حضرات ابوداؤد شریف کی احادیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وہ احادیث یا تو استحباب پر محمول ہیں یا پھر علاج پر کیونکہ کل ذکر کو دھونے سے مزید مذی کا نکلنا بند ہو جاتا ہے۔ (فحات)

قوله: فكنتُ أستحيِي أن أسألَ النبيَّ ﷺ لِمكان ابنته فأمرتُ المِقدادَ ....:۔ چونکہ خروجِ مذی عموماً ملاعبتِ زوجہ کے وقت ہوتا ہے اور آپؓ کی زوجہ سیّدتنا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں جو حضور ﷺ کی صاحبزادی تھیں، لہٰذا خود سوال کرنے سے حیا مانع ہوئی۔ یہاں "فأمرتُ المقداد" میں حضرت مقدادؓ کی معرفت سے سوال کرنے کا ذکر ہے اور بعض روایات میں حضرت عمارؓ کے واسطے سے سوال کرنے کا ذکر ہے، اس میں تو کوئی اشکال نہیں، البتہ بعض روایات میں سوال کی نسبت خود حضرت علیؓ کی طرف ہے جو قابلِ اشکال ہے۔ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اصل سائل تو حضرت علیؓ ہی تھے حضرت مقدادؓ وعمارؓ تو واسطہ تھے، یا یہ کہ بعد میں مزید اطمینان کے لیے حضرت علیؓ نے خود بھی مسئلہ دریافت کیا۔ (فحات)

آگ سے پکی ہوئی چیزوں سے وضو کرنے کا مسئلہ:

۲۸۲۔وعن أبي هريرةؓ قال: سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: تَوَضَّؤُا مِمَّا مَسَّتِ النارُ.[رواه مسلم] وقال الشيخُ الامامُ الأجلُّ مُحيِي السنّةِ :هذامنسوخٌ بحديثِ ابن عباسؓ قال: اِنّ رسولَ الله ﷺ أكلَ كتِفَ شاةٍ ثمّ صلّى ولَم يتوضّأ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اُن چیزوں سے وضو کرو جسے آگ پہنچی ہو (یعنی آگ سے پکی ہو)۔ (مسلم) شیخ امام محی السنۃؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے، ناسخ یہ حدیث ابن عباسؓ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کا شانہ کھایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: توضئوا ممّا مسّت النار ....:۔ آگ سے پکی ہوئی چیزوں کے استعمال سے وضو کے نہ ٹوٹنے پر ائمہ اربعہؒ کا اتفاق ہے۔ باقی رہی یہ حدیث تو اس کی کئی توجیہات کی گئی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) یہ حدیث منسوخ ہے جیسا کہ امام محی السنۃ نے اس کی تصریح کی ہے اور ناسخ متعدد احادیث ہیں، مثلاً حدیثِ ابنِ عباسؓ، حدیثِ امّ سلمہؓ (یہ دونوں حدیثیں آگے مذکور ہیں) اور جابرؓ کی یہ حدیث: ''أنّ رسولَ الله ﷺ تركَ الوضوءَ مِمّا غَيّرتِ النارُ.'' (ابوداؤد، ترمذی)

(۲) اس حدیث میں وضو کا حکم استحباب پر محمول ہے۔ دلیل حضرت جابر بن سمرہؓ کی حدیث ہے جو اس حدیث کے متصل بعد مذکور ہے ۔

(۳) اس حدیث میں وضو کا لغوی معنیٰ یعنی ہاتھ منہ دھونا مراد ہے۔ دلیل حضرت سوید بن نعمانؓ کی حدیث ہے جو اسی فصل میں آگے مذکور ہے

اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کا مسئلہ:

۲۸۳۔وعن جابر بن سَمُرةَ أنّ رجلاً سأل رسول الله ﷺ أنتوضأُ من لُحومِ الغَنمِ؟ قال: إن شئتَ فتوضّأْ وإن شئتَ فلا تتوضّأْ، قال: أنتوضأُ مِن لُحوم الإبل؟ قال: نعم! فتوضأْ من لحوم الابلِ، قال: أُصلّي في مرابضِ الغَنمِ؟ قال: نعم، قال: أُصلّي في مَبارِكِ الإبلِ؟ قال: لا. [مسلم]

ترجمہ:۔ حضرت جابر بن سمرہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا ہم بکری کے گوشت (کھانے) سے وضو کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو وضو کرو اور چاہو تو نہ کرو۔ سائل نے پھر پوچھا: کیا اونٹ کے گوشت سے وضو کریں؟ فرمایا کہ ہاں! اونٹ کے گوشت سے وضو کرو۔ اس نے پوچھا کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھوں؟ فرمایا کہ ہاں! پھر اس نے پوچھا کہ کیا اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھوں؟ فرمایا کہ نہیں۔ (مسلم)

تشریح: قوله: أنتوضأ من لحوم الإبل؟ قال: نعم! فتوضأ من لحوم الابل ....:۔ اونٹ کا گوشت کھانا جمہور فقہاء کے نزدیک ناقضِ وضو نہیں۔ جبکہ امام احمدؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ کے ہاں اونٹ کا گوشت کھانا وضو کا موجب ہے، ان حضرات کی دلیل زیرِ بحث حدیث کے علاوہ ترمذی میں مروی حدیثِ براء بن عازبؓ ہے، جس میں اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کا حکم دیا گیا ہے۔

جبکہ جمہور حضرات کے ہاں اونٹ کا گوشت کھانا موجبِ وضو نہیں۔ یہ حضرات اِن احادیث کی وہی تین توجیہات کرتے ہیں جو "توضئوا مما مسّت النّار" کے ضمن میں کی گئی یعنی: یا تو یہ احادیث منسوخ ہیں یا مراد لغوی وضو یعنی ہاتھ منہ دھونا ہے یا ان احادیث میں وضو کا حکم استحباب پر محمول ہے اس کی تائید حدیث سمرہ بن جندبؓ سے ہوتی ہے: "قال: سألتُ رسولَ الله ﷺ، فقلت: إنّا أهلُ باديةٍ وماشيةٍ فهل نتوضأُ من لُحوم الإبل و ألبانِها؟ قال: نعم..." (مجمع الزوائد ص ۲۵۰ ج ۱، فتح الملہم ص ۴۹۰ ج ۱) یعنی ''میں نے پوچھا کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں کیا ہم اونٹ کا گوشت کھانے سے اور اس کا دودھ پینے سے وضو کریں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں''۔ اس حدیث میں البانِ ابل سے بھی وضو کا ذکر ہے جس کو امام احمدؒ و امام اسحاقؒ بھی استحباب پر محمول کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی جمہور حضرات "وضوء من لحوم الإبل" کو بھی استحباب پر محمول کرتے ہیں۔ (نفحات، مرآۃ)

جانوروں کے باڑے میں نماز پڑھنے کا مسئلہ:

قوله: أصلّي في مرابض الغنم؟ قال: نعم....:۔ [مرابض] مربض کی جمع ہے بمعنیٰ بکریوں کا باڑہ۔ اور [مَبارك] مَبرَك کی جمع بمعنیٰ اونٹوں کے باندھنے وغیرہ کی جگہ۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر نماز کی جگہ کا نجس ہونا یقینی طور پر یا ظنِ غالب سے معلوم ہو تو وہاں نماز پڑھنا جائز

نہیں خواہ وہ مرابض غنم ہو یا مبارکِ ابل، لیکن جگہ کے پاک ہونے کی صورت میں مربضِ غنم میں تو نماز پڑھنا جائز ہے لیکن مبرکِ ابل میں درجہ ذیل وجوہ کی بنا پر از راہِ شفقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے:

(۱) اونٹ بڑا اور شریر جانور ہے جو بدک کر اذیت پہنچا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس خدشہ کے ہوتے ہوئے نماز میں حضورِ قلب باقی نہیں رہیگا لہذا آپ ﷺ نے اونٹ کے باڑے میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔

(۲) اونٹ کے پیشاب کی چھینٹیں دور تک پہنچتی ہے جس سے کپڑوں کے نجس ہونے کا اندیشہ لاحق رہتا ہے، لہذا اونٹ کے باڑہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی۔ اور اگر کوئی ان خطرات سے مامون ہو تو اس کے حق میں یہ ممانعت نہ ہوگی۔

شک سے وضو نہیں ٹوٹتا:

۲۸۴۔ وعن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا وجدَ أحدُكم فی بطنِه شيئًا فأشكلَ علیه أخرجَ منه شیءٌ أو لا فلا یخرجنّ مِن المسجدِ حتیٰ یسمَعَ صوتًا أو یجدَ ریحًا. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں کوئی اپنے پیٹ کے اندر کچھ (آواز وغیرہ) پائے اور اس پر یہ مشتبہ ہو جائے کہ کوئی چیز (ریح) نکلی ہے یا نہیں؟ تو وہ مسجد سے نہ نکلے یہاں تک کہ (ریح) کی آواز سنے یا بو محسوس کرے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: أخرج منه شيئ أم لا ،فلا یخرجنّ من المسجد :۔ چونکہ شک ہے جو ناقضِ وضو نہیں، لہٰذا بغرضِ وضو مسجد سے باہر نکلنے کی حاجت نہیں۔

قوله: حتیٰ یسمع صوتًا أو یجد ریحًا ....:۔ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب تک خروجِ ریح کا یقین حاصل نہ ہو اپنے وضو کو باقی سمجھے، خروجِ ریح کا یقین یا صوتِ ریح (آواز) سے حاصل ہوتا ہے یا رائحہ کریہہ (بدبو) سے، اس لیے نقضِ وضو کے حوالے سے اس کا ذکر فرمایا۔

آپ ﷺ کا دودھ پی کر کلی فرمانا:

۲۸۵۔ وعن عبد الله بن عباسؓ قال: إنّ رسولَ الله ﷺ شرِبَ لَبنًا فمَضمَضَ وقال: إنّ له دسَمًا. [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا پھر کلی کی اور فرمایا کہ دودھ کی چکناہٹ ہوتی ہے۔

ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا مسئلہ:

۲۸۶۔ وعن بُریدةَ أنّ النبی ﷺ صلّی الصلواتِ یومَ الفتحِ بوُضوءٍ واحدٍ ومسح علیٰ خُفّیه فقال له عمرُ: لقدْ صنعتَ الیومَ شیئًا لم تكنْ تصنعُه، فقال: عَمدًا صنعتُه یا عمرُ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھی اور موزوں پر مسح کیا (یہ دیکھ کر) حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آج آپ ﷺ نے ایک ایسا عمل کیا جسے آپ نہیں کیا کرتے تھے۔ فرمایا: اے عمر! میں نے قصداً ایسا کیا ہے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: أنّ النبی ﷺ صلّی الصلوات یوم الفتح بوضوءٍ واحدٍ ....:۔ اس حدیث کی بنا پر جمہور فقہاء کا یہ موقف ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ جبکہ امام داؤد ظاہریؒ کا مسلک یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا واجب ہے۔ آپ آیت: "إذا

قمتم إلی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وأیدیکم....'' سے استدلال کرتے ہیں۔

جمہور حضرات اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وضو ہونے کی صورت میں ''فاغسلوا'' کا امر استحباب پر محمول ہوگا نہ کہ وجوب پر، یا یہ حکمِ وضو ''وأنتم محدثون'' کی قیدِ تقدیری کے ساتھ مقید ہے یعنی نماز کے وقت وضو کرو جبکہ تمہارا وضو نہ ہو۔

۲۸۷۔وعن سُوَیدِ بن النعمان أنّه خرج مع رسول الله ﷺ عامَ خیبر حتیٰ إذا کانوا بالصَّھْباءِ وھی مِن أدنیٰ خیبرَ صلّٰی العصرَ ثمّ دعا بالأزوادِ فلمْ یُؤْتَ الاّ بالسَّوِیقِ فأمرَ به فثُرِّیَ فأکلَ رسولُ الله ﷺ وأکلْنا ثمّ قامَ الی المغربِ فمَضمَضَ ومضمَضْنا ثمّ صلّٰی ولمْ یتوضّأْ.[بخاری]

ترجمہ: حضرت سوید بن نعمانؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ (فتحِ) خیبر کے سال نکلے یہاں تک کہ صہباء (ایک جگہ) میں پہنچے جو خیبر کے نزدیک ہے تو (آپ ﷺ نے) عصر کی نماز پڑھی، پھر توشہ (زادِ راہ) منگوایا، پس صرف ستو حاضر کیا گیا، آپ ﷺ نے (گھولنے کا) حکم دیا اس کو گھولا گیا پھر آپ ﷺ نے (بھی) کھایا اور ہم نے بھی، پھر مغرب کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے، کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی اور وضو نہیں کیا۔ (بخاری)

''الفصل الثانی''

۲۸۸۔عن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لا وضوءَ إلاّ مِن صوتٍ أو ریحٍ.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وضو کرنا واجب نہیں مگر (ریح کی) آواز سے یا (اس کی) بو سے۔

خروجِ مذی سے وضو واجب ہوتا ہے:

۲۸۹۔وعن علیؓ قال: سألتُ النبیَّ ﷺ عن المَذِیِّ، فقال: مِن المَذِیِّ الوضوءُ ومِن المَنِیِّ الغُسلُ.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ سے مذی کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مذی سے وضو (لازم) ہے اور منی سے غسل۔ (ترمذی)

نماز کی کنجی وضو ہے اور اس کا تحریمہ تکبیر ہے:

۲۹۰۔وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: مفتاحُ الصلاۃِ الطھورُ وتحریمُھا التکبیرُ وتحلیلُھا التَّسلیمُ.

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی کنجی وضو ہے اور اس کی تحریم تکبیر ہے اور اس کی تحلیل تسلیم ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، دارمی، ابن ماجہ عن أبی سعیدؓ)

تشریح: قوله: وتحریمھا التکبیر.....تحریم، محرِّم کے معنی میں ہیں یعنی نماز میں مباح چیزوں کو حرام کرنے والی چیز تکبیر ہے۔

تکبیر تحریمہ کے الفاظ میں فقہاء کا اختلاف:

تکبیر تحریمہ کے الفاظ میں فقہائے کرامؒ کا اختلاف ہوا ہے جو درج ذیل ہے:

چنانچہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تحریمہ میں "اللہ أکبر" کہنا فرض ہے۔

امام شافعیؒ کے ہاں "اللہ أکبر" اور "اللہ الأکبر" دونوں سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے، البتہ اس سے تجاوز درست نہیں۔

حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کے ہاں "اللہ أکبر، اللہ الأکبر، اللہ کبیرٌ، اللہ الکبیر" سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے اور ان سے تجاوز درست نہیں۔

ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور آیت: "وربّك فكبّر" کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں، نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر تکبیر کے ماسوا کسی دوسرے صیغے کا استعمال جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ سے بیانِ جواز کے لیے عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ تحریمۂ صلاۃ کے لیے دوسرے صیغے کا استعمال ثابت ہوتا۔

پھر امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں "اللہ الأکبر" (بدخولِ الف لام) سے معنیٰ میں مزید مبالغہ پیدا ہو جاتا ہے اس لیے جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں فعیل بمعنیٰ أفعل حق تعالیٰ کی صفات میں بکثرت استعمال ہوا ہے لہذا کبیر بمعنیٰ اکبر کی اجازت بھی ہوگی۔

جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ تحریمہ صلاۃ کے لیے ہر اس لفظ کے استعمال کی اجازت دیتے ہیں جو اللہ کی تعظیم پر دلالت کرے خواہ اس کا مادہ تکبیر نہ ہو جیسے اللہ أعظم، سبحان اللہ، الحمد للہ، لا إلٰہ إلّا اللہ، ان میں سے کسی بھی کلمہ کے کہنے سے فرض ادا ہو جائیگا، البتہ جو شخص "اللہ أکبر" کہنے پر قادر ہو اس کے لیے اللہ اکبر کہنا واجب ہے۔

اِن حضرات کا استدلال آیت: "وذکرَ اسمَ ربّه فصلّی" سے ہے کہ "فصلّی" میں [فاء] "تعقیب مع الوصل" کے لیے ہے اور "ذکرَ اسمَ ربّه" سے یقیناً تحریمہ مراد ہے لیکن عنوان عام اختیار کیا گیا ہے تو خاص صیغہ تکبیر کو کیونکر فرض قرار دیا جا سکتا ہے؟

ایسے ہی ان حضرات کا استدلال ابو العالیہؒ کی اس حدیث سے ہے: "سُئِلَ بأيّ شيءٍ كان الأنبياءُ يستفتِحُون الصلاةَ؟ قال: بالتوحيدِ والتسبيحِ والتهليلِ". ترجمہ: "آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کس چیز سے نمازوں کو شروع کیا کرتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ توحید، تسبیح اور تہلیل کے کلمات سے"۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ ذکر مثلِ تسبیح و تہلیل وغیرہ جو تعظیم باری تعالیٰ پر مشتمل ہو اس سے تحریمہ درست ہے۔

اِن حضرات (امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ) کی جانب سے زیرِ بحث حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث خبرِ واحد ہے جس سے وجوب ثابت ہو سکتا ہے نہ کہ فرضیّت اور اللہ اکبر کے ساتھ تحریمہ کہنے کے وجوب کے ہم بھی قائل ہیں۔

اور آیت "وربَّك فكبِّر" کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ "وربَّك فعظِّمْ" کے معنیٰ میں ہے (یعنی اپنے رب کی تعظیم کر) جیسے "فلمّا رأينه أكبرنَه" میں أكبرنَ، عظّمنَ کے معنیٰ میں ہے۔ اور تیسری دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا بغیر چھوڑے کسی کام پر مداومت کرنا زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت کرتا ہے جس کے ہم قائل ہیں۔

سلام کہہ کر نماز سے نکلنا فرض ہے یا واجب؟:

قوله: وتحليلها التسليم.... "تحليل" "مُحلِّل" کے معنیٰ میں ہیں۔ ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں لفظِ سلام کہہ کر نماز سے نکلنا فرض ہے، ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے۔

جبکہ احنافؒ کے ہاں سلام کہہ کر نماز سے نکلنا فرض تو نہیں البتہ واجب ہے، مذکورہ حدیث سے وجوب ہی ثابت ہوتا ہے، نیز حدیث ابنِ مسعودؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام کہہ کر نماز سے نکلنا فرض نہیں، چنانچہ اس حدیث میں قعدہ اخیرہ اور تشہد کے بارے میں یہ الفاظ ہیں :''إذا قلتَ هذا أو فعلتَ هذا فقد قضيتَ صلاتَكَ....''(طبرانی) یعنی''جب تشہد پڑھ لیا یا اتنا بیٹھ گئے تو آپ کی نماز پوری ہوگئی...''۔

بلا آواز خروجِ ریح سے وضو ٹوٹ جاتا ہے:

۲۹۱۔وعن علي بنِ طَلْقٍ قال: قال رسول اللهﷺ: اذا فسا أحدُكم فليتوضأ ولا تأتُو االنساءَ في أعجازِهِنَّ.

ترجمہ:حضرت علی بن طلقؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی ریح (بلا آواز) خارج ہو تو چاہیے کہ وضو کرے اور عورتوں کی مقعدوں میں مت آؤ (یعنی دبر میں جماع مت کرو)۔(ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: قوله: ولا تأتوِ النساء في أعجازهنّ......:۔[أعجاز]عجز'' کی جمع ہے بمعنیٰ پچھلا حصہ۔یہاں دبر کے معنیٰ میں ہے۔ ماقبل سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ خروجِ ریح جو طہارت اور قربِ الٰہی کے زوال کا سبب ہے اس کا تعلق بھی دبر کے ساتھ ہے اور''إتيان في الأعجاز'' کا تعلق بھی دبر کے ساتھ ہے جبکہ یہ معصیّت طہارت اور قربِ الٰہی کو زائل کرنے میں اَشدّ ہے۔

نیند سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ:

۲۹۲۔وعن معاوية بن أبي سفيانَ أنّ النبيَّﷺ قال: إنّما العينانِ وِكاءُ السَّهِ فإذا نامتِ العينُ استطلقَ الوِكاءُ.

ترجمہ:حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ راوی ہیں کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: آنکھیں سرین کا سربند ہیں چنانچہ جب آنکھیں سوجاتی ہیں تو سربند کھل جاتا ہے۔(دارمی)

تشریح: قوله: إنّما العينان وكاء السه...:۔[وكاء] اس ڈوری کو کہتے ہیں جس سے تھیلی کا منہ باندھتے ہیں۔ ''سہ''، اصل میں ستہ'' تھا جس کی جمع أستاهٌ ہے بمعنیٰ سرین، یہاں''حلقۂ دبر'' مراد ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب تک انسان بیدار رہتا ہے تو اس کو ریح روکنے پر اختیار ہوتا ہے لیکن جب آنکھ لگ جاتی ہے تو یہ اختیار باقی نہیں رہتا اور خروجِ ریح کا امکان قوی ہو جاتا ہے۔

نیند کے ناقضِ وضو ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں علّامہ نوویؒ نے آٹھ، جبکہ علّامہ عینیؒ نے نو (۹) مذاہب نقل کیے ہیں۔یہاں جمہور ائمہ کے مذاہب نقل کیے جاتے ہیں۔

چنانچہ امام شافعیؒ کے ہاں اگر بحالتِ نوم مقعد زمین کے ساتھ ٹکا ہوا ہو تو نوم یعنی نیند ناقض نہیں، یہی آپؒ کا صحیح قول ہے۔

امام مالکؒ کے ہاں اگر نوم، طویل وثقیل ہو یعنی لمبی اور گہری ہو تو ناقض ہے اور اگر طویل خفیف ہو یعنی لمبی اور ہلکی نیند ہو تو ناقض تو نہیں البتہ اس صورت میں وضو کرنا مستحب ہے اور اگر قصیر خفیف ہو یعنی تھوڑی اور ہلکی نیند ہو تو ناقض نہیں اور اگر قصیر ثقیل ہو یعنی تھوڑی اور گہری نیند ہو تو ایک روایت میں ناقضِ وضو ہے اور ایک میں غیر ناقضِ وضو۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں سونے کی چار صورتیں ناقضِ وضو ہیں:

(۱)نوم مضطجعًا یعنی پہلو کے بل لیٹ کر سونا

(۲)نوم مستلقیًا یعنی چت لیٹ کر سونا

(۳)نوم متورّکًا یعنی ایک سرین پر لیٹ کر سونا

(٤)نوم مستندًا یعنی کسی چیز پر اس طرح ٹیک لگا کر سونا کہ اگر وہ چیز ہٹادی جائے تو آدمی گر پڑے۔

امام صاحبؒ کی دلیل ابن عباسؓ کی یہ روایتِ مرفوعہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "إنّ الوضوءَ علیٰ مَن نامَ مُضطجِعًا فإنّه إذا اضطجع استرخَتْ مَفاصِلُه." (حدیث:۲۹۴) اس حدیث میں نقضِ وضو کا دارومدار "استرخائے مفاصل" پر رکھا گیا ہے اور یہی علّت نوم متورّکًا و مستلقیًا اور مستندًا میں بھی پائی جاتی ہے لہٰذا اضطجاع پر قیاس کرتے ہوئے ان صورتوں کو بھی امام صاحبؒ ناقضِ وضو قرار دیتے ہیں۔

۲۹۳۔وعن علیؓ قال: قال رسول اللهﷺ: وِ كاءُ السَّهِ العينانِ فمَن نامَ فليتوضأْ.[أبو داؤد]وقال الشيخ الامام محيي السنةؒ: هذا في غيرِ القاعدِ لِما صَحَّ عن أنسٍؓ قال: كانَ أصحابُ النبيِّ ﷺ ينتظرونَ العشاءَ حتّٰى تُخفِقَ رؤُسُهم ثم يُصلُّون ولا يتوضَّؤُنَ .[أبو داؤد والترمذي الاّ أنّه ذَكَرَ فيه "ينامون" بدلَ "ينتظرُونَ العشاءَ حتّٰى تُخفِقَ رؤوسُهم".]

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سرین کا سر بند آنکھیں ہیں لہٰذا جو سو جائے اسے چاہیے کہ وضو کرے۔(ابو داؤد) شیخ امام محی السنہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بیٹھ کر سونے والے کے بارے میں نہیں، کیونکہ حضرت انسؓ سے صحیح حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحابؓ عشاء کی نماز کا (بیٹھ کر) انتظار کرتے یہاں تک کہ (نیند کی وجہ سے) ان کے سر جھک جاتے تھے، پھر (اسی حالت میں اٹھ کر) وہ نماز پڑھتے اور (نیا) وضو نہ کرتے۔(ابو داؤد، ترمذی)

۲۹٤۔وعن ابن عباسؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ :إنّ الوضوءَ علیٰ من نام مضطجِعًا فإنّه إذا اضطجع استرخَتْ مَفاصِلُه .

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وضو اس پر لازم ہے جو لیٹ کر سو جائے کیونکہ جب آدمی لیٹ (کر سو) جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔(ترمذی، ابو داؤد)

شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو کا حکم:

۲۹۵۔وعن بُسرةؓ قالت: قال رسولُ اللهﷺ: إذا مَسَّ أحدُكم ذكَرَه فليتوضأْ.

ترجمہ: حضرت بسرہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے عضوِ خاص کو ہاتھ لگائے تو اسے چاہیے کہ وضو کرے۔

تشریح: قوله: إذا مسّ أحدكم ذكره فليتوضأ: مسِ ذکر کے ناقضِ وضو ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے جو درج ذیل ہے:

ائمہ ثلاثہؒ مسِ ذکر کو ناقضِ وضو بتاتے ہیں اگرچہ امام مالکؒ و امام احمدؒ سے ایک ایک قول عدمِ نقض کا بھی منقول ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا استدلال زیرِ بحث حدیث کے علاوہ حدیث ابو ہریرہ: "إذا أفضىٰ أحدكم بيده إلىٰ ذكره..." سے ہے۔

جبکہ امام ابو حنیفہؒ مسِ ذکر کو غیر ناقضِ وضو کہتے ہیں۔ آپؒ روایت بالا کے متصل طلق بن علیؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں،

نیز حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، ابو درداءؓ اور عمران بن حصینؓ کے آثار سے بھی حنفیہ کی پرزور تائید ہوتی ہے اور قیاس بھی حنفیہ کی مؤید ہے، چنانچہ بول و براز جو نجس العین ہیں اس کو مس کرنا کسی کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے تو اعضائے مخصوصہ جو بالاتفاق طاہر ہیں اس کو مس کرنا بطریق اولیٰ ناقض وضو نہیں ہوگا۔

حضرات احنافؒ حدیثِ بسرۃؓ و ابی ہریرۃؓ کے کئی جوابات دیتے ہیں، چند ایک پیش خدمت ہیں:

(۱) ان احادیث میں وضو کا حکم استحبابی ہے اور حدیثِ طلقؓ میں وجوب کی نفی ہے۔

(۲) ان احادیث میں وضوءِ لغوی یعنی ہاتھ دھونے کا حکم ہے۔

(۳) یہ احادیث منسوخ ہیں۔

(۴) مسِ ذکر سے مجازاً بول مراد ہے کیونکہ بول میں عادتاً مسِ ذکر ہوتا ہے۔

۲۹٦۔وعن طلق بن علیؓ قال: سُئِل رسول اللہ ﷺ عنْ مَسِّ الرجلِ ذَكَرَه بعدَ ما يتوضّأُ قال: وهل هو الّا بُضعةٌ منه.[أبوداؤد،ترمذی نسائی]وروی ابنُ ماجة نحوَه وقال الشيخُ الامامُ مُحيي السنةِ :هذامنسوخٌ لأنَّ أباهريرةَأسلم بعدَ قُدومِ طَلقٍ وقد روٰى أبوهريرةؓ عن رسولِ اللهِ ﷺ قال:اذاأفضىٰ أحدُكم بيدِهٖ الىٰ ذَكَرِهٖ ليسَ بينه وبينها شئٌ فليتوضّأْ . [رواه الشّافعي والدارقطني] ورواه النسائي عن بُسرة الّا أنّه لم يذكُرْ:"ليس بينه وبينها شئ".

ترجمہ: حضرت طلق بن علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے آدمی کے اپنے عضوِ مخصوص کو ہاتھ سے چھونے کے متعلق پوچھا گیا بعد اس کے کہ وہ آدمی وضو کر چکا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ (عضوِ مخصوص) بھی تو آدمی (کے بدن) کا ایک ٹکڑا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) شیخ امام محی السنہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس لیے کہ ابو ہریرۃؓ حضرت طلقؓ کے مدینہ آنے کے بعد اسلام لائے ہیں اور حضرت ابو ہریرۃؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم میں سے کسی کا ہاتھ اپنے ستر (ذکر) تک پہنچ جائے اور ستر اور ہاتھ کے درمیان کوئی چیز (حائل) نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وضو کرے۔ (شافعی، دارقطنی) اور نسائی نے بسرۃؓ سے روایت کی ہے مگر اس میں "ليس بينه وبينها شئٌ" کا ذکر نہیں۔

امام مُحیِ السنۃ کا حنفیہ کی مستدل حدیث کو منسوخ قرار دینا:

تشریح: قال الشيخ الإمام محي السنة:هذا منسوخٌ لأنّ أبا هريرةؓ أسلم بعد قدوم طلق۔ شیخ محی السنۃؒ (یعنی صاحب مصابیح) مذکورہ مسئلہ میں حنفیہ کی دلیل حدیثِ طلق بن علیؓ کو حدیثِ ابی ہریرۃؓ "اذا أفضىٰ أحدكم بيده الىٰ ذكره ليس بينه وبينها شئ" سے منسوخ قرار دے رہے ہیں اور مدارِ نسخ ابو ہریرۃؓ کے اسلام کی بعدیت پر رکھ رہے ہیں کیونکہ طلق بن علیؓ بارگاہِ نبوی میں اوائل ہجرت میں حاضر ہوئے اور مسجد نبوی کی تعمیر میں حصہ لیا، جبکہ ابو ہریرۃؓ فتح خیبر ۷ھ کے بعد اسلام لائے، معلوم ہوا کہ ابو ہریرۃؓ کی روایت طلقؓ کی روایت کے بعد کی ہے لہٰذا یہ روایت طلقؓ کی روایت کے لیے ناسخ ہوگی، چنانچہ حدیث طلقؓ سے استدلال درست نہیں ہوگا۔

حنفیہؒ کی جانب سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ نسخ کا دار و مدار اسلام کی قبلیت و بعدیت پر نہیں بلکہ سماعِ حدیث کی قبلیت و بعدیت پر ہے، نیز یہ اعتراض تو اس وقت ثابت ہوگا جبکہ اس بات کو دلیل سے ثابت کیا جائے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ کے اسلام لانے کے بعد

حضرت طلقؓ بارگاہِ نبوی میں دوبارہ حاضر خدمت نہ ہوئے، حالانکہ البدایہ میں ۹ھ میں حضرت طلقؓ کی آمد ثابت ہے لہذا عین ممکن ہے کہ حضرت طلقؓ کی مذکورہ روایت دوبارہ حاضرِ خدمت ہونے کے وقت کی ہو۔ (نفحات، مرآۃ، اختلاف الائمہ)

عورت کو چھونے سے نقضِ وضو کا مسئلہ:

۲۹۷۔وعن عائشةؓ قالت :كان النبي ﷺ يُقبّلُ بعض أزواجهِ ثمّ يُصلّي و لا يتوضّأُ .[أبو داؤد، ترمذی ،نسائی ،ابن ماجة]وقال الترمذي:لايَصِحُّ عندَ أصحابنا بحالٍ إسنادُ عُروةَ عن عائشةَ وأيضًا إسنادُ ابراهيمَ التيمِيّ عنها وقال أبو داؤدُ:هذامُرسَلٌ وابراهيمُ التيمِيُّ لمْ يسمعْ عن عائشةَ.

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ فرماتے۔(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب (محدثین) کے ہاں "عروة عن عائشةؓ" کی سند کسی حال میں صحیح نہیں اور اسی طرح "إبراهيم التيمي عن عائشةؓ" کی سند بھی صحیح نہیں اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے اور ابراہیم تیمی کو حضرت عائشہؓ سے سماع حاصل نہیں۔

تشریح:قولها: يقبّل بعض أزواجه ثمّ يصلي ولا يتوضأ ....:۔یہاں مسِ مرءة (عورت کو چھونا) کے ناقض وضو ہونے نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے جو درج ذیل ہے:

چنانچہ امام مالکؒ کے ہاں مس مرءۃ تین شرطوں کے ساتھ ناقض وضو ہے یہ کہ مرءۃ کبیرہ ہو، اجنبیہ ہو اور مس بشہوۃ ہو۔•

امام شافعیؒ کے ہاں مس مرءۃ مطلقاً ناقض وضو ہے خواہ مرءۃ کبیرۃ ہو یا صغیرۃ، مس بشہوۃ ہو یا بلا شہوت، بشرطیکہ مس بلا حائل ہو۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مس مرءۃ مطلقاً ناقض وضو نہیں، البتہ مباشرتِ فاحشہ (یعنی بدن کے خاص حصوں کا بلا حائل ملنے) کی صورت میں حضرات شیخینؒ (امام ابوحنیفہؒ وامام ابویوسفؒ) نقض وضو کے قائل ہیں۔

جبکہ امام احمدؒ کے اس مسئلہ میں تینوں قسم کے قول ہیں۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل یہ آیت ہے :"وإن كنتم مرضى أو على سفرٍ أو جاءَ أحدٌ منكم مِن الغائطِ أو لمستُم النساءَ فلم تجدُوا ماءً "الآية، اس میں "لٰمستم" (مفاعلہ سے) اور "لَمستم" (مجرد سے) دو قراءتیں ہیں، مجرد کا مصدر لمس ہے جس کا حقیقی معنی مس بالید (یعنی ہاتھ سے چھونا) ہے، اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم میں سے کسی نے عورت کو ہاتھ سے چھوا تو اُس کا وضو ٹوٹ گیا اگر پانی دستیاب نہیں ہے تو تیمم کرلے۔حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ، اور ابن عمرؓ کے آثارِ موقوفہ سے بھی ان حضرات کی تائید ہوتی ہے، یہ آثار اسی باب کے فصلِ ثالث میں مذکور ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حدیث باب ہے، اس کے علاوہ دیگر مرفوع احادیث بھی حنفیہ کی مؤید ہیں اور ائمہ ثلاثہؒ کے پاس کوئی مرفوع حدیث نہیں، البتہ صحابہ کے آثار ہیں جو اول تو روایات مرفوعہ کے خلاف ہیں، پھر ان کے معارض حضرت علیؓ وابن عباسؓ کے آثار موجود ہیں۔نیز امام شافعیؒ کے ہاں تو آثارِ صحابہ مجتہد کے لیے حجت ہی نہیں تو پھر صحابہؓ کے مذکورہ آثار سے اُن کا استدلال کیونکر درست

ہوگا؟ احنافؒ کی جانب سے آیت کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ لمس وملامست کی نسبت جب "نساء" (عورتوں) کی طرف ہوتو جماع مراد ہوتا ہے، فقط ہاتھ سے چھونا مراد نہیں ہوتا، اس کی کئی وجوہ ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابن عباسؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ملامسۃ کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔

(۲) ملامسۃ باب مفاعلہ سے ہے جس کی خاصیت مشارکت ہے جس کا مطلب ہے کہ وقوع فعل جانبین کی طرف سے ہوگا اور مشارکت کا معنیٰ جماع میں پایا جاتا ہے نہ کہ مس بالید (یعنی ہاتھ سے چھونے) میں۔

(۳) اگر جماع کا معنیٰ مراد لیں گے تو آیت سے حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کے لیے تیمم کے جواز کا حکم ثابت ہوگا اور اگر مس بالید کا معنیٰ مراد لیں گے تو صرف حدث اصغر کے لیے تیمم کا حکم ثابت ہوگا اور آیت کا ایسا معنیٰ مراد لینا جو زیادہ احکام پر مشتمل ہو، اَولیٰ ہے اس معنیٰ سے جو نسبتاً کم احکام پر مبنی ہو۔

مذکورہ حدیثِ عائشہؓ پر مؤلف مشکوٰۃ کے دو اعتراض:

قوله: وقال الترمذي : لا يصح عند أصحابنابحالِ إسناد عروة عن عائشةؓ وأيضًا إسناد إبراهيم التيمي عنها...:۔ مذکورہ حدیث عائشہؓ دو طرق (یعنی دو سندوں) سے مروی ہے:

(۱) عن حبيب بن أبي ثابت عن عروة عن عائشةؓ....

(۲) عن إبراهيم التيمي عن عائشةؓ.....

پہلے طریق پر صاحب مشکوٰۃ نے امام ترمذیؒ کے حوالے سے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت عروہؒ کا حضرت عائشہؓ سے سماع ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ روایت منقطع ہے جو لائق استدلال نہیں۔

احناف کی جانب سے اس اعتراض کا جواب دینے سے پہلے یہ بات ملاحظہ ہو کہ یہاں صاحب مشکوٰۃ سے امام ترمذی کا اعتراض نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے۔ اصل اعتراض یہ ہے کہ حبیب بن ابی ثابتؒ کا عروہؒ سے سماع ثابت نہیں، اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ باقی حضرت عروہؒ کا سماع حضرت عائشہؓ سے صحیحین اور خود ترمذی کی بے شمار احادیث سے ثابت ہے۔

باقی اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حبیب بن ابی ثابت ثقہ تابعی ہیں جس کی منقطع حدیث مرسل کے حکم میں ہوتی ہے اور مرسل حنفیہ، مالکیہ اور جمہور محدثین کے ہاں مطلقاً مقبول ہے اور شوافع کے ہاں اگر اس کے توابع موجود ہو تو مقبول ہے ورنہ تو نہیں اور مذکورہ حدیث کے توابع بھی موجود ہیں مثلاً: ابراہیم تیمی کی سند سے یہی حدیث۔

صاحب مشکوٰۃ کا دوسرا اعتراض اس روایت کی دوسری سند پر ہے جو یہ ہے کہ ابراہیم تیمیؒ کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ واقعۃً ابراہیم تیمی کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں لیکن یہی روایت دار قطنی میں موصولاً مروی ہے یعنی "عن إبراهيم التيمي عن أبيه عن عائشةؓ ..."۔ پس انقطاع کا اعتراض باقی نہیں رہے گا۔ بالفرض اگر یہ منقطع بھی ہو تب بھی مقبول ہوگی کیونکہ ابراہیم تیمی ثقہ تابعی ہیں جس کی منقطع مرسل کے حکم میں ہوتی ہے۔ (نفحات، مرآۃ، اختلاف الائمہ)

آپ ﷺ کا گوشت تناول فرمانا اور وضو نہ کرنا:

۲۹۸۔وعن ابن عباسؓ قال: أكلَ رسول الله ﷺ كتِفًا ثمّ مسحَ يدَه بمِسْحٍ كان تحتَه ثمّ قام فصلّى .[أبو داؤد،ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (بکری کا) شانہ کھایا پھر اپنے نیچے بچھے ہوئے ٹاٹ سے اپنا ہاتھ پونچھا، پھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔(ابوداؤد، ابن ماجہ)

۲۹۹۔وعن أمّ سلمةؓ أنها قالت: قرّبتُ الى النبيّ ﷺ جنبًا مشويًا فأكلَ منه ثم قامَ إلى الصّلاةِ ولم يتوضّأ.[أحمد]

ترجمہ: حضرت امّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے (بکری کا) بھنا ہوا پہلو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ ﷺ نے اس میں سے کھایا پھر نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور وضو نہیں کیا۔(احمدؒ)

''الفصل الثالث''

۳۰۰۔عن أبي رافعؓ قال: أشهدُ لقد كنتُ أشوِي لرسولِ الله ﷺ بطنَ الشاةِ ثمّ صلّى ولم يتوضأ.

ترجمہ: حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ (ایک مرتبہ) میں رسول اللہ ﷺ کے لیے بکری کا پیٹ بھون رہا تھا (آپ ﷺ نے اس میں سے کھایا) پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔(مسلم)

۳۰۱۔وعنه قال: أُهدِيت له شاةٌ ،فجعلها في القِدرِ ،فدخل رسولُ الله ﷺ ،فقال: ماهذا ياأبارافع! فقال: شاةٌ أُهديَتْ لنا يا رسولَ الله! فطبختُها في القِدر قال:ناوِلْني الذراعَ يا أبارافع!فناولتُه الذراعَ ثمّ قال:ناوِلْني الذراعَ الآخرَ،فناولتُه الذراعَ الآخرَ ثمّ قال: ناوِلْني الذراعَ الآخرَ فقال له يا رسولَ الله! إنّما للشّاةِ ذراعانِ ،فقال له رسولُ الله ﷺ:أما انّك لو سكتَّ لناولتَني ذراعًا فذراعًا ماسكتَّ ثمّ دعا بماءٍ فتمَضْمَضَ فاه وغسلَ أطرافَ أصابعِه ثمّ قامَ فصلّى ثمّ عادَ اليهم فوجدَ عندَهم لَحمًا باردًا فأكلَ ثمّ دخلَ المسجدَفصلّى ولم يَمسَّ ماء.[أحمد ،ورواه الدارمي عن أبي عُبيدالاّ أنّه لم يذكر:" ثمّ دعا بماءٍ "الىٰ اخره.]

ترجمہ: حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ اُن کو ایک بکری ہدیہ میں دی گئی، چنانچہ انہوں نے اس (کے گوشت) کو ہانڈی میں ڈال دیا (اتنے میں) آپ ﷺ تشریف لائے اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اے ابورافع! انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ایک بکری ہے جو ہمیں ہدیہ میں ملی ہے اور میں نے اس کو ہانڈی میں پکالیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے (اس بکری کی) دستی (اگلی ران) دو (ابورافع کا بیان ہے کہ) میں نے آپ ﷺ کو دستی دی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دوسری دستی دو، میں نے دوسری دستی بھی آپ ﷺ کو دے دی پھر فرمایا کہ مجھے اور دستی دو۔ ابورافع نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! بکری کی دو ہی دستیاں ہوتی ہیں۔(اس پر) آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اگر تو خاموش رہتا تو مجھ کو دستی پر دستی دیتا چلا جاتا جب تک تو خاموش رہتا۔ پھر آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور کلی کی اور انگلیوں کے پورے دھوئے، پھر کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی پھر اُن (ابورافع وغیرہ) کے پاس واپس تشریف لائے اور اُن کے ہاں ٹھنڈا گوشت پایا چنانچہ آپ ﷺ نے اسے کھایا اور مسجد میں چلے گئے، نماز پڑھی اور پانی کو ہاتھ تک نہ لگایا (احمد، دارمی)

۳۰۲۔وعن أنس بن مالكؓ قال: كنتُ أنا و أُبَيٌّ وأبو طلحة جُلوسًا فأكلنا لحمًا و خبزًا ثمّ دعوتُ بوَضوءٍ فقالا: لِمَ تتوضّأُ، فقلتُ :لهذاالطعامِ الذى أكلنافقالا:أتتوضّأُ مِن الطَّيِّباتِ،لم يتوضّأ مِنه مَن هو خيرٌ مِنك.[أحمد]

ترجمہ:حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابیؓ اور حضرت ابوطلحہؓ بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے گوشت اور روٹی کھائی پھر میں نے وضو کا پانی منگوایا۔اُن دونوں نے کہا کہ تو وضو کیوں کررہا ہے؟ میں نے کہا کہ اس کھانے کی وجہ سے جو ہم نے کھایا۔انہوں نے کہا کہ کیا آپ پاکیزہ چیزوں (کے کھانے) سے وضو کرتے ہو،جس سے اس شخص نے وضو نہیں کیا جو تجھ سے بہتر تھا (یعنی رسول اللہ ﷺ نے)۔(احمدؒ)

مسِ مرأہ سے نقضِ وضو کے متعلق آثارِ صحابہ:

۳۰۳۔وعن ابن عمرؓ كان يقولُ: قُبلةُ الرجلِ امرأتَه وجَسُّهابيده مِن المُلامَسةِ ومَن قَبَّلَ امرأتَه وجَسَّها بيدِهٖ فعليه الوُضوء.

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے کہ آدمی کا اپنی بیوی سے بوسہ لینا اور (ہاتھ سے) اس کو چھونا ملامست میں سے ہے اور جس نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا یا اس کو ہاتھ سے چھوا تو اس پر وضو کرنا واجب ہے۔(رواہ مالک والشافعی)

۳۰۴۔وعن ابن مسعودؓ كان يقولُ: مِن قُبلة الرجلِ امرأتَه الوُضوءُ.

ترجمہ:حضرت ابن مسعودؓ کہا کرتے تھے کہ اپنی بیوی کا بوسہ لینے سے وضو لازم آتا ہے۔(مالک)

۳۰۵۔عن ابن عمرؓ أنّ عمر بن الخطابؓ قال: إنّ القُبلةَ مِن اللَّمسِ فتوضَّئُوا منها .

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے کہ بوسہ لینا لمس میں داخل ہے لہذا اس سے وضو کیا کرو۔

بہنے والے خون سے وضو واجب ہے:

۳۰۶۔وعن عمر بن عبدالعزيزؒ عن تميم الداريؓ قال: قال رسول اللهﷺ: الوضوءُ مِن كلِّ دمٍ سائلٍ.[رواه الدارقطنى وقال:عمرُ بن عبدالعزيز لم يسمَعْ مِن تميمِ الداريّ ولاراه ويزيدُ بنُ خالدٍ ويزيدُ بنُ محمدٍ مجهولان.]

ترجمہ:عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت تمیم داریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وضو ہر بہنے والے خون سے واجب ہوتا ہے۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے نہ تمیم داریؓ سے (احادیث کو) سنا ہے اور نہ انہیں دیکھا ہے اور یزید بن خالد اور یزید بن محمد دونوں مجہول راوی ہیں۔

غیرِ سبیلین سے نکلنے والی نجاست کا ناقضِ وضو ہونا:

تشریح:اس حدیث میں بدن سے بہہ کر نکلنے والے خون کو ناقضِ وضو قرار دیا جارہا ہے، یہ حدیث حضرات حنفیہ اور حنابلہ کی دلیل ہے جو اس کے قائل ہیں کہ بدن سے نجاست کا نکلنا مطلقاً ناقضِ وضو ہے خواہ سبیلین سے نکلے یا غیر سبیلین سے۔اس کے علاوہ حدیث عائشہؓ: "مَن أصابَه قيءٌ أو رُعافٌ أو قَلسٌ أو مَذيٌ فلينصرِفْ فليتوضأ ثمَّ لِيبنِ علىٰ صلاتِه" (ابن ماجہ) حدیث فاطمہ بنت ابی حبیشؓ: "انّى امرءةٌ مستحاض..." (بخاری) اور حدیث ابی الدرداءؓ (ترمذی) بھی ان حضرات کی دلیل ہیں۔

جبکہ شافعیہ و مالکیہ کے ہاں غیر سبیلین سے نکلنے والی نجاست ناقضِ وضو نہیں۔ان حضرات کا استدلال حدیث جابرؓ سے ہے جس

میں غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر ایک مہاجر اور انصاری صحابی کے پہرہ دینے اور انصاری صحابی کو یکے بعد دیگرے تین تیر لگنے اور خون بہنے اور اس حالت میں بھی نماز نہ توڑنے کا ذکر ہے۔(ابوداؤد) باوجود خون بہنے کے اس انصاری صحابی کا نماز نہ توڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ غیر سبیلین سے نجاست کا نکلنا ناقض وضو نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے اس حدیث کے کئی جواب دیے گئے ہیں:

(۱) لذتِ نماز اور حلاوتِ قرآن کی وجہ سے اس صحابی کا خون کی طرف التفات نہیں ہوا، چنانچہ اسی حدیث کے یہ الفاظ اس پر دال ہیں: "قال: أن كنتُ في سورةٍ أقرءُها فلم أُحِبّ أن أقطعَها..."یعنی" میں نے ایک سورت پڑھنی شروع کی تھی اسے ختم کرنے سے پہلے نماز توڑنا میں نے پسند نہ کیا"۔

(۲) یہ فعلِ صحابی ہے جس کے ساتھ تقریر نبی ﷺ کا ذکر نہیں اور شوافع کے ہاں تو آثارِ صحابہ حجت ہی نہیں۔

قوله: عمرُ بن عبدالعزيز لم يسمع من تميم الداريؓ ولا رأه ،ويزيد بن خالد ويزيدبن محمد مجهولان: ۔اس روایت پر صاحبِ مشکوٰۃ نے دارقطنی کے حوالے سے دو اعتراض نقل کیے ہیں:

(۱) پہلا یہ کہ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو حضرت تمیم داریؓ سے سماع حاصل نہیں، لہٰذا لائقِ استدلال نہیں۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ ثقہ تابعی ہیں جس کی حدیثِ منقطع، مرسل کے حکم میں ہوتی ہے لہٰذا اس سے استدلال درست ہے۔ یہ جواب بھی دیا جاتا ہے کہ کامل بن عدی میں یہی حدیث سند جید کے ساتھ زید بن ثابتؓ کے طریق سے مروی ہے جس میں انقطاع نہیں۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے شاگرد یزید بن خالدؒ اور یزید بن محمد دونوں مجہول ہیں اس لیے یہ روایت قابلِ استدلال نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات مجہول الوصف ہیں نہ کہ مجہول الذات اور مجہول الوصف کی روایت ہمارے ہاں معتبر ہے۔

فائدہ: جاننا چاہیے کہ مجہول الوصف وہ ہوتا ہے جس کے حالات کا علم نہ ہو اور مجہول الذات اس کو کہتے ہیں جس کے شاگرد معلوم نہ ہو۔(لمعات، مرآۃ)

(بابُ آدابِ الخلاءِ)

"آداب" ادب کی جمع ہے، حدود و قوانین کی رعایت رکھنا ادب ہے اور ہر قابل مدح قول و فعل پر بھی ادب کا اطلاق ہوتا ہے۔ خلاء اصل میں خالی جگہ کو کہتے ہیں پھر قضائے حاجت اور اس کے لیے مخصوص جگہ پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔

"الفصل الاوّل"

بوقت حاجت قبلہ کی طرف استدبار و استقبال کا مسئلہ:

۳۰۷: عن أبي أيوب الأنصاريؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إذا أتيتُم الغائطَ فلا تستقبِلُوا القِبلةَ ولاتستدبِروها ولكن شَرِّقُوا أوغرِّبُوا.[متفق عليه]قال شيخ الامامُ محيي السنةِ :هذاالحديثُ في الصحراءِ وأمّافي البُنيانِ فلا بأسَ لِما رُوِي عن

عبدالله بن عمرؓ قال :ارتقيتُ فوقَ بيتِ حفصةَ لِبعضِ حاجتي فرأيتُ رسولَ اللهﷺ يقضِي حاجتَه مُستدبرَ القِبلةِ مُستقبِلَ الشام.[متفق عليه]

ترجمہ:ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ پشت کرو، لیکن مشرق یا مغرب کی طرف منہ یا پشت کرو۔(متفق علیہ) شیخ امام محی السنہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کھلی جگہ (صحرا، جنگل وغیرہ) کے بارے میں ہے، مکانات میں ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ابن عمرؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں کسی ضرورت کی وجہ سے حضرت حفصہؓ کے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے آپﷺ کو اس طرح قضائے حاجت فرماتے دیکھا کہ پشت قبلہ کی طرف اور منہ شام کی طرف تھا۔

تشریح: قوله: إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها :۔قضائے حاجت کے وقت استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ کے جواز اور عدم جواز میں فقہاء کے آٹھ اقوال ہیں، یہاں ائمہ اربعہ کے اقوال اور مذاہب ذکر کیے جاتے ہیں، اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کے تین مذاہب ہیں:

(۱)امام ابوحنیفہؒ کے ہاں استقبال واستدبار دونوں مکروہ تحریمی ہیں خواہ صحرا میں ہو یا آبادی میں۔

(۲)امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے ہاں استقبال واستدبار صحرا یعنی کھلی فضا میں ناجائز ہیں اور آبادی میں دونوں جائز ہیں۔

(۳)امام احمدؒ کے ہاں استقبال مطلقاً ناجائز اور استدبار مطلقاً جائز ہے۔

حضرات حنفیہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱)حدیث باب (۲)حدیث ابی ہریرۃ: "انا لكم مثل الوالد لولده..."(مشکوٰۃ ص۴۲، ابن ماجہ ودارمی)

(۳)ابوایوب انصاریؓ کی موقوف روایت جس میں آتا ہے: "فقدمنا الشام فوجدنا مراحيضَ قد بُنِيَت مستقبلَ القِبلةِفننحرف عنها ونستغفر الله ..."(بخاری وترمذی وطحاوی) یعنی"جب ہم شام آئے تو دیکھا کہ وہاں کے بیت الخلا قبلہ رو ہے تو ہم قضائے حاجت کے وقت قبلہ سے انحراف کرتے اور استغفار بھی پڑھتے"۔

حضرات شافعیہ ومالکیہؒ کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱)حدیث ابن عمرؓ: "قال: ارتقيت فوق بيت حفصةؓ لبعضِ حاجتي ،فرأيتُ رسولَ اللهﷺ يقضي حاجته مستدبر القبلة مستقبلَ الشام."صاحب مصابیح نے حدیث ابی ایوب انصاریؓ ذکر کرنے کے بعد اپنے مذہب کے مطابق اس کی تاویل کی اور پھر حضرت ابن عمرؓ کی روایت اس بارے میں نقل کی کہ قضائے حاجت اگر آبادی کے اندر ہو تو استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ میں کوئی حرج نہیں۔

(۲)فصل ثالث میں حدیث مروان ابن الاصفر: "قال: رأيتُ ابنَ عمرؓ أناخَ راحلتَه مستقبلَ القبلةِ ثم جلسَ يبولُ إليها ..."(مشکوٰۃ ص۴۴ بحوالہ ابوداؤد) اس حدیث میں وارد ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے مروان کے استفسار پر فرمایا کہ قضائے حاجت کے وقت استقبال قبلہ اس وقت ممنوع ہے جب کہ سامنے کوئی سترہ یعنی پردہ نہ ہو بلکہ کھلی فضا ہو۔

(۳)حدیث جابرؓ: "قال: نهى رسولُ اللهﷺ أن نستقبلَ القبلةَ ببولٍ فرأيتُه قبلَ أن يُقبَضَ بِعامٍ يستقبلُها."(ابوداؤد)

حضرات حنابلہ کا استدلال حدیث سلمانؓ سے ہے: "قال :نهانا رسول اللهﷺ أن نستقبل القبلة لغائطٍ أو

بولٍ"[مسلم] یعنی حضور ﷺ نے ہمیں قضائے حاجت کے وقت قبلہ رو ہونے سے منع فرمایا" اس میں صرف استقبال قبلہ سے نہی آئی ہے۔

حضرات حنفیہ کی جانب سے شافعیہ و مالکیہ کی پہلی دلیل حدیث ابن عمرؓ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے سطحی نظر سے آپ ﷺ کو دیکھا تھا کیونکہ اس حالت میں کوئی بھی نگاہ بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ ممکن ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کو مغالطہ ہوا ہو۔ یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ حدیث ابن عمرؓ فعلی ہے اور ہماری پیش کردہ حدیث قولی ہے اور قولی حدیث فعلی کے مقابلہ میں راجح ہوتی ہے۔

اور صاحب مصابیح کا حدیث ابوایوبؓ کو صحرا میں قضائے حاجت پر محمول کرنا اس لیے درست نہیں کہ خود ابوایوبؓ کی موقوف روایت میں بلد شام کے مراحیض (یعنی بیت الخلاء) کا ذکر ہے، صحرا میں قضائے حاجت کا ذکر نہیں۔

حدیث مروان بن الاصفر کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ابن عمرؓ کا عمل یعنی اونٹنی کے اوٹ میں بیٹھ کر قبلہ منہ پیشاب کرنا حدیث رؤیت کی بنا پر تھا، جس کا جواب گزر چکا کہ وہ فعل نبی ﷺ پر مشتمل ہے اور حنفیہ کی مستدل احادیث قول نبی ﷺ پر، اور قول راجح ہے فعل سے۔

تیسری دلیل (حدیث جابرؓ) کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس کی سند میں محمد بن اسحق ضعیف راوی ہیں۔ ان کے بارے میں امام مالکؒ کے الفاظ یہ ہیں "دجّال من الدجاجلة" یعنی "دجالوں میں سے ایک دجال ہے"۔

حنابلہؒ کی دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حدیث سلمانؓ استدبار سے ساکت ہے یعنی استدبار کا حکم نہیں بتا رہی اور حدیث ابوایوبؓ ناطق ہے یعنی استدبار کا حکم بتا رہی ہے اور ناطق کو ساکت پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

فائدہ: مذکورہ حدیث میں وارد حکم "شرِّقُوا أو غرِّبُوا" کا تعلق مدینہ اور اس کے مضافات سے ہے لہٰذا جن علاقوں میں قبلہ بجہت مشرق واقع ہے وہاں قضائے حاجت کے لیے شمالاً جنوباً بیٹھنے کا حکم ہوگا۔ (فحات، مرآۃ)

دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے کی ممانعت:

۳۰۸۔وعن سلمانؓ قال: نهانا رسولُ الله ﷺ أن نستقبلَ القبلةَ لغائطٍ أو بولٍ أو نستنجيَ باليمينِ أو أن نستنجيَ بأقلَّ مِن ثلاثةِ أحجارٍ أو أنْ نستنجيَ برجيعٍ أو بِعَظْمٍ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں (اس سے) منع فرمایا کہ ہم پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت قبلہ رو ہوں یا دائیں ہاتھ سے استنجا کریں یا تین ڈھیلوں سے کم کے ساتھ استنجا کریں یا گوبر، ہڈی کے ساتھ استنجا کریں۔ (مسلم)

تشریح: قوله: أو أن نستنجي باليمين ....: اہل ظاہر اور بعض حنابلہ اس نہی کو تحریم پر محمول کرتے ہیں اور اس بنا پر کہتے ہیں کہ اگر کسی نے دائیں ہاتھ سے استنجا کیا تو طہارت حاصل نہ ہوگی۔

لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے۔ البتہ دائیں ہاتھ سے استنجا میں دائیں ہاتھ کی بے حرمتی ہے کیونکہ دائیں ہاتھ کو شارع نے امور شریفہ کے لیے مخصوص فرمایا ہے، اس لیے استنجا بالیمین کو مکروہ کہا جائیگا۔

استنجاء کتنے ڈھیلوں سے کیا جائے؟:

قوله: أو أن نستنجي بأقلٍ من ثلاثة أحجارٍ....: "استنجا بالاحجار" کتنے ڈھیلوں سے کیا جائے؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے:

چنانچہ حضرات شافعیہ اور حنابلہ حدیث باب اور اس مضمون کی دیگر تمام روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تثلیث یعنی تین ڈھیلوں سے استنجا اور انقاء (یعنی محلِ نجاست کو خوب صاف کرنا) واجب ہیں اور ''ایتار ما فوق الثلاث'' (یعنی تین سے زائد طاق عدد میں ڈھیلے استعمال کرنا) مستحب ہے۔

جبکہ حضرات حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک اصل واجب تو صرف انقاء ہے خواہ وہ تین پتھروں سے حاصل ہو یا کم سے یا زیادہ سے، البتہ ایتار مستحب ہے، چنانچہ اگر تین پتھروں سے انقاء حاصل نہ ہو تو بالاتفاق تین پر زیادتی واجب ہے۔

ثمرۂ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ دو پتھروں سے انقاء حاصل ہو جائے تو اب تیسرے پتھر کا استعمال حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک مستحب ہوگا اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں واجب۔

یہ حضرات (حنفیہ و مالکیہ) درج ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

(۱) لحدیث ابی ہریرہؓ " قال: و من استجمر فلیوتر من فعل فقد أحسن و من لا فلا حرج ..."۔

(۲) اور حدیث ابن مسعودؓ: "فأتیتہ بحجرین و روثۃ فأخذ الحجرین و ألقی الروثۃ وقال: إنھا رکس..." (بخاری)۔ پہلی حدیث میں "فلا حرج" سے وجوب ایتار کی نفی فرمائی جس سے تثلیث کی نفی بھی ہو جاتی ہے اور دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا حجرین پر اکتفا کرنے کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ تثلیث واجب نہیں۔

ان دلائل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ شوافع و حنابلہ کی مستدل احادیث میں تین سے کم ڈھیلوں کے متعلق وارد شدہ نہی تنزیہی ہے اور تثلیث کا حکم استحبابی ہے، جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عام طور پر تین پتھروں سے طہارت و انقاء حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید حدیث عائشہؓ کے ان الفاظ "فإنھا تجزی عنہ" سے اور حضرت ابو ایوبؓ کی روایت میں "فإن ذلك کافیہ" کے الفاظ سے ہوتی ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت کی دعا:

۳۰۹۔ وعن أنسؓ قال: کان رسولُ اللہ ﷺ إذا دخلَ الخلاءَ یقول: اللّٰھُمَّ إنّي أعوذُبكَ من الخُبُثِ والخَبائثِ.

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلا میں داخل ہوتے تو یہ (دعا) کہتے: ''اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ناپاک جنوں اور جنیوں (کے شر) سے''۔ (متفق علیہ)

بیت الخلا کی دعا کب پڑھی جائے؟:

تشریح: قولہ: إذا دخل الخلاء یقول: اللّٰھم إني أعوذبك من الخُبُث والخبائث: ۔ یہ دعا بیت الخلا وغیرہ میں داخل ہوتے وقت پڑھے اور کھلی جگہ میں رفع ثوب یعنی ستر کھولنے سے پہلے۔ اور اگر بھولے سے رہ جائے تو دخول خلا کے بعد دل میں پڑھ لے۔ جمہور حضرات یہی فرماتے ہیں، جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک بیت الخلا میں داخل ہونے کے بعد بھی زبان سے پڑھنا درست ہے۔ '' اللھم إني أعوذبك من الخبث و الخبائث'' میں [خُبُث] ''بضم الخاء والباء'' جمع ہے خبیثٌ کی اور [خبائث] جمع ہے خبیثۃ کی، مراد مذکر اور مؤنث شیاطین ہیں...

بوقتِ دخول خلا اس دعا کے پڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ نجس جگہوں میں شیاطین کا ہجوم ہوتا ہے جو بسا اوقات انسانوں کو ضرر پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس دعا کو پڑھنے کی برکت سے ان شیاطین کے اثرات سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ اگرچہ شیطانی اثرات سے محفوظ تھے پھر بھی اظہارِ عبدیت اور تعلیم امت کی خاطر اس دعا کو پڑھا کرتے تھے۔

پیشاب کے قطروں سے نہ بچنے پر عذابِ قبر:

۳۱۰۔وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: مَرّ النبيُّ ﷺ بقبرينِ ،فقال: إنّهما ليُعذَّبان وما يُعذَّبان في كبيرٍ أمّا أحدُهما فكان لايستتِرُ من البول[وفي روايةٍ لِمسلمٍ:لايستنزهُ مِن البول]وأمّاالآخرُ فكان يمشي بالنميمةِ ثمّ أخذَ جريدةً رَطبةً فشقّهابنصفين ثمّ غرزَ في كلِّ قبرواحدةً قالوا: يا رسولَ الله! لِمَ صنعتَ هذا؟ فقال: لعلّه أن يُخفّفَ عنهما مالم ييبَسا .[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ دو قبروں کے پاس گزرے تو فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے اور ان کو کسی بڑی (دشوار) چیز پر عذاب نہیں دیا جارہا۔ ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور مسلم کی روایت میں "لا یستنزہ" کے الفاظ ہیں اور دوسرا چغلی کھایا کرتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے (کھجور کی) ایک تر شاخ لی اس کو (بیچ سے) آدھوں آدھ چیرا، پھر ہر قبر پر ایک ایک شاخ گاڑ دیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ (ﷺ) نے ایسا کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید ان سے عذاب کم کیا جائے جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہو۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: مرّ النبي ﷺ بقبرين ....:۔ جمہور حضرات فرماتے ہیں کہ یہ دونوں قبریں مسلمانوں کی تھی جس پر متعدد قرائن ہیں، مثلاً: ابن ماجہ کی روایت میں "قبرين جديدين" کے الفاظ اور مسند احمد کی روایت میں "من دفنتم ههنا اليوم ؟" کے الفاظ ملتے ہیں، نیز مسند احمد کی روایت سے ان دونوں قبروں کا جنۃ البقیع میں ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

جبکہ ابوموسیٰ مدینی کے ہاں یہ کافروں کی قبریں تھی اور اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں وارد شدہ اس تصریح سے استدلال کرتے ہیں "مرّ على قبرينِ مِن بني النجارِ هلكا في الجاهلية" یعنی "یہ دونوں قبریں بنو نجار کے کافروں کی تھی"۔

جمہور حضرات اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں "ابن لہیعہ" ہے جو ضعیف راوی ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہ ہوگا۔

ایک تعارض اور اُس کا دفعیہ:

قوله: وما يُعذّبان في كبير ....:۔ بخاری کی ایک روایت میں اس کے بعد "ثم قال: بلیٰ" اور ایک دوسری روایت میں "وإنّه لكبير" وارد ہوا ہے، اس سے اس حدیث کے دونوں جملوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان گناہوں سے کبیرہ ہونے کی نفی فرمائی اور پھر انہی گناہوں کو کبیرہ قرار دیا۔ اس تعارض کو دفع کرنے کے لیے مختلف جوابات دیے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) پہلے جملہ میں کبیر بمعنی دشوار کی نفی ہے اور دوسرے جملہ میں کبیر بمعنی گناہ کبیرہ کا اثبات ہے۔

(۲) ان گناہوں کے کبیرہ ہونے کی نفی ان اصحاب قبور کے اعتبار سے ہے کہ وہ ان گناہوں کو کبیرہ نہیں سمجھتے تھے، اور کبیر ہونے کا اثبات عنداللہ کبیرہ ہونے کے اعتبار سے ہے۔

(۳) پہلے آپ ﷺ کو ان گناہوں کے کبیرہ ہونے کا علم نہ تھا لہٰذا فرمایا: "وما یُعذّبانِ فی کبیرٍ" اس کے فوراً بعد وحی آئی کہ یہ گناہ کبیرہ ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "بلیٰ" اور "وإنّه لکبیرٌ"۔

قولہ: وأمّا الآخر فکان یمشی بالنمیمة ...:۔ "نمیمة" (چغلخوری) اسے کہتے ہیں کہ ایک کی بات دوسرے کے سامنے افساد اور اضرار کی نیت سے کہی جائے۔ اور اگر اصلاح کی نیت سے کہی جائے تو وہ نمیمہ نہیں کہلائے گا اور اس پر گناہ بھی نہ ہوگا حتیٰ کہ کسی کو نقصان سے بچانے کے لیے نمیمہ اور غیبت سے کام لینا بسا اوقات واجب ہوتا ہے۔

قبر پر شاخ گاڑنے کی بحث:

قولہ: ثمّ أخذ جریدةً رطبةً ...:۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بعض حضرات مثلاً: علامہ ابن حجرؒ قبر پر شاخ گاڑنے کو درست بلکہ اولیٰ سمجھتے ہیں۔ نیز یہ لوگ ایک صحابی حضرت بریدہ بن الحصیبؓ کی وصیت (جو انہوں نے اپنی قبر پر دو شاخیں گاڑنے سے متعلق کی تھیں) سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

لیکن جمہور علماء کے نزدیک قبر پر شاخ گاڑنا درست نہیں اور اس کا التزام کرنا بدعت ہے، باقی اس حدیث میں جو شاخ گاڑنے کا ذکر ہے تو یہ کوئی عمومی حکم نہیں اور نہ ہی آپ ﷺ کی عادت مستمرہ ہے ورنہ تو ہر صحابی کی قبر پر یا کم از کم اکثر صحابہ کی قبروں پر شاخیں گاڑنا ثابت ہوتا لیکن ایسا نہیں اور ایک صحابی کا عمل جمہور صحابہ اور خلفاء راشدینؓ کے عمل کے مقابلہ میں حجت نہیں ہوسکتا۔

فائدہ: حدیث باب سے بعض اہل بدعت قبروں پر پھول اور پھولوں کی چادر چڑھانے پر استدلال کرتے ہیں جو بالکل بے اصل ہے، کیونکہ اس کا ذکر نہ اس حدیث میں ہے اور نہ کسی دوسری حدیث میں۔

اصحابِ قبور سے تخفیفِ عذاب کی توجیہات:

قولہ: لعلّه أن یخفف ما لم ییبسا ...:۔ ان اصحابِ قبور سے تخفیفِ عذاب کی کئی توجیہات کی گئی ہیں، راجح ترین وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعا کی اور ان کی شفاعت فرمائی تو دعا کے جواب میں یہ بتایا گیا کہ جب تک یہ شاخیں تر اور سرسبز رہیں گی اس وقت تک ان میتوں کے متعلق آپ ﷺ کی دعا (عذاب اٹھائے جانے کی) منظور ہے چنانچہ حضرت جابرؓ کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں: "إنّ صاحبَی القبرینِ أُجیبتْ شفاعتی فیهما ما دامَ القَضِیبَینِ رَطْبَینِ" یعنی ان اصحابِ قبور کے بارے میں میری دعا اس وقت تک کے لیے قبول کرلی گئی ہے جب تک یہ شاخیں تر رہیں۔ معلوم ہوا کہ تخفیفِ عذاب آپ ﷺ کی دعا کا اثر تھا نہ کہ شاخوں کی تری کا اور بقولِ علامہ طرطوشیؒ: شاخوں میں یہ اثر آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں کے لگنے کا تھا۔ (لمعات، مرآۃ)

دو باعثِ لعنت کام:

۳۱۱۔ وعن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: اتّقوا اللاعنینِ قالوا: وما اللاعنانِ؟ یا رسولَ الله! قال: الذی یتخلّی فی طریقِ النّاسِ أو فی ظِلّهِم. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو باعثِ لعنت کاموں سے بچو۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دو

باعثِ لعنت کام کیا ہیں؟ فرمایا: (ایک) جو شخص لوگوں کے راستہ میں پاخانہ کرے (دوسرا) لوگوں کے سایہ (میں بیٹھنے کی جگہ) میں پاخانہ کرے۔ (مسلم)

دائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو نہ چھوا جائے:

٣١٢۔ وعن أبي قتادةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا شرب أحدكم فلا يتنفس في الإناءِ وإذا أتى الخلاءَ فلايمُسُّ ذكره بيمينه ولايتمسّحُ بيمينه. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پانی پیے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب بیت الخلا میں جائے تو دائیں ہاتھ سے اپنے شرمگاہ کو نہ چھوئے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرے۔ (متفق علیہ)

٣١٣۔ وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَنْ توضأَ فَلْيَستنثرْ ومَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وضو کرے تو اُسے چاہیے کہ ناک جھاڑے اور جو استنجا کرے تو چاہیے کہ طاق (عدد میں) ڈھیلے استعمال کرے۔ (متفق علیہ)

صرف پانی سے استنجا کرنا:

٣١٤۔ وعن أنسؓ قال: كان رسول الله ﷺ يدخلِ الخلاءَ فأحملُ أنا وغلامٌ أداوةً من ماءٍ وعنزةً يستنجي بالمَاءِ.

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلا میں تشریف لے جاتے تو میں اور ایک لڑکا (بلالؓ یا ابن مسعودؓ) پانی کا برتن اور برچھی (ساتھ) لے جاتے۔ آپ ﷺ پانی سے استنجا فرماتے۔ (متفق علیہ)

"الفصل الثانی"

بیت الخلا جاتے وقت انگوٹھی اتارنا:

٣١٥۔ وعن أنسٍ قال: كان النبيُّ ﷺ إذا دخلَ الخلاءَ نزعَ خاتمَه. [أبو داؤد، نسائي ورواه ترمذي وقال: حذا حديثٌ حسن صحيحٌ غريب وقال أبو داؤد: هذاحديث منكر، وفي روايته "وضع" بدل "نزَعَ".]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلا تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار لیتے (کیونکہ آنحضرت کی انگوٹھی پر "محمد رسول اللہ" کندہ تھا)۔ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

قضائے حاجت کے لیے دور جانا:

٣١٦۔ وعن جابرؓ قال: كان النبيُّ ﷺ إذا أراد البرازَ انطلقَ حتّٰى لا يراه أحدٌ. [أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ کرتے تو (اتنی دور) جاتے کہ کوئی آپ کو نہ دیکھ سکتا۔ (ابوداؤد)

پیشاب کے لیے نرم جگہ تلاش کرنا:

۳۱۷۔وعن أبي موسیٰؓ قال: کنتُ مع النبي ﷺ ذاتَ یومٍ فأراد أن یبولَ فأتی دَمِثًا في أصلِ جِدارٍ فبالَ ثمّ قال: اذاأرادَ أحدُکم أنْ یبولَ فلیَرْتَد لبولِه.[أبوداؤد]

ترجمہ:حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دن نبی پاک ﷺ کے ہمراہ تھا آپ ﷺ نے پیشاب کرنا چاہا تو ایک دیوار کی جڑ میں نرم زمین پر آئے، پیشاب کیا پھر فرمایا: جب تم میں سے کوئی پیشاب کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ پیشاب کے لیے نرم جگہ تلاش کرے۔(ابوداؤد)

حاجت کے وقت زمین کے قریب ہو کر ستر کھولنا:

۳۱۸۔وعن أنسؓ قال: کان النبيُّ ﷺ إذا أرادَ الحاجةَ لم یرفَعْ ثوبه حتی یدنُوَ مِن الأرضِ .

ترجمہ:حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے تو اپنا کپڑا نہ اٹھاتے یہاں تک کہ زمین کے قریب ہو جاتے۔(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)

لید، ہڈی کے ساتھ استنجا کی ممانعت:

۳۱۹۔وعن أبي هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّما أنالکم مثلُ الوالد لِولدہٖ أُعلِّمُکم، إذا أتیتُمُ الغائِطَ فلاتَستَقْبِلُوا القِبلةَ ولاتستدْبِروھاوأمرَ بثلاثةِ أحجارٍ ونھی عن الرَّوثِ والرِّمَّةِ ونھی أن یستطِیْبَ الرجلُ بیمینه.[ابن ماجة ،دارمی]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے لیے (تعلیم وتربیت کے حوالے سے) ایسا ہوں جیسا کہ باپ بیٹے کے لیے ہوتا ہے۔ میں تمہیں سکھاتا ہوں کہ جب تم پاخانہ میں جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ پشت کرو، (اس کے بعد) آپ ﷺ نے تین ڈھیلوں (کے استعمال) کا حکم دیا اور لید، ہڈی کے ساتھ استنجا کرنے سے منع فرمایا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ سے استنجا کرے۔(ابن ماجہ،دارمی)

طبعی طور پر مکروہ ہر کام کے لیے بایاں ہاتھ:

۳۲۰۔وعن عائشةؓ قالت: کانت یدُ رسول الله ﷺ الیمنی لِطھورہٖ وطعامِه وکانتْ یدُہ الیُسریٰ لِخَلائه وماکان مِن أذًی.[أبوداؤد]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا داہنا ہاتھ مبارک وضو کے لیے اور کھانا کھانے کے لیے تھا اور بایاں ہاتھ استنجا کرنے اور (طبعًا) مکروہ ہر کام کے لیے تھا۔(ابوداؤد)

۳۲۱۔وعنھا قالت: قال رسول الله ﷺ: إذا ذھبَ أحدُکم إلی الغائط فلیذھبْ معَه بثلاثةِ أحجارٍ یستطِیبُ بھِنَّ فانّھاتُجزِئُ عنه.[أحمد ،أبوداؤد،نسائی ،دارمی]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لیے جائے تو اسے چاہیے کہ استنجا کرنے کے لیے اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے جو اس کے لیے (پانی کے استعمال سے) کافی ہو جائیں گے۔(ابوداؤد،نسائی،دارمی)

لیداور ہڈیاں جنات کا توشہ اور غذا ہے:

۳۲۲۔عن ابن مسعودؓ قال: قال رسول اللهﷺ: لا تَستَنجُوا بالرَّوثِ ولا بالعِظامِ فإنّها زادُ إخوانِكم مِن الجِنِّ.[رواہ الترمذی والنسائی الّاأنّہ لم یذکرُ "زادُ اخوانکم من الجنّ".]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: تم لید اور ہڈیوں سے استنجامت کرو کیونکہ یہ (لید، ہڈیاں) تمہارے بھائی جنات کا توشہ (غذا) ہے۔(ترمذی، نسائی)

تشریح: قوله: لا تستنجو ا بالروث ولا بالعظام فإنّها زاد إخوانكم من الجنّ...: رَوث ،گوبر اور لید کو کہتے ہیں، یہاں روث اور عظام سے استنجا کی ممانعت کی وجہ یہ بیان کی گئی ہیں کہ یہ جنات کی غذا ہے، اس کے علاوہ روث میں ممانعت کی ایک علت نجاست ہے۔اور عظام میں علتِ ممانعت اس کا غیر مزیلِ نجاست ہونا اور زخم کا باعث ہونا بھی ہے۔

جاننا چاہیے کہ ''روث'' دوابِ جن یعنی جنات کے جانوروں کی غذا ہے جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے "وكلّ بعرة أو روثة علف لدوابكم" اور عظام یعنی ہڈیاں خود جنات کی غذا ہے۔روث اور عظام میں بظاہر غذائیت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کو جنات اور دوابِ جنات کے واسطے بہترین غذا میں بدل دیتے ہیں، جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے، نیز (حافظ ابونعیم کی) دلائل النبوۃ میں ابن مسعودؓ کی روایت کردہ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

روث اور عظام کی طرف واحد مؤنث کی ضمیر لوٹانے کی وجہ:

روایت مذکورہ میں دو چیزوں ''روث اور عظام'' کا ذکر ہے اور ''فإنّها زادُ إخوانِكم'' میں واحد مؤنث کی ضمیر راجع کی گئی ہے ،وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ ضمیر عظام کی طرف راجع ہے اور روث کا اعتبار تبعاً وضمناً کیا گیا ہے جیسا کہ آیت: "وإذا رأوا تجارة أو لهوا انفضّوا إليها..." (سورۃ جمعہ) میں "إليها" کی ضمیر [تجارۃ] کی طرف راجع ہے اور "لهوا" کو اس کا تابع قرار دیا گیا ہے اور بعض نسخوں میں روث اور عظام کی طرف [illegible] کی ضمیر ''إليه'' راجع ہے وہ بتاویل ''مذکور'' دونوں کی طرف راجع ہے [illegible]

[illegible] قابلِ مذمت کام: [illegible]

۳۲۳۔وعن رُوَيفع بن ثابتٍ قال: قال لي رسول اللهﷺ: يا رُوَيفع لعلّ الحياة ستطول بك بعدي فأخبِرِ النّاسَ أنّ من عقَد لحيتَه أو تقلّدَ وَترًا أوِ استنجى برجيعِ دابّةٍ أو عظمٍ فإنّ محمّدًا منه بريءٌ.[رواہ ابوداؤد] [illegible]

ترجمہ: حضرت رُوَیفع بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہﷺ نے فرمایا: اے رُوَیفع! شاید میرے بعد تیری زندگی دراز ہو لہٰذا لوگوں کو [illegible] کہ جس شخص نے اپنی داڑھی کو گرہ لگائی یا (گلے میں) تانت [illegible] جانور کی نجاست (گوبر، لید) سے یا ہڈی سے استنجا کیا تو محمد (ﷺ) اس سے بیزار ہیں۔(ابوداؤد) [illegible]

تشریح: قوله: [illegible] لحيته [illegible] داڑھی

کے بالوں کو گھنگریالا بنانے کے لیے اس میں گرہ لگائی جائے یا خوبصورت دکھائی دینے کے لیے داڑھی چڑھائی جائے، اس کی مذمت کی چار وجوہات ہیں:

(۱) مخالفتِ سنت، کیونکہ ارسالِ لحیہ یعنی داڑھی کا لٹکا ہوا ہونا مسنون ہے۔

(۲) تشبہ بالنسا، یعنی اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت کی کوشش ہے۔

(۳) تشبہ بالجاہلیۃ، اہلِ جاہلیت چونکہ اس طرح کیا کرتے تھے تو اُن کے ساتھ مشابہت ہے۔

(۴) تغییر لخلق اللہ، یعنی اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنا لازم آتا ہے جو جائز نہیں ہے۔

قوله: أو تقلّد وتراً...: "وَتر" (بفتحتین) اس سے مراد کمان کی وہ تانت اور وہ تعویذ گنڈے ہیں جو نظر بد اور دیگر آفات سے حفاظت کے لیے بچوں یا اونٹ، گھوڑوں کے گلے میں پہنائے جاتے تھے اور اس کو مؤثر بالذات سمجھا جاتا تھا حالانکہ اللہ کے ماسوا کوئی بھی چیز مؤثر بالذات نہیں اس لیے اس کی مذمت بیان فرمائی۔

طاق عدد کی رعایت واجب نہیں:

٣٢٤۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: مَن اكتحلَ فليُوتِرْ مَنْ فعلَ فقد أحسنَ ومَنْ لا، فلا حرجَ ومَن استجمرَ فليُوتِرمَن فعلَ فقد أحسن ومن لا ،فلا حرج ومَن أكلَ فماتخلّلَ فليَلفِظْ وما لاكَ بلسانه فليَبْتلِعْ من فعلَ فقد أحسن ومن لا فلا حرج ومَن أتى الغائطَ فليستَتِرْ فإنْ لَم يجدْ الاّ أن يجمعَ كثيباً مِن رملٍ فليستدبِرْه فإنّ الشيطانَ يلعَبُ بمَقاعِدَ بني آدمَ مَن فعلَ فقد أحسنَ ومَنْ لا فلا حرجَ.[أبو داؤد،ابن ماجه،دارمي]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سرمہ لگائے تو چاہیے کہ طاق (عدد سلائیاں) لگائے جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج (گناہ) نہیں اور جو شخص استنجا کرے تو طاق ڈھیلوں سے کرے جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے نہ کیا (اس پر) کوئی گناہ نہیں۔ اور جس نے (کچھ) کھایا تو جو چیز (ریشہ وغیرہ) خلال کرنے سے نکلی، چاہیے کہ اسے پھینک دے اور جو چیز زبان سے نکالے چاہیے کہ اسے نگل لے، جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی گناہ نہیں۔ اور جو قضائے حاجت کے لیے جائے، اسے چاہیے کہ (کسی چیز سے) پردہ کرے اور اگر (پردہ کرنے کی کوئی چیز) نہ پائے مگر یہ کہ ریت کا تودہ جمع کرے (اور ایسا کرنے کے بعد) چاہیے کہ اس کی طرف پشت کرے اس لیے کہ شیطان بنی آدم کی شرمگاہوں کے ساتھ کھیلتا ہے جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے ایسا نہیں کیا تو کچھ گناہ نہیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت:

٣٢٥۔وعن عبد الله بن المغفلؓ قال: قال رسول اللهﷺ: لا يبولنّ أحدُكم في مُسْتَحَمِّهِ ثمّ يغتسلُ فيه أو يتوضّأُ فيه فإنّ عامةَ الوسواسِ منه.[أبو داؤد،ترمذي والنسائي الاّ أنّهما لم يذكرا:"ثمّ يغتسلُ فيه أو يتوضّأُ فيه".]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے نہانے کی جگہ میں پیشاب نہ کرے جس

میں پھر وہ نہائے یا اس میں وضو کرے، اس لیے کہ اکثر وساوس اس سے (پیدا) ہوتے ہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: قولہ: لایبولنّ أحدکم فی مستحمّه..... "مستحمّ" (بضم المیم وفتح الحاء) حمیم سے مشتق ہے بمعنی گرم پانی۔ مستحم اصل میں اس غسل خانہ کو کہتے ہیں جس میں گرم پانی استعمال کیا جاتا ہو، بعد میں اس کا اطلاق ہر غسل خانہ پر ہونے لگا۔ اس حدیث میں غسل خانہ کے اندر پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے اور علت یہ بیان کی گئی ہے کہ عام طور پر وساوس اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب غسل خانہ سے پیشاب کے خارج ہونے کا کوئی راستہ نہ ہو بلکہ وہ اندر جمع ہوتا ہو اس صورت میں بدن پر اور برتن میں ناپاک چھینٹیں پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے جس سے وسوسے پیدا ہو کر دراز سے دراز تر ہوتے چلے جاتے ہیں، البتہ اگر غسل خانہ پختہ ہو اور پانی نکلنے کا راستہ بھی ہو تب اگر پیشاب کیا جائے تو ممانعت نہ رہے گی لیکن اس کی عادت نہیں بنانی چاہیے۔ (نفحات)

سوراخ میں پیشاب کرنے کی ممانعت:

۳۲۶۔ وعن عبد الله بن سرجسؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: لایبولَنَّ أحدُکم فی جُحرٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سرجسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔ (ابوداؤد، نسائی)

۳۲۷۔ وعن معاذؓ قال: قال رسول الله ﷺ: اتقوا المَلاعنَ الثلاثةَ: البرازَ فی المَواردِ وقارعةِ الطریقِ والظِّلِ.

ترجمہ: حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین باعث لعنت کاموں سے بچو (جو یہ ہیں) گھاٹوں (یعنی پانی پینے کی جگہوں) پر قضائے حاجت کرنا اور راستہ کے بیچ میں اور (لوگوں کے بیٹھنے کے) سایہ میں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

قولہ: اتقوا الملاعن الثلاث: "ملاعن" ملعنة کی جمع ہے یعنی باعث لعنت کام، اس حدیث میں مذکور ان تین جگہوں میں قضائے حاجت کرنے والے پر چونکہ لوگ لعنت بھیجتے ہیں اس لیے ان تینوں جگہوں میں قضائے حاجت کرنے کو باعث لعنت ارشاد فرمایا۔

رفع حاجت کے وقت باتیں کرنے پر وعید:

۳۲۸۔ وعن أبی سعیدؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لایخرجُ الرجلانِ یضربانِ الغائطَ کاشفَینِ عن عورتِهما یتحدّثانِ فإنّ الله یمقُتُ علیٰ ذٰلك. [أحمد، أبوداؤد، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو شخص پاخانہ کے لیے (اس طرح) نہ نکلیں کہ اپنے ستر کھولے ہوئے ہوں اور باتیں کر رہے ہوں کیونکہ اس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

قضائے حاجت کی جگہوں میں شیاطین کی حاضری:

۳۲۹۔ وعن زید بن أرقمؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ هٰذه الحُشوشَ مُحتضَرَةٌ فإذا أتیٰ أحدُکم الخلاءَ فلیقُل: أعوذُ بالله من الخُبثِ والخبائث. [أبوداؤد، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قضائے حاجت کی جگہیں (شیاطین کے) حاضر ہونے کی جگہیں ہیں لہٰذا جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لیے آئے تو اسے چاہیے کہ یہ (دعا) پڑھے: "میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ناپاک جنات" سے

اور ناپاک جنیوں سے"۔(ابوداؤد، ابن ماجہ)

قولہ: انّ ھذہ الحشوش محتضرۃ:۔"حُشوش "(بضم الحاء)حش ّ (بضم الحاء و بفتحھا) کی جمع ہے بمعنی کھجور کے درختوں کا جھنڈ۔لیکن یہاں یہ کنایہ ہے قضائے حاجت کی جگہوں سے، چونکہ عرب قضائے حاجت کے لیے کھجور کے باغات کا رخ کرتے اس لیے یہاں بیت الخلا کو حشوش سے تعبیر فرمایا۔اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ قضائے حاجت کی جگہوں میں شیاطین اور جنات حاضر ہوتے ہیں۔

بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت "بسم اللہ" کہنا:

۳۳۰۔وعن علیؓ قال:قال رسول اللہ ﷺ: سترُ ما بین أعینِ الجنّ وعوراتِ بنی آدم إذا دخلَ أحدُھم الخلاءَ أن یقولَ :بسم اللہ.[رواہ الترمذی وقال ھذاحدیث غریبٌ واسنادہ لیس بقویّ]

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنات کی آنکھوں اور بنی آدم کی شرمگاہوں کے درمیان پردہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص بیت الخلا میں داخل ہونے لگے تو"بسم اللہ "کہے۔(ترمذی)

بیت الخلا سے نکلتے وقت[غفرانك] کہنا:

۳۳۱۔وعن عائشۃؓقالت : کان النبیُّ ﷺ إذا خرجَ مِن الخلاءِ ،قال: غُفرانَكَ.

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب بیت الخلا سے باہر نکلتے تو کہتے:"غفرانك"۔(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

تشریح:قولہ:غفرانك:۔یعنی اے اللہ میں تیری مغفرت مانگتا ہوں۔غفران،مصدر ہے اس کا نصب یا تو اس بنا پر ہے کہ"أطلب" یا "أسئل" فعل محذوف کا مفعول بہ ہے اور یا "اِغفِر" فعل امر محذوف کا مفعول مطلق ہے۔آپ ﷺ کا یہ دعا پڑھنا تواضع کی بنا پر تھا یا پھر تعلیم امت کے واسطے تھا کیونکہ آپ ﷺ معصوم و مغفور ہیں۔"معارف السنن" میں لکھا ہے کہ یہاں "غفران" شکر کے معنی میں ہے، چنانچہ عرب لوگ کہتے ہیں "غفرانك لا كفرانك" اس میں غفرانک کو کفرانک کے مقابل ذکر کیا گیا جس سے شکر کا معنی متعین ہو جاتا ہے لہذا اگر اس سے شکر کا معنی لیا جائے تب بھی درست ہوگا کیونکہ یہ مقام ہی شکر کا ہے۔ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ دعا بھی منقول ہے:"الحمد للہ الذی أذھب عنی الأذی وعافانی "بہتر یہ ہے کہ دونوں دعائیں پڑھی جائیں۔(نفحات)

استنجا کے بعد ہاتھ زمین پر رگڑ کر دھونا:

۳۳۲۔وعن أبی ھریرۃؓ قال: کان النبی ﷺ إذا أتی الخلاء أتیتُہ بماءٍ فی تورٍ أو رَکْوَۃٍ فاستنجی ثمّ مسح یدہ علی الأرض ثمّ أتیتُہ بإناءٍ آخرَ فتوضّأ.[أبوداؤد وروی الدارمی والنسائی معناہ]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب بیت الخلا تشریف لے جاتے تو میں پیالے یا (چمڑے کے) چھاگل میں پانی لاتا آپ ﷺ استنجا فرماتے پھر ہاتھ کو زمین پر رگڑتے، پھر میں دوسرا برتن (پانی کا) لاتا اور آپ ﷺ وضو فرماتے۔(ابوداؤد،دارمی،نسائی)

پیشاب سے فراغت پر رومالی پر چھینٹے مارنا:

۳۳۳۔وعن الحکم بن سفیانؓ قال: کان النبی ﷺ إذا بال، توضّأ ونَضَحَ فَرجَہ.[أبوداؤد،نسائی]

ترجمہ: حضرت حکم بن سفیان کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب پیشاب کر لیتے تو وضو فرماتے اور اپنی شرمگاہ کو (یعنی اسکے بالمقابل ازار کو دفع وساوس کی خاطر پانی کا) چھینٹا دیتے۔ (ابوداؤد، نسائی)

رات کو لکڑی وغیرہ کے برتن میں پیشاب کرنا:

٣٣٤۔وعن أميمةَ بنتِ رُقيقةَ قالت: كان للنبيِّ ﷺ قَدَحٌ مِن عِيدانٍ تحتَ سَريرِه، يبولُ فِيه بالَّليل. [أبو داؤد، نسائی]

ترجمہ: حضرت امیمہ بنت رُقیقہ کہتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو آپ ﷺ کی چارپائی کے نیچے پڑا رہتا تھا، آپ ﷺ رات کو اس میں پیشاب فرمایا کرتے۔ (ابوداؤد، نسائی)

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت:

٣٣٥۔عن عمرؓ قال: رآني النبيُّ ﷺ وأنا أبولُ قائمًا، فقال: يا عمر! لا تبل قائمًا، فما بُلتُ قائمًا. [ترمذی، ابن ماجہ] قال الشيخ محيي السنة: قد صحّ عن حذيفةَ قال: أتى النبيُّ ﷺ سُباطةَ قومٍ فبال قائمًا. [متفق عليه] قيل: كان ذلك لعُذرٍ.

ترجمہ: حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے (ایک مرتبہ) مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اے عمر! کھڑے ہو کر پیشاب مت کرو۔ چنانچہ (اس کے بعد) میں نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ شیخ محی السنۃ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ سے سند صحیح کے ساتھ مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ ایک قوم کے کوڑے (کی جگہ) پر آئے اور کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔ (متفق علیہ) کہا گیا ہے کہ یہ (کھڑے ہو کر پیشاب کرنا) کسی عذر کی بنا پر تھا۔

'بول قائمًا' سے متعلق تین روایات اور ان میں تطبیق:

تشریح: قوله: لا تبل قائما...: کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے حوالے سے تین روایتیں نقل کی جاتی ہیں:

(۱) زیر بحث حدیث حضرت عمرؓ، اس سے ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

(۲) فصلِ ثالث کی پہلی حدیث: "عن عائشةؓ قالت: من حدثكم أنّ النبيّ ﷺ كان يبول قائمًا فلا تُصدِّقُوه..." (احمد، ترمذی، نسائی) اس روایت میں آنحضرت ﷺ کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی نفی ہے۔

(۳) مذکورہ حدیث عمرؓ کے متصل حضرت حذیفہؓ کی حدیث: "أتى النبيُّ ﷺ سباطةَ قومٍ فبال قائمًا" (متفق علیہ)۔ اس روایت سے آنحضرت ﷺ کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا معلوم ہوتا ہے۔

پہلی دو حدیثوں سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے جبکہ حضرت حذیفہؓ کی روایت سے خود آنحضرت ﷺ کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا معلوم ہوتا ہے، جو بظاہر تعارض ہے لیکن حقیقت میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اصل یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا جائے جیسا کہ حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے اور حدیث عائشہؓ میں بھی آپ ﷺ کی عادت مستمرہ بیان کی گئی ہے۔ اس سے حضرت حذیفہؓ کی حدیث کی تردید نہیں ہوتی کیونکہ حدیث حذیفہؓ میں ایک اتفاقی اور جزئی واقعہ منقول ہے جو گھر سے باہر پیش آیا اور جس کا علم حضرت عائشہؓ کو نہ ہو سکا۔

آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیوں فرمایا؟:

باقی آپ ﷺ کے کھڑے ہوکر پیشاب فرمانے کی درج ذیل کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) بیان جواز کے لیے آپ ﷺ نے ایسا فرمایا کیونکہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ مکروہ تحریمی۔

(۲) کمر یا گھٹنے میں تکلیف کی بنا پر آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا۔

(۳) آپ ﷺ زرہ پہنے ہوئے تھے جس کی وجہ سے بیٹھ کر پیشاب کرنا مشکل تھا۔

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی شرعی حیثیت: فقہاء میں سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بلا عذر کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ ہے جبکہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے ہاں اگر پیشاب کی چھینٹ پڑنے اور شرمگاہ پر دوسروں کی نگاہ پڑنے کا اندیشہ ہوتو مکروہ ہے ورنہ تو بلا کراہت کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے۔(نفحات، اختلاف الائمہ)

"الفصل الثالث"

۳۳۶۔عن عائشةؓ قالت: مَن حدّثكم أنّ النبيّ ﷺ كان يبولُ قائمًا، فلا تُصدِّقُوه ما كان يبولُ إلّا قاعدًا.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جوتم سے یہ بیان کرے کہ نبی پاک ﷺ کھڑے ہوکر پیشاب کیا کرتے تھے تو اس کی تصدیق مت کرو، آپ ﷺ بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے۔(احمد، ترمذی، نسائی)

۳۳۷۔وعن زيدِ بن حارثةَ عن النبي ﷺ أنّ جبريلَ أتاه في أوّلِ ما أُوحِيَ إليه فعلّمه الوضوءَ والصلاةَ فلمّا فرغَ مِن الوضوءِ أخذَ غُرفةً مِن الماءِ فنضحَ بها فَرجهُ. [أحمد، دارقطنی]

ترجمہ: حضرت زید بن حارثہؓ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے (جس وقت) آپ ﷺ کو اول اول وحی کی گئی اور آپ ﷺ کو وضو اور نماز کی تعلیم دی، چنانچہ جب جبرئیلؑ وضو سے فارغ ہوئے تو ایک چلو پانی لیا اور اس کو اپنی شرمگاہ (کے بالمقابل کپڑے) پر چھڑک دیا۔(احمد، دارقطنی)

۳۳۸۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: جاءني جبرئيلُ، فقال: يا محمدُ! إذا توضأتَ فانتضِحْ. [رواه الترمذي وقال: هذا حديثٌ غريبٌ وسمعتُ محمدًا يعني البخاريَّ يقولُ: الحسنُ بنُ عليٍّ الهاشميُّ الراوي مُنكَرُ الحديث.]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور کہا: اے محمد! جب آپ وضو کریں تو پانی چھڑک لیا کریں۔(ترمذی)

ہر وقت باوضو رہنا سنتِ مؤکدہ نہیں:

۳۳۹۔وعن عائشةؓ قالت: بالَ رسول الله ﷺ فقام عمرُ خلفَه بكُوزٍ من ماءٍ، فقال: ما هذا؟ يا عمرُ! فقال: ماءٌ تتوضّأُ به، قال: ما أُمِرتُ كلّما بُلتُ أن أتوضّأَ ولو فعلتُ لكانت سُنّةً. [أبو داؤد، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے پیشاب فرمایا، حضرت عمرؓ آپ ﷺ کے پیچھے پانی کا لوٹا لے کر کھڑے تھے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: اے عمر! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: آپ ﷺ کے وضو کے لیے پانی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس بات کا (وجوبی) حکم نہیں دیا گیا ہے کہ جب بھی میں پیشاب کروں تو وضو کروں اور اگر میں (ایسا) کروں تو یہ سنت (مؤکدہ) ہو جائیگا۔

ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجا کرنے کی تحسین:

۳۴۰۔وعن أبی أیوبؓ وجابرؓ وأنسؓ أنّ هذه الآية لمّا نزلت: "فيه رجالٌ يُحِبُّونَ أن يتطهّروا واللهُ يُحِبُّ المُطَّهِّرين" قال رسول الله ﷺ: يامعشرَ الأنصار! إنّ الله قد أثنى عليكم في الطّهور فما طهورُكم؟ قالوا: نتوضّأُ للصلوةِ ونغتسلُ مِن الجنابةِ ونستنجي بالماءِ فقال: فهو ذاك فعليكموه. [ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابو ایوبؓ، جابرؓ اور انسؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: [ترجمہ] "اس (مسجد قبا) میں ایسے مرد ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ خوب پاکی حاصل کریں اور اللہ خوب پاکی حاصل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے گروہ انصار! اللہ نے پاکی کے معاملہ میں تمہاری تعریف کی ہے، تمہاری پاکی کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہم نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اور جنابت سے غسل کرتے ہیں اور (ڈھیلے کے بعد) پانی سے استنجا کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہی (تعریف کی وجہ) ہے پس اس کو لازم پکڑو (ابن ماجہ)

آپ ﷺ صحابہ کو حاجت کا طریقہ بھی سکھاتے:

۳۴۱۔وعن سلمانَ قال: قال بعضُ المشركين وهو يستهزئُ: إنّي لأرى صاحبَكم يُعلّمُكم حتّى الخراءةَ قلتُ: أجل! أمرَنا أن لانستقبِلَ القبلةَ ولانستنجي بأيمانِنا ولانكتفي بأقلّ مِن ثلاثةِ أحجارٍ ليس فيها رجيعٌ ولاعَظمٌ.

ترجمہ: حضرت سلمانؓ سے مروی ہے کہ ایک مشرک نے بطورِ استہزا (مجھ سے) یہ کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا صاحب (پیغمبر) تمہیں ہر بات سکھاتا ہے، یہاں تک کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی۔ میں نے (جواب) میں کہا کہ جی ہاں! آپ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ ہم (قضائے حاجت کے وقت) قبلہ رو نہ ہو اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجا کریں اور نہ (استنجا میں) تین پتھروں سے کم پر کفایت کریں، اُن (پتھروں) میں نے گوبر وغیرہ ہو اور نہ ہڈی۔ (مسلم، احمد۔ لفظ احمدؒ کے ہیں)

آپ ﷺ کا ڈھال کی اوٹ میں پیشاب فرمانا:

۳۴۲۔وعن عبدالرحمٰن بن حسنةؓ قال: خرج علينا رسول الله ﷺ وفي يده الدَّرَقةُ، فوَضعَها ثمّ جلَسَ فبال اليهافقال بعضُهم: أُنظُروا اليه يبولُ كما تبولُ المرأةُ فسمِعه النبيُّ ﷺ فقال: ويحَك، أماعلِمتَ ماأصابَ صاحبَ بني اسرائيلَ، كانوا اذاأصابَهم البولُ قرضُوه بالمَقاريضِ فنهاهم فعُذِّبَ في قبرِه. [أبوداؤد، ابن ماجة، ورواه النسائي عنه وعن أبي موسٰى]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں ڈھال تھی، آپ ﷺ نے اسے (سامنے) رکھا پھر (اس کی طرف) بیٹھ کر پیشاب کیا۔ ایک مشرک یا منافق نے کہا: انہیں دیکھو، عورت کی طرح پیشاب کرتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ نے اس بات کو سن لیا اور فرمایا: تجھ پر افسوس ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ بنی اسرائیل کے (ایک) صاحب کو کیا (عذاب) پہنچا؟ بنی

اسرئیل (کے کپڑوں) کو جب پیشاب لگ جاتا تو اس جگہ کو قینچیوں سے کاٹتے۔ اُس صاحب نے ان کو (ایسا کرنے سے) منع کیا تو قبر میں عذاب دیا گیا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی عن ابی موسیٰ)

تشریح: قوله: وفي يده الدرقة فوضعها ثمّ جلس فبال إليها...:۔"درقة" (بفتح الدال والرّاء والقاف) چمڑے کی بنی ہوئی وہ ڈھال جس میں لکڑی اور پٹھانہ ہو۔

قوله: فقال بعضهم: أنظروا إليه، يبولُ كما تبولُ المرءةُ....:۔ اس قول کے قائل "بعضهم" سے کون مراد ہے؟ چنانچہ کچھ علماء کے نزدیک یہ قائل کوئی منافق تھا جس نے طعن اور استہزا کے طور پر یہ الفاظ کہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے توبیخ وتہدید کے انداز میں فرمایا کہ تمھیں معلوم نہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص جس نے شریعت موسوی کے ایک حکم (یعنی یہ کہ موضع نجاست کو قینچی سے کاٹا جائے) سے لوگوں کو روکا تو عذاب قبر میں مبتلا کر دیا گیا تو بیٹھ کر پیشاب کرنے کا حکم جو شرعی ہونے کے ساتھ ساتھ موافق عقل بھی ہے اس کا استہزا کرنے والا تو بطریق اولی عذاب کا مستحق ہوگا۔ جبکہ سنن ابی داؤد اور بیہقی کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمات خود حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ اور عمرو بن العاص نے کہے تھے۔ اب اگر یہ کلمات ان حضرات نے قبول اسلام سے پہلے کہے ہو تب تو کوئی اشکال نہیں۔ اور اگر فرض کرلیا جائے کہ یہ کلمات انہوں نے قبول اسلام کے بعد کہے تھے تو پھر یہ کہا جائیگا کہ بنا بر تعجب غیر اختیاری طور پر یہ کلمات ان سے صادر ہوئے، کیونکہ عرب عام طور پر کھڑے ہوکر پیشاب کیا کرتے تھے۔"يبولُ كما تَبولُ المرأةُ" یہ تشبیہ تستر (پردے کی آڑ میں پیشاب کرنے) اور بیٹھ کر پیشاب کرنے میں دی جارہی ہے کیونکہ عربوں کی عورتیں پردے کی آڑ میں بیٹھ کر پیشاب کیا کرتی تھیں۔

قوله: إذا أصابهم البول قرضوه بالمقاريض .....: ۔ یعنی جس کپڑے کو پیشاب لگ جاتا اس کو کاٹ کر علیحدہ کردیتے، بخاری کی روایت میں ثوب کی تصریح موجود ہے لہٰذا بدن کا ٹنا مراد نہیں ہوگا۔

قوله: ورواه النسائي عنه عن أبي موسى: ۔ صاحب مشکوۃ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن، ابوموسیٰ کے حوالے سے اس کو روایت کرتے ہیں یہ صاحب مشکوۃ کا تسامح ہے کیونکہ نسائی میں یہی روایت عبدالرحمٰن بن حسنہ سے مرفوعاً مروی ہے (نفحات، حاشیہ)

۳۴۳۔ وعن مروان الأصفر قال: رأيتُ ابنَ عمرَ أناخَ راحلتَه مستقبلَ القبلةِ ثم جلسَ يبولُ إليها، فقلتُ: ياأباعبدالرحمٰن! أليسَ قدْ نُهِي عن هذا؟ قال: بل إنّما نُهِي عن ذلك في الفَضاءِ فاذا كان بينكَ وبين القِبلةِ شئٌ يسترُك فلابأسَ .[أبو داؤد]

ترجمہ: مروان اصفر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنا اونٹ قبلہ کی جانب بٹھایا پھر بیٹھ کر اس کی طرف پیشاب کرنے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! کیا اس (قبلہ رو ہوکر پیشاب کرنے) سے منع نہیں کیا گیا ہے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: ہاں! صحرا (کھلی فضا) میں اس سے منع کیا گیا ہے، البتہ جب تیرے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز پردہ (حائل) ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (ابوداؤد)

۳۴۴۔ عن أنسٍ قال: كان النبيُّ ﷺ إذا خرجَ مِن الخلاءِ قال:" الحمدُ لله الّذي أذهبَ عَنِّي الأَذى وعافَاني ".[ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بیت الخلاء سے باہر آتے تو یہ (دعا) کہتے کہ "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تکلیف دینے والی چیز مجھ سے دور کی اور عافیت فرمائی۔ (ابن ماجہ)

بارگاہِ نبوت میں جنات کے وفد کی حاضری:

۳۴۵۔وعن ابن مسعودؓ قال: لمّا قدِم وَفْدُ الجنّ على النبيّ ﷺ قالوا: يا رسولَ الله! إنه أمّتك أن يستنجوا بعظمٍ أو روثةٍ أو حُمَمةٍ فإنّ الله جعل لنا فيها رزقًا فنهانا رسولُ الله ﷺ عن ذلك. [أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ جب جنات کا وفد نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اپنی امت کو منع کر دیں کہ ہڈی، لید اور کوئلہ سے استنجا نہ کریں کیونکہ اللہ نے ہماری روزی اس میں (پیدا کر) رکھی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ہمیں اس (کے ساتھ استنجا کرنے) سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

(بابُ السِّواکِ)

مسواک کے آداب وفضائل:

[سواك] مصدر بھی مستعمل ہے اور بمعنیٰ مسواک بھی، اس کی جمع "سُوك" آتی ہے۔ مسواک پیلو کے درخت کی مستحب ہے نیز یہ بھی مستحب ہے کہ مسواک دائیں طرف سے شروع کی جائے، دانتوں کی چوڑائی میں کی جائے نہ کہ لمبائی میں، مسواک نرم ہو، بالشت برابر لمبی ہو اور بقدر خنصر (یعنی چھنگلیا انگلی) موٹی ہو۔

مسواک کے فضائل میں بہت سی روایات وارد ہے چنانچہ اسی باب کے فصل ثالث میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے "قال رسول الله ﷺ: تفضُلُ الصلاةُ التي يُستاكُ لها على الصلاةِ التي لا يُستاكُ لها سبعين ضِعفًا" (بیہقی) یعنی جس نماز کے لیے مسواک کی جائے وہ نماز اس نماز پر ستر درجہ فضیلت رکھتی ہے جس کے لیے مسواک نہ کی جائے"۔ حضرت جابرؓ اور ابن عباسؓ سے بھی اس مضمون کی روایات مروی ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے مشائخ کے حوالے سے مسواک کے ستر [۷۰] فوائد تحریر کیے ہیں، چنانچہ ایک عظیم فائدہ یہ ہے کہ مرتے وقت کلمۂ شہادت نصیب ہوتا ہے۔

مسواک کرنا کئی موقعوں پر مستحب ہے، شیخ ابن ہمامؒ نے پانچ مواقع ذکر فرمائے ہیں:

(۱) وضو کے وقت (۲) نماز سے پہلے متصل (۳) نیند سے اٹھتے وقت (۴) منہ کی بدبو کے وقت (۵) دانتوں کی زردی کے وقت۔

بعض حضرات نے دیگر کئی مواقع بھی استحباب کے ذکر کیے ہیں۔ (نفحات، مرآۃ)

"الفصل الاول"

مسواک وضو کی سنت ہے یا نماز کی؟:

۳۴۶۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لولا أن أشقّ على أمّتي لأمرتُهم بتأخيرِ العِشاءِ وبالسِّواكِ عند كلّ صلوٰةٍ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اپنی امت پر گراں ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کو عشا تاخیر سے پڑھنے اور ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: و بالسواك عند كل صلاةٍ ... ۔حضرات شوافعؒ کے ہاں مسواک سنت صلاۃ ہے لہٰذا ہر نماز کے تکبیرتحریمہ کے وقت مسواک کرناان کے ہاں سنتِ مؤکدہ ہے،حدیث باب ان حضرات کی دلیل ہے۔

جبکہ حضرات حنفیہؒ کے ہاں مسواک وضوکی سنت ہے نہ کہ نماز کی۔یہ حضرات حدیثِ باب کواستحباب پرمحمول کرتے ہیں،علاوہ ازیں حدیث باب کی یہ توجیہ بھی کرتے ہیں کہ اس سے مراد "عند وضوء كل صلاةٍ " ہے یعنی ہر نماز کے وضو کے وقت مسواک کرنا مراد ہے۔اور قرینہ یہ ہے کہ اسی روایت کے بعض طرق میں" عند كل وضوء "اور بعض میں" مع كل وضوءٍ "کے الفاظ بھی آئے ہیں اور صحیح ابن حبان میں مروی حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ "إنّ النبي ﷺ قال: لولا أن أشقّ على أمتي لأمرتُهم بالسّواكِ معَ الوضوءِ عندَ كلّ صلاةٍ " ۔اس کے علاوہ ان قرائن سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ ہر نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت آپ ﷺ سے مسواک کرنا ثابت نہیں۔نیز فقہاء اور محدثین باب السواک کو کتاب الطہارۃ میں ذکر کرتے ہیں نہ کہ کتاب الصلاۃ میں، پھر نماز کے وقت مسواک کرنے میں دانتوں سے خون نکلنے کا اندیشہ بھی ہے جو حنفیہؒ کے ہاں ناقض وضو ہے جو تکبیر تحریمہ فوت ہونے کا باعث ہے۔

گھر میں داخل ہوتے وقت مسواک کرنا:

۳٤۷۔وعن شُريح بن هانيءٍ قال: سألتُ عائشةَؓ بأيّ شيءٍ كان يَبدَءُ رسولُ اللهِ ﷺ اذا دخلَ بيتَه ؟قالت: بالسّواكِ.[مسلم]

ترجمہ:شُریح بن ہانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو پہلا کام کیا کرتے؟ آپؓ نے فرمایا کہ سب سے پہلے مسواک فرماتے۔(مسلم)

تہجد کے لیے اٹھتے وقت مسواک کرنا:

۳٤۸۔وعن حُذيفةَ قال: كان النبيُّ ﷺ إذا قام للتهجُّدِ مِن اللَّيلِ يَشُوصُ فاه بالسِّواكِ.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت حُذیفہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ رات میں جب تہجد کے لیے اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے ملتے۔(متفق علیہ)

دس امورِ فطرت کا بیان:

۳٤۹۔وعن عائشةَ قالت: قال رسولُ اللهِ ﷺ: عَشْرٌ مِن الفِطرةِ :قَصُّ الشاربِ وإعفاءُ اللِّحيةِ والسواكُ واستِنشاقُ الماءِ وقصُّ الأظفارِ وغسلُ البراجِمِ ونتفُ الإبطِ وحَلْقُ العانةِ وانتقاصُ الماءِ يعني الاستنجاءَ.قال الراوي: ونسيتُ العاشرةَ الّاأن تكونَ المضمضةَ.[مسلم]وفي روايةٍ:"الختان" بدلَ "إعفاءِ اللِّحيةِ".لم أجِدْ هذه الروايةَ في الصحيحين ولا في كتاب الحُميديّ ولكنْ ذكرَها صاحبُ الجامعِ وكذاالخطابيّ في "معالِم السننِ "عن أبي داؤدَ بروايةِ عمّارِ بنِ ياسر.

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دس باتیں فطرت میں سے ہیں:لبوں کا کم کرنا،داڑھی بڑھانا،مسواک کرنا، ناک میں پانی دینا،ناخن کتروانا،جوڑوں کی جگہ کو دھونا،بغلوں کے بال اکھاڑنا(دور کرنا)زیر ناف بالوں کا مونڈنا اور پانی کا کم کرنا یعنی (پانی) سے استنجا کرنا۔راوی کہتا ہے کہ دسویں بات میں بھول گیا ہوں ہوسکتا ہے کہ وہ کلی کرنا ہو۔(مسلم)اور ایک روایت میں "إعفاء

اللحیة" کی بجائے "ختان" (ختنہ کرنا) مذکور ہے۔

تعارض اور اس کا دفعیہ:

تشریح: قوله: عشر من الفطرة ....: اس حدیث میں امورِ فطرت دس بیان کیے گئے ہیں جبکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں امورِ فطرت پانچ بیان کیے گئے اور حدیث ابن عمرؓ میں تین، جو کہ بظاہر تعارض ہے۔ لیکن حقیقت میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا۔ یہ توجیہ بھی کر سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے موقع محل کی مناسبت سے کہیں تین امورِ فطرت کو بیان فرمایا کہیں پانچ کو اور کہیں دس کو۔

اس جگہ فطرت سے کیا مراد ہے؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فطرت سے کیا مراد ہے؟ چنانچہ اکثر علماء کے ہاں فطرت سے انبیاء علیہم السلام کی سنت مراد ہے۔ ابوعوانہ کی روایت کے ان الفاظ: "عشر من السنة" سے اس کی تائید ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ دس خصلتیں تمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ سنتیں ہیں جو فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق ہیں حتیٰ کہ کوئی بھی سلیم الفطرت شخص ان خصال کو اپنائے بغیر چین کی زندگی نہیں گزار سکتا۔

قوله: قص الشارب: مونچھوں کا اتنا کترنا کہ اوپر والے ہونٹ کی سرخی ظاہر ہو جائے مسنون ہے اور اس میں مبالغہ کرنا مستحب ہے۔

داڑھی کا وجوب:

قوله: وإعفاءُ اللّحية....: ایک قبضہ یعنی مٹھی بھر داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس سے کم کرنا یا مونڈنا حرام ہے اور قبضہ بھر داڑھی کو مسنون کہنا اس وجہ سے ہے کہ ثابت بالسنۃ ہے اور دلیل یہ حدیث ہے: "كان ابن عمرؓ اذا حج أو اعتمر قبضَ على لحيته فما فَضُل أخذه" (بخاری) یعنی ابن عمرؓ جب حج یا عمرہ فرماتے تو داڑھی کو مٹھی میں پکڑ لیتے پھر جو مٹھی سے زائد ہوتی اس کو کاٹ دیتے۔ نیز سلف صالحین کا اس پر تعامل اور ائمہ اربعہ کا اجماع بھی وجوب کی دلیل ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

"الفصل الثانی"

مسواک کی فضیلت:

۳۵۰۔ عن عائشةَ قالت: قال رسولُ الله ﷺ: السِّواكُ مَطهرةٌ للفَمِ مَرضاةٌ للربِّ. [رواه الشافعي وأحمد والدارمي والنسائي وروى البخاري في صحيحه بلا إسنادٍ]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسواک کرنا منہ کی پاکیزگی اور رب کی رضامندی کا سبب ہے۔

۳۵۱۔ وعن أبي أيوبؓ قال: قال رسول الله ﷺ: أربعٌ مِن سُننِ المُرسَلين: الحياءُ [ويُروى "الختانُ"] والتعطُّرُ والسواكُ والنكاحُ. [ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابو ایوبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار باتیں رسولوں کی سنت میں سے ہیں (جو یہ ہیں) حیا کرنا (اور دوسری روایت میں ہے کہ ختنہ کرنا) اور خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ (ترمذی)

سوکر اٹھنے کے بعد وضو سے پہلے مسواک کرنا:

۳۵۲۔وعن عائشة قالت: كان النبيُّ ﷺ لا يرقدُ مِنْ لَيلٍ ولا نهارٍ فيستيقِظُ إلا يَتسوَّكُ قبلَ أن يتوضَّأ.[أحمد،أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب رات، دن میں (کسی وقت) سوکر اٹھتے تو وضو کرنے سے پہلے مسواک کرتے۔

میاں بیوی کا ایک دوسرے کی مسواک استعمال کرنا:

۳۵۳۔وعنها قالت: كان النبيُّ ﷺ يستاكُ فيُعطِيني السواكَ لأغسِلَه فأبدأُ به فأستاكُ ثمّ أغسِلُه وأدفعُه اليه.[أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ مسواک فرماتے پھر مجھے دھونے کے لیے دے دیتے چنانچہ میں اس سے (پہلے از راہِ تبرک) خود مسواک کرتیں پھر اسے دھولیتی اور آپ ﷺ کو دے دیتی۔(ابوداؤد)

"الفصل الثالث"

۳۵۴۔وعن ابن عمرؓ أنّ النبيَّ ﷺ قال: أراني في المَنام أتسوّكُ بسواكٍ فجاءَني رجلانِ أحدُهما أكبرُ مِن الآخرِ فناولتُ السِّواكَ الأصغرَ منهما فقيلَ لي كبِّر فدفعتُه الى الأكبرِ منهما.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ مسواک کررہا ہوں، (اس دوران) میرے پاس دو آدمی آئے ایک اُن میں سے بڑا تھا چنانچہ میں نے اُن میں سے چھوٹے کو مسواک دینا چاہا پس مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دو، چنانچہ میں نے مسواک اُن میں سے بڑے کو دے دی۔(متفق علیہ)

آپ ﷺ کا مسواک کا اہتمام:

۳۵۵۔وعن أبي أمامةَ أنّ رسولَ الله ﷺ قال: ماجاءني جبرئيلُ عليه السلام قطُّ إلّاأمرَني بالسِّواكِ لقد خشيتُ أن أُحفِيَ مقدمَ فِيَّ.[أحمد]

ترجمہ:حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبرئیل علیہ السلام میرے پاس جب بھی آئے، مجھے مسواک کرنے کا حکم دیا (یہاں تک کہ) مجھے خوف ہوا کہ میں (مسواک کرتے کرتے) اپنے منہ کے اگلے حصہ کو چھیل نہ ڈالوں۔(احمد)

۳۵۶۔وعن أنسؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: لقد أكثرتُ عليكم بالسِّواكِ.[بخاري]

ترجمہ:انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تحقیق مسواک کے حوالے سے میں نے تمہیں کثرت کے ساتھ تاکید کی۔(بخاری)

۳۵۷۔وعن عائشةَ قالت: كان رسولُ الله ﷺ يستنُّ وعندَه رجلانِ أحدُهما أكبرُ من الآخرِ فأُوحِيَ اليه في فضلِ السِّواكِ: أنْ كبِّرْ أعطِ السِّواكَ أكبرَهما.[أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسواک فرمارہے تھے اور آپ (ﷺ) کے پاس دو آدمی تھے اُن میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا، چنانچہ مسواک کی فضیلت کے بارے میں آپ ﷺ کو وحی کی گئی کہ بڑے کو مقدم کرو اور ان میں سے بڑے کو مسواک دو(ابوداؤد)

مسواک کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز:

۳۵۸۔وعنها قالت: قال رسولُ اللهﷺ: تفضلُ صلاةُ الّتى يُستاكُ لها على الصلاةِ الّتى لايُستاكُ لها سبعينَ ضِعفًا .

ترجمہ: حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: وہ نماز جس کے لیے مسواک کی جائے اس نماز پر ستر درجے فضیلت رکھتی ہے جس کے لیے مسواک نہ کی جائے۔(بیہقی فی شعب الایمان)

مسواک کے سلسلہ میں ایک صحابیؓ کا عمل:

۳۵۹۔وعن أبى سلمة عن زيد بن خالد الجهنىؓ قال: سمعتُ رسولَ اللهﷺ يقولُ: لولاأنْ أشُقَّ علىٰ أمّتى لأمرتُهم بالسِّواكِ عندَ كلِّ صلوٰةٍ ولأخّرتُ صلوٰةَ العشاءِ الىٰ ثُلثِ الليلِ ،قال: فكان زيدُ بن خالدٍ يشهدُ الصلوٰتِ فى المسجدِ وسواكُه علىٰ أُذنِه موضعَ القلمِ مِن أُذُنِ الكاتبِ لايقومُ الى الصلوٰةِ الّا اسْتَنَّ ثمّ ردَّه الىٰ موضعِه.[رواه الترمذى وأبوداؤد الاّ أنّه لم يذكرُ:"ولأخّرتُ صلوٰة العشاء الىٰ ثُلثِ الليل"وقال الترمذى:هذاحديثٌ حسنٌ صحيحٌ.]

ترجمہ: حضرت ابوسلمہؓ، زید بن خالد جہنی سے روایت کرتے ہیں: زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے سنا کہ اگر اپنی امت پر گراں ہونے کا مجھے خوف نہ ہوتا تو میں اُن کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا اور عشاء ایک تہائی رات تک مؤخر کرتا۔ابوسلمہ کہتے ہیں کہ زیدؓ بن خالد نماز پڑھنے مسجد میں آتے اور اُن کی مسواک، کان پر رکھی ہوتی جس طرح کاتب کے کان پر قلم رکھا رہتا ہے (جب) نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو مسواک کرتے، پھر اپنی جگہ (کان پر) اس کو رکھ دیتے۔(ترمذی،ابوداود)

(بابُ سُنَنِ الوُضوءِ)

"الفصل الاوّل"

نیند سے اٹھنے کے بعد ہاتھ دھونے کا مسئلہ:

۳۶۰۔عن أبى هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إذا استيقظَ أحدكم من نومه فلا يَغمِسَنَّ يدَه فى الإناءِ حتىّٰ يغسلَها ثلاثًا فإنّه لا يدرِى أينَ باتَتْ يدُه .[متفق عيه]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھولے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری۔(متفق علیہ)

تشریح: قوله: فلا يغمِسَنّ يدَه فى الإناءِ حتى يغسِلَها ثلاثًا فإنّه لا يدرى أين باتت يده...:۔اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام احمدؒ اور داؤد ظاہریؒ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ رات کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ دھونا واجب ہے اگر کسی

...نے بغیر ہاتھ دھوئے برتن میں ہاتھ داخل کیے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور یہ شخص گنہگار ہوگا۔

جبکہ جمہور ائمہ کے نزدیک ہاتھ دھونے کا یہ حکم استحبابی ہے۔ لہٰذا بغیر ہاتھ دھوئے برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے نہ پانی نجس ہوگا اور نہ ہی وہ آدمی گنہگار ہوگا۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ طہارت یقینی ہے اور نجاست مشکوک و محتمل ہے اور مسلّم فقہی قاعدہ ہے کہ ''الیقین لا یزول بالشك''۔ حدیث باب کے اس جملے ''فانه لا یدری أین باتت یدہ'' سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ دھونے کی علت احتمال نجاست ہے نہ کہ نجاست کا یقین۔ البتہ اگر کسی کو ہاتھ کے نجس ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو تو یقین کی صورت میں ہاتھ دھونا فرض اور ظن غالب کی صورت میں دھونا واجب ہوگا۔

قوله: فانه لا یدری أین باتت یده: چونکہ عرب لوگ عام طور پر استنجا بالاحجار کیا کرتے تھے جس سے نجاست تو زائل ہو جاتی لیکن مکمل صفائی نہ ہوتی، پھر حجاز میں گرمی بھی خوب پڑتی جس سے بدن پر پسینہ بھی خوب آتا، ایسی صورت میں اس بات کا احتمال رہتا کہ نیند کی حالت میں ہاتھ موضع نجاست کو پہنچ جائے اور نجس ہو جائے، اس پس منظر میں آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔ (مرآۃ نفحات)

آنحضرت ﷺ کا وضو:

٣٦١- وعنه قال: قال رسولُ الله ﷺ: إذا استيقظَ أحدُكم مِن مَنامِه فتوضّأ فليستنثر ثلاثًا فإنّ الشيطانَ يبيتُ على خيشومِه. [متفق عليه] وقيل لعبدالله بن زيد بن عاصم: كيف كان رسولُ الله ﷺ يتوضّأُ؟ فدعا بوَضوءٍ فأفرغَ على يديه فغسلَ يديه مرّتين مرّتين ثمّ مضمضَ واستنثرَ ثلاثًا ثمّ غسلَ وجهَهُ ثلاثًا ثمّ غسلَ يديه مرتين مرتين الى المِرفقين ثمّ مسحَ رأسَه بيديه فأقبلَ بهما وأدبرَ بمقدّمِ رأسِه ثمّ ذهبَ بهما الى قَفاهُ ثمّ ردّهما حتّى رجعَ الى المكان الذي بدأ منه ثمّ غسلَ رِجليه .[مالك، نسائي] ولأبي داؤدَ نحوَه، ذكره صاحبُ الجامع وفي المتفق عليه قيل لعبدالله بن زيد بن عاصم: توضّأ لنا وُضوءَ رسولِ الله ﷺ فدعا بإناءٍ فأكفأ منه على يديه فغسلَهما ثلاثًا ثمّ أدخلَ يدَه فاستخرجها فمضمَضَ واستنشقَ مِن كفٍّ واحدٍ ففعلَ ذلك ثلاثًا ثمّ أدخلَ يدَه فاستخرجها فغسلَ وجهَه ثلاثًا ثمّ أدخلَ يدَه فاستخرجها فغسلَ يديه الى المِرفقين مرّتين مرّتين ثمّ أدخلَ يدَه فاستخرجها فمسحَ برأسه فأقبلَ بيديه وأدبرَ ثمّ غسلَ رِجليه الى الكعبين ثمّ قال: هكذا كان وضوءُ رسولِ الله ﷺ. وفي روايةٍ: فأقبلَ بهما وأدبرَ بمقدّمِ رأسِه ثمّ ذهبَ بهما الى قفاه ثمّ ردّهما حتّى رجعَ الى المكانِ الذي بدأ منه ثمّ غسلَ رِجليه. وفي روايةٍ: فمضمضَ واستنشقَ واستنثرَ ثلاثًا بثلاثِ غُرفاتٍ من ماءٍ. وفي أُخرى: فمضمَضَ واستنشقَ مِن كفّةٍ واحدةٍ ففعلَ ذلك ثلاثًا. وفي روايةٍ للبخاري: فمسح رأسه فأقبلَ بهما وأدبرَ مرّةً واحدةً ثمّ غسلَ رِجليه الى الكعبين. وفي أُخرى له: فمضمضَ واستنثرَ ثلاثَ مراتٍ مِن غُرفةٍ واحدةٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے جاگ اٹھے اور وضو کرے تو اپنی ناک کو تین مرتبہ جھاڑے اس لیے کہ شیطان اس (آدمی) کے ناک کے بانسے پر رات گذارتا ہے۔ (متفق علیہ) اور حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ وضو کیسے فرمایا کرتے تھے؟ تو انہوں نے وضو کا پانی منگوایا اور اپنے ہاتھوں پر ڈالا اور دو مرتبہ ان کو دھویا پھر کلی کی اور ناک کو جھاڑا تین مرتبہ، پھر اپنا چہرہ تین مرتبہ دھویا پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دو دو مرتبہ دھویا پھر دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح

کیا چنانچہ دونوں ہاتھوں کو آگے سے پیچھے لے گئے اور پیچھے سے آگے لائے (اس طرح کہ) سر کے اگلے حصہ سے شروع کیا پھر دونوں ہاتھوں کو گدی کی طرف لے گئے پھر ان کو (سر پر پھیر کر) اسی جگہ واپس لائے جہاں سے (مسح) شروع کیا تھا پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ (روایت کیا اس کو مالکؒ نے اور نسائیؒ نے اور ابو داؤد میں بھی ایسا ہی مروی ہے) اور متفق علیہ (بخاری و مسلم) میں مروی ہے کہ عبداللہ بن زید بن عاصمؓ سے کہا گیا کہ ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کے وضو جیسا وضو کیجئے، چنانچہ آپؓ نے (پانی کا) برتن منگوایا اور اسے اپنے ہاتھوں پر جھکایا اور ہاتھوں کو تین مرتبہ دھویا پھر (برتن میں) ہاتھ داخل کیا اور اسے (پانی سمیت) نکالا پھر ایک چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا ایسا تین مرتبہ کیا پھر (برتن میں) اپنا ہاتھ داخل کیا اور اسے (پانی سمیت) نکالا پھر تین مرتبہ اپنا چہرہ دھویا پھر (برتن میں) ہاتھ ڈال کر (پانی) نکالا اور کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھوں کو دو دو مرتبہ دھویا، پھر (برتن میں) ہاتھ ڈال کر (پانی) نکالا اور سر کا مسح کیا پس ہاتھوں کو آگے سے پیچھے لے کر گئے اور پیچھے سے آگے لے کر آئے، پھر دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے، پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا وضو اس طرح کا ہوا کرتا تھا۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آپؓ (عبداللہ بن زیدؓ) ہاتھوں کو پیچھے لے کر گئے پھر پیچھے سے آگے لے کر آئے (اس طرح کہ) سر کی اگلی جانب سے شروع کیا اور گدی تک ہاتھوں کو لے کر گئے پھر (گدی کی طرف سے) واپس اس جگہ کی طرف لے کر آئے جہاں سے (مسح) شروع کیا تھا، پھر دونوں پاؤں دھوئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کلی کی، ناک میں پانی ڈالا اور تین مرتبہ ناک جھاڑی پانی کے تین چلوؤں کے ساتھ۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ کلی کی اور ناک میں پانی دیا ایک چلو سے، اس طرح تین مرتبہ کیا۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ سر کا مسح کیا چنانچہ ہاتھوں کو آگے سے پیچھے لے کر گئے اور پیچھے سے آگے لے کر آئے ایک بار (ایسا کیا) پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔ اور بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ کلی کی اور ناک جھاڑی تین مرتبہ (ایسا کیا) ایک چلو سے۔

وضو اور غسل میں مضمضہ اور استنشاق کی حیثیت:

تشریح: قولہ: فتوضأ فلیستنثر ثلاثا ..... ۔ وضو اور غسل میں مضمضہ اور استنشاق کی کیا حیثیت ہے؟ اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے جو درج ذیل ہے:

امام احمدؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کے ہاں مضمضہ اور استنشاق وضو اور غسل دونوں میں واجب ہے، حدیث باب کے علاوہ یہ حضرات حدیث لقیط بن صبرہؓ کے ان الفاظ سے: ''وبالغ فی الاستنشاق'' اور ''إذا توضّأت فمضمض'' سے استدلال کرتے ہیں کہ ان احادیث میں مضمضہ اور استنشاق کا حکم بصیغہ امر دیا گیا ہے جو وجوب کا متقاضی ہے۔ اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ غسل میں ان دونوں کا وجوب بطریق اولیٰ ہوگا کیونکہ غسل میں حدث اکبر کا ازالہ مقصود ہوتا ہے جبکہ وضو میں حدث اصغر کا ازالہ ہوتا ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں مضمضہ اور استنشاق سنت ہے، دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جس میں دس خصال فطرت یعنی سنن انبیاء کا ذکر ہے، ان سنن میں سے مضمضہ اور استنشاق بھی ہے، اس کے علاوہ یہ حضرات حدیث اعرابی میں وارد آپ ﷺ کے ارشاد: ''فتوضأ کما أمرك الله'' سے بھی استدلال کرتے ہیں، کیونکہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے آیت وضو کا حوالہ دیا اور خود بھی وضو کے فرائض ذکر فرمائے لیکن نہ تو آیت میں مضمضہ اور استنشاق کا ذکر ہے اور نہ ہی حدیث میں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مضمضہ اور استنشاق وضو میں تو سنت ہے اور غسل میں فرض۔ وضو میں سنت ہونے کے لیے آپؒ انہی روایات سے استدلال کرتے ہیں جو امام شافعیؒ کی مستدل ہیں۔ جبکہ غسل میں فرض ہونے کے لیے آپؒ کا پہلا استدلال قرآن کی اس آیت سے ہے: "وإن كنتم جُنبًا فاطّهروا" یعنی جب تم جنبی ہو تو خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرو۔ یہ آیت مبالغہ پر دال ہے اور مبالغہ کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں جس میں ایک یہ بھی ہے کہ جو چیزیں وضو میں سنت ہیں غسل میں ان کو فرض قرار دیا جائے۔ اس کے علاوہ حدیثِ ابی ہریرۃؓ: "تحتَ كلِّ شَعْرَةٍ جنابةٌ فاغسِلُوا الشَّعْرَ وأنقُوا البِشرَةَ" سے بھی استنشاق کی فرضیت پر استدلال کرتے ہیں کیونکہ ناک کے اندر بھی بال ہوتے ہیں۔ ایسے ہی حضرت ابن عباسؓ کے فتویٰ سے بھی استدلال فرماتے ہیں کہ جو شخص غسل جنابت میں استنشاق یا مضمضہ بھول کر نماز پڑھ لے تو اسے چاہیے کہ مضمضہ وغیرہ کر کے نماز دوبارہ پڑھ لے۔ ابن سیرینؒ کا مرسل اثر بھی امام صاحبؒ کی دلیل ہے۔ جمہور حضرات فقہاء کی طرف سے حنابلہ کے دلائل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان روایات میں صیغۂ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔

قوله: فإنّ الشيطٰن يَبيتُ علىٰ خيشومه....: خیشوم، ناک کا آخری حصہ جو دماغ کے اگلے حصے کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے، اس کو کسی مجازی معنیٰ پر محمول کرنے کی بجائے حقیقت پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے کہ بوقتِ نوم شیطان وسوسے تو نہیں ڈال سکتا لیکن خیشوم پر بیٹھ کر رؤیائے فاسدہ کا القا کرتا ہے اور رؤیائے صالحہ سے مانع بنتا ہے۔ (نفحات)

مضمضہ اور استنشاق کی کیفیت میں اختلافِ فقہاء:

قوله: ثمّ مضمض واستنثر ثلاثًا....: مضمضہ اور استنشاق کی کیفیت میں اختلاف ہے جو درج ذیل ہے:

ائمہ ثلاثہؒ مضمضہ اور استنشاق بثلاث غرفاتٍ وصلاً (ایک چلو پانی سے مضمضہ اور استنشاق دونوں کرے، پھر اسی طرح دوسرے اور تیسرے چلو سے) کو اولیٰ اور افضل کہتے ہیں، ان حضرات کی دلیل حدیثِ باب کے علاوہ اس کے متصل وہ تمام روایات ہیں جن میں "من كفٍ واحدٍ" وارد ہوا ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اولیٰ یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق بستِ غرفاتٍ فصلاً (یعنی چھ الگ الگ چلو) سے کیا جائے، آپؒ کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) اسی باب کے فصلِ ثانی کی روایت عن أبي حيةؒ قال رأيت عليًّا....ثم مضمَضَ ثلاثًا واستنشَقَ ثلاثًا ...الخ۔

(۲) عن شقيق بن أبي سلمةؒ قال شهدتُ عليًّا.....توضأ ثلاثًا ثلاثًا وأفرد المضمضة من الاستنشاق..... (صحیح ابن سکن)۔

(۳) عن طلحة عن أبيهؓ قال ....فرأيته يفصل بين المضمضة والاستنشاق.... الخ (معجم طبرانی) ان تمام روایات میں تین تین مرتبہ مضمضہ اور استنشاق کرنے کا ذکر ہے۔ قیاس بھی احناف کی مؤید ہے کہ باقی اعضاء کی طرح منہ اور ناک کو بھی الگ الگ نئے پانی کے ساتھ تین تین مرتبہ دھویا جائے کیونکہ یہ بھی مستقل اعضاء ہیں۔

حنفیہؒ کی جانب سے ائمہ ثلاثہ کو زیر بحث حدیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث بیان جواز پر محمول ہے اور ان کی دوسری دلیل (یعنی وہ روایات جن میں "من كفٍ واحدٍ" کے الفاظ وارد ہیں) کا جواب یہ دیتے ہیں کہ "من كف واحد" کا مطلب یہ ہے کہ مضمضہ

اور استنشاق دونوں کے لیے پانی ایک ہی ہاتھ (یعنی دائیں ہاتھ) سے لیا جائے نہ ہاتھ بدلنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ دوسرا کف یعنی ہاتھ ملانے کی۔

مسحِ رأس کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف:

قولہ: ثم مسح رأسه بيديه فأقبل بهما وأدبر ...: مسحِ رأس کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے ہاں پورے سر کا مسح فرض ہے، یہ حضرات حدیث باب کے علاوہ آیت: "وامسحوا برؤوسكم" سے استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت میں مطلق مسحِ رأس مذکور ہے جس کی مقدار کا تعین نہیں کیا گیا لہٰذا پورے سر کا مسح مراد ہوگا۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح مسنون ہے نہ کہ فرض، البتہ اس مسح کی فرض (یعنی کم سے کم) مقدار کی تعیین میں یہ حضرات آپس میں اختلاف رکھتے ہیں، چنانچہ امام شافعیؒ کے ہاں ایک بال کے مسح سے بھی فرض ادا ہو جاتا ہے۔ آپ کا استدلال آیتِ مسح سے ہے کہ اس میں مسحِ رأس کا حکم دیا گیا ہے لیکن مقدار کو بیان نہیں کیا گیا بلکہ اس کو مطلق رکھا گیا اور مطلق ادنیٰ فرد سے بھی ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا ایک بال کے مسح سے بھی فرض ادا ہو جائیگا۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ ربعِ رأس (یعنی چوتھائی سر) کے مسح کو فرض قرار دیتے ہیں۔ آپؒ "وامسحوا برؤوسكم" کو مقدارِ مسح کے حوالے سے مجمل مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس اجمال کی تفسیر کے لیے احادیث کی طرف رجوع کیا جائیگا اور احادیث اس سلسلہ میں دو قسم کی وارد ہوئی ہیں: بعض میں پورے سر کا ذکر ہے جیسا کہ حدیثِ باب میں اور بعض میں ربعِ رأس کا ذکر ہے جیسا کہ حدیثِ مغیرہؓ بن شعبہ میں "أن النبي ﷺ ... مسح بناصيته ......" (صحیح مسلم) یعنی نبی پاک ﷺ نے ربعِ رأس کا مسح فرمایا۔ یہ حدیث آیتِ مسح کے اجمال کو دور کرتی ہے، باب والی حدیث کو بھی سامنے رکھتے ہوئے کہا جائے گا کہ ربعِ رأس کا مسح تو فرض ہے اور استیعاب سنت ہے۔ اور ربعِ رأس سے کم کا مسح جائز نہیں کیونکہ اگر جائز ہوتا تو آپ ﷺ بیانِ جواز کے لیے پوری زندگی میں کم از کم ایک دو مرتبہ تو اس کو ضرور اختیار فرماتے۔ باقی مالکیہ اور حنابلہ کا حدیثِ باب کو سارے سر کے مسح کی فرضیت کی دلیل بنانا کافی نہیں کیونکہ یہ خبرِ واحد ہے جو فرضیت کا فائدہ نہیں دیتی۔ (تحفۃ ... مرقاۃ)

مسح کی تعداد میں اختلاف:

مذکورہ اختلاف تو مقدارِ مسح کے بارے میں تھا۔ تعدادِ مسح میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ امام شافعیؒ کی مشہور روایت میں تثلیث (یعنی تین مرتبہ مسح کرنا) مسنون ہے، آپؒ کی دلیل حضرت شقیق بن سلمہ کی حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تین مرتبہ سر کا مسح کیا اور پھر فرمایا: "رأيت رسول الله ﷺ فعل هذا" (ابوداؤد) یعنی میں نے حضور ﷺ کو اس طرح کرتے دیکھا۔

جبکہ ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ) کے ہاں مسحِ رأس صرف ایک مرتبہ ہے۔ یہ حضرات حدیث باب کے ان الفاظ سے استدلال کرتے ہیں: "ومسح برأسه فأقبل بهما وأدبر مرةً واحدةً" نیز فصلِ ثانی میں مذکور حدیث ابی حیۃ بھی ان حضرات کی دلیل ہے جس میں حضرت علیؓ کے بارے میں آتا ہے کہ "ومسح برأسه مرةً" (ترمذی)۔ اس کے علاوہ قیاس بھی ان حضرات کی مؤید ہے

کیونکہ دیگر مواقع مثلاً: تیمم، مسح علی الخفین، اور مسح علی الجبیرۃ میں بھی مسح ایک مرتبہ کیا جاتا ہے۔

یہ حضرات امام شافعیؒ کی دلیل حدیث عثمانؓ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ روایت شاذ اور ضعیف ہے کیونکہ وضو کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کی تمام صحیح روایات میں تین مرتبہ مسح کا ذکر نہیں، چنانچہ امام ابوداؤد کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ "أحاديثُ عثمانؓ الصحاح كلُّها تدُلّ على مسح الرأسِ أنّه مرةٌ" یعنی "حضرت عثمانؓ کی تمام صحیح احادیث اس پر دال ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ ہے"۔ (مرآۃ)

اعضائے وضو ایک ایک، دو، دو بار دھونا:

٣٦٢۔وعن عبدالله بن عباسؓ قال: توضأَ رسولُ اللهِ ﷺ مرّةً مرّةً لم يزِدْ علىٰ هذا .[بخاری]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایک بار وضو کیا اور اس پر زیادتی نہ کی۔ (بخاری)

٣٦٣۔وعن عبد الله بن زيدؓ انّ النّبيّ ﷺ توضأَ مرّتين مرّتين.[بخاری]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے دو دو مرتبہ وضو فرمایا (یعنی دو مرتبہ اعضائے وضو کو دھویا)۔ (بخاری)

اعضائے وضو تین مرتبہ دھونا:

٣٦٤۔وعن عثمانؓ أنّه توضّأ بالمَقاعِدِ وقال: ألا أُريكم وُضوءَ رسولِ الله ﷺ، فتوضّأ ثلاثًا ثلاثًا .[مسلم]

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے مقاعد (ایک جگہ) میں (لوگوں سے) فرمایا کہ کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کا وضو نہ دکھلاؤں؟ پھر آپؓ نے تین تین مرتبہ وضو کیا (تین تین مرتبہ اعضائے وضو کو دھویا)۔ (مسلم)

اعضائے وضو کے خشک رہ جانے پر وعید:

٣٦٥۔وعن عبدالله بن عمروؓ قال: رجعْنا مع رسولِ الله ﷺ مِن مكةَ إلى المدينةِ حتىٰ إذا كُنّا بماءٍ بالطريقِ تعجّلَ قومٌ عندَ العصرِ فتوضّؤا وهُم عُجّالٌ فانتهَيْنا اليهِمْ وأعقابُهم تلوحُ لَم يمُسَّها الماءُ فقال رسولُ الله ﷺ: ويلٌ للأعقابِ مِن النّار، أسبِغُوا الوضوءَ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی میں مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے یہاں تک کہ جب ہم راستہ میں ایک پانی پر پہنچے تو کچھ لوگوں نے عصر (کی نماز) کے وقت جلدی کی اور وضو کیا وہ لوگ جلدی میں تھے، چنانچہ جب ہم اُن کے پاس پہنچے (تو دیکھا) کہ ان کی ایڑیاں (خشک) چمک رہی تھی، ان کو پانی نے نہ چھوا تھا (اسے دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہلاکت ہے (ان) ایڑیوں کے لیے آگ سے، وضو پورا کرو۔ (مسلم)

تشریح: قوله: ويلٌ للأعقاب من النار أسبغوا الوضوءَ...:۔ویل بمعنیٰ ہلاکت و مشقت اور بعض علماء کے ہاں یہ جہنم کی ایک وادی کا نام ہے، اس کی تائید حدیث: "ويلٌ وادٍ في جهنم" سے بھی ہوتی ہے۔ "أعقاب"، "عقبٌ" کی جمع ہے بمعنی ایڑھی، بعض حضرات یہاں مضاف مقدر مانتے ہیں یعنی "ويلٌ لأصحاب الأعقاب" اور بعض علماء کے بقول یہ عذاب خاص ہوگا اعقاب کے ساتھ۔

پاؤں کے دھونے اور مسح کے بارے میں اختلاف:

یہاں پر وضو میں پاؤں کے غَسل (دھونے) اور اس پر مسح کرنے کے حوالے سے اہلِ سنت والجماعت اور روافض کے مابین پایا جانے والا اختلاف ذکر کیا جاتا ہے، چنانچہ جمہور فقہائے اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک اثنائے وضو (جبکہ موزے نہ پہنے ہو) پاؤں کا فریضہ غَسل یعنی دھونا ہے، مسح جائز نہیں۔ ان حضرات کے دلائل درجہ ذیل ہیں:

(۱) آیت وضو میں ارشاد باری تعالیٰ: ''وأرجلَكم الى الكَعْبَين'' میں أرجلكم کی نصب والی قراءت جو دال ہے غَسلِ رجلین پر، کیونکہ اس کا عطف ''أيديكم'' پر ہے۔

(۲) ''غسل رجلین'' پر دلالت کرنے والی احادیث جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ ''بائیس صحابہؓ'' نبی پاک ﷺ کے وضو کو نقل کرنے والے ہیں جو سب کے سب غَسل رجلین پر متفق نظر آتے ہیں، حدیث باب بھی غَسلِ رجلین کی فرضیت پر دال ہے کہ صرف ایڑھیوں کے خشک رہ جانے پر "ويلٌ للأعقابِ من النّار" کی سخت وعید سنائی گئی۔

جبکہ روافض کے ہاں ننگے پاؤں کا فریضہ مسح یعنی صرف گیلا ہاتھ پھیرنا ہے، ان کے دلائل یہ ہیں:

(۱) آیت ''وأرجلكم الى الكعبين'' میں ''أرجلكم'' کی ''جر والی قراءت''۔ اس صورت میں اس کا عطف ''رؤوسكم'' پر ہوگا۔

(۲) حضرت علیؓ، حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی وہ روایات جس میں آپ ﷺ کے وضو کے بیان میں: "ومسح على نعليه" اور ''ومسح على قدميه'' کے الفاظ مروی ہیں۔

اہل سنت والجماعت کی طرف سے روافض کی پہلی دلیل کے کئی جواب دیے جاتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) جر والی قراءت جرِّ جوار پر محمول ہے یعنی ''وأرجلكم'' کا عطف تو ''وجوهكم'' اور ''أيديكم'' پر ہے جو کہ ''فاغسلوا'' کے معمول ہیں لیکن "برؤوسكم" کے جوار کی وجہ سے أرجلكم پر جر پڑھا گیا ہے، اس کے متعدد نظائر موجود ہیں مثلاً: عذاب يومٍ أليمٍ میں ''اليم''، ''عذابٌ'' کی صفت ہے لیکن یومٍ کے جوار کی وجہ سے اس پر جر پڑھا جاتا ہے، مذکورہ جواب کا قرینہ لفظ ''إلى الكعبين'' ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غَسل رجلین کی حد کعبین ہے جیسا کہ "وأيدِيَكم الى المِرْفَقَين" میں غَسل ایدی کی حد مرفقین بتائی جا رہی ہے، جبکہ روافض کے ہاں مسح کی حد ظہر قدم (پاؤں کی پشت) پر ابھری ہوئی ہڈی ہے نہ کہ کعبین۔

(۲) بقولِ امام شافعیؒ جر والی قرأت مسح علی الخفین پر محمول ہے ورنہ تو ایک آیت کی دو قرأتوں میں تعارض لازم آئیگا کہ ایک قرأت سے غَسل رجلین کا حکم ثابت ہوگا اور دوسری سے مسح رجلین کا۔

(۳) مسح بمعنیٰ غَسل خفیف مراد ہے تا کہ غَسل رجلین کے وقت پانی کا ضیاع نہ کیا جائے۔

روافض کی دوسری دلیل کے بھی کئی جوابات دیے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت علیؓ، انسؓ اور ابن عباسؓ کا رجوع ثابت ہے چنانچہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے تمام صحابہؓ کا غَسل رجلین پر اجماع نقل کیا ہے۔

(۲) ان صحابہؓ کی روایات وضوعلی الوضو پر محمول ہے، چنانچہ نسائی میں حضرت علیؓ کے متعلق منقول ہے کہ ''آپؓ نے وضو کر کے جوتوں پر مسح کیا اور فرمایا کہ یہ باوضو شخص کا وضو ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا۔

عمامہ پر مسح کرنے کا مسئلہ:

۳۶۶۔وعن المغيرة بن شعبةؓ قال: إنّ النبی ﷺ توضأ فمسحَ بناصيتهٖ وعلى العمامةِ وعلى الخُفَّين.[مسلم]

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے وضو کیا اور اپنی پیشانی (کے بالوں) پر اور پگڑی پر اور موزوں پر مسح کیا۔

تشریح: قوله: فمسح بناصيته و على العمامة....: یہاں عمامہ پر مسح کا ذکر ہے امام احمدؒ اور امام داوٗد ظاہریؒ اس کے قائل ہیں۔ان حضرات کے ہاں مسح علی العمامہ پر اکتفا کرنا بھی درست ہے،البتہ امام احمدؒ کے ہاں اس کی تین شرطیں ہیں:

(۱) عمامہ بحالتِ طہارت پہنا ہوا ہو۔

(۲) اور سر کا جو حصہ عموماً مکشوف نہیں ہوتا وہ مکشوف نہ ہو۔

(۳) عمامہ مسلمانوں کے طریقہ پر پہنا ہو۔

ان حضرات کی دلیل حدیثِ باب سمیت وہ تمام احادیث ہیں جن میں مسح علی العمامہ کا ذکر ہے مثلاً حضرت ثوبانؓ، بلالؓ اور عمرو بن امیہؓ کی احادیث۔

جبکہ ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں مسح علی العمامہ سے مسح کا فرض ادا نہیں ہوگا۔ان حضرات کا استدلال ارشاد باری تعالیٰ:"وامسحوا برؤوسكم" سے ہے کہ اس میں [باء] الصاق کے لیے ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مسحِ رأس میں ہاتھ سر کے ساتھ ملصق یعنی ملا ہوا ہو اور مسح علی العمامہ میں یہ نہیں پایا جاتا۔

جمہور حضرات کی جانب سے حنابلہ کو کئی جوابات دیے جاتے ہیں:

(۱) مسح علی العمامہ سے فرض مسح کی ادائیگی کی بنیاد جن روایات پر ہے وہ اخبار آحاد ہیں جس سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں کی جاسکتی جبکہ کتاب اللہ میں صرف مسحِ رأس کا حکم ہے۔

(۲) ان روایات میں بعض مؤوّل اور بعض مختصر ہیں اور زیرِ بحث حدیثِ مغیرہ بن شعبہؓ میں اضطراب ہے، کہیں تو "مسح على العمامة" کے الفاظ ہیں تو کہیں "مسحَ على ناصيته وعمامته" کے اور کہیں "مسح على جانبِ عمامتِه" اور کہیں "وضعَ يدَه على عمامتِه" کے الفاظ ہیں،ان سب کو سامنے رکھا جائے تو وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے مسح سر ہی پر کیا تھا نہ کہ صرف عمامہ پر، باقی عمامہ پر ہاتھ رکھنا یا پھیرنا یا تو استیعابِ مسح کے لیے تھا اور یا عمامہ درست کرنے کے لیے۔

(۳) بقولِ امام محمدؒ مسح علی العمامہ کی روایات منسوخ ہیں۔

آپ ﷺ تمام کام سیدھے ہاتھ سے شروع کرنا پسند فرماتے:

۳۶۷۔وعن عائشةؓ قالت: كان النبیُّ ﷺ يُحبُّ التيمّنَ مااستطاعَ فی شانهٖ كلّهٖ فی طَهُورِهٖ وتَرجُّلِهٖ وتنعُّلِهٖ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ حتی الامکان تمام کاموں کو سیدھے ہاتھ سے شروع کرنا پسند فرماتے (مثلاً) اپنی طہارت میں، کنگھا کرنے میں اور جوتی پہننے میں۔(متفق علیہ)

''الفصل الثانی''

۳۶۸۔عن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسولُ اللہﷺ: إذا لبِستُم وإذا توضأتم فابدأوا بأیامنِکُم.[أحمد ،أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جب تم (لباس، جوتا وغیرہ) پہنو اور جب وضو کرو تو اپنے دائیں طرف سے شروع کرو۔(احمد،ابوداؤد)

جس نے وضو کی ابتدا میں بسم اللہ نہیں کہی اُس کا وضو کامل نہیں:

۳۶۹۔وعن سعید بن زیدؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ:لا وضوءَ لِمَن لم یذکرِ اسمَ اللہ علیہِ .[ترمذی،ابن ماجہ]ورواہ أحمد وأبوداؤدعن أبی ھریرۃ والدرمی عن أبی سعید الخدری عن أبیہ وزادُ وا فی أوّلہ:"لاصلوٰۃَ لِمنُ لاوضوءَ لہ".

ترجمہ:حضرت سعید بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کا وضو نہیں ہوا جس نے (ابتدا میں) اللہ کا نام نہ لیا۔ (ترمذی،ابن ماجہ)احمد وابوداؤد نے ابو ہریرۃؓ سے اس کو روایت کیا ہے اور دارمی نے ''ابوسعید خدری عن ابیہ'' کی سند سے یہ حدیث ذکر کی ہے جس کے شروع میں یہ اضافہ ہے کہ ''اس کی نماز نہیں ہوتی جس کا وضو نہ ہو''۔

ابتدائے وضو میں ''بسم اللہ'' کہنے کا مسئلہ:

تشریح: قولہ: لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ ...:۔اس جگہ ابتدائے وضو میں ''بسم اللہ'' کہنے کے وجوب اور عدمِ وجوب میں ہونے والا اختلاف نقل کیا جاتا ہے جو درج ذیل ہے، چنانچہ اہلِ ظواہر اور ایک روایت میں امام احمدؒ اس کی فرضیت کے قائل ہیں، بایں معنیٰ کہ بغیر بسم اللہ کہے وضو ہی درست نہ ہوگا، ان حضرات کی دلیل زیرِ بحث روایت ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں تسمیہ عندالوضو مسنون ہے نہ کہ واجب ان کا استدلال ایک تو آیتِ وضو سے ہے کہ اس میں تسمیہ کا ذکر نہیں اگر تسمیہ فرض ہوتا تو دیگر فرائضِ وضو کی طرح اس کا بھی ذکر ہوتا، اب اگر خبرِ واحد سے فرضیت ثابت کی جائے تو کتاب اللہ پر خبرِ واحد سے زیادتی لازم آئیگی جو کہ ممنوع ہے، علاوہ ازیں فصلِ ثالث میں مروی یہ حدیث بھی ان حضرات کی دلیل ہے "عن أبی ھریرۃَ وابن مسعودٍ وابن عمرَ أنّ النبیَّ ﷺ قال :مَن توضأ وذکرَ اسمَ اللہِ تطھّر جسدُہ کلُّہ ومَن توضّأولم یذکرِاللہَ لم یتطھّرالا موضعُ الوضوءِ". (دارقطنی) یعنی جو بسم اللہ پڑھ کر وضو کرے اس کا سارا بدن پاک ہو جاتا ہے اور جو اللہ کا نام لیے بغیر وضو کرے اس کے صرف اعضائے وضو پاک ہوتے ہیں۔حضرات ائمہ ثلاثہؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ آپﷺ کے وضو کی کیفیت نقل کرنے والے صحابہؓ نے فرائض سمیت مستحبات کو بھی نقل کیا ہے لیکن اکثر روایات میں تسمیہ کا ذکر ہی نہیں تو اس کا وجوب کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی جانب سے امام احمدؒ اور اہلِ ظاہر کو حدیثِ باب کے کئی جواب دیے جاتے ہیں:

(۱) یہ اور اس کے ہم معنیٰ دوسری روایات سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔

(۲) بالفرض اگر اس کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو تسمیہ کے عدمِ وجوب کے مذکورہ دلائل کے قرینے سے اس حدیث میں ''لا وضوء'' کو کمالِ وضو

کی نفی پرمحمول کیا جائیگا نہ کہ نفسِ وضو کی نفی پر جیسے: "لا صلاةَ لِجارِ المسجدِ إلّا فی المسجدِ "اور"لا إیمانَ لِمَن لا أمانةَ له ولا دِینَ لِمَن لاعهدَله" میں لانفی کمال کے لیے ہے۔ (فحات، مرآۃ)

قولہ: عن أبی سعیدٍ الخدریؓ عن أبیه ....: ۔اس عبارت میں کاتب سے غلطی ہوئی ہے، اصل میں "عن أبی سعیدٍالخدری عن النبی ﷺ" تھا کیونکہ ابوسعید خدریؓ خود نبی پاک ﷺ سے روایت کرنے والے ہیں نہ کہ اُن کے والد۔ (فحات)

انگلیوں کے درمیان خلال کرنے کا مسئلہ:

۳۷۰۔وعن لَقیط بن صبرةَقال: قلتُ :یا رسولَ الله! أخبِرْنی عن الوضوءِ قال: أسبِغِ الوضوءَ وخَلِّلْ بین الأصابعِ وبالِغْ فی الاستنشاقِ الّا أن تکونَ صائمًا.[أبوداؤد،ترمذی ،نسائی وروی ابنُ ماجة والدرمی الیٰ قوله:"بین الأصابع".]

ترجمہ: حضرت لقیط بن صبرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے وضو کے متعلق بتایئے، حضور ﷺ نے فرمایا: وضو کو پورا کرو اور انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں پانی پہنچانے میں مبالغہ کرو مگر یہ کہ آپ روزہ سے ہو۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

تشریح: قوله: خلل بین الأصابع...: ۔انگلیوں میں مسح کرنا حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں مسنون ہے جبکہ شافعیہ اور مالکیہ کے ہاں مستحب ہے، البتہ اگر کسی کی انگلیاں اس قدر ملی ہوئی ہوں کہ بغیر تخلیل کے اس میں پانی نہ جاتا ہو تو پھر واجب ہے۔ (فحات)

۳۷۱۔وعن ابن عباسؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: إذا توضّأتَ فخلِّلْ أصابعَ یدیْك ورِجلَیْكَ.[ترمذی،وروی ابن ماجة نحوَه وقال الترمذی هذاحدیثٌ غریب]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرو۔

پاؤں کی انگلیوں کا خلال کس انگلی کی مدد سے کیا جائے؟:

۳۷۲۔وعن المُستوردِ بن شدّادٍ قال: رأیتُ رسولَ الله ﷺ إذا توضّأ یَدْلُكُ أصابعَ رِجلیه بخِنصَرِه.

ترجمہ: حضرت مستورد بن شدادؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب وضو فرماتے تو اپنے پاؤں کی انگلیوں (کے درمیان) کو (بائیں ہاتھ کی) چھنگلیاں سے ملتے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

کیا داڑھی کا خلال کرنا واجب ہے؟:

۳۷۳۔عن أنسؓ قال: کان رسول اللهﷺ إذا توضّأ أخذَ کفًّامن ماءٍ فأدخلَه تحتَ حَنَکِه فخلَّلَ به لِحیتَه وقال: هکذاأمرنی ربّی.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب وضو کرتے پانی کا ایک چلو لیتے اور اس کو ٹھوڑی کے نیچے پہنچاتے اور اس سے اپنی داڑھی کا خلال کرتے اور فرماتے اسی طرح (کرنے کا) میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: فأدخله تحتَ حنکِه فخلّل به لحیته...: ۔ لحیة (داڑھی) سے متعلق یہاں دو مسئلوں پر بحث کی جائے گی:

(۱) تخلیلِ لحیہ (داڑھی کا خلال کرنا):

اہلِ ظاہر کے ہاں وضو اور غسل دونوں میں واجب ہے، امام مالکؒ کے ہاں نہ وضو میں واجب ہے اور نہ غسل میں جبکہ جمہور علماء اور اَیمہ ثلاثہؒ (امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ) کے ہاں وضو میں تو واجب نہیں لیکن غسل میں واجب ہے پھر جمہور میں سے بعض وضو میں اس کے مسنون ہونے کے قائل ہیں اور بعض صرف مستحب ہونے کے۔

اہلِ ظاہر کی دلیل حدیثِ باب ہے۔ اور جمہور علماء کہتے ہیں کہ غسل میں تخلیل لحیۃ کے وجوب کے لیے پہلی دلیل تو صیغہ "فاطّهّروا" ہے (جو مبالغہ پر دال ہے) نیز حدیث "تحت کلّ شعرةٍ جنابة" سے بھی استدلال کرتے ہیں لیکن وضو میں تخلیلِ لحیۃ کی کوئی قوی دلیل موجود نہیں اور حدیثِ باب میں "هکذا أمرني ربي" یا تو نبی پاک ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہے یا پھر امر استحباب کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے۔

(۲) غسلِ لحیہ (داڑھی دھونا):

غسلِ لحیہ سے متعلق یہ تفصیل ہے کہ لحیہ اگر "خفیفہ غیر کثۃ" ہو (ہلکی داڑھی جو گھنی نہ ہو)، خواہ "مسترسلۃ" (لٹکی ہوئی) ہو یا "غیر مسترسلۃ" تو اس میں بالاتفاق جلد تک پانی پہنچانا واجب ہے وضو میں بھی اور غُسل میں بھی۔

اگر داڑھی "کثۃ غیر مسترسلۃ" ہو (گھنی داڑھی جو لٹکی ہوئی نہ ہو) تو حنفیہؒ کے راجح قول کے مطابق ساری داڑھی کا دھونا واجب ہے جلد تک پانی پہنچانا واجب نہیں، ائمہ ثلاثہؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

اگر داڑھی "کثۃ مسترسلۃ" ہو (گھنی لمبی داڑھی ہو) تو حنفیہؒ کے ہاں نہ اس کا دھونا واجب ہے اور نہ مسح البتہ مسح مسنون ہے اور شافعیہؒ کے ہاں صحیح قول کے مطابق دھونا واجب ہے، مالکیہؒ اور حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ (نفحات)

۳۷٤۔ وعن عثمانَ أنّ النبیَّ ﷺ کان یُخلِّلُ لِحیتَهٗ. [ترمذی، دارمی]

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ اپنی داڑھی مبارک میں خلال فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی، دارمی)

وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا:

۳۷۵۔ وعن أبي حيّة قال: رأيتُ عليّاً توضأ فغسلَ کفّیه حتّٰی أنقاهما ثمّ مضمضَ ثلاثًا واستنشقَ ثلاثًا وغسلَ وجهَه ثلاثًا وذراعیه ثلاثًا ومسحَ برأسِه مرّةً ثمّ غسلَ قدمیه الی الکعبینِ ثم قام فأخذَ فضلَ طهورِه فشرِبه وهو قائمٌ ثمّ قال: أحببتُ أنْ أُریکُم کیفَ کانَ طَهورُ رسولِ اللهِ ﷺ. [ترمذی، نسائی]

ترجمہ: ابوحیہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا چنانچہ ہاتھوں کو دھویا یہاں تک کہ انہیں صاف کر دیا پھر تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا اور چہرے کو تین مرتبہ دھویا اور بازوؤں کو تین مرتبہ دھویا اور ایک بار سر کا مسح کیا پھر پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا پھر کھڑے ہوئے اور وضو سے بچے ہوئے پانی کو لے کر اسے کھڑے ہو کر پیا پھر فرمایا: میں نے (اس بات کو) پسند کیا کہ تمہیں دکھاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کا وضو کیسا تھا؟۔ (ترمذی، نسائی)

۳۷۶۔وعن عبد خیرؒ قال: نحنُ جُلوسٌ ننظرُ إلیٰ عليٍّ حینَ توضّأ فأدخلَ یدَه الیُمنٰی فملأَ فمَه فمضمَضَ واستنشقَ ونثرَ بیده الیُسرٰی ،فعلَ هذاثلاثَ مرّاتٍ ،ثمّ قال: مَنْ سرّه أنْ ینظرَ الیٰ طَهورِ رسولِ الله ﷺ فهذاطهورُه.[دارمی]

ترجمہ: عبد خیرؒ کہتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوئے حضرت علیؓ کی طرف دیکھ رہے تھے جس وقت کہ آپؓ وضوفرما رہے تھے چنانچہ آپؓ نے دایاں ہاتھ (پانی میں) داخل کیا اپنا منہ بھرا کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور بائیں ہاتھ سے (ناک کو) جھاڑا ایسا تین مرتبہ کیا پھر فرمایا: جسے یہ بات خوش کرے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے وضو کو دیکھے تو یہ آنحضرت ﷺ کا وضو ہے۔(دارمی)

۳۷۷۔وعن عبد الله بن زیدؓ قال: رأیتُ رسولَ الله ﷺ مَضمَضَ واستنشقَ من کفٍّ واحدٍفعلَ ذلك ثلاثًا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، ایسا تین مرتبہ کیا۔(ابوداؤد، ترمذی)

کانوں کے مسح کی کیفیت :

۳۷۸۔وعن ابن عباسؓ أنّ النبیَّ ﷺ مسحَ برأسهٖ وأذنیه باطنَهما بالسبابتین وظاهرَهما بإبهامیه.[نسائی]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح فرمایا اور کانوں کے اندر کا مسح اپنی شہادت کی انگلیوں سے اور کانوں کے باہر کا مسح انگوٹھوں سے کیا۔(نسائی)

۳۷۹۔وعن الرُبَیِّع بنتِ معوّذ أنّها رأتِ النبیَّ ﷺ یتوضّأ،قالت: فمسحَ رأسَه ما أقبلَ منه وما أدبرَوصُدغَیه وأُذنَیه مرّةً واحدة وفی روایةٍ :أنّه توضّأفأدخلَ أصبعَیه فی جُحْرَی أُذنیه.[أبوداؤدوروی الترمذی الروایة الأُولیٰ وأحمدوابن ماجة الثانیة]

ترجمہ: حضرت رُبیع بنت معوذؓ روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو وضو فرماتے دیکھا ربیعؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے سر کے اگلے حصہ کا، پچھلے حصہ کا اور کنپٹیوں کا اور دونوں کانوں کا ایک مرتبہ مسح فرمایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے وضو کیا اور (مسح میں) اپنی انگلیوں کو دونوں کانوں کے سوراخوں میں داخل کیا۔(ابوداؤد، اور ترمذی نے پہلی حدیث کو اور ابن ماجہ نے دوسری کو روایت کیا ہے)۔

سر کے مسح کے لیے نیا پانی لینے کا مسئلہ:

۳۸۰۔عن عبد الله بن زیدؓ قا ل: أنّه رأیٰ النبیَّ ﷺ توضّأوأنّه مسح رأسَه بماءٍ غیرِ فضلِ یدیه .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو وضو کرتے دیکھا (اور دیکھا کہ) آپ ﷺ نے اپنے سر کا مسح اس پانی سے کیا جو ہاتھوں کا بچا ہوا نہ تھا۔(ترمذی، مسلم)

تشریح: قوله: وأنّه مسح رأسه بماءٍ غیر فضل یدیه...: ۔ مسحِ راْس کے لیے نیا پانی لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک مسحِ راْس کے لیے نیا پانی لینا ضروری ہے، آپؒ کی دلیل حدیثِ باب ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مسحِ راْس کے لیے نیا پانی لینا ضروری نہیں، صرف مستحب ہے کیونکہ ہاتھوں میں پہلے سے بچی ہوئی تری بھی مسح کے لیے کافی ہے، آپؒ کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) حدیثِ ربیع بنت معاذؓ: ''أنّ النبی ﷺ مسحَ برأسه مِن فضلِ ماءٍ کان فی یدہ ''(ابوداؤد) یعنی نبی پاک ﷺ نے سر مبارک کا مسح ہاتھوں کی بچی ہوئی تری سے فرمایا۔ اور حضرت ربیع کی دوسری روایت میں بھی یہی مذکور ہے ''ومسح رأسه ببلل یدیه'' (دار قطنی)۔

(۲) حضرت علیؓ، ابن عمرؓ اور ابی اُمامہؓ کے آثار جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سر کا مسح بھول جائے تو داڑھی میں لگی ہوئی تری سے سر کا مسح کرنا اس کو کافی ہے۔ (کوکب الدری، حاشیہ مشکوٰۃ)

امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حدیث باب سے ماءِ جدید سے مسح کرنے کا لازم اور شرط ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف نفسِ جواز ثابت ہوتا ہے اور جواز بلکہ افضلیت کے تو ہم بھی قائل ہیں۔ (مرآۃ مفاتیح)

۳۸۱۔ وعن أبی أمامةؓ ذکر وضوء رسول الله ﷺ، قال: کان یمسح المَاقین وقال: الأُذنانِ من الرأس. [ابن ماجة وأبو داؤد والترمذی وذکرا: "قال حمادٌ: لا أدری "الأذنان من الرأس" مِن قولِ أبی أمامةَ أم مِن قولِ رسولِ الله ﷺ".]

ترجمہ: حضرت ابو امامہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ آنکھوں کے کونوں کو مَلا کرتے تھے اور فرمایا کہ دونوں کان سر کا حصہ ہے۔ اس کو روایت کیا ابن ماجہ اور ابوداؤد اور ترمذی نے اور ابوداؤدؒ و ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے کہ حمادؒ کا بیان ہے کہ میں نہیں جانتا کہ (اس حدیث میں) ''الأذنان من الرأس'' ابوامامہؓ کا قول ہے یا رسول اللہ ﷺ کا۔

مسح اذنین کے لیے نیا پانی لینے کا مسئلہ:

تشریح: قوله: الأذنان من الرأس: ۔ یہاں اس بارے میں فقہاء کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے کہ وضو میں مسح اذنین (یعنی کانوں کے مسح) کے لیے نیا پانی لینا ضروری ہے یا کہ نہیں؟ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور راجح قول کے مطابق امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ مسحِ اذنین کے لیے نیا پانی لینا ضروری نہیں، سر کے مسح سے باقی رہ جانے والی تری بھی اس کے لیے کافی ہے، ان حضرات کی دلیل حدیثِ باب کا زیرِ بحث جملہ ''الأذنان من الرأس'' ہے کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت بیانِ احکام کے لیے ہوئی ہے نہ کہ بیانِ خلقت کے لیے، اس کے علاوہ حضرت ربیع بنت معوذؓ کی روایت جو ماقبل میں گزر چکی اور حضرت عبداللہ صنابحیؒ کی روایت (مشکوٰۃ ص ۳۹) بھی ان حضرات کی دلیل ہیں۔

جبکہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے ہاں مسحِ اذنین کے لیے نیا پانی لینا ضروری ہے کیونکہ کان ایک مستقل عضو ہے، اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی مرفوع روایت (جس میں مسحِ اذنین کے لیے آپ ﷺ کا نیا پانی لینا مصرح ہے) اور حضرت ابن عمرؓ کے موقوف اثر سے بھی یہ حضرات استدلال کرتے ہیں۔

احنافؒ کی جانب سے ان دلائل کے درج ذیل جوابات دیے جاتے ہیں: کان سر کے تابع ہیں اور سر کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں تبھی تو مرد و عورت کے احرام میں کانوں کو سر کے تابع رکھا گیا لہٰذا حکمِ مسح میں بھی سر کے تابع ہوں گے، باقی عبداللہ بن زیدؓ کی روایت بیانِ جواز پر محمول ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک پر تری باقی نہ رہی تھی اس لیے نیا پانی لینے کی ضرورت پیش آئی۔

قوله: وذکرا: قال حمادٌ: لا أدری ....: ۔ زیرِ بحث حدیث چونکہ احناف کی دلیل ہے لہٰذا صاحبِ مشکوٰۃ نے اس پر ابوداؤد و ترمذی کے حوالے سے یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ امام حمادؒ فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ ''الأذنان من الرأس'' کے قائل آپ ﷺ ہیں یا ابوامامہؓ۔

گویا اس روایت کا مرفوع ہونا مشتبہ ہے لہٰذا یہ روایت قابلِ استدلال نہیں۔

احناف کی جانب سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اول تو ابن ماجہ میں ابوامامہؓ کی یہی روایت اس تصریح کے ساتھ موجود ہے کہ یہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے، دوم یہ کہ ابوامامہؓ کے علاوہ آٹھ صحابہؓ اس روایت کو مرفوعاً بیان کرتے ہیں، ان میں سے بعض روایات کی سند نہایت قوی اور مضبوط ہے۔(نفحات، مرآۃ)

اعضائے وضو تین بار سے زیادہ دھونے پر وعید:

۳۸۲۔وعن عمرو بن شعيبٍ عن أبيه عن جده قال: جاء أعرابيٌّ إلى النبيِّ ﷺ يسألُه عن الوُضوءِ فأراه ثلاثًا ثلاثًا ثمّ قال: هكذاالوُضوءُ فمَن زاد علىٰ هذافقدْ أساءَ وتعدّى وظلَمَ.[نسائى ،ابن ماجة ،وروى أبوداؤدمعناه]

ترجمہ:عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمروؓ) سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آیا جو وضو (کی کیفیت) کے بارے میں پوچھ رہا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو تین تین مرتبہ (اعضائے وضو کا دھونا) دکھلایا، پھر فرمایا: (کامل) وضو اس طرح ہے سو جس نے اس پر زیادہ کیا اُس نے برا کیا تعدی کی اور ظلم کیا۔(نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: قوله: فمن زاد علىٰ هذافقد أساء وتعدّى و ظلم :۔یعنی اس نے سنت کو ترک کر کے برا کیا اور حدود سنت سے تجاوز کیا اور سنت کی مخالفت کر کے اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو اعضائے وضو کے تین تین مرتبہ دھونے کو سنت نہ سمجھتا ہو یا بلاضرورت تین مرتبہ سے زیادہ دھوتا ہو۔(نفحات، حاشیہ مشکوٰۃ)

طہارت اور دعا میں تجاوز کرنے کی مذمت:

۳۸۳۔وعن عبد الله بن المغفّل أنّه سمِع ابنَه يقول:اللّٰهُمَّ إنّي أسئلُكَ القصرَالأبيضَ عن يمينِ الجنّةِ ،قال:إي بُنَيّ! سَلِ اللهَ الجنّةَ وتَعوَّذْ به مِن النّارِ،فإنّي سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقول: إنّه سيكونُ في هذه الأمّةِ قومٌ يعتدُونَ في الطُّهورِ والدُّعاءِ.

ترجمہ:عبداللہ بن مغفلؓ راوی ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ (دعا) کہتے سنا: اے اللہ! میں تجھ سے جنت کے دائیں طرف سفید محل مانگتا ہوں۔حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! اللہ سے جنت مانگ اور اس کی پناہ طلب کر آگ سے، تحقیق میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہونگے جو طہارت اور دعا میں (حد سے) تجاوز کریں گے۔(احمد، ابوداوٗد، ابن ماجہ)

وضو میں وساوس ڈالنے والا شیطان:

۳۸۴۔عن أُبَيّ بنِ كعبٍؓ عن النبيِّ ﷺ قال: إنّ لِلوُضوءِ شيطانًا يُقالُ له: الوَلَهانُ ،فاتّقواوَسْوَاسَ الماءِ.[رواه الترمذى ،ابن ماجة،وقال الترمذى:هذاحديثٌ غريبٌ وليسَ إسنادُه بالقوِيِّ عندَ أهلِ الحديثِ لأنّالانعلمُ أحدًا أسندَه غيرَ خارجةَ وهو ليس بالقويِّ عندَ أصحابِنا.]

ترجمہ:حضرت ابی بن کعبؓ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وضو کا بھی ایک شیطان ہے جسے "ولھان" کہا جاتا ہے لہٰذا پانی کے وسوسوں سے بچو۔(ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: "ولهان" وِلَـه يَـوْلَـه وَلَهًـا ووَلَهَـانًـا، باب سمع سے مصدر آتا ہے اس کے معنیٰ عقل کے چلے جانے اور شدتِ عشق سے حیران وپریشان ہونے کے آتے ہیں یہاں اس سے مراد وہ شیطان ہے جو وضو کے سلسلہ میں طرح طرح کے وسوسے ڈال کر متوضی کو پریشان کرتا ہے۔ ولہان مصدر یا تو بمعنیٰ اسم فاعل ہے اور یا مبالغۃً اس کا اطلاق ذات پر کیا گیا ہے جیسے زیدٌ عدلٌ میں ہے۔ (نفحات)

وضو کرنے کے بعد اعضائے وضو کو پونچھنا:

۳۸۵۔وعن معاذبن جبلؓ قال: رأيتُ رسولَ اللهﷺإذاتوضّأ مسحَ وجهَه بطرفِ ثوبِه.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب وضو فرماتے تو اپنے چہرۂ مبارک کو اپنے کپڑے کے کنارے سے پونچھتے۔ (ترمذی)

تشریح: قوله: إذا توضأ مسح وجهه بطرفِ ثوبه: ۔وضو کے پانی کو پونچھنے کے لیے رومال وغیرہ کا استعمال جائز ہے یا مکروہ؟ اس بارے میں اختلاف ہوا ہے، چنانچہ جمہور صحابہؓ، تابعینؒ اور فقہاء کے نزدیک وضو کے بعد رومال وغیرہ کا استعمال جائز ہے، ان حضرات کی دلیل حدیثِ باب کے علاوہ اس کے متصل حدیث عائشہؓ ہے: "كانت لرسولِ الله ﷺ خرقةً ينشِفُ بها أعضاءَه بعدَ الوضوء" (ترمذی) اور حدیثِ سلمانؓ فارسی بھی اس کی مؤید ہے: "إنّ النبيَّ ﷺ توضَّأفقلَّبَ جُبّةً كانتْ عليه و مسَحَ بها وجهَه".[ابن ماجہ]

جبکہ حضرات شوافع کے ہاں رومال وغیرہ کا استعمال مکروہ ہے اور ترکِ استعمال مستحب ہے، ان حضرات کا استدلال حضرت میمونہؓ کی حدیث سے ہے جس میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے غسل فرمایا تو حضرت میمونہؓ نے بدن مبارک پونچھنے کے لیے رومال پیش کیا تو آپ ﷺ نے رومال نہ لیا بلکہ ہاتھوں سے پانی جھاڑنے لگے۔ (متفق علیہ)

اس حدیث کا جواب جمہور کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ رومال نہ لینا کسی وجہ سے تھا مثلاً پانی کی ٹھنڈک کو باقی رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے رومال استعمال نہیں فرمایا یا آپ ﷺ جلدی میں تھے جبکہ خود یہ حدیث بھی اس پر دال ہے کہ آپ ﷺ وضو وغسل کے بعد رومال استعمال فرمایا کرتے تھے ورنہ حضرت میمونہؓ رومال پیش ہی کیوں کرتی۔

۳۸۶۔وعن عائشةَؓ قالتْ: كانتْ لِرسولِ اللهﷺ خِرْقةٌ يَنشِفُ بها أعضاءَه بعدَ الوُضوءِ. [رواه الترمذی وقال: هذاالحديثُ ليس بالقائم و أبو معاذ الراوی ضعيفٌ عند أهل الحديث]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک (خاص) کپڑا تھا جس سے وضو کے بعد اپنے اعضاء کو پونچھتے۔ (ترمذی)

امام ترمذی کا قول اور جمہور کی طرف سے جواب:

تشریح: قوله: هذا الحديث ليس بالقائم و أبو معاذ الراوی ضعيفٌ عند أهل الحديث...:۔اعضائے وضو کو رومال وغیرہ سے پونچھنے کے متعلق جمہور علماء کی دوسری دلیل حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کی سند میں ایک راوی ابو معاذ ہیں، امام ترمذیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں: "يقولون: هو سلمان بن أرقم وهو ضعيف عند أهل الحديث" یعنی ابو معاذ سے مراد سلمان بن ارقم ہیں جو محدثین کے ہاں ضعیف راوی ہیں، گویا اس طرح امام ترمذی کہنا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث لائق استدلال نہیں۔

جمہور علماء کی جانب سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث مستدرک حاکم میں مذکور ہے اور امام حاکمؒ ابو معاذ کے متعلق جزم کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ ابو معاذ ''فضل بن میسرۃ بصری'' ہیں جن سے ''یحییٰ بن سعید'' روایت کرتے ہیں اور ان کی تعریف بھی کرتے ہیں، حافظ ذہبیؒ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ہے تو گویا حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث ضعیف نہ رہی۔(تنقیحات)

''الفصل الثالث''

۳۸۷۔عن ثابتِ بنِ أبی صَفِیّۃَ قال: قلتُ لأبی جعفرٍ هو محمدُ الباقرُ: حدّثَكَ جابرٌ أنّ النبیَّ ﷺ توضأ مرّۃً مرّۃً و مرّتینِ مرّتین و ثلاثًا ثلاثًا،قال: نعم.[ترمذی،ابن ماجۃ]

ترجمہ: ثابت بن ابی صفیہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر محمد باقرؒ سے کہا کہ جابرؓ نے آپ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے (کبھی) ایک ایک مرتبہ اور (کبھی) دو دو مرتبہ اور (کبھی) تین تین مرتبہ وضو فرمایا۔انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔(ترمذی،ابن ماجہ)

۳۸۸۔وعن عبد الله بن زیدؓ قال: إنّ رسولَ الله ﷺ توضّأ مرّتینِ مرّتینِ وقال: هو نورٌ علیٰ نورٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دو مرتبہ وضو فرمایا (یعنی اعضائے وضو کو دو دو مرتبہ دھویا) اور فرمایا کہ یہ نور کے اوپر نور ہے۔

۳۸۹۔عن عثمانَ قال: إنّ رسولَ الله ﷺ توضّأ ثلاثًا ثلاثًا وقال: هذا وُضوئی ووُضوءُ الأنبیاءِ قبلی ووُضوءُ ابراهیمَ.[رواهما رزین والنوَوِی ضعّفَ الثانی فی شرحِ مسلم]

ترجمہ: حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین تین مرتبہ وضو کیا اور فرمایا یہ میرا اور مجھ سے پہلے انبیاء اور ابراہیمؑ کا وضو ہے۔(رزین)

ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا مستحب ہے:

۳۹۰۔وعن أنسؓ قال: كان رسولُ الله ﷺ یتوضّأُ لِكلِّ صلاۃٍ و كان أحدُنا یكفیه الوضوءُ مالمْ یُحدِثْ.[دارمی]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کیا کرتے تھے اور ہم کو (ایک) وضو اس وقت تک کافی رہتا جب تک وہ ٹوٹ نہ جاتا۔(دارمی)

۳۹۱۔وعن محمدِ بن یحییٰ بن حبّان قال: قلتُ لعبیدِ الله بن عبدِ الله بن عمرَ:أرأیتُ وضوءَ عبدِ الله بن عمرؓ لكلِّ صلاۃٍ طاهرًا كان أوغیرَ طاهرٍ ،عمّن أخذَه ؟فقال:حدّثَته أسماءُ بنتُ زیدِ بن خطابٍ أنّ عبدَالله بن حنظلۃَ بن أبی عامرِ الغسیلِ حدّثَها أنّ رسولَ الله ﷺ كان أُمِر بالوُضوءِ لِكلِّ صلوٰۃٍ طاهرًا كان أوغیرَ طاهرٍ فلمّا شقّ ذلك علیٰ رسولِ الله ﷺ أُمِرَ بالسِّواكِ عندَ كلِّ صلوٰۃٍ ووُضِعَ عنهُ الوُضوءُ الاّ مِن حَدَثٍ،قال: فكان عبدُ الله یریٰ أنّ به قوّۃً علیٰ ذلك ،ففعلَه حتیّٰ ماتَ.

ترجمہ: محمد بن یحییٰ بن حبانؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبید اللہ بن عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو ہر نماز کے لیے وضو کرتے دیکھا خواہ (پہلے سے) وضو ہوتا یا نہ ہوتا انہوں نے یہ عمل کس سے لیا ہے؟ عبید اللہ بن عبداللہؒ نے جواب دیا کہ اسماء بنت زید بن الخطابؓ نے

ان سے بیان کیا کہ عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر الغسیلؓ نے اُن سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر نماز کے لیے وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا خواہ پہلے سے وضو ہوتا یا نہ ہوتا، جب آپ ﷺ پر یہ گراں ہوا تو آپ ﷺ کو ہر نماز کے لیے (صرف) مسواک کرنے کا حکم دیا گیا اور وضو معاف کر دیا گیا مگر بے وضو ہونے کے وقت، عبیداللہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ کو خیال تھا کہ ان کو اس (ہر نماز کے لیے وضو) پر قوت ہے آپؓ نے اس پر موت تک عمل کیا۔ (احمد)

اسراف وضو میں بھی جائز نہیں:

۳۹۲۔ وعن عبد الله بن عمرو بن العاصِ أنّ النبيّ ﷺ مَرّ بسعدٍ وهو يتوضّأُ، فقال: ما هذا السَّرَفُ؟ يا سعدُ! قال: أفي الوُضوءِ سَرَفٌ؟ قال: نعم! وإن كنتَ على نهرٍ جارٍ. [أحمد، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ راوی ہیں کہ نبی پاک ﷺ سعدؓ پر سے گزرے، وہ وضو کر رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیا اسراف ہے اے سعد! حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! اگرچہ آپ بہتی نہر پر (وضو کرنے) بیٹھے ہو۔ (احمد، ابن ماجہ)

وضو کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی فضیلت:

۳۹۳۔ عن أبي هريرةَ وابن مسعودٍ وابن عمرَ أنّ النبيّ ﷺ قال: مَنْ توضّأ وذكرَ اسمَ اللهِ فإنّه يُطهِّرُ جسدَه كلَّه ومَن لم يذْكُرِ اللهَ لم يُطهِّرْ إلا موضعَ الوُضوءِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور اللہ کا نام لیا اس نے سارے بدن کو پاک کر لیا اور جس نے اللہ کا نام لیا اس نے صرف وضو کی جگہ (اعضائے وضو) کو پاک کیا۔

وضو کے وقت انگوٹھی وغیرہ ہلانا:

۳۹۴۔ وعن أبي رافعؓ قال: كان رسولُ الله ﷺ إذا توضّأ وضوءَ الصّلاةِ، حرّكَ خاتمَه في أصبعِه. [رواه الدارقطني وروى ابن ماجة الأخير.]

ترجمہ: حضرت ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا وضو فرماتے تو اپنی انگوٹھی انگلی میں ہلا دیتے۔ (دارقطنی، ابن ماجہ)

(باب الغسل)

"الفصل الاوّل"

جماع سے غسل کب واجب ہوتا ہے؟:

۳۹۵۔ وعن أبي هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ إذا جلسَ أحدُكم بينَ شِعَبِها الأربعِ ثمّ جهدَها فقدْ وجبَ الغُسلُ وإن لم

يُنزِلْ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے پھر کوشش کرے (یعنی جماع کرے) تو اس پر غسل واجب ہوگیا اگر چہ منی نہ نکلی ہو۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: إذا جلس أحدكم بين شعبها الأربع ثم جهدها فقد وجب الغسلُ وإن لم يُنزل: ۔''شِعَب'' جمع ہے شعبۃ کی بمعنی قطعۃ، یہاں ''شعبِ اربعہ'' سے مراد عورت کے فخذین اور رجلین ہیں اور ''ثم جهدها'' سے مراد جماع میں ادخالِ حشفہ ہے۔

''ادخالِ حشفہ'' سے بغیر انزال کے غسل کا وجوب:

یہاں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ صرف ''ادخالِ حشفہ'' بغیر انزال کے غسل کو واجب کرتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ جمہور صحابہؓ وتابعینؒ کے نزدیک ادخالِ حشفہ بغیر انزال کے بھی موجبِ غسل ہے، ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) حدیثِ باب

(۲) اسی باب کی فصل ثانی میں مروی حدیثِ عائشہؓ (بحوالہ ترمذی وابن ماجہ)

(۳) اسی باب کے فصل ثالث میں مروی حدیث ابی بن کعبؓ: ''إنّما كان الماءُ من الماءِ رخصةٌ في أوّل الإسلام ثم نُهِيَ عنها'' (ترمذی، ابوداؤد) یعنی ''انزال سے غسل کا وجوب ابتدائے اسلام میں تھا بعد میں اس سے منع کیا گیا''۔

(۴) حضرت عمرؓ کے دور میں اس پر ہونے والا اجماع، جس کا قصہ یہ ہوا کہ حضرات مہاجرینؓ ادخالِ حشفہ بلا انزال سے وجوبِ غسل کے قائل تھے اور حضرات انصارؓ عدمِ وجوب کے۔ حضرت عمرؓ نے ان حضرات کو جمع فرمایا اور ازواجِ مطہرات سے اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی گئی وہاں سے وجوبِ غسل کا فتویٰ دیا گیا جس کی بنا پر حضرات انصارؓ نے اپنے موقف سے رجوع کرلیا اور وجوبِ غسل پر اتفاق کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ اعلان فرمایا کہ آج کے بعد جو اس مسئلہ میں اختلاف کریگا اس کو سزا دی جائیگی۔

لیکن اہلِ ظاہر اس سے اختلاف کرتے ہیں، ان کے ہاں محض ادخالِ حشفہ سے غسل واجب نہیں ہوتا، ان حضرات کی دلیل زیرِ بحث حدیث کے متصل حدیثِ ابی سعید خدریؓ ہے: ''قال رسولُ الله ﷺ: إنما الماءُ مِن الماءِ.'' [ماءِ اوّل] سے مراد ''غسل کا پانی'' ہے اور [ماءِ ثانی] سے مراد ''منی'' ہے یعنی وجوبِ غسل انزالِ منی سے ہوگا۔

صاحبِ مصابیح نے اس حدیث کے دو جوابات دیے ہیں:

(۱) یہ حدیث منسوخ ہے جیسا کہ ابی بن کعبؓ کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔

(۲) یہ حدیث احتلام اور جماع دونوں میں عام تھی، بعد میں جماع کے حق میں منسوخ ہوگئی اور احتلام کے حق میں اس کا حکم باقی رہا، یہ جواب حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

۳۹۶۔ وعن أبي سعيدٍؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّما الماءُ من الماءِ.[مسلم] قال الشيخ الإمام محيي السنّة: هذا منسوخٌ وقال ابن عباس: ''الماءُ مِن الماءِ'' في الاِحتلام.[رواه الترمذي ولم أجده في الصحيحين]

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانی (غسل) پانی (منی) سے (واجب ہوتا) ہے۔ امام محی السنۃ فرماتے ہیں کہ یہ (حکم) منسوخ ہے اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ " إنّما الماءُ مِن الماء" کا تعلق احتلام سے ہے۔ (ترمذی)۔

عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے:

۳۹۷۔ وعن أمِ سلمةَ قالت: قالتْ أمُّ سليمٍ: يا رسولَ الله! إنّ اللهَ لا يستَحيي مِن الحقِّ فهل على المرأةِ مِن غُسلٍ اذا احتلَمَتْ؟ قال: نعمْ! اذا رأتِ الماءَ فغطّتْ أُمُّ سلمةَ وجهَهَا وقالت: يارسولَ الله! أوَ تحتلِمُ المرأةُ؟ قال: نعم! تربتْ يمينُكِ، فبمَ يَشْبَهُها ولدُها. [متفق عليه] وزاد مسلم بروايةِ أمّ سُليم: إنّ ماءَ الرجلِ غليظٌ أبيضُ وماءُ المرأةِ رقيقٌ أصفرَ، فمِن أيِّهما علا [أو سبقَ] يكونُ مِنه الشَّبَهُ.

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ام سُلیمؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ حق (کے معاملہ) میں حیا نہیں کرتا (لہذا بتایئے کہ) کیا عورت پر غسل واجب ہوگا جب کہ اس کو احتلام ہوجائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ (یہ سن کر) ام سلمہؓ نے اپنا منہ (شرم کے مارے) ڈھانپ لیا اور کہا کہ یارسول اللہ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، خاک آلود ہو تیرا دایاں ہاتھ، (اگر ایسا نہ ہوتا تو) پھر کس سبب سے بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔ (متفق علیہ) اور مسلم نے ام سُلیمؓ کی روایت سے اس میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ "مرد کا پانی (منی) گاڑھا سفید ہوتا ہے، اور عورت کا پانی (منی) پتلا زرد ہوتا ہے پس ان دونوں میں سے جو پانی غالب آئے یا سبقت کرے (بچہ کی) مشابہت اسی سے ہوتی ہے۔

تشریح: قولها: إنّ الله لايستحيِي مِن الحقِّ فهل على المرأةِ من غسلٍ اذا احتلمت ....: حضرت ام سُلیمؓ کا سوال ایسا تھا کہ جس کے ذکر کرنے سے حیا مانع تھی اس لیے پہلے بطورِ تمہید کے "إنّ الله لا يستحي من الحق" عرض کیا تا کہ کسی کو خلافِ حیا کے ارتکاب کا شبہ نہ ہو۔ "حیا" انقباضِ نفس کو کہتے ہیں جو انفعال (اثر قبول کرنا) کے قبیل سے ہے اور اللہ تعالیٰ انفعال سے پاک ہے لہذا اللہ پاک کی طرف جب حیا کی نسبت ہوگی تو ترک کا معنیٰ مراد ہوگا جو کہ لازم ہے حیا کو، پس قولِ مذکور یعنی "لا يستحيي من الحق" کا معنیٰ ہوگا کہ "لا يترك ذكر الحق"۔

قولها: أو تحتلم المرءة....: حضرت ام سلمہؓ یہ کہہ کر عورت کے احتلام کا انکار کررہی ہے، جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ مردوں کی بنسبت عورتوں کو بہت کم احتلام ہوتا ہے لہذا ممکن ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اس سے واقف نہ ہو۔ (نفحات)

آنحضرت ﷺ کے غسلِ جنابت کی کیفیت:

۳۹۸۔ وعن عائشةَ قالت: كان رسولُ الله ﷺ إذا اغتسلَ مِن الجنابةِ بدأ فغسلَ يديه ثمّ يتوضّأُ كمايتوضّأُ للصلوٰةِ ثمّ يُدخِلُ أصابعَه في الماءِ فيُخلِّلُ بها أُصولَ شَعرِه ثمّ يَصُبُّ على رأسِه ثلاثَ غُرفاتٍ بيديه ثمّ يُفيضُ الماءَ على جلدِه كلّه. [متفق عليه] وفي روايةٍ لِمسلمٍ: يبدأ فيغسِلُ يديْه قبلَ أن يُدخِلَهما الاناءَ ثمّ يُفرِغُ بيمينِه على شمالِه فيغسِلُ فرجَه ثمّ يتوضّأ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب غسلِ جنابت (کا ارادہ) فرماتے تو پہلے دونوں ہاتھ دھوتے پھر وضو کرتے جس طرح

نماز کے لیے وضو کیا کرتے پھر اپنی انگلیاں پانی میں داخل فرماتے اور اس سے اپنے بالوں کی جڑوں میں خلال فرماتے پھر دونوں ہاتھوں سے تین چلو (پانی لے کر) سر پر ڈالتے پھر اپنے تمام بدن پر پانی بہاتے۔ (متفق علیہ) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ (پہلے) برتن میں دونوں ہاتھوں کو داخل کرنے سے پہلے دھوتے پھر اپنے داہنے ہاتھ سے باہنے ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر اپنی شرمگاہ دھوتے، پھر وضو کرتے۔

۳۹۹۔وعن ابن عبّاسؓ قال: قالت میمونۃُ: وضعتُ للنبیِّ ﷺ غِسلاً فسترتُه بثوبٍ وصَبَّ علیٰ یدیہ فغسلَھُما ثمّ صَبَّ بیمینه علیٰ شمالہٖ فغسلَ فرجَه فضربَ بیدِہ الأرضَ فمسحَھا فمَضمَضَ واستَنشَقَ وغَسَلَ وجھَه وذراعَیه ثمّ صَبَّ علیٰ رأسِه وأفاضَ علیٰ جسدِہٖ ثمّ تنحّی فغسلَ قدَمَیه فناولتُه ثوبًا فلم یأخذُہ فانطلَقَ وھو ینفُضُ یدیه .[متفق علیه ولفظه للبخاری]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت میمونہؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی پاک ﷺ کے لیے غسل کا پانی رکھا اور کپڑا تان کر آپ ﷺ کے لیے ستر (پردے) کا اہتمام کیا۔ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالا، ان کو دھویا پھر اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا، اپنی شرمگاہ کو دھویا پھر زمین پر اپنا ہاتھ رگڑا اور اسے دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنا چہرہ اور دونوں بازوں دھوئے، پھر اپنے سر پر پانی ڈالا اور اپنے بدن پر پانی بہایا پھر (وہاں سے) ہٹ گئے پھر دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر میں نے آپ ﷺ کو ایک کپڑا دینا چاہا، آپ ﷺ نے کپڑا نہ لیا اور پھر ہاتھ جھاڑتے ہوئے (وہاں سے) چلے۔ (متفق علیہ)

۴۰۰۔وعن عائشۃؓ قالت: إنّ امرأۃً مِن الأنصار سألتِ النبیَّ ﷺ عن غُسلِھا من المَحِیض ،فأمرھا کیف تغتَسِلُ؟ثمّ قال: خذی فُرصۃً مِن مِسكٍ فتَطَھّری بھا،قالت: کیف أتطھّرُ بھا؟فقال:تطھّری بھا،قالت: کیف أتطھّرُ بھا؟قال: سبحان الله ! تطھّری بھا،فاجتذبْتُه الیّ فقلتُ تتبّعِی بھا أثرالدمِ.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک انصاری عورت نے نبی پاک ﷺ سے اپنے غسلِ حیض کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اُسے بتایا کہ وہ غسل کیسے کرے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مشک (میں بھگوئے ہوئے کپڑے) کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے پاکی حاصل کر، اس نے پوچھا کہ اُس سے کس طرح پاکی حاصل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے پاکی حاصل کر، اُس نے (پھر) پوچھا کہ اس سے پاکی کیسے حاصل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! اس سے پاکی حاصل کرو، (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ) میں نے اس عورت کو اپنی جانب کھینچ لیا اور کہا کہ اس (کپڑے) کو خون کی جگہ پر رکھ دو۔ (متفق علیہ)

غسل کے لیے عورت کا سر کے بال کھولنے کا مسئلہ:

۴۰۱۔وعن أم سَلِمَۃؓ قالت: قلتُ: یا رسولَ الله! إنّی امرأۃٌ أشدُّ ضفرَ رأسِی أفأنقُضُه لِغُسلِ الجنابۃِ؟فقال: لا إنّما یکفیكِ أن تَحثِیَ علی رأسِكِ ثلاثَ حثیاتٍ ثمّ تُفیضِینَ علیكِ الماءَ .[مسلم]

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے سر کے بالوں کو مضبوط گوندھنے والی عورت ہوں کیا غسل جنابت کے لیے میں اس کو کھولا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! آپ کو بس اتنا کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپیں پانی ڈال دو پھر تمام بدن پر پانی بہا لیا کرو، بس پاک ہو جائے گی۔ (مسلم)

تشریح: قولها: أفأنقُضه لِغُسْلِ الجنابةِ؟قال: لا، إنّما يكفيكِ أن تَحثيَ على رأسكِ ثلاث حثيات۔۔۔: ۔اس حدیث کی بناپر جمہور فقہاء اس کے قائل ہوئے ہیں کہ غسل جنابت میں عورت کے لیے ''نقضِ ضفائر'' (مینڈھیاں کھولنا) ضروری نہیں جبکہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ جاتا ہو اور اگر بغیر کھولے پانی نہ پہنچے تو بالوں کا کھولنا ضروری ہوگا۔

ائمہ ثلاثہؒ مرد کو بھی اس حکم میں داخل سمجھتے ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں یہ حکم صرف عورت کے لیے ہے، چنانچہ حضرت ثوبانؓ کی مرفوع حدیث ہے: ''إنّهم استَفتَوُا النبيَّ ﷺ عن ذلكَ ،فقال: أمّا الرجلُ فَلْيَنْثُرْ رأسَه فليَغْسِلْه حتّى يبلُغَ أصولَ الشَّعرِ، وأمّا المرأةُ فلا عليها أن لا تنقُضَه.'' (رواہ ابوداؤد) یعنی مرد بالوں کو کھولے گا اور دھوئے گا یہاں تک کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے اور عورت پر بالوں کا کھولنا ضروری نہیں۔ نیز اگر مرد بال کھولنے میں حرج محسوس کرے تو یہ حرج معتبر نہیں کیونکہ مرد کے لیے بال منڈوانا بھی جائز ہے جبکہ عورت کے لیے حرام ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

کتنے پانی سے وضو اور غسل مناسب ہے؟:

٤٠٢۔ وعن أنسٍؓ قال: كانَ النبيُّ ﷺ يتوضّأُ بالمُدِّ ويغتسِلُ بالصّاعِ إلىٰ خَمْسَةِ أمدادٍ .[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ (ایک) مُد پانی سے وضو فرماتے تھے اور ایک صاع سے لے کر پانچ مُد تک (پانی) سے غسل کیا کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: يتوضّأ بالمُدّ ويغتسل بالصاع۔۔۔: ۔وضو اور غسل کے لیے شرعاً پانی کی کوئی حد مقرر نہیں البتہ اس کا لحاظ رکھا جائے کہ اسراف نہ ہو۔ زیر بحث حدیث میں آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ عموماً ایک مُد پانی سے وضو فرمایا کرتے اور غسل ایک صاع سے لے کر پانچ مُد پانی سے فرمایا کرتے تھے۔

مد اور صاع کی مقدار میں اختلاف:

یہاں اس پر تو تمام فقہاء متفق ہیں کہ صاع میں چار مُد ہوتے ہیں لیکن مُد کی مقدار میں درج ذیل اختلاف ہوا ہے:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک مُد دو رِطل کا ہوتا ہے، اس اعتبار سے ایک صاع کی مقدار آٹھ رطل ہوئی۔ دلیل نسائی کی یہ روایت ہے: حضرت موسیٰ جہنیؒ سے مروی ہے کہ حضرت مجاہدؒ ایک برتن لے کر آئے، میں نے اس کا اندازہ لگایا تو آٹھ رطل کا نکلا۔ پھر حضرت مجاہدؒ نے حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث سنائی: ''قالت: إنّ رسولَ الله ﷺ كان يغتسِلُ بمِثلِ هذا ''یعنی نبی پاک ﷺ اس جتنے برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ سے متعدد اسانید کے ساتھ اس مضمون کی روایات منقول ہیں اگرچہ وہ روایات ضعیف ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے ان کا ضعف باقی نہیں رہتا۔ نیز حجاج بن یوسف فخریہ کہا کرتا تھا کہ میں نے صاع عمرؓ کو تمہارے سامنے پیش کیا ورنہ تم اس کو گم کر چکے تھے اور صاعِ عمرؓ کا نبی پاک ﷺ کے صاع کے موافق ہونا ظاہر ہے، حجاج بن یوسف کا صاع آٹھ رطل کا تھا۔

جبکہ ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں مدّ ایک رطل وثلثِ رطل کا ہوتا ہے اس اعتبار سے صاع پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا ہوا، یہ صاع حجازی کہلاتا ہے۔ ان حضرات کا استدلال اہل مدینہ کے تعامل سے ہے، چنانچہ سنن بیہقی میں امام ابو یوسفؒ کا ایک واقعہ منقول ہے جس میں مدینہ

کے بچے بوڑھوں نے مذکورہ بالا صاع پیش کیا جس پر امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کو چھوڑ کر اہلِ مدینہ کے قول کو اختیار کیا۔

جمہور حنفیہ اس واقعہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ہی صحیح نہیں ہے کیونکہ امام محمدؒ نے (جو امام ابو یوسفؒ کے شاگرد ہیں اور بیہقی سے زیادہ امام ابو یوسفؒ کے مذہب سے واقف ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے اختلاف کو دوسرے مسائل میں بالالتزام نقل کرتے ہیں) نہ ہی یہ واقعہ کہیں ذکر کیا ہے اور نہ یہ رجوع اور اختلاف۔

شارح ہدایہ، علامہ ابن ہمامؒ مذکورہ اختلاف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف نزاعِ لفظی کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ صاعِ حجاجی کے رطل چھوٹے ہیں اور صاع حجازی کے رطل بڑے، یوں صاعِ حجاجی کے آٹھ رطل حجازی صاع کے پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کے برابر ہوتے ہیں، چنانچہ صاع حجاجی کا ایک رطل بیس استار کا ہوتا ہے اور حجازی صاع کا رطل تیس استار کا، اس اعتبار سے دونوں کا مجموعہ ایک سو ساٹھ رطل بنتا ہے۔

فائدہ ۱: واضح رہے کہ صدقۃ الفطر اور کفارات میں صاع حجاجی پر عمل کرنا احوط ہے۔

فائدہ ۲: حجاجی صاع تین سیر چھ چھٹانک کا، مد ساڑھے تیرہ چھٹانک کا اور رطل پونے سات چھٹانک کا ہوتا ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

میاں بیوی کا ایک ساتھ غسلِ جنابت کرنا:

۴۰۳۔ وعن مُعاذةَ قالت: قالت عائشةُ: كنتُ أغتسِلُ أنا ورسولُ الله ﷺ من إناءٍ واحدٍ بيني وبينَه فيُبادِرُني حتىّٰ أقولُ: دَعْ لي، دَعْ لي. قالت: وهما جُنبان. [متفق عليه]

ترجمہ: معاذہؒ کہتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک برتن سے نہاتے تھے جو میرے اور آپ ﷺ کے درمیان پڑا رہتا آپ ﷺ (پانی لینے میں) مجھ سے سبقت کرتے تو میں کہا کرتی کہ میرے لیے (پانی) چھوڑ دے، میرے لیے چھوڑ دے، (معاذہ کہتی ہیں کہ) اور وہ دونوں جُنبی ہوتے۔ (متفق علیہ)

”الفصل الثانی“

احتلام کی دو صورتوں کا الگ الگ حکم:

۴۰۴۔ عن عائشةَ قالت: سُئِلَ رسولُ الله ﷺ عن الرجلِ يجِدُ البَلَلَ ولا يَذْكُرُ احتلامًا، قال: يغتسِلُ، وعن الرجلِ الذي يرىٰ أنّه قد احتلَمَ ولا يجِدُ بَللًا قال: لاغُسلَ عليه، قالت أمُ سُلَيمٍ: هل على المرأةِ ترىٰ ذلك غُسلٌ؟ قال: نعم! إنّ النساءَ شَقائقُ الرجالِ. [ترمذي، أبوداؤد، وروى الدارمي وابنِ ماجة الى قوله: لاغسلَ عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو (سو کر اٹھنے کے بعد کپڑے پر منی کی) تری پائے اور احتلام (خواب) اسے یاد نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا شخص غسل کرے گا اور آپ ﷺ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جسے خواب تو یاد ہو مگر تری نہ پاتا ہو، فرمایا کہ اس پر غسل نہیں۔ ام سُلیمؓ نے پوچھا: کیا عورت پر غسل ہے اگر وہ یہ (تری) دیکھے؟ آپ ﷺ نے

فرمایا:ہاں!عورتیں بھی مردوں کی مانند ہیں۔(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)

حدیث: "إذا جاوز الختانُ الختانَ..."

٤٠٥۔وعنها قالت: قال رسولُ اللهﷺ: إذا جاوزَ الخِتَانُ الخِتَانَ وجبَ الغُسلُ فعلتُه أنا ورسولُ الله ﷺ فاغتسلْنا.

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب مرد کے ختنہ کی جگہ عورت کے ختنہ کی جگہ سے تجاوز کر جائے تو (دونوں پر)غسل واجب ہوگا (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ) میں نے اور رسول اللہﷺ نے ایسا کیا پھر ہم (دونوں) نے غسل کیا۔(ترمذی،ابن ماجہ)

ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے:

٤٠٦۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ :تحتَ كلِّ شَعرةٍ جنابةٌ فاغسِلُوا الشَّعرَ وأنْقُوا البِشْرَةَ.[أبوداؤد،ترمذی وابن ماجةوقال الترمذی :هذاحديثٌ غريبٌ والحارث بن وجيه الراوی وهوشيخٌ ليس بذاك.]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے لہذا بالوں کو(خوب) دھویا کرو اور بدن کو پاک کیا کرو۔(ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)

٤٠٧۔عن عليٍّ قال: قال رسولُ اللهﷺ: مَنْ تَركَ مَوضعَ شَعرةٍ مِنْ جنابةٍ لم يغسلْهافُعِلَ به كذا وكذامِن النّار.قال عليٌّ:فَمِن ثَمّ عاديتُ رأسِي، فَمِن ثَمّ عاديتُ رأسِي، فَمِن ثَمّ عاديتُ رأسي ثلاثًا .[رواه أبوداؤدو أحمد ودارمی الاّ أنّهمالمْ يُكرّرا:"فَمِن ثَمّ عاديتُ رأسي".]

ترجمہ:حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا جس نے جنابت میں ایک بال کے بقدر جگہ (خشک) چھوڑ دی اور اسے دھویا نہیں اُسے اس اس طرح آگ کا عذاب دیا جائے گا،حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے میں نے اپنے سر(کے بالوں) کے ساتھ دشمنی کی۔تین بار یہی فرمایا۔(ابوداؤد،احمد،دارمی)

غسل کے بعد وضو نہیں:

٤٠٨۔وعن عائشةؓ قالتْ: كان النبيُّﷺ لا يتوضّأُ بعدَ الغُسلِ.[ترمذی،أبو داؤد،نسائی ،ابن ماجه]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاکﷺ غسل کے بعد وضو نہیں کیا کرتے تھے۔(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

٤٠٩۔وعنها قالت: كان النبيﷺ يغسلُ رأسَه بالخِطمِيِّ وهو جُنبٌ يَجتزئُ بذلك ولا يَصُبُّ عليه.[أبوداؤد]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاکﷺ اپنا سر خطمی سے دھویا کرتے تھے اور اسی پر کفایت کرتے اور سر پر پانی نہیں ڈالا کرتے تھے

غسل پردے کی جگہ میں کیا جائے:

٤١٠۔وعن يعلیٰ قال: إنّ رسولَ اللهﷺ رای رجلاً يَغتسِلُ بالبَرازِ فصَعِد المِنبرَ فحمِدَ اللهَ وأثنیٰ عليه ثمّ قال: انّ اللهَ حيِيٌّ سَتيرٌيُحِبُّ الحياءَ والتستّرَفإذااغتسلَ أحدُكم فليستَتِرْ .[أبوداؤدو النسائی وفی روايته:"قال:اِنّ اللهَ سَتيرٌ فاذاأرادَ أحدُكم أن

يغتسِلَ فلْيتوارِبشيءٍ".]

ترجمہ: حضرت یعلیٰ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو میدان میں نہار ہا تھا چنانچہ آپ ﷺ منبر پر چڑھے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: اللہ بہت حیادار اور پردہ پوش ہے، حیا اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو اسے چاہیے کہ پردہ کرے۔ (ابوداؤد، نسائی) اور نسائی کی روایت میں آتا ہے کہ فرمایا اللہ بہت پردہ دار ہے، پس جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو اسے چاہیے کہ کسی چیز سے پردہ کرلے۔

"الفصل الثالث"

٤١١۔عن أبي بن كعب قال: إنّما الماءُ من الماءِ رخصةٌ في أوّل الإسلام ثمّ نُهِيَ عنها.

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں (یہ حکم کہ جماع میں) پانی (غسل) پانی (منی) کے نکلنے سے واجب ہوتا ہے ابتدائے اسلام میں رخصت (کی بناپر) تھا پھر اس سے منع کیا گیا۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

غسل میں خشک رہ جانے والی جگہ:

٤١٢۔وعن عليٍّ قال: جاءَ رجلٌ إلى النبيِّ ﷺ ،فقال: إنّي اغتسلتُ مِن الجنابةِ وصَلَّيتُ الفجرَ فرأيتُ قَدْرَ موضعِ الظُّفرِ لمْ يُصِبُه الماءُ فقال رسولُ اللهِ ﷺ :لو كنتَ مسحتَ عليه بيدِكَ أجزاكَ .[ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں نے جنابت سے غسل کیا اور فجر کی نماز پڑھ لی پھر میں نے ناخن کے بقدر جگہ دیکھی جسے پانی نہیں پہنچا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو اس جگہ پر (گیلا) ہاتھ پھیر دیتا تو یہ آپ کے لیے کافی تھا۔

شروع میں غسلِ جنابت سات مرتبہ تھا:

٤١٣۔وعن ابن عمرؓ قال: كانت الصلاةُ خمسينَ والغُسْلُ من الجنابةِ سبعَ مرّاتٍ وغَسْلُ البولِ مِن الثوبِ سبعَ مرّاتٍ فلمْ يَزَلْ رسولُ اللهِ ﷺ يسألُ حتىٰ جُعِلتِ الصلوٰةُ خمسًا وغُسْلَ الجنابةِ مرّةً وغَسْلَ الثوبِ مِن البولِ مرّةً.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ (پہلے) نمازیں پچاس فرض تھیں اور غسلِ جنابت سات مرتبہ (فرض) تھا اور کپڑے سے پیشاب کا دھونا (بھی) سات مرتبہ تھا، پھر رسول اللہ ﷺ (اللہ تعالیٰ سے) مسلسل (اس میں تخفیف کا) سوال کرتے رہے یہاں تک کہ (فرض) نمازیں پانچ مقرر کی گئی اور غسلِ جنابت اور کپڑے سے پیشاب دھونا ایک بار مقرر کیا گیا۔ (ابوداؤد)

(بابُ مُخالَطَةِ الجُنبِ و ما يُباحُ لَه)

{اس باب میں "جنبی کے ساتھ اختلاط اور جو امور جنبی کے لیے جائز ہیں" کے متعلق احادیث ذکر لائی گئی ہیں}

"الفصل الاوّل"

جنابت سے مؤمن کی ذات نجس نہیں ہوتی:

٤١٤۔وعن أبي هريرةؓ قال: لَقِيَنِي رسولُ اللهﷺ وأنا جُنبٌ فأخذَ بيدي فمَشَيتُ معَه حتّىٰ قعدَ فانسللتُ فأتيتُ الرَّحلَ فاغتسلتُ ثمّ جئتُ وهو قاعدٌ فقال: أينَ كنتَ؟ ياأباهريرة! فقلتُ له فقال: سبحان الله!إنّ المؤمنَ لاينجسُ .[هذالفظ البخاري]ولِمسلمٍ معناه وزادبعدَ قولِه:فقلتُ له"لقدْ لقِيتَني وأناجُنبٌ فكرِهتُ أن أُجالسَكَ حتّىٰ أغتسلَ". وكذاالبخاريّ في روايةٍ أُخرىٰ.

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہﷺ ملے درآں حالیکہ میں جنبی تھا تو آپﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا چنانچہ میں آپﷺ کے ہمراہ چل پڑا، یہاں تک کہ آپﷺ بیٹھ گئے تو میں چپکے سے نکل گیا اور (اپنے) مکان پر آیا اور غسل کیا پھر آپﷺ کی خدمت میں آیا آپﷺ بیٹھے ہوئے تھے، دریافت فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! آپ کہاں (چلے گئے) تھے؟ میں نے آپﷺ کے سامنے اصل بات عرض کی۔آپﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! مؤمن ناپاک نہیں ہوتا۔[یہ بخاری کی روایت ہے۔] مسلمؒ نے اس کے ہم معنیٰ الفاظ نقل کیے ہیں اور "فقلتُ له" کے بعد یہ الفاظ مزید نقل کیے ہیں:"آپﷺ مجھے ملے، میں چونکہ جنبی تھا چنانچہ مجھے گوارا نہ ہوا کہ آپ (ﷺ) کے پاس بیٹھوں یہاں تک کہ غسل کر لوں"۔

تشریح: قوله: سبحان الله إنّ المؤمنَ لا ينجَس: ۔اس سے "اَحداث" (بے وضو اور جنبی ہونے) کی نفی مقصود نہیں جو کہ نجاست حکمیہ کے قبیل سے ہیں بلکہ ذات اور عین کی نجاست کی نفی مقصود ہے، مطلب یہ ہے کہ جنابت سے مؤمن کی ذات نجس نہیں ہو جاتی کہ اُس کے ساتھ مصافحہ یا معانقہ بھی درست نہ ہو۔

کیا کافر نجس العین ہے؟:

بعض اہلِ ظاہر حدیث کے اس جملہ کے مفہومِ مخالف سے کفار کا نجس العین ہونا ثابت کرتے ہیں اور آیت: "اِنَّما المُشرِكُون نَجَسٌ" کو بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

لیکن یہ بات درست نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اہلِ کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے جو نجاست عین کے منافی ہے۔باقی حدیث کا جواب یہ ہے کہ نصوص میں مفہومِ مخالف حنفیہ کے ہاں معتبر نہیں اور آیت میں نجاستِ اعتقادیہ کا ذکر ہے۔

جنبی ہونے کے فوراً بعد غسل کرنے کا مسئلہ:

٤١٥۔وعن ابن عمرؓ قال: ذكرَ عمرُ بن الخطاب لِرسول اللهِ ﷺ أنّه تُصيبُه الجنابةُ مِن الّليلِ فقال له رسولُ اللهِ ﷺ:توضّأْ واغسِل ذَكَرَكَ ثمّ نَمْ.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ عمر بن الخطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ مجھے رات کو جنابت لاحق ہو جاتی ہے (تو کیا فوراً غسل کرنا ضروری ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا:(اس وقت) وضو کرو اور اپنے عضو کو دھو ڈال، پھر سو جایا کر۔(متفق علیہ)

تشریح: قوله: فقال له رسول الله ﷺ: توضأ واغسلْ ذكرك ثم نَمْ..:۔اہلِ ظاہر اس حدیث کی بنا پر جنبی شخص کے لیے سونے سے پہلے وضو کو واجب قرار دیتے ہیں۔

جبکہ جمہور علماء کے نزدیک جنبی شخص کے لیے سونے سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے نہ کہ واجب۔صحیح ابن حبان میں حضرت ابنِ عمرؓ ہی کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ مروی ہے کہ "عن ابن عمرؓ أنه سأل النبي ﷺ أينام أحدنا وهو جنبٌ فقال رسول الله ﷺ: نعم ويتوضأ إن شاء" اس روایت میں وضو قبل النوم کے ضروری نہ ہونے کی تصریح ہے، نیز فصلِ ثالث میں مروی حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے بھی جمہور کی تائید ہوتی ہے: "كان رسولُ الله ﷺ يجُنَبُ ثم ينامُ ثم ينتبِهُ ثم ينامُ" (احمد) یعنی رسول اللہ ﷺ جنبی ہوتے، پھر سو جاتے پھر جاگ جاتے اور پھر سو جاتے۔اس میں جنابت کے بعد سونے کا ذکر ہے نہ کہ وضو کا، پس یہ حدیث وضو نہ کرنے کے جواز پر محمول ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیثِ باب وضو کرنے کے استحباب پر۔

جنبی کا کھانے اور سونے سے پہلے وضو کرنا:

٤١٦۔وعن عائشةؓ قالت :كان النبيُّ ﷺ إذا كان جُنبًا فأرادَ أن يأكلَ أو ينامَ توضّأ وضوءَهُ للصّلاةِ.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب جنبی ہوتے اور کھانا کھانے یا سونے کا ارادہ ہوتا تو نماز کے وضو جیسا وضو کر لیتے۔(متفق علیہ)

دو صحبتوں کے درمیان وضو کرنے کا مسئلہ:

٤١٧۔عن أبي سعيد الخدريؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ:إذا أتىٰ أحدُكم أهلَه ثُمّ أرادَ أنْ يَعُودَ فليتوضّأْ بينهُما.

ترجمہ:حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی تم میں سے اپنی بیوی کے پاس آئے (صحبت کرے) اور پھر دوبارہ آنے (یعنی صحبت) کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ دونوں (صحبتوں) کے درمیان وضو کر لے۔(مسلم)

تشریح:اہل ظاہر اس حدیث کی بنا پر کہتے ہیں کہ وضوء بین الجماعتین (یعنی دو جماعوں کے درمیان وضو کرنا) واجب ہے، لیکن جمہور علماء کے نزدیک صرف مستحب ہے، چنانچہ مسندِ ابن خزیمہ میں یہی روایت اس زیادتی کے ساتھ مروی ہے: "فانه أنشطُ للعَود" یعنی اس سے دوبارہ جماع میں نشاط پیدا ہوتا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کا حکم نشاطِ طبع کے لیے ہے لہٰذا اسے مستحب ہی کہا جائے گا، نیز طحاوی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے :"إنّ رسولَ الله ﷺ يُجامعُ ثم يعودُ ولا يتوضّأُ" یعنی رسول اللہ ﷺ دوبارہ جماع فرماتے اور وضو نہ

فرماتے۔اس سے دوبارہ جماع کے لیے وضو کا ضروری نہ ہونا صراحۃً معلوم ہوا، پس ابو سعید خدریؓ کی روایت استحباب پر محمول ہوگی اور حضرت عائشہؓ کی روایت جواز پر۔(نفحات، مرآۃ)

متعدد بیویوں کے ساتھ ہمبستری کے بعد ایک غسل:

۴۱۸۔وعن أنسٌ قال: كان النبي ﷺ يطوفُ علىٰ نسائِه بغُسلٍ واحدٍ.[مسلم]

ترجمہ:حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی پاک ﷺ اپنی تمام ازواج کے پاس ایک غسل کے ساتھ آتے (یعنی آخر میں ایک غسل کرتے)۔

آنحضرت ﷺ ہر حال میں اللہ کو یاد رکھتے تھے:

۴۱۹۔وعن عائشةؓ قالت: كان النبيُّ ﷺ يذكرُ اللهَ علىٰ كلِّ أحيانه.[مسلم]وحديثُ ابن عباس سنذكره في كتاب الأطعِمَةِ إن شاء اللهُ تعالىٰ.

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ ہر وقت اللہ کو یاد رکھا کرتے۔(مسلم)

''الفصل الثانی''

عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا وضو کرنا:

۴۲۰۔عن ابن عباسؓ قال: اغتسلَ بعضُ أزواجِ النبيِّ ﷺ في جفنةٍ فأرادَ رسولُ اللهِ ﷺ أن يتوضّأ منه فقالتْ :يارسولَ الله! إنّي كنتُ جُنُبًا فقال: إنّ الماءَ لايجنبُ.[ترمذي و أبوداؤدوابن ماجة،وروى الدارميُّ نحوَه في شرح السنّةعنه عن ميمونةبلفظ المصابيح]

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی ایک زوجۂ مطہرہ (حضرت میمونہؓ) نے ایک لگن میں غسل کیا، نبی پاک ﷺ نے اُس سے وضو کرنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں جنابت سے تھی (اور میں نے اس لگن سے غسل کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی جُنبی نہیں ہوتا۔(ترمذی، ابوداوٗد)

تشریح: قوله: فقالت: يا رسولَ الله! إنّي كنتُ جنبًا ،فقال: إنّ الماء لا يجنب:۔ یہاں فضالہ مرءۃ (یعنی عورت کے وضو اور غسل سے بچے ہوئے پانی) سے مرد کے لیے وضو وغیرہ کرنے کے بارے میں فقہاء کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے جو کہ درجہ ذیل ہے:

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں فضالۂ مرءۃ سے مرد کو طہارت حاصل کرنا جائز ہے، دلیل یہ حدیث ہے۔جبکہ امام احمدؒ اور داؤد ظاہریؒ کا کہنا ہے کہ اگر عورت نے مرد کی عدم موجودگی میں پانی استعمال کیا تو مرد کے لیے اس پانی کا استعمال جائز نہیں۔ان حضرات کی دلیل اسی باب کے فصل ثالث میں مروی حضرت حکم بن عمرو کی روایت ہے "نهى رسولُ الله ﷺأن يتوضّأ الرجلُ بفضلِ طهورِ المرأةِ" (ابوداوٗد، ترمذی) یعنی رسول اللہ ﷺ نے مرد کو عورت کے وضو وغیرہ سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا۔

ائمہ ثلاثہؒ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث یا تو منسوخ ہے یا استحباب پر محمول ہے۔(نفحات)

جنبی کے ساتھ لیٹنا جائز ہے:

۴۲۱۔وعن عائشةَ قالتْ: كانَ رسولُ اللهِ ﷺ يغتسِلُ مِن الجنابةِ ثمّ يستدفِئُ بِی قَبْلَ اَنْ أَغتَسِلَ .[رواه ابن ماجة،وروى الترمذی نحوه وفی شرح السنّة بلفظ المصابيح]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنابت سے غسل کرتے پھر قبل اس کے کہ میں غسل کرتیں مجھ سے گرمی حاصل کرتے۔(ابن ماجہ، ترمذی)

حالتِ جنابت میں قرآن پڑھنا جائز نہیں:

۴۲۲۔وعن علیؓ قال :كان النبیُّ ﷺ يَخرُجُ مِن الخَلاءِ فيُقرِئُنا القرانَ ويأكلُ معنا اللَّحمَ ولم يكُن يحجُبُه ولا يحجُزُه عن القرآن شیٌ ليس الجنابةُ.[أبوداؤد،نسائی ،ابن ماجة]

ترجمہ:حضرت علیؓ راوی ہیں کہ نبی پاک ﷺ قضائے حاجت سے نکل کر ہمیں قرآن پڑھاتے اور ہمارے ساتھ گوشت کھاتے اور آپ ﷺ کو قرآن پڑھنے سے کوئی چیز سوائے جنابت کے نہ روکتی۔(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

جنبی اور حائضہ کے قرآن پڑھنے کا حکم:

۴۲۳۔وعن ابن عمرَقال: قال رسولُ اللهِ ﷺ:لاتقرءُ الحائضُ ولا الجنبُ شيئًا مِن القُرآنِ .[ترمذی]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حائضہ اور جنبی قرآن نہ پڑھے۔(ترمذی)

تشریح: قوله: لا تقرء الحائض ولا الجنب شيأً من القرآن:۔ جنبی کے لیے قرأتِ قرآن کی ممانعت پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ البتہ حائضہ قرآن پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ جمہور علماء کے نزدیک ممانعتِ تلاوت کے حکم میں جنبی اور حائضہ برابر ہے۔ان حضرات کی دلیل حدیثِ باب ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بھول جانے کے اندیشے سے حائضہ کو قرآن پڑھنے کی اجازت ہے، کیونکہ حیض کئی دنوں پر مشتمل ہوتا ہے ایسے میں اگر حائضہ عورت کو قرآن پڑھنے کی اجازت نہ ہو تو قرآن بھول جائے گی اور بحالتِ جنابت قرآن بھول جانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

حائضہ اور جنبی کا مسجد میں گزرنا اور ٹھہرنا:

۴۲۵۔وعن عائشةؓ قالتُ: قال رسولُ اللهِ ﷺ: وَجِّهُوا هذهِ البيوتَ عن المسجدِ فإنّی لا أُحلُّ المسجدَ لحائضٍ ولا لجُنبٍ.

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اِن گھروں (کے دروازوں) کو مسجد سے پھیر دو اس لیے کہ میں مسجد (میں داخل ہونے) کو حائضہ اور جنبی کے لیے حلال نہیں کرتا۔(ابوداؤد)

تشریح: قوله: فإنّی لا أحلّ المسجد لحائضٍ ولا جنبٍ:۔حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد میں مکث (ٹھہرنا) اور مرور (گزرنا) جائز ہے یا نہیں؟اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور جمہور علماء کے نزدیک حائضہ اور جنبی کے لیے نہ مسجد میں مکث

جائز ہے اور نہ مرور۔ ان حضرات کی دلیل اس حدیث کے علاوہ ابن ماجہ میں مروی حضرت ام سلمہؓ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں "فـنـادىٰ بأعلىٰ صَوته أنّ المسجد لا يحلّ لجنبٍ ولا حائضٍ".

جبکہ امام شافعیؒ کے ہاں جنبی کے لیے عبور (یعنی گزرنا) جائز ہے اور مکث جائز نہیں اور حائضہ کے بارے میں آپؒ کا ایک قول تو یہی ہے اور ایک قول جمہور کے مطابق۔ امام احمدؒ حائضہ کے لیے تو مطلقاً ممانعت کے قائل ہیں یعنی نہ اس کے لیے مکث جائز ہے اور نہ مرور، البتہ جنبی اگر وضو کرلے تو اس کو مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت ہے۔

ان حضرات کی دلیل صحابہؓ کے وہ آثار ہیں جن میں صحابہؓ کا حالتِ جنابت میں مسجد میں مکث و مرور منقول ہے، نیز شوافع آیت: "يـأ يّهـا الّـذين لا تقرَبُوا الصلاةَ وأنتم سُكارىٰ....ولا جنبًا إلّا عابرى سبيلٍ... " سے بھی استدلال کرتے ہیں، اِن کے ہاں اس آیت میں صلاۃ سے مراد مواضعِ صلاۃ یعنی مساجد ہیں، اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بحالتِ جنابت مسجد میں جانا نہیں چاہیے البتہ اس حالت میں صرف عبور جائز ہے۔

جمہور علماء کی جانب سے ان حضرات کو متعدد جوابات دیے گئے ہیں، چنانچہ ان کے پیش کردہ آثارِ صحابہ کا جواب تو یہ دیتے ہیں کہ مرفوع روایات کے مقابلے میں وہ حجت نہیں یا اب وہ آثار منسوخ ہیں اور آیت کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس آیت میں صلاۃ سے مساجد مراد لینا مجاز ہے، حالانکہ صلاۃ کا حقیقی معنیٰ مراد لینا کوئی متعذر نہیں، اس لیے حقیقی معنیٰ مراد لینا اولیٰ ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ نہ نشہ کی حالت میں نماز پڑھو اور نہ جنابت کی حالت میں (الا یہ کہ غسل کرلو) اور "إلّا عـابرى سبيل" کا تعلق سفر کے ساتھ ہے یعنی اگر حالتِ سفر میں جنابت لاحق ہو جائے اور پانی نہ ملے تو پھر تیمم کا حکم ہے جیسا کہ اس کے بعد مذکور ہے، کمافی تفسیر ابن عباس۔ (نفحات)

جنبی رہنے کی مذمت:

٤٢٥۔وعن عليٍّ قال: قال رسولُ الله ﷺ: لا تَدْخلِ الملائكةُ بيتًا فيه صورةٌ ولا كلبٌ ولا جُنبٌ.[أبوداؤد،نسائى]

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں (جاندار کی) تصویر ہو یا کتا ہو یا جنبی شخص ہو۔ (ابوداؤد، نسائی)

٤٢٦۔وعن عمّار بن ياسرٍ قال: قال رسولُ الله ﷺ: ثلاثٌ لا تَقْرَبُهُم الملائكةُ: جِيفةَ الكافرِ والمُتَضَمِّخَ بالخَلوقِ والجنبَ الّا أن يتوضّأ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین شخص ہیں کہ (رحمت کے) ملائکہ اُن کے قریب نہیں آتے، کافر کی لاش، خلوق (ایک رنگ دار زنانہ خوشبو) لگانے والا اور جنبی مگر یہ کہ وہ (جنبی) وضو کرلے۔ (ابوداؤد)

جنبی قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا:

٤٢٧۔وعن عبد الله بن أبى بكرِبن محمدِ بن عَمرِو بن حزمٍ أنّ فى الكتابِ الّذى كتبَه رسولُ الله ﷺ لعَمروبن حزمٍ أن لايمسَّ القرآنَ الّا طاهرٌ.[مالك ،دارقطنى]

ترجمہ:عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے مروی ہے کہ وہ مکتوب جو آپ ﷺ نے عمرو بن حزمؓ کے لیے لکھا تھا اس میں یہ (حکم) تھا کہ قرآنِ پاک کو صرف پاک انسان ہاتھ لگا سکتا ہے۔(مالک،دارقطنی)

سلام کا جواب دینے کے لیے آپ ﷺ کا تیمّم فرمانا:

۴۲۸۔وعن نافع قال: انطلقتُ معَ ابنِ عمرؓ فی حاجةٍ وكان مِنْ حديثِه يومَئذٍ أن قال: مَرّ رجلٌ فی سِكّةٍ من السّككِ فلقِیَ رسولُ اللهِ ﷺ وقدْ خرجَ مِن غائطٍ أوْبولٍ فسلّمَ عليه فلمْ يَرُدّ عليه حتّیٰ اذاكاد الرجلُ يتواریٰ فی السّكّة ضربَ رسولُ اللهِ ﷺ بيديه علی الحائط ومسح بهما وجهه ثمّ ضربَ ضربةً أُخریٰ فمسحَ ذراعيه ثمّ ردّ علی الرجلِ السلامَ وقالَ:اِنّ لمْ يمنعْنی أنْ أرُدّ عليكَ السلامَ الّا أنّی لمْ أكُنْ علیٰ طُهُرٍ.[أبو داؤد]

ترجمہ:نافعؒ کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابن عمرؓ کے ہمراہ قضائے حاجت کے لیے چلا،آپؓ کی اُس دن کی ایک حدیث یہ ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ ایک شخص کا کسی گلی میں گزرنا ہوا (راستہ میں) اس کی ملاقات آپ ﷺ سے ہوگئی اور آپ ﷺ قضائے حاجت یا پیشاب سے (فارغ ہوکر) تشریف لارہے تھے اُس شخص نے آپ ﷺ کو سلام کیا،آپ ﷺ نے جواب نہ دیا یہاں تک کہ جب وہ آدمی گلی میں چھپنے (مڑنے) کے قریب ہوا تو آپ ﷺ نے (بغرضِ تیمّم) اپنے ہاتھ دیوار پر مارے اور چہرے پر پھیرے پھر دوبارہ دیوار پر مار کر اپنے بازؤوں پر پھیرے پھر اُس شخص کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ مجھے آپ کے سلام کا جواب دینے سے صرف اس بات نے روکا کہ میرا وضو نہ تھا۔

۴۲۹۔وعن المهاجر بن قُنفذٍؓ أنه أتَی النبیَّ ﷺ وهو يبولُ فسلّم عليه فلم يردّعليه حتیٰ توضّأ ثمّ اعتذرَاليه وقال: اِنّی كرِهتُ أن أذكُرَ اللهَ الّا علیٰ طُهُرٍ .[أبوداؤد،وروی النسائی الیٰ قوله:"حتیٰ توضّأ وقال :فلمّاتوضّأ ردّ عليّ".]

ترجمہ:حضرت مہاجر بن قُنفذؓ سے مروی ہے کہ وہ نبی پاک ﷺ کے پاس آئے،(جبکہ) آپ ﷺ پیشاب فرمارہے تھے انہوں نے سلام کیا مگر آپ ﷺ نے جواب نہ دیا یہاں تک کہ وضو کرلیا پھر عذر بیان فرمایا اور کہا کہ میں نے ناپسند کیا کہ اللہ کا نام (بے وضو) لوں مگر یہ کہ وضو کرکے (اللہ کا نام) لوں۔(ابوداؤد،نسائی)

"الفصل الثالث"

حالتِ جنابت میں سوجانے کی رخصت ہے:

۴۳۰۔عن أمّ سلمةؓ قالت: كانَ رسولُ الله ﷺ يَجنَبُ ثُمّ ينامُ ثمّ ينتبِهُ ثمّ ينامُ.[أحمد]

ترجمہ:حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنبی ہوجاتے پھر (اسی حالت میں) سوجاتے پھر جاگتے اور پھر سوجاتے۔(احمد)

۴۳۱۔وعن شعبةؒقال: إنّ ابن عباسؓ كان اذا اغتَسَلَ من الجنابةِ يُفرِغُ بيدِه اليُمنیٰ سبعَ مِرارٍ ثمّ يَغْسِلُ فرجَه فنسِیَ مرّةً كم أفرغَ؟ فسألَنی فقلتُ:لاأدری،فقال: لاأُمّ لكَ ،ومايمنعُكَ أن تدرِی ؟ثمّ يتوضّأُ وضوءهٗ للصلوٰةِ ثمّ يُفيضُ علیٰ جلده الماءَ ثمّ يقولُ :هكذاكان رسولُ اللهِ ﷺ يتطهّرُ.[أبو داؤد]

ترجمہ: شعبہؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ جب جنابت سے غسل کرتے تو (پہلے) اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات مرتبہ پانی

ڈالتے پھر اپنی شرمگاہ دھوتے، ایک مرتبہ بھول گئے کہ پانی کتنی مرتبہ ڈالا ہے؟ تو مجھ سے پوچھا، میں نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتا، انہوں نے فرمایا: تمہاری ماں نہ رہے (یعنی مر جائے) تجھے جاننے سے کس بات نے روکا، پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرتے، پھر اپنے بدن پر پانی بہاتے، پھر فرماتے کہ اسی طرح رسول اللہ ﷺ پاک ہوا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

ہر بیوی سے صحبت کے بعد الگ الگ غسل کرنا:

٤٣٢۔وعن أبي رافعٍ قال: إنّ رسول الله ﷺ طاف ذاتَ يومٍ على نسائه يَغتسِلُ عندَ هذه وعندَ هذهِ قال: فقلتُ له :يارسولَ اللهِ !ألاّ تجعلَه غُسلاً واحداًآخِراقال:هذاأزكىٰ وأطيبُ وأطهَرُ.[أحمد ،أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابورافعؓ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنی تمام ازواج پر پھرے (یعنی سب کے ساتھ صحبت کی) چنانچہ اس کے پاس بھی غسل کرتے اور اس کے پاس بھی (یعنی ہر ایک کے ہاں الگ الگ غسل کیا) ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) نے آخر میں ایک غسل کیوں نہ فرمایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ (اس طرح کرنا) زیادہ پاک کرنے والا (طبیعت کے لیے) بہت خوش آئند، اور (بدن) کو خوب صاف کرنے والا ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

٤٣٣۔وعن الحكم بن عمروٍ قال: نهىٰ رسولُ الله ﷺ أنْ يتوضّأ الرجلُ بفضْلِ طُهُور المَرأةِ.[أبوداؤد،ابن ماجة ،ترمذى وزاد:"أوقال:بسورها"وقال:هذاحديثٌ حسنٌ صحيح]

ترجمہ: حضرت حکم بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اس بات سے) منع فرمایا کہ مرد عورت کے غسل یا وضو سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی؛ امام ترمذیؒ نے "أو قال: بسُورها" کی زیادتی نقل کی ہے)

٤٣٤۔وعن حُميد الحميريِّ قال: لقيتُ رجلاً صحِب النبيَّ ﷺ أربعَ سنين كما صحِبَه أبو هريرةَ قال:نهىٰ رسولُ الله ﷺ أن تغتسِلَ المرأةُ بفضلِ الرجلِ أويغتسِلَ الرجلُ بفضلِ المرأةِ.زاد مُسدِّد:" ولْيَغترِفا جميعًا".[أبوداؤد،نسائى]وزاد أحمدُ فى أوّله:"نهىٰ أنْ يمتشِطَ أحدُنا كلَّ يومٍ أويبولُ فى مُغتسَلٍ.[رواه ابن ماجةعن عبدالله بن سرجس]

ترجمہ: حُمید حمیری کہتے ہیں کہ میں ایک شخص سے ملا جو ابو ہریرہؓ کی طرح چار سال تک نبی پاک ﷺ کی صحبت میں رہا تھا انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے یا مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔ مسددؒ نے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ دونوں (میاں بیوی) ایک ساتھ چلو لے (کر نہائیں تو جائز ہے)۔ [ابوداؤد، نسائی] احمدؒ نے اس کے شروع میں یہ زیادتی نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ ہم میں سے کوئی ہر روز کنگھی کرے یا غسل خانہ میں پیشاب کرے۔ (اس کو ابن ماجہ نے بھی عبداللہ بن سرجسؓ سے روایت کیا ہے)

(بابُ أحكامِ المِياهِ)

{اس باب میں پانی کے احکام کا بیان ہے}

''الفصل الاوّل''

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت:

۴۳۵۔عن أبی هریرۃؓ قال: قال رسول الله ﷺ:لا یَبُولَنَّ أحدُکُم فی الماءِ الدائمِ الّذی لا یجرِی ثُمّ یَغْتَسِلُ فیه.[متفق علیه]
وفی روایةٍ لمسلم:قال: لایغتسلُ أحدُکُم فی الماءِ الدائمِ وهو جُنبٌ،قالوا: کیف یفعلُ یاأباهریرۃ! قال: یتناولُه تناولاً.

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسے ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بہنے والا نہ ہو پیشاب نہ کرے کہ پھر اسی میں غسل کرے (متفق علیہ) اور مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ فرمایا: تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں غسلِ جنابت نہ کرے۔(یہ حدیث سن کر) لوگوں نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! پھر (غسل) کیسے کرے؟ فرمایا کہ پانی الگ سے لے لے (یعنی پانی لے کر اس جگہ سے ہٹ کر غسل کرے)۔

ٹھہرا ہوا پانی کب ناپاک ہوتا ہے؟:

تشریح: قوله: لا یبولَنَّ أحدُکم فی الماء الدائم الّذی لا یجری...:۔ائمہ ثلاثہ'' یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ماءِ راکد (ٹھہرا ہوا پانی) اگر قلیل ہے تو وقوعِ نجاست سے مطلقاً ناپاک ہو جاتا ہے اور اگر کثیر ہے تو وہ ماءِ جاری کے حکم میں ہے یعنی وقوعِ نجاست سے اس وقت ناپاک ہوگا جب احد الاوصاف الثلاثہ (یعنی رنگ، بو، مزہ) میں تغیر آجائے۔

ان حضرات کے دلائل درجہ ذیل ہیں: حدیثِ باب، اس کے متصل حدیثِ جابرؓ :''نهیٰ رسول الله ﷺ أن یُبالَ فی الماء الرّاکد ''اور حدیثِ ابو ہریرہؓ: جس میں اس برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے جس میں کتے نے منہ ڈالا ہو۔ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ ماءِ راکد قلیل مطلق نجاست گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے خواہ احد الاوصاف الثلاثہ متغیر ہو یا نہ ہو۔

جبکہ امام مالکؒ ماءِ راکد قلیل اور کثیر میں کوئی فرق نہیں کرتے اور بہر صورت ناپاک ہونے کے لیے احد الاوصاف الثلاثہ کے تغیر کو شرط قرار دیتے ہیں۔اور اہلِ ظواہر کے ہاں جب تک نجاست بالذات غالب نہ ہو (یعنی ایسا غلبہ نہ ہو جو پانی کی طبعی رقّت اور سیلان کو ختم کر دے) اس وقت تک ماءِ راکد قلیل نجس نہیں ہوگا اگرچہ اوصاف میں تغیر آچکا ہو۔

ان حضرات کا استدلال فصلِ ثانی میں مروی بیر بضاعہ کی حدیث کے اس جملہ سے ہے: ''إنّ الماءَ طهورٌ لاینجّسُه شیءٌ''،یعنی پانی پاک ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں کر سکتا۔ابن ماجہ نے اس حدیث میں یہ اضافہ بھی روایت کیا ہے کہ ''إلّا ما غلبَ علیٰ ریحه و طعمه ولونه ''،یعنی جب نجاست پانی کے رنگ، بو، اور مزے پر غالب آجائے تو پانی نجس ہو جائے گا۔یہاں پانی کے نجس ہونے کے لیے اوصاف

کے تغیر کا تو ذکر ہے لیکن قلیل وکثیر کا کوئی ذکر نہیں۔

جمہور فقہاء کی جانب سے اہلِ ظاہر کے جواب میں بیر بضاعہ کی ابن ماجہ والی روایت پیش کی جاتی ہے اور امام مالکؒ کے استدلال کے کئی جواب دیے جاتے ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) "إنّ الماء لا ینجسه شیء" میں [ماء] سے مراد خاص بیر بضاعہ کا پانی ہے جو کہ ماءِ جاری تھا جیسا کہ امام طحاویؒ نے واقدیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے "کانت بئر بضاعة جاریةً تسقیٰ منه بساتین" یعنی بیر بضاعۃ کا پانی جاری تھا جس سے باغوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔ علامہ واقدی اگر چہ احکام کی احادیث میں ضعیف ہیں لیکن تاریخ میں معتمد اور قوی ہیں اور بیر بضاعہ کا چشمہ دار اور جاری ہونا تاریخی بات ہے۔

(۲) اگر حدیثِ بیر بضاعہ میں ماء یعنی پانی کو عام بھی مان لیں تب بھی دوسری احادیث کے سبب یہ ماء جاری اور ماء کثیر کے ساتھ مقید ہوگا۔

(۳) حدیثِ بیر بضاعہ کی سند میں اضطراب ہے چنانچہ ایک سند میں "عبید اللہ بن عبد اللہ بن رافع بن حدیج" ہے، دوسری میں "عبد اللہ بن عبد اللہ بن رافع بن خدیج" اور تیسری میں "عبد اللہ بن عبد الرحمن ...." اور کہیں "عبید اللہ بن عبد الرحمن ..." ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

نیز عقلاً بھی یہ محال ہے کہ اس حدیث میں جن نجاستوں کے بیر بضاعہ میں گرنے کا ذکر ہے ان سب کے گرنے کے باوجود بھی بیر بضاعہ کا پانی متغیر نہ ہوتا ہو۔ ہاں اگر بیر بضاعہ کے پانی کو کثیر اور جاری مان لیا جائے تو پانی کا متغیر نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ حدیث میں ذکر کی گئی نجاستیں سوال کے وقت بیر بضاعہ میں نہیں ڈالی جاتی تھی بلکہ جاہلیت میں چونکہ ایسا ہوتا تھا، تو ان سابقہ نجاستوں سے پانی کے ناپاک ہونے کا وہم تھا اس وہم کو دور کرنے کے لیے سوال کیا گیا تھا۔

۴۳۶۔ وعن جابرؓ قال: نهیٰ رسولُ اللهِ ﷺ أن یُبالَ فی الماءِ الرّاکدِ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ (مسلم)

وضو کا بچا ہوا پانی پینا جائز ہے:

۴۳۷۔ وعن السائب بن یزیدؓ قال: ذهبتُ بِی خالتِی إلی النبیِّ ﷺ، فقالت: یا رسولَ الله! إنّ ابنَ أختِی وَجِعَ، فمسحَ رأسِی ودعالِی بالبرکةِ ثمّ توضّأ فشربتُ مِن وَضوءِه ثمّ قمتُ خلفَ ظهرِه فنظرتُ الیٰ خاتَمِ النبوّةِ بین کتِفیه مثلَ زرّ الحَجَلة.

ترجمہ: حضرت سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ مجھے میری خالہ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں لے گئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا (یہ) بھانجا بیمار ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے میرے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور میں نے آپ ﷺ کے وضو کا (بچا ہوا یا مستعمل) پانی پی لیا، پھر میں آپ ﷺ کی پشت مبارک کے پیچھے کھڑا ہوا تو آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان (دلہن کے) پلنگ کی گھنڈی کی مانند مہر نبوت کو دیکھ لیا۔ (متفق علیہ)

"الفصل الثانی"

حدیثِ قُلّتین:

۴۳۸۔ عن ابن عمرؓ قال: سئل رسولُ الله ﷺ عن الماءِ یکونُ فی الفلاةِ من الأرضِ وما ینوبُه مِن الدّوابِّ والسِّباعِ فقال:

اذا کانَ الماءُ قُلّتینِ لَمْ یحمِلِ الخُبثَ .[أحمدأبوداؤد،ترمذی،نسائی ،دارمی وابن ماجة،وفی أُخریٰ لأبی داؤدَ:"فإنّه لاینجسُ]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس پانی کے متعلق پوچھا گیا جو جنگل (ویران زمین) میں ہوتا ہے اور نوبت بنوبت چارپائے اور درندے اس پانی پر (پینے کے لیے) آتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: جب پانی دوقلوں (یعنی دومٹکوں) کے بقدر ہوتو وہ ناپاکی کو قبول نہیں کرتا۔(ابوداؤد،ترمذی،نسائی دارمی،ابن ماجہ)ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ وہ پانی نجس نہیں ہوتا۔

پانی کے قلیل وکثیر ہونے کی تعیین میں اختلاف:

تشریح: قوله: إذا كان الماء قلّتين لم يحمل الخبث.... :۔امام مالکؒ کے علاوہ حضرات ائمہ ثلاثہ اس بات پر تو متفق ہیں کہ ماءِ راکد قلیل وقوعِ نجاست سے مطلقاً ناپاک ہوجاتا ہے اور ماءِ راکد کثیر احدالاوصاف الثلاثہ میں تغیر آنے سے ناپاک ہوجاتا ہے،البتہ قلیل وکثیر کی تحدید وتعیین میں ان حضرات کا اختلاف ہے۔چنانچہ شوافع وحنابلہ کے ہاں جب پانی قلّتین (دومٹکوں) کے بقدر ہو یا اس سے زیادہ ہو تو کثیر ہے اور اس سے کم ہو تو قلیل،ان حضرات کا استدلال زیرِ بحث حدیث سے ہے۔

جبکہ حنفیہؒ کے نزدیک پانی کی قلت وکثرت کا دارومدار مبتلیٰ بہٖ (جس کو یہ مسئلہ درپیش ہو) کی رائے پر ہے،وہ جس پانی کو قلیل سمجھے،وہ قلیل ہے اور جس کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے۔لیکن عوام کی سہولت کے لیے عشرٌ فی عشرٍ (دِہ دَردِہ) کا قول کیا گیا ہے جو امام محمدؒ کے ایک قول سے ماخوذ ہے،ان حضرات کا استدلال مِن جملہ دواحادیث سے ہے:

(١) اِنَّ زنجیًاوقعَ فی زمزمَ فمات فأمر ابن عباسؓ فأخرج وأمر بها أن تُنزَح.[دارقطنی]

(٢)عن علیٌّ قال فی بئرٍوقعت فارةٌ فیهافماتتُ قال: تُنزَح.[طحاوی]

حاصل یہ ہے کہ ان دوحدیثوں میں مذکورہ بیر (کنویں) کا پانی باوجود یہ کہ قلتین سے زیادہ تھا لیکن صحابہؓ نے اپنے غلبہ ظن کی بنا پر ان کنوؤں کے پانی کو قلیل قرار دیا اور پاک کرنے کی غرض سے ان کا پانی نکالنے کا حکم دیا۔بیر زمزم کا واقعہ صحابہؓ کے مجمع میں پیش آیا تھا۔

حضرات حنفیہؒ کی جانب سے شافعیہؒ کی مستدل حدیثِ قلتین کے درجہ ذیل کئی جوابات دیے جاتے ہیں:

(١)محدثین کی ایک بڑی جماعت نے حدیثِ قلتین کو روایۃً ودرایۃً ضعیف قرار دیا ہے،لہٰذا یہ حدیث قابلِ استدلال نہیں۔

(٢)یہ حدیث سند،متن،معنیٰ اور مصداق ہر اعتبار سے مضطرب ہے۔چنانچہ سند میں اضطراب اس طرح سے ہے کہ یہ حدیث تین سندوں سے مروی ہے،دوسندوں میں تو اضطراب کے ساتھ ساتھ راوی بھی متکلم فیہ ہے،جبکہ تیسری سند میں موقوف ومرفوع ہونے کا اضطراب ہے۔متن میں اضطراب اس طرح سے ہے کہ بعض روایات میں ''قلتين أو ثلاثاً''بعض میں ''قلتين فما فوق ذلك''اور بعض میں''أربعين قلةً'' وارد ہوا ہے،جبکہ کہیں ''أربعين غربًا'' اور کہیں'' أربعين دلوًا''بھی مروی ہے۔معنیٰ میں اضطراب یوں ہے کہ لفظِ''قلة''عربی لغت میں مٹکا،پہاڑ کی چوٹی،آدمی کا قد وغیرہ کئی معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔مصداق میں اضطراب اس طرح سے ہے کہ قلة کو اگر مٹکے کے معنیٰ میں تسلیم بھی کرلیا جائے تو مٹکے تو چھوٹے بڑے مختلف سائز کے ہوتے ہیں،یہاں کس سائز کا مٹکا مراد ہے؟ان

اضطرابات کے ہوتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کیسے درست ہوسکتا ہے؟۔

(۳) صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ قلتین کے ان الفاظ "لم یحمل الخبث" کا مطلب یہ نہیں کہ یہ پانی نجس نہیں ہوسکتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ پانی کی اتنی مقدار نجاست کا تحمل نہیں کرسکتی لہٰذا پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

حدیثِ بئرِ بضاعہ:

۴۳۹۔وعن أبی سعید الخدریؓ قال: قیل: یا رسولَ الله! أنتوضّأ مِن بئرِ بُضاعة وهیَ بئرٌ یُلقٰی فیه الحِیَضُ ولُحومُ الکلاب والنَّتنُ فقال رسولُ اللهﷺ:اِنّ الماءَ طهورٌ لایُنجّسُه شیٌ .[أحمد،ترمذی،أبو داؤد،نسائی]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ پوچھا گیا: یارسول اللہ! کیا ہم بضاعہ کے کنویں سے وضوکریں؟ (جبکہ) اس میں حیض کے (خون سے آلودہ) کپڑے، کتوں کے گوشت اور گندگی ڈالی جاتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: (اس کنویں کا) پانی پاک ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کرسکتی۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

سمندر کے پانی کا حکم:

۴۴۰۔وعن أبی هریرةؓ قال: سَئَلَ رجلٌ رسولَ الله ﷺفقال: یا رسولَ الله! إنّانرکبُ البحرَ ونحمِلُ معناالقلیلَ مِن الماءِ فإنْ توضّأنابه عطِشناأفَنتوضّأُ بماءِ البحرِ فقال رسولُ اللهﷺ:هو الطَّهورُ ماءُه والحِلُّ میتتُه.[مالك ،ترمذی،أبو داؤد،نسائی]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! ہم سمندر میں (کشتیوں پر) سوار ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا سا (میٹھا) پانی لے کر جاتے ہیں، اگر ہم اس پانی سے وضوکرتے ہیں تو پیاسے رہتے ہیں تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کرسکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔ (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: قوله: سأل رجلٌ.....:۔اس رجل (سائل) کا نام عبداللہ بن صخرہؓ، یا حمید بن صخرہؓ تھا۔

قوله: أفنتوضأ بماء البحر...:۔سمندر کے پانی کے متعلق سوال کرنے کی منشأ یا تو یہ تھی کہ اس میں سمندری حیوانات مرتے رہتے ہیں یا یہ کہ اس کا ذائقہ، رنگ اور بو متغیر ہوتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں اس سے وضوکرنا درست ہے؟ جبکہ مذکورہ وجوہ سے ناپاکی کا شبہ ہوتا ہے۔

قوله: هو الطهورُ ماءُه والحلّ میتته...:۔"هو الطهور ماء ه" سے آپ ﷺ نے ماءالبحر کے استعمال کی عام اجازت مرحمت فرمائی اور "الحلّ میتته" سے اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ سمندر میں مرنے والے حیوانات سبب نجاست ہے، اس صورت میں "الحل" طاہر کے معنیٰ میں ہوگا۔ اور اگر اس کو حلال کے معنیٰ میں لیا جائے تو اس جملہ کا اضافہ آپ ﷺ کی جانب سے ازراہِ شفقت ہوگا کیونکہ سمندر میں سفر کرنے والے کو جیسے سادہ پانی کی کمی کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے ویسے ہی کبھی کبھار توشہ بھی کم پڑ جاتا ہے لہٰذا ارشاد فرمایا کہ سمندر کا میتہ حلال ہے۔

قوله: والحلّ میتته...:۔مچھلی کے علاوہ دیگر سمندری حیوانات کے حلال وحرام ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے جو درج ذیل ہے:

چنانچہ امام مالکؒ کے ہاں سمندری خنزیر کے علاوہ تمام سمندری جانور حلال ہیں۔

امام احمدؒ کے ہاں مگرمچھ، مینڈک اور سمندری انسان کے علاوہ تمام سمندری جانور حلال ہیں۔

امام شافعیؒ کے نزدیک صحیح روایت کے مطابق مینڈک کے ماسوا تمام بحری جانور حلال ہیں۔ یہ سب حضرات اس حدیث کے زیرِ بحث حصہ سے استدلال کرتے ہیں۔

جبکہ حضرات حنفیہؒ کے نزدیک مچھلی کے علاوہ تمام سمندری جانور حرام ہیں۔ یہ حضرات ارشادِ باری تعالیٰ: "ویحرّم علیهم الخبائث" سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ مچھلی کے علاوہ تمام سمندری جانور خبائث کے ذیل میں آتے ہیں، اس لیے حرام ہوں گے اور جہاں تک مذکورہ حدیث کا تعلق ہے تو یہ حضرات اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس حدیث میں " میتة" سے مراد مچھلی ہی ہے جیسا کہ ابنِ عمرؓ کی روایت میں اس کی تفسیر مذکور ہے۔ ایسے ہی اگر "الحلّ" کو طاہرؔ کے معنیٰ میں لیا جائے تب بھی ائمہ ثلاثہؒ کا اس حدیث سے استدلال تام نہ ہوگا۔ حلت بمعنیٰ طہارت مستعمل بھی ہے اور سیاقِ حدیث کے مناسب بھی۔ کیونکہ سائل کو یہ شبہ تھا کہ چونکہ سمندر میں بحری جانور مرتے رہتے ہیں اس لیے اس کا پانی ناپاک ہوگا تو آپ ﷺ نے اس شبہ کے ازالہ کے لیے فرمایا کہ "والحلّ میتته" یعنی سمندر کے میتات پاک ہیں اس سے پانی نجس نہ ہوگا اور پاک ہونا حلال ہونے کو لازم نہیں یعنی ہر چیز جو پاک ہو ضروری نہیں کہ وہ حلال بھی ہو۔

نبیذ سے وضو کا مسئلہ:

٤٤١۔ وعن أبي زيدٍ عن عبدالله بن مسعودٍؓ أنّ النبي ﷺ قال له ليلةَ الجنِّ: ما في أداوتِك؟ قلتُ: نبيذٌ قال: تمرةٌ طيبةٌ وماءٌ طهورٌ. [أبوداؤد] وزاد أحمدُ والترمذيُّ "فتوضأَ منه" وقال الترمذي: أبوزيدٍ مجهولٌ وصحَ عن علقمة عن عبدالله بن مسعودؓ قال: لم أكنْ ليلةَ الجنِّ معَ رسولِ الله ﷺ. [رواه مسلم]

ترجمہ: ابوزیدؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اُن سے لیلۃ الجن میں فرمایا کہ تیری چھاگل میں کیا ہے؟ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ نبیذ (کھجور کا شربت) ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھجور پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا ہے۔ (ابوداؤد) اور احمد اور ترمذی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اُس سے وضو کیا اور ترمذیؒ کا کہنا ہے کہ ابوزید مجہول ہے اور علقمہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں لیلۃ الجن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں تھا۔ (مسلم)

تشریح: قوله: قلت: نبيذٌ، قال: تمرةٌ طيبةٌ وماءٌ طهورٌ.... وزاد أحمد والترمذي فتوضأمنه....: یہاں نبیذِ تمر سے وضو کے جواز وعدمِ جواز کے متعلق بحث ہوئی ہے کہ پانی کی عدم موجودگی میں اس سے وضو کیا جائے یا تیمم کیا جائے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے: چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کی مشہور روایت کے مطابق ایسی صورت میں نبیذِ تمر سے وضو کیا جائے تیمم نہ کیا جائے، جبکہ ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں تیمم کیا جائے وضو نہ کیا جائے اور امام محمدؒ کے ہاں وضو بھی کیا جائے اور تیمم بھی۔

امام صاحبؒ کا استدلال زیرِ بحث حدیث سے ہے، اس پر مشکوٰۃ میں درج ذیل دو اعتراض کیے گئے ہیں:

(١) قال الترمذي: أبو زيد مجهول. یعنی اس حدیث کے ایک راوی ابوزید مجہول ہیں۔

(٢) وصحّ عن علقمه عن عبدالله بن مسعود قال: لم أكن مع رسول الله ﷺ ليلة الجن. یعنی علقمہ سے مروی ہے کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں لیلۃ الجن میں آپ ﷺ کے ساتھ نہیں تھا۔ علقمہ کی سند سے مروی حضرت ابن مسعودؓ کی یہ روایت زیرِ بحث روایت کے

معارض ہے۔

امام صاحبؒ کی جانب سے پہلے اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابوزید مجہول الوصف والعدالۃ ہے نہ کہ مجہول الذات۔ اور مجہول الوصف کی روایت متابع ہونے کی صورت میں معتبر ہوتی ہے اور یہاں ابوزید کے چودہ متابعین ہیں جو اس روایت کو ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں لہٰذا یہ روایت معتبر ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ چھ مرتبہ پیش آیا اور ابن مسعودؓ صرف دو مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے، لہٰذا ممکن ہے کہ علقمہؒ کی روایت میں ان دو مرتبہ کے علاوہ باقی چار مواقع پر معیت کی نفی ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عین تبلیغ کے موقع پر معیت کی نفی کی گئی ہو۔ چونکہ بعد میں امام صاحبؒ نے جمہور کے قول کی طرف رجوع کرلیا اس لیے نزاع ہی ختم ہوگیا۔ اب اس حدیث کو آیت "فلم تجدوا ماءً فتیمّموا صعیدًا طیبًا" سے منسوخ مانا جائے گا۔ (مرآۃ، لمعات)

سورِ ہرہ (بلی کا جوٹھا) پاک ہے یا ناپاک؟:

٤٤٢۔ وعن كبشةَ بنتِ مالكٍؓ وكانت تحتَ ابن أبي قتادةَ أن أبا قتادةَ دخلَ عليها فسكبتُ له وَضوءً فجائتْ هرةٌ تشربُ منه فأصغىٰ لها الإناءَ حتىٰ شربتْ قالتْ كبشةُ: فراني أنظرُ اليه فقال: أتعجبينَ يا ابنةَ أخي! قالت: فقلتُ: نعم! فقال: إنّ رسولَ اللهِ ﷺ قال: إنّها ليستْ بنجسٍ إنّها مِن الطوّافين عليكم أو الطوّافات. [مالك، أحمد، ترمذی، أبو داؤد، نسائی]

ترجمہ: کبشہ بنت مالکؓ جو ابوقتادہؓ کے بیٹے کی بیوی تھی سے مروی ہے کہ (ان کے سسر) ابوقتادہؓ ان کے پاس آئے۔ اس (کبشہؓ) نے ان کے لیے وضو کا پانی ڈالا۔ ایک بلی آئی اور اس میں سے پینے لگی، ابوقتادہؓ نے اس کے لیے برتن کو جھکا دیا یہاں تک کہ اس (بلی) نے پانی پی لیا، کبشہؓ کہتی ہیں کہ ابوقتادہؓ نے مجھے ان کی طرف (تعجب سے) دیکھتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ اے میری بھتیجی! کیا تجھے اس پر تعجب ہو رہا ہے۔ کبشہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ ہاں! (یہ سن کر) ابوقتادہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک بلی ناپاک نہیں، وہ تو تمہارے پاس آنے جانے والوں میں سے ہے یا فرمایا کہ آنے جانے والیوں میں سے ہے۔ (مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: قوله: إنّ رسولَ الله ﷺ قال: إنّها ليست بنجسٍ إنّها من الطوافين عليكم والطوافات...: ۔ یہاں سؤرِ ہرہ کے متعلق فقہاء کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے، چنانچہ ائمہ ثلاثہؒ اور امام ابو یوسفؒ سؤرِ ہرہ کو بلا کراہت پاک مانتے ہیں حدیثِ باب اور اس کے متصل داؤد بن صالح کی حدیث سے ان حضرات کا استدلال ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ سؤرِ ہرۃ کو کراہت کے ساتھ پاک مانتے ہیں، پھر امام طحاویؒ نے علتِ کراہت گوشت کی حرمت کو قرار دیا ہے جو کراہتِ تحریمی کی طرف مشیر ہے اور امام کرخیؒ نے نجاست سے نہ بچنے کی بنا پر توہمِ نجاست کو کراہت کی علت بتایا ہے جس سے کراہت کا تنزیہی ہونا معلوم ہوتا ہے، راجح یہی قول ہے۔

یہ حضرات کراہت کے اثبات کے لیے ان تمام احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں بلی کا جھوٹا گرانے اور برتن کو ایک یا دو مرتبہ دھونے کا حکم ہے مثلاً: اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی مروی تمام مرفوع وموقوف احادیث، ایسے ہی یہ حدیثِ مرفوع: "الهرة سبع." (طحاوی)

حضرات حنفیہ کی جانب سے ائمہ ثلاثہؒ کی مستدل حدیثِ باب کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں نجاست کی نفی ہے جس کے ہم قائل ہیں اور کراہت کو ہم دیگر احادیث سے ثابت کرتے ہیں۔ (فحات)

حضرت عائشہؓ کا بلی کا جوٹھا کھانا:

۴۴۳۔ وعن داؤد بن صالح بن دینارؒ عن أمّه أنّ مولتها أرسلتها بهريسةٍ إلىٰ عائشةؓ قالت: فوجدتُها تُصلّي فأشارتْ اليّ أن ضَعِيها فجاءتْ هرّةٌ فأكلتْ منها فلمّا انصرفتْ عائشةُ مِن صلوٰتِها أكلتْ مِن حيثُ أكلتِ الهرّةُ فقالت: إنّ رسولَ اللهِ ﷺ قال: إنّها ليستْ بنجسٍ إنّها مِن الطوّافينَ عليكم وإنّي رأيتُ رسولَ اللهِ ﷺ يتوضّأُ بفضلِها. [أبو داؤد]

ترجمہ: داؤد بن صالح بن دینار اپنی والدہ سے نقل کرتا ہے (وہ کہتی ہیں) کہ اس کی مالکن نے اسے ہریسہ (ایک قسم کا کھانا) دے کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا، انہوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ اس کو رکھ دے (اتنے میں) ایک بلی آئی اور اس (ہریسہ) میں سے کھانے لگی جب حضرت عائشہؓ نماز سے فارغ ہوگئی تو جہاں سے بلی نے کھایا تھا اسی جگہ سے کھانے لگی اور کہنے لگی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلی ناپاک نہیں کیونکہ وہ تمہارے اوپر چکر لگانے والوں میں سے ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ بلی کے جوٹھے سے وضو فرما رہے ہیں۔ (ابوداؤد)

سورِ حمار (گدھے کا جوٹھا) کی بحث:

۴۴۴۔ وعن جابرؓ قال: سئل رسول الله ﷺ أنتوضأ بما أفضلتِ الحُمُرُ؟ قال: نعم! وبما أفضلتِ السباعُ كلُّها. [شرح السنة]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم گدھوں سے بچے ہوئے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! اور تمام درندوں کے چھوڑے ہوئے پانی سے بھی (وضو کیا جا سکتا ہے)۔ (شرح السنہ)

تشریح: قوله: أنتوضأ بما أفضلت الحمر؟ قال: نعم!...: ۔ یہاں حمرِ اہلیہ (پالتو گدھے) کے جوٹھے کے متعلق فقہاء کے مذاہب ذکر کیے جاتے ہیں جو درجہ ذیل ہیں:

ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں حمرِ اہلیہ کا جوٹھا پاک ہے اور اس کی طہارت میں کوئی شک نہیں، زیرِ بحث حدیث، اس کے علاوہ حدیثِ غالب بن ابجرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت جو لحم حمار یعنی گدھے کے گوشت کی حلت و طہارت پر دال ہے، ان حضرات کی مستدل ہیں۔

جبکہ حنفیہؒ کے نزدیک حمرِ اہلیہ کا جوٹھا مشکوک ہے یعنی اس کی پاکی اور ناپاکی میں شک ہے۔ پھر بعض علمائے حنفیہؒ کے نزدیک شک کا مدار احادیث و آثارِ موقوفہ میں گدھوں کے گوشت اور جوٹھے کے متعلق پائے جانے والے تعارض پر ہے، چنانچہ حدیثِ باب، حدیثِ غالبؓ اور حدیثِ ابن عباسؓ کی روایات حلت و طہارت کی متقاضی ہیں، جبکہ ابن عمرؓ کی روایت "نهى النبيُّ ﷺ عن لحوم الحُمر الأهلية يومَ خيبر" (بخاری) یعنی خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔ ایسے ہی خیبر کے موقع پر آپ ﷺ کا بذریعہ منادی گدھوں کے گوشت کے بارے میں یہ اعلان کروانا کہ "فإنّها رجس" (یعنی یہ گوشت ناپاک ہے) اور گوشت کی ہانڈیاں گرانا اس بات کی دلیل ہے کہ گدھوں کا گوشت حرام ہے اور اس کا جوٹھا ناپاک۔

جبکہ شیخ الاسلام خواہرزادہؒ مشکوک ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا دارومدار ضرورت کے تحقق پر ہے اور سؤرِ حمار میں یہ ضرورت من وجہٍ متحقق ہے کہ گدھوں کو گھروں میں پالا جاتا ہے اور گھر کے برتنوں میں ان کو پانی پلایا جاتا ہے، اور من وجہٍ ضرورت متحقق نہیں کیونکہ یہ ضرورت اس درجہ کی نہیں جس درجہ کی بلی چوہے وغیرہ میں ہے کہ ان سے برتنوں کے بچانے میں حرج ہے جبکہ یہاں یہ حرج نہیں لہٰذا سؤرِ حمار کی پاکی وناپاکی مشکوک رہے گی۔

درندوں کا جوٹھا پاک ہے یا ناپاک؟:

قوله: وبما أفضلت السباع كلها.....اس ارشادِ نبوی سے ائمہ ثلاثہؒ سؤرِ سباع (درندوں کے جوٹھے) کی طہارت کے قائل ہوئے ہیں بجز کلب وخنزیر کے کہ ان دونوں کا جوٹھا بالاتفاق ناپاک ہے۔

جبکہ حضرات حنفیہؒ سؤرِ سباع کے نجس ہونے کے قائل ہیں۔ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱)حدیثِ قلتین (جو ماءِ قلیل وکثیر کی تحدید میں شوافع کی مستدل ہے)اس حدیث میں دواب وسباع کے پانی پر آنے کا ذکر ہے اگر سؤرِ سباع پاک ہوتا تو یہ کہنے کی کیا حاجت تھی کہ پانی جب دو قلے ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا۔

(۲)اسی باب کی فصلِ ثالث کی پہلی روایت جس میں مذکور ہے کہ سفر کے موقع پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے ایک حوض کے مالک سے سوال کیا "هل تردُ حوضَكَ السباع؟" یعنی کیا آپ کے حوض پر درندے آتے ہیں؟۔یہ سوال اس بات کی دلیل ہے کہ سؤرِ سباع ناپاک ہے۔ باقی اس پر حضرت عمرؓ کا یہ کہنا "یاصاحب الحوض! لا تُخبرنا "اس لیے تھا کہ اس حوض کا پانی کثیر تھا اور اس کے اوصاف میں تغیر نہیں ہوا تھا لہٰذا سوال وجواب کی حاجت ہی نہیں تھی لیکن اگر صاحب الحوض ورودِ سباع کی خبر دے دیتا تو اس پانی سے طبعی نفرت پیدا ہو جاتی جس سے ناگواری ہوتی، گو شرعاً وہ پاک ہوتا۔

حضرات حنفیہؒ کی جانب سے ائمہ ثلاثہؒ کو حدیثِ باب کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث ماءِ کثیر پر محمول ہے جیسا کہ فصل ثالث میں مروی حدیثِ ابی سعید خدریؓ کو ائمہ ثلاثہؒ ماءِ کثیر پر محمول کرتے ہیں جس میں "تردُها السباعُ والكلابُ والحُمرُ" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں کیونکہ اس میں کلاب (کتوں) کا بھی ذکر ہے جس کا جوٹھا بالاتفاق نجس ہے اور حنفیہؒ اس حدیث کے قرینہ سے حدیث باب میں بھی یہی تاویل کرتے ہیں۔(نفحات، مرآۃ)

آٹے کے اثر والے طشت میں غسل کرنا:

٤٤٥۔وعن أُمّ هانئٍ قالت: اغتسلَ رسولُ اللهِ ﷺ هو وميمونةُ في قَصْعَةٍ فيها أثرُ العَجِينِ.[ابن ماجة]

ترجمہ:حضرت ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت میمونہؓ نے ایک ایسے طشت میں غسل فرمایا کہ جس میں گندھے ہوئے آٹے کا اثر تھا۔(نسائی، ابن ماجہ)

"الفصل الثالث"

٤٤٦۔عن يحيىٰ بن عبد الرحمٰن قال: إنّ عمرؓ خرجَ في ركبٍ فيهم عمرُو بنُ العاصؓ حتىٰ وَرَدُوا حوضًا فقال

عمرُ:یاصاحبَ الحوضِ!ھلْ ترِدُ حوضَك السباعُ؟فقال عمرُ بن الخطاب:یاصاحبَ الحوضِ !لاتُخبرُنافإنّانرِدُ علی السباعِ وتـرِدُ عـلینـا.[مـالك]وزاد رزیـن: قـال بـعـضُ الرُّواۃِفی قولِ عمر:"وإنّی سمعتُ رسولَ اللهﷺیقول: لھا ماأخذتْ فی بطونِھاوماَبقِی فھولناطَھورٌ وشرابٌ.

ترجمہ:یحییٰ بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک قافلہ میں نکلے جس میں حضرت عمرو بن العاصؓ بھی تھے ، یہاں تک کہ ایک حوض(تالاب) پر پہنچے تو عمرو بن العاصؓ نے (حوض کے مالک سے) پوچھا کہ اے حوض والے! کیا آپ کے تالاب پر (پانی پینے کے لیے) درندے بھی آتے ہیں؟ (یہ سن کر) حضرت عمرؓ نے کہا کہ اے تالاب کے مالک! ہم کو اس بارے میں کچھ نہ بتاؤ کیونکہ ہم درندوں (کے گھاٹ) پر (پانی کے واسطے) آتے ہیں اور درندے ہم پر آتے ہیں۔(روایہ مالک) اور رزین نے یہ اضافہ کیا ہے کہ بعض راوی حضرت عمرؓ کے قول میں یہ اضافہ نقل کرتے ہیں:"اور میں رسول اللہﷺ کو یہ فرماتے سن چکا ہوں کہ وہ پانی جو درندے اپنے پیٹ میں لے جائیں اُن کا ہے اور جو باقی رہ جائے تو وہ ہمارے واسطے پاک کرنے والا اور پینے کے لائق ہے۔

۴۴۷۔وعن أبی سعیدٍ الخدریّؓ أنّ رسولَ اللهﷺ سُئِلَ عن الحیاضِ الّتی بینَ مکۃَ والمدینۃِ ترِدُھاالسباعُ والکلابُ والحُمرعن الطُّھرِ منھا فقال:لھا ماحملتْ فی بطونِھاولناماغبرَ طَھورٌ.[ابن ماجۃ]

ترجمہ:حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہﷺ سے اُن تالابوں کے بارے میں پوچھا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں اور اُن پر درندے، کتے اور گدھے (پانی پینے کے لیے) آتے رہتے ہیں، (آیا) اِن تالابوں سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے؟ آپﷺ نے فرمایا: جو پانی وہ (جانور) اپنے پیٹوں میں لے جائے وہ اُن کا ہے اور جو باقی رہ جائے وہ ہمارے لیے پاک کرنے والا ہے۔(ابن ماجہ)

۴۴۸۔عن عمر بن الخطابؓ قال: لا تغتسِلُوا بالمآءِ المُشَمَّسِ فإنّہ یُورِثُ البرصَ.[دارقطنی]

ترجمہ:حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دھوپ میں گرم ہونے والے پانی سے مت نہاؤ کیونکہ یہ برص (ایک بیماری) کا باعث ہے۔(دارقطنی)

(بابُ تطھیرِ النّجاساتِ)

"الفصل الاوّل"

سورِ کلب کی پاکی ناپاکی کا مسئلہ:

۴۴۹۔عن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسولُ الله :إذاشرِب الکلبُ فی إناءِ أحدِکم فلیغسِلْہ سبعَ مَرّاتٍ .[متفق علیہ]وفی روایۃٍ لمسلمٍ:قال: طھورُ اِناءِ أحدِکم اذاولَغَ فیہ الکلبُ أن یغسِلہ سبعَ مرّاتٍ أُولٰھنّ بالتراب.

ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی لے تو چاہیے کہ اس برتن کو سات مرتبہ دھوئے۔(متفق علیہ) اور مسلم کی روایت میں ہے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے برتن میں جب کتا منہ ڈال دے تو اس کا پاک ہونا یہ

ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھوئے، نیز پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ (دھوئے)۔

تشریح: قوله: إذاشرب الكلب في إناء أحدكم فليغسله سبع مرّات..... یہاں دو مختلف فیہ مسئلے ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) یہ کہ سؤر کلب نجس ہے یا نہیں؟ (۲) تسبیع وتثلیث (اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈالے تو اُس کو سات بار دھونا واجب ہے یا تین بار؟)

(پہلے مسئلہ میں) امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سؤرِ کلب کی نجاست پر متفق ہیں۔ حدیثِ باب ان حضرات کی دلیل ہے۔ جبکہ امام مالکؒ سے اس بارے میں چار اقوال منقول ہیں:

(۱) مثل ائمہ ثلاثہؒ کے ناپاک ہونے کا قول ہے۔

(۲) پاک ہونے کا قول ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ جن کتوں کے پالنے کی اجازت ہے صرف ان کا جوٹھا پاک ہے۔

(۴) چوتھا قول یہ کہ شہری کتے کا جوٹھا پاک اور دیہاتی کا ناپاک ہے۔

امام مالکؒ سؤرِ کلب کے پاک ہونے کے لیے فصلِ ثالث میں مروی ابن عمرؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جو یہ ہے کہ "كانت الكلابُ تُقبِل و تُدبِرُ في المسجدِفي زمانِ رسولِ اللهﷺفلم يكونوا يرشُّون من ذلكَ"۔

جمہور فقہاء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہی روایت بعض طرق میں "تبول" کی زیادتی کے ساتھ یوں مروی ہے:" كانت الكلاب تبول و تقبل ...." اس صورت میں "فلم يكونوا يرشّون من ذلك" کا جو جواب امام مالکؒ کی طرف سے دیا جاتا ہے وہی جواب جمہور کی طرف سے امام مالکؒ کو سؤر کلب کے مذکورہ مسئلہ میں دیا جاتا ہے۔

تسبیع وتثلیث کا مسئلہ:

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس برتن کی طہارت کے لیے تسبیع یعنی سات مرتبہ دھونا واجب ہے یا نہیں؟۔ چنانچہ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے ہاں تسبیع واجب ہے، البتہ امام مالکؒ کے ہاں تسبیعِ غسل کا حکم تعبدی ہے بنابر نجاست نہیں کیونکہ آپؒ سؤرِ کلب کی نجاست کے قائل ہی نہیں ہیں اور آپؒ کی نجاست والی روایت کے مطابق بھی سؤرِ کلب کو اس وقت تک نجس نہیں کہہ سکتے جب تک پانی کے احدالاوصاف الثلاثہ میں تغیر نہ آیا ہو کیونکہ آپؒ کے نزدیک نجاستِ ماء کے لیے احدالاوصاف کا متغیر ہونا شرط ہے اور کتے کے منہ ڈالنے سے یہ تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ تسبیع کے حوالے سے ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیثِ باب ہے۔

حضرات حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ برتن میں کتے کے منہ ڈالنے کی صورت میں تثلیثِ غسل یعنی تین مرتبہ دھونا واجب ہے اور تسبیع مستحب ہے۔ ان حضرات کی دلیل کامل ابن عدی میں مروی حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ مرفوع حدیث ہے:"قال رسول اللهﷺ:إذا ولَغَ الكلبُ في إناءِ أحدِكم فليُهرِقْهُ و لِيغسله ثلاثَ مراتٍ" یعنی جب کتا کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اس سے پانی وغیرہ کو گرادے اور تین مرتبہ اس کو دھولے۔ نیز حضرت ابو ہریرہؓ کی موقوف روایت جسے سننِ دارقطنی نے نقل کیا ہے:"عن أبي هريرةؓقال: إذاولغ الكلب في الإناء فأهرقه ثمّ اغسله ثلاثَ مراتٍ"۔

ائمہ ثلاثہ کی مستدل زیرِ بحث حدیثِ ابو ہریرہؓ کے کئی جواب حنفیہؒ کی جانب سے دیے گئے ہیں:

(۱) یہ روایت یا منسوخ ہے یا استحباب پر محمول ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کا خود تثلیث کی روایت بیان کرنا اور تسبیع کو چھوڑ کر تثلیث پر عمل کرنا اس بات کی قوی دلیل ہے، کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب راوی صحابی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو یہ اس روایت کے منسوخ یا مؤول ہونے کی علامت ہوتی ہے۔

(۲) یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ تسبیع کا حکم طبی حیثیت سے دیا گیا ہے اور تثلیث کا حکم شرعی حیثیت سے، کیونکہ کتے کے لعاب میں زہریلے اثرات ہوتے ہیں جن کو زائل کرنے کے لیے تسبیع اور مٹی سے مانجھنا تجویز کیا گیا۔

قولہ: أولٰهنّ بالتراب:۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اس کو مٹی سے مانجھنا واجب ہے، دلیل حدیث کا مذکورہ جملہ ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ہاں مٹی سے دھونے کا حکم طبی مصلحت پر یا استحباب پر محمول ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

۴۵۰۔وعنہ قال: قام أعرابی فبالَ فی المسجدِفتناولَه الناسُ، فقال لهم النبیُّ ﷺ:دَعُوه وهَرِیقُوا علیٰ بوله سَجلاً مِن ماءٍ أوذَنوبًا مِن ماءٍ فإنّما بُعِثتُم مُیَسِّرین ولم تُبعَثوامُعَسِّرین.[بخاری]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی کھڑے ہوئے اور مسجد میں پیشاب کر دیا لوگ اس کو پکڑنے لگے تو نبی پاک ﷺ نے اُن سے کہا کہ اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو، تم لوگ آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو اور تنگی کرنے والے نہیں بنا کر بھیجے گئے۔ (بخاری)

زمین کی تطہیر کے طریقے:

تشریح: قولہ: فقال لهم النبیُّ :دَعُوه ....: ۔آپ ﷺ نے ''دَعُوه'' فرمایا (یعنی اس اعرابی کو پیشاب کرنے دو) اور اس کو پیشاب کرنے سے نہیں روکا تاکہ اچانک پیشاب روکنے سے اس کو کوئی بڑی تکلیف لاحق نہ ہو جائے۔

قولہ: وهریقوا علیٰ بوله سجلاً من ماءٍ .....:۔اس حدیث میں پانی سے ناپاک زمین کو پاک کرنے کا ذکر ہے۔ ائمہ ثلاثہؒ اس سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ناپاک زمین صرف پانی ہی سے پاک ہوگی۔

جبکہ حنفیہؒ کے ہاں ناپاک زمین پانی کے علاوہ تشمیس (دھوپ لگنے سے) حفر (ناپاک مٹی کو کھود کر پھینکنے سے) اور القائے تراب (اوپر پاک مٹی ڈالنے سے) بھی پاک ہوسکتی ہے۔ ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابن عمرؓ کی روایت: "کانت الکلابُ تبولُ وتُقبلُ وتُدبرُ فی المسجدفلم یکونوا یرشُّون شیئًامِن ذلك" (ابوداؤد) یعنی مسجدِ نبوی میں کتے آجایا کرتے، پیشاب بھی کر لیتے اُس پر صحابہ پانی وغیرہ نہیں بہایا کرتے تھے۔

(۲) حضرت عائشہؓ اور حضرت محمد بن حنفیہؒ کی موقوف روایت: ''زکوۃُ الأرض یبسُها'' یعنی زمین کا خشک ہونا اس کا پاک ہونا ہے۔

حضرات احنافؒ ائمہ ثلاثہ کی مستدل زیرِ بحث باب کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آپ ﷺ کا زمین کی پاکی کے لیے پانی کو اختیار کرنا یا تو اس وجہ سے تھا کہ نماز کا وقت قریب تھا اور اتنی جلدی خشک ہو کر پاک ہونے کی امید نہیں تھی یا اس وجہ سے تھا کہ پانی سے پاک کرنا بنسبت

دوسرے طریقوں سے اعلیٰ ہے، بہرحال پانی کے ذریعہ سے تطہیر دوسرے طریقوں سے تطہیر کی نفی نہیں کرتا۔(نفحات، مرآۃ)

مسجدِ نبوی میں ایک اعرابی کے پیشاب کا واقعہ:

٤٥١ـوعن أنسٍؓ قال: بينـما نحنُ في المسجد مع رسول اللهﷺ إذجاءَ أعرابيٌّ فقام يبولُ في المسجدِ فقال أصحابُ رسولِ اللهﷺ: مَهْ مَهْ ،فقال رسولُ اللهﷺ :لاتُزْرِمُوه دَعُوه فترَكُوه حتىّٰ بال ثمّ إنّ رسولَ اللهﷺ دعاه فقال: إنّ هذه المساجدَ لاتصلُحُ لشئٍ مِن هذا البولِ والقَذرِ وإنّما هي لذكرِ الله والصلوٰة وقراءَةِ القرآنِ .[أو كماقال رسولُ اللهﷺ] قال: وأمرَ رجلاً مِن القومِ فجاءَ بدلوٍ مِن ماءٍ فسَنّه عليه.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس اثنا میں کہ ہم مسجد میں رسول اللہﷺ کے ہمراہ تھے اچانک ایک اعرابی آیا اور مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا (یہ دیکھ کر) صحابہؓ کہنے لگے کہ رُک جا، ایسا مت کر۔ آپﷺ نے فرمایا: اس کا پیشاب بند مت کرو اس کو (پیشاب کرنے) چھوڑ دو۔ صحابہؓ نے اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ پیشاب کر چکا۔ پھر آپﷺ نے اسے بلا کر فرمایا کہ یہ مساجد پیشاب اور گندگی کے لائق نہیں ہیں بلکہ یہ تو اللہ کی یاد، نماز اور قرآن پڑھنے کے لیے ہیں، یا جیسا کہ آپﷺ نے فرمایا (یعنی راوی کو شک ہے کہ ایسا ہی فرمایا یا کچھ اور فرمایا) انسؓ کہتے ہیں: اور آپﷺ نے قوم میں سے ایک شخص کو حکم دیا چنانچہ وہ پانی کا ایک ڈول لے کر آیا اور اس (پیشاب) پر بہا دیا۔(متفق علیہ)

حیض لگے ہوئے کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ:

٤٥٢ـوعن أسماء بنت أبي بكرؓ قالت: سألتْ امرءةٌ رسولَ اللهﷺفقالتْ: أرأيتَ إحداناإذاأصابَ ثوبَها الدمُ مِن الحيضةِ كيفَ تصنعُ؟فقال رسول اللهﷺ :اذاأصابَ ثوبَ اِحداكنّ الدمُ من الحَيضةِ فلْتَقْرُصْه ثمّ لِتَنْضَحْه بماءٍ ثمّ لِتُصَلّ فيه.

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہﷺ سے پوچھا، کہنے لگی کہ یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ ہم میں سے اگر کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ آپﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو چاہیے کہ (پہلے) اُسے چٹکیوں سے ملے، پھر پانی کے ساتھ دھولے، پھر اس میں نماز پڑھے (متفق علیہ)

تشریح: قولها:سألتْ امرأةٌ رسول اللهﷺ،فقالت: أرأيت إحدانا إذا أصاب ثوبها الدمُ .....:۔سوال کا منشأ یہ تھا کہ جس طرح خشک منی میں فرک (کھرچنے) کی اجازت ہے، غَسل (دھونا) ضروری نہیں ایسے ہی دمِ حیض میں بھی یہ سہولت موجود ہے یا نہیں؟ جبکہ دونوں موجبِ غسل بھی ہے اور دونوں میں ابتلا بھی ہے۔

قوله: إذا أصاب ثوب إحداكنّ الدم من الحيضة،فلتقرصه ثمّ لتنضحه...:۔"لتقرصه" قرصٌ سے ماخوذ ہے بمعنیٰ انگلیوں میں ملنا۔ آپﷺ نے دمِ حیض میں "فرک" کی اجازت نہیں دی کیونکہ منی کے مقابلہ میں دمِ حیض زیادہ غلیظ اور شدید نجس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خروجِ منی سے غسل تو واجب ہوتا ہے لیکن نماز، روزہ کے وجوب میں کوئی فرق نہیں آتا جبکہ دمِ حیض سے وجوبِ غسل کے ساتھ ساتھ نماز بھی ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور روزہ میں بھی تأخیر کرنی پڑتی ہے یہاں "لتنضحه" سے بالاتفاق غَسل (دھونا) مراد ہے۔

منی کودھوکر کپڑا پاک کرنا:

۴۵۳۔وعن سلیمان بن یسارٍ قال: سألتُ عائشةَ عن المَنِیِّ یُصیبُ الثوبَ فقالتْ :کنتُ أغسِلُه مِن ثوبِ رسولِ اللهﷺفیخرُجُ الی الصلوٰۃِ و أثرُ الغَسلِ فی ثوبِه.[متفق علیه]

ترجمہ:حضرت سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے منی کے بارے میں پوچھا جو کپڑے کو لگ جاتی ہے۔آپؓ نے جواب دیا کہ میں نبی پاکﷺ کے کپڑے سے منی کودھویا کرتی تھیں، چنانچہ آپﷺ نماز کے لیے اس حال میں تشریف لے جاتے کہ دھونے کا اثر (گیلاپن) آپﷺ کے کپڑے میں باقی رہتا۔(متفق علیہ)

منی نجس ہے یا پاک؟:

تشریح: قوله: فقالت: کنت أغسله من ثوب رسول اللهﷺ.....:منی نجس ہے یا کہ پاک؟ یہاں اس حوالے سے فقہاء کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے جو درج ذیل ہے:

چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک منی نجس ہے۔زیرِ بحث حدیث ان حضرات کی دلیل ہے،جس میں منی کے متعلق سوال کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ آپﷺ کے کپڑوں سے منی دھویا کرتی تھی۔قیاس بھی ان ائمہؒ کی مؤید ہے، کیونکہ مرد کی شرمگاہ سے نکلنے والی دوسری چیزیں مثلاً پیشاب، مذی اور ودی بالاتفاق نجس ہیں حالانکہ وہ حدثِ اصغر کا سبب ہے تو پھر منی جو حدثِ اکبر کا موجب ہے بطریقِ اولیٰ نجس ہوگی۔

البتہ حنفیہؒ کے نزدیک منی اگر خشک ہو جائے تو اس میں بغرضِ طہارت فرک یعنی کھرچنا بھی کافی ہے جبکہ مالکیہؒ کے ہاں بہرحال دھونا ضروری ہے خواہ منی خشک ہو یا تر۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہاں منی پاک ہے۔حدیثِ باب کے متصل حضرت عائشہؓ کی صحیح مسلم والی روایت ان حضرات کی دلیل ہے:"قالت کنتُ أفرَكُ المَنِیّ من ثوبِ رسول اللهﷺثم یصلّی فیه"یعنی میں آپﷺ کے کپڑوں سے منی کو کھرچ لیا کرتی تھی پھر آپﷺ اُسی کپڑوں میں نماز پڑھتے۔وجہِ استدلال یہ ہے کہ فرک(یعنی کھرچنے)سے تقلیلِ نجاست تو ہو جاتی ہے لیکن نجاست کا مکمل ازالہ نہیں ہوتا بلکہ نجاست کے کچھ اجزاء باقی بھی رہ جاتے ہیں،اب ایسے کپڑوں میں رسول اللہﷺ کا نماز ادا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ منی پاک ہے۔حضرت ابن عباسؓ کی حدیث بھی ان حضرات کی دلیل ہے،جس میں آپﷺ نے منی کو ناک کی ریزش اور منہ کے بلغم کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کہ پاک چیزیں ہیں۔نیز یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ منی اللہ کے مقرب بندوں یعنی انبیاء علیہم السلام کا مادۂ تولید ہے لہٰذا اِسے پاک ہونا چاہیے۔

حنفیہؒ کی جانب سے ان حضرات کے دلائل کے درج ذیل جوابات دیے گئے ہیں:

''فرکِ منی'' بھی تطہیرِ ثوب کا ایک طریقہ ہے یہ الگ بات ہے کہ اس سے نجاست بالکلیہ ختم نہیں ہو جاتی لیکن اجزائے نجاست میں کمی ضرور آجاتی ہے اور نجاست قلیلہ معاف ہے۔''حدیثِ ابن عباسؓ''میں منی کو ناک کی ریزش اور بلغم کے ساتھ تشبیہ طہارت میں نہیں بلکہ لزوجت

(لیس دار ہونے) اور گاڑھے پن میں دی گئی ہے۔ باقی "منی سے انبیاء علیہم السلام کا پیدا ہونا" قدرتِ خداوندی کا اظہار ہے کہ ایسی نا قابلِ ذکر نجس چیز سے ایسے مقرب ومکرم بندے پیدا فرمائے۔ نیز یہ منی کے پاک ہونے کی دلیل اس لیے بھی نہیں ہوسکتی کہ بڑے بڑے سرکش بھی تو منی سے پیدا کیے گئے جو منی کے نجس ہونے کا متقاضی ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

کپڑے سے منی کھرچنا:

٤٥٤۔عن الأسود وهمّامٍ عن عائشةؓ قالت: كنتُ أفركُ المنيّ من ثوبِ رسول اللهﷺ.[مسلم]وبروايةِ علقمةوالأسود عن عائشة نحوُه وفيه: "ثمّ يُصلّي فيه".

ترجمہ: اسود اور ہمام عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں: آپؓ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہﷺ کے کپڑے سے منی کھرچ لیا کرتی تھی۔ (مسلم)

٤٥٥۔وعن أم قيسٍ بنت مِحصن أنها أتتْ بابنٍ لهاصغيرٍ لم يأكلِ الطعامَ إلىٰ رسول اللهﷺفأجلسَه رسولُ اللهﷺ في حَجرِه فبالَ علىٰ ثوبِه فدعا بماءٍ فنضحَه ولَم يغسِلْه.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت امّ قیس بنت محصنؓ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہﷺ کی خدمت میں اپنا اتنا چھوٹا بچہ لے کر آئی جو (روٹی وغیرہ) نہ کھاتا تھا رسول اللہﷺ نے اس کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ اُس نے آپﷺ کے کپڑے پر پیشاب کردیا چنانچہ آپﷺ نے پانی منگوایا، اُسے کپڑے پر چھینٹا اور اس کو (اچھی طرح) دھویا نہیں۔ (متفق علیہ)

بولِ صبیان سے کپڑوں کو پاک کرنے کا مسئلہ:

تشریح: قولها: فبال علىٰ ثوبه، فدعا بماءٍ فنزحه ولم يغسّله:۔ صبی اور صبیۃ (بچہ اور بچی) جب ماں کے دودھ کے علاوہ غذا کھانا شروع کردے تو سب فقہاء کے نزدیک ان کا پیشاب نجس ہے اور اس کا دھونا ضروری ہے اور جب تک ماں کے دودھ کے علاوہ کوئی دوسری غذا شروع نہ کی ہو تو اس صورت میں بولِ غلام اور بولِ جاریہ کے طریقہ تطہیر کے متعلق فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے جو درج ذیل ہے:

چنانچہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بول صبی میں نضح اور رش یعنی صرف پانی کے چھینٹے مارنا پاک کرنے کے لیے کافی ہے غَسل یعنی دھونے کی ضرورت نہیں جبکہ بولِ جاریہ میں غَسل ضروری ہے۔ حدیثِ باب اور اسی باب کے فصلِ ثانی کی پہلی حدیث جو لبابہ بنت الحارثؓ کی سند سے ہے، اور وہ تمام روایات جن میں بولِ صبی کے لیے نضح اور رش کے الفاظ آئے ہیں، ان حضرات کی مستدل ہیں۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ہاں صبی اور صبیۃ دونوں کے پیشاب میں غَسل ضروری ہے، البتہ بولِ صبی میں غَسلِ خفیف یعنی بغیر مَلے ایک مرتبہ دھونا کافی ہے، اور بولِ صبیہ میں غَسلِ شدید یعنی تین مرتبہ مَل کر دھونا ضروری ہے۔ ان حضرات کی دلیل حضرت عائشہؓ سے مروی وہ تمام احادیث ہیں جن میں مذکور ہے کہ آپﷺ کی گود میں کسی بچے نے پیشاب کیا اور اس کے بعد یہ الفاظ مروی ہیں: "فدعا بماء فأتبعه اياه" (بخاری) اور "فدعا بماء فصبّه عليه" (مسلم) اور اتباعِ ماء اور صبِّ ماء کا معنیٰ پانی گرانا اور بہانا ہے نہ کہ فقط چھینٹیں مارنا۔

یہ حضرات، شوافع اور حنابلہ کو یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ حضرات کی پیش کردہ احادیث میں وارد "نضح" اور "رش" کے الفاظ سے غَسل یعنی دھونا مراد ہے جس کا قرینہ مذکورہ دلائل کے علاوہ یہ ہے کہ مذی کے بارے میں "فلينضح" بمعنیٰ "فليغسل" ہے اور دمِ حیض

کے متعلق حضرت اسماءؓ کی روایت میں "ثم لتنضحه" کو "لتغسله" کے معنیٰ میں آپ بھی تسلیم کرتے ہیں، لہٰذا یہاں بھی نضح کو غسل کے معنیٰ میں لینا چاہیے۔ رہی زیرِ بحث حدیث تو اس میں "فنضحه ولم يغسله" سے غسلِ شدید کی نفی کی جا رہی ہے نہ کہ مطلق غسل کی، جیسا کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں ہے: "فدعا رسولُ الله ﷺ بماءٍ فنضحَه على ثوبه ولم يغسله غسلاً" اس میں غسلِ شدید کی نفی مصرح ہے۔ اس کے علاوہ لغتِ عرب میں بھی نضح بمعنیٰ صبّ ماء کے مستعمل ہے، پس جن روایات میں نضح کے الفاظ وارد ہیں وہاں غسل خفیف مراد ہے اور جہاں غسل کی نفی ہے تو وہاں غسل شدید کی نفی مراد ہے۔

فائدہ: بول غلام و جاریہ میں مذکورہ فرق کی وجہ یہ ہے کہ بول غلام میں اس قدر بدبو وغلظت نہیں ہوتی جو بول جاریہ میں مزاج کی رطوبت و برودت کی وجہ سے ہوتی ہے (نفحات)

دباغت کے بعد جلودِ میتہ کی پاکی کا مسئلہ:

٤٥٦۔ وعن عبدالله بن عباسٍؓ قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقولُ: إذا دُبِغ الإهابُ فقد طهُرَ. [مسلم]

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب (کچا) چمڑا رنگ دیا جائے تو پاک ہو جاتا ہے۔

تشریح: قوله: إذا دُبغ الإهاب فقد طهر:۔ یہاں جلودِ میتہ یعنی مردار جانوروں کی کھالوں کی نجاست وطہارت کے متعلق بحث کی جاتی ہے جو درج ذیل ہے:

چنانچہ اس پر تو تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ جلودِ میتہ دباغت سے پہلے نجس ہے۔ البتہ دباغت کے بعد اس کے پاک ہونے نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جلودِ میتہ دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ زیرِ بحث حدیث، اس کے متصل حضرت ابن عباسؓ کی روایت اور حضرت سودہؓ کی روایت اور فصلِ ثانی میں مروی حضرت عائشہؓ کی روایت ان حضرات کی مستدل ہیں۔

جبکہ امام مالکؒ اور مشہور روایت میں امام احمدؒ کے نزدیک جلودِ میتہ دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔ ان حضرات کی دلیل فصلِ ثانی میں مروی حضرت عبداللہ بن عکیم کی روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ "أتانا كتابُ رسولِ الله ﷺ أن لا تنتفِعُوا من المَيتةِ بإهابٍ ولا عَصَبٍ" یعنی "مردار کے چمڑے اور پٹھے سے نفع مت اٹھاؤ"۔ اس میں "اہابِ میتہ" سے صراحۃً منع کیا جا رہا ہے۔

حضرات حنفیہؒ وشافعیہؒ کی جانب سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اولاً تو یہ روایت مرسل ہے۔ ثانیاً باعتبارِ سند کے ضعیف ہے جبکہ حضرت ابن عباسؓ کی روایات مرفوع اور سنداً قوی ہیں لہٰذا ترجیح اِن ہی کو ہوگی۔ یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن عکیم کی روایت میں اہاب سے مراد غیر مدبوغ کھال ہے جس سے انتفاع کے عدمِ جواز کے ہم بھی قائل ہیں۔ (نفحات، مرآۃ)

٤٥٧۔ وعنه قال: تُصدِّقَ على مولاةٍ لميمونةَ بشاةٍ فماتتْ فمَرَّ بها رسولُ الله ﷺ فقال: هلّا أخذْتُم إهابَها فدبَغتُموه فانتفعْتُم به فقالوا: إنّها ميتةٌ فقال: إنّما حُرِمَ أكلُها. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت میمونہؓ کی ایک آزاد کردہ باندی کو ایک بکری صدقہ میں دی گئی جو مر گئی۔ رسول اللہ ﷺ کا اُس پر سے گزر ہوا تو فرمایا: اس کا چمڑا تم لوگوں نے کیوں نہ (اتار) لیا؟ کہ اسے تم دباغت دیتے اور اس سے نفع اٹھاتے۔ انہوں نے عرض کیا

کہ یہ تو مردار ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ صرف اس کا کھانا حرام کیا گیا ہے۔ (متفق علیہ)

۴۵۸۔ وعن سودةؓ زوجِ النبی ﷺ قالتْ: ماتتْ لنا شاةٌ فدَبغنا مَسكَها ثُمّ ما زلنا نَنبذُ فیه حتیٰ صار شَنًّا. [بخاری]

ترجمہ: نبی پاک ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت سودہؓ فرماتی ہیں کہ ہماری ایک بکری مرگئی تو ہم نے اس کے چمڑے کو رنگا اور ہمیشہ اسی میں نبیذ بناتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانا مشکیزہ ہوگئی۔ (بخاری)

''الفصل الثانی''

حضرت حسینؓ کا نانا ﷺ کی گود میں پیشاب کرنا:

۴۵۹۔ عن لُبابةَ بنتِ الحارثؓ قالت: كان الحسینُ ابنُ علیؓ فی حَجرِ رسول اللهِ ﷺ فبال علیٰ ثوبِه فقلتُ: اِلبِسْ ثوبًا وأعْطِنی إزارَكَ حتیٰ أغسِلُه قال: إنّما یُغسلُ مِن بولِ الأُنثیٰ ویُنضَحُ مِن بولِ الذَّكَرِ. [أحمد، أبو داؤد، ابن ماجة] وفی روایةٍ لأبی داؤدَ والنسائی عن أبی السَّمحِ: قال: "یُغسلُ مِن بولِ الجاریةِ ویُرَشُّ مِن بولِ الغُلام".

ترجمہ: حضرت لبابہ بنت الحارثؓ کہتی ہیں کہ حسین بن علیؓ رسول اللہ ﷺ کی گود میں (بیٹھے) تھے کہ آپ ﷺ کے کپڑے پر انہوں نے پیشاب کردیا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ (دوسرا) کپڑا پہن لے اور اپنا ازار مجھے دے دیں تا کہ میں اسے دھولوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لڑکی کے پیشاب سے (کپڑا) دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب سے (کپڑے پر) صرف (پانی کے) چھینٹے مارے جاتے ہیں۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں ابوالسمح کے حوالے سے مروی ہے کہ لڑکی کے پیشاب سے (کپڑا) دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب سے (کپڑے پر) صرف پانی چھڑکا (بغیر ملے بہایا) جاتا ہے۔

جوتے کی تطہیر:

۴۶۰۔ عن أبی هریرةؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: إذا وطِیَ أحدُكم بنَعلِهِ الأذیٰ فإنّ التُّرابَ له طهورٌ. [أبو داؤد ولابن ماجة معناه]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے جوتے کے ساتھ گندگی پر چلے تو مٹی اس کو پاک کرنے والی ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

جسم دار نجاست کے پاک کرنے کا طریقہ:

تشریح: اس حدیث میں خشک ذی جرم یعنی جسم رکھنے والی نجاست کے بارے میں ارشاد ہے کہ اگر جوتے کو لگ جائے تو مٹی اس کو پاک کر دے گی، یہی حکم پاؤں، موزے اور دامن کا بھی ہے بشرطیکہ لگنے والی نجاست خشک ہو کیونکہ مٹی سے رگڑ کھانے کی وجہ سے نجاست کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر نجاست رطب (تر ذی جرم) ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جوتے اور موزے کو لگ جانے کی صورت میں اگر اس کو زمین پر خوب رگڑا جائے تو پاک ہو جائیں گے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں رطب ذی جرم نجاست کا دھونا ضروری ہے رگڑنا کافی نہیں اور غیر ذی جرم رطب نجاست مثلاً بول، خمر، دم وغیرہ کا دھونا بالاتفاق واجب اور ضروری ہے۔

٤٦١ ـ وعن أم سلمةؓ قالت لها امرأةٌ: إني أُطِيلُ ذَيْلي و أمشِي في المكانِ القَذِرِ، قالتْ: قال رسولُ الله ﷺ: يُطهِّرُه مابعدَه [مالك، أحمد، ترمذي، أبو داؤد، دارمي وقالا: "المرأةُ أمُّ ولد لابراهيم بن عبدالرحمٰن بن عوف".]

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ [زوجہ رسول اللہ ﷺ] سے مروی ہے کہ ایک عورت نے اُن سے کہا کہ میں اپنا دامن دراز رکھتی ہوں اور ناپاک جگہ میں چلتی ہوں تو انہوں نے اس عورت سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (ناپاک زمین کے) بعد والی زمین اس کو پاک کرتی ہے۔ (مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: قولها أطيل ذيلي و أمشي في المكان القذر..... ـ یہ سوال توہم نجاست کی بنا پر تھا۔ مکانِ قذر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں خشک نجاستیں پڑی ہوئی ہو۔ باقی اس عورت کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ میرا گذر ایسی جگہ سے ہوتا ہے جہاں خشک نجاستیں پڑی ہوتی ہیں جو دامن سے الجھ جاتی ہیں۔ اس پر ام سلمہؓ نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک سنایا: "يطهره مابعده" یعنی "بعد میں جب تم پاک زمین پر چلتی ہو تو دامن کے ساتھ الجھی ہوئی نجاستیں زمین پر رگڑ کھانے کی وجہ سے چھوٹ جاتی ہیں لہذا دامن پاک ہو جائے گا"۔

درندے کی کھال پہننے کی ممانعت:

٤٦٢ ـ وعن المقدام بن معديكربؓ قال: نهىٰ رسولُ الله ﷺ عن لُبسِ جُلودِ السِّباعِ والرُّكوبِ عليها. [أبو داؤد، نسائي]

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدیکربؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے درندوں کی کھالیں پہننے سے اور اس پر سوار ہونے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: قوله: نهىٰ رسول الله ﷺ عن لبسِ جلود السباع....: ـ اس جگہ جلودِ سباع پہننے کی ممانعت کا بیان ہے، اگر یہ ممانعت جلودِ سباع غیر مدبوغہ سے ہے تو سببِ ممانعت نجاست ہے۔ اور اگر جلودِ مدبوغہ سے ممانعت مراد ہو تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ جلودِ سباع کا استعمال تعیش پسند فساق اور متکبرین کا طریقہ ہے لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے۔ پہلی صورت میں نہی تحریمی اور دوسری صورت میں تنزیہی ہوگی۔ (نفحات)

٤٦٣ ـ وعن أبي المليح بن أسامةَ عن أبيه عن النبيِّ ﷺ نهىٰ عن جُلودِ السباعِ. [أحمد، أبو داؤد، نسائي وزاد الترمذيُّ والدارميُّ: "أن تُفترَشَ".]

ترجمہ: ابوالملیح بن اسامہ اپنے باپ سے وہ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے درندوں کی کھالوں سے منع کیا۔ (احمد، ابوداؤد۔ ترمذی اور دارمی نے "أن تفترش" کا اضافہ کیا ہے)۔

٤٦٤ ـ وعن أبي المَلِيحِ أنّه كرِه ثمنَ جُلودِ السِّباعِ. [ترمذي]

ترجمہ: حضرت ابوالملیح سے مروی ہے کہ وہ درندوں کی کھالوں کی قیمت کو بھی مکروہ سمجھتے تھے۔ (ترمذی)

مردار کے چمڑے اور پٹھے سے انتفاع جائز ہے:

٤٦٥ ـ وعن عبد الله بن عُكيمٍؓ قال: أتانا كتابُ رسولِ الله ﷺ أن لا تنتَفِعُوا مِن الميتةِ بإهابٍ ولا عَصَبٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عکیمؓ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کا مکتوب آیا (جس میں لکھا تھا) کہ مردار کے چمڑے اور پٹھے سے نفع مت اٹھاؤ۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

٤٦٦۔وعن عائشةؓ أنّ رسولَ اللهﷺ أمرَ أن يُستَمتَعَ بِجُلودِ الميتةِ إذا دُبِغتْ.[مالك ،أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردار کے چمڑے سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا جب کہ اس کو رنگ دیا گیا ہو۔ (مالک، ابوداؤد)

٤٦٧۔وعن ميمونةؓ قالتْ مَرّ على النبيّﷺ رجالٌ من قُريشٍ يَجُرُّون شاةً لهم مثلَ الحمارِفقال لهم رسولُ اللهﷺ: لو أخذْتُم إهابَها قالوا:إنّها ميتةٌ فقال رسولُ اللهﷺ:يُطَهّرُها الماءُ و القَرَظُ.[أحمد،أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے پاس سے قریش کے چند آدمی گزرے جو اپنی ایک مری ہوئی بکری کو (مردہ) گدھے کی مانند کھینچ رہے تھے۔ (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کاش! تم اس کا چمڑا نکال لیتے (تو کام آجاتا)۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو مردار ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: پانی اور کیکر کے پتے اس کو پاک کر دیتے ہیں۔ (احمد، ابوداؤد)

٤٦٨۔وعن سَلمة بن المُحبّقؓ قال :إنّ رسولَ اللهﷺ جاءَ في غزوةِ تبوكَ علىٰ أهلِ بيتٍ فإذا قِربةٌ مُعَلّقَةٌ فقالوا له: يا رسولَ الله!إنّها ميتةٌ فقال: دِباغُها طَهورُها.[أحمد ،أبو داؤد]

ترجمہ: سلمہ بن محبقؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک کے موقع پر ایک شخص کے گھر پر تشریف لائے، (اچانک) ایک مشکیزہ لٹکا ہوا نظر آیا آپ ﷺ نے پانی مانگا۔ انہوں (گھر والوں) نے عرض کیا کہ یہ مردار (کی کھال سے بنا) ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی دباغت اس کو پاک کرنے والی ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

"الفصل الثالث"

٤٦٩۔عن امرأة مِن بني عبدِ الأشهلِ قالت: قلتُ: يا رسولَ الله! إنّ لنا طريقاً إلى المسجدِمُنتِنةً فكيف نفعلُ إذا مُطِرنا؟ قالت:فقال: ليس بعدَها طريقٌ هي أطيبُ منها ،قلتُ: بلىٰ فقال: هذه بهذه.[أبو داؤد]

ترجمہ: بنوعبدالاشہل (قبیلہ) کی ایک عورت کہتی ہے کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مسجد جانے کا ہمارا راستہ گندہ ہے، پس جب بارش ہو (اور کیچڑ بن جائے) تو ہم کیا کریں۔ وہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا اس راستہ (سے گزرنے) کے بعد کوئی صاف راستہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں (ہے)۔ آپ نے فرمایا کہ یہ (پاک صاف راستہ) اس (ناپاک) راستے کے بدلے میں ہوجائے گا۔ (ابوداؤد)

٤٧٠۔وعن عبد الله بن مسعودؓ قال: كنّا نُصلّي مع رسول اللهﷺ ولا نتوضّأ من المَوْطِئِ .[ترمذی]

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور (زمین پر) چلنے سے وضو نہیں کیا کرتے تھے۔

٤٧١۔وعن ابن عمرؓ قال: كانت الكلابُ تُقبلُ و تُدبرُ في المسجدِ في زمانِ رسول اللهﷺفلمْ يكونوا يرِشُّون شيئاً مِن ذلك .[بخاری]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کتے مسجد کے اندر آیا جایا کرتے تھے اور صحابہؓ اس کی وجہ سے کوئی چیز نہ دھوتے تھے۔ (بخاری)

حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک؟:

۴۷۲۔ وعن البراءؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ: لا بأسَ ببولِ ما یؤ کلُ لحمُه .وفی روایة جابر: قال: ماأُکِلَ لحمُه فلابأسَ ببولِه.

ترجمہ: حضرت براءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس (جانور) کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں۔ اور حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس جانور کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں۔ (احمد، دارقطنی)

تشریح: قوله: لا بأس ببولِ مایؤ کل لحمه: ۔ یہاں ماکول اللحم (حلال) جانوروں کے پیشاب کی نجاست وطہارت میں فقہاء کا اختلاف بیان کیا جاتا ہے جو درج ذیل ہے:

چنانچہ امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام محمدؒ اس کی طہارت کے قائل ہیں۔ یہ حضرات زیر بحث حدیث، اس کے متصل حدیث جابرؓ اور حدیثِ عرینین سے استدلال کرتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے قبیلہ عرینہ کے چند نومسلموں کو (جو مدینہ میں آکر بیمار ہو گئے تھے) صدقہ (زکوٰۃ) کے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا تھا۔

• جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ حلال جانوروں کے پیشاب کو نجس قرار دیتے ہیں، البتہ اس کی نجاست کو خفیفہ کہتے ہیں۔ ان حضرات کی دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث ہے: ''استنزِهُوا مِن البول فإنّ عامةَ عذابِ القبرِ منه'' (دارقطنی، مسند احمد، ابن ماجہ) اس حدیث میں ''بول'' اپنے اطلاق وعموم کی وجہ سے تمام قسم کے ''ابوال'' کو شامل ہے۔ البتہ امام ابو یوسفؒ تو علاج کی غرض سے ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب استعمال کرنے کی مطلقاً اجازت دیتے ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ متقی اور حاذق و ماہر طبیب کی تجویز پر اس کی اجازت دیتے ہیں۔

ان حضرات کی جانب سے مذکورہ ''حدیثِ براءؓ'' کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی سوار بن مصعب ہے جو کہ موضوعات کا راوی ہے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے جو لائق استدلال نہیں۔

''حدیثِ جابرؓ'' کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس کی سند میں عمر بن الحصین اور یحیٰ بن العلاء دو راوی ہیں جن پر محدثین نے شدید جرح کی ہے لہٰذا یہ حدیث بھی لائق استدلال نہیں۔

''حدیثِ عرینین'' کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں اونٹوں کا پیشاب پینے کا حکم علاج اور تداوی پر محمول ہے کیونکہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کی شفا اونٹوں کے پیشاب میں ہے، لہٰذا ان کو اونٹوں کا پیشاب پینے کا حکم دیا۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ تینوں احادیث منسوخ ہیں۔ (نفحات، مرآۃ)

(بابُ المَسحِ علَی الخُفَّینِ)

مسح علی الخفین کا ثبوت:

مسح علی الخفین کا ثبوت اخبارِ متواترہ اور اجماعِ امت سے ہے۔ بقول امام احمدؒ اس حوالے سے چالیس مرفوع احادیث مروی ہیں اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہؓ کو مسح علی الخفین کی روایت بیان کرنے والے پایا۔ امام ابوحنیفہؒ مسح علی الخفین کے برحق سمجھنے کو اہل سنت والجماعت ہونے کی علامت قرار دیتے ہیں اور اس کے منکر پر اندیشۂ کفر کا اظہار فرماتے ہیں۔ اگرچہ قرآن میں اس کا کوئی صریح ذکر موجود نہیں سوائے "وامسحوا برؤوسکم" کی جر والی قرأت کے، جبکہ اس کو مسح علی الخفین پر محمول کیا جائے لیکن پھر بھی اس کا جواز مسلّم ہے کیونکہ اخبارِ متواترہ اور اجماعِ امت سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔

روافض مسح علی الخفین کے منکر ہیں اور مسح علی الخفین کے برعکس مسح علی الرجلین کے قائل ہیں۔ یہ نہایت تعجب کی بات ہے کہ جس چیز کا ثبوت قطعی دلائل سے ہو رہا ہے اس کا تو انکار کرتے ہیں اور جس چیز (مسح علی الرجلین) کے ثبوت میں ایک بھی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف پر بہت سے قوی دلائل موجود ہیں اس کو نہ صرف یہ کہ ثابت مانتے ہیں بلکہ اس کو فرض قرار دیتے ہیں۔ باب الوضوء میں غَسلِ رجلین کے بحث میں روافض کے دلائل اور اس کے کافی شافی جوابات مفصّل ذکر کیے جا چکے ہیں وہاں دیکھ لیے جائیں۔ (نفحات، مرآۃ)

"الفصل الاوّل"

مسح علی الخفین کی مدت:

۴۷۳۔ وعن شریح بن ھانیءٍ قال: سئلت علی بن أبی طالبؓ عن المسحِ علی الخفینِ فقال: جعلَ رسولُ اللهِ ﷺ ثلاثةَ أیامٍ ولیالیھنّ للمسافرِ ویومًا ولیلةً للمُقیم. [مسلم]

ترجمہ: شریح بن ہانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لیے (مسح کی مدت) تین دن تین راتیں اور مقیم کے لیے ایک دن رات مقرر فرمائی ہے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: جعل رسول الله ﷺ ثلاثة أیامٍ ولیالیھن للمسافر ویوماً ولیلةً للمقیم:۔ یہاں توقیتِ مسح (مسح علی الخفین کی مدت مقررہ) کے متعلق فقہاء کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے:

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور جمہور فقہاء مسح کے لیے توقیت (مقرر شدہ وقت) کے قائل ہیں۔ زیرِ بحث حدیث، فصلِ ثانی میں مروی حدیثِ ابی بکرہؓ، حدیثِ صفوان بن عسالؓ اور اس کے علاوہ بکثرت دوسری احادیث جو توقیتِ مسح پر دلالت کرتی ہیں، ان حضرات کا مستدل ہیں۔

جبکہ امام مالکؒ اور امام لیث بن سعدؒ توقیتِ مسح کے قائل نہیں ہیں، بلکہ موزہ پہننے والے کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ جب تک چاہے

مسح کرسکتا ہے اور جب چاہے موزے اتار سکتا ہے، مقیم ومسافر اس میں برابر ہے۔ان حضرات کی دلیل حضرت حزیمہ بن ثابتؓ اور حضرت ابی عمارہؓ کی احادیث ہیں۔حدیثِ حزیمہؓ کے یہ الفاظ ان حضرات کے مستدل ہیں: ''ولو استزدناہ لزادنا ''یعنی اگر ہم تین دنوں سے زیادہ مہلت مسح کے لیے مانگتے تو آپ ﷺ عنایت فرمادیتے۔اور حدیثِ ابی عمارہؓ کے یہ الفاظ ان حضرات کی دلیل ہے: ''قال و ثلثة قال نعم وما شئتَ''۔(ابوداؤد)

جمہور فقہاء کی جانب سے امام مالکؒ کو'' حدیثِ حزیمہ'' کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ''لو استَزَدْناہ لزَادَنا'' حضرت حزیمہؓ کا اپنا گمان ہے اور چونکہ بہت سی صحیح روایات اس کے برخلاف ہیں لہٰذا عدمِ توقیت پر اس سے استدلال درست نہ ہوگا۔

''حدیثِ ابی عمارہؓ'' کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث باعتبارِ سند کے ضعیف ہے جس پر تمام محدثین کا اتفاق ہے، لہٰذا صحیح روایات کے مقابلہ میں اس جیسی ضعیف روایت ہرگز قابلِ استدلال نہ ہوگی۔(نفحات، مرآۃ)

آنحضرت کا مسبوق بننا:

٤٧٤۔وعن المُغيرةِ بن شُعبةَ أنّه غزا مع رسولِ الله ﷺ غزوةَ تبوكٍ قال المغيرةُ: فتبرَّز رسولُ الله ﷺ قِبَلَ الغائطِ فحملتُ معه اِداوةً قبلَ الفجرِ فلمّا رجعَ جعلتُ أُهريقُ على يديهِ مِن الإداوةِ فغسلَ يديه ووجهَه وعليه جُبّةٌ مِن صُوفٍ ذهبَ يَحسُرُ عن ذراعيهِ فضاقَ كُمُّ الجُبّةِ فأخرجَ يديهِ مِن تحتِ الجُبّةِ وألقى الجُبّةَ على منكبيه وغسلَ ذراعيه ثمّ مسحَ بناصيتِه وعلى العِمامةِ ثمّ أهويتُ لِأنزِعَ خُفّيه فقال: دَعْهما فإنّي أدخلتُهما طاهرتينِ فمسحَ عليهما فركِبَ وركِبتُ فانتهينا الى القومِ وقدْ قاموا الى الصلوٰةِ ويُصلّي بهم عبدُالرحمٰن بنُ عوف وقدْ ركعَ بهم ركعةً،فلمّا أحسَّ بالنبيِّ ﷺ ذهبَ يتأخرُ فأومأ اليه فأدركَ النبيُّ ﷺ احدَى الركعتينِ معه فلمّا سلّم قامَ النبيُّ ﷺ وقمتُ معه فركعنا الركعةَ الّتي سبقَتْنا.[مسلم]

ترجمہ:حضرت مغیرہ بن شعبہؓ راوی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوہ تبوک میں شریک ہوئے ،مغیرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فجر سے پہلے قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، میں نے آپ ﷺ کے ساتھ (پانی کی) چھاگل اٹھائی، جب آپ ﷺ (قضائے حاجت سے) واپس تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کے ہاتھوں پر چھاگل سے پانی ڈالنا شروع کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے ہاتھ اور چہرہ دھویا، آپ ﷺ پر ایک اونی جُبہ تھا، آپ ﷺ آستین چڑھانے لگے تو جُبہ کی آستینیں تنگ پڑ گئیں، لہٰذا آپ ﷺ نے جبہ کے نیچے سے ہاتھ نکالے اور جُبہ کو شانوں پر ڈال دیا اور اپنے بازوؤں کو دھویا پھر اپنی پیشانی کے بالوں پر اور پگڑی پر مسح کیا، پھر میں آپ ﷺ کے موزیں اتارنے کے لیے جھکا تو آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو کیونکہ میں نے (ان میں) پاؤں پاکی کی حالت میں داخل کیے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے اُن پر مسح فرمایا پھر آپؐ سوار ہوئے، میں بھی سوار ہوا، ہم لوگوں کے پاس پہنچے تو وہ نماز کے لیے کھڑے ہوچکے تھے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اُن کو نماز پڑھا رہے تھے اور ایک رکعت پڑھا بھی چکے تھے، جب انہیں آپ ﷺ (کے آنے) کا احساس ہوا تو پیچھے ہونے لگے (مگر) آپ ﷺ نے انہیں اشارہ فرمایا (کہ پیچھے نہ ہٹے) چنانچہ نبی پاک ﷺ کو اُن کے ساتھ ایک رکعت نماز ملی۔جب انہوں نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ کھڑے ہوگئے اور میں بھی آپؐ کے ساتھ کھڑا ہوگیا اور جو رکعت ہم سے رہ گئی تھی وہ پڑھ لی۔(مسلم)

''الفصل الثانی''

۴۷۵۔عن أبی بکرۃؓ عن النبی ﷺ أنّه رخّص للمسافرِ ثلثة أیّامٍ ولیالیَھنّ وللمقیمِ یوماً ولیلةً اذاتطھّرَ فلبِسَ خُفّیه أن یمسحَ علیھما.[رواه الأثرمُ فی سننه ورواه ابن خزیمة والدارقطنی وقال الخطابیُّ :''ھو صحیح الإسناد''، کذافی المُنتقٰی]

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ راوی ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے مسافر کو تین دن رات اور مقیم کو ایک دن رات موزوں پر مسح کرنے کی رخصت دی جب کہ وضو کر کے موزیں پہنے ہو۔ (سنن اثرم، ابن خزیمہ، دارقطنی)

جنابت سے موزیں اتارے جائیں گے:

۴۷۶۔وعن صفوان بن عسّالٍؓ قال: کان رسول اللهﷺ یأمُرنا إذا کنّا سَفَرًا أن لا ننزِعَ خِفافَنا ثلاثَةَ أیّامٍ ولیالیھنّ الّا مِن جنابةٍ ولکنْ مِن غائطٍ وبولٍ ونومٍ .[ترمذی، نسائی]

ترجمہ: حضرت صفوان بن عسالؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ جب ہم مسافر ہوں تو تین دن راتوں تک موزیں نہ اتارے (بلکہ اس پر مسح کریں) مگر جنابت سے (اتاریں) البتہ پاخانہ، پیشاب اور نیند (وغیرہ) سے (وضو ٹوٹنے پر موزیں نہ اتاریں)۔ (ترمذی)

موزوں پر مسح صرف اس کے اوپر ہوگا یا نیچے بھی؟:

۴۷۷۔ وعن المغیرة بن شعبةؓ قال: وضّأتُ النبیﷺ فی غزوةِ تبوكٍ فمَسحَ أعلیَ الخُفِّ وأسفلَهٗ.[أبوداؤد، ترمذی، ابن ماجة وقال الترمذی:ھذاحدیثٌ معلولٌ وسألتُ أبازُرعةَ ومحمداً یعنی البُخاریَّ عن ھذاالحدیثِ، فقالا:لیس بصحیح وکذاضعّفه أبوداؤد.]

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے غزوہ تبوک میں نبی پاک ﷺ کو وضو کرایا، آپ نے موزوں کے اوپر اور نیچے مسح کیا۔

تشریح: قوله: فمسح أعلی الخف وأسفله .....۔ یہاں اس حوالے سے فقہاءؒ کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے کہ موزوں پر مسح صرف اس کے اوپر والے حصے پر کرنا چاہیے یا نیچے والے حصے پر بھی؟، ذیل میں مذاہب ذکر کیے جاتے ہیں:

چنانچہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسح موزہ کے اوپر اور نیچے دونوں حصوں کا کیا جائے گا۔ البتہ امام مالکؒ اس کو ضروری سمجھتے ہیں جبکہ امام شافعیؒ اعلیٰ خف کے مسح کو واجب اور اسفلِ خف کے مسح کو مستحب کہتے ہیں، ان حضرات کی دلیل زیرِ بحث حدیث ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ صرف موزے کے اوپر والے حصے کے مسح کے قائل ہیں۔ ان حضرات کی پہلی دلیل حضرت مغیرہؓ ہی کی روایت ہے جو زیرِ بحث حدیث کے متصل بعد واقع ہے جس میں وارد ہے کہ ''رأیتُ النبیﷺ یمسح علی الخفین علی ظاھرھما'' یعنی ''میں نے نبی پاک ﷺ کو خفین کے اوپر والے حصے پر مسح کرتے دیکھا''۔

دوسری دلیل فصلِ ثالث میں مذکور حضرت علیؓ کی یہ حدیث ہے: ''لو کان الدین بالرأی لکان أسفل الخف أولیٰ بالمسح

من أعلاه وقد رأيت رسول اللهﷺيمسح علىٰ ظاهر خفّيه"۔ (ابوداؤد) یعنی اگر احکامِ دین کا مدار عقل پر ہوتا تو موزے کا نچلا حصہ مسح کا زیادہ حقدار ہوتا اوپر والے حصے سے، حالانکہ میں نے آنحضرتﷺ کو موزوں کے اوپر والے حصے پر مسح کرتے دیکھا ہے۔

حضرت مغیرہؓ کی زیرِ بحث روایت جو مالکیہ وشافعیہ کی مستدل ہے اس کا جواب خود اس روایت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے: "وقال الترمذي هذا حديثٌ معلولٌ وسألت أبا زرعة ....." اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوزرعہ، امام بخاریؒ، امام ابوداؤدؒ اور امام ترمذیؒ اس حدیث کے ضعف پر متفق ہیں، جس کے بعد اس حدیث سے استدلال کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔ نیز یہ روایت ساٹھ طرق سے مروی ہے جس میں صرف یہی ایک طریق ایسا ہے جس میں اسفل کا ذکر ہے لہٰذا یہ حدیث قابلِ احتجاج نہیں۔ (نفحات، مرآۃ)

۴۷۸۔وعنه أنّه قال رأيتُ النبيَّﷺ يمسَحُ على الخُفَّين علىٰ ظاهرهما.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت مغیرہؓ ہی سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاکﷺ کو دیکھا کہ موزوں کے اوپر مسح فرمار ہے ہیں۔ (ترمذی)

جرابوں پر مسح جائز ہے یا نہیں؟:

۴۷۹۔وعنه قال توضأ النبيﷺومسحَ على الجَورَبَينِ والنَّعلَينِ.[أحمد،ترمذی ،ابن ماجه ،أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت مغیرہؓ راوی ہیں کہ نبی پاکﷺ نے وضوفرمایا اور نعلین سمیت جوربین (جرابوں) پر مسح کیا۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد)

تشریح: موزوں پر مسح تو بالاتفاق جائز ہے۔ باریک سوتی جُرابوں پر بالاتفاق مسح جائز نہیں۔ البتہ موٹے قسم کے جرابوں پر مسح کے جواز میں فقہاءِ حنفیہ کے مابین درج ذیل اختلاف ہے:

چنانچہ ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک جوربین اگر ثخینین (موٹے) ہو کہ بغیر باندھے پنڈلی سے چپٹے رہے اور پیر تک پانی کے وصول سے مانع ہو، نیز اس میں مسلسل دو یا تین میل تک چلنا ممکن ہو، تو اس پر مسح کرنا درست ہے، مُجلّد (اوپر نیچے چمڑا لگا ہو) اور مُنعّل ہونا (کہ صرف نیچے چمڑا ہو) ضروری نہیں۔ یہ حضرات مذکورہ حدیث کے علاوہ تیرہ [۱۳] صحابہ کرامؓ کی احادیث سے اس پر استدال کرتے ہیں۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں "جوربین ثخينين" پر اس وقت مسح درست ہے جبکہ وہ مجلد یا منعل ہو۔ آپؒ مذکورہ روایت کی درج بالا عبارت میں 'واؤ' کو 'واوِ مع' کے معنیٰ میں لیتے ہیں، اس طرح مطلب یہ ہوگا کہ "مسح على الجوربين مع كونهما مُنعّلين"۔ آپؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسح علی الخفین کا جواز خلافِ قیاس ہے لہٰذا جوربین جب تک مجلد یا منعل نہ ہو اس وقت تک یہ خُف کے مثل نہ ہوں گے اور حکمِ مسح میں اس کو خف پر قیاس نہیں کیا جاسکے گا کیونکہ غیر مدرک بالقیاس (خلافِ قیاس) حکم کو قیاس سے متعدی نہیں بنایا جاسکتا یعنی اس پر دوسری چیز قیاس نہیں کی جاسکتی۔

فائدہ: امام صاحبؒ نے اپنی وفات سے تین دن یا نو دن پہلے صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع کرلیا تھا، اب جوربین ثخینین پر بالاتفاق مسح جائز ہے اگر چہ منعل ومجلد نہ ہو۔

فائدہ: غیر مقلدین اس حدیث سے سوتی اور باریک قسم کے جرابوں پر مسح کے قائل ہوئے ہیں لیکن اُن کا یہ خیال ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء وعلماء کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ نصوصِ قطعیہ کے ساتھ بھی متصادم ہے۔ وہ اس طرح کے قرآنِ پاک سے "غَسلِ رِجلین" کا حکم

صراحت وقطعیت کے ساتھ ثابت ہے، جبکہ ''مسح علی الخفین'' کا حکم ''احادیثِ کثیرہ صحیحہ مشہورہ متواترہ'' سے ثابت ہے، فقہی اور حدیثی ضابطہ کی رو سے متواتر ومشہور حدیث قرآن کے نصِّ قطعی کے لیے ''مُخصِّص'' بن سکتی ہے، چنانچہ اس ضابطہ کی رُو سے قرآن میں وارد ''غَسلِ رجلین'' کے حکم میں احادیثِ مسح علی الخفین کی بناپر تخصیص ہوجائے گی اور کہا جائے گا کہ غَسلِ رِجلین کی طرح مسح علی الخفین بھی جائز ہے۔ ''مسح علی الخفین'' کے برخلاف ''مسح علی الجوربین'' کی احادیث انفرادی حیثیت سے ضعیف اور اجتماعی حیثیت سے قرآن کے نصِ قطعی سے متصادم ہیں، نیز تواتر اور شہرت سے کم درجے کی اخبارِ آحاد ہیں اور ضابطہ ہے کہ خبرِ واحد سے نصِّ قطعی کی تخصیص نہیں کی جاسکتی، یہی وجہ ہے کہ کسی فقیہ نے بھی ان احادیث کی بناپر مطلق جُرابوں پر مسح کی اجازت نہیں دی ہے، ہاں اس شرط کے ساتھ اجازت دی گئی ہے کہ وہ جُرابے ثخانت وغیرہ اوصاف میں ''خُف'' کی مانند ہو اور اُس میں پانی نہ چھنتا ہو نیز بغیر جوتوں کے اُس میں مسلسل دو یا تین میل چلنا ممکن ہو۔ اس صورت میں وہ جُرابے بحکمِ خُف ہوجائیں گے اور اُن پر مسح جائز ہوگا۔ رہی یہ بات کہ مذکورہ شرائط کا مدار کس حدیث پر ہے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ شرائط کا مدار اُن نصوص وروایات ہی پر ہے جو غَسلِ رِجلین یا مسح علی الخفین کے حوالے سے صریح ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ پاؤں کا وظیفہ خُف پہنے ہوئے نہ ہونے کی حالت میں غَسل ہے اور خف کی حالت میں ''مسح'' اور مذکورہ شرائط کے ساتھ متصف موٹے جرابے بمنزلہ خف ہیں لہذا ان پر بھی مسح جائز ہوگا لیکن سوتی باریک جرابے بمنزلہ خُف کے نہیں لہذا اُس پر مسح جائز نہ ہوگا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سوتی جُرابوں پر مسح کو جائز سمجھنا موجودہ غیر مقلدین کی کور فہمی ہے، خود غیر مقلدین کے اکابر علماء جیسے شارحِ ترمذی مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ سوتی جرابوں پر مسح کے جواز کی تردید کرچکے ہیں اور اس مسئلہ میں جمہور فقہاء وائمہ کی تائید کی ہے۔ واضح رہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے تقریباً ساٹھ کے قریب سندوں سے ''مسح علی الخفین'' منقول ہے جبکہ ایک سند سے ''مسح علی الجوربین'' مروی ہے۔

''الفصل الثالث''

۴۸۰۔عن المغيرةؓ قال: مسح رسولُ اللهﷺ على الخُفّين، فقلتُ: يا رسولَ الله! نسيتَ، قال: بل أنتَ نسيتَ بهذا أمرني ربّي عزّ وجلّ. [أحمد، أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے موزوں پر مسح فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ (پاؤں دھونا) بھول گئے ہیں آپﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم بھول گئے ہو، میرے رب نے مجھے اس (مسح علی الخفین) کا حکم دیا ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

اگر دین عقل پر موقوف ہوتا تو....:

۴۸۱۔وعن عليٍّ أنّه قال: لو كان الدينُ بالرأيِ لكانَ أسفلُ الخفّ أولىٰ بالمسحِ من أعلاه وقد رأيتُ رسولَ اللهﷺ يمسحُ علىٰ ظاهرِ خُفّيه. [أبو داؤد، والدارمي معناه]

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر دین رائے [عقل] پر (موقوف) ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح کرنا بہتر تھا بنسبت اوپر مسح کرنے کے، حالانکہ میں نے رسول اللہﷺ کو دیکھا کہ موزوں کے اوپر مسح فرمایا کرتے تھے۔ (ابوداؤد، دارمی)

(بابُ التَّیَمُّمِ)

تیمّم کا لغوی اصطلاحی معنیٰ اور اس کی مشروعیت کا قصہ:

''تیمم'' لغت میں قصد کو کہتے ہیں اور شرع میں اس کے معنیٰ ہیں: "قَصدُ الصعیدِ الطاهرِ بصفةٍ مخصوصةٍعندَ عدمِ الماء حقيقةً أو حكمًا" یعنی ''صعیدِ طاہر کا قصد کرنا صفتِ مخصوصہ [چہرے اور ہاتھوں کے مسح] کے ساتھ جبکہ پانی حقیقۃً یا حکماً نایاب ہو''۔

تیمم کی مشروعیت غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر ہوئی۔ جس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عائشہؓ کا ایک قیمتی ہار گم ہوگیا، جس کی تلاش میں کافی دیر ہوگئی، نماز کا وقت آ گیا، اور قریب میں پانی نہ ہونے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو کافی پریشانی ہوئی، اس وقت تیمم کی آیت: "فلم تجدُوا ماءً فتيمَّمُوا صعيدًا طيّبًا" نازل ہوئی۔

تیمّم کے لیے نیت ضروری ہے:

تیمم کا لغوی معنیٰ چونکہ [قصد کرنا] ہے جو وجوبِ نیت کا تقاضا کرتا ہے اس بنا پر حضرات حنفیہؒ تیمم کے لیے نیت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ نیز مٹی کا فی نفسہٖ مطہر نہ ہونا بلکہ باعثِ تلویث ہونا بھی نیت کے ضروری ہونے کا تقاضا کرتا ہے، برخلاف وضو کے، کیونکہ نہ وضو کا لغوی معنیٰ قصد و نیت کو متضمن ہے اور نہ شرعی معنیٰ، نیز وضو پانی سے کیا جاتا ہے جو فی نفسہٖ مطہر ہے نہ کہ ملوّث جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وأنزلنا من السماءِ ماءً طهورًا"۔

تیمّم طہارتِ مطلقہ ہے یا طہارتِ ضروریہ؟:

یہاں یہ گفتگو بھی ہوئی ہے کہ تیمم وضو کی طرح طہارتِ مطلقہ ہے یا طہارت ضروریہ ہے؟ چنانچہ حضرات حنفیہؒ کے ہاں تیمم وضو کی طرح مطلق طہارت ہے، لہٰذا اس سے کئی فرائض بھی ادا کیے جاسکتے ہیں اور متوضّئین کی امامت بھی کی جاسکتی ہے۔ جبکہ دیگر ائمہؒ کے ہاں تیمم طہارتِ ضروریہ ہے لہٰذا اس سے متعدد فرائض ادا نہیں کیے جاسکتے بلکہ ایک فرض نماز اور اس کی تبعیت میں سنن و نوافل ادا کیے جاسکتے ہیں، ہاں البتہ تیمم سے ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک بھی متوضّئین کی امامت جائز ہے جو کہ باعثِ تعجب ہے۔

''الفصل الاوّل''

امتِ محمدیہ کی تین خصوصیات:

۴۸۲۔عن حُذيفةَؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: فُضِّلْنا على النّاسِ بثلاثٍ جُعِلتْ صُفُوفُنا كصفوفِ الملائكةِ وجُعِلتْ لنا الأرضُ كلُّها مسجدًا وجُعِلتْ تُربتُها لنا طهورًا إذا لم نجدِ الماءَ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم کو لوگوں (پچھلی امتوں) پر تین باتوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے (یہ کہ)

ہماری (نماز کی) صفیں فرشتوں کے صفوں کی طرح قرار دی گئی ہیں اور ساری زمین ہمارے واسطے مسجد قرار دی گئی ہے (کہ ہم جہاں چاہے نماز پڑھ سکتے ہیں) اور زمین کی مٹی ہمارے لیے پاک کرنے والی بنائی گئی ہے جب کہ ہمیں پانی دستیاب نہ ہو۔ (مسلم)

جنابت کے لیے تیمّم:

٤٨٣۔وعن عمرانؓ قال: کُنّا فی سفرٍ مع النبی ﷺ فصلّی بالنّاسِ فلمّا انفتلَ مِن صلاتہٖ اذاھو برجلٍ مُعتزِلٍ لمْ یُصلِّ مع القومِ فقال :یا فلان! مامنعَكَ أنْ تُصلّیَ مع القومِ قال: أصابتْنی جنابةٌ ولاماءَ قال: علیكَ بالصعیدِ فانّه یکفیكَ.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرات عمرانؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی پاک ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے۔آپ ﷺ نے (ہم) لوگوں کو نماز پڑھائی۔جب اپنی نماز سے فارغ ہو چکے تو (دیکھا کہ) ایک آدمی الگ بیٹھا ہوا ہے اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا: اے فلاں! تجھے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس بات نے روکا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے جنابت لاحق ہوئی ہے اور پانی نہیں (کہ غسل کرلوں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ تجھ پر مٹی (سے تیمّم) لازم ہے پس وہ کافی ہے آپ کے لیے۔ (متفق علیہ)

٤٨٤۔وعن عمّارؓ قال: جاء رجلٌ الیٰ عمرَبن الخطابؓ،فقال: إنّی جَنِبتُ فلم أُصِبِ الماءَ فقال عمّار لعمر!أماتذکرُ أنّاکنّافی سفرٍ أناوأنتَ فأمّاأنتَ فلمْ تُصلّ وأمّاأنافتمعّکتُ فصلّیتُ فذکرتُ ذلك للنبیِّ ﷺ فقال: إنّماکان یکفیكَ ھکذافضربَ النبیّ ﷺ بکفّیہ الأرضَ ونفخَ فیھماثمّ مسحَ بھما وجھَه وکفّیه .[بخاری]ولمسلمٍ نحوہ وفیه:"قال: إنّما یکفیكَ أن تضربَ بیدِكَ الأرضَ ثمّ تنفُخُ ثمّ تمسحُ بھما وجھَك وکفّیكَ .

ترجمہ: حضرت عمارؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی عمر بن الخطابؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں جنبی ہو چکا ہوں اور پانی دستیاب نہیں (اب کیا کروں؟) حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک سفر میں تھے (اور نہانے کی حاجت ہوگئی تھی) تو آپ نے تو نماز نہیں پڑھی اور میں مٹی میں لوٹا تھا پھر نماز پڑھ لی تھی، پھر نبی پاک ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کو تو بس اتنا کافی تھا (یہ فرماتے ہوئے) نبی پاک ﷺ نے زمین پر دونوں ہاتھ مارے، ان میں پھونک ماری پھر دونوں سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا (بخاری) اور مسلم میں بھی ایسا ہی مروی ہے البتہ اس میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ کے لیے اتنا کافی ہے کہ دونوں ہاتھ زمین پر مار کر اس میں پھونک کر اس کے ساتھ تو چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرے۔

تیمّم کے حوالے سے دو اختلافی مسائل:

تشریح: قوله: فضرب النبی ﷺ بکفّیه الأرض ونفخ فیھما ثم مسح بھماوجھه وکفیه:۔یہاں تیمّم کے بارے میں دو اختلافی مسئلے ذکر کیے جاتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) تیمّم کے لیے "ضربة واحدة" [ایک مرتبہ زمین پر ہاتھ مارنا] کافی ہے یا "ضربتین" [دو ضرب] ضروری ہیں؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ کہ مسح "الی الرسغین" (گھٹوں تک) ہوگا یا "الی المرفقین" (کہنیوں تک)؟

چنانچہ امام احمدؒ تیمّم کے لیے ضربۃ واحدۃ کے قائل ہیں، اسی طرح مسح الی الرسغین کے بھی قائل ہیں۔ زیرِ بحث حدیث سے آپؒ

استدلال فرماتے ہیں، نیز مسئلہ اولیٰ میں مذکورہ حدیث کے متصل حدیث ابی الجہیمؓ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ تیمم کے لیے ضربتین کے قائل ہیں اور ایسے ہی مرفقین تک مسح کے قائل ہیں۔ان حضرات کا استدلال متعدد احادیث سے ہے جن سے ضربتین کا ثبوت بھی ہوتا ہے اور مسح الی المرفقین کا بھی مثلاً: حدیثِ جابرؓ مرفوعاً "التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين إلى المرفقين" (مستدرک حاکم، بیہقی) یعنی تیمم دو ضرب ہیں ایک چہرہ کے لیے اور ایک کہنیوں سمیت ہاتھوں کے لیے۔ نیز حضرت عمارؓ ہی کی ایک حدیث میں ضربتین اور مسح الی المرفقین کا ذکر ہے،اس حدیث کو ابن حجرؒ نے بحوالہ بزار اسنادِ حسن کے ساتھ نقل کیا ہے: "عن عمارؓ قال: كنتُ في القومِ حين نزلتِ الرخصةُ فأُمِرنافضربْنا واحدةً للوجه وأخرى لليدين إلى المِرفقين"۔

جمہور ائمہ کی جانب سے امام احمدؒ کے دلائل کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمارؓ کی زیر بحث حدیث باب، فعلی ہے اور جمہور ائمہ کی پیش کردہ احادیث قولی ہیں اور قولی کو فعلی پر ترجیح حاصل ہے۔ نیز زیر بحث حدیثِ عمارؓ کے متعلق یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس میں تیمم کی ابتدائی تعلیم نہیں دی جارہی ہے کیونکہ حدثِ اصغر کے لیے تیمم کا واقعہ تو پہلے گزر چکا تھا اور حضرت عمارؓ کو اس کی پوری کیفیت بھی معلوم تھی بلکہ اشارے میں جنابت لاحق ہونے کی صورت میں بھی اسی تیمم کو تجویز کیا جارہا ہے جو وضو کے لیے مشروع ہوا تھا، گویا آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ جنابت سے پاکی حاصل کرنے کے لیے مٹی میں لوٹنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہی تیمم کافی ہے جو حدثِ اصغر سے پاکی حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ "حدیثِ ابی الجہیمؓ" کا جواب بھی یہ دیتے ہیں کہ وہ فعلی حدیث ہے اور جمہور کی پیش کردہ احادیث قولی ہیں اور قولی احادیث فعلی احادیث سے راجح ہوتی ہیں۔

فائدہ: اسی باب کے فصلِ ثالث میں حضرت عمار بن یاسرؓ کی ایک روایت ہے جس میں ضربتین کے ذکر کے ساتھ ساتھ اس کا بھی ذکر ہے کہ تیمم میں مسح یدین "إلى المناكب والآباط" (کندھوں اور بغلوں تک) ہوگا۔اس سے امام زہریؒ نے استدلال کیا ہے کہ مسح کندھوں اور بغلوں تک ہوگا۔

جمہور فقہاء کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ تیمم میں مسح یدین کے حوالے سے عمارؓ کی مرویات میں چونکہ "اضطراب" پایا جاتا ہے، لہٰذا حضرت عمارؓ کی وہی روایت قابلِ قبول ہوگی جو اس حوالے سے دیگر روایات کے موافق ہے اور وہ "مسح إلى المرفقين" والی روایت ہے، نیز یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ "مسح إلى المناكب" والی روایت منسوخ ہے۔

٤٨٥ ۔وعن أبي الجُهَيم بن الحارثِ بن الصِّمَّةِ قال: مررتُ على النبيِّ ﷺ وهو يبولُ فسلّمتُ عليه فلمْ يرُدّ عليَّ حتىّ قامَ الى جِدارٍ فحتّه بعصاً كانتْ معه ثمّ وضعَ يديه على الجِدار فمسحَ وجهَه وذراعَيه ثمّ ردَّ عَلَيَّ .[ولم أجدْ هذه الروايةَ في الصحيحينِ ولافي كتاب الحُميديّ ولكن ذكره في شرحِ السنّة وقال :هذاحديث حسن.]

ترجمہ: حضرت ابوالجہیم بن الحارث بن الصمۃؓ کہتے ہیں کہ میں نبی پاک ﷺ کے پاس سے گزرا جبکہ آپ ﷺ پیشاب فرمارہے تھے۔میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے جواب نہ دیا، یہاں تک کہ ایک دیوار کی طرف کھڑے ہوکر اس کو اپنی لاٹھی سے کھرچا، پھر دیوار پر دونوں ہاتھ رکھے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا (تیمم کیا) پھر میرے سلام کا جواب دیا۔ (شرح السنۃ)

قولہ:ولم أجدْ هذه الروايةَ في الصحيحين......اس عبارت سے مؤلفِ مشکوٰۃ گویا صاحبِ مصابیح پر اعتراض کر رہے ہیں کہ فصلِ اول میں تو صحیحین کی حدیث لانے کا التزام کیا گیا ہے اس جگہ حسن درجہ کی حدیث فصلِ اول میں کیوں لائی گئی ہے۔

''الفصل الثانی''

پاک مٹی مسلمان کے لیے باعث طہارت:

٤٨٦۔عن أبي ذرٍّ قال: قال رسول الله ﷺ: الصعيدُ الطيِّبُ وضوءُ المسلمِ وإن لم يجدِ الماءَ عشرَ سنينَ فإذا وجدَ الماءَ فليمَسَّه بشرَه فإنَّ ذلك خير.[رواه أحمد،ترمذی،أبوداؤد،وروی النسائی نحوه الیٰ قوله:"عشر سنين".]

ترجمہ:حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کی طہارت ہے اگر چہ دس سال تک اسے پانی نہ ملے، اور جب پانی پالے تو چاہیے کہ اپنے بدن کو لگائے (یعنی اس سے بدن دھولے) کیونکہ یہ بہتر ہے۔(احمد، ترمذی، ابوداؤد)

٤٨٧۔وعن جابرٍ قال: خرجنا في سفرٍ فأصابَ منّا رجلاً حجرٌ،فشجَّه في رأسِه فاحتلَم،فسألَ أصحابَه:هل تجدُون لي رُخصةً في التيمّمِ،قالوا:ماتجدُ لكَ رُخصةً وأنتَ تقدِرُ على الماءِ فاغتسلَ فماتَ،فلمّاقدِمنا على النبيّ ﷺ أُخبِر بذلك، قال: قتلُوه،قتلَهُم اللهُ،ألّاسألوااِذلم يعلموافاِنّماشفاءُ العِيِّ السوالُ،اِنّما كانَ يكفيه أن يتيمّمَ ويُعصِّبَ على جُرحِه خرقةً ثمّ يمسحَ عليهاويغسلُ سائرَ جسدِه.[أبوداؤد،ورواه ابنُ ماجة عن عطاءِ بن أبي رباحٍ عن ابنِ عباس.]

ترجمہ:حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نکلے ہم میں سے ایک آدمی کو سر میں پتھر لگا، (اتفاق سے) اُسے احتلام ہوگیا، تو اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم میرے لیے (غسل کی بجائے) تیمّم کرنے کی رخصت پاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے لیے تیمّم کی رخصت نہیں پاتے جبکہ آپ کو پانی (کے استعمال) پر قدرت ہے، چنانچہ اس نے غسل کیا (جس سے) وہ مرگیا۔ پس جب ہم نبی پاک ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی۔ آپ ﷺ نے (غصہ اور رنج کے ساتھ) فرمایا: ان کے ساتھیوں نے اسے مار دیا، اللہ اُن کو مارے، پھر فرمایا: اگر وہ (مسئلہ) نہیں جانتے تھے تو کیوں نہ پوچھ لیا، (اس لیے کہ) نہ جاننے کی شفا (یعنی علاج) پوچھنا ہے، اسے (مرنے والے صحابی کو) تو اتنا کافی تھا کہ تیمّم کر لیتا اور اپنے زخم پر ایک کپڑا باندھ کر اس پر مسح کرتا اور پھر سارا بدن دھولیتا۔(ابوداؤد)

٤٨٨۔وعن أبي سعيدٍالخدريِّ قال: خرجَ رجلانِ في سفرٍ فحضرتِ الصلاةُ وليس معَهُما ماءٌ فتيمّماصعيدًا طيّبًا فصلّيا ثمّ وجدَ الماءَ في الوقتِ فأعادَ أحدُهماالصلوٰة بوضوءٍ ولمْ يُعدِ الآخرُ ثمّ أتيا رسولَ الله ﷺ فذكراذلك فقال للذي لم يُعِدْ: أصبتَ السنّةَ وأجزأتْكَ صلوتُك وقال: للذي توضّأ وأعاد: لكَ الأجرُ مرّتين.[أبوداؤد،دارمی،والنسائی نحوه]

ترجمہ:ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ دو شخص (صحابی) ایک سفر میں نکلے، نماز کا وقت ہوگیا اُن کے پاس پانی نہ تھا، لہذا پاک مٹی سے تیمّم کر کے دونوں نے نماز پڑھ لی، پھر وقت کے اندر اندر ان کو پانی مل گیا، چنانچہ اُن میں سے ایک شخص نے وضو کر کے (وہی) نماز دوبارہ پڑھ لی اور دوسرے نے نہ پڑھی، پھر دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور یہ (قصہ) ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے (سن کر) اس شخص سے فرمایا جس نے نماز دوبارہ نہیں پڑھی: ''تم نے سنت کو پالیا'' (یعنی عمل کرلیا) اور جس نے وضو کر کے نماز لوٹائی تھی اس سے فرمایا کہ ''تمہیں دوہرا اجر ہے''۔

۴۸۹۔عن أبي الجهيم بن الحارث بن الصمةؓ قال: أقبلَ النبيُّ ﷺ من نحوِ بئرِ جملٍ فلقِيَه رجلٌ فسلّم عليه فلم يَرُدّ عليه النبيُّ ﷺحتىٰ أقبلَ على الجدارِ فمسحَ بوجهِه ويديه ثمّ ردّ عليه السّلامَ.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابوالجہیم بن الحارث بن الصمةؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ جمل کے کنویں کی طرف سے تشریف لائے ،ایک آدمی آپ ﷺ سے ملے،اس نے آپ ﷺ کوسلام کیا، نبی پاک ﷺ نے سلام کا جواب نہ دیا، یہاں تک کہ ایک دیوار کے پاس آئے اور اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا، پھراس آدمی کے سلام کا جواب دیا۔(متفق علیہ)

۴۹۰۔وعن عمّار بن ياسرؓ أنّه كانَ يُحدّثُ: أنّهم تمسّحُوا ،وهُم معَ رسولِ الله ﷺ بالصعيدِ لصلوٰةِ الفجرِ فضربوا بأكُفّهم الصعيدَ ثمّ مسحوا بوُجوهِهم مسحةً واحدةً ثمّ عادوا فضربوا بأكفّهم الصعيدَ مرّةً أُخرىٰ فمسحُوا بأيديهم كلّها الى المناكبِ والآباط مِن بُطونِ أيديهم .[أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے،وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی میں (ایک مرتبہ پانی نہ ملنے کی بناپر) صحابہؓ نے فجر کی نماز کے لیے (پاک) مٹی سے تیمم کیا چنانچہ انہوں نے (پہلے) مٹی پر ہاتھ مارے پھر ایک بار اپنے چہروں کا مسح کیا پھر دوبارہ مٹی پر ہاتھ مارے اور اپنے ہاتھوں کی اندر کی جانب سے مونڈھوں اور بغلوں تک پورے ہاتھوں کا مسح کیا۔(ابوداؤد)

(بابُ الغُسلِ المَسنُونِ)

''الفصل الاوّل''

کیا جمعہ کے لیے غسل واجب ہے؟:

۴۹۱۔عن ابن عمرؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ:إذا جاء أحدُكم الجمعةَ فليَغْتَسِلْ .[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ (پڑھنے) کو آئے تو اسے چاہیے کہ غسل کرے۔

تشریح: قوله: إذا جاء أحدكم الجمعة فليغتسل: ۔اس جگہ غسلِ جمعہ کے وجوب اور عدمِ وجوب کے متعلق فقہائے کرام کے مابین جو اختلاف ہوا ہے اس کو نقل کیا جاتا ہے:

چنانچہ اہلِ ظواہر اور سلف کی ایک جماعت کے ہاں غسلِ جمعہ واجب ہے۔مذکورہ حدیث اور وہ تمام احادیث ان حضرات کی دلیل ہے جس میں غسل جمعہ کے وجوب کا یا ہر مسلمان پر حق ہونے کا ذکر ہے مثلاً:اس حدیث کے متصل حدیثِ ابوسعیدؓ مرفوعاً: ''غسلُ يومِ الجمعةِ واجبٌ علىٰ كلّ محتلمٍ''۔(متفق علیہ) ایسے ہی اس کے متصل حدیثِ ابوہریرہؓ ۔

جبکہ جمہور فقہاء غسلِ جمعہ کو مستحب و مسنون کہتے ہیں نہ کہ واجب۔ان حضرات کی دلیل اسی باب کے فصلِ ثانی کی پہلی روایت ہے: ''عن سمرة بن جندبؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ:من توضّأ يومَ الجمعةِ فبِهَا ونِعمتُ ومَن اغتسل فالغُسل أفضلُ.'' یعنی جمعہ کے دن صرف وضو کرنا بھی اچھی بات ہے لیکن غسل کرنا افضل ہے۔

فصلِ ثانی میں مروی حدیثِ ابن عباسؓ بھی ان حضرات کی دلیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع میں مسجدِ نبوی تنگ تھی اور لوگ محنت مشقت کرتے تھے، اس پر صوف کے کپڑے اور گرمیوں کا زمانہ۔ یہ سب باتیں خوب پسینے اور بدبو کا سبب بنتیں، اس بنا پر نماز جمعہ میں آنے کے لیے غسل کو واجب کیا گیا تھا، بعد میں جب فتوحات ہوئی، مسجدِ نبوی میں توسیع کردی گئی اور پسینے کی بدبو سے ایذا اور تکلیف پانے کا قصہ باقی نہ رہا تو غسل کا وجوب منسوخ کردیا گیا۔ حضرت ابنِ عباسؓ کی اس حدیث سے زیرِ بحث حدیثِ ابن عمرؓ کا جواب بھی ہوجاتا ہے کہ اس میں وارد 'فليغتسل" صیغہِ امر کو استحباب پر محمول مانا جائے گا۔

غسلِ جمعہ کی مشروعیت صلاۃِ جمعہ کے واسطے ہے یا...؟:

جمہور فقہاء زیرِ بحث حدیثِ ابن عمرؓ سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ غسلِ جمعہ صلاۃِ جمعہ کے واسطے مشروع ہے نہ کہ یومِ جمعہ کے واسطے، حدیثِ ابن عباسؓ سے بھی اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔ غسل کا صلاۃِ جمعہ کے واسطے مشروع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسی غسل میں کیے جانے والے وضو سے نماز ادا کی جائے، لہٰذا اگر کسی کو غسل کے بعد حدث لاحق ہوجائے اور وہ دوبارہ وضو کر کے نماز ادا کرلے تو عندالجمہور اس شخص کی نماز جمعہ کے لیے غسل کرنے کی سنت رہ گئی۔

جبکہ امام محمدؒ اور امام داؤد ظاہریؒ کے ہاں غسلِ جمعہ، یومِ جمعہ کی سنت ہے نہ کہ نمازِ جمعہ کی۔ ان کا استدلال حدیث ابی سعیدؓ سے ہے: "غسل يوم الجمعةِ واجبٌ علىٰ كلّ محتلم"۔ (متفق علیہ)

۴۹۲۔ وعن أبي سعيدؓ قال: قال رسول الله ﷺ: غسلُ يومِ الجمعةِ واجبٌ علىٰ كلّ مُحتلِمٍ. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔ (متفق علیہ)

۴۹۳۔ وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: حقٌّ علىٰ كلِّ مسلمٍ أن يغتسِلَ في كلِّ سبعةِ أيّامٍ يغسِلُ فيه رأسَه و جسدَه. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر (عاقل بالغ) مسلمان پر حق (ضروری) ہے کہ ہر سات دن میں (ایک دن) نہائے جس میں اپنا سر اور بدن (اچھی طرح) دھوئے۔ (متفق علیہ)

"الفصل الثاني"

جمعہ کے دن غسل کرنا وضو کی بنسبت زیادہ بہتر ہے:

۴۹۴۔ عن سمُرة بن جُندبٍؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن توضّأ يومَ الجمعةِ فَبِها و نِعمَتْ و مَنِ اغتسلَ فالغُسلُ أفضلُ.

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے جمعہ کے دن (صرف) وضو کیا تو ٹھیک ہے اور اچھی بات ہے اور جس نے غسل کیا تو غسل زیادہ بہتر ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی)

میت کونہلانے والاخود بھی غسل کرے:

٤٩٥ـ وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ. [ابن ماجة وزاد أحمد والترمذي وأبو داؤد: "ومَن حملَه فليتوضّأ"]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مردہ کو غسل دیا اسے چاہیے کہ (خود بھی) غسل کرلے۔

میت کونہلانے والے پر غسل کے وجوب کا مسئلہ:

تشریح: قوله: من غسل ميّتًا فليغتسل.... وزاد أحمد والترمذي وأبو داؤد: "ومن حمله فليتوضأ"....: اس جیسی احادیث کی بنا پر حضرت علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، سعید بن المسیبؒ اور امام زہریؒ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ میت کو نہلانے کے بعد غاسل یعنی نہلانے والے پر غسل واجب ہے اور جنازہ اٹھانے والے پر وضو۔

جبکہ جمہور صحابہ کرامؓ اور فقہاء نہ غُسل کے وجوب کے قائل ہیں اور نہ وضو کے۔ یہ حضرات بیہقی میں مروی ایک مرفوع حدیث سے استدلال کرتے ہیں: "ليس عليكم في غسل ميتكم غسلٌ إذا اغتسلتموه، إنّه مؤمنٌ طاهرٌ وإنّ المسلمَ ليس بنجسٍ فحسبُكم أن تغسِلوا أيديَكم" یعنی "میت کو نہلانے پر غسل واجب نہیں کیونکہ میت ایک پاک مؤمن ہے اور مسلمان نجس نہیں، بس اتنا کافی ہے کہ تم اپنے ہاتھوں کو دھولو"۔ یہ حضرات زیر بحث حدیث میں وارد "فليغتسل" اور "فليتوضأ" صیغ امر کو استحباب پر محمول مانتے ہیں اور غسلِ میت کے بعد غسل کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ غاسل کو اپنی طہارت کے حوالے سے اطمینان حاصل ہو اور مشاہدۂ میت سے جو ضعف و اکتاہٹ لاحق ہوئی اس کا ازالہ ہو جائے۔ اور حملِ جنازہ سے وضو کا حکم دینے میں حکمت یہ کہ آگے چل کر صلاۃِ جنازہ کی ادائیگی کے وقت وضو کرنے کی دقت نہ ہو یا یہ کہ حملِ جنازہ بھی ایک عبادت ہے لہٰذا مناسب ہے کہ یہ عبادت بھی باوضو ہو۔ (نفحات، مرآۃ)

چار باتوں سے غسل کرنے کا حکم:

٤٩٦ـ وعن عائشةؓ أنّ النبيَّ ﷺ كانَ يغتسلُ من أربعٍ: مِنَ الجنابةِ ويومَ الجمعةِ ومِن الحَجامةِ ومِن غُسلِ المَيِّت. [أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ چار باتوں سے غسل کرتے (یعنی غسل کرنے کا حکم دیتے): جنابت سے، جمعہ کے دن اور سینگی لگوانے سے اور میت کو غسل دینے سے۔ (ابوداؤد)

قوله: كان يغتسلُ....: أي "يأمرُ بالاغتسال" یعنی آنحضرت چار وجوہ سے غسل کرنے کا حکم دیتے تھے، یہ تاویل اس لیے اختیار کی گئی کہ آنحضرت کا کسی میت کو غسل دینا ثابت نہیں چہ جائیکہ آپ غُسل دے کر نہاتے ہوں۔

قبولِ اسلام پر غسل:

٤٩٧ـ وعن قيس بن عاصمؓ أنّه أسلمَ فأمرَه النبيُّ ﷺ أنْ يغتسِلَ بماءٍ وسِدرٍ. [ترمذي، أبو داؤد، نسائي]

ترجمہ: حضرت قیس بن عاصمؓ سے مروی ہے کہ وہ اسلام لائے تو نبی پاک ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ پانی اور بیری (کے پتوں) کے ساتھ غسل کرے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

""الفصل الثالث""

غسلِ جمعہ کی ابتدا کا قصہ:

٤٩٨۔عن عكرمة قال: إنّ ناسًا من أهلِ العراقِ جاؤوا فقالُوا: ياابنَ عباس أتَرَى الغُسلَ يومَ الجُمعةِ واجبًا قال: لا ولكنّه أطهرُ وخيرٌ لمَن اغتسلَ ومَن لم يغتسِلْ فليس عليه بواجبٍ وسأُخبِرُكم كيف بدأ الغُسلُ؟ كان النّاسُ مجهودينَ يلبسونَ الصُّوفَ ويعمَلُون علىٰ ظُهورِهم وكان مسجدُهم ضيّقًا مُقارِبَ السقفِ إنّما هو عريشٌ فخرجَ رسولُ اللهِ ﷺ في يومٍ حارٍّ وعرِقَ النّاسُ في ذلكَ الصُّوفِ حتّىٰ ثارتْ منهم رياحٌ آذى بذلكَ بعضُهم بعضاً فلمّا وجدَ رسولُ اللهِ ﷺ تلكَ الرِّياحَ قال: يا أيّها النّاسُ إذا كانَ هذا اليومُ فاغتسِلُوا وليمَسَّ أحدُكم أفضلَ مايجِدُ مِن دُهنِه وطيبِه. قال ابن عباس: ثمّ جاءَ اللهُ بالخيرِ ولبِسُوا غيرَ الصوفِ وكُفُوا العملَ ووُسِّعَ مسجدُهم وذهبَ بعضُ الذى كان يُؤذِي بعضُهم بعضًا مِن العَرَقِ. [أبو داؤد]

ترجمہ: عکرمہؒ سے مروی ہے کہ عراق کے کچھ لوگ آئے اور (ابن عباسؓ) سے پوچھا کہ اے ابن عباس! کیا آپ جمعہ کے دن غسل کرنے کو واجب سمجھتے ہو؟ آپؓ نے فرمایا: نہیں! لیکن غسل کرنا آدمی کے لیے زیادہ پاکی کا باعث اور زیادہ بہتر ہے، اور جو غسل نہ کرے تو اس پر واجب بھی نہیں۔ اور میں تم کو بتادیتا ہوں کہ (جمعہ کے دن) غسل کی ابتدا کیسے ہوئی؟ (اصل بات یہ تھی کہ) لوگ نادار تھے، اون (کے کپڑے) پہنا کرتے تھے، اپنی پیٹھوں پر (بوجھ اٹھانے کا) کام کرتے تھے، ان کی مسجد تنگ اور نیچی چھت والی تھی، وہ (مسجد) تو بس ایک چھپر ہی تھا، چنانچہ ایک سخت گرم (جمعہ کے) دن نبی پاک ﷺ تشریف لائے اور لوگ صوف (کے لباس) میں پسینہ پسینہ ہوگئے تھے یہاں تک کہ (ان کے پسینہ کے سبب) بدبو پھیل گئی، جس سے بعض بعض کی تکلیف کا سبب بنے، جب رسول اللہ ﷺ کو اس بدبو کا احساس ہوا تو فرمایا: اے لوگو! جب یہ (جمعہ کا) دن ہو تو نہالیا کرو اور چاہیے کہ تم میں سے جو شخص عمدہ خوشبو اور تیل پائے تو وہ لگائے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ نے مال دیا اور لوگ صوف کے علاوہ (عمدہ سوتی) کپڑے پہننے لگے اور کام کاج سے بھی (غلاموں کی وجہ سے) کفایت کیے گئے، اور مسجد بھی وسیع ہوگئی اور پسینہ کی وجہ سے جو بو [ایذا کا سبب بنتی] تھی وہ بھی نہ رہی۔

(بابُ الحَيضِ)

حیض کا لغوی اصطلاحی معنیٰ:

''حیض'' کے لغوی معنیٰ سیلان (بہنا) کے آتے ہیں اور شرع میں اس کی تعریف ہے: " هُو دمٌ ينفُضُه رحمُ امرأةٍ سليمةٍ عن داءٍ وصغر" یعنی ''حیض وہ خون ہے جو تندرست اور بالغہ عورت کو ہر مہینے عادت کے طور پر آگے کی راہ سے آتا ہے''۔

حیض کی اقل اور اکثر مدت:

فقہائے کرام کے درمیان حیض کے اقل اور اکثر مدت کی تعیین میں اختلاف ہوا ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک

اقل مدتِ حیض ایک دن رات اور اکثر مدت پندرہ دن راتیں ہیں۔ یہ حضرات اقل مدتِ حیض کے لیے استقراء (یعنی عورتوں کے احوال کے تتبع اور تفقد) کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں اور اکثر مدتِ حیض کے لیے حدیث: "تمکث إحداکنّ شطر عمرها لا تصلّی" سے استدلال کرتے ہیں، اس حدیث میں وارد لفظ "شطر" نصف کے معنیٰ میں آتا ہے اور نصف عمر نماز نہ پڑھنے کی تب ہی بنے گی جبکہ پندرہ دن کو اکثر مدتِ حیض قرار دیا جائے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک اقل مدتِ حیض ایک ساعت ہے جبکہ اکثر مدت پندرہ یا سترہ دن ہیں، اقل مدت کے لیے آپؒ قیاس سے کام لیتے ہیں کہ جس طرح دوسرے احداث میں اقل مدت کا کوئی اعتبار نہیں اس طرح حیض بھی ایک حدث ہے، لہٰذا اس میں بھی اقل مدت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اور اکثر مدتِ حیض کے لیے آپؒ کی دلیل وہی ہے جو امام شافعیؒ کی ہے۔

جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں حیض کی اقل مدت تین دن راتیں ہیں اور اکثر مدتِ حیض دس دن راتیں ہیں۔ آپؒ کی دلیل حضرت واثلہ بن الاسقعؓ کی یہ روایت ہے: "قال رسول اللہ ﷺ: أقلُّ الحیضِ ثلاثةُ أیّامٍ و أکثرهُ عشرةُ أیّامٍ." (دار قطنی) یعنی "حیض کا کم دورانیہ تین دن ہیں اور زیادہ دس دن"۔ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن کثرتِ طرق کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچی ہوئی ہے، اسی بنا پر لائقِ استدلال ہے۔ امام صاحبؒ کی جانب سے ان حضرات کے دلائل کے جوابات یہ ہیں کہ استقراء کوئی شرعی دلیل نہیں اور قیاس بمقابلۂ نص معتبر نہیں جبکہ حدیث: "تمکث إحداکنّ شطر عمرها لا تصلّی" بے اصل ہے جس سے استدلال صحیح نہیں۔ (نفحات)

"الفصل الاوّل"

حالتِ حیض میں بیوی سے استمتاع کا مسئلہ:

۴۹۹۔ عن أنسؓ قال: إنّ الیهودَ کانوا إذا حاضتِ المرأةُ فِیهم لم یُؤاکِلُوها ولم یُجامِعُوهُنّ فی البیوتِ فسأل أصحابُ النبیِّ ﷺ النبیَّ ﷺ فأنزلَ اللهُ تعالیٰ: "ویسألونَك عنِ المَحِیضِ" فقال رسول الله ﷺ: اصنعُوا کلَّ شیءٍ الّا النکاحَ، فبلغَ ذلك الیهودَ فقالوا: مایُریدُ هذا الرجلُ أنْ یدَعَ مِن أمرِنا شیئًا الّا خالفَنا فیه، فجاء أُسید بن حُضیر وعبّاد بن بِشر فقالا: یارسول اللهِ إنّ الیهودَ یقولُ کذا و کذا، أفلا نُجامِعُهنّ، فتغیّرَ وجهُ رسولِ الله ﷺ حتیّٰ ظنّنا أن قدْ وجدَ علیهما فخرجا فاستقبلتْهما هدِیّةٌ مِن لبنٍ الی النبیِّ ﷺ فأرسلَ فی آثارِهما فسقاهما فعرفا أنّه لم یجدْ علیهما. [مسلم]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ یہود میں جب کسی عورت کو حیض آجاتا تو وہ لوگ نہ اس کے ساتھ کھاتے اور نہ گھروں میں ان کے ساتھ رہتے، چنانچہ نبی پاک ﷺ کے صحابہ نے نبی پاک ﷺ سے (اس بارے میں) پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت "ویسئلونك عن المحیض..." اتاری، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی بیویوں کے ساتھ (ان کے حیض میں) سوائے جماع کے سب کچھ کرو۔ یہ بات یہود کو معلوم ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ شخص (محمد ﷺ) ہمارے دین کی کوئی بات نہیں چھوڑنا چاہتا مگر یہ کہ اس میں ہماری مخالفت کرتا ہے۔ (یہ سن کر) اسید بن حُضیرؓ اور عباد بن بشرؓ آئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! یہودی ایسا ایسا کہتے ہیں (یہود کا کلام نقل کرنے کے بعد انہوں نے کہا کہ) آیا ہم بھی (ایام حیض میں) عورتوں کے پاس رہنا ترک نہ کردیں؟ (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہوگیا حتیٰ کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ ﷺ اُن پر خفا ہوگئے ہیں چنانچہ وہ دونوں چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی آپ ﷺ کے پاس ہدیہ میں دودھ آیا، آپؐ نے اُن دونوں کے پیچھے (آدمی)

بھیجا (جب وہ آئے تو) آپ ﷺ نے اُن کو دودھ پلایا، تو وہ جان گئے کہ آپ ﷺ اُن سے ناراض نہیں ہوئے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: اصنعُو اكلَّ شيءٍ إلّا النّكاحَ...:۔ یہاں حالتِ حیض میں بیوی سے استمتاع کا بیان ہے۔ حالتِ حیض میں وطی بالاتفاق حرام ہے اور ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے بدن سے استمتاع حاصل کرنا بالاتفاق حلال ہے اس حدیث میں "نکاح" بمعنیٰ وطی کے ہیں۔ البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ زیر ناف اور گھٹنوں سے اوپر بدن سے ماتحت الازار (ننگے بدن سے) سوائے جماع کے استمتاع کرنا مثلاً ہاتھ پھیرنا وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام احمدؒ، امام محمدؒ اور امام داؤد ظاہریؒ کے نزدیک علاوہ جماع کے حائضہ عورت سے اس طرح استمتاع کرنا جائز ہے۔ حدیثِ باب کی مذکورہ عبارت ان حضرات کی دلیل ہے۔

جبکہ ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں اس طور پر استمتاع ناجائز ہے۔ یہ حضرات ان متعدد روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں زیر ناف بدن سے مافوق الازار یعنی کپڑوں کے اوپر سے استمتاع کی اجازت دی گئی ہے مثلاً: اسی باب کے فصلِ اول کی دوسری روایت میں وارد حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ: "وكان يأمرُني فأتّزِرُ فيُباشِرُني و أناحائضٌ." [ترجمہ] "حضور ﷺ مجھے حکم فرماتے، پس میں ازار باندھ لیتی پھر حضور ﷺ مجھ سے مباشرت فرماتے جبکہ میں حائضہ ہوتی"۔ اس حدیث میں حضور ﷺ کا اپنا عمل "استمتاع بما فوق الإزار" منقول ہے۔ فصلِ ثالث میں زید بن اسلمؓ کی روایت میں ایک شخص کا استفسار مذکور ہے کہ "ما يحِلُّ لي من امرأتي وهي حائضٌ" یعنی "حالتِ حیض میں بیوی سے کس طرح کا استمتاع میرے لیے حلال ہے؟"۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تَشُدُّ عليها إزارَها ثمّ شأنكَ بأعلاها" یعنی "وہ ازار باندھ لے پھر ازار کے اوپر سے آپ اس سے استمتاع کرو"۔ اس کے علاوہ دیگر روایات بھی جمہور کی مؤید ہیں جو اس پر ناطق ہیں کہ استمتاع بما تحت الازار جائز نہیں۔

جمہور حضرات کی طرف سے امام احمدؒ وغیرہ حضرات کو زیرِ بحث حدیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ " اصنعوا كل شيءٍ إلا النكاح" میں حصرِ اضافی ہے، چونکہ یہود حالتِ حیض میں عورت کے ساتھ تمام معاملات حتیٰ کہ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا سب ترک کر دیتے تھے جس کی بنا پر عورت حالتِ حیض میں کافی مظلوم ہوتی۔ یہاں یہود کے اس باطل عمل کی تردید کے پیشِ نظر اس ارشاد میں حائضہ کے ساتھ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے کی اجازت دینی مقصود ہے نہ کہ استمتاع بما تحت الازار کی اجازت۔ (نفحات)

حائضہ بیوی کے ساتھ معاشرت، سنت کی روشنی میں:

۵۰۰۔ وعن عائشةؓ قالت: كنتُ أغتسِلُ أنا والنبيُّ ﷺ من إناءٍ واحدٍ كِلانا جُنبٌ وكان يأمرُني فأتّزِرُ فيُباشرُني وأناحائضٌ وكان يُخرجُ اليّ رأسَه وهو معتكفٌ فأغسِلُه وأناحائضٌ. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور نبی پاک ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے اور ہم دونوں جنبی ہوتے تھے اور (جب میں حیض میں ہوتی تو) آپ ﷺ مجھ سے (تہبند باندھنے کا) فرماتے، چنانچہ میں تہبند باندھ لیتی پھر آپ ﷺ مجھ سے ہم آغوش ہوتے، جبکہ میں حائضہ ہوتی اور جب آپ ﷺ اعتکاف میں ہوتے تو اپنا سر مبارک میری طرف (حجرہ کی جانب) نکال دیتے اور میں اسے دھوتی جبکہ میں ایام سے ہوتی۔ (متفق علیہ)

۵۰۱۔وعنها قالت: کنتُ أشربُ وأنا حائضٌ ثمّ أُناوِلُه النبيَّ ﷺ فيَضعُ فَاه علىٰ موضعِ فِيّ فيشرَبُ وأتعرّقُ العَرْقَ وأناحائضٌ ثمّ أُناوِلُه النبيَّ ﷺفيضعُ فاه علىٰ موضعِ فِيّ.[مسلم]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حیض کی حالت میں (کسی برتن سے) پانی پیتی پھر (وہ برتن) آپ ﷺ کو دے دیتی پس آپ ﷺ اپنا منہ مبارک اسی جگہ رکھ کر (پانی) پیتے جہاں میں نے منہ رکھا ہوتا اور (کبھی) حالتِ حیض کے اندر میں ہڈی نوچتی، پھر وہ ہڈی آپ ﷺ کو دے دیتی چنانچہ نبی پاک ﷺ میرے منہ لگانے کی جگہ اپنا منہ رکھتے۔(مسلم)

۵۰۲۔وعنها قالتْ: كان النبيُّ ﷺ يتّكِئُ في حَجري وأنا حائضٌ ثمّ يقرءُ القُرآنَ.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ میری گود میں سر رکھ دیتے اور میں حائضہ ہوتی پھر آپ ﷺ قرآن پڑھتے۔(متفق علیہ)

۵۰۳۔وعنها قالت: قال لي النبيُّ ﷺ: ناوِلِيني الخُمرَةَمِن المَسجدِ فقلتُ:إنّي حائضٌ فقال: إنّ حيضتَكِ ليستْ في يدِكِ.

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھ سے نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مجھے مسجد سے بوریا (جائے نماز) پکڑا دے۔میں نے عرض کیا کہ میں حائضہ ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔(مسلم)

۵۰۴۔وعن ميمونةؓ قالت :كان رسولُ الله ﷺ يُصَلّي في مِرطٍ بعضُه عليّ وبعضُه عليه وأنا حائضٌ.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ایسی) چادر میں نماز پڑھ لیتے جس کا بعض حصہ میرے اوپر ہوتا اور بعض آپ ﷺ پر، جبکہ میں حائضہ ہوتی۔(متفق علیہ)

''الفصل الثانی''

حائضہ سے ہمبستری پر وعید:

۵۰۵۔عن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ:مَن أتىٰ حائضًا أوامرأةً في دُبرِها أو كاهنًا فقد كَفَرَ بما أُنزلَ علىٰ محمدٍ. [ترمذی،ابن ماجة،دارمی ،وفي روايتهما:"فصدّقَه بمايقولُ فقدْ كفرَ".]وقال الترمذي:لانعرفُ هذاالحديثَ الّا مِن حكيمٍ الأثرمِ عن أبي تميمة عن أبي هريرة.

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص حائضہ کے پاس آیا (یعنی صحبت کی) یا عورت کے پچھلے حصہ میں صحبت کی یا کاہن کے پاس آیا تو اس نے محمد (ﷺ) پر نازل کیے گئے دین کا کفر کیا۔(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی) اوران دونوں کی روایت میں آیا ہے کہ ''اس آدمی نے کاہن کی باتوں کی تصدیق کی تو (گویا) کافر ہوا''۔

تشریح: قوله: من أتىٰ حائضًا أوامرأةً في دبرها أو كاهنًافقد كفر بما أُنزل علىٰ محمدٍ:۔''اتیانِ حائض''اور''اتیانِ مراۃ'' سے مراد جماع ہے اور''اتیان کاہن'' سے مراد کاہن کی تصدیق کرنا ہے۔اس اسلوب کو (کہ ایک لفظ کے دو معنیٰ لیے جائیں اس طرح کہ ایک جگہ میں ایک معنیٰ اور دوسری جگہ میں دوسرا معنیٰ مراد لیا جائے) علمِ بدیع میں ''صنعتِ استخدام'' کہا جاتا ہے۔اتیانِ حائض، اتیانِ الزوجۃ فی دبرھا اور اتیانِ کاہن اعلیٰ درجہ کے کبیرہ گناہ ہیں۔ان تین گناہوں پر "فقد کفر" کا ترتب تغلیظاً وتشدیداً کیا گیا ہے یا پھر

ارشاد مستحلّ (ان گناہوں کو حلال سمجھنے والے) کے بارے میں ہے۔البتہ اتیانِ حائض اور اتیانِ زوجہ فی الدبر کے بارے میں فقہاء کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اس کے حلال سمجھنے والے کی تکفیر نہ کی جائے کیونکہ اس کی حرمت لغیرہ ہے،لیکن اگر کوئی شخص اپنی زوجہ یا باندی کے علاوہ کسی بھی انسان کے ساتھ وطی فی الدبر کو حلال سمجھتا ہو تو وہ بلاشبہ کافر ہو جاتا ہے۔

۵۰۶۔وعن معاذ بن جبلؓ قال: قلتُ: يا رسولَ الله! مايَحِلُّ لي مِن امرأتي وهي حائضٌ قال: مافوقَ الإزارِ والتعفُّفُ عن ذلك أفضلُ.[رزين ،وقال محي السنة : إسنادُه ليس بقويٍ]

ترجمہ:حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے لیے میری بیوی سے کس قسم کا استمتاع حلال ہے جبکہ وہ حیض سے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تہبند کے اوپر سے استمتاع (حلال ہے) اور بچنا اس سے بھی افضل ہے۔(رزین)

حیض کی حالت میں جماع پر کفارہ کا مسئلہ:

۵۰۷۔عن ابن عباسؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إذا وقعَ الرجلُ بأهلِه وهي حائضٌ فليتصدَّقْ بنصفِ دينارٍ.

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنی بیوی سے جماع کرے جبکہ بیوی حائضہ ہو تو اس کو چاہیے کہ آدھا دینار صدقہ کرے۔(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

تشریح: قوله: إذا وقع الرجلُ بأهلِه وهي حائضٌ فليتصدق بنصف دينار: ۔اگر کسی نے اپنی بیوی کے ساتھ حالتِ حیض میں قصداً وطی کرلی تو اس پر کفارہ ہے یا نہیں؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے،چنانچہ امام اوزاعیؒ،قتادہؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ ایسے شخص پر وجوبِ کفارہ کے قائل ہیں۔ان حضرات کی دلیل زیرِ بحث حدیث اور اس کے بعد والی روایت ہے۔

لیکن جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ حالتِ حیض میں وطی کا تدارک فقط توبہ واستغفار ہے۔یہ حضرات زیرِ بحث حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ روایت باتفاقِ محدثین ضعیف ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں اور اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو پھر ''تصدقِ دینار'' کا حکم استحبابی ہوگا۔(فحات)

۵۰۸۔وعنه عن النبيِّ ﷺ قال: إذا كان دمًا أحمرَ فدينارٌ وإذا كان دمًا أصفرَ فنصفُ دينار.

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ ہی سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب (حیض کا) خون سرخ (رنگ کا) ہو (اور صحبت کرلے) تو ایک دینار صدقہ کرے اور اگر خون زرد رنگ کا ہو تو آدھا دینار صدقہ کرے۔(ترمذی)

''الفصل الثالث''

۵۰۹۔عن زيد بن أسلمؒ قال: إنّ رجلاً سألَ رسولَ الله ﷺ فقال: ما يَحِلُّ لي مِن امرأتي وهي حائضٌ؟ فقال رسولُ الله ﷺ تَشُدُّ عليه إزارَها ثمّ شأنُك بأعلاها.[مالك ،دارمي مرسلاً]

ترجمہ:حضرت زید بن اسلمؒ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ مجھے میری بیوی سے کیا چیز حلال ہے جب کہ وہ حائضہ ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ وہ اپنے اوپر اپنا ازار مضبوطی کے ساتھ باندھ لے پھر تیرا کام اس کے اوپر سے ہے۔(مالک، دارمی)

۵۱۰ ـ عن عائشةؓ قالت: کنتُ إذا حِضتُ نزلتُ عن المِثَالِ علی الحصیرفلم نَقرُبُ رسولَ اللهﷺولم ندنُ منه حتیٰ نطهُرَ.
ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب میں حیض سے ہوجاتی تو بستر سے اتر کر بوریے (چٹائی) پر آجاتی پس (ایسی حالت میں) ہم رسول اللہﷺ کے قریب نہ ہوتیں اور نہ نزدیک ہوتیں یہاں تک کہ پاک ہوجاتیں۔ (ابوداؤد)

(بابُ المُستَحَاضةِ)

استحاضہ کالغوی، اصطلاحی معنیٰ، اقسام واحکام:

''استحاضہ'' بابِ استفعال کا مصدر ہے اس کا مادہ حیض بمعنیٰ سیلان (بہنا) ہے، زیادتِ حروف سے اس میں مبالغہ پیدا ہوگیا، اب معنیٰ ہوگا کثرت کے ساتھ بہنا۔ شرع میں اس کی تعریف یہ ہے: "هو دمٌ يخرُجُ من العِرْقِ فی فمِ الرحمِ يقالُ له" العاذلُ " بسببِ المرضِ" (یہ وہ خون ہے جو دہانۂ رحم سے مرض کے سبب ''عاذل'' نامی رگ سے نکلتا ہے)۔ چونکہ اس خون کا سبب مرض ہے لہٰذا اس کے کم وبیش مقدار کی نہ کوئی مدت مقرر ہے اور نہ ہی اس کے احکام حیض والے ہیں۔

مستحاضہ کی اقسام اور اُس کے احکام:

حضرات فقہائے کرام نے استحاضہ کو عذر قرار دیا ہے اور مستحاضہ کے لیے [وضولکل صلاةٍ] یا [وضولوقتِ کلّ صلاةٍ] کو واجب کہا ہے مستحاضہ کے اقسام اور ان کے احکام درج ذیل ہیں:

(۱) مستحاضۂ مبتدئہ: یہ وہ مستحاضہ عورت ہے جس کو ابتدائے بلوغ ہی سے استحاضہ کا خون جاری ہوجائے مثلاً: حضرت حمنہ بنت جحشؓ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ عورت اپنے خاندان کی عورتوں کے عادتِ حیض کا اعتبار کرے ورنہ ہر ماہ شروع کے دس دن حیض شمار کرے اور پھر انقطاعِ حیض والا غسل کر کے ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کرے اور نماز پڑھے۔

(۲) مستحاضۂ معتادہ: اس سے وہ عورت مراد ہے جس کے حیض کی عادت مقرر تھی اور عادت اس کو یاد بھی تھی پھر اس کو استحاضہ لاحق ہوگیا مثلاً حضرت فاطمہ بنت ابی حُبیشؓ یا فاطمہ بنت قیسؓ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی عورت ایامِ عادت کو حیض شمار کرے اور باقی کو استحاضہ اور نماز پڑھتی رہے۔

(۳) مستحاضہ متحیّرہ یا مضلّہ: وہ مستحاضہ عورت ہے جس کے حیض کی عادت مقرر نہ تھی یا مقرر تو تھی لیکن بھول گئی مثلاً: بقولِ علامہ خطابی حضرت ام حبیبہ بنت جحشؓ۔ اجمالی طور پر اس کے احکام یہ ہیں کہ ''غیر معتادہ متحیرہ'' اپنے قوم کی عورتوں کی غالب عادت پر عمل کرے اور ''معتادۂ ناسیہ'' تحری (غور وفکر) کر کے ظنِ غالب کے مطابق عمل کرے، یعنی جن ایام میں اس کو اپنے طاہرہ ہونے کا یقین ہو اُن ایام میں ہر نماز کے لیے وضو کر کے نماز پڑھے اور جن ایام میں اُس کو اپنے حائضہ ہونے کا یقین ہو ان میں نماز نہ پڑھے۔ اور اگر کسی جانب بھی ظنِ غالب نہ ہو بلکہ تردّد ہو تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: پہلی یہ کہ حیض وطہر کے درمیان دخول فی الحیض میں تردّد ہو تو اس صورت میں وضولکل صلاۃ کے ساتھ نماز پڑھے گی۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ حیض اور طہر کے درمیان دخول فی الطہر میں تردّد ہو، اس صورت میں غُسل لکل

صلاۃ کے ساتھ نماز پڑھے گی۔

مستحاضہ کی درج بالا تینوں قسمیں اتفاقی ہیں۔ایک چوتھی قسم ''مستحاضہ ممیزہ بالالوان'' ہے(یعنی وہ مستحاضہ جوخون کے رنگ سے اُس کے حیض یا استحاضہ ہونے کا یقین کرے)ائمہ ثلاثہؒ اس قسم کے قائل ہیں جبکہ احناف اس کے قائل نہیں۔ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ حیض کا خون اسود غلیظ (یعنی کالا سیاہ اور گاڑھا) ہوتا ہے جبکہ حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ استحاضہ کی صورت میں خون کے رنگ کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ صرف عادت کا اعتبار ہوگا۔اس سلسلے میں فریقین کے دلائل احادیث کی شرح کے تحت ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

''الفصل الاوّل''

استحاضہ کی صورت میں خون کے رنگ کا اعتبار:

۵۱۱۔وعن عائشةَ قالت: جاءتْ فاطمةُ بنتُ أبي حُبيشٍ إلى النبيِّ ﷺ فقالت: يا رسولَ الله!إنّي امرأةٌ أُستحاضُ فلاأطهُرُ أفأدَعُ الصلوٰةَ فقال: لا،إنّما ذلك عِرْقٌ وليسَ بحيضٍ فاذاأقبلتْ حَيضتُكِ فدَعِي الصلوٰةَ واذاأدبرتْ فاغسِلي عنكِ الدمَ ثمّ صلّي.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حُبیشؓ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں استحاضہ (مسلسل خون آنے کی بیماری) میں مبتلا ایک عورت ہوں چنانچہ میں (کبھی) پاک نہیں ہوتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں!یہ تو ایک رگ (کا خون) ہے،حیض کا خون نہیں،لہذا جب تجھے حیض آنے لگے تو نماز چھوڑ دیا کرو اور جب حیض ختم ہو تو اپنے سے خون کو دھوڈال اور نماز پڑھ۔(متفق علیہ)

تشریح: قوله: فإذا أقبلت حيضتكِ فدعي الصلاة وإذا أدبرت فاغسلي عنك الدم ثمّ صلّي ....:۔ائمہ ثلاثہؒ جو مستحاضہ ممیزہ بالالوان کے قائل ہیں،اُن کی پہلی دلیل یہ حدیث ہے،اس میں حیض کے اقبال وادبار سے یہ حضرات اقبالِ لون اور ادبارِ لون مراد لیتے ہیں اور دوسری دلیل فصلِ ثانی میں مروی حضرت عروہ بن زبیرؒ کی پہلی روایت ہے: '' عن عروة بن زبيرؓ عن فاطمة بنت أبي حُبيشٍ: أنها كانت تُستحاضُ فقال لها النبيُّ ﷺ:إذا كان دمُ الحَيضِ فإنّه دمٌ أسودُ يُعرَفُ فإذا كان ذلكَ فامسِكي عن الصلاةِ،فإذا كان الآخرُ فتوضّئي وصَلّي فإنّما هو عِرقٌ''۔اس حدیث میں صراحت ہے کہ حیض کا خون کالا سیاہ ہوتا ہے اور بصورتِ استحاضہ حیض واستحاضہ کی پہچان خون کے رنگ سے کی جائے گی۔

جبکہ حضرات احنافؒ (جو اس حوالے سے عادتِ حیض کا اعتبار کرتے ہیں اور تمیز بالالوان کے قائل نہیں ہیں) حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جو فصلِ ثانی کی دوسری روایت ہے،حضرت ام سلمہؓ نے ایک ایسی ہی مستحاضہ عورت کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:''لِتنظُرْ عددَ الليالي التي كانت تحيضُهُنَّ من الشَّهرِ قبل أن يُصيبُهاالذي أصابَها فلتَترُكِ الصلاةَ قدرَ ذلكَ من الشَّهرِ فإذاخلّفتْ ذلكَ فلتغتسِلْ''یعنی یہ مستحاضہ عورت اپنے ایام عادت حیض کو دیکھے،ہر ماہ اتنے ہی دنوں کو حیض شمار کرے اور باقی دنوں کو استحاضہ۔اس روایت میں تصریح ہے کہ فقط ایام عادت کا اعتبار ہے،الوان کا اس میں کوئی ذکر ہی نہیں۔

حضرات حنفیہ کی دوسری دلیل ام سلمہؓ کی روایت کے متصل بعد مروی [عـدی بـن ثـابت عن ابیه ...کی] روایت ہے،اس میں بھی عادت حیض کے معتبر ہونے کی تصریح ہے، نیز دیگر روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حیض کا خون ہر رنگ کا ہو سکتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب حضرات احناف کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ زیر بحث حدیث عائشہؓ میں "أقبلت" اور أقبلت کے الفاظ متعین طور پر اقبالِ لون اور ادبارِ لون پر دلالت نہیں کرتے، چنانچہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد اقبالِ عادت اور ادبارِ عادت ہو بلکہ یہ احتمال زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے، اس کی تائید بخاری میں مروی حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں اقبالِ حیض کے مقابل ادبارِ حیض کو "فـإذا ذهـبَ قدرُها" سے تعبیر فرمایا گیا ہے جو اس پر دال ہے کہ اقبالِ حیض سے مراد اقبالِ عادت ہے اور "ذهب قدرُها" سے مراد ادبارِ عادت ہے اس لیے کہ "قدر" کا لفظ کم یعنی کیت کے قبیل سے ہے جو ایام پر صادق آتا ہے نہ کہ الوان پر جو کہ کیف یعنی کیفیت کے قبیل سے ہے۔ اور حدیثِ عروہؒ کا جواب یہ ہے کہ وہ سند کے اعتبار سے نہایت سقیم اور ضعیف ہے جو قابلِ استدلال نہیں۔

مستحاضہ کا غسل انقطاعِ حیض کے بعد:

قوله: «إذا أدبرتْ فاغسِلي عنكِ الدمَ ثم صَلِّي ....»۔ یہاں فقہاء کے مابین اس سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے کہ مستحاضہ انقطاعِ حیض کے بعد ایک غسل کرے پھر وضو لکل صلاۃ یعنی ہر نماز کے لیے وضو کرے؟ (جیسا کہ شوافع کے ہاں ہے) یا وضو لوقت کل صلاۃ (یعنی ہر نماز کے وقت کے لیے وضو) کر کے نماز پڑھے؟ (جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ہے) یا ہر نماز کے لیے وجوباً نیا غسل کرے؟۔

چنانچہ جمہور حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ مستحاضہ پر ایام حیض کے اختتام پر صرف ایک غسل واجب ہے، اس کے بعد ہر نماز یا اس کے وقت کے لیے نیا نیا وضو کرے گی۔ زیرِ بحث حدیثِ عائشہؓ اور فصلِ ثانی میں مروی حدیثِ ام سلمہؓ کے یہ الفاظ: "فـإذا خـلّفتْ ذلك فلتغتسلْ ثمّ لِتَستثفِر بثوبٍ ثم لِتصلِّي" ان حضرات کی دلیل ہے، اس میں فقط انقطاعِ حیض پر غسل کا حکم دیا گیا ہے۔

جبکہ حضرت علیؓ، ابنِ عمرؓ، ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کا مذہب یہ ہے کہ مستحاضہ پر ہر نماز کے لیے غسل واجب ہے۔ ان حضرات کا استدلال حضرت عائشہؓ کی اُس حدیث سے ہے جس میں وارد ہے کہ ام حبیبہ بنت جحشؓ کو آپ ﷺ نے ہر نماز کے لیے غسل کا حکم دیا اور حضرت عائشہؓ ہی کی ایک روایت میں حضرت زینب بنت جحشؓ کے بارے میں یہی منقول ہے (بحوالہ ابوداؤد)۔

جمہور فقہاء کی طرف سے ان روایات کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

(۱) یہ روایات منسوخ ہیں کیونکہ خود حضرت عائشہؓ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ (طحاوی)

(۲) ان روایات میں غسل کا حکم استحباب پر محمول ہے۔

(۳) ان روایات میں غسل کا حکم علاج و تداوی پر محمول ہے کیونکہ غسل سے خون کے کم ہونے یا بند ہونے کی امید ہے۔

(۴) یہ روایات اس مستحاضہ متحیرہ کے بارے میں ہیں، جس کو حیض اور طہر کے درمیان انقطاعِ حیض اور دخول فی الطہر میں شک ہو تو وہ ہر نماز کے لیے غسل کرے گی اور سہولت کے پیش نظر اس کو اس بات کی بھی اجازت ہے کہ وہ جمع بین الصلاتین ایک غسل کے ساتھ کرے جیسا کہ حضرت عائشہؓ ہی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، البتہ اس صورت میں دوسری نماز کے لیے تجدیدِ وضو لازم ہے کیونکہ خروجِ وقت سے

اصحابِ اعذار کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔(فحات، مرآۃ)

''الفصل الثانی''

۵۱۲۔عن عُروۃَ بن الزُبیر عن فاطمۃَ بنتِ أبی حُبیشٍ أنّھا کانت تُستحاضُ فقال لھاالنبیُّ ﷺ:اذاکانَ دمُ الحیضِ فاِنّہ دمٌ أسودُ یُعرفُ فاذاکانَ ذلک فأمسِکی عن الصلوٰۃِ فاِذاکانَ الاٰخرُ فتوضّئِی وصلّی فاِنّماھو عِرقٌ.[أبو داؤد،نسائی]

ترجمہ:عروہ بن زبیرؓ حضرت فاطمہ بنت ابی حُبیش سے روایت کرتے ہیں کہ اسے استحاضہ(کا خون) آتا تھا چنانچہ نبی پاک ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب حیض کا خون آئے (تو اس کی علامت یہ ہے کہ) وہ سیاہ خون ہوتا ہے، جو پہچانا جاتا ہے، لہٰذا جب خون ایسا ہو تو نماز سے رک جایا کرو اور جب (اس کے سوا) دوسرا خون ہو تو وضو کر کے نماز پڑھ کیونکہ وہ رگ کا خون ہے (نہ کہ حیض کا)۔(ابوداؤد، نسائی)

مستحاضہ کا حیض کے ایام کے بقدر نماز چھوڑنا:

۵۱۳۔وعن أمِّ سلمۃَؓ قالت: إنّ امرأۃً تُھراقُ الدمَ علیٰ عھدِ رسولِ اللہ ﷺ فاستفتَتْ لھَا أمُّ سلمۃَ النبیَّ ﷺ فقال: لِتنظُرْ عددَ اللیالی والأیامِ الّتی کانتْ تحیضھنّ مِن الشھرِ قبلَ أنْ یُصیبُھاالّذی أصابَھافلْتترُکِ الصلوٰۃَ قدرَذلکَ مِن الشّھرِ فاذاخلّفتُ ذلکِ فلْتغتسِلُ ثمّ لتَستَثفِرَبثوبٍ ثمّ لِتُصلّی.[مالک،أبوداؤد،دارمی،وروی النسائی معناہ]

ترجمہ:حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت کو (استحاضہ کا) خون آتا تھا، ام سلمہؓ نے اُس کے بارے میں نبی پاک ﷺ سے فتویٰ پوچھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے چاہیے کہ دیکھے کہ اس بیماری کے آنے سے پہلے ہر مہینہ اس کو کتنے دن رات حیض آتا تھا، چنانچہ مہینہ میں اتنے دن نماز پڑھنا چھوڑ دے اور جب یہ دن گزر جائیں تو غسل کر لے اور (پاجامہ کے اندر) کسی کپڑے کی لنگوٹی باندھ کر پھر نماز پڑھے۔(مالک، ابوداؤد، دارمی، نسائی)

۵۱۴۔وعن عدیّ بن ثابتٍؓ عن أبیہ عن جدّہٖ [قال یحییٰ بن مَعین:جدُّ عدیٍّ اسمُہ" دینارٌ "]عن النبیِ ﷺ أنّہ قال فی المُستَحاضَۃِ :تدَعُ الصلوٰۃَ أیّامَ أقرائِھا الّتی کانتْ تحیضُ فیھاثمّ تغتسلُ وتتوضّأُ عندَ کلِّ صلاۃٍ وتصومُ وتُصلّی.

ترجمہ:عدی بن ثابتؓ اپنے باپ سے وہ عدی کے دادا سے روایت کرتے ہیں:[یحییٰ بن مَعین کہتے ہیں کہ عدی کے دادا (کا نام) دینارؓ ہے] وہ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مستحاضہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے حیض کے ایام (جس میں اسے حیض آتا تھا) کے بقدر نماز چھوڑ دیا کرے پھر غسل کرے اور ہر نماز کے وقت وضو کرے اور روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔(ترمذی، ابوداؤد)

استحاضہ شیطان کا لات مارنا ہے:

۵۱۵۔وعن حمنۃَ بنتِ جَحشٍؓ کنتُ أُستحاضُ حَیضۃً کثیرۃً شدیدۃً فأتیتُ النبیَ ﷺ أستفتِیہ وأُخبرہ فوجدتُہ فی بیتِ أُختِی [زینبَ بنتِ جَحشٍ]فقلتُ یا رسولَ اللہ!إنّی أُستحاضُ حَیضۃً کثیرۃً شدیدۃً فماتأمُرُنی فیھاقدمنعَتْنی الصلوٰۃَ والصیامَ ،قال: أنعتُ لکِ الکُرسفَ ،فاِنّہ یُذھبُ الدمَ قالتْ:ھوأکثرمِن ذلک ،قال :فتلجّمی ،قالتْ:ھوأکثرمِن ذلک ،قال فاتّخذی ثوباً، قالتْ:ھوأکثرمِن ذلک ، اِنماأثُجُّ ثجّاً ،فقال النبیُّ ﷺ :سامرُکِ بأمرینِ أیّھماصنعتِ أجزأَ عنکِ مِن الاٰخرِ واِنْ

قويتِ عليهما فأنتِ أعلمُ، قال لها: إنّما هذه ركضةٌ مِن ركضاتِ الشيطانِ فتحيّضي ستّةَ أيّامٍ أوْ سبعةَ أيّامٍ في علمِ الله ثمّ اغتسِلي حتّى اذا رأيتِ أنّكِ قدْ طهُرتِ واستنقأتِ فصلّي ثلاثًا وعشرين ليلةً أو أربعًا وعشرين ليلةً وأيّامها وصُومي فإنّ ذلك يُجزئُكِ وكذلك فافعلي كلَّ شهرٍ كما تحيضُ النساءُ وكما يطهُرنَ ميقاتَ حيضِهنّ وطُهرِهنّ وإن قويتِ على أنْ تؤخّرين الظهرَ وتُعجّلينَ العصرَ فتغتسلينَ وتجمعينَ بينَ الصلوتينِ الظهرِ والعصرِ وتؤخّرين المغربَ وتُعجّلينَ العشاءَ ثمّ تغتسلين وتجمعين بين الصلوتينِ فافعلي وتغتسلينَ مع الفجرِ فافعلي وصُومي إنْ قدرتِ على ذلك، قال رسولُ اللهِ ﷺ: وهذا أعجبُ الأمرين اليّ. [أحمد، أبو داؤد، ترمذی]

ترجمہ: حضرت حمنہ بنت جحشؓ کہتی ہیں کہ مجھے بہت زیادہ استحاضہ کا خون آتا تھا، چنانچہ میں نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ آپ ﷺ سے فتویٰ پوچھوں اور (اپنی بیماری کی) خبر دوں، میں نے آپ ﷺ کو اپنی بہن زینب بنت جحشؓ کے گھر میں پایا، چنانچہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے بہت کثرت کے ساتھ استحاضہ کا خون آتا ہے، اس بارے میں آپ ﷺ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ اس (استحاضہ) نے مجھے نماز، روزہ سے منع کر رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں آپ کے لیے روئی تجویز کرتا ہوں کیونکہ وہ خون کو ختم کرتی ہے (یعنی روک دیتی ہے) حمنہؓ نے عرض کیا کہ وہ اس سے زیادہ ہے (یعنی روئی سے نہیں رکے گا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر (روئی رکھنے کے بعد) لگام کی طرح کپڑا (لنگوٹ) باندھو۔ انہوں نے عرض کیا کہ وہ (خون) اس سے بھی زیادہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (لنگوٹ کے نیچے) کپڑا رکھ لو۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس سے بھی زیادہ ہے، مجھے بارش کی دھار کی طرح خون آتا ہے۔ تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: میں تم کو دو باتوں کا حکم کرتا ہوں، ان میں سے تم جس کو بھی اختیار کرو گی وہ دوسرے سے تمہارے لیے کافی ہوگی اور اگر دونوں کی طاقت ہو تو تم (اپنی حالت کو) خوب جانتی ہو۔ آپ ﷺ نے (یہ بھی) فرمایا کہ یہ (استحاضہ) شیطان کا لات مارنا ہے، تم چھ یا سات دنوں کو حیض کے شمار کر، (صحیح مقدار) اللہ کے علم میں ہے، پھر غسل کر، پھر جب تو دیکھے کہ پاک اور صاف ہوگئی تو تیئیس یا چوبیس دن رات نماز پڑھا کر اور روزے رکھا کر، یہ تیرے لیے کافی ہے۔ اور اس طرح ہر ماہ کیا کر، جس طرح عورتوں کو (ہر ماہ) حیض آتا ہے اور (ہر ماہ) پاک ہوتی ہیں اپنے حیض اور پاکی کے وقت میں۔ اور اگر تجھے اس کی طاقت ہو کہ ظہر کو (آخری وقت تک) مؤخر کرکے اور عصر کو (پہلے وقت تک) مقدم کرکے غسل کرکے ظہر و عصر دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھ لو اور پھر مغرب کو مؤخر کرکے اور عشاء کو مقدم کرکے غسل کرکے دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھ لو تو ایسا کیا کر اور نماز فجر کے لیے (الگ سے) غسل کرو، تو ایسا کیا کر۔ اور اگر طاقت ہو تو روزے رکھ لیا کر۔ (یہ کہہ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ بات مجھے دونوں باتوں میں سے زیادہ پسند ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: قوله: هذه ركضةٌ من ركضاتِ الشيطن...: یہاں پر استحاضہ کو شیطان کے لات مارنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ یا تو حقیقت پر محمول ہے اور یا پھر مجاز ہے اس بات سے کہ اس طرح شیطان استحاضہ عورت کے دین یعنی صوم وصلاۃ وغیرہ کو اپنی تلبیس سے خراب کرتا ہے۔

قوله: فتحيّضي ستةَ أو سبعةَ أيامٍ في علمِ الله .....: یعنی غور وفکر کرکے چھ یا سات دن حیض کے تجویز کرلے، کیونکہ عام طور پر حیض کا خون چھ یا سات دن آتا ہے باقی مستحاضہ کے حقیقی ایام حیض کا علم اللہ کو ہے۔

قوله: وهذا أعجب الأمرين إليّ:۔ "هذا" کا مشارٌ الیہ بالاتفاق امرِ ثانی [جمع بین الصلاتین بغسلٍ واحدٍ] ہے البتہ امرِ اوّل کے مصداق

میں دوقول ہیں:

(۱) یہ کہ امرِ اول سے مراد [غسل لکل صلاۃٍ] ہو، بعض شارحین اس کو اختیار کرتے ہیں، لیکن زیرِ بحث روایت میں امرِ اوّل سے اس کو مراد لینا درست نہیں کیونکہ حضرت حمنہؓ کے واقعہ میں کسی بھی روایت کے اندر ''غُسل لکلّ صلاۃٍ'' کا ذکر نہیں ۔البتہ حضرت امّ حبیبہؓ کی روایت میں چونکہ ''غُسل لکلّ صلاۃٍ'' اور ''جمع بین الصلاتین بغُسلٍ واحدٍ'' کا ذکر ہے،اس لیے وہاں امراوّل سے غسل لکلّ صلاۃ مراد لینا صحیح ہے۔

(۲) یہ کہ امرِ اوّل سے یہاں [تین امور کا مجموعہ] مراد ہے وہ تین امور یہ ہیں: (اول) تحرّی لستة او سبعة أيّام (ثانی) غسل طهارة عن الحيض، (ثالث) وضو لكلّ صلاة ثلاثًا أو أربعا وعشرين يومًا۔

چونکہ یہاں امر ثانی یعنی جمع بین الصلاتین بغسل واحدٍ کو [أعجب الامرين] کہا جارہا ہے،اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس صورت میں نماز کی ادائیگی یقینی ہے نیز اس میں نظافت بھی ہے اور علاج بھی، جبکہ امراوّل کی بنیاد تحری اور ظن پر ہے۔(نفحات)

''الفصل الثالث''

۵۱۶۔عن أسماء بنت عميسؓ قالت: قلتُ :يا رسول الله! إنّ فاطمةَ بنت أبي حُبيشؓ أُستُحيضتُ منذ كذاو كذافلم تُصلِّ فقال رسولُ اللهﷺ:سبحانَ الله إنّ هذامِن الشيطانِ لِتجلِسَ في مِركنٍ فاذارأتْ صُفارةً فوقَ الماءِ فلْتَغتَسِلْ للظهرِ والعصرِ غُسلاً واحداً وتغتسِلُ للمغربِ والعشاءِ غُسلاً واحدًا وتغتسلُ للفجرِ غُسلاً واحدًا وتوضّأُ فيما بين ذلك .[أبوداؤد، وقال: روى مجاهد عن ابن عباسؓ :"لمّااشتدّ عليهاالغسلُ أمرها أن تجمعَ بين الصلوٰتينَ".]

ترجمہ:حضرت اسماء بنت عمیسؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! فاطمہ بنت ابی حُبیشؓ کو اتنی اتنی مدت سے استحاضہ (کا خون) آرہا ہے لہذا نماز نہیں پڑھ رہی۔رسول اللہﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: سبحان اللہ! یہ (نماز کو چھوڑ دینا) شیطان کی طرف سے ہے،اسے چاہیے کہ ایک لگن میں بیٹھ جائے جب پانی کے اوپر زردی دیکھے تو ظہر اور عصر کی نماز کے لیے ایک غسل کرلے اور مغرب وعشاء کے لیے بھی ایک غسل کرے اور (تنہا) فجر کی نماز کے لیے ایک غسل کرے،اوران (نمازوں) کے درمیان وضو کرے۔(ابوداؤد) امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ مجاہد نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب فاطمہ پر (ہر نماز کے لیے) غسل دشوار ہوا تو آپﷺ نے اسے حکم دیا کہ (ایک غسل کے ساتھ) دو نمازیں اکٹھی پڑھے۔

کتابُ الصَّلاۃِ

چونکہ اصل چیز ایمان ہے اور تمام اعمال کا دارومدار ایمان پر ہے اس لیے پہلے کتاب الایمان کو ذکر کیا۔پھر چونکہ مقتضیاتِ ایمان پر عمل کرنا بغیر علم کے ممکن نہیں اس لیے کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کو ذکر کیا۔پھر مقتضیاتِ ایمان میں سب سے مقدم صلاۃ یعنی نماز ہے اس کو ذکر کرنا چاہیے تھا لیکن چونکہ اس کی ایک اہم شرط طہارت ہے جس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں اور ویسے بھی قاعدہ ہے کہ شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے،لہٰذا پہلے طہارت کو بیان کیا اور اس سے فارغ ہونے کے بعد اب صلاۃ کو ذکر کیا جارہا ہے۔

صلاۃ کا معنیٰ، حکم اور فرضیت:

"صلاۃ" کا لغوی معنیٰ دعا کے ہیں چونکہ نماز کی ہر رکعت دعا: " اھدِنَا الصراطَ المستقیمَ " پر مشتمل ہے، اس مناسبت سے پوری نماز پر صلاۃ کا اطلاق کیا گیا۔ چونکہ قرآن وسنت اور اجماعِ امت سے اس کی فرضیت ثابت ہے، لہٰذا اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے۔ پہلے پہل صرف تہجد کی نماز فرض ہوئی چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "یٰاَیُّھا المزّمّلُ قُمِ اللیلَ إلاّ قلیلاً" پھر آیت: "وسبّح بحمد ربّكَ قبلَ طلوعِ الشمسِ و قبلَ الغروب" سے فجر اور عصر کو فرض کیا گیا، پھر شبِ معراج میں پانچ نمازوں کو فرض قرار دیا گیا اور تہجد کی فرضیت منسوخ کر دی گئی۔ واقعۂ معراج ہجرتِ مدینہ سے ڈیڑھ سال پہلے سترہ رمضان ہفتے کی رات کو پیش آیا۔ (نفحات، مرآۃ)

"الفصل الاوّل"

حسنات سے صغائر معاف ہوتے ہیں:

٥١٧۔عن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: الصلوٰتُ الخمسُ والجمعةُ إلی الجمعةِ ورمضانُ الیٰ رمضانَ مُکفّراتٌ لِما بینهنّ اذا اجتُنِبَتِ الکبائرُ ۔[رواہ مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچوں نمازیں اور جمعہ سے لے کر جمعہ اور رمضان سے رمضان اُن گناہوں کو مٹا دینے والے ہیں جو ان کے درمیان ہوتے ہیں جب کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: مُکفّراتٌ لما بینهن إذا اجتُنِبتِ الکبائر:۔ اس جملے کا مطلب یہ نہیں کہ اعمالِ صالحہ سے صغائر کی معافی کبائر سے اجتناب پر موقوف ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ حسنات سے صرف صغائر معاف ہونگے نہ کہ کبائر۔ کبائر کی معافی کے لیے توبہ شرط ہے، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بغیر توبہ کہ معاف فرمادے۔

پانچوں نمازوں کی مثال:

٥١٨۔وعنه قال: قال رسولُ الله ﷺ :أرأیتم لو أنّ نهرًا ببابِ أحدِکم یغتسِلُ فیه کلَّ یومٍ خمسًا هل یبقیٰ مِن دَرَنه شیٌٔ ؟ قالوا:لایبقٰی مِن درنه شیٌٔ ،قال:فذلك مَثَلُ صلوٰتِ الخمسِ یمحو اللهُ بهِنّ الخطایا.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر بہتی ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے، کیا اس (کے بدن) پر میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں! اس (کے بدن) پر کوئی میل باقی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پانچوں نمازوں کی یہی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ (متفق علیہ)

بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہے:

٥١٩۔وعن ابن مسعودؓ قال: إنّ رجلاً أصابَ من امرأۃٍ قُبلةً فأتی النبیَّ ﷺ فأنزلَ اللهُ تعالیٰ :"وأَقِمِ الصلاةَ طرفَیِ النّهارِ وزُلَفًا مِن اللیلِ ،اِنّ الحسناتِ یُذهِبنَ السیّئاتِ "فقال الرجلُ :یارسولَ الله! أَلِیَ هذا؟قال: لجمیعِ أُمّتی کلّهم.وفی روایةٍ

"لِمنْ عمِلَ بها مِن أُمّتی". [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا (پھر نادم ہوکر) نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آیا (اور سارا قصہ ذکر کیا) تو اللہ تعالیٰ نے آیت "وأقم الصلاۃ طرفي النّهار ....." اتاری (ترجمہ) "اور نماز قائم کر دن کے دونوں حصوں میں اور رات کی چند گھڑیوں میں، بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں"۔ تو اس شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ (حکم) خاص میرے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (یہ) میری ساری امت کے لیے ہے۔ اور ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ میری امت میں سے اس کے لیے ہے جس نے اس پر عمل کیا۔ (متفق علیہ)

۵۲۰۔ وعن أنسؓ قال: جاء رجلٌ فقال: یا رسول الله! إنّی أصبتُ حدًّا فأقِمه علیّ، قال: ولم یسألْهُ عنه وحضرتِ الصلوٰۃُ فصلّی مع رسولِ الله ﷺ، فلمّاقضی النبیُّ ﷺ الصلوٰۃ قامَ الرجلُ فقال: یارسولَ الله! إنّی أصبتُ حدّاً فأقِم فیّ کتابَ الله، قال: ألیسَ قدْ صلّیتَ معنا، قال: نعم! قال: فإنّ اللهَ قدْ غفرَ لك ذنبكَ أو قال: حدّك. [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ یارسول اللہ! میں نے (باعثِ) حد (گناہ) کا ارتکاب کیا ہے، لہٰذا میرے اوپر حد قائم کیجیے۔ انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس حد (گناہ) کے متعلق پوچھا نہیں اور نماز کا وقت ہوگیا تو اس شخص نے آپ ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی جب نبی پاک ﷺ نماز پڑھ چکے تو وہ شخص کھڑے ہوکر کہنے لگا کہ یارسول اللہ! میں نے حد (واجب کرنے والے گناہ) کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا اللہ کی کتاب (کا حکم) میرے اوپر قائم فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں (پڑھی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے "تیرے گناہ" کو، یا فرمایا کہ "تیرے حد" کو معاف کردیا۔ (متفق علیہ)

ایک اشکال اور اُس کا جواب:

تشریح: قوله: إنّی أصبتُ حدًّا فأقمه علیّ.....: اس حدیث میں "حدّ" سے مراد بظاہر ایسا گناہ ہے جو حد کو واجب کرنے والا ہو اور ایسا گناہ کبیرہ ہوسکتا ہے نہ کہ صغیرہ، اس پر آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ "ألیس قد صلّیتَ معنا، قال: نعم! قال: فإنّ اللهَ قد غفر لكَ ذنبكَ أو حدّكَ" (نماز پڑھنے سے آپ کا وہ گناہ معاف ہوگیا) باعثِ اشکال ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی یا دوسرے قرائن کے ذریعہ سے معلوم ہوگیا تھا کہ جس گناہ کا اس صحابی سے ارتکاب ہوا تھا وہ صغیرہ ہے لیکن چونکہ وہ صحابی جس بلند مقام پر فائز تھا اس کی وجہ سے اس پر ارتکابِ صغیرہ سے اتنا خوف طاری ہوا کہ وہ اپنے گناہ کو کبیرہ اور موجبِ حد سمجھنے لگا تھا لیکن چونکہ اصل میں وہ صغیرہ تھا اس لیے آپ ﷺ نے اس کو نماز پڑھنے پر اس گناہ کی معافی کی بشارت دی۔ (نفحات)

اللہ کو محبوب عمل

۵۲۱۔ وعن ابن مسعودؓ قال: سألتُ النبیَّ ﷺ أیُّ الأعمالِ أحبُّ إلی الله؟ قال: الصلاةُ لوقتِها، قلتُ: ثمّ أیّ؟ قال: بِرُّ الوالدینِ، قلتُ: ثمّ أیّ؟ قال: الجهادُ فی سبیل الله. قال: حدّثنی بِهنّ ولوِ استزدتُه لزادَنی. [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کو کونسا عمل زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا کہ اپنے وقت پر نماز پڑھنا۔

میں نے پوچھا: پھر کونسا عمل؟ فرمایا: والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔ میں نے کہا کہ پھر کونسا عمل؟ فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھ سے یہی باتیں بیان فرمائی اور اگر میں مزید پوچھتا تو آپ ﷺ مزید بتاتے۔ (متفق علیہ)

بندے اور کفر کے درمیان نماز کا فرق ہے

۵۲۲۔ وعن جابرؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: بينَ العبدِ وبينَ الكُفرِ تركُ الصلاةِ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندے اور کفر کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا (حائل) ہے۔ (مسلم)

"الفصل الثانی"

فرائض کے اہتمام پر اللہ کا عہد:

۵۲۳۔ عن عبادة بن الصامتؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: خمسُ صلواتٍ افترضَهُنّ اللهُ تعالیٰ، مَن أحسنَ وضوءَهُنّ و صلّاهُنّ لوقتهنّ وأتمّ رُكوعَهُنّ وخشوعَهنّ كان له على الله عهدٌ أن يغفرَ له ومَن لم يفعلْ فليسَ له على اللهِ عهدٌ إن شاءَ غفرَله وإن شاءَ عذّبهٗ. [أحمد، أبو داؤد، وروى مالك والنسائي نحوَه]

ترجمہ: عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جس شخص نے ان پانچ نمازوں کا وضو اچھے طریقہ سے کیا اور ان کو اپنے اپنے وقت میں پڑھا اور ان کا رکوع بھی پورا کیا اور خشوع بھی، اس شخص کے لیے اللہ کے ہاں اس بات کا عہد (ذمہ) ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور جس نے (ایسا) نہ کیا تو اللہ کی جانب سے اس کے لیے کوئی عہد نہیں، چاہے تو اللہ اس کی مغفرت فرمادے اور چاہے تو عذاب دے۔ (احمد، ابوداؤد)

۵۲۴۔ وعن أبي أُمامةؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: صَلُّوا خمسَكم وصُومُوا شهرَكم وأدُّوا زكوٰةَ أموالِكم وأطِيعُوا ذاأَمرِكُم تدْخُلوا جنةَ ربِّكُم. [أحمد، ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی پانچ نمازیں پڑھو اور اپنے مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ دیا کرو اور اپنے امیر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (احمد، ترمذی)

بچوں کو نماز کی عادت ڈلوانے کی تاکید:

۵۲۵۔ وعن عمرو بن شعيبؓ عن أبيه عن جدّه قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: مُرُوا أولادَكم بالصلاةِ وهم أبناءُ سبعِ سِنين واضرِبُوهم عليها وهُم أبناءُ عشرِ سِنينَ وفَرِّقُوا بينَهم في المضاجعِ. [أبو داؤد، وكذا رواه في شرح السنّة وفي المصابيح عن سبرة بن معبد]

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم کرو جب کہ وہ سات سال کے ہوں اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز (نہ پڑھنے) پر اُن کو مارو۔ اور (دس برس کے ہونے پر) ان کے بستر الگ

الگ کردو۔(ابوداؤد،شرح السنۃ)

جس نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا:

۵۲۶۔وعن بُریدةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: العهدُ الّذی بیننا و بینَهم الصلاةُ فمَنْ ترَکَها فقدْ کَفَر.[أحمد،ترمذی،نسائی]

ترجمہ:حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ہمارے اور منافقوں کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے،لہذا جس نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا۔(احمد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)

تشریح: قوله: العهد الّذی بیننا و بینهم...:۔یعنی جس عہد کی بنا پر ہم منافقوں کے جان و مال سے تعرض نہیں کرتے،وہ نماز ہے اگر وہ نماز پڑھنا چھوڑ دے،تو اُن کا حکم وہی ہوگا جو دوسرے کافروں کا ہے لہذا ان کے جان و مال کی حرمت باقی نہیں رہے گی۔

"الفصل الثالث"

۵۲۷۔عن عبد الله بن مسعودؓ قال: جاءَ رجلٌ إلی النبیِّ ﷺ ،فقال: یا رسولَ الله!إنّی عالجتُ امرأ ةً فی أقصی المدینةِ وإنّی أصبتُ منها مادونَ أنْ أمُسَّها فأناهذافاقضِ فِیّ ماشئتَ فقال له عمرُ:لقد سترَكَ اللهُ لوسترتَ علیٰ نفسِكَ ،قال :ولم یَرُدّ النبیُّ ﷺعلیه شیئًا وقامَ الرجلُ فانطلقَ فأتبَعَه النبیُّ ﷺرجلاً فدعاه و تلاعلیه هذه الآیة:"وأقِمِ الصلوٰةَ طرفَیِ النّهارِ وزُلَفًا مِن اللیلِ ،اِنّ الحسناتِ یُذهِبنَ السیّئاتِ ،ذلك ذکرٰی للذاکرین". فقال رجلٌ مِن القومِ:یانبیَّ الله!هذاله خاصّةً فقال: بلْ للنّاسِ کافّةِ.[مسلم]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی پاکﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مدینہ کے کنارے میں نے ایک عورت کو گلے لگایا اور اس کے ساتھ سوائے صحبت کے سب کچھ (بوس و کنار) کر لیا،پس میں یہ (حاضر) ہوں،میرے بارے میں آپ (ﷺ) جو چاہے حکم فرمادیں۔(یہ سن کر) حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا کہ اللہ نے تیری پردہ پوشی فرمائی،کاش آپ خود اپنی پردہ پوشی کر لیتے۔ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ نبی پاکﷺ نے کوئی جواب نہ دیا،چنانچہ وہ شخص کھڑا ہوا اور چلا گیا،نبی پاکﷺ نے (اسے بلانے کے لیے) اُس کے پیچھے ایک آدمی بھیجا پھر اسے بلایا اور یہ آیت: "وأقمِ الصلوٰة طرفَی النهارِ ..." اس کے سامنے تلاوت فرمائی (ترجمہ) "اور نماز قائم کر دن کے دونوں حصوں میں اور رات کی چند ساعتوں میں،بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہے،یہ نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے"۔ تو لوگوں میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی! یہ (حکم) خاص اس شخص کے لیے ہے۔فرمایا کہ نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لیے ہے۔(مسلم)

خالص اللہ کی رضا کے لیے نماز پڑھنے کا بدلہ:

۵۲۸۔وعن أبی ذرٍّ أنّ النبیَّ ﷺ خرج زمنَ الشِّتاءِ والورَقُ یتهافتُ فأخذَ بغُصْنَینِ مِن شجرةٍ ،قال: فجعلَ ذلكَ الشجرُ یتهافتُ ،قال: فقال :یاأباذر! قلتُ:لبیكَ یا رسولَ الله! قال: إنّ العبدَ المسلمَ لَیُصلِّی الصلوٰةَ یُرِیدُ بها وجهَ اللهِ فتهافتُ عنه

ذنوبُه کماتهافتُ هذاالورَقُ عن هذه الشجرة.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) نبی پاک ﷺ موسم سرما میں باہر تشریف لائے، پتے جھڑ رہے تھے، آپ ﷺ نے ایک درخت کی دو ٹہنیاں پکڑی۔ راوی کہتا ہے کہ (ٹہنیوں کو حرکت دینے سے) اس کے پتے (بہت زیادہ) جھڑنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوذر! میں نے کہا کہ لبیک (میں حاضر ہوں) یا رسول اللہ! فرمایا کہ مسلمان بندہ جب خالص اللہ کی رضاجوئی کے واسطے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس سے ایسے جھڑتے ہیں جیسا کہ اس درخت سے یہ پتے جھڑ رہے ہیں۔ (احمد)

دو رکعت نماز سے گناہوں کی بخشش:

۵۲۹۔ وعن زيدِ بن خالدِ الجُهَنيّ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَنْ صلّىٰ سجدَتَينِ لا يسهُوفيهماغفرَاللّهُ له ماتقدّمَ مِن ذنبِه .

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جُہنیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے دو رکعت نماز ایسی پڑھی کہ اس میں (غایت درجہ کی حضوری قلب کے باعث) سہو نہ ہوا تو اللہ اس کے پہلے کیے ہوئے گناہوں کو بخش دے گا۔ (احمد)

نماز روزِ محشر نور، حجت اور ذریعہ نجات ہوگی:

۵۳۰۔ وعن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ عن النبي ﷺ أنه ذكرَ الصلاةَ يومًا فقال: مَنْ حافظَ عليهاكانتْ له نورًا وبُرهانًا ونجاةً يومَ القيامةِ ومَن لم يُحافِظْ عليهالم تكُنْ له نورًا ولابُرهانًا ولانجاةً وكان يومَ القيامةِ معَ قارونَ وفرعونَ وهامانَ وأُبيِّ بن خَلف.[أحمد ،دارمي ،بيهقي في شعب الأيمان]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ایک دن نماز کا ذکر کیا چنانچہ فرمایا کہ جس نے نماز پر محافظت کی تو (یہ) نماز قیامت کے دن اس کے لیے نور، حجت اور نجات (کا ذریعہ) ہوگی اور جس نے نماز پر محافظت نہ کی اس کے لیے نہ نور ہوگی نہ حجت اور نہ نجات۔ اور قیامت کے دن ایسا شخص فرعون، ہامان، اُبی بن خلف کے ساتھ (مبتلائے عذاب) ہوگا۔ (احمد، داری، بیہقی)

۵۳۱۔ وعن عبد الله بن شقيقؓ قال: كان أصحابُ رسولِ الله ﷺ لايرون شيئًا مِن الأعمال تركُه كفرٌ غيرَالصلوٰةِ.

ترجمہ: عبداللہ بن شقیقؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سوائے نماز کے کسی عمل کے چھوڑنے کو کفر خیال نہ کرتے تھے۔ (ترمذی)

۵۳۲۔ وعن أبي الدرداءؓ قال: أوصاني خليلي أن لا تُشركْ بالله شيئًاوإن قُطِعتَ وحُرِّقتَ ولاتترُكْ صلوٰةً مكتوبةً متعمّدًا فمَن تركهامتعمّدًا فقدْ برئتْ منه الذمّةُ ولاتشرَبِ الخمرَ فإنّها مِفتاحُ كلِّ شرٍّ.[ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے دوست (نبی کریم ﷺ) نے وصیت فرمائی کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت کر اگرچہ تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور جلا دیا جائے اور جان بوجھ کر فرض نماز مت چھوڑنا (کیونکہ) جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی تو اس سے (اللہ کا) ذمہ بری ہوگیا اور شراب مت پی کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ (ابن ماجہ)

ایک شبہ اور اُس کا جواب:

تشریح: قوله: أن لا تشركَ باللهِ وإن قطعتَ أو حرّقتَ...: ۔ اس ارشادِ گرامی سے ایک شبہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حالتِ اضطرار

میں ایمان پر دلی اطمینان کی شرط کے ساتھ کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے، پھر آپ ﷺ نے ابوالدرداءؓ سے یہ کیوں فرمایا کہ اگر چہ تجھے ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہ کر دیا جائے پھر بھی شرک نہ کرنا؟ اس شبہ کا جواب یہ کہ یہ ابوالدرداءؓ کی خصوصیت تھی کہ ان کو حالتِ اضطرار میں بھی کلمۂ کفر کہنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کو رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کرنے کا حکم دیا۔

(بابُ المَواقِيتِ)

نمازوں کے اوقات کے بیان میں

''الفصل الاوّل''

نمازوں کے اوقات:

۵۳۳۔عن عبدالله بن عمروؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: وقتُ الظُّهرِ إذا زالتِ الشمسُ و كان ظِلُّ الرجلِ كطُولِه مالمْ يحضُرِ العصرُ ووقتُ العصرِ مالم تَصفَرّ الشمسُ ووقتُ صلوٰةِ المغربِ مالم تغِبِ الشفقُ ووقتُ صلوٰةِ العشاءِ الىٰ نصف الليل الأوسط ووقتُ صلوٰةِ الصبحِ مِن طلوعِ الفجرِ الىٰ مالمْ تطلُعِ الشمسُ فاذاطلعتِ الشمسُ فأمسكْ عن الصلوٰةِ فإنّهاتطلعُ بين قرنَي الشيطان.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب (سورج ڈھلنے کے بعد) ہے اور (آخری وقت جب) آدمی کا سایہ اس کے طول کی مانند، ہو جب تک عصر کا وقت نہ ہوا ہو۔ اور عصر کا وقت (اس وقت تک ہے) جب تک سورج زرد نہ ہو جائے۔ اور مغرب کی نماز کا وقت (اس وقت تک ہے) جب تک شفق غائب نہ ہو۔ اور عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے اور فجر کی نماز کا وقت طلوعِ فجر سے لے کر (اس وقت تک ہے) جب تک سورج نہ نکل آئے۔ جب سورج طلوع ہو جائے تو نماز سے رُک جا کیونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: و كان ظلّ الرجل كطوله مالم يحضرِ العصر.....:۔اس حدیث میں نمازوں کے اوقات کا بیان ہے، اس بات پر تو تمام فقہاء متفق ہیں کہ کوئی بھی فرض نماز وقت سے پہلے ادا نہیں کی جاسکتی البتہ اوقاتِ مفروضہ و مستحبہ کی تعیین میں اختلاف ہے۔ یہاں پہلے وقتِ ظہر کو ذکر کیا گیا ہے۔

ظہر کے آخری وقت میں فقہاء کا اختلاف:

ظہر کے ابتدائی وقت (یعنی زوالِ آفتاب سے فوراً بعد) میں تو کوئی اختلاف نہیں، البتہ ظہر کا انتہائی (آخری) وقت مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک ظہر کا وقت مثلِ اوّل کے اختتام تک رہتا ہے۔ البتہ امام مالکؒ کے ہاں مثلِ اوّل کے بعد چار رکعت نماز پڑھنے کے بقدر وقت ظہر اور عصر میں مشترک ہے۔ اس کے لیے حدیثِ جبرئیلؑ سے آپؒ استدلال فرماتے ہیں جس میں وارد ہے

کہ حضرت جبرئیلؑ نے پہلے دن مثلِ اوّل کے اختتام پر عصر پڑھائی اور دوسرے دن اختتام پر ظہر پڑھائی۔

ائمہ ثلاثہؒ اپنے مؤقف پر زیر بحث حدیث کے علاوہ فصلِ ثانی میں مروی حدیثِ ابن عباسؓ سے اور فصلِ ثالث میں مروی حضرت عمرؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ نیز امام مالکؒ حدیثِ ابن عباسؓ سے ظہر وعصر کے مابین وقتِ مشترک پر بھی استدلال کرتے ہیں۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں ظہر کی انتہا مثلین (مثلِ اول اور مثلِ ثانی) کے اختتام پر ہوتی ہے۔ اسی باب کی فصلِ اوّل کی دوسری روایت جو حضرت بریدہؓ سے مروی ہے، آپؒ کی دلیل ہے، اس میں وارد ہے کہ "فلمّا کان الیومُ الثانی أمره فأبرِدُ بالظهر، فأبردَ بها فأنعَم أن یُبرد بها"۔ اس حدیث میں خوب تر [ابراد] کے بعد ظہر پڑھانے کا ذکر ہے اور حجاز میں خوب تر ابراد (کہ گرمی کی شدت کم ہوجائے) مثلِ اوّل کے بعد ہی ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مثلِ اول کے بعد تک ظہر کا وقت رہتا ہے، بخاری شریف میں مروی حدیثِ ابوذرؓ بھی آپؒ کی دلیل ہے۔

امام صاحبؒ کی جانب سے جمہور ائمہ کے دلائل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی امامتِ جبرئیل والی روایت کے بعض اجزاء منسوخ ہیں ان میں ظہر کا آخری وقت بھی ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمروؓ کی حدیث بھی ظہر کے آخری وقت کے اعتبار سے منسوخ ہے یا پھر محمول ہے اولیٰ اور مستحب وقت کے بیان پر۔ اسی طرح حدیثِ ابنِ عمرؓ میں بھی وقتِ مستحب کے آخر کو بیان کیا گیا ہے۔ بعض علماء کے بیان کے مطابق امام صاحبؒ نے بعد میں جمہور کے قول کی طرف رجوع کرلیا، لیکن پھر بھی احتیاط اس میں ہے کہ ظہر تو مثلِ اوّل میں پڑھی جائے اور عصر مثلین کے بعد۔

امام مالکؒ جو وقتِ مشترک کے قائل ہیں، جمہور حضرات اُن کی دلیل کے جواب میں مذکورہ حدیثِ ابن عمروؓ اور وہ تمام روایات پیش کرتے ہیں جو حدیثِ جبریلؑ سے مؤخر ہیں اور اس پر ناطق ہیں کہ کسی بھی دو نمازوں کا وقت مشترک نہیں۔

عصر کا ابتدائی اور انتہائی وقت

قوله: ووقت العصر مالم تصفر الشمس۔۔۔:۔ عصر کے ابتدائی وقت میں وہی اختلاف ہے جو ظہر کے آخری وقت میں ہے۔ جمہور کے ہاں عصر کی ابتدا مثلِ اول کے بعد سے ہوگی، جبکہ امام صاحبؒ کے ہاں مثلین کے بعد۔ اس حوالے سے جانبین کے دلائل ظہر کے انتہائی وقت کے ذیل میں گزر چکے۔

اور عصر کا انتہائی وقت ائمہ اربعہؒ کے نزدیک غروبِ شمس تک ہے۔ باقی اس حدیث میں: 'مالم تصفر الشمس" سے وقتِ مستحب کی انتہا بتائی جارہی ہے، کیونکہ اصفرارِ شمس کے بعد عصر کا مکروہ وقت شروع ہوجاتا ہے۔

مغرب کے انتہائی وقت میں پایا جانے والا اختلاف:

قوله: ووقتُ صلاةِ المغربِ مالم یغبِ الشَّفقُ۔۔۔:۔ مغرب کی ابتدا بالاتفاق غروبِ آفتاب سے ہے، جبکہ انتہا غروبِ شفق ہے لیکن شفق کے معنیٰ میں فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے جو درج ذیل ہے:

چنانچہ ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کے ہاں شفق سے مراد ''شفق احمر'' ہے اور شفق احمر وہ حمرۃ (سرخی) ہے جو غروبِ آفتاب کے کچھ دیر بعد اُفق پر نمودار ہوتی ہے، اس سرخی کے غروب ہونے تک مغرب کا وقت ہے۔ دلیل حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث ہے: ''قالت: کانوا یُصلُّون العتمۃَ فیما بینَ أن یغیبَ الشفقُ إلیٰ ثُلثِ اللیلِ الأوّلِ۔'' (متفق علیہ، مشکوٰۃ، باب تعجیل الصلوٰۃ) اس حدیث سے یہ حضرات اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ ''شفق'' بمعنیٰ بیاض (وہ سفیدی جو شفقِ احمر کے غائب ہونے کے بعد اُفق پر نظر آتی ہے) تو ثلثِ لیل تک باقی رہتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور اس ثلثِ لیل تک مغرب کے پڑھنے کا کوئی بھی قائل نہیں اور اس حدیث میں اگر شفق سے مراد شفق ابیض ہو تو اس حدیث کے مطابق ثلثِ لیل سے پہلے عشاء جائز نہ ہوگی، لہٰذا اس حدیث میں لامحالہ طور پر شفق سے مراد شفقِ احمر ہوگا۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں شفق سے مراد ''شفقِ ابیض'' ہے جو شفقِ احمر کے بعد ہوتا ہے۔ آپؒ کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

(۱) حدیثِ ابومسعود انصاریؓ: ''ویصلِّی العشاءَ حینَ یَسْوَدُّ الأفقُ''۔ (ابوداؤد) اس میں عشاء کا ابتدائی وقت اسودادِ افق (افق کا سیاہ ہونا) بتایا جا رہا ہے اور اسودادِ افق شفقِ ابیض کے غروب کے بعد ہوتا ہے۔

(۲) حدیثِ جابرؓ کے ان الفاظ سے: ''ثم أذّنَ أی بلالٌ للعشاءِ حین ذھبَ بیاضُ النھارِ وھو الشّفقُ۔'' (طبرانی) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ شفقِ ابیض کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوا اور اذان دی گئی۔

فائدہ: چونکہ مغرب کا آخری وقت اور عشاء کا ابتدائی وقت ائمہ مجتہدینؒ کے درمیان مختلف فیہ ہے اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ مغرب شفقِ احمر کے غائب ہونے سے پہلے پڑھی جائے اور عشاء شفقِ ابیض کے غائب ہونے کے بعد پڑھی جائے۔

عشاء کے وقت میں تفصیل:

قولہ: ووقتُ صلاۃُ العشاءِ إلیٰ نصفِ اللیلِ الأوسطِ۔۔۔: پہلے معلوم ہوا کہ عشاء کا ابتدائی وقت مختلف فیہ ہے، لہٰذا اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے اور عشاء کے آخری وقت کے بارے میں اگرچہ روایات مختلف ہیں لیکن شیخ علامہ ابن الھمامؒ نے فتح القدیر میں ان مختلف روایات کو جمع کر کے یہی ثابت کیا ہے کہ عشاء کا آخری وقت طلوعِ صبحِ صادق ہے، جمہور فقہاء اسی کے قائل ہیں۔ اس حوالے سے مروی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کو ثلثِ لیل تک مؤخر کرنا مستحب ہے اور نصف اللیل تک مؤخر کرنا بلا کراہت جائز ہے اور طلوعِ فجر تک تاخیر کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

قولہ: ووَقتُ صلاۃِ الصبحِ من طلوعِ الفجرِ مالم تطلعِ الشمسُ: فجر کا وقت بالاتفاق صبحِ صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب تک رہتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

''فإنّھا تطلُعُ بین قَرنَیِ الشَّیطٰنِ'' کا مطلب:

قولہ: فإنّھا تطلع بین قرنَی الشیطٰن۔۔۔: سورج کا شیطان کے سینگوں کے درمیان سے طلوع ہونا بعض علماء کے نزدیک مجاز پر محمول ہے۔ جبکہ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت پر محمول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ طلوعِ آفتاب کے وقت شیطان واقعۃً مطلعِ شمس (یعنی مشرق کی سمت میں) کے پاس جا کھڑا ہوتا ہے تاکہ سورج کے پجاریوں کا سجدہ سورج کے ساتھ ساتھ اس کے سامنے بھی ہو جائے اور وہ بھی مسجودلہٗ

کہلا سکے یہ شیطان کی خود فریبی ہے۔ آپ ﷺ کا اپنی امت کو اس وقت میں نماز سے منع فرمانا اس وجہ سے ہے کہ سورج کے پجاریوں کے ساتھ تشبّہ بھی لازم نہ آئے اور شیطان بھی ہماری عبادت سے خود فریبی میں مبتلا نہ ہو۔ (لمعات، مرآۃ)

نمازوں کے ابتدائی اور انتہائی اوقات:

٥٣٤۔وعن بُريدةؓ قال: إنّ رجلاً سألَ رسولَ الله ﷺ عن وقتِ الصلاةِ،فقال له: صلِّ معنا هذَين [يعني :اليومين] فلمّا زالت الشمسُ أمرَ بلالاً فأذّنَ ثمّ أمرَه فأقامَ الظهرَ ثمّ أمره فأقامَ العصرَ والشمسُ مرتفعةٌ بيضاءُ نقيّةٌ ثمّ أمره فأقامَ المغربَ حينَ غابتِ الشمسُ ثمّ أمره فأقامَ العشاءَ حينَ غابَ الشّفَقُ ثمّ أمره فأقامَ الفجرَ حين طلعَ الفجرُ فلمّا أن كان اليومُ الثاني أمره: فأبردُ بالظهرِ فأبرَدَه فأنعَمَ أن يُبرِدَبها وصلّى العصرَ والشمسُ مُرتفعةٌ أخّرَها فوقَ الذي كانَ وصلّى المغربَ قبلَ أن يغيبَ الشّفقُ وصلّى العشاءَ بعدَ ماذهبَ ثُلُثُ الليلِ وصلّى الفجرَ فأسفرَ بها،ثمّ قال: أين السائلُ عنْ وقتِ الصلوٰةِ ؟فقال الرجلُ: أنايارسولَ الله!قال: وقتُ صلوٰتِكم بينَ مارأيتُم.[مسلم]

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کا (اول، آخر) وقت دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ یہ دو دن نماز پڑھو (تاکہ نماز کے اوقات معلوم ہو جائے) چنانچہ جب سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ نے بلالؓ کو (اذان دینے کا) حکم دیا۔ انہوں نے اذان دی۔ پھر آپ ﷺ نے اُن کو (اقامت کہنے کا) حکم دیا۔ انہوں نے ظہر کی اقامت کہی۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں عصر کی اقامت کا حکم دیا جب کہ سورج (کی ٹکیہ) بلند، سفید اور صاف تھی، پھر غروب آفتاب کے وقت آپ ﷺ نے انہیں مغرب کی اقامت کہنے کا حکم دیا، پھر شفق کے غائب ہونے پر عشاء کی اقامت کہنے کا حکم دیا، پھر طلوع فجر کے وقت انہیں فجر کی اقامت کا حکم دیا، جب دوسرا دن ہوا تو آپ ﷺ نے اُن (بلالؓ) کو حکم دیا کہ ظہر کو ٹھنڈا کر۔ تو انہوں نے اُسے خوب اچھی طرح ٹھنڈا کیا (گرمی کی شدت کم ہونے پر دیر سے ظہر کی اقامت کہی) اور آپ ﷺ نے عصر پڑھی جب کہ سورج بلند تھا (لیکن) پہلے (دن) کی بنسبت دیر سے پڑھی اور مغرب شفق کے غائب ہونے سے پہلے پڑھ لی اور عشاء کی نماز ایک تہائی رات گزر جانے کے بعد پڑھی اور فجر کی نماز کو خوب روشنی ہو جانے پر پڑھی۔ پھر فرمایا کہ نماز کے (اول، آخر) وقت کے بارے میں پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس آدمی نے کہا کہ میں ہوں اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری نمازوں کے اوقات ان (اوقات) کے درمیان ہے جو تم دیکھ چکے۔ (مسلم)

"الفصل الثانی"

حدیثِ امامتِ جبرئیل:

٥٣٥۔عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: أمّني جبريلُ عندَ البيتِ مرّتين فصلّى بي الظُّهرَ حينَ زالتِ الشمسُ وكانت قدْرَ الشراكِ وصلّى بي العصرَ حينَ صارَ ظِلُّ كلِّ شيءٍ مِثْلَه وصلّى بي المغربَ حين أفطرَ الصائمُ وصلّى بي العشاءَ حينَ غابَ الشّفقُ وصلّى بي الفجرَ حينَ حُرّمَ الطعامُ والشرابُ على الصائمِ فلمّا كان الغدُ صلّى بي الظهرَ حينَ كانَ ظلُّه مثلَه وصلّى بي العصرَ حينَ كانَ ظِلُّه مِثْلَيه وصلّى بي المغربَ حينَ أفطرَ الصائمُ وصلّى بي العشاءَ الىٰ ثُلُثِ الليلِ وصلّى بي

الفجرَ فأسفرَ، ثمّ التفتَ اليّ فقال: يا محمدُ! هذا وقتُ الأنبياءِ مِن قبلكَ، والوقتُ مابينَ هذينِ الوقتينِ. [أبو داؤد، ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبرئیلؑ نے بیت اللہ کے پاس دو مرتبہ (دو دن پانچوں نمازوں میں) میری امامت کی، چنانچہ (پہلے دن) ظہر کی نماز پڑھائی جبکہ سورج ڈھل گیا تھا اور وہ (سایہ جوتے کے) تسمہ کے بقدر رہ گیا تھا اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ (سوائے سایہ اصلی کے) اس کے مثل (مانند) ہوگیا اور مغرب پڑھائی (اس وقت) جبکہ روزہ دار افطار کرتا ہے اور شفق غائب ہونے پر عشاء پڑھائی اور فجر کی نماز (اس وقت) پڑھائی جس وقت روزہ دار کے لیے کھانا پینا حرام ہوتا ہے۔ اور اگلے روز ظہر (اس وقت) پڑھائی جس وقت ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہوتا ہے اور عصر اس وقت پڑھائی جب کہ (ہر چیز کا) سایہ دو مثل ہوتا ہے اور مغرب (اس وقت) پڑھائی جبکہ روزہ دار افطار کرتا ہے اور عشاء ایک تہائی رات گزرنے پر پڑھائی اور فجر خوب روشنی ہونے پر پڑھائی پھر (جبرئیلؑ نے) میری طرف متوجہ ہوکر کہا: اے محمد! یہ آپ (ﷺ) سے پہلے انبیاء (کی نمازوں) کا وقت ہے اور (نماز کا) وقت اِن دو وقتوں کے درمیان ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی)

ایک سوال اور اُس کا جواب:

تشریح: قوله: فصلّى بِيَ الظهرَ حين زالتِ الشمسُ و كانتْ قدرَ الشِّراك ...: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دن کی نمازوں میں پہلی نماز فجر کی ہے تو جبرئیلؑ نے آپ ﷺ کو پہلے ظہر کی نماز کیوں پڑھائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس دن فجر کی نماز بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ادا فرمائی تھی کیونکہ امامتِ جبرئیل کا مذکورہ واقعہ شبِ معراج میں صلوٰتِ خمسہ کی فرضیت کے بعد اگلے دن پیش آیا۔

صلاۃِ عشاء امتِ محمدیہ پر ہی فرض کی گئی:

قوله: يا محمد! هذا وقت الأنبياء من قبلك، والوقت ما بين هذين الوقتين: ۔اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰتِ خمسہ انبیائے سابقین اور ان کی امتوں پر بھی فرض تھی حالانکہ ایسا نہیں، کیونکہ صلوٰتِ خمسہ کی فرضیت اس امت کے ساتھ خاص ہے۔ لہٰذا اس جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ انبیائے سابقین میں سے جس نبی پر جو ایک نماز فرض تھی، اُن نبی کی اُس فرض نماز کا جو وقت تھا وہ اِس امت کے حق میں اُس نماز کا وقت ہے مثلاً: جس نبی کے ہاں فجر فرض تھی تو اُس نبی کی امت کے لیے جو فجر کا وقت تھا، وہ اِس امت کے لیے بھی فجر کا وقت ہوگا علیٰ ہٰذا القیاس، ماسوائے عشاء کے کہ وہ اس امت سے پہلے کسی امت پر فرض نہیں ہوئی۔

"الفصل الثالث"

٥٣٦۔ وعن ابن شهابٍ أنّ عمرَ بنَ عبدِالعزيزِ أخّرَ العصرَ شيئًا، فقال له عروةُ: أما أنّ جبريلَ قد نزلَ فصلّى أمامَ رسولِ اللهِ ﷺ، فقال عمرُ: اِعلم ما تقولُ؟ يا عروةُ! فقال: سمعتُ بشيرَ بنَ أبي مسعودٍ يقولُ: سمعتُ أبا مسعودٍ يقولُ: سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقول: نزلَ جبريلُ فأمّني فصلّيتُ معه ثمّ صلّيتُ معه ثمّ صلّيتُ معه ثمّ صلّيتُ معه ثمّ صلّيتُ معه، يحسبُ بأصابعِه خمسَ صلوٰتٍ. [متفق عليه]

ترجمہ: ابن شہاب زہری سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عصر کی نماز کچھ تاخیر سے پڑھی، تو حضرت عروہؒ نے آپ سے کہا کہ آگاہ رہیے کہ جبرئیلؑ آئے تو آپ ﷺ کے آگے (امام بن کر اول وقت میں) نماز پڑھی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُن سے فرمایا کہ اے عروہ! جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ تو عروہؒ نے کہا کہ میں نے بشیر ابن ابی مسعود کو سنا جو کہتے ہیں کہ میں نے ابو مسعودؓ کو سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جبرئیلؑ آئے، میری امامت کی، پھر میں نے اُن کے ساتھ نمازِ (ظہر) پڑھی، پھر میں نے اُن کے ساتھ نمازِ (عصر) پڑھی، پھر اُن کے ساتھ (مغرب) پڑھی، پھر اُن کے ساتھ نماز (عشاء) پڑھی، پھر اُن کے ساتھ نماز (فجر) پڑھی، آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے پانچ نمازیں گن کر بتائیں۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: فقال عمر: اعلم ما تقول؟ يا عروة افقال: سمعت بشيرَ بنَ أبى مسعود....:۔"اِعلم" اس میں دو قول ہیں:

(۱) بظاہر یہ امر کا صیغہ ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت عروہؒ کو متنبہ کر رہے ہیں کہ اتنی بڑی بات یعنی حدیثِ امامتِ جبرئیل بیان کر رہے ہو اور سند کا کوئی ذکر ہی نہیں، چنانچہ حضرت عروہؒ نے فوراً "سمعتُ بشيربن أبى مسعودٍ يقول سمعتُ أبا مسعودٍ...." کہہ کر سند کے ساتھ حدیث کو بیان کیا، تا کہ کذب علی النبی ﷺ کا شائبہ بھی نہ ہو۔

(۲) بعض علماء "اعلم" کو واحد متکلم فعل مضارع کا صیغہ بتاتے ہیں اس صورت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مطلب یہ ہوگا کہ اے عروۃ! آپ جو بیان کر رہے ہیں میں اُس سے واقف ہوں نہ کہ بے خبر۔

حضرت عمرؓ کا اپنے تمام حُکام کو خط:

۵۳۷۔وعن عمر بن الخطابؓ أنّه كتبَ إلىٰ عُمّاله أنّ أهمَّ أمورِكُم عندى الصلاةُ مَن حفِظها وحافظَ عليها حفِظ دينه ومن ضيّعَها فهو لِما سِواها أضيعُ ثمّ كتبَ أن صلُّوا الظهرَ أنْ كانَ الفيُّ ذراعاً الىٰ أن يكونَ ظِلُّ أحدِكم مِثلَه والعصرَ والشمسُ مرتفعٌ بيضاءُ نقيّةٌ قدرَ مايسيرُ الراكبُ فرسخينِ أوْثلاثة قبلَ مَغيبِ الشمسِ والمغربَ اذاغابتِ الشمسُ والعشاءِ اذاغابَ الشفقُ الىٰ ثُلثِ الليلِ فمَنْ نامَ فلانامتْ عينُه، فمَنْ نامَ فلانامتْ عينُه، فمَنْ نامَ فلانامتْ عينُه والصبحَ والنجومُ باديةٌ مشتبكةٌ.[مالك]

ترجمہ: مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے (اپنے عہد خلافت میں) اپنے تمام حکّام کو لکھ بھیجا تھا کہ میرے نزدیک تمہارے سب کاموں میں اہم کام نماز پڑھنا ہے لہذا جس نے نماز کی حفاظت ومحافظت کی، اُس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا تو وہ اس چیز (احکامِ دین) کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا جو نماز کے سوا ہے۔ پھر آپؓ نے لکھا کہ ظہر (اس وقت) پڑھو جب سایۂ زوال ایک گز ہو یہاں تک کہ تم میں سے کسی کا سایہ (فیِ زوال) کے علاوہ ایک مثل ہو جائے اور عصر پڑھو جب کہ سورج کی ٹکیہ بلند، سفید اور صاف ہو، سورج غائب ہونے سے اتنی دیر پہلے کہ سوار شخص اُس میں دو یا تین فرسخ (چھ یا نو میل) سفر طے کر سکے اور مغرب سورج غائب ہونے پر پڑھو، اور عشاء شفق کے غائب ہونے سے لے کر ایک تہائی رات گزر جانے تک پڑھو، پس جو (عشاء سے پہلے) سوئے تو (اللہ کرے کہ) اس کی آنکھیں نہ سکے اور صبح کی نماز (ایسے وقت) پڑھو جب کہ ستارے گنجان چمکتے ہوئے ہو۔ (مالک)

موسم گرما وسرما میں بوقتِ ظہر سایہ کا اندازہ:

٥٣٨۔عن ابن مسعودؓ قال: کان قدرُ صلاةِ رسولِ اللهﷺالظهرَ فی الصیفِ ثلاثةَ أقدامٍ إلیٰ خمسة أقدامٍ وفی الشتاءِ خمسةَ أقدامٍ الیٰ سبعةِ أقدامٍ.[أبو داؤد،نسائی]

ترجمہ:حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ موسم گرما میں رسول اللہﷺ کی ظہر کی نماز کا اندازہ تین سے پانچ قدم تک اور سردی میں پانچ قدم سے لے کر سات قدم تک تھا۔(ابوداؤد،نسائی)

تشریح: قوله: كان قدر صلاة رسول الله ﷺالظهر فی الصیف......:۔اس حدیث میں نمازِ ظہر کے متعلق آپﷺ کا غالب اور ''اکثری معمول'' بتایا جارہا ہے اور جن احادیث میں ظہر کا وقت بقدرِ شراک بعد الزوال بتایا گیا ہے ان میں ظہر کا ''اوّل وقت'' مراد ہے۔

قوله:: فی الصیف ثلاثة أقدامٍ إلیٰ خمسة أقدامٍ.....:۔آپﷺ صیف یعنی گرمی میں جس وقت نماز پڑھا کرتے تھے،اس وقت سایۂ اصلی کے علاوہ تین سے پانچ قدم تک سایہ کے بڑھنے کا اندازہ بیان کیا جارہا ہے اور شتاء یعنی سردی میں پانچ سے سات قدم تک سایہ کے علاوہ سایۂ اصلی کے بڑھنے کا اندازہ بیان کیا جارہا ہے۔چونکہ سردی کے زمانے میں عام طور سے سورج ایک جانب کو مائل ہوجاتا ہے اس لیے سایہ زیادہ بنتا ہے اور گرمیوں میں سورج سر کے محاذاۃ (مدمقابل) میں ہوتا ہے اس لیے سایہ کم ہوتا ہے،اسی بنا پر گرمی میں ظہر کے وقت کے لیے تین سے پانچ قدم تک سایہ کی مقدار بیان کی اور سردی میں ظہر کے لیے پانچ سے سات قدم۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ سایہ کی زیادتی اور کمی اقالیم (زمین کے مختلف خطوں) کے اختلاف سے مختلف ہوتی رہتی ہے، حدیث میں حجاز مقدس کا حال مذکور ہے جو اقلیم ثانی میں واقع ہے۔(مرآۃ نجات)

(بابُ تَعْجِيلِ الصَّلوةِ)

{اس باب میں نمازوں کے مستحب اوقات کو بیان کیا جارہا ہے،مغرب میں بالاتفاق ''تعجیل''اور عشاء میں بالاتفاق'' تاخیر الیٰ ثلث اللیل''مستحب ہے،البتہ فجر،ظہر اور عصر کے مستحب اوقات میں اختلاف ہے جسے احادیث کی شرح کے ضمن میں ذیل میں بیان کیا جائے گا۔}

''الفصل الاوّل''

٥٣٩۔عن سيّارِ بن سَلامةَ قال: دخلتُ أنا وأبی علیٰ أبی برزة الأسلمیؓ فقال له أبی :كيفَ كانَ رسولُ اللهﷺ يُصلّی المكتوبةَ فقال: كان يُصلِّی الهجيرَ الّتی تدعُونَها الأُولیٰ حينَ تَدحَضُ الشمسُ، ويُصلّی العصرَ ثم يرجِعُ أحدُنا إلیٰ رَحْلِهِ فی أقصی المدينةِ والشمسُ حيّةٌ ونسيتُ ماقال فی المغربِ وكان يستحِبُّ أنْ يُؤخِّرَ العشاءَ الّتی تدعونَها العَتَمةَ وكان يكرَهُ النومَ قبلَهاوالحديثَ بعدَها وكانَ يَنفَتِلُ مِن صلاةِ الغداةِحينَ يَعرِفُ الرجلُ جليسَه ويقرأُ بالسِّتِّين الی المائةِ.وفی

روایۃٍ: ولایُبالی بتأخیرِ العشاءِ الیٰ ثُلُثِ اللیلِ ولایُحِبُّ النومَ قبلَها والحدیثَ بعدَها.[متفق علیه]

ترجمہ: سیار بن سلامہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے والد ابو برزہ اسلمیؓ کے پاس آئے، میرے والد نے اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز کس طرح (یعنی کس کس وقت) پڑھتے تھے؟ تو ابو برزہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز جسے تم اولیٰ (پہلی نماز) کہتے ہو، اس وقت پڑھتے تھے جب کہ سورج ڈھلنا شروع کر دیتا اور عصر کی نماز (اس وقت) پڑھتے (کہ) پھر ہم میں سے کوئی مدینہ کے کنارے واقع اپنے مکان تک جاتا اور سورج زندہ (روشن) ہوتا (کہ واپس آجاتا) (راوی کہتا ہے کہ) اور میں بھول گیا ہوں کہ مغرب کے متعلق کیا کہا اور آپ ﷺ عشاء کو جسے تم لوگ عتمہ کہتے ہو دیر سے پڑھنا پسند کرتے اور عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے اور صبح کی نماز (فجر) سے ایسے وقت فارغ ہوتے جب کہ آدمی اپنے پاس بیٹھے ہوئے کو پہچان سکتا اور ساٹھ آیتوں سے سو آیتوں تک پڑھتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک تہائی رات تک عشاء کو مؤخر کرنے کی پرواہ نہ کرتے تھے اور عشاء سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہ فرماتے۔ (متفق علیہ)

ظہر کی تعجیل کا مسئلہ:

تشریح: قوله: کان یُصلّی الھجیرَ الّتی تدعونھا الأولیٰ حین تدحض الشمس.....: ۔ یہاں ظہر کی تعجیل (اول وقت میں پڑھنے) کے متعلق فقہاء میں درج ذیل اختلاف ہوا ہے:

امام شافعیؒ ظہر میں مطلقاً تعجیل کی افضلیت کے قائل ہیں خواہ سردی ہو یا گرمی۔ اِس سلسلہ میں آپؒ کی پہلی دلیل مذکورہ حدیث ہے، ایسے ہی حضرت ام سلمہؓ، حضرت انسؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی احادیث سے بھی آپؒ استدلال فرماتے ہیں۔ البتہ موسمِ گرما میں آپؒ درجہ ذیل چار شرطوں کے ساتھ ابرادِ ظہر (ظہر کو تاخیر سے پڑھنے) کی اولویت کے قائل ہیں:

(۱) گرمی شدید ہو۔ (۲) گرم ممالک ہو۔ (۳) نماز باجماعت پڑھی جائے۔ (۴) جماعت کے لیے دور سے آنا پڑے۔

جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک سردی میں تعجیل افضل ہے اور گرمی میں ابراد۔ ان حضرات کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

(۱) اسی فصل میں مروی حدیثِ ابی ہریرہؓ مرفوعاً: "إذا اشتدّ الحرُّ فأبرِدُوا بالصلوٰۃ." (بخاری)

(۲) فصلِ ثالث میں مروی حدیثِ انسؓ: "قال کان رسول اللہ ﷺ إذا کان الحرُّ أبرَدَ بالصلاۃِ وإذا کان البردُ عجّلَ." (نسائی)

اور ایسے ہی حضرت ابو ذرؓ اور حضرت ابو سعیدؓ کی احادیث سے بھی۔

جمہور حضرات کی جانب سے امام شافعیؒ کی پیش کردہ احادیث (جو تعجیلِ ظہر کے بارے میں ہیں) کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ احادیث سردی کے ظہر پر محمول ہے۔

صلاۃِ عصر کا مستحب وقت:

قوله: ویُصلّی العصر ثم یرجعُ أحدنا إلیٰ رحلہٖ فی أقصَی المدینۃ والشمسُ حیّۃٌ....: ۔ اس عبارت سے جمہور فقہاء صلوٰۃِ عصر

میں تعجیل کے مستحب ہونے پر استدلال کرتے ہیں، اس حدیث کے علاوہ فصلِ ثانی میں مذکور حدیثِ ام فروہؓ، فصلِ ثالث میں مروی حدیثِ رافع بن حدیجؓ اور بخاری شریف میں مروی حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ کی احادیث سے بھی اپنے موقف پر استدلال کرتے ہیں۔ زیرِ بحث حدیث میں حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کا یہ قول بھی ان کی دلیل ہے: ''ہم عصر پڑھنے کے بعد عوالیِ مدینہ (اطرافِ مدینہ میں واقع بستیوں) کی طرف جاتے اور جب واپس لوٹتے تو بھی سورج اونچا رہتا تھا'' (ایسی ہی بات حدیثِ انسؓ میں بھی ہے) جبکہ بعض عوالی چار میل کی مسافت پر بھی تھے۔ نیز حضرت رافعؓ کی حدیث میں وارد ہے کہ عصر کے بعد ہم اونٹ ذبح کرتے اور مغرب سے پہلے پہلے گوشت کی تقسیم اور بھون کر کھانے پینے سے فارغ ہو جاتے۔ یہ سب روایات اس بات پر دال ہیں کہ حضور ﷺ کے مبارک زمانے میں عصر کافی جلدی (اول وقت میں) پڑھی جاتی تھی، لہٰذا تعجیلِ عصر مستحب ہوگی۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں عصر میں کسی قدر تاخیر مستحب ہے۔ آپؒ فصلِ ثالث میں مروی حدیثِ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ سے استدلال کرتے ہیں: ''وأنتم أشد تعجيلاً للعصر منه''۔ اسی طرح بخاری شریف میں مروی حدیثِ جابرؓ اور حدیثِ ابن عمرؓ سے بھی استدلال فرماتے ہیں۔

امام صاحبؒ جمہور حضرات کے مذکورہ دلائل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان روایات میں نہ اس بات کی تصریح ہے کہ عوالی سے مراد مدینہ طیبہ کی وہ بستیاں ہیں جو چار، پانچ میل کی مسافت پر تھی اور نہ اس کی تصریح ہے کہ عوالی جانے والے لوگ پیدل ہوتے یا سوار، آہستہ چلتے یا تیز۔ لہٰذا اس سے تعجیل پر استدلال درست نہ ہوگا، اور یہ بھی ناممکن نہیں کہ حنفی مذہب کے مطابق عصر تاخیر کے ساتھ مستحب وقت میں ادا کی جائے اور اس کے بعد اونٹ ذبح کر کے مغرب سے پہلے پہلے اس کی تقسیم اور کھانے پکانے سے فراغت حاصل کی جائے کیونکہ اس کا تعلق ذبح اور طبخ کی مہارت کے ساتھ ہے، ماہر قصاب اور ماہر طباخ ایسا کر سکتے ہیں خصوصاً گرمیوں میں۔ (نفحات، مرآۃ)

صلاۃِ فجر کا افضل وقت:

قولہ: وكان ينفتل من صلاة الغداة حين يعرف الرجل جليسه..... یہاں صلاۃِ فجر کے مستحب وقت میں پایا جانے والا اختلاف ذکر کیا جاتا ہے کہ فجر غلس میں افضل ہے یا اسفار میں؟

چنانچہ احنافؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ فجر کی نماز اسفار (جب خوب روشنی ہو جائے) میں ادا کی جائے۔ دلیل حدیثِ باب کی زیرِ بحث عبارت ہے، علاوہ ازیں فصلِ ثانی میں مروی حدیثِ رافع: ''أسفروا بالفجر فإنّه أعظم للأجر''۔ ترجمہ: ''فجر کو روشنی میں پڑھو کہ یہ زیادہ باعثِ اجر ہے''۔ اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں وارد یہ الفاظ: ''وصلّى الفجر قبل ميقاتها''۔ ترجمہ: ''آپ ﷺ نے مزدلفہ میں فجر کی نماز خلافِ معمول غلس میں ادا کی''۔ اس سے معلوم ہوا کہ عادتِ مبارکہ اسفار میں نماز پڑھنے کی تھی، صحابہؓ کا اجماع بھی اس پر دال ہے، یہ اجماع طحاوی میں ابراہیم نخعیؒ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''ما اجتمع أصحابُ رسول الله ﷺ على شيء ما اجتمعوا على التنوير''۔ یعنی ''اسفار میں نماز پڑھنے پر صحابہ کا اجماع جیسا ہوا ہے ویسا کسی بات پر نہیں ہوا''۔ نیز ادائے جماعت کے سلسلہ میں تکثیرِ جماعت مطلوب و مرغوب ہے اور فجر میں تکثیرِ جماعت جس قدر اسفار میں ہے غلس میں نہیں۔

جبکہ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک فجر میں تغلیس (منہ اندھیرے نماز پڑھنا) افضل ہے۔ ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں: حدیث

جابرؓ کے یہ الفاظ: "قال: کان النبیُّ ﷺ یصلّیها بغَلَسٍ." (مسلم) یعنی "نبی پاک ﷺ فجر غلس میں پڑھتے تھے"۔ اسی فصل میں مروی حدیثِ عائشہؓ : "کان النبیُّ ﷺ لیُصلّی الصبحَ فینصرفُ النساءُ مُتلفِّعاتٌ بمُروطِهنّ ما یُعرَفْنَ مِن الغَلَسِ." (متفق علیہ) یعنی نبی پاک ﷺ فجر کی نماز پڑھتے، عورتیں چادروں میں لپٹی واپس ہوتی جو غلس کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی۔ اور اس کے متصل حدیثِ انسؓ کے یہ الفاظ: "فلما فرَغا من سحورِهم قامَ النبیُّ ﷺ إلی الصلوٰۃ فصلّی." اس کے علاوہ حدیثِ ام فروہؓ اور حدیثِ ابن عمرؓ بھی ان حضرات کی مستدل ہے جس میں ہر نماز کو اوّل وقت میں پڑھنے کی افضلیت مذکور ہے۔

حضرات احنافؒ کی جانب سے ائمہ ثلاثہؒ کے مذکورہ دلائل کے درج ذیل جواب دیے جاتے ہیں:

حدیثِ جابرؓ کا جواب یہ ہے کہ یہ اُس زمانہ سے متعلق ہے جس میں بوقتِ غلس تکثیرِ جماعت ہوا کرتی تھی اور صحابہ بالعموم تہجد کی ادائیگی کے لیے مسجد میں حاضر ہوا کرتے تھے، بعد میں یہ حالت نہ رہی اور تکثیر جماعت اسفار میں ہونے لگی، اسی بنا پر اسفار کی فضیلت بیان کی گئی۔

حدیثِ عائشہؓ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عورتوں کی ذوات کا نہ پہچانا جانا ان کے چادروں کی وجہ سے تھا اور نوع کا نہ پہچانا جانا اس سبب سے تھا کہ مسجدِ نبوی تنگ تھی اور اس کی چھت بہت نیچی تھی، قبلہ جنوب میں تھا اور دروازے شمال میں تھے اس لیے مشرق کی طرف سے صبح کی روشنی کے آنے کا کوئی راستہ نہ تھا چنانچہ اندھیرا ہوتا۔ باقی اس حدیث میں "مِن الغلس" کا اضافہ راوی کی طرف سے ہے یعنی بزعمِ راوی یہ اندھیرا غلس کا ہوا کرتا، اس کی تائید ابن ماجہ میں دوسری سند کے ساتھ مذکور اسی روایت سے ہوتی ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ "مِن الغَلَسِ" راوی کا اضافہ ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس میں رمضان المبارک میں فجر کی نماز غلس میں پڑھنے کا ذکر ہے اور رمضان میں تکثیرِ جماعت غلس میں ہوتی ہے کیونکہ لوگ سحری کے لیے پہلے سے جاگے ہوئے ہوتے ہیں اور طلوعِ فجر کے فوراً بعد نماز پڑھنا ان کے لیے سہل ہوتا ہے۔

عشاء کی نماز سے متعلق آپ ﷺ کا طریقہ:

۵۴۰۔ وعن محمّدِ بن عمرو بن الحسنِ بن علیؓ قال: سألنا جابرَبن عبدِ الله عن صلاةِ النبی ﷺ فقال: کانَ یُصلّی الظهرَ بالهاجرةِ والعصرَ والشمسُ حیّةٌ والمغربَ اذا وَجبتْ والعشاءَ اذا کثُرَ الناسُ عجّلَ واذا قلّوا أخّرَ والصبحَ بِغَلَسٍ. [متفق علیه]

ترجمہ: محمد بن عمرو بن حسن بن علیؓ کہتے ہیں کہ ہم نے جابر بن عبداللہؓ سے نبی پاک ﷺ کی نماز کے متعلق پوچھا تو حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ ظہر کی نماز دوپہر ڈھلتے وقت پڑھتے اور عصر (ایسے وقت) پڑھتے جب کہ سورج روشن ہوتا، اور مغرب سورج غروب ہونے پر پڑھتے اور عشاء کی نماز اگر لوگ زیادہ ہوتے تو جلدی پڑھ لیتے اور اگر کم ہوتے تو دیر سے پڑھتے اور فجر اندھیرے میں پڑھتے۔ (متفق علیہ)

گرمی سے بچاؤ کی خاطر کپڑے پر سجدہ کرنا:

۵۴۱۔ وعن أنسٍؓ قال: کنّا إذا صلّینا خلفَ النبی ﷺ بالظهائرِ سجدنا علیٰ ثیابِنا اتّقاءَ الحرِّ. [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں: ہم جب نبی پاک ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے تو گرمی سے بچاؤ کی خاطر اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے۔

سخت گرمی میں ظہر ٹھنڈک میں پڑھنے کا حکم:

٥٤٢۔وعن أبی هریرة قال: قال رسولُ الله ﷺ:إذا اشتدّالحرُّ فأبرِدُوا بالصلاةِ.[وفی روایة للبخاریؒ عن أبی سعید: "بالظُّهرِ"]فإنّ شِدّةَ الحرِّ مِن فَیحِ جهنّمَ واشتکتِ النّارُ الی ربّهافقالت: ربِّ أأکلتُ بعضی بعضًا فأذِنَ لها بِنَفَسینِ نفسٌ فی الشّتاء ونفَسٌ فی الصیفِ ،أشدُّ ماتجدُون مِن الحرّ وأشدُّ ماتجدُون مِن الزمهریرِ .[متفق علیه]وفی روایةٍ للبخاری:"فأشدّ ماتجدُون مِن الحرِّ فمِنْ سَمُومهاوأشدّ ماتجدُون مِن البَرْدِ فمِن زَمهریرِها.

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب گرمی سخت ہوتو نماز کو ٹھنڈا(کر کے)پڑھو۔اور بخاری کی ایک روایت میں ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ ظہر کو ٹھنڈا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کے بھاپ سے ہوتی ہے۔آگ (دوزخ) نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرے بعض (شعلوں) نے بعض کو کھالیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی ایک سانس سردیوں میں اور ایک گرمیوں میں، (گرمیوں میں) جو تم سخت گرمی محسوس کرتے ہو اور (سردیوں میں) جو تم سخت سردی محسوس کرتے ہو (یہ اثر اُن دو سانسوں کا ہے)۔(متفق علیہ)اور بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جو تم سخت گرمی محسوس کرتے ہو تو وہ دوزخ کے گرم ہواؤں (سانس) کی وجہ سے ہے اور جو تم سخت ٹھنڈک محسوس کرتے ہو تو وہ دوزخ کے ٹھنڈے سانس کی وجہ سے ہے۔

تشریح:قوله:إذا اشتدَّ الحَرُّ فأبرِدُوا بالصّلاة: یہ موسمِ گرما میں ظہر کی تاخیر وابراد کے حوالے سے حضراتِ احنافؒ کی مستدل ہے۔

گرمی اور سردی کا سبب،اشکال اور اس کا جواب:

قوله: وفی روایة البخاری: فأشدُّ ما تجدونَ من الحَرِّفمِن سَمومِها.....:۔اس حدیث میں گرمی کا سبب سمومِ جہنم اور سردی کا سبب زمہریرِ جہنم بتایا جارہا ہے۔اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ گرمی اور سردی کا سبب تو سورج کا بعد اور قرب ہے؟۔اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ "لا تَزاحُمَ فی الاسباب" یعنی ایک بات کے کئی سبب ہو سکتے ہیں، لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ یہاں ایک سبب تو ہم نے تجربات کی روشنی میں متعین کیا ہے، یہ بھی ٹھیک ہے اور ایک سبب نبی پاک ﷺ نے بتایا ہے، وہ بھی برحق ہے۔(لمحات)

٥٤٣۔ وعن أنسٍ قال: کان رسولُ الله ﷺ یُصلِّی العصرَ والشمسُ مرتفعةٌ حیّةٌ فیذهبُ الذاهبُ الی العوالی فیأتیهم والشمسُ مرتفعةٌ وبعض العوالی مِن المدینةِ علیٰ أربعةِ أمیالٍ أونحوِه.[متفق علیه]

ترجمہ:حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عصر (ایسے وقت میں) پڑھتے کہ سورج بلند اور زندہ (روشن) ہوتا، جانے والا عوالی مدینہ کی طرف جاتا اور واپس (اس حال میں) آتا اور (پھر بھی) سورج بلند ہوتا حالانکہ مدینہ کے بعض عوالی چار میل یا اس کے مانند فاصلے پر ہوا کرتے۔(متفق علیہ)

منافق کی نماز:

٥٤٤۔وعنه قال: قال رسولُ الله ﷺ: تلك صلاةُ المنافقِ یجلِسُ یرقبُ الشّمسَ حتّٰی إذا اصفرّتْ وکانتْ بین قَرْنَی الشیطانِ قامَ فنقرَ أربعًا لایذکرُ اللهَ فیها الاقلیلا.[مسلم]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا ہے حتیٰ کہ جب سورج زرد ہو جاتا ہے اور شیطان کے سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مارتا ہے جس میں اللہ کا ذکر بہت تھوڑا کرتا ہے۔ (مسلم)

عصر کی نماز فوت ہونے پر وعید:

٥٤٥۔ عن ابن عمرؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: الذی یفوته صلوٰةُ العصرِ فکأنّما وُتِرَ أهلُه و مالُه. [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہو جائے (وہ ایسا ہے) گویا اس کے اہل وعیال اور مال سب لٹ گئے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: الذی یفوته صلوٰةُ العصرفکأنّما وُتر أهله وماله: ۔صلوٰۃِ عصر کے فوت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ غروبِ آفتاب کی بنا پر عصر قضا ہو جائے، یہی قول راجح ہے۔ صلوٰۃِ عصر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ راجح قول کے مطابق صلاۃِ عصر ہی صلوٰۃِ وسطیٰ ہے اور آیتِ کریمہ: "حافظوا علی الصلوٰتِ و الصلاة الوسطیٰ" میں صلاۃِ وسطیٰ کی حفاظت کا حکم بطورِ خاص دیا گیا ہے، لہٰذا حدیث میں بھی اس کی تخصیص کی گئی ہے۔ (نفحات)

٥٤٦۔ وعن بریدةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن ترکَ صلاةَ العصرِ فقدْ حَبِطَ عَمَلُه. [بخاری]

ترجمہ: حضرت بُریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی (تو) اس کا (نیک) عمل باطل ہو گیا۔ (بخاری)

مغرب اور عشاء کا مستحب وقت:

٥٤٧۔ وعن رافع بن خدیجؓ قال: کنّا نُصَلِّی المغربَ مع رسول الله ﷺ فینصرفُ أحدُنا وإنّه لَیُبْصِرُ مَواقِعَ نَبْلِه. [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مغرب کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی (گھر) واپس ہوتا اور وہ اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ سکتا ہوتا۔ (متفق علیہ)

٥٤٨۔ وعن عائشةؓ قالت: کانوا یُصلّون العَتَمَةَ فیما بینَ أن یَغِیبَ الشفقُ إلیٰ ثُلُثِ اللیل الأوّلِ. [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: صحابہ کرامؓ عشاء کی نماز شفق غائب ہونے سے لے کر اوّل ایک تہائی رات تک پڑھا کرتے۔

٥٤٩۔ وعنها قالت: کان رسولُ الله ﷺ لَیُصلّی الصبحَ فتنصرفُ النساءُ مُتَلَفِّعاتٍ بمُروطِهنّ مایُعرَفْنَ مِن الغَلَسِ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھنے سے فارغ ہوتے تو عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی لوٹتیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتیں۔ (متفق علیہ)

رمضان میں فجر کا مستحب وقت:

٥٥٠۔ وعن قتادة عن أنسؓ أنّ النبیّ ﷺ وزید بن ثابتؓ تَسَحَّرا، فلمّا فرغا مِن سُحُورِهما قامَ نبیُّ الله ﷺ الی الصلوٰة فصلّی قلنا لأنس: کَم کانَ بینَ فراغِهما مِن سُحورِهما و دُخولِهما فی الصلوٰة قال: قدرَ مایقرأُ الرجلُ خمسینَ آیةً.

ترجمہ: قتادہؒ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ اور زید بن ثابتؓ نے سحری کھائی، جب سحری کھانے سے فارغ ہوئے تو

نبی پاک ﷺ (فجر کی) نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ہم نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ آپ ﷺ اور حضرت زیدؓ کے سحری سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے میں کتنا وقفہ تھا؟ انسؓ نے فرمایا کہ جتنی دیر میں (آدمی) پچاس آیتیں پڑھتا ہے۔(بخاری)

۵۵۱۔عن أبی ذرؓ قال: قال لی رسولُ الله ﷺ: کیفَ أنتَ إذا کانتْ علیكَ أمراءُ یُمیتُونَ الصلاۃَ و یُؤخِّرُونَ عن وقتِها؟ قلتُ: فما تأمُرُنی ؟ قال: صلِّ الصلوٰۃَ لوقتِها فإنْ أدرکتَها معهم فصلِّ فإنّها لكَ نافلةٌ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تیرا کیا حال ہوگا جب تجھ پر ایسے حکام مسلط ہونگے جو نماز کو تاخیر سے پڑھیں گے یا (فرمایا کہ) اپنے وقتِ (مختار) سے اس کو مؤخر کرینگے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ (ایسا وقت آنے پر) مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کو اپنے وقت پر پڑھا کر، پھر اگر ان (حکام) کے ساتھ (بھی) آپ کو نماز مل گئی تو وہ آپ کے لیے نفل ہوگی۔(مسلم)

دورانِ نماز طلوع وغروب کا مسئلہ:

۵۵۲۔وعن أبی هریرۃؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن أدركَ رکعةً من الصبحِ قبلَ أن تطلُعَ الشمسُ فقدْ أدرَكَ الصبحَ و مَن أدرَكَ رکعةً مِن العصرِ قبلَ أن تغرُبَ الشمسُ فقدْ أدرَكَ العصرَ. [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سورج نکلنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی اس نے فجر کی نماز پالی (یعنی اس کی فجر قضا نہ ہوئی) اور جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی اس نے عصر کو پالیا۔(متفق علیہ)

تشریح: قوله: مَن أدرَكَ رکعةً من الصبحِ قبلَ أن تطلُعَ الشمسُ۔۔۔۔: صلاۃِ فجر اور صلاۃِ عصر کے دوران طلوعِ شمس اور غروبِ شمس ہوجائے تو فجر وعصر فاسد ہوں گے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں ائمہ ثلاثہؒ کا کہنا یہ ہے کہ نہ فجر فاسد ہوگی اور نہ عصر۔ان حضرات کا استدلال مذکورہ حدیث اور اس کے متصل حضرت ابوہریرۃؓ ہی کی دوسری حدیث: "إذا أدرَكَ أحدُکم سجدةً من صلاۃِ العصرِ قبلَ أن تغرُبَ۔۔۔" سے ہے۔

جبکہ حضرات احنافؒ کے اس بارے میں تین اقوال منقول ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دورانِ نماز طلوعِ آفتاب سے فجر کی نماز کے فساد کا حکم لگایا جائے گا اور اس کی قضا ضروری ہوگی، جبکہ دورانِ نماز غروبِ آفتاب سے اُسی دن کے عصر کی نماز کو باوجود غروب کے پیش آنے کے پورا کیا جائے گا۔دلائل درج ذیل ہیں:

حدیثِ ابن عمرؓ مرفوعاً: "لا یتحرّی أحدُکم فیصلّی عند طلوعِ الشمسِ ولا عندَ غروبِها"۔(بخاری) اسی طرح حدیثِ عقبہ ابن عامرؓ: "ثلاثُ ساعاتٍ کان رسولُ الله ﷺ نهانا أن نُصلِّیَ فیها۔۔"۔(مسلم) اس کے علاوہ تمام وہ روایات اِن حضرات کی دلیل ہیں جن میں اوقاتِ ثلاثہ مکروہہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، یہ روایات حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، لہٰذا طلوعِ شمس اور غروبِ شمس کے دوران نماز کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔البتہ عصرِ یوم (اسی دن کے عصر) کی استثنا جو کی گئی ہے، تو اس کی وجہ صدر الشریعۃؒ اور علامہ ابن ہمام "یہ بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ زیرِ بحث مسئلہ میں احادیث متعارض ہیں اور تعارض کے وقت قیاس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور قیاس کا تقاضا

یہ ہے کہ عصرِ یوم صحیح ہو اور فجر صحیح نہ ہو کیونکہ فجر کا سارا وقت کامل ہے اور وجوبِ صلاۃ کا سبب وقت کا آخری جز ہوتا ہے تو فجر میں وجوب کامل ہوا لیکن طلوعِ شمس سے وقت میں نقصان آ گیا، اس سبب سے ادا ناقص ہوئی جو درست نہیں، برخلاف عصر کے کہ اس کا آخری وقت ناقص ہے تو وجوب بھی ناقص ہوگا، لہذا ادائے ناقص بھی درست ہوگی۔

(۲) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عصر کی طرح فجر کی ادائیگی بھی درست ہے لیکن دورانِ نماز جب سورج طلوع ہو رہا ہو تو ارکانِ صلاۃ کی ادائیگی سے رُک جائے اور جب سورج طلوع ہو جائے تو باقی ماندہ نماز پوری کر لی جائے۔ متأخرین حنفیہ کی تحقیق کے مطابق امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا اولیٰ و افضل ہے۔

(۳) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ فجر اور عصر دونوں طلوع و غروب کے اوقات میں فاسد ہیں۔

حنفیہؒ کی جانب سے جمہور ائمہ کو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ آپؒ حضرات کی پیش کردہ روایاتِ ابو ہریرہؓ منسوخ ہیں۔ اور نسخ کی دلیل یہ ہے کہ خود حضرت ابو ہریرہؓ کا فتویٰ ان روایات کے خلاف اور حنفیہؒ کے مسلک کے موافق ہے، چنانچہ کنز العمال میں بحوالہ مسند عبد الرزاق اس کی تصریح آئی ہے: "قال: إن خشيتَ من الصبح فواتًا فبادِرْ بالركعةِ الأولىٰ الشمسَ فإن سبقتْ بها الشمسُ فلا تعجلْ بالأخرة". [ترجمہ] "اگر فجر کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو پہلی رکعت کو غروبِ آفتاب سے پہلے پڑھ لو، اگر سورج غروب ہو گیا تو دوسری رکعت میں جلدی مت کرو"۔ (فنحات، مرآۃ)

۵۵۳۔ وعنه قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: إذا أدركَ أحدُكم سجدةً من صلوٰة العصرِ قبلَ أن تغرُبَ الشمسُ فَلْيُتِمَّ صلوٰته وإذا أدركَ سجدةً مِن صلوٰةِ الصبحِ قبلَ أن تطلعَ الشمسُ فَلْيُتِمَّ صلوٰته. [بخاری]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پا لی تو چاہیے کہ وہ اپنی نماز پوری کرے اور جس نے سورج کے نکلنے سے پہلے صبح کی نماز کی ایک رکعت پا لی تو وہ (بھی) اپنی نماز پوری کرے۔ (بخاری)

اوقاتِ مکروہہ میں قضا پڑھنے کا مسئلہ:

۵۵۴۔ عن أنسٍؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من نسي صلوٰةً أو نامَ عنها فكفّارتُها أن يُصلِّيَها إذا ذكرَها. وفي رواية: "لا كفّارةَ لها إلّا ذلك". [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز (پڑھنا) بھول جائے، یا اس سے سو جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے اسے پڑھ لے۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ سوائے اس (قضا پڑھنے) کے اس نماز کا کوئی کفارہ نہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: مَن نسيَ صلاةً أو نام عنها فكفّارتُها أن يصلّيها إذا ذكرَها.....: ۔ اس حدیث سے ائمہ ثلاثہؒ اس بات پر استدلال فرماتے ہیں کہ اگر کسی کی نماز نسیان یعنی بھول سے، یا نوم یعنی نیند کی وجہ سے قضا ہو گئی تو جس وقت بھی اُسے یاد آ جائے اس کو پڑھ لے خواہ وہ عین سورج کے طلوع یا زوال یا غروب کا وقت کیوں نہ ہو۔

جبکہ ائمہ حنفیہؒ فرماتے ہیں کہ اوقاتِ ثلاثہ منہیہ میں کوئی بھی نماز ادا کرنا جائز نہیں نہ ادا، نہ قضا اور نہ ہی وہ نماز جو بوجۂ نسیان یا بوجہ نوم قضا ہوئی ہو۔ان حضرات کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں اوقاتِ مکروہہ ثلاثہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔اسی طرح لیلۃ التعریس کے واقعہ سے بھی یہ حضرات استدلال کرتے ہیں جس میں وارد ہے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کی نمازِ فجر بوجہ نوم کے قضا ہوئی جب آنکھ کھلی تو سورج طلوع ہو رہا تھا مگر آپ ﷺ نے اس حالت میں نماز ادا نہیں فرمائی بلکہ اُس جگہ سے کوچ کرنے کا حکم دیا اور دور جا کر نماز ادا کی جبکہ سورج طلوع ہو چکا تھا،ان دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "فکفّارتُها أن يُصَلِّيها إذا ذكرَها'' کا مطلب یہ نہیں کہ بوجہ نسیان یا نوم کے قضا شدہ نماز اگر اوقاتِ مکروہہ میں بھی یاد آجائے تو اسی وقت پڑھ لی جائے۔

٥٥٥۔وعن أبي قتادةَ قال: قال رسولُ الله ﷺ: ليسَ في النومِ تفريطٌ إنّما التفريطُ في اليَقْظَةِ فاذانسِي أحدُكم صلوٰةً أو نامَ عنها فليُصلِّهااذاذكرَهافإنّ اللهَ تعالىٰ قال: "وأقِمِ الصلوٰةَ لذِكْري".[مسلم]

ترجمہ:حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونے میں (نماز رہ جانا) قصور نہیں، تحقیق قصور جاگنے میں (نماز رہ جانا) ہے،لہٰذا جب تم میں سے کوئی نماز (پڑھنی) بھول جائے یا اُس سے سو جائے تو جب یاد آجائے اسے پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "وأقِمِ الصلوٰةَ لِذِكري" (ترجمہ) ''اور نماز قائم کر میری یاد آنے کے وقت''۔(مسلم)

''الفصل الثانی''

تین باتوں میں دیر نہیں کرنی چاہیے:

٥٥٦۔عن عليٍّ أنّ النبيَّ ﷺ قال: يا عليّ !ثلاثٌ لا تُؤَخِّرْها :الصلوٰةُ إذا أتتْ والجنازةُ إذا حضرتْ والأيِّمُ اذاوجدتَ لها كُفوًا.[ترمذی]

ترجمہ:حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اے علی! تین باتوں میں دیر مت کر: نماز میں جب اس کا وقت ہو اور جنازہ میں جب وہ تیار ہو جائے اور بے خاوند عورت کے نکاح میں جب کہ اس کا کفو (حسب ونسب میں ہم پلہ) مل جائے۔(ترمذی)

٥٥٧۔وعن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: الوقتُ الأوّلُ من الصلوٰة رضوانُ الله والوقتُ الآخرُ عَفْوُ الله.[ترمذی]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کا اوّل وقت (میں ادا کرنا) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی (کا باعث) ہے اور آخری وقت (میں ادا کرنا) اللہ کی معافی ہے (یعنی آخری وقت میں نماز پڑھنے والے پر کوئی مؤاخذہ نہیں)۔(ترمذی)

٥٥٨۔ وعن أمّ فَروةَ قالت: سُئلَ النبيُّ ﷺ أيّ الأعمال أفضل؟ قال: الصلوٰةُ لأوّلِ وقتِها.[أحمد ،ترمذی ،أبوداؤدوقال الترمذي:"لايُروَى الحديثُ الّا مِن حديثِ عبدالله بن عمر العُمري وهوليس بالقويّ عندَ أهلِ الحديث".]

ترجمہ:حضرت ام فروہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کو اس کے اوّل وقت میں پڑھنا۔(احمد،ترمذی،ابوداؤد)

آپ ﷺ نے کوئی نماز وقت کے آخر میں دوبار نہیں پڑھی:

۵۵۹۔عن عائشۃؓ قالت: ما صلّی رسول اللہ ﷺ صلاۃً لوقتِہا الآخرِ مرّتین حتیٰ قبضہ اللہُ .[ترمذی]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز اس کے آخر وقت میں دو بار نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ نے آپ ﷺ کو وفات دے دی۔(ترمذی)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے وقت کے آخری حصہ میں نماز پڑھنا اگرچہ ثابت ہے لیکن ایسا ایک ہی مرتبہ ہوا ہے۔نماز کے آخری وقت سے مراد وقت کا وہ آخری حصہ ہے جس کے بعد نماز کا وقت ہی نہ رہے۔یہ ایک مرتبہ آخری وقت میں نماز پڑھنا بعض حضرات کے نزدیک حضرت عائشہؓ کے علم کے مطابق ہے پھر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ وہ واقعہ ہے جس میں نبی پاک ﷺ نے ایک شخص کو نماز کے اوقات سکھانے کی خاطر ایک دن اول وقت میں نماز پڑھائی اور دوسرے دن وقت کے آخری حصے میں لیکن غالب گمان یہ ہے کہ حدیث میں اس کے علاوہ کوئی موقع مراد ہے۔

مغرب جلدی پڑھنی چاہیے:

۵۶۰۔عن أبی ایوبؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لایزالُ أمتی بخیرٍ [أو قال: علی الفطرۃ] مالم یُؤخّروا المغربَ الیٰ أن تشتبِکَ النجومُ .[أبو داؤد، وروی الدارمی عن ابن عباس]

ترجمہ: حضرت ابوایوبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت ہمیشہ بھلائی پر رہے گی یا فرمایا: فطرت پر رہے گی جب تک مغرب اتنی دیر سے نہ پڑھنے لگے کہ ستارے گنجان ہو۔(ابوداؤد، داری)

عشاء کی نماز کا مستحب وقت:

۵۶۱۔وعن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لولا أن أشقّ علیٰ أمتی لأمرتُھم أن یؤخّروا العشاءَ الیٰ ثُلث اللیلِ و نصفہ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر گرانی کا اندیشہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ عشاء کی نماز کو تہائی رات تک یا آدھی رات تک مؤخر کریں۔(احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

۵۶۲۔وعن معاذ بن جبلؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: أعتِموا بھذہ الصلوٰۃِ فإنّکم قد فُضِّلتم بھا علیٰ سائر الأُممِ ولم تُصلّھا أُمّۃٌ قبلَکم.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس نماز (عشاء) کو تاخیر سے پڑھا کرو کیونکہ تمہیں دوسری امتوں پر اس نماز کے سبب فضیلت دی گئی ہے اور تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔(ابوداؤد)

۵۶۳۔وعن النعمان بن بشیرؓ قال: أنا أعلمُ بوقتِ ھذہ الصلاۃِ، صلاۃِ العشاءِ الآخرۃِ کان رسولُ اللہ ﷺ یُصلّیھا لِسُقوط القمرِ لثالثۃ.[أبو داؤد، دارمی]

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ میں اس نماز (یعنی) عشائے آخر کا وقت خوب جانتا ہوں، رسول اللہ ﷺ اس نماز کو (مہینہ کی) تیسری رات کے چاند کے چھپنے کے وقت پڑھا کرتے تھے۔(ابوداؤد، داری)

تشریح: قولہ: یصلیھا لسقوط القمر لثالثة:۔ مہینہ کی تیسری تاریخ میں چاند تقریباً رات کے پانچویں حصہ میں غروب ہوتا ہے۔

٥٦٤۔وعن رافع بن خديجؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ :أَسفِروا بالفجرِ فإنّه أعظمُ للأجرِ.[ترمذی ،أبو داؤد،دارمی ولیس عندالنسائی :"فإنّه أعظمُ للأجر".]

ترجمہ: حضرت رافعؓ بن خدیج سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ فجر کی نماز اسفار (اُجالے) میں پڑھا کرو کیونکہ یہ زیادہ ثواب ملنے کے باعث بہت بڑی بات ہے۔(ترمذی، ابوداؤد)

"الفصل الثالث"

٥٦٥۔عن رافع بن خديجؓ قال: كنّا نُصلّي العصرَمع رسولِ اللهﷺ ثمّ يُنحَرُ الجَزورُ فتُقسَمُ عشرَ قِسَمٍ ثمّ تُطبخُ فنأكلُ لحمًا نضيجًا قبلَ مغيبِ الشمسِ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت رافعؓ بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہﷺ کے ساتھ عصر پڑھ لیتے تھے پھر اونٹ ذبح کیا جاتا اور پھر وہ دس حصوں میں تقسیم کیا جاتا، پھر پکایا جاتا اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے ہم پکا ہوا گوشت کھالیا کرتے تھے۔(متفق علیہ)

٥٦٦۔وعن عبد الله بن عمرؓ قال: مكثنا ذاتَ ليلةٍ ننتظرُ رسو لَ اللهﷺ صلوٰةَ العشاءِ الآخِرةِ،فخرج إلينا حينَ ذهبَ ثُلُثُ الليلِ أوبعدَه فلاندرى أشيٌّ شغَلَه في أهلِه أوغيرُ ذلك فقال حينَ خرجَ :إنّكم لتنتظرُون صلوٰةً ماينتظرُها أهل دينٍ غيرِكم ولولاأنْ يثقلَ على أمّتي لصلّيتُ بهم هذه الساعة ثمّ أمرَ المؤذّنَ فأقامَ الصلوٰةَ وصلّى.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک رات (کافی دیر تک) عشاء کی نماز کے لیے نبی کریمﷺ کے انتظار میں بیٹھے رہے، چنانچہ جب ایک تہائی رات گزرگئی یا اس سے بھی زیادہ (وقت گزرگیا) تو آپﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ گھر کے کسی کام نے آپﷺ کو مشغول رکھا تھا یا کوئی اور بات تھی، پس جس وقت آپﷺ تشریف لائے تو فرمایا کہ تم ایسی نماز کا انتظار کررہے ہو کہ تمہارے سوا کسی دین والے اس کا انتظار نہیں کررہے اور اگر میری امت پر گراں نہ ہوتا تو میں (یہ نماز) لوگوں کو اسی (مستحب) وقت (میں) پڑھاتا، پھر مؤذن کو حکم دیا، اُس نے نماز کی اقامت کہی اور آپﷺ نے نماز پڑھی (یعنی ہمیں پڑھائی)۔(مسلم)

٥٦٧۔وعن جابر بن سمرةؓ قال: كان رسولُ اللهﷺ يُصلّي الصلوٰتِ نحوًا من صلاتِكم و كان يُؤخِّرُ العَتمَةَ بعدَ صلوٰتِكم شيئًاو كان يُخفّفُ الصلوٰةَ .[مسلم]

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرةؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ تمہاری نمازوں کی مانند نماز پڑھا کرتے تھے اور آپﷺ عشاء کی نماز کو تمہاری عشاء کی نماز سے کچھ دیر سے پڑھتے اور نماز ہلکی پڑھا کرتے۔(مسلم)

٥٦٨۔وعن أبي سعيدؓ قال: صلّينا مع رسولِ اللهﷺ صلاةَ العتمةِ ،فلَم يَخرُجْ حتّى مضى نحوٌ من شُطرِ الليلِ فقال: خُذُوا مقاعدَكم فأخذنامقاعدَنا،فقال: إنّ النّاسَ قدْ صلّوا وأخذوا مضاجعَهم وإنّكم لن تزالوافي صلوٰةٍ ماانتظرتُم الصلوٰةَ ولولاضُعفَ الضعيفِ وسُقمَ السقيمِ لأخّرتُ هذه الصلوٰةَ الى شطرِ الليلِ.[أبو داؤد،نسائی]

ترجمہ: حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، (اس دن) آپ ﷺ آدھی رات (بیت جانے) کے قریب تشریف لائے اور فرمایا: اپنی جگہوں پر بیٹھے رہو، چنانچہ ہم اپنی جگہوں پر بیٹھے رہیں، پھر فرمایا کہ (دوسرے) لوگوں نے نماز پڑھ لی اور اپنے بستر سنبھال لیے (یعنی سو گئے) اور بے شک تم اُس وقت تک سے نماز ہی میں شمار ہوتے ہو جس وقت سے نماز کے انتظار میں بیٹھے ہو اور اگر ضعیف کے ضعف اور بیمار کی بیماری (کا خیال) نہ ہوتا تو میں اس نماز کو آدھی رات تک مؤخر کرتا۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

٥٦٩۔ وعن أمّ سلمةؓ قالت: كان رسولُ الله ﷺ أشدّ تعجيلاً للظُّهرِ منكم وأنتمُ أشدُّ تعجيلاً للعصرِ منه. [أحمد، ترمذی]

ترجمہ: حضرت امّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز تم سے بہت زیادہ جلدی پڑھا کرتے اور تم لوگ عصر کی نماز آپ ﷺ سے زیادہ جلدی پڑھتے ہو۔ (احمد، ترمذی)

٥٧٠۔ وعن أنسؓ قال: كان رسولُ الله ﷺ إذا كان الحرُّ أبردَ بالصلاةِ وإذا كان البَرْدُ عجّلَ. [نسائی]

ترجمہ: انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب گرمی ہوتی تو نماز (ظہر) کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تو جلدی پڑھتے۔

٥٧١۔ وعن عبادة بن الصامتؓ قال: قال لي رسولُ الله ﷺ: إنّها ستكونُ عليكم بعدِي أمراءُ يُشغِلُهم أشياءُ عن الصلوٰة لوقتِها حتّىٰ يذهبَ وقتُها فصلّوا الصلوٰةَ لوقتِها فقال رجل: يارسولَ الله! أُصلّي معهم؟ قال: نعم. [أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد تم پر ایسے حاکم ہوں گے جنہیں بہت سی چیزیں نماز کو اس کے (مستحب) وقت میں پڑھنے سے مشغول رکھیں گی، یہاں تک کہ نماز کا (مباح) وقت نکل جائے گا پس تم نماز کو اپنے (مستحب) وقت پر پڑھنا۔ (یہ سن کر) ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں (دوبارہ) اُن (حکام) کے ساتھ بھی نماز پڑھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں!۔ (ابوداؤد)

٥٧٢۔ وعن قَبيصَةَ بن وقّاصؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: يكونُ عليكم أمراءُ مِن بعدِي يُؤخّرونَ الصلاةَ فهي لكم وهيَ عليهم، فصلّوا معهم ما صلّوا القِبلةَ. [أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تم پر ایسے حاکم ہوں گے جو نماز کو (وقتِ مستحب سے) مؤخر کریں گے یہ تمہارے لیے فائدہ ہوگا اور اُن پر وبال ہوگا، تم اُن کے ساتھ اُس وقت تک نماز پڑھتے رہو جب تک وہ قبلہ کی طرف نماز پڑھیں۔ (ابوداؤد)

٥٧٣۔ وعن عُبيدِ الله بن عديّ بن الخيارِ أنّه دخلَ علىٰ عثمانؓ وهو محصورٌ فقال: إنّكَ إمامُ عامّةٍ ونزلَ بكَ ماترىٰ ويُصلّي لنا إمامُ فتنةٍ ونتحرّجُ فقال: الصلوٰةُ أحسنُ مايعملُ النّاسُ فإذا أحسنَ النّاسُ فأحسِنْ معَهم وإذا أساؤُوا فاجتنِبْ إساءَتَهم.

ترجمہ: عبیداللہ بن عدی بن خیار راوی ہیں کہ وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ وہ (بلوائیوں کی جانب سے گھر پر) محصور تھے اور اُن (حضرت عثمانؓ) سے کہا کہ آپؓ سب لوگوں کے امام ہو اور آپؓ پر وہ مصیبت آئی ہے جو دیکھ رہے ہو اور ہمیں فتنہ (بغاوت) کا امام نماز پڑھا رہا ہے (جن کے پیچھے نماز پڑھنے کو ہم گناہ سمجھتے ہیں)۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: نماز لوگوں کے اعمال میں سے سب سے اچھا عمل ہے

لہذا جب لوگ (باغی) اچھا (نیک) کام (نماز) کرے تو آپ بھی اُن کے ساتھ نیکی کا کام کر اور جب وہ برا کام کرے تو اُن کی برائی سے دور رہو۔ (بخاری)

(بابُ فضائلِ الصَّلٰوۃِ)

"الفصل الاوّل"

فجر اور عصر کی فضیلت:

۵۷۴۔وعن عُمارةَ بن رُوَيْبَةَ قال: سمعتُ رسول اللهﷺ يقول: لن يَلِجَ النّارَ أحدٌ صلّى قبل طلوعِ الشمسِ وقبلَ غُروبها. يعني الفجرَ والعصرَ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت عمارہ بن رُویبہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص ہرگز دوزخ میں داخل نہ ہوگا جس نے طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے پہلے نماز پڑھی یعنی فجر اور عصر کی نماز۔ (مسلم)

تشریح: قوله: لن يلج النّارَ أحدٌ صلّى قبل طلوع الشمس وقبل غروبها..... آتشِ دوزخ سے نجات کے لیے اگرچہ تمام نمازوں کی محافظت ضروری ہے لیکن یہاں پر صلاۃِ فجر وعصر کو خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا کہ فجر کا وقت تو آرام اور میٹھی نیند کا ہوتا ہے اس وقت نیند سے اٹھنا نفس پر بڑا شاق اور گراں ہوتا ہے اور عصر کا وقت تجارت وغیرہ میں مشغولیت کا ہوتا ہے۔ اس لیے جو شخص باوجود مشقت اور مشاغل کے اِن دو نمازوں کی محافظت کرے گا وہ بطریقِ اولیٰ دوسری نمازوں کی بھی محافظت کرے گا اور یوں اس بشارت کا مستحق اور سزاوار بن جائے گا۔

۵۷۵۔ وعن أبي موسٰى قال: قال رسولُ اللهﷺ: مَن صلّى البَردَينِ دخلَ الجنةَ. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوموسٰیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جس نے دو ٹھنڈی نمازیں (فجر، عشاء) پڑھی وہ جنت میں داخل ہوگا۔

فجر اور عصر میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی ہیں:

۵۷۶۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: يَتعاقَبُون فيكم ملائكةٌ بالليل وملائكةٌ بالنهارِ ويجتمِعُون في صلوٰةِ الفجرِ وصلوٰةِ العصرِ ثمّ يعرُجُ الذين باتُوا فيكم فيسألُهم ربُّهم وهو أعلمُ بهم: كيفَ تركتُم عبادي؟فيقولون: تركناهم وهم يُصلُّون وأتيناهم وهُم يُصلُّون. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تم میں رات دن فرشتے باری باری آتے ہیں اور وہ فرشتے فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں، پھر وہ فرشتے جنہوں نے تمہارے پاس رات گذاری وہ (آسمان پر) چڑھ جاتے ہیں، تو اُن کا رب اُن سے (بندوں کے متعلق) پوچھتا ہے حالانکہ اللہ اُن کو خوب جانتا ہے کہ میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ہم نے اُن کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم اُن کے پاس اس حال میں آئے تھے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (متفق علیہ)

فجر کی نماز پڑھنے والا اللہ کے ذمہ میں ہے:

۵۷۷۔وعن جُندب القَسْرِیؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ: مَن صلّی صلوٰۃ الصُّبح فھو فی ذمّۃ اللہِ فلا یطلُبنّکم اللہُ مِن ذمّتہ بشیءٍ فإنّہ مَن یطلُبُہ مِن ذمّتہ بشیءٍ یُدرِکہ ثمّ یکبُّہ علی وجھِہ فی نارِ جھنّم. [مسلم] وفی بعض نسخ المصابیح "القُشیری" بدلَ "القسری".

ترجمہ: حضرت جندب قسریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صبح کی نماز پڑھ لیتا ہے وہ اللہ کے ذمہ میں (داخل ہو جاتا) ہے پس چاہیے کہ اللہ پاک تم سے اپنے ذمہ کے بارے میں کوئی مطالبہ نہ کرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس سے اپنے ذمہ میں سے کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے اس کی گرفت فرماتا ہے اور پھر منہ کے بل دوزخ میں اسے ڈال دیتا ہے۔ (مسلم)

اذان اور صفِ اوّل کا ثواب:

۵۷۸۔ وعن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ: لو یعلمُ النّاسُ ما فی النّداءِ والصّفِّ الأوّلِ ثمّ لم یجدوا إلّا أن یستھِمُوا علیہ لاستھَمُوا ولو یعلمُونَ ما فی التھجیرِ لاستبقُوا إلیہ ولو یعلمُونَ ما فی العَتَمۃِ والصبحِ لأتَوھما ولو حَبوًا. [متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ اذان دینے میں اور پہلی صف میں (نماز پڑھنے میں) کیا کیا اجر و ثواب ہے پھر لوگ یہ (اذان و صف اول) بغیر قرعہ کے نہ پائیں تو ضرور اس پر قرعہ ڈالیں گے اور اگر جان لیں کہ ظہر کی نماز کے لیے جلدی آنے میں کیا ثواب ہے تو اس کی طرف سبقت کریں گے اور اگر معلوم ہو جائے کہ عشاء اور صبح کی نماز میں کیا کیا ثواب ہے تو ان نمازوں (کو پڑھنے) کے لیے ضرور آئیں گے اگرچہ سرین کے بل گھسٹ کر آنا پڑے۔ (متفق علیہ)

دو نمازیں جو منافقوں پر زیادہ بھاری ہیں:

۵۷۹۔وعنہ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ: لیسَ صلاۃٌ أثقلَ علی المنافقین مِن الفجرِ والعشاءِ ولو یعلمُون ما فیھما لأتَوھما ولو حَبْوًا. [متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافقوں پر کوئی نماز فجر اور عشاء سے زیادہ بھاری نہیں اور اگر وہ جان لیں کہ ان نمازوں میں کیا ثواب ہے تو ان نمازوں کو پڑھنے کے لیے ضرور آئیں گے اگرچہ سرین کے بل (گھسٹ کر) کیوں نہ آنا پڑے۔ (متفق علیہ)

عشاء اور فجر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا ثواب:

۵۸۰۔وعن عثمانَ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ: مَن صلّی العشاءَ فی جماعۃٍ فکأنّما قامَ نصفَ اللیل ومَن صلّی الصبحَ فی جماعۃٍ فکأنّما صلّی اللیلَ کلَّہ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی گویا اس نے آدھی رات قیام کیا (یعنی عبادت کی) اور جس نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی اس نے گویا ساری رات قیام کیا۔ (مسلم)

۵۸۱۔ وعن ابن عمرؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: لا يغلِبَنَّكم الأعرابُ على اسم صلاتِكم المَغرب.قال:وتقولُ الأعرابُ هي العشاءُ ،وقال: لايغلِبنّكم الأعرابُ على اسمِ صلوٰتِكم العشاءِ فإنّهافي كتابِ الله العشاءُ فإنّهاتُعتَمُ بحلاب الإبل.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تمہارے مغرب کی نماز کے نام پر دیہاتی لوگ تم پر غالب نہ آجائیں۔ راوی کہتا ہے کہ دیہاتی لوگ (صلوٰۃِ مغرب) کو عشاء کہتے تھے۔اور فرمایا کہ تمہاری نماز عشاء کا نام رکھنے میں بھی تم پر دیہاتی غالب نہ آجائیں کیونکہ یہ اللہ کی کتاب میں عشاء ہے،اور (دیہاتیوں کے) اونٹوں کے دوہنے کے سبب اس میں تاخیر ہوتی ہے۔(مسلم)

تشریح: قوله: فإنها تُعتم بحلاب الإبل:۔ اس جملہ میں واحد مؤنث غائب کی ضمیر کا مرجع "صلوٰۃ" ہے، "تُعتَمُ" اِعتام باب افعال سے مشتق ہے، دیر ہونے اور دیر کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔"حلاب" کے بعد مضاف الیہ "الأعراب" محذوف ہوگا۔

صلاۃِ وُسطیٰ کون سی نماز ہے؟:

۵۸۲۔ عن عليٍّ أنّ رسولَ اللهﷺقال يوم الخندق: حَبَسُونا عن صلوٰة الوسطىٰ ملأ اللهُ بيوتَهم وقبورَهم نارا.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے خندق (کی لڑائی) کے دن فرمایا: ان کافروں نے ہمیں درمیانی نماز یعنی نماز عصر سے روکے رکھا اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔(متفق علیہ)

تشریح: قوله: حبسونا عن صلاةِالوسطى صلاةِ العصر...:۔اس حدیث میں عصر کو صلاۃِ وسطیٰ ارشاد فرمایا گیا ہے۔صلاۃ وسطیٰ کی تعیین میں اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ،امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور صحابہؓ وتابعینؒ کے نزدیک صلاۃ وسطیٰ سے صلاۃِ عصر مراد ہے۔ مذکورہ حدیث کے علاوہ یہاں مشکوٰۃ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت سمرہ بن جندبؓ کی احادیث بھی اس پر شاہد ہیں۔

جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں صلاۃِ وسطیٰ سے فجر مراد ہے۔ یہاں مشکوٰۃ میں حضرت علیؓ،حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایات سے ان حضرات کی تائید ہوتی ہے۔لیکن روایات سے صلاۃِ عصر کی تائید جس انداز میں ہو رہی ہے اس طرح کسی دوسرے قول کی تائید نہیں ہوتی ،علامہ نوویؒ جو خود شافعی المسلک ہیں مگر اس کے باوجود انہوں نے اس بارے میں احناف کے قول کو ترجیح دی ہے۔(نفحات)

"الفصل الثانی"

۵۸۳۔عن ابن مسعودؓ وسُمرة بن جندبؓ قالا: قال رسولُ اللهﷺ: صلوٰةُ الوسطى صلوٰةُ العصرِ.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ اور سمرہ بن جندبؓ (دونوں) سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا صلوٰۃِ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔(ترمذی)

۵۸٤۔وعن أبي هريرةؓ عن النبيﷺ في قوله تعالى: "إنّ قرآنَ الفجرِ كان مشهودًا" قال: تشهدهُ ملائكةُ الليلِ والنهار.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاکﷺ نے ارشادِ باری تعالیٰ: "إنّ قرآن الفجرِ كان مشهودًا" [ترجمہ] "فجر (کی نماز) کے قرآن میں حاضری دی جاتی ہے" کی تفسیر میں فرمایا کہ فجر میں رات اور دن کے فرشتے حاضر (جمع) ہوتے ہیں۔(ترمذی)

''الفصل الثالث''

٥٨٥۔عن زید بن ثابتؓ وعائشةؓ قالا : الصلوٰةُ الوُسطی الظهرُ.[مالك ،ترمذی]

ترجمہ:حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عائشہؓ فرماتے ہیں کہ صلاۃِ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔(مالک،ترمذی)

٥٨٦۔وعن زیدِ بن ثابتؓ قال:کانَ رسول اللهﷺ یُصلّی الظهرَ بالهاجرةِ ولم یكُنْ یُصلِّی صلاةً أشدَّ علیٰ أصحابِ رسولِ اللهﷺ منهافنزلت:"حافِظُوا علی الصلوٰتِ والصلوٰةِ الوُسطٰی "وقال: إنّ قبلَها صلوٰتین وبعدَها صلوٰتین.[أحمد،أبوداؤد]

ترجمہ:زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ ظہر کی نماز (دوپہر ڈھلتے ہی) جلدی پڑھ لیا کرتے تھے اور رسول اللہﷺ کے صحابہ پر اس سے زیادہ کوئی نماز سخت نہ تھی۔پس یہ آیت نازل ہوئی:"حافظوا علی الصلوٰتِ والصلوٰةِ الوُسطٰی "ترجمہ:''تم (سب) نمازوں کی پابندی کرو اور خصوصاً صلوٰۃِ وسطیٰ کی''۔حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ اس (ظہر) سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد بھی۔(احمد،ابوداؤد)

٥٨٧۔وعن مالكٌ بلغه أنّ علیًّ بن أبی طالبٍ وعبدَ الله ابن عباسٍ کانا یقولانِ: الصلوٰةُ الوُسطی صلوٰة الصبح.[رواه فی المؤطّاوروا ه الترمذی عن ابن عباس و ابن عمر تعلیقاً]

ترجمہ:امام مالکؒ سے مروی ہے کہ انہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے۔(مؤطا)

٥٨٨۔وعن سلمانٌ قال: سمعتُ رسولَ اللهﷺ یقولُ: مَنْ غَدا إلیٰ صلاة الصُّبحِ غدا برأیةِ الایمان ومن غدا الی السوقِ غدا برأیةِ إبلیس.[ابن ماجة]

ترجمہ:حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے سنا کہ جو شخص (صبح کے وقت) صبح کی نماز کے لیے چلا، وہ ایمان کا جھنڈا لیے چلا اور جو صبح صبح بازار کی طرف چلا وہ شیطان کا جھنڈا لے کر چلا۔(ابن ماجہ)

(بابُ الأذان)

اذان کا لغوی، اصطلاحی معنیٰ اور اس کا حکم:

"اذان" کا لغوی معنیٰ اعلان واخبار ہے اور شرع میں اس کی تعریف ہے: "هو إعلامٌ مخصوصٌ بألفاظٍ مخصوصةٍ في أوقاتٍ مخصوصة" یعنی "اذان وہ اعلان ہے جو اوقاتِ مخصوصہ میں الفاظِ مخصوصہ کے ساتھ کیا جاتا ہے"۔ اذان سنتِ مؤکدہ ہے اور اسلام کا شعار ہے، چنانچہ اگر کسی علاقے والے اذان کو ترک کردے تو اسلامی حکومت اس پر فوج کشی کا حق محفوظ رکھتی ہے۔

"الفصل الاوّل"

اذان کی مشروعیت کا قصہ:

۵۸۹۔عن أنسٍ قال: ذكروا النار والناقوس فذكروا اليهودَ والنصارىٰ فأُمِر بلال أن يشفعَ الأذانَ وأن يُوتِرَ الإقامةَ. قال اسمٰعيل: فذكرتُه لأيوب فقال: "إلّا الإقامة". [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے (نماز کے لیے جمع کرنے کے واسطے) آگ اور ناقوس کا ذکر کیا اور (بعض) صحابہؓ نے یہود اور نصاریٰ کا ذکر کیا (کہ اُن کی مشابہت ہوگی) پھر (اذان کی مشروعیت کے بعد) حضرت بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ اذان (کے کلمات) جفت جفت کہے اور اقامت (کے کلمات) طاق طاق۔ اسماعیلؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایوب کے سامنے اس (حدیث) کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "إلّا الإقامة" [یعنی: سوائے "قد قامت الصلاة" کے، کہ اس کو دو مرتبہ کہا کرتے]۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: ذكروا النّار والنّاقوس فذكروا اليهود والنصارىٰ.... :۔اس حدیث میں اذان کی مشروعیت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ۱ھ میں جب مسجدِ نبوی کی تعمیر سے فراغت ہوئی، تو اس بارے میں مشورہ کیا گیا کہ نماز باجماعت کے لیے لوگوں کو کیسے جمع کیا جائے۔ اس پر کسی نے آگ جلانے اور روشن کرنے کا مشورہ دیا، یہ یہود کا طریقہ تھا اور کسی نے ناقوس بجانے کا مشورہ دیا جو کہ نصاریٰ کا طریقہ ہے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں مشوروں کو ردّ فرمایا، کیونکہ اس میں یہود ونصاریٰ کے ساتھ مشابہت تھی اور عارضی طور پر "الصلاةُ جامعةٌ" کے الفاظ مقرر فرمائے۔ یہ حضرت عمرؓ کی تجویز تھی۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ نے ایک خواب دیکھا، جس میں ایک فرشتہ (غالباً جبرئیل امینؑ) حضرت زید کو اذان واقامت کے کلمات سکھاتا ہے۔ یہ خواب اِن کے علاوہ گیارہ دیگر صحابہؓ نے بھی دیکھا، صبح ہونے پر جب حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے آنحضرت ﷺ کو اس خواب کی اطلاع دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "إنّها لرؤيا حقٌّ إن شاء اللهُ تعالىٰ" یعنی "یہ خواب سچا ہے انشاء اللہ"۔ اور پھر عبداللہ بن زیدؓ سے فرمایا کہ وہ یہ کلمات حضرت بلالؓ کو سکھادیں (جو کہ بلند آواز کے مالک تھے) تاکہ وہ اذان دیں۔

یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اذان کی مشروعیت فقط خواب سے ہوئی۔ کیونکہ اذان کے یہ کلمات آپ ﷺ نے شبِ معراج میں بھی سنے

تھے پس مذکورہ خواب کو تقریرِ نبی بھی حاصل ہوئی، کیونکہ وحی یا نبی ﷺ کے اجتہاد سے اس خواب کی تائید ہوئی ہے۔

قوله: فأمر بلالًا أن يَشفع الأذانَ وأن يُوتر الإقامةَ...: یہاں تین اختلافی مسائل ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) تکبیراتِ اذان کی تعداد کا مسئلہ (۲) ترجیع فی الاذان کا مسئلہ (۳) اقامت کے اِفراد کا مسئلہ۔

تکبیراتِ اذان کی تعداد کا مسئلہ:

امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اذان کی ابتدا میں تکبیر چار مرتبہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت ابومحذورہؓ کی روایات (جو یہاں مشکوٰۃ میں موجود ہیں) سے یہ حضرات استدلال فرماتے ہیں۔

جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک اذان کی ابتدا میں تکبیر دو مرتبہ کہی جائے گی۔ آپؒ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جو فصلِ ثانی کی پہلی روایت ہے: "قال: کان الأذانُ علیٰ عهدِ رسولِ الله ﷺ مرّتین مرّتین." "یعنی عہدِ رسالت میں اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہے جاتے تھے"۔ (ابوداؤد، نسائی)

جمہور فقہاء کی جانب سے اس کے جواب میں وہ تمام روایات پیش کی جاتی ہیں جن میں کلماتِ اذان مفصل مذکور ہیں، ان روایات میں ابتدائے اذان میں تکبیر کے کلمات چار مرتبہ ہی منقول ہیں۔

ترجیع فی الأذان کا مسئلہ:

"ترجیع" کا مطلب یہ ہے کہ شہادتین یعنی (أشهدأن لا إله إلا الله ، أشهدُ أنّ محمدًا رسولُ الله) کو پہلے دو دو مرتبہ آہستہ کہا جائے اور پھر دو دو مرتبہ بلند آواز سے کہا جائے۔ اس کے سنت ہونے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرات حنفیہؒ اور حضرات حنابلہؒ کے ہاں اذان میں ترجیع سنت نہیں، البتہ مباح ہے۔ ان حضرات کے ہاں کلماتِ اذان کل پندرہ ہیں۔ یہ حضرات استدلال میں عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت بلالؓ کے اذان کی روایات کو پیش کرتے ہیں، ان میں کلماتِ اذان پندرہ ہیں اور کسی بھی روایت میں ترجیع کا تذکرہ نہیں، ایسے ہی مسجدِ نبوی کے دوسرے مؤذن عبداللہ بن ام مکتومؓ اور مسجدِ قباء کے مؤذن سعد بن قرظؓ کی اذانیں بھی ترجیع سے خالی ہوا کرتی تھی۔

جبکہ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک اذان میں ترجیع مسنون ہے۔ ان حضرات کا استدلال حضرت ابومحذورہؓ کی روایت سے ہے جو زیرِ بحث حدیثِ انسؓ کے بعد اسی فصل میں مذکور ہے، کتبِ حدیث میں یہ روایت مختلف عنوانات کے ساتھ مذکور ہے، کہیں تو تفصیل کے ساتھ تمام کلماتِ اذان مع ترجیع کے مذکور ہیں جیسا کہ یہاں اور کہیں مجملاً جیسے: "إنّ النبی ﷺ علّمه الأذانَ تسع عشرةَ کلمةً" چنانچہ امام شافعیؒ کے ہاں کلماتِ اذان ترجیع کی وجہ سے [انیس] بنتے ہیں اور امام مالکؒ چونکہ اذان میں چار مرتبہ تکبیر کہنے کے قائل نہیں ہیں، بلکہ صرف دو مرتبہ تکبیر کہنے کو سنت قرار دیتے ہیں، لہٰذا ان کے ہاں کلماتِ اذان مع ترجیع کے سترہ بنتے ہیں۔

احناف اور حنابلہ کی جانب سے حدیثِ ابومحذورہؓ کے کئی جواب دیے جاتے ہیں مثلاً: یہ کہ آپ ﷺ نے رفعِ صوت کی تعلیم کی خاطر ترجیع کی تلقین فرمائی، لیکن حضرت ابومحذورہؓ نے جوشِ محبت کی بنا پر ہمیشہ کے لیے اس ترجیع کو اپنی اذان کا حصہ بنالیا، جیسا کہ ساری زندگی آپؓ نے پیشانی کے اُن بالوں کو نہیں کاٹا جن پر آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ لگے تھے۔

یہ جواب بھی دیا جاتا ہے کہ وقتی مصلحت کی بنا پر آپ ﷺ نے ابومحذورہؓ کو ترجیع کا حکم دیا، وہ مصلحت یا تو یہ تھی کہ ابومحذورہؓ نئے مسلمان تھے اُن کے دل میں ایمان کو راسخ کرنا تھا یا یہ مصلحت تھی کہ چونکہ ابومحذورہؓ کو آپ ﷺ نے مکہ کا مؤذن مقرر فرمایا تھا اور اہلِ مکہ تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے تو ان کے دلوں میں ایمان کو پختہ کرنا مقصود تھا۔

اقامت کے کلمات کی تعداد کا مسئلہ:

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک کلماتِ اقامت کل گیارہ ہیں پہلے ''تکبیر'' دو مرتبہ اور پھر ''شہادتین'' اور '' حیَّ علی الصلاۃ، حیَّ علَی الفلاح'' ایک ایک مرتبہ پھر '' قدقامتِ الصلاۃُ '' دو مرتبہ پھر ''تکبیر'' دو مرتبہ، پھر '' لا إلٰہ إلّا الله '' ایک مرتبہ، ان حضرات کا استدلال زیرِ بحث حدیث کی اس عبارت سے ہے: '' فأُمِر بلال أن یَشفَعَ الأذانَ و أن یُوتِرَ الإقامۃَ'' ایک روایت میں '' إلّا الإقامۃَ'' کے الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں، اس حدیث میں ایتار و افرادِ اقامت کا ذکر ہے۔ امام مالکؒ کے ہاں ''قدقامت الصلاۃ'' بھی ایک مرتبہ کہنا چاہیے، اس طرح امام مالکؒ کے ہاں کلماتِ اقامت دس بنتے ہیں۔ آپؒ زیرِ بحث روایت ہی سے استدلال کرتے ہیں اور ''إلا الإقامۃ'' والی روایت کے بارے میں آپؒ فرماتے ہیں کہ '' إلا الإقامۃ' حدیث کا حصہ نہیں بلکہ راوی کا ادراج ہے۔ ان أیمہ ثلاثہؒ کی ایک دلیل ابن عمرؓ کی یہ حدیث بھی ہے: ''کان الأذان علیٰ عھدِ رسولِ الله ﷺ مرّتین مرتین و الإقامۃُ مرّۃً مرّۃً '' یعنی عہدِ رسالت میں کلماتِ اذان دو دو مرتبہ کہے جاتے تھے اور کلماتِ اقامت ایک ایک مرتبہ''۔ اس حدیث میں حضرت بلالؓ کا عمل مذکور ہے جو کہ عہدِ نبوی کے مؤذن تھے۔

جبکہ حنفیہؒ کے ہاں اقامت کے کلمات سترہ ہیں۔ ان حضرات کی پہلی دلیل حضرت ابومحذورہؓ کی حدیث ہے: ''إنّ النبی ﷺ علّمہ الأذانَ تسعَ عشرۃَ کلمۃً والإقامۃَ سبعَ عشرۃَ کلمۃً'' (اذان کے انیس کلمات ہونے کا جواب ماقبل میں گزر چکا ہے) اس کے علاوہ حضرت اسود بن یزیدؒ اور حضرت سوید بن غفلہؒ کی احادیث (جسے امام طحاوی نے نقل فرمایا ہے) میں حضرت بلالؓ کے اذان و اقامت کا تذکرہ یوں ہے کہ آپؓ اذان و اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے مثلاً حدیثِ سُویدؒ: ''سمعتُ بلالاً یؤذّن مَثنٰی ویُقیمُ مَثنٰی ''۔

حضرات احناف ائمہ ثلاثہؒ کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابتداء میں اقامت میں ایتار کا حکم تھا لیکن بعد میں ایتار منسوخ ہوگیا، جیسا کہ درج بالا دلائل سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ ائمہ ثلاثہؒ کا استدلال بھی حضرت بلالؓ کی اذان سے ہے اور حنفیہ کا بھی، جبکہ حنفیہ کی روایات مؤخر ہیں، کیونکہ اسود بن یزیدؒ اور سوید بن غفلہؒ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں دی جانے والی اذانِ بلالؓ کو روایت کررہے ہیں، نیز ابومحذورہؓ کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ابومحذورہؓ کے اذان کا واقعہ فتحِ مکہ کے بعد کا ہے، اور فتحِ مکہ کا واقعہ اخیر عہدِ نبوی کا ہے، لہٰذا یہ روایت بھی اقامت کے افراد و ایتار کے نسخ پر دال ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

۵۹۰۔وعن أبی محذورۃؓ قال: ألقیٰ علیَّ رسولُ الله ﷺ التأذینَ هو بنفسه فقال: قل:"الله أکبر الله أکبر،الله أکبر الله أکبر أشھدُ أن لاإلٰه إلّا الله أشھدُ أن لاإلٰه إلّا الله ،أشھد أنّ محمدًا رسول الله أشھدُ أنّ محمدًا رسولِ الله"ثم تعودُ فتقول: " أشھدُ أن لا إلٰه إلا الله أشھد أن لا إلٰه إلا الله ، أشھدُ أنّ محمدًا رسولُ الله أشھدُأنّ محمدًا رسولُ الله ،حیَّ علی الصلوٰۃ حیَّ علی الصلوٰۃ ،حیَّ علی الفلاح حیَّ علی الفلاح،الله أکبر الله أکبر ،لاإلٰه إلا الله" .[مسلم]

ترجمہ: ابومحذورہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خود (بنفس نفیس) مجھے اذان سکھلائی، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہو: "اللہ أکبر اللہ أکبر، اللہ أکبر اللہ أکبر ،أشھدُ أن لاإلٰہ إلّا اللہ أشھدُ أن لاإلٰہ إلّا اللہ ،أشھد أنّ محمدًا رسول اللہ أشھدُ أنّ محمدًا رسول اللہ (فرمایا) پھر دوبارہ (کلماتِ تشہد) کہو کہ أشھدُ أن لا إلٰہ إلا اللہ أشھد أن لاإلٰہ إلا اللہ،أشھدُ أنّ محمدًا رسولُ اللہ أشھدُأنّ محمدًا رسولُ اللہ ،حیَّ علی الصلوٰۃ حیَّ علی الصلوٰۃ ،حیَّ علی الفلاح حیَّ علی الفلاح،اللہ أکبر اللہ أکبر،لاإلٰہ إلا اللہ".

"الفصل الثانی"

۵۹۱۔عن ابن عمرؓ قال :کان الأذانُ علیٰ عھدِ رسول اللہ ﷺ مرّتین مرّتین والإقامۃُ مرّۃً مرّۃً غیرَ أنّہ کان یقول:"قد قامتِ الصلاۃُ ،قد قامتِ الصلاۃُ".[أبو داؤد،نسائی ،دارمی]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد (مبارک) میں اذان (کے کلمات) دو دو مرتبہ ہوا کرتے اور اقامت (کے کلمات) ایک ایک مرتبہ، سوائے اس کے کہ مؤذن "قد قامتِ الصلاۃُ قد قامتِ الصلاۃُ" (دو مرتبہ) کہتا۔(ابوداؤد،نسائی،دارمی)

۵۹۲۔وعن أبی محذورۃَ أنّ النبیَّ ﷺ علّمہ الأذانَ تسعَ عشرَ کلمۃً والإقامۃَ سبعَ عشرَ کلمۃً.[أحمد ،ترمذی ، أبوداؤد، نسائی ، دارمی ،ابن ماجۃ]

ترجمہ: حضرت ابومحذورہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے اُن کو اذان کے اُنیس کلمات سکھائے اور اقامت کے سترہ کلمات۔

۵۹۳۔وعنہ قال: قلتُ: یا رسولَ اللہ! علّمنی سنّۃَ الأذانِ قال: فمسح مُقدّمَ رأسِہٖ قال: تقولُ :"اللہ أکبر اللہ أکبر"ترفعُ بھا صوتَك ،ثمّ تقول:"أشھد أن لاإلٰہ إلا اللہ، أشھدُ أن لاإلٰہ إلااللہ ،أشھدُ أنّ محمدًا رسول اللہ، أشھدُ أنّ محمدًا رسول اللہ"تخفضُ بھما صوتَك ثمّ ترفعُ صوتَك بالشھادۃِ:" أشھدُ أن لاإلٰہ إلا اللہ، أشھدُ أن لا إلٰہ إلا اللہ ، أشھدُ أنّ محمدًا رسول اللہ أشھدُ أنّ محمدًا رسول اللہ ،حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الصلوٰۃ ،حیَّ علی الفلاح حیَّ علی الفلاح "فإن کان صلوٰۃَ الصبحِ قلتَ: 'الصلوٰۃُ خیرٌ منْ النوم،الصلوٰۃُ خیرٌ من النوم ' اللہ أکبر اللہ أکبر،لا إلٰہَ إلّا اللہُ ".[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابومحذورہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اذان کا طریقہ سکھا دیجئے، ابومحذورہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اُس (ابومحذورہ) کے سر کے اگلے حصہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ تو کہہ : اللہ أکبر اللہ أکبر ،اس کے ساتھ آواز کو بلند کر، پھر کہہ: أشھد أن لاإلٰہ إلا اللہ، أشھدُ أن لاإلٰہ إلااللہ ،أشھدُ أنّ محمدًا رسول اللہ، أشھدُ أنّ محمدًا رسول اللہ ،اس کے ساتھ آواز (پہلے) پست کر، پھر باآوازِ بلند شہادت (کے کلمات) کہہ کہ أشھدُ أن لاإلٰہ إلا اللہ، أشھدُ أن لا إلٰہ إلا اللہ ، أشھدُ أنّ محمدًا رسول اللہ أشھدُ أنّ محمدًا رسول اللہ ،حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الصلوٰۃ ،حیَّ علی الفلاح حیَّ علی الفلاح ، پھر اگر صبح کی نماز (کے لیے اذان کہنا) ہو تو (اس کے بعد) کہو: "الصلوٰۃُ خیرٌ من النوم،الصلوٰۃُ خیرٌ من النوم " اللہ أکبر اللہ أکبر،لا إلٰہَ إلّا اللہُ۔(ابوداؤد)

تثویب کا مسئلہ:

۵۹۴۔وعن بلالٍؓ قال: قال لی رسولُ اللہ ﷺ:لا تُثوِّبَن فی شیءٍ من الصلوٰتِ إلّا فی صلاۃِ الفجر.[ترمذی ،ابن ماجۃ وقال

الترمذی:"أبو اسرائیل الراوی لیس هو بذاك القوی عندَ أهلِ الحدیث".]

ترجمہ: حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فجر کے علاوہ کسی بھی نماز میں تثویب نہ کرو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: قوله: لاتُثَوِّبَنَّ فی شیءٍ من الصلوٰت إلّافی صلاةِالفجر: ۔اس حدیث میں فجر کے علاوہ دوسری نمازوں کے لیے تثویب سے منع کیا جارہا ہے۔"تثویب" لغت میں اطلاع کے بعد اطلاع دینے کو کہتے ہیں۔ جبکہ فقہاء کی اصطلاح میں اذان کے بعد مؤذن کا کسی اور طریقہ سے نماز کے لیے لوگوں کو جمع کرنا تثویب کہلاتا ہے۔

اس حدیث میں صلاۃِ فجر کو تثویب کی نہی سے اس لیے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ اس میں" الصلوٰۃ خیرٌ من النوم " کا اضافہ کیا جاتا ہے ،اس کو تثویبِ قدیم کہا جاتا ہے۔اس کے علاوہ کسی بھی نماز کے لیے تثویب کو علماء نے مکروہ کہا ہے۔البتہ امام ابو یوسفؒ نے حاکم، قاضی اور مفتی وغیرہ ایسے حضرات (جو عامۃ المسلمین کے امور میں مشغول رہتے ہیں) کے لیے اس کی گنجائش رکھی ہے، جبکہ متأخرین حنفیہ نے تمام نمازوں کے اوقات میں تمام لوگوں کے حق میں تثویب کی اجازت دی ہے، کیونکہ لوگ نماز با جماعت وغیرہ دینی امور میں غفلت کا شکار ہونے لگے ہیں، ایسے میں نماز کی یاددہانی بلاشبہ جائز بلکہ مستحسن ہونی چاہیے۔البتہ ضروری ہے کہ یہ اطلاع ویاددہانی ایسے انداز میں ہو جس میں تصنع اور تکلف نہ ہو، کیونکہ جس تثویب میں تصنع اور بناوٹ ہو فقہائے کرام نے اس کو بدعت اور مکروہ کہا ہے مثلاً: کسی زمانہ میں مؤذن ایک لمبی چوڑی عبارت میں حاکم وغیرہ کو نماز کی اطلاع دیتا کہ " السلامُ علیکم ورحمةُ الله وبرکاتُه! أیها الأمیرُ! قد حانتِ الصلاةُ "۔

اذان واقامت میں وقفہ ہونا چاہیے:

۵۹۵۔وعن جابرؓ قال: قال رسول الله ﷺ لبلال: إذا أذّنتَ فترَسَّلْ وإذا أقمتَ فاحدُرْ واجعلْ بینَ أذانكَ وإقامتكَ قدرَ مایفرُغُ الآکلُ مِن أکلهِ والشاربُ مِن شُربِه والمُعتصِرُ اذادخلَ لقضاءِ حاجتَه ولاتقوموا حتیّٰ ترَونِی .[رواه الترمذی وقال: لانعرفُه الاّ مِن حدیثِ عبدالمُنعِم وهواسنادٌ مجهول.]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بلالؓ سے فرمایا کہ جب تم اذان کہو تو ٹھہر ٹھہر کر کہو اور جب تکبیر (اقامت) کہو تو جلدی جلدی کہو اور اذان اور تکبیر کے درمیان اتنا وقفہ رکھو کہ کھانے والا اپنے کھانے سے اور پینے والا اپنے پینے سے اور قضائے حاجت کے لیے جانے والا قضائے حاجت سے فارغ ہو جائے اور کھڑے مت ہو یہاں تک کہ مجھے (آتے ہوئے) دیکھ لو۔ (ترمذی)

تشریح: قوله: ولا تقوموا حتّٰی ترونی :۔یہ خطاب یا تو لوگوں سے ہے کہ میرے آنے سے پہلے کھڑے مت ہو کہ اس میں بلاوجہ اپنے آپ کو تھکاوٹ میں ڈالنا ہے یا یہ خطاب مؤذنین سے ہے اور منشأ یہ ہے کہ میرے آنے سے قبل اقامت نہ کہی جائے اور نہ لوگ کھڑے ہو کہ اس میں امام پر ایک طرح کا جبر ہے جو مناسب نہیں۔ (فحات)

کیا غیر مؤذن اقامت کہہ سکتا ہے؟:

۵۹۶۔وعن زیادِبن الحارث الصُّدائیِّ قال: أمرَنی رسولُ الله ﷺ أن أُذِّنَ فی صلاةِ الفجرِفأذّنتُ فأرادَ بلالٌ أن یُقیمَ فقال رسولُ الله ﷺ:إنّ أخاصُداءٍ قدأذّنَ ومَن أذّن فهویُقیمُ .[أبو داؤد،ترمذی،ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت زیاد بن حارث صدائیؓ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ فجر کی نماز کے لیے اذان دوں، میں نے اذان دی، پھر حضرت بلالؓ نے تکبیر کہنی چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تحقیق صدائی بھائی نے اذان کہی ہے اور جو اذان کہے تکبیر بھی وہی کہے۔

تشریح: قولہ: إنّ أخاصداءٍ قدأذّنَ و من أذّن فهو يُقيم: ۔اس ارشادِ نبوی سے حضرات شوافع اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ اقامت مؤذن کے ساتھ خاص ہے غیر مؤذن کو اقامت کہنا جائز نہیں۔

جبکہ حضرات حنفیہ اس ارشادِ گرامی کو اولویت پر محمول کرتے ہیں یعنی اولیٰ یہ ہے کہ مؤذن اقامت کہے۔باقی غیر مؤذن بھی اقامت کہہ سکتا ہے جبکہ مؤذن کو ناگوار نہ ہو جیسا کہ مروی ہے کہ مسجدِ نبوی میں بسا اوقات حضرت بلالؓ اذان دیتے اور ابن ام مکتومؓ اقامت کہتے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا۔(نفحات، مرآۃ)

"الفصل الثالث"

۵۹۷۔عن ابن عمرؓ قال :كان المُسلمونَ حينَ قَدِمُوا المَدينةَ يجتمعونَ فيَتَحَيَّنُونَ للصلوٰةِ وليسَ يُنادى بها أحدٌ ، فتكلّمُوا يومًا في ذلك،فقال بعضُهم :اِتَّخذُوامِثلَ ناقوسِ النصارىٰ ،وقال بعضُهم :قَرْنًا مثلَ قرنِ اليهودِ،فقال عمرُ: أوَلاتبعثُونَ رجلاً يُنادى بالصلوٰةِ ، فقال رسولُ الله ﷺ :يابلال! قُمْ فنادِ بالصلوٰة.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ مسلمان جب مدینہ آئے تو (ایک جگہ) جمع ہو کر نماز کے لیے وقت کا اندازہ لگایا کرتے تھے کوئی بھی نماز کے لیے بلانے والا نہ ہوتا، ایک دن انہوں نے اس بارے میں بات چیت کی، تو بعض نے کہا کہ نصاریٰ کی طرح ناقوس بنالو اور بعض نے کہا کہ یہودیوں کے مانند سینگ بنالو تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک آدمی کیوں مقرر نہیں کرتے جو نماز کے لیے پکارے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے بلال! کھڑے ہو اور نماز کے لیے آواز دو۔(متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن زیدؓ کا خواب:

۵۹۸۔وعن عبدِ الله بن زيدِ بنِ عبدِ ربِّه قال: لمّا أمرَرسولُ الله ﷺ بالنّاقوسِ يُعمَل ليُضربَ به للنّاسِ لِجمعِ الصلوٰة طافَ بى وأنا نائمٌ رجلٌ يحملُ ناقوساً في يدِه فقلتُ : ياعبدَ الله! أتبيعُ النّاقُوسَ ،قال: وماتصنعُ به ؟قلتُ :ندعُوابه الى الصلوٰةِ قال: أفلاأدلّكَ علىٰ ماهو خيرٌ مِن ذلك ،فقلتُ له:بلىٰ قال: فقال :تقولُ: "الله أكبر...[الى اٰخره]و كذاالإقامةُ،فلمّاأصبحتُ أتيتُ رسولَ الله ﷺ فأخبرتُه بما رأيتُ ،فقال: إنّها لرؤياحقٌّ إن شاءَ اللهُ ،فقُم مع بلالٍ ،فألقِ عليه مارأيتَ فليُؤَذّنْ به فإنّه أندىٰ صوتاً مِنك فقمتُ معَ بلال،فجعلتُ أُلقيه عليه ويُؤَذّنُ به فقال ،فسمعَ بذلك عمرُ بن الخطّاب وهوفى بيتِه فخرجَ يَجُرُّ رِداءَهٗ يقولُ :يارسولَ الله! والّذى بعثَك بالحقِّ !لقدْ رأيتُ مثلَ ماأُرِىَ ،فقال رسولُ الله ﷺ:فللهِ الحمدُ . [أبوداؤد ، دارمى ،ابن ماجة،الّا أنّه لم يذكرُ "الإقامة"وقال الترمذى:هذاحديثٌ صحيحٌ لكنْ لمْ يُصرّح قصةَ النّاقوس]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس بنانے کا حکم دیا تا کہ لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرنے کی خاطر اُسے بجایا جائے تو اس حال میں کہ میں سو رہا تھا (خواب میں) ایک آدمی آیا جو اپنے ہاتھ میں ناقوس اٹھائے ہوئے تھا، تو میں نے عرض

کیا کہ اے اللہ کے بندے! کیا تو یہ ناقوس بیچے گا؟ اس نے پوچھا کہ آپ اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ ہم اس کے ذریعہ سے نماز کے لیے بلائیں گے، اس نے کہا کہ کیا میں آپ کو اس سے بہتر چیز نہ بتادوں؟ میں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ اس نے کہا کہ آپ یہ کہو: "اللہ اکبر ..." الخ اور اسی طرح اقامت (کہو) جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور جو (خواب) دیکھا تھا اس کی خبر دے دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ خواب ان شاء اللہ سچا ہے، بلال کے ساتھ کھڑے ہو کر اسے خواب میں سنے ہوئے کلمات بتاتے جاؤ، پھر چاہیے کہ وہ اذان دے کیونکہ وہ آپ سے زیادہ بلند آواز ہیں، تو میں بلال کے ساتھ کھڑا ہوا اور اسے (کلمات اذان) بتانے لگا اور بلالؓ (ان کلمات سے) اذان دیتے رہے، راوی کہتا ہے کہ عمر بن خطابؓ نے گھر میں یہ اذان سنی تو چادر کھینچتے ہوئے نکلے، کہتے جاتے تھے کہ یا رسول اللہ! اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق (دین) دے کر بھیجا ہے، تحقیق میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پس تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ (ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ)

آپ ﷺ کا صحابہ کو نماز کے لیے جگانا:

۵۹۹۔وعن أبی بکرۃؓ قال: خرجتُ مع النبیِّ ﷺ لصلوٰۃِ الصبحِ فکان لا یَمُرُّ برجلٍ إلّا ناداہ بالصلوٰۃ أو حرّکہ برِجلِہ.

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نبی پاک ﷺ کے ہمراہ صبح کی نماز کے لیے نکلا، چنانچہ آپ ﷺ کسی آدمی پر سے نہ گزرتے مگر اس کو نماز کے لیے آواز دیتے یا اس کو پاؤں سے حرکت دیتے۔ (ابوداؤد)

اذانِ فجر میں "الصلاۃُ خیرٌ من النوم" کہنا:

۶۰۰۔وعن مالکٍ بلغہ أنّ المؤذنَ جاءَ عمرَ یُؤذِنُہ لصلاۃ الصبحِ فوجدَہ نائماً، فقال: "الصلوٰۃ خیرٌ من النوم" فأمرَہ عمرُ أن یجعلَہ فی نداءِ الصبح.[رواہ فی المؤطّا]

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے کہ اُن کو یہ خبر پہنچی کہ مؤذن فجر کی نماز کی اطلاع دینے حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور آپؓ کو سوتے ہوئے پایا تو اس نے "الصلوٰۃ خیرٌ من النوم" کہا تو حضرت عمرؓ نے اس کو حکم دیا کہ یہ کلمہ صبح کی اذان میں شامل کر۔ (مؤطا)

تشریح: قولہ: فوجدہ نائمًا فقال: "الصلاۃ خیر من النوم" فأمرہ عمرؓ أن یجعلہ فی نداء الصبح...: ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مؤذن نے حضرت عمرؓ کو "الصلاۃ خیرٌ من النوم" کہہ کر نماز کے لیے جگایا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کلمہ کو صرف اذانِ فجر میں کہا کرو، بلا اذان کے مت کہو۔ اس جملہ کا یہ مطلب لینا کہ " الصلاۃ خیر من النوم" کا اضافہ حضرت عمرؓ نے فجر کی اذان میں کیا ہے، درست نہیں۔ کیونکہ اس کا اضافہ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا جیسا کہ فصلِ ثانی میں حضرت ابومحذورہؓ کی روایت سے معلوم ہوا۔

اذان کہتے وقت کانوں میں انگلیاں دینا:

۶۰۱۔وعن عبد الرحمٰن بن سعد بن عمّارِ بن سعدٍؓ مؤذّنِ رسولِ اللہ ﷺ قال: حدّثنی أبی عن أبیہ عن جدّہ أنّ رسولَ اللہ ﷺ أمرَ بلالاً أن یجعلَ إصبعَیہ فی أُذنیہ، قال: إنّہ أرفعُ لصوتِك.[ابن ماجۃ]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سعد بن عمار بن سعدؓ (حضرت سعدؓ جو رسول اللہ ﷺ کے مؤذن ہیں) سے مروی ہے کہ مجھ سے میرے

والد [سعد] نے وہ اپنے والد [عمار] سے وہ اُس کے دادا [سعدؓ] سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے اور فرمایا کہ یہ تیری آواز کو بلند کرنے والی ہے۔ (ابن ماجہ)

(باب فضلِ الأذانِ وإجابةِ المُؤَذِّنِ)

''الفصل الاوّل''

اذان اور مؤذن کی فضیلت:

٦٠٢۔عن معاويةؓ قال: سمعتُ رسول الله ﷺ يقولُ: المؤذّنونَ أطولُ النّاس أعناقًا يومَ القيامة.[مسلم]

ترجمہ: حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے اونچی گردن والے مؤذن ہوں گے۔ (مسلم)

اذان کی آواز سے شیطان کا بھاگنا:

٦٠٣۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ:إذا نُودِيَ للصلوٰةِ أدبرَ الشيطانُ له ضُرَاطٌ حتىٰ لايسمعُ التأذينَ فإذاقُضِيَ النِّداءُ أقبلَ حتىّٰ إذاثُوِّبَ بالصلوٰةِ أدبرَ حتىّٰ اذاقُضِي التثويبُ أقبلَ حتىّٰ يخطرُ بين المرءِ و نفسِه يقول: أُذكرُ كذا ،أُذكرُ كذا لِمالَمْ يكُنْ يذكرُحتىّٰ يَظِلُّ الرجلُ لايدْرى كَمْ صلّٰى؟.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز مارتا ہوا (یعنی آواز کے ساتھ ریح خارج کرتا ہوا) بھاگتا ہے یہاں تک (کہ اتنی دور چلا جاتا ہے) کہ اذان نہ سن سکے، جب اذان دے دی جاتی ہے تو آجاتا ہے، یہاں تک کہ جب نماز کے لیے تکبیر کہی جاتی ہے تو (پھر) بھاگ جاتا ہے، یہاں تک کہ جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو (واپس) آجاتا ہے یہاں تک کہ آدمی اور اس کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے، کہتا ہے کہ یہ (بات) یاد کرو، یہ یاد کرو، جو باتیں اس کو یاد نہیں ہوتی (اس کو یاد دلاتا ہے) یہاں تک کہ آدمی یہ نہیں جانتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہے۔ (متفق علیہ)

مؤذن کے لیے قیامت کے دن ہر چیز کی گواہی:

٦٠٤۔وعن أبي سعيدالخدريؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ :لايَسْمعُ مَدٰى صوتِ المؤذّن جنٌّ ولاإنسٌ ولاشيءٌ الّا شَهِدَ له يومَ القيامة.[بخاري].

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤذّن کی انتہائی آواز جو جن یا انسان یا کوئی بھی چیز سنتا ہے وہ مؤذّن کے لیے قیامت کے دن گواہی دیں گے۔ (بخاری)

دعائے وسیلہ کی فضیلت:

٦٠٥۔وعن عبدالله بن عمرو بن العاصؓ قال:قال رسولُ اللهﷺ :إذاسمِعتُمُ المؤذّنَ فقُولوامِثلَ مايقولُ ثمّ صلُّواعليّ ،فإنّه مَن صلیٰ عليّ صلوٰۃً صلّی اللهُ عليه عشرا،ثمّ سَلُوااللهَ لِي الوسيلةَ فإنّها منزلةٌ في الجنّةِ لاينبغي الاّ لعبدٍ مِن عبادِ الله وأرجُوأن أكونَ أناهو،فمَنْ سألَ لي الوسِيلةَ حلّتْ عليه الشفاعةُ .[مسلم]

ترجمہ:عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تم مؤذن کوسنوتو جیسے وہ کہتا ہے(جواب میں)ویسے کہو۔پھر میرے اوپر درود بھیجو،کیونکہ جو میرے اوپر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر اس درود کے سبب دس رحمتیں بھیجتا ہے۔پھر اللہ سے میرے لیے وسیلہ طلب کرو،وہ جنت کا ایک(اعلیٰ)درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک(خاص)بندے کے لائق ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہوں گا۔پس جو میرے لیے وسیلہ مانگے،قیامت کے دن اس کے لیے(میری)شفاعت واجب ہوگئی۔(مسلم)

اذان کا جواب دینے کی دوصورتیں:

تشریح: قوله: إذا سمعتم المؤذنَ فقولوا مثلَ ما يقولُ.....:۔اس میں اذان کا جواب دینے کا ذکر ہے،اجابتِ اذان(یعنی اذان کا جواب دینے)کی دوصورتیں ہیں:اجابتِ قولی اور اجابتِ فعلی۔یہاں اجابتِ قولی کا ذکر ہے۔اجابتِ قولی یہ ہے کہ مؤذن جو کلمات کہے، سننے والا اسی کو دہرائیں،البتہ"حی علی الصلاۃ" اور"حی علی الفلاح"کے جواب میں انہی کلمات کو دہرانا بھی منقول ہے اور "لاحول ولاقوّۃَ إلّاباللہ" کہنا بھی،البتہ"لاحول"کہنا افضل ہے۔اجابتِ قولی مسنون ہے اور اجابتِ فعلی واجب۔اجابتِ فعلی یہ ہے کہ اذان سننے کے بعد نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد کو جائے۔

اذان کا جواب دینے کی فضیلت:

٦٠٦۔وعن عمرؓ قال: قال رسول اللهﷺ :إذا قال المؤذّنُ: الله أكبر الله أكبر فقالَ أحدُكم:الله أكبر الله أكبر،ثمّ قال: أشهد أن لا اله الا الله ، قال:أشهد أن لا اله الا الله ، ثمّ قال: أشهدأنّ محمدًا رسول الله، قال:أشهدأنّ محمدًا رسول الله ، ثمّ قال: حيَّ على الصلوٰة،قال: لاحولَ ولا قوّةَ الا بالله ،ثمّ قال: حيَّ على الفلاح ،قال:لاحولَ ولا قوّةَ الا بالله ثمّ قال: لا اله الا الله ،قال: لا اله الاّ الله مِن قلبِه دَخل الجنّة.[مسلم]

ترجمہ:حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب مؤذن الله أكبر الله أكبر کہے پس تم میں سے کوئی(اس کے جواب میں)الله أكبر الله أكبر کہے پھر جب مؤذن أشهد أن لا اله الا الله کہے تو وہ بھی أشهد أن لا اله الا الله کہے پھر جب مؤذن أشهد أنّ محمدًا رسول الله کہے تو وہ بھی أشهد أنّ محمدًا رسول الله کہے پھر جب مؤذن حيَّ على الصلوٰة کہے تو وہ لاحولَ ولا قوّةَ الا بالله کہے پھر جب مؤذن حيَّ على الفلاح کہے تو وہ لاحولَ ولا قوّةَ الا بالله کہے پھر جب مؤذن الله أكبر الله أكبر کہے تو وہ الله أكبر، الله أكبر کہے پھر جب مؤذن لا اله الا الله کہے تو وہ صدقِ دل سے لا اله الا الله کہے،تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔(مسلم)

اذان سن کر دعائے وسیلہ کہنے کی فضیلت:

٦٠٧۔وعن جابرؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ : مَن قال حين يسمعُ النِّداءَ:"اللّٰهمَّ ربَّ هذهِ الدعوةِ التّامّه والصلاةِ القائمة، اتِ محمدًا الوسيلةَ والفضيلةَ وابعثهُ مقامًا محمودًاالّذى وعدتّه"حَلَّتْ له شفاعتى يومَ القيامةِ.[بخارى]

ترجمہ:حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اذان سن کر یہ (دعا) پڑھی: " اللهم ربَّ هذه الدعوة التامّةِ والصلاةِ القائمة، اتِ محمدًا الوسيلة والفضيلة وابعثه مقامًا محمودًا الّذى وعدتّه"۔ترجمہ:اے اللہ!اے اس کامل دعا (اذان) اور قائم ہونے والی نماز کے رب!(حضرت) محمد کو وسیلہ اور بزرگی عنایت فرما اور اُن کو مقامِ محمود پر پہنچا جس کا تو نے اُن سے وعدہ فرما رکھا ہے۔تو قیامت کے دن اُس کے لیے میری شفاعت لازم ہوگی۔(بخاری)

آپ ﷺ اگر اذان سنتے تو شب خون مارنے سے رک جاتے:

٦٠٨۔وعن أنسؓ قال: كان النبىّ ﷺ يُغيرُ إذا طلعَ الفجرُ وكان يستمِعُ الأذانَ ،فإن سمِعَ اذانًا أمسكَ وإلّا فاغارَ فسمِعَ رجلًا يقولُ: الله أكبرالله أكبر،فقال رسولُ الله ﷺ:على الفِطرةِ ،ثمّ قال: أشهدُ أن لااِلٰه الّا اللهُ ،فقال رسولُ الله ﷺ: خرجتَ مِن النّار، فنظرُواالیه فاذًا هو راعِ مِعْزًى.[مسلم]

ترجمہ:حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ طلوع فجر کے وقت (دشمن پر) شب خون مارا کرتے تھے،اس وقت آپ ﷺ کان لگا کر اذان کو سننے کی کوشش کرتے،اگر اذان سن لیتے تو حملہ کرنے سے رک جاتے،ورنہ تو حملہ کر دیتے۔چنانچہ (ایک مرتبہ) ایک شخص کو الله أكبر الله أكبر کہتے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (یہ شخص) فطرت (یعنی اسلام) پر ہے پھر اس شخص نے أشهد أن لااله الا الله کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو آگ سے نکل گیا،صحابہؓ نے جب اس شخص کو دیکھا تو (معلوم ہوا کہ) وہ بکریوں کا چرواہا تھا۔(مسلم)

اذان کے بعد شہادتین کہنے کی فضیلت:

٦٠٩۔وعن سعد بن أبى وقّاصؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ :مَن قال حينَ يسمعُ المؤذّنَ: "أشهدُ أن لا إلٰه إلاالله وأشهدُ أنّ محمدًا عبده ورسوله، رضيتُ بالله ربًا وبمحمدٍ نبيًّاوبالإسلام دينًا" غُفِرله ذنبُه.[مسلم]

ترجمہ:حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن (کی اذان) کو سنے اور یہ کہے کہ" أشهدُ أن لا إلٰه إلاالله وأشهدُ أنّ محمدًا عبده ورسوله، رضيتُ بالله ربًا وبمحمدٍ نبيًّاوبالإسلام دينا "یعنی"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو تنہا اور لاشریک ہے اور محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں، میں اللہ کے رب ہونے اور محمد (ﷺ) کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں" تو اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔(مسلم)

اذان واقامت کے درمیان نفل نماز:

٦١٠۔وعن عبدالله بن المغفلؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ : بينَ كُلِّ أذانَين صلاةٌ ،بينَ كُلِّ أذانين صلاة،ثمّ قال فى الثالثةِ :لِمَنْ شاء.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر دو اذانوں کے درمیان (نفل) نماز ہے، ہر دو نمازوں کے درمیان نماز ہے، پھر تیسری دفعہ میں فرمایا اس شخص کے لیے جو (پڑھنی) چاہے۔ (متفق علیہ)

مغرب کی اذان واقامت کے درمیان نفل کا مسئلہ:

تشریح: قوله: بين كلّ أذانين صلاة.... اس حدیث میں " أذانين " سے مراد "اذان اور اقامت" ہیں۔ اور "صلاة" سے مراد نفل نماز ہے۔ اذان واقامت کا درمیانی وقت چونکہ بڑی برکت وفضیلت والا ہے، اس لیے اس میں نوافل پڑھنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ اس حدیث کے عموم کے پیشِ نظر امام احمدؒ اور امام اسحاق ظاہریؒ فرماتے ہیں کہ مغرب کی اذان واقامت کے درمیان بھی نفل پڑھنا مستحب ہے۔

جبکہ جمہور مجتہدین وفقہاء فرماتے ہیں کہ مغرب کی اذان واقامت کے درمیان نفل پڑھنا صرف جائز ہے، مستحب نہیں۔ ان حضرات کا استدلال حضرت بریدہؓ کی اس حدیث سے ہے: "قال رسول الله ﷺ: إنّ عند كلّ أذانين ركعتين ماخلا صلاة المغرب" یعنی مغرب کے علاوہ ہر نماز کے اذان واقامت کے درمیان دو نفل پڑھے جائیں۔ اس روایت میں مغرب کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، نیز جمہور صحابہؓ وتابعینؒ اسے نہیں پڑھا کرتے تھے، چنانچہ ابوداؤد شریف میں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے "رکعتین قبل المغرب" یعنی دو نفل کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے جواب میں فرمایا: "ما رأيتُ أحدًا على عهد رسول الله ﷺ يصلّيها" یعنی میں نے عہدِ رسالت میں تو کسی کو نہیں دیکھا جو اس کو پڑھتا ہو"۔ (نفحات)

"الفصل الثاني"

امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے:

٦١١۔ عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: الإمام ضامنٌ والمؤذّنُ مؤتمنٌ، اللّهم أرشِدِ الأئمّةَ واغفِرْ للمؤذّنين.

[أحمد، أبو داؤد، ترمذي والشافعي، وفي أُخرىٰ له بلفظِ المصابيح]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام ضامن (ہوتا) ہے اور مؤذّن امانت دار۔ اے اللہ! اماموں کو ہدایت فرما اور مؤذّنوں کو بخش دے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: قوله: الإمام ضامنٌ: ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام مقتدیوں کی قرأت وقیام کا ضامن ومتکفل ہوتا ہے جبکہ مقتدی رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے، نیز نماز کے دوسرے ارکان اور رکعتوں کی تعداد کا محافظ ہوتا ہے۔ حضرات احنافؒ نے اس جملہ سے قرأت خلف الامام کے ترک پر استدلال کیا ہے کیونکہ جب امام مقتدیوں کی طرف سے ضامن وکفیل بن گیا تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ مقتدی قرأت نہ کریں۔

قوله: والمؤذّن مؤتمنٌ.....: اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن اذان کے سلسلہ میں کامل دیانت سے کام لے، غفلت کا شکار نہ ہو کیونکہ لوگ نماز کے اوقات اور افطار وصوم کے معاملہ میں مؤذن پر اعتماد کرتے ہیں۔ (نفحات)

سات برس تک اذان دینے کی فضیلت:

٦١٢۔وعن ابن عباسؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ :مَنْ أذَّنَ سبعَ سنینَ مُحتَسِبًا کُتِبَ له براءَۃٌ مِن النار.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جس نے سات برس تک حصول ثواب کی امید پر اذان کہی، اس کے لیے دوزخ سے نجات لکھ دی جاتی ہے۔(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

٦١٣۔وعن عقبہ بن عامرؓ قال: قال رسول اللهﷺ :یَعْجَبُ ربُّكَ مِن راعی غَنمٍ فی رأس شَظِیَّةٍ للجبلِ یُؤذِّنُ للصلوٰۃِ ویُصلّی فیقولُ اللهُ عزّ وجلّ:اُنظُروا الیٰ عبدی هذا یُؤذِّنُ ویُقیمُ الصلوٰۃَ یخافُ مِنّی قدغفرتُ لعَبدی وأدخلتُه الجنّةَ.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تیرا رب کسی پہاڑ کی چوٹی پر بکریاں چرانے والے اس چرواہے سے خوش ہوتا ہے جو نماز کے لیے اذان کہتا ہے اور نماز پڑھتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ (ملائکہ سے) فرماتا ہے کہ میرے اس بندہ کو دیکھو جو اذان کہتا ہے اور نماز قائم کرتا ہے، (جس کا سبب یہ ہے کہ) مجھ سے ڈرتا ہے، میں نے اپنے (اس) بندہ کی مغفرت کر دی اور میں نے اس کو جنت میں داخل کر دیا۔(ابوداؤد، نسائی)

مؤذن قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے:

٦١٤۔وعن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللهﷺ : ثلٰثةٌ علیٰ کُثبانِ المِسكِ یومَ القیامةِ عبدٌ أدّی حقَّ اللهِ وحقَّ مولاہ ورجلٌ أمَّ قومًا وهم به راضُونَ ورجلٌ یُنادی بالصلوٰتِ الخمسِ کلَّ یومٍ ولیلةٍ.[ترمذی ،وقال حدیثٌ غریب]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین (قسم کے) آدمی مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے: وہ غلام جس نے اللہ کا حق (بھی) ادا کیا اور اپنے آقا کا حق بھی اور وہ آدمی جو کسی قوم کو امامت کرائے اور وہ (قوم) اُس سے راضی ہو اور وہ شخص جو ہر شب و روز پانچوں نمازوں کی اذان کہتا ہے۔(ترمذی)

اذان کہنے والے کے فضائل:

٦١٥۔وعن أبی هریرۃؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ :المؤذّنُ یُغفرُ له مدٰی صوتِه ویَشهدُ له کلُّ رَطبٍ ویابسٍ وشاهدُ الصلوٰۃِ یُکتَبُ له خمسٌ وعِشرونَ صلوٰۃً ویُکفَّرُ عنه مابینهما.[رواہ أحمد،أبو داؤد،ابن ماجة]وروی النسائی الیٰ قوله:" کلّ رطبٍ ویابسٍ ،وقال :وله مِثلُ أجرِ مَنْ صلّی".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ مؤذن کے لیے اس کی آواز (پہنچنے) کے موافق مغفرت کی جاتی ہے اور ہر تر اور خشک چیز اور نماز میں حاضر ہونے والے (ملائکہ، انس وجن) اس کے حق میں گواہی دیں گے اور اس کے لیے پچیس نمازیں لکھی جاتی ہیں اور دو نمازوں کے درمیان ہونے والے گناہ اس کے لیے معاف کیے جاتے ہیں۔(احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

بہتر یہ ہے کہ اذان پر تنخواہ نہ لی جائے:

٦١٦۔وعن عثمان بن أبی العاصؓ قال: قلتُ: یا رسولَ الله! اجعَلْنِی إمامَ قومی، قال: أنتَ إمامُهم واقتدِ بأضعفِهم واتّخِذ

مؤذّنًا لايأخذُ علىٰ آذانه أجرًا.[أحمد،أبو داؤد،نسائی]

ترجمہ:حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے میری قوم کا امام بنادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (آج سے) تم اُن کے امام ہو، تم اُن میں سب سے زیادہ ضعیف کی (نماز کے لمبا اور کم پڑھنے کے حوالے سے) پیروی کرنا اور ایسا مؤذن مقرر کرنا جو اپنی اذان پر تنخواہ نہ لیتا ہو۔(احمد)

٦١٧۔وعن أمّ سلمةؓ قالت: علّمني رسولُ اللهﷺ أن أقولَ عندَ أذانِ المغربِ :"اللّهمّ هذا إقبالُ ليلِكَ وإدبارُ نهارك وأصواتُ دُعاتِك ،فاغفرلي".[أبو داؤد،والبيهقيّ في الدعوات الكبير]

ترجمہ:حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھلایا کہ مغرب کی اذان کے وقت میں یہ (دعا) پڑھوں:" اللهمّ هذا إقبالُ ليلِك وإدبارُ نهارِك وأصواتُ دعاتِك ،فاغفرلي" ۔ترجمہ:''اے اللہ! یہ (وقت) تیری رات کے آنے اور تیرے دن کے جانے اور تیرے پکارنے والوں کی آوازوں کا ہے، پس مجھے بخش دیجئے''۔(ابوداؤد، بیہقی)

قدقامتِ الصلاةُ کا جواب:

٦١٨۔عن أبي أمامةؓ أو بعضِ أصحابِ رسول اللهﷺ قال: إنّ بلالاً أخذَ في الإقامةِ فلمّا أن قال: قد قامتِ قال رسولُ اللهﷺ :أقامهَا اللهُ وأدامَها،وقال في سائرِ الاقامةِ كنحوحديثِ عمرفي الأذان.[أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت ابوامامہؓ یا کوئی اور صحابیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نے تکبیر کہنی شروع کی جب قد قامت الصلوٰۃ کہا تو رسول اللہ ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا: "أقامَها اللهُ وأدامَها" یعنی اللہ نماز کو قائم دائم رکھے اور (اس کے سوا) تکبیر کے تمام کلمات کے جواب میں ایسا ہی فرمایا جیسا کہ حدیثِ عمرؓ میں اذان کے جواب میں فرمایا۔(ابوداؤد)

اذان اور اقامت کے درمیان دعا ردّ نہیں کی جاتی:

٦١٩۔وعن أنسؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ :لا يُرَدُّ الدعاءُ بين الأذانِ والإقامةِ.[أبو داؤد،ترمذی]

ترجمہ:حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اذان اور اقامت کے درمیان (کی جانے والی) دعا ردّ نہیں کی جاتی۔(ابوداؤد، ترمذی)

دو دعائیں جو ردّ نہیں کی جاتیں:

٦٢٠وعن سهل ابن سعدؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ :ثنتانِ لاتُردّانِ أو قلّما تُردّان: الدعاءُ عند النداءِ وعندَ البأسِ حينَ يلحَمُ بعضُهم بعضًا.وفي روايةٍ:"وتحتَ المطر".[أبو داؤد،والدارمي ؐالّا أنّه لم يذكُرْ:"وتحتَ المطر".]

ترجمہ:حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو (دعائیں) ردّ نہیں کی جاتیں یا فرمایا کہ کم ہی ردّ کی جاتی ہیں: اذان کے وقت کی دعا اور (کافروں سے) لڑائی کے وقت کی دعا جس وقت کے بعض بعض میں مل جاتے ہیں (یعنی ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے ہیں) اور ایک روایت میں وارد ہے کہ بارش کے نیچے (مانگی جانے والی) دعا۔(ابوداؤد، دارمی)

اذان کا جواب دینے والے کی فضیلت:

٦٢١۔وعن عبد الله بن عمروؓ قال رجلٌ: یا رسول الله!إنّ المؤذّنینَ یفضُلوننا، فقال رسول الله ﷺ :قُلْ کمایقولونَ، فاذاانتهیتَ فسَلْ تُعطَ.[أبوداؤد]

ترجمہ:عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ!اذان کہنے والے ہم پر فضیلت لے جارہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس طرح وہ کہتے ہیں تو بھی کہہ پس جب تو (اذان کا جواب دینے سے) فارغ ہو تو (اللہ سے) مانگ، تجھے عطا کیا جائے گا۔

"الفصل الثالث"

شیطان کا اذان سے بھاگنا:

٦٢٢۔عن جابرؓ قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ یقولُ: إنّ الشیطانَ إذا سمِعَ النداءَ بالصلوٰۃِ ذهبَ حتیٰ یکونُ مکانَ الرَّوحاءِ. قال الراوی :"والروحاءُ مِن المدینةِ علیٰ ستة وثلاثین میلاً ".[مسلم]

ترجمہ:حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ شیطان جب نماز کی اذان سنتا ہے تو بھاگتا ہے یہاں تک کہ مقام روحاء پہنچ جاتا ہے۔راوی کہتا ہے کہ "روحاء" مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر ہے۔(مسلم)

حیعلتین کا جواب لاحول ولاقوۃ سے دیا جائے:

٦٢٣:وعن علقمة بن أبی وقاصؓ قال: إنّی لَعِندَ معاویةؓ إذْ أذّنَ مؤذّنُه فقال معاویةُ کما قال مؤذّنُه حتیٰ اذاقال: حیَّ علی الصلوٰۃ قال: لاحولَ ولاقوّةَ الاّ بالله،فلمّاقال: حیَّ علی الفلاحِ ،قال: لاحولَ ولاقوّةَ الاّ بالله العظیمِ ،وقال بعدَ ذلك ماقال المُؤذّنُ ،ثمّ قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ قال ذلك.[أحمد]

ترجمہ:حضرت علقمہ بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں حضرت معاویہؓ کے پاس تھا کہ اُن کے مؤذن نے اذان دی، تو حضرت معاویہؓ نے (اذان کے جواب میں) وہی کہا جو مؤذن نے کہا یہاں تک کہ مؤذن نے جب حیَّ علی الصلوٰۃ کہا تو آپؓ نے "لا حولَ ولا قوّةَ إلا بالله" کہا اور جب اُس نے حیَّ علی الفلاح کہا تو آپؓ نے "لا حولَ ولا قوّةَ إلا بالله العلیّ العظیم" کہا اور اس کے بعد ویسا ہی کہا جیسا کہ مؤذن نے کہا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔(احمد)

٦٢٤۔وعن أبی هریرةؓ قال :کنّا مع رسولِ الله ﷺ فقام بلالٌ یُنادِی فلمّا سکتَ قال رسول الله ﷺ:مَن قال مِثلَ هذا یقیناً دخل الجنّةَ.[نسائی]

ترجمہ:ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے کہ حضرت بلالؓ کھڑے ہو کر اذان دینے لگے جب (اذان دے کر) خاموش ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے (اذان کے جواب میں) یقین کے ساتھ یہی کہا وہ جنت میں داخل ہوگا۔(نسائی)

٦٢٥۔وعن عائشةؓ قالت :کان النبیُّ ﷺ إذا سمعَ المؤذّنَ یتشهّدُ ،قال: وأنا وأنا.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مؤذن کو شہادتین کہتے سنتے تو فرماتے کہ اور میں بھی اور میں بھی (اللہ کی وحدانیت کی اور محمد کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں جیسا کہ تم دیتے ہو)۔ (ابوداؤد)

٦٢٦ـوعن ابن عمرؓ أنّ رسول اللہ ﷺ قال: من أذّنَ ثِنتَیْ عشرةَ سنةً وجبتْ له الجنّةَ وكُتِبَ له بتأذينه فی كلّ يومٍ سِتُّون حسنةً ولكلّ اقامةٍ ثلاثونَ حسنة.[ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے بارہ سال تک اذان دی، اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے اور اس کے لیے ہر روز (ہر) اذان کے بدلہ میں ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہر اقامت کے بدلہ میں تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

مغرب کی اذان کے وقت دعا مانگنے کا حکم:

٦٢٧ـوعنه قال :كنّا نُؤْمَرُ بالدعاءِ عندَ أذانِ المغرب.[بيهقی]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ ہی سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ ہمیں مغرب کی اذان کے وقت دعا مانگنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ (بیہقی)

(بابٌ فيه فصلان)

{اس باب میں گذشتہ باب کے متفرقات کا بیان ہے}

''الفصل الاوّل''

رمضان میں حضرت بلالؓ کا فجر سے پہلے اذان دینا:

٦٢٨ـعن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ:إنّ بلالاً ينادی بليلٍ فكُلُوا واشرَبُوا حتّیٰ يُنادی ابنُ أمّ مكتوم.قال:وكان ابنُ أُمّ مكتوم رجلاً أعمیٰ لايُنادِی حتّیٰ يُقالَ له :أصبحتَ أصبحتَ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلال (فجر سے پہلے) رات میں اذان دیتے ہیں، لہذا کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ اذان دیں (ابن عمرؓ کہتے ہیں) اور ابن ام مکتوم ایک نابینا آدمی تھے جو اس وقت تک اذان نہ دیتے جب تک اُن سے یہ نہ کہا جاتا کہ تو نے صبح کر دی، تو نے صبح کر دی۔ (متفق علیہ)

فجر کی اذان وقت سے پہلے دینے کا مسئلہ:

تشریح: قوله: إنّ بلالاً ينادی بليلٍ فكلوا واشربوا حتیٰ ينادی ابن أم مكتوم... : ۔فقہاء کے مابین اس پر تو اتفاق ہے کہ علاوہ فجر کے دیگر فرض نمازوں کی اذان وقت سے پہلے دینا جائز نہیں، البتہ فجر میں اختلاف ہے، چنانچہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ فجر کی اذان وقت داخل ہونے سے پہلے بھی جائز ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ان حضرات کا استدلال مذکورہ حدیث کے علاوہ اس کے بعد متصل سمرۃ بن جندبؓ کی روایت کے ان الفاظ: "لا یمنعنکم من سحورکم أذانُ بلال" سے بھی ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دوسری نمازوں کی طرح فجر کی اذان بھی وقت داخل ہونے کے بعد دی جائے گی، وقت سے پہلے دینی جائز نہیں، اگر دی گئی تو اعادہ واجب ہوگا۔ ان حضرات کے دلائل درجہ ذیل ہیں:

(۱) حدیثِ ابن عمرؓ: "إنّ بلالاً أذّنَ قبل طلوعِ الفجر فأمره النبيُّ ﷺ أنْ يرجعَ فينادي ألا! إنّ العبدَ قد نامَ"۔ (ابوداؤد) ترجمہ: ''بلالؓ نے فجر کی اذان طلوع فجر سے پہلے دی تو حضور ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ دوبارہ جاکے [با آواز] پکارو کہ بندہ سو چکا تھا''۔

(۲) حضرت عائشہؓ کی حدیث: "قالت: ما كانوا يؤذّنون حتى ينفجر الفجر"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ) یعنی ''مؤذنین طلوع فجر کے بعد اذان دیا کرتے تھے''۔

(۳) نیز قیاس کا بھی یہ تقاضا ہے کہ اذان نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد دی جائے کیونکہ اذان میں اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ نماز کا وقت داخل ہوگیا اور دخولِ وقت سے پہلے یہ بات حاصل نہیں ہوتی، چنانچہ اسی بناء پر دوسری نمازوں میں اس پر اتفاق ہے کہ نماز دخولِ وقت کے بعد دی جائے نہ کہ پہلے، لہٰذا فجر میں بھی وقت کے داخل ہونے کے بعد اذان دینی چاہیے ورنہ تو اذان اعلام کی بجائے ابہام کا باعث ہوگا۔

حضرات احناف کی جانب سے جمہور ائمہ کے دلائل کے درج ذیل جوابات دیے جاتے ہیں:

(۱) حضرت بلالؓ کا فجر سے پہلے اذان دینا رمضان کے ساتھ مخصوص تھا جس کا مقصد وقتِ سحور کی اطلاع دینا ہوتا جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے کہ "إنّ بلالاً ينادي بليلٍ فكلوا واشربوا حتى ينادي ابنُ أم مكتوم" ترجمہ: ''بلال رات کو اذان دیتے ہیں، سو کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دے''۔ چنانچہ بخاری میں منقول حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث اس کی واضح دلیل ہے جو یہ ہے: "قال ﷺ: لا يمنعنّ أحدَكم أو أحداً منكم أذانُ بلالٍ من سحوره فإنّه يؤذن أو يُنادي بليلٍ ليرجع قائمكم ولينبه نائمكم." اس میں تصریح ہے کہ حضرت بلالؓ کی اذان تہجد پڑھنے والوں اور سونے والوں کو سحری کے لیے خبردار کرنے کے واسطے ہوتی نہ کہ فجر کے واسطے۔

(۲) یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ حضرت بلالؓ کی اذان جو وقت سے پہلے دی جاتی، وہ حضرت بلالؓ کے ضعفِ بصارت اور اندازہ لگانے میں غلطی کی وجہ سے تھی جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک روایت میں حضرت بلالؓ کو نبی پاک ﷺ کی تنبیہ بھی مروی ہے چنانچہ فرمایا: "إنّ بلالاً أذّنَ قبلَ طلوعِ الفجرِ فأمرَه النبيُّ ﷺ أن يرجعَ فينادي ألا! إنّ العبد قد نامَ." ترجمہ: ''بلالؓ نے طلوعِ فجر سے پہلے اذان دی تو آنحضرت نے اُن کو حکم دیا کہ جا کہ اعلان کرو کہ بندہ سو چکا تھا (غلطی سے وقت سے پہلے اذان دے دی)''۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت بلالؓ قصداً فجر کی اذان وقت سے پہلے دیا کرتے تھے تو بھی مذکورہ حدیثِ ابن عمرؓ سے اور حضرت سمرۃؓ کی حدیث سے ائمہ ثلاثہ کا استدلال تام نہ ہوگا کیونکہ حدیث ابن عمرؓ کے یہ الفاظ: "حتى ينادي ابنُ أم مكتوم" اس پر دلالت کرتے ہیں کہ قبل از وقت دی جانے والی اذانِ بلال کا اعادہ کیا جاتا اور اس میں حنفیہ کی تائید ہے جو فرماتے ہیں کہ قبل از وقت دی گئی اذان کا اعادہ کیا جائے گا جبکہ ائمہ ثلاثہ اذان کے اعادہ کے قائل نہیں۔ (فحات)

۶۲۹۔ وعن سمرة بن جندبٍ قال: قال رسول الله ﷺ: لا يمنعُكم من سُحورِكم أذانُ بلالٍ ولا الفجرُ المُستطيلُ ولكنّ

الفجرَ المُستطیرُ فی الأُفقِ. [رواہ مسلم، ولفظُه للترمذی]

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلال کی اذان تمہیں سحری (کھانے) سے نہ روکے اور نہ ہی فجرِ دراز لیکن وہ فجر جو افق میں پھیلی ہوتی ہے (یعنی صبح صادق پر کھانا پینا چھوڑ دیا کرو)۔ (مسلم، ترمذی)

سفر میں بھی اذان واقامت کہنی چاہیے:

٦٣٠۔ وعن مالك بن الحويرثؓ قال: أتيتُ النبيﷺ أنا وابنُ عمٍ لی، فقال: إذا سافرتُما فأذِّنا وأقِيما وليؤُمَّكُما أكبرُ كما.

ترجمہ: حضرت مالک بن حُویرثؓ کہتے ہیں کہ میں اور میرا چچازاد نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم سفر میں جاؤ تو (نماز کے لیے) اذان واقامت کہو اور چاہیے کہ تم میں سے بڑا امامت کرائے۔ (بخاری)

ایک اشکال اور اُس کا جواب:

تشریح: قوله: : إذا سافرتما فأذّنا وأقيما...: ۔ اس عبارت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اذان اور اقامت تو ایک شخص کہتا ہے یہاں تثنیہ کا صیغہ کیوں اختیار کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اذان واقامت کے لیے کسی وجہ ترجیح کے تلاش کرنے کی حاجت نہیں، تم دونوں میں سے جو چاہے اذان دے اور جو چاہے اقامت کہے۔

فائدہ: یہ بات ملحوظ رہے کہ سفر میں اذان دینا فقط مستحب ہے کیونکہ عام طور پر سفر میں مسافروں کے علاوہ دوسرے لوگ نہیں ہوتے جن کو نماز کی دعوت دی جائے اور مسافر تو سب پہلے سے حاضر ہوتے ہیں۔

قوله: وليؤمّكما أكبرُ كما...: ۔ چونکہ امامت کے لیے وجہ ترجیح ضروری ہے، اس لیے یہاں اسلوب بدل دیا۔ پھر چونکہ یہ دونوں حضرات ایک ساتھ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور دونوں نے ایک جتنی مدت آپ ﷺ کی خدمت میں گزاری، اس لیے علم، قرأت اور تقویٰ میں برابر تھے، لہٰذا امامت کے لیے وجہ ترجیح کے طور پر آپ ﷺ نے کبر سنی (عمر کے زیادہ ہونے) کا اعتبار فرمایا۔

٦٣١۔ وعنه قال: قال لنا رسولُ اللهﷺ: صَلُّوا كما رأيتُمونی أُصَلِّی، وإذا حضرتِ الصلوةُ فليؤذِّنْ لكم أحدُكم ثمّ ليؤمّكم أكبرُكم. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرثؓ ہی سے روایت ہے کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایسی نماز پڑھا کرو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اور جب نماز کا وقت ہو تو تم میں سے کوئی اذان دے پھر جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔ (متفق علیہ)

لیلۃ التعریس کا واقعہ:

٦٣٢۔ وعن أبی هريرةؓ قال: إنّ رسول اللهﷺ حين قفلَ من غزوةِ خيبر سارَ ليلةً حتىٰ إذا أدركه الكَرىٰ عرّس وقال لبلال: إكلأْ لنا الليلَ فصلّى بلالٌ ماقُدّرَ له ونامَ رسولُ اللهﷺ وأصحابُه فلمّا تقاربَ الفجرُ إستندَ بلالٌ الىٰ راحلتِه مُوجِّهَ الفجرِ فغلبتْ بلالاً عيناه وهو مُستندٌ الىٰ راحلتِه فلمْ يستيقظْ رسولُ اللهﷺ ولا بلالٌ ولا أحدٌ مِن أصحابِه حتىٰ ضربتْهم الشمسُ فكان رسولُ اللهﷺ أوّلَهم إستيقاظاً ففزِعَ رسولُ اللهﷺ فقال: أی بلال! فقال بلال: أخذ بنفسی الذی أخذَ

بنفسِكَ ،قال: اِقتادُوا فاقتادُوا رواحلَهم شيئاً ثمّ توضأ رسولُ الله ﷺ وأمرَ بلالاً فأقامَ الصلاةَ فصلّى بهِمُ الصبحَ فلمّا قضى الصلاةَ ،قال: مَنْ نسِيَ الصلوٰةَ فليُصلِّها اذا ذكرَها فاِنّ الله تعالىٰ قال: "وأقِمِ الصلوٰةَ لذكرى".[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت غزوہ خیبر سے واپس ہوئے تو رات بھر سفر کیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کو اونگھ آنے لگی تو (ایک جگہ) پڑاؤ ڈالا اور حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ تم ہمارے لیے رات کا خیال رکھنا (یعنی صبح ہونے پر نماز کے لیے جگا دینا) پھر بلالؓ نے مقدور بھر نماز پڑھی اور رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ سو گئے۔ جب صبح قریب ہوئی تو بلالؓ (طلوع) فجر کی طرف منہ کر کے کجاوہ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، چنانچہ کجاوے کی طرف ٹیک لگائے ہوئے اُن کو بھی نیند آ گئی۔ پس نہ رسول اللہ ﷺ جاگے، نہ بلالؓ اور نہ کوئی ایک صحابی، یہاں تک کہ اُن پر دھوپ پڑنے لگی۔ چنانچہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ جاگے اور گھبرا کر بلالؓ سے فرمایا: اے بلال! (یہ کیا ہوا؟) تو بلال نے عرض کیا کہ مجھ پر وہ چیز (یعنی نیند) غالب آ گئی جو حضور پر غالب آ گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہاں سے چلو، لہٰذا وہ اپنی سواریوں کو لے کر کچھ (دور تک) چلے، پھر رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اقامت کہی اور آپ ﷺ نے اُن کو فجر کی نماز پڑھائی۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھا چکے تو فرمایا: جو نماز (پڑھنا) بھول جائے تو جب یاد آئے اُسے پڑھ لے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" أقِمِ الصلوٰة لذكرى" ترجمہ:"نماز قائم کر میری یاد کے وقت"۔(مسلم)

تشریح: قوله:فلمْ يستيقظ رسولُ الله ﷺ....:۔ اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ آنحضرت کو نماز سے ذہول کیسے ہوا جبکہ آنحضرت خود فرماتے ہیں کہ:"اِنّ عينيّ تنامانِ ولاينامُ قلبي".اس کے دو جواب دیے گئے ہیں: (۱) قلبِ اطہر کے نہ سونے اور جاگتے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ قلبِ اطہر نیند کی حالت میں بھی باطنی امور مثلاً: لذت، درد وغیرہ کا احساس کر سکتا ہے جبکہ طلوعِ فجر وطلوعِ آفتاب کا معاملہ باطنی امور کا نہیں بلکہ حسّی امور سے متعلق ہے جس کا ادراک بحالتِ نوم عام انسانوں کی طرح آنحضرت کو بھی نہیں ہو سکتا۔

(۲) آنحضرت کے قلبِ اطہر کی دو حالتیں ہیں، چنانچہ اکثری اوقات تو قلبِ اطہر بحالت نوم بھی بیدار رہتا لیکن کبھی کبھار قلبِ اطہر بھی سو جاتا اور لیلۃ التعریس کے موقع پر اتفاقاً یہی حالت طاری تھی۔

باجماعت قضا نماز کی اذان واقامت کا مسئلہ:

قوله: وأمر بلالاً فأقام الصلاة فصلّى بهم الصبحَ .....:۔ قضا نماز اگر باجماعت ادا کی جائے تو اس کے لیے اذان واقامت دونوں کہنے چاہیے یا صرف اقامت کہنی چاہیے؟ اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے: چنانچہ امام مالکؒ کے نزدیک فقط اقامت کہی جائے، مذکورہ حدیث آپؒ کی دلیل ہے۔

جبکہ جمہور فقہاء کے ہاں باجماعت ادا کی جانے والی نماز کے لیے اذان اور اقامت دونوں کہے جائیں۔ ان حضرات کی دلیل ابوداؤد میں دوسری سند سے مروی حضرت ابو ہریرہؓ کی یہی حدیث ہے جس میں آتا ہے:"فأمرَ بلالاً فأذّن وأقام" یعنی" حضور ﷺ نے بلال کو حکم دیا چنانچہ انہوں نے اذان اور اقامت دونوں کہے" اور فصل ثالث میں مروی حضرت زید بن اسلمؒ کی حدیث کے یہ الفاظ:"وأمر بلالاً أن ينادى للصلوٰة أو يقيم" اور یہ الفاظ بھی:"فليصلّها كما كان يصلّيها فى وقتها" اِن حضرات کے مؤید ہیں۔

امام مالکؒ کی مستدل مذکورہ حدیث کا جواب جمہور فقہاء یہ دیتے ہیں کہ ہماری پیش کردہ احادیث کے قرینہ سے اس میں یہ تاویل کی جائے گی کہ " أقام الصلاةَ بعد الأذان "یا یہ کہا جائے گا کہ أقام ؛ أعلمَ کے معنیٰ میں ہے جو اذان واقامت دونوں کو شامل ہے۔

اوقاتِ مکروہہ میں قضا نماز پڑھنے کا مسئلہ:

قوله: مَنْ نَسِي الصلاةَ فليصلها إذا ذكرها...: ۔اس ارشادِ نبوی سے جمہور ائمہؒ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ قضا نماز اگر اوقاتِ مکروہہ میں یاد آجائے تو بھی پڑھی جائے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اوقاتِ مکروہہ ثلاثہ میں قضا نماز پڑھنی بھی جائز نہیں ۔آپؒ اُن تمام روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں اوقاتِ ثلاثہ مکروہہ میں مطلق نماز سے روکا گیا ہے مثلاً: حدیثِ عقبہ بن عامرؓ:" ثلاثُ ساعاتٍ كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نُصلِّيَ فيهنّ"۔(مسلم) حضرات حنفیہ حدیثِ باب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نہی والی احادیث کے قرینہ سے غیر مکروہ اوقات میں نماز کا یاد آجانا اور پڑھنا مراد ہے۔(مرآۃ)

٦٣٣۔وعن أبي قتادةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ :إذا أُقيمتِ الصلوٰةُ فلا تَقُوموا حتىٰ تَرَوْني قد خرجتُ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کے لیے تکبیر کہی جائے تو کھڑے مت ہوا کرو، یہاں تک کہ مجھے (حجرہ سے) نکلتے ہوئے دیکھ لو۔(متفق علیہ)

دوڑ کر جماعت میں شامل نہ ہونا چاہیے:

٦٣٤۔ وعن أبي هريرةؓ قال:قال رسولُ الله ﷺ :إذا أُقيمتِ الصلوٰةُ فلا تأتُوها تَسْعَوْنَ وأتُوها تمشُونَ وعليكُم السَّكينة فما أدركْتم فصلُّوا وما فاتكُم فأَتِمُّوا.[متفق عليه]وفي روايةٍ لمسلم:"فإنّ أحدَكم إذا كان يعمِدُ الى الصلوٰةِ فهو في صلوٰةٍ".

ترجمہ:ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نماز کی اقامت کہی جا چکے تو (جماعت میں شامل ہونے کے لیے) دوڑتے ہوئے مت آؤ (بلکہ) چلتے ہوئے آؤ اور اپنے اوپر وقار کو لازم کرلو،لہٰذا (جماعت کے ساتھ) جس قدر (نماز) مل جائے وہ پڑھ لو اور جو رہ جائے تو اسے پورا کرلو۔(متفق علیہ) اور مسلم کی روایت میں ہے:"جب تم میں سے کوئی نماز کا قصد کرتا ہے تو وہ نماز میں شمار ہوتا ہے"۔

[وهذا البابُ خالٍ عن الفصلِ الثاني]

{یہ باب فصلِ ثانی سے خالی ہے}

"الفصل الثالث"

٦٣٥۔عن زيد بن أسلمؓ قال: عرّسَ رسولُ الله ﷺ ليلةً بطريقِ مكةَ، ووكّلَ بلالاً أنْ يُوقِظَهم للصّلوٰةِ فرقدَ بلالٌ ورقَدُوا حتىٰ استيقظُوا وقد طلعتْ عليهمُ الشمسُ فاستيقظَ القومُ فقد فزِعوا فأمرَهم رسولُ الله ﷺ أن يركَبُوا حتىٰ يخرجوا من ذلك الوادي وقال: إنّ هذا وادٍ به شيطانٌ فركِبوا حتىٰ خرجوا من ذلك الوادي ثمّ أمرَهم رسولُ الله ﷺ أنْ ينزِلُوا وأنْ

یتوضئوا و أمر بلالاً أن یُنادِی للصلوٰۃِ [أو یُقیم] فصلّیٰ رسولُ اللہ ﷺ بالنّاسِ ثمّ انصرفَ وقدرایٰ مِن فزعِهم فقال: یاأیها النّاسُ إنّ اللہَ قبضَ أرواحَنا ولو شاءَ لردّها إلینا فی حینٍ غیر هذا فاذا رقدَ أحدُکم عن الصلوٰۃِ أو نسیها ثمّ فزِعَ الیها فلیُصلّها کما کان یُصلّیها فی وقتها ثمّ التفتَ رسولُ اللہ ﷺ الیٰ أبی بکر الصّدّیق فقال: إنّ الشیطانَ أتیٰ بلالاً وهو قائمٌ یُصلّی فأضجعَه ثمّ لم یزَلْ یُهدِئُه کما یُهدَأُ الصبیُّ حتیٰ نامَ ثمّ دعا رسولُ اللہ ﷺ بلالاً فأخبرَ بلالٌ رسولَ اللہ ﷺ مِثلَ الذی أخبرَ رسولُ اللہ ﷺ أبابکر، فقال أبو بکر: أشهدُ أنّكَ رسولُ اللہ. [مالك مرسلاً]

ترجمہ: حضرت زید بن اسلمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مکہ کے راستہ (اخیر شب) میں پڑاؤ ڈالا اور حضرت بلالؓ کو اس بات پر مقرر کیا کہ وہ اُن کو (صبح کی) نماز کے لیے جگائے گا، (اتفاق سے) بلالؓ سو گئے اور وہ (اہلِ قافلہ) بھی سو گئے تھے یہاں تک کہ اس وقت جاگے جب کہ سورج اُن پر طلوع ہو چکا تھا۔ وہ (سب فجر قضا ہونے کی وجہ سے) گھبرا گئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کو حکم دیا کہ (اپنی سواریوں پر) سوار ہو، یہاں تک کہ اس وادی سے نکل جائیں۔ پھر (اس وادی سے نکلنے کے بعد) آپ ﷺ نے اُن کو اترنے اور وضو کرنے کا حکم دیا اور بلالؓ کو اذان یا تکبیر کہنے کا حکم فرمایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ پھر (جب) نماز سے فارغ ہوئے اور لوگوں کی گھبراہٹ دیکھی، تو فرمایا کہ اے لوگو! اللہ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اور اگر وہ چاہتا تو اس وقت کے علاوہ میں (یعنی طلوع آفتاب سے پہلے) ہماری روحوں کو لوٹا دیتا، پس جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے سے سو جائے یا نماز (پڑھنا) بھول جائے اور پھر (یاد آنے پر) گھبرا جائے تو چاہیے کہ ویسی ہی نماز (قضا) پڑھ لے جس طرح کہ وقت کے اندر پڑھتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ شیطان بلال کے پاس آیا جبکہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا تھا، تو شیطان نے اُس کو لٹا دیا اور پھر اُسے مسلسل تھپکی دیتا رہا جس طرح کہ بچے کو تھپکی دی جاتی ہے، یہاں تک کہ بلالؓ سو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بلال کو بلایا تو بلالؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اسی بات کی خبر دی جس کی رسول اللہ ﷺ نے ابو بکرؓ کو خبر دی تھی، تو ابو بکرؓ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ (رواہ مالک)

٦٣٦۔ وعن ابن عمرؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ: خصلتانِ مُعلّقتانِ فی أعناقِ المؤذّنین للمسلمینَ صیامُهم وصلوٰتُهم.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کے لیے دو چیزیں مؤذنین کی گردنوں میں لٹکی ہوئی ہیں: اُن کے روزے اور اُن کی نمازیں۔ (ابن ماجہ)

(بابُ المَساجدِ ومَواضعِ الصَّلاۃِ)

"الفصل الاوّل"

خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا:

٦٣٧۔ عن ابن عباسؓ قال: لمّا دخلَ النبیُّ ﷺ البیتَ، دعا فی نواحِیه کلِّها ولم یُصلِّ حتیٰ خرجَ منه فلمّا خرجَ رکعَ رکعتین فی قُبُلِ الکعبۃِ وقال: هذہ القِبلۃُ. [رواہ البخاری ورواہ مسلم عنه وعن أسامۃ بن زید]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب نبی پاک ﷺ بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہوئے تو اُس کے چاروں کونوں میں دعا مانگی اور اس میں نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ باہر تشریف لائے، جب باہر نکلے تو خانہ کعبہ کے سامنے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا کہ یہ قبلہ ہے۔ (بخاری)

تشریح: قوله: لما دخل البيت، دعا في نواحيه كلها ولم يصلّ حتّى خرج ...: اس روایت کے راوی در حقیقت اسامہ بن زیدؓ ہیں، پھر اُن سے حضرت ابن عباسؓ نے روایت کی ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ میں نماز ادا نہیں کی، جبکہ اس کے متصل حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں حضرت بلالؓ کے حوالے سے مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی، حضرت بلالؓ بھی ساتھ تھے۔ ان دونوں روایتوں میں تضاد ہے، لیکن محدثین نے حضرت بلالؓ کی رویت کو راجح قرار دیا ہے، کیونکہ وہ مُثبت ہے اور مُثبت کو ترجیح ہوتی ہے، لہٰذا خانہ کعبہ کے اندر نفل نماز پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔

خانہ کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنے کے جواز میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے ہاں خانہ کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنا جائز نہیں۔ یہ حضرات آیت کریمہ "فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ" سے استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت کے بموجب نماز میں کعبہ کا استقبال کرنا چاہیے جبکہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی صورت میں استقبال اگرچہ پایا جاتا ہے، لیکن ساتھ ساتھ استدبار بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ لامحالہ کعبہ کی دوسری جہت کی طرف پشت بھی کرنی پڑتی ہے۔ نیز احادیث بھی اس سے ساکت ہیں کہ آپ ﷺ نے فرض نماز کعبہ کے اندر پڑھی ہو، جبکہ نفل ثابت بھی ہے اور نفل کے باب میں گنجائش بھی ہے۔

جمہور ائمہ وفقہاء کے نزدیک بیت اللہ کے اندر فرض پڑھنا بھی جائز ہے۔ ان حضرات کا استدلال آیت "وعهدنا إلىٰ إبراهيم وإسمٰعيل أن طهّرا بيتيَ للطّائفينَ والعاكفينَ والرّكّعِ السُّجودِ" سے ہے۔ اس آیت میں طواف واعتکاف کرنے اور نماز پڑھنے والوں کے لیے بیت اللہ کو پاک رکھنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ چونکہ صلاۃ مطلق کا ذکر ہے جو فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے، لہٰذا اس سے دونوں کی ادائیگی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

جمہور حضرات کی طرف سے امام مالکؒ وامام احمدؒ کی دلیل: "فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ" کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حکم بیت اللہ سے باہر نماز پڑھنے والوں کو دیا جارہا ہے۔

اور دوسری دلیل کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنے سے احادیث کا ساکت ہونا عدمِ جواز کو مستلزم نہیں، ممکن ہے کہ اُس وقت فرض نماز کا وقت نہ ہو۔

خانہ کعبہ کے اندر آنحضرت کا نماز پڑھنا:

٦٣٨۔ وعن عبد الله بن عمرؓ أنّ رسولَ الله ﷺ دخلَ الكعبةَ هو وأسامةُ بن زيدٍ وعثمانُ بن طلحة الحَجَبيّ وبلال بن رباح فأغلقها عليه ومكثَ فيها فسألتُ بلالاً حينَ خرج ماذاصنعَ رسولَ الله ﷺ؟ فقال: جعلَ عموداً عن يساره وعمودين عن يمينه. وثلاثةَ أعمدةٍ وراءَه وكان البيتُ يومئذٍ علىٰ ستّةِ أعمدةٍ، ثمّ صلّى. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور اسامہ بن زیدؓ، عثمان بن طلحہ حجبیؓ اور بلالؓ بن رباح (فتح مکہ کے موقع پر)

کعبہ میں داخل ہوئے، انہوں نے دروازہ بند کرلیا، آپ ﷺ اندر ٹھہرے رہے، جب باہر تشریف لائے تو میں نے بلالؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اندر کیا (عمل) فرمایا؟ حضرت بلالؓ نے جواب دیا کہ آپ ﷺ نے ایک ستون کو بائیں ہاتھ پر، دو ستونوں کو دائیں طرف اور تین ستونوں کو پیچھے رکھا (یعنی ان کے درمیان میں کھڑے ہوئے)۔ اُن دنوں بیت اللہ شریف کے چھ ستون تھے۔ پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔ (متفق علیہ)

مسجد نبوی میں باجماعت فرض نماز پڑھنے کا ثواب:

۶۳۹۔عن أبی هریرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: صلاةٌ فی مسجدی هذا خیرٌ من ألف صلوٰةٍ فیما سِواهُ الّا المسجد الحرام.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اس مسجد میں ایک (باجماعت فرض) نماز پڑھنا سوائے مسجد حرام کے دوسری مساجد میں ہزار نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: صلاةٌ فی مسجدی هذا خیرٌ من ألفِ صلاةٍ فی ما سواه...: یہاں پر آپ ﷺ کے اس ارشاد میں مسجد نبوی، اسم (مسجدی) کے ساتھ بھی مذکور ہے اور پھر اس کی طرف اسمِ اشارہ (هذا) سے اشارہ بھی ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کو اغلب قرار دینے کی بنیاد پر علماء میں یہ اختلاف ہوا ہے کہ آیا مذکورہ فضیلت عہدِ رسالت کے مسجد نبوی کی ہے یا پھر تا قیامت مسجد نبوی میں جو اضافہ ہوتا رہیگا ،اُس اضافہ شدہ قطعہ زمین پر نماز پڑھنے کی بھی یہی فضیلت ہے۔ چنانچہ علامہ نوویؒ اشارہ کو اغلب قرار دے کر یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ فضیلت صرف عہدِ رسالت کے مسجدِ نبوی کے ساتھ خاص ہے، جبکہ علمائے حنفیہؒ اسم کو اغلب قرار دے کر کہتے ہیں کہ قیامت تک جس قدر زمین مسجدِ نبوی کے ساتھ ملحق ہوگی اور جس قدر زمین پر مسجد نبوی کا اطلاق ہوگا وہ سارا قطعہ زمین اس فضیلت میں شامل ہے۔ (فتحات)

حدیث لا تُشَدُّ الرحالُ :

۶۴۰۔وعن أبی سعیدٍ الخدریؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: لا تُشَدُّ الرحالُ إلّا إلیٰ ثلاثة مساجدَ: مسجدِ الحرام والمسجدِ الأقصی ومسجدی هذا. [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کی طرف (زیادہ ثواب کی غرض سے سفر کرنے کے لیے) کجاویں نہ باندھے جائیں، (وہ تین مسجدیں یہ ہیں:) مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد۔ (متفق علیہ)

مزاراتِ انبیاء وصالحین کی زیارت کے لیے سفر:

تشریح: قوله: لا تُشدُّ الرحالُ إلّا إلیٰ ثلثة مساجد......: اس حدیث میں نہایت بلیغ انداز میں مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس کے لیے "شدِ رحال" کی تعبیر اختیار فرمائی جو سفر کی تیاری وتمہید ہوتی ہے یعنی سفر کی تیاری سے بھی منع کیا جارہا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے پیروکار اس حدیث سے اس پر استدلال کرتے ہیں کہ اولیاء وانبیاء کے قبور کی زیارت کے واسطے سفر کرنا جائز نہیں۔ جبکہ آج کے نجدی وسلفی حضرات نے ایک قدم اور بڑھا دیا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے بھی سفر

سے منع کرتے ہیں، خاص طور پر حجاج کو مکہ معظمہ میں یہ تلقین کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کا قصد مسجد نبوی کی زیارت اور اس میں نماز پڑھنے کی غرض سے کریں، روضۂ مبارکہ کی زیارت کا قصد نہ کریں۔

جبکہ جمہور اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک روضۂ اقدس اور انبیاء وصلحاء کے قبور کی زیارت کی غرض سے سفر کرنا مندوب اور باعث اجر وثواب ہے، بلکہ روضۂ مطہرہ کی زیارت تو بعض اہلِ ظاہر اور بعض مالکیہ کے ہاں واجب ہے اور احناف کے نزدیک واجب کے قریب قریب ہے۔ درجہ ذیل احادیث سے روضۂ مقدسہ اور دوسرے قبور کی زیارت کا جواز ثابت ہوتا ہے:

حدیثِ ابن عمرؓ مرفوعاً: "مَن زارَ قبرِی وجبتْ له شفاعتی "۔(ابن خزیمہؒ) ترجمہ: ''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی''۔

حدیثِ حاطبؓ مرفوعاً: "مَن زارَنی بعدَ مماتی فکأنّما زارَنی فی حیاتی" ۔(دار قطنی) ترجمہ: ''جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی''۔

حدیثِ ابنِ مسعودؓ مرفوعاً: "کنتُ نهیتُکم عن زیارةِ القبورِ فزُورُوها "۔(ابن ماجہ)

ان احادیث کی موجودگی میں جمہور علماء شدِّ رحال والی مذکورہ حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث میں صرف مساجد کا بیان ہے کہ مساجد ثلاثہ جو ذاتی فضیلت کی حامل ہیں (یعنی ان میں نماز پڑھنے پر خاص اجر وثواب کا ملنا از روئے شرع ثابت ہے) ان کی طرف ان کے فضائل وخصائص کی بنیاد پر سفر کرنا درست ہے، جبکہ ان مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف مذکورہ بالا غرض (کہ نماز پڑھنے پر خاص اجر وثواب ملے) سے سفر کرنا درست نہیں، کیونکہ مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ باقی تمام مساجد نماز پر ملنے والے اجر وثواب کے اعتبار سے برابر ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اس حدیث سے انبیاء وصلحاء کے قبور کی زیارت کے عدمِ جواز پر استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں، کیونکہ مستثنیٰ یہاں پر مساجدِ ثلاثہ ہے تو ظاہر ہے کہ مستثنیٰ منہ (محذوف) بھی مسجد ہی کو قرار دیا جائے گا، پس تقدیری عبارت یہ ہوگی: "لاتُشدُّ الرحال [إلیٰ مسجدٍ لِنَیلِ أجرٍ مخصوصٍ علی الصلاةِ فیه] إلّا إلی ثلاثة مساجد" ۔اس کی تائید حضرت ابو سعید خدریؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے: "قال رسول اللهﷺ لا ینبغی للمطی یشدّ رحاله إلیٰ مسجدٍ یُبتغٰی فیه الصلاةُ غیرَ المسجد الحرام والمسجد الأقصیٰ ومسجدی هٰذا" (مسند احمد) ترجمہ: ''مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے سوا کسی اور مسجد کی جانب نماز کے مخصوص اجر وثواب کی خاطر سفر کرنا جائز نہیں''۔ یہ روایت، مذکورہ [شدِ رحال والی] حدیث کا صحیح مطلب فیصلہ کن انداز میں بتا رہی ہے۔ (فتحات، مرآۃ)

رياض الجنّة:

٦٤١۔وعن أبی هریرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: ما بین بیتی ومنبری روضةٌ مِن ریاض الجنةومنبری علیٰ حوضی.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان (کی جگہ) جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض کے اوپر ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: ما بین بیتی ومنبری روضةٌ من ریاض الجنةِ.....: یہ وہی حصہ ہے جسے آج کل ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے یہ حصہ

خاص علامات کے ذریعے متعین کیا گیا ہے۔ درجہ بالا ارشادِ نبوی کی تین توجیہات کی گئی ہیں:

(۱) یہ ارشاد مجاز پر محمول ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس جگہ عبادت دخولِ جنت کا قوی سبب ہے۔

(۲) یہ ارشاد مبنی بر حقیقت ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح دوسرے مقامات فنا ہو جائیں گے یہ مقام فنا نہیں ہوگا بلکہ اس کو یہاں سے اٹھا کر جنت الفردوس میں پہنچا دیا جائے گا۔ جمہور محدثین و محققین کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

(۳) تیسری توجیہ یہ ہے کہ بعینہٖ یہ جگہ جنت کا ایک باغیچہ ہے، جسے جنت سے اتارا گیا ہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ ہونے کی بنا پر حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم بطورِ تحفہ عنایت کیے گئے، ایسے ہی حضور پاک ﷺ کو حبیب اللہ ہونے کی بنا پر ''روضة من رياض الجنة'' کا تحفہ عطا ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد اس میں جنت کی خصوصیات مثلاً بھوک، پیاس کا نہ لگنا وغیرہ ختم ہو گئے جیسا کہ حجرِ اسود میں جنت کے خصائص نہ رہے۔

قوله: ومنبری علی حوضی: اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کا یہی منبر حوضِ کوثر پر رکھا جائے گا اور آپ ﷺ اس پر جلوہ افروز ہوں گے۔ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ منبر کو جریانِ فیض میں حوضِ کوثر کے ساتھ تشبیہ دی جا رہی ہے کہ جیسے حوضِ کوثر سے قیامت کے دن خیرِ کثیر جاری ہوگا ایسے ہی رسولِ پاک ﷺ کے منبر سے علومِ نبوت کا خیرِ کثیر جاری ہوا۔ (فحات، مرآۃ)

آپ ﷺ کا مسجد قبا میں ہر ہفتہ نماز پڑھنے جانا:

٦٤٢۔ وعن ابن عمرؓ قال: كان النبيُّ ﷺ يأتي مسجدَ قُبَاءَ كلَّ سَبتٍ ماشيًا وراكبًا فيصلّي فيه ركعتين. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ مسجد قبا میں پیادہ یا سوار ہو کر تشریف لے جاتے اور اس میں دو رکعتیں پڑھتے۔

مساجد اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ جگہیں:

٦٤٣۔ عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: أحبُّ البلادِ إلى اللهِ مساجدُها وأبغضُ البلادِ إلى الله أسواقُها. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمام شہروں میں اللہ کو سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے مبغوض جگہیں بازار ہیں۔ (مسلم)

اللہ کی خوشنودی کے لیے مسجد بنانے کا صلہ:

٦٤٤۔ عن عثمانؓ قال: قال رسول الله ﷺ: مَنْ بنى لله مسجدًا بنى اللهُ له بيتًا في الجنّةِ. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے (خالص) اللہ کے لیے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنا [illegible] (متفق [illegible])

٦٤٥۔ وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن غدا إلى المسجدِ أو راحَ أعدَّ اللهُ له نُزلَه مِن الجنّةِ كُلّما غدا أو راحَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبح یا شام مسجد میں جاتا ہے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمان نوازی

کا سامان تیار کرتا ہے جب بھی وہ صبح (مسجد) جاتا ہے یا شام کو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

مسجد کی جماعت کے لیے دور سے آنے کا ثواب:

٦٤٦۔وعن أبی موسٰی الأشعریّ قال: قال رسولُ اللهﷺ :أعظمُ النّاسِ أجراً فی الصلوٰةِ أبعدُهم فأبعدُهم مَمْشًی والّذی ینتظرُ الصلوٰةَ حتیّٰ یُصلّیَهامع الإمام أعظمُ أجرًامن الّذی یُصلّی ثمّ ینام.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: نماز کے حوالے سے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اجر وثواب اس شخص کو ملتا ہے جو سب سے زیادہ دور سے چل کر آتا ہو۔اور وہ شخص جو نماز (باجماعت) کا انتظار کرتا ہے یہاں تک کہ امام کے ساتھ پڑھ لیتا ہے، اس شخص کی بنسبت زیادہ اجر وثواب والا ہے جو (تنہا) نماز پڑھ کر سو جائے۔ (متفق علیہ)

٦٤٧۔وعن جابرؓقال: خَلَتِ البقاعُ حولَ المسجد فأرادَ بنو سَلِمةَ أن ینتقِلُوا قُربَ المسجدِ فبلغَ ذلكَ النبیَّ ﷺ فقال لهم: بلغَنی أنّکُم تُریدون أن تنتقِلُواقُربَ المسجدِ ،قالوا:نعم! یارسولَ الله: قدْ أردْنا ذلك ،فقال: یابنی سلمة!دیارَکُم تُکتبُ آثارُکم، دیارَکُم تُکتبُ آثارُکم.[مسلم]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ مسجد (نبوی) کے آس پاس کچھ جگہیں خالی ہوئیں تو (قبیلہ) بنوسلمہ نے چاہا کہ مسجد کے قریب منتقل ہو جائیں۔اس کی خبر آپﷺ کو پہنچی، تو آپﷺ نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ لوگ مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو۔انہوں نے کہا کہ جی ہاں! یا رسول اللہ! ہم اس کا ارادہ کر چکے ہیں۔ (یہ سن کر) آپﷺ نے فرمایا: اے بنی سلمہ! اپنے مکانوں میں ہی رہو (مسجد کے قریب منتقل نہ ہو) تمہارے (قدموں کے) نشان لکھے جاتے ہیں، اپنے مکانوں میں رہو تمہارے نشان لکھے جاتے ہیں۔ (مسلم)

سات شخص عرش کے سایہ میں ہوں گے:

٦٤٨۔وعن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ :سبعةٌ یُظِلُّهم اللهُ فی ظلّه یوم لا ظِلَّ إلّا ظِلُّه: إمامٌ عادلٌ وشابٌّ نشأ فی عبادةِ الله ورجلٌ قلبُه مُعلّقٌ بالمسجدِ اذاخرجَ منه حتیّٰ یعودَ الیه ورجلان تحابّافی الله اجتمعاعلیه وتفرّقاعلیه ورجلٌ ذکرَ اللهَ خالیًاففاضتْ عیناه ورجلٌ دعتْه امرأةٌ ذاتُ حسبٍ وجمالٍ ،فقال: إنّی أخافُ اللهَ ورجلٌ تصدّقَ بصدقةٍ فأخفاها حتیّٰ لاتعلمَ شمالُه ماتُنفقُ یمینُه.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ سات (قسم کے) شخص ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے (عرش کے) سایہ میں رکھے گا جس دن اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا: (وہ سات شخص یہ ہیں) عادل بادشاہ، وہ جوان جو جوانی میں اللہ کی عبادت کرے اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا ہو جب وہ مسجد سے نکل جاتا ہے یہاں تک کہ واپس مسجد آجائے اور وہ دو آدمی جو اللہ واسطے آپس میں محبت کریں، اسی پر اکٹھے ہوں اور اسی پر جدا ہوں اور وہ شخص جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں، اور وہ شخص جس کو (اچھے) حسب ونسب اور حسن وجمال والی عورت (گناہ کی) دعوت دے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو ایسے خفیہ طریقہ سے صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ داہنا ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔ (متفق علیہ)

مسجد میں نماز باجماعت کا ثواب:

٦٤٩۔وعنه قال: قال رسولُ اللهﷺ :صلوٰةُ الرجلِ في الجماعةِ تُضعّفُ علىٰ صلوٰته في بيتهٖ وفي سُوقِه خمسًا وعشرين ضِعفًا وذلك أنّه اذاتوضّأ فأحسنَ الوُضوءَ ثمّ خرجَ الى المسجدِ لايُخرِجُه الّا الصلوٰةُ لم يخطُ خُطوةً الّا رُفِعتْ له بها درجةٌ وحُطّ عنه بها خطيئةٌ فاذاصلّٰى لم تزلِ الملائكةُ تُصلّي عليه مادامَ في مُصلّاه:"اللّٰهمّ صلِّ عليه ،اللّٰهمّ ارحمه" ولايزالُ أحدُكم في صلوٰةٍ ماانتظرالصلوٰةَ .وفي روايةٍ:قال: اذادخلَ المسجدَ كانتِ الصلوٰةُ تحبسُه وزادَ في دعاء الملائكةِ :"اللّٰهمّ اغفرله ،اللّٰهمّ تُب عليه"مالمْ يُوذِ فيه ،مالم يُحدِثْ فيه.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ آدمی کی نماز اُس نماز سے جو گھر میں یا بازار میں (تنہا) پڑھی جائے، پچیس گنا (زیادہ) فضیلت رکھتی ہے۔اور یہ اس لیے کہ آدمی جب وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مسجد کی طرف صرف اور صرف نماز ہی کی غرض سے نکلتا ہے،تو وہ جو بھی قدم اٹھاتا ہے اس کے بدلہ میں اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے، پھر جب وہ نماز پڑھ لیتا ہے تو جب تک وہ نماز پڑھنے کی جگہ میں بیٹھا رہتا ہے ملائکہ اس کے لیے دعا کرتے ہیں کہ ''اے اللہ! اس پر رحمت بھیج ،اے اللہ اس پر رحم فرما'' اور تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک نماز میں ہوتا ہے جب تک وہ نماز کا انتظار کرتا ہے۔اور ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ شخص جب مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اور مسجد میں اس کو صرف نماز نے روکے رکھا ہو۔(راوی نے ملائکہ کی دعا میں یہ اضافہ کیا ہے) کہ ''اے اللہ تو اس کو بخش دے،اس کی توبہ قبول فرما'' (یہ دعائیں اس وقت تک ہوتی ہیں) جب تک وہ مسجد میں (دوسروں) کو تکلیف نہ پہنچائے یا بے وضو نہ ہو۔(متفق علیہ)

مسجد میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کی دعا:

٦٥٠۔وعن أبي أُسيدٍؓ قال:قال رسولُ اللهﷺ :إذا دخلَ أحدُكم المسجدَفليقُلْ:" اللّٰهمّ افتح لي أبوابَ رحمتِكَ" واذاخرجَ فليَقُلْ :"اللّٰهمّ اِنّي أسئلُك مِن فضلك".[مسلم]

ترجمہ:حضرت ابو اسیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو،تو اسے یہ کہنا چاہیے کہ ''اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے'' اور جب مسجد سے نکلے تو چاہیے کہ یہ کہے کہ ''اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں''۔

صلاۃِ تحیۃ المسجد مستحب ہے نہ کہ واجب:

٦٥١۔وعن أبي قتادةؓ أنّ رسول اللهﷺ قال :إذا دخل أحدُكم المسجدفليركع ركعتين قبلَ أن يَجلِسَ.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت (نماز) پڑھ لے۔(متفق علیہ)

تشریح: قوله: إذا دخل أحدُكم المسجدَ فليركع ركعتين قبل أن يجلسَ: ۔اس ارشادِ گرامی میں صلاۃِ تحیۃ المسجد کا ذکر ہے، چونکہ "فليركعْ" صیغۂ امر کے ساتھ اس کا ذکر ہے اس لیے اہلِ ظاہر اس کے وجوب کے قائل ہوئے ہیں۔

جبکہ جمہور ائمہ مجتہدین کے بقول تحیۃ المسجد کی نماز مستحب ہے۔ یہ حضرات زید بن اسلمؒ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:
"قال کان أصحابُ رسولِ الله ﷺ يَدخلُو ن المسجدَ ثم يخرجُون ولا يُصَلُّون." (ابن ابی شیبہ) اس حدیث میں اکثر صحابہ کا عمل ذکر کیا جارہا ہے کہ وہ مسجد میں آتے جاتے تھے، لیکن تحیۃ المسجد نہیں پڑھتے تھے۔ لہٰذا اس حدیث کے قرینہ سے مذکورہ زیر بحث حدیث میں "فلیرکع" کے امر کو استحباب پر محمول کیا جائے گا۔

مکروہ اوقات میں تحیۃ المسجد پڑھنے کا مسئلہ:

یہاں یہ اختلاف بھی ہوا ہے کہ تحیۃ المسجد مکروہ اوقات میں بھی پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے ہاں مکروہ اوقات میں بھی اس کا پڑھنا جائز ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مکروہ اوقات میں تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ اوقاتِ مکروہہ میں نماز پڑھنے کے حوالے سے وارد شدہ نہی عام ہے جو ہر ہر نماز کو شامل ہے خواہ وہ فرض ہو یا نفل، ادا ہو یا قضا۔ (فحات، مرآۃ)

سفر سے واپسی پر سب سے پہلے مسجد جانا:

٦٥٢۔وعن كعب بن مالكٍؓ قال: كان النبيّ ﷺ لا يقدمُ من سفرٍ إلّا نهاراً في الضُّحى فإذا قدِمَ بدأ بالمسجدِ فصلّى فيه ركعتين ثمّ جلسَ فيه.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ سفر سے دن میں چاشت کے وقت تشریف لاتے، جب تشریف لے آتے تو پہلے مسجد جاتے، اس میں دو رکعت پڑھتے اور (تھوڑی دیر کے لیے) اس میں بیٹھ جاتے۔ (متفق علیہ)

مساجد میں گمشدہ اشیاء کا اعلان نہ کیا جائے:

٦٥٣۔عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: مَن سمِعَ رجلاً يُنشِدُ ضالةً في المسجد فليَقُلْ: "لا ردّها اللهُ عليك" فإنّ المساجدَ لم تُبنَ لهذا.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کسی شخص کو سنے کہ مسجد میں گمشدہ چیز کی تلاش (یعنی تشہیر واعلان) کر رہا ہے، تو اُس (سننے والے) کو چاہیے کہ یہ کہے: اللہ کرے کہ تجھے تیری گمشدہ چیز نہ ملے۔ کیونکہ مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئیں۔

بدبودار چیز کھا کر مسجد میں نہیں آنا چاہیے:

٦٥٤۔وعن جابرؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن أكَلَ مِن هذه الشجرةِ المُنتِنَةِ فلا يَقرَبَنَّ مسجدَنا فإنّ الملائكةَ تتأذّى ممّا يتأذّى منه الإنسُ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس بدبودار درخت (پیاز، لہسن وغیرہ) میں سے کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب بھی نہ آئے، کیونکہ ملائکہ کو بھی اُن چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جن سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ (متفق علیہ)

مسجد کے اندر تھوکنا برا عمل ہے:

٦٥٥۔وعن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: البُزاقُ في المسجدِ خطيئةٌ وكفّارتُها دَفنُها.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسجد میں تھوکنا خطا ہے اور اس کا کفارہ اُس کو دفن کرنا ہے۔ (متفق علیہ)

٦٥٦۔وعن أبی ذرؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ :عُرِضتُ عليَّ أعمالُ أمّتي حَسَنُها وسَيّئُها فوجدتُ في محاسنِ أعمالِها الأذى يُمَاطُ عن الطريقِ، ووجدتُ في مَساوي أعمالِها النُّخاعةُ تكونُ في المسجدِ لاتُدْفَنُ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے سامنے میری امت کے اچھے برے اعمال پیش کیے گئے تو میں نے امت کے اچھے اعمال میں تکلیف دہ چیز کو راستہ سے ہٹایا جانا بھی پایا اور برے اعمال میں مسجد کے اندر تھوکنے کو پایا، جسے دفن نہ کیا جائے۔ (مسلم)

نماز میں سامنے اور دائیں نہ تھوکا جائے:

٦٥٧۔ وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ :إذا قامَ أحدُكم إلى الصلاةِ فلا يَبصُقْ أمامَه فإنّما يُناجي اللهَ مادامَ في مصلّاه ولا عن يمينه فإنّ عن يمينهِ مَلَكًا وليَبصُقْ عن يساره أو تحتَ قدمِه فيدفنُها. وفي روايةِ أبي سعيد :تحتَ قدمِه اليُسرى.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے، کیونکہ وہ اللہ سے سرگوشی کر رہا ہے اور اپنے دائیں بھی نہ تھوکے، اس لیے کہ دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے، (بلکہ) اسے چاہیے کہ بائیں طرف یا اپنے قدموں کے نیچے تھوک دے اور اس کو دفن کردے۔ اور ابوسعید کی روایت میں وارد ہے کہ اپنے بائیں قدم کے نیچے (تھوکے)۔ (متفق علیہ)

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر لعنت:

٦٥٨۔وعن عائشةؓ أنّ رسولَ اللہ ﷺ قال في مَرَضِه الّذي لم يقُمْ منه: لَعَنَ اللهُ اليهودَ والنصارىٰ اتّخذُوا قبورَ أنبيائهم مساجدَ، ألا فلا تتّخذوا القُبورَ مساجدَ إنّي أنهاكُم عن ذلك. [مسلم]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس بیماری (یعنی مرض الموت) میں جس سے آپ ﷺ اٹھ نہ سکے، فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (متفق علیہ)

٦٥٩۔وعن جندبؓ قال: سمعتُ النبيَّ ﷺ يقولُ :ألا! وإنّ مَن كانَ قبلَكم كانوا يتّخِذُون قبورَ أنبيائهم وصالحِيهم مساجدَ، ألا! فلا تتّخذوا القُبورَ مساجدَ إنّي أنهاكُم عن ذلك. [مسلم]

ترجمہ: حضرت جندبؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ باخبر رہو! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا کرتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا، میں تمہیں اس سے روکتا ہوں۔ (مسلم)

نفل نمازیں گھروں میں پڑھنے کا حکم:

٦٦٠۔وعن ابن عمرؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ :اجعلُوا في بيوتِكم مِن صلوٰتِكم ولا تتّخِذُوها قبورا. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو اور گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ (متفق علیہ)

''الفصل الثانی''

٦٦١۔عن أبی هریرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ :ما بین المشرقِ والمغربِ قبلةٌ.[ترمذی]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔(ترمذی)

تشریح:اس حدیث کا تعلق مدینہ منورہ سے ہے، کیونکہ مدینہ سے قبلہ جنوب میں واقع ہے۔نیز اس حدیث کا تعلق اُن تمام اطراف سے ہے جن کا قبلہ جنوب میں واقع ہے،لہذا اس اعتبار سے ان اطراف کے لوگوں کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہوگا۔

گرجا ڈھا کر مسجد بنانا:

٦٦٢۔وعن طلقِ بن علیؓ قال: خرجنا وفدًا إلیٰ رسول اللهﷺ فبایعناه وصلّینا معَه وأخبرناه أنّ بأرضِنا بیعةً لنا فاستوهَبْناه مِن فضلِ طُهورِهٖ فدعا بماءٍ فتوضّأ وتمضمضَ ثمّ صبّه لنا فی إداوةٍ وأمرنافقال: اُخرُجوا،فاذاأتیتم أرضَکم فاکسِرُوا بیعتَکم وانضحُوا مکانها بهذاالماءِ واتّخِذوها مسجدًا قلنا:انّ البلدَ بعیدٌ والحرَّ شدیدٌ والماءَ یُنْشفُ ،فقال: مُدُّوه مِن الماءِ فانّه لایزیدهُ الاّ طِیبًا.[نسائی]

ترجمہ:حضرت طلق بن علیؓ کہتے ہیں کہ ہم وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں ،ہم نے آپ ﷺ کی بیعت کی اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ ﷺ کو بتایا کہ ہمارے علاقہ میں ہمارا ایک گرجا ہے(اس کا کیا کریں؟) پھر ہم نے آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا، چنانچہ آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور وضو کیا اور(وضو کے بعد) کلی کی پھر اس کو ہمارے لیے ایک چھاگل میں ڈال دیا اور ہم کو حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ جاؤ! پس جب اپنے علاقے میں پہنچ جاؤ، تو اپنا گرجا توڑ ڈالو اور اس جگہ پر یہ پانی چھڑک دو اور اس جگہ کو مسجد بنالو، ہم نے عرض کیا کہ(ہمارا) شہر دور ہے اور گرمی سخت ہے اور پانی خشک ہو جاتا ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا اس میں پانی بڑھاتے جانا،اس لیے کہ وہ پانی اس کی برکت میں اضافہ ہی کرے گا۔(نسائی)

گھر کی مسجد:

٦٦٣۔وعن عائشةؓ قالت: أمرَ رسولُ اللهﷺ ببناءِ المسجدِ فی الدُورِ،وأن یُنظّفَ ویُطیّبَ.[أبوداؤد]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھروں میں مسجد بنانے کا اور اُس کو پاک صاف رکھنے کا حکم دیا۔(ابوداؤد)

تشیید مساجد کی مذمت:

٦٦٤۔وعن ابن عباسٍؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ :ما اُمِرتُ بتشیید المساجدِ،قال ابنُ عباسؓ :لَتُزَخرِفُنّها کمازخرفتِ الیهودُ والنصاریٰ.[أبوداؤد]

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے مساجد کے بلند کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ

تم مساجد کو ایسے ہی آراستہ کرو گے جیسا کہ یہود ونصاریٰ (مساجد کو) آراستہ کیا کرتے تھے۔(ابوداؤد)

تشریح: قوله: ما أُمِرتُ بتشييدِ المساجد.....:۔[تشييد] کا معنیٰ ہے عمارت کو مضبوط، بلند وبالا بنانا اور آراستہ کرنا۔ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ مجھے وجوبی طور پر تشیید مساجد کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ مسجد نبوی کی تعمیر، تزیین اور توسیع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کوئی بھی ان پر نکیر نہیں کرتا۔ اسی بنا پر جمہور علماء کے ہاں مساجد کی تشیید جائز ہے۔ البتہ مسجد میں ایسی تزیین وآرائش نہ کی جائے جس کی طرف نماز میں توجہ بھٹکے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔ ایسے ہی فخر وریا کے طور پر مساجد کی تزیین وآرائش کرنا بھی مکروہ ہے۔ زیر بحث حدیث اگر تشیید مساجد کی مذمت پر محمول ہو، تو ان دو صورتوں پر محمول ہے۔

٦٦٥۔وعن أنسؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إنّ مِن أشراطِ الساعةِ أن يتباهَى النّاسُ في المساجد .

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ مسجدوں (کی آرائش وزیبائش) کے بارے میں فخر ومباہات کریں گے۔(ابوداؤد، نسائی، دارمی)

٦٦٦۔وعنه قالَ: قال رسول الله ﷺ :عُرِضتُ عليّ أجورُ أمّتي حتّى القذاةِ يُخرجُها الرجلُ من المسجدِ وعُرِضتُ عليّ ذُنوبُ أمّتي فلمْ أرَ ذنبًا أعظمَ مِن سورةٍ من القرآن أو آيةٍ أُوتِيهارجلٌ ثمّ نسِيها.[ترمذی،أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر میری امت کے ثواب پیش کیے گئے، یہاں تک کہ اس کوڑا کرکٹ (کا ثواب) بھی جسے آدمی مسجد سے نکالتا ہے اور میری امت کے گناہ بھی مجھ پر پیش کیے گئے، پس میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ قرآن کی کوئی سورت یا آیت کسی شخص کو دی گئی ہو (یعنی یاد ہو) پھر وہ اُسے بھول جائے۔(ترمذی، ابوداؤد)

اندھیروں میں مسجد جانیوالوں کی فضیلت:

٦٦٧۔وعن بُريدةؓ قال: قال رسول الله ﷺ :بشِّرِ المَشّائِينَ في الظُّلَمِ إلى المساجدِ بالنّور التّامِ يومَ القيامة.

ترجمہ: حضرت بُریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اندھیروں میں مسجدوں کی طرف (بکثرت) جانے والوں کو قیامت کے دن پورے نور کی خوشخبری دے دو۔(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

٦٦٨۔وعن أبي سعيد الخدريؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إذا رأيتم الرجلَ يتعاهَدُ المسجدَ فاشْهَدُوا له بالايمان فإنّ الله يقولُ: "إنّما يعمرُ مساجد الله من امنَ بالله واليومِ الآخر".[ترمذی ،ابن ماجة،دارمی]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو مسجد کی خبر گیری کرتے دیکھو، تو اس کے ایمان کی گواہی دو، اس لیے کہ اللہ فرماتا ہے کہ "إنّما يعمرُ مساجد الله من امنَ بالله واليومِ الآخر." (ترجمہ) ''اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا''۔(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

مسجد میں جماعت کے انتظار میں بیٹھنے کی فضیلت:

٦٦٩۔وعن عثمان بن مظعونؓ قال: يا رسولَ الله! ائذَنْ لنا في الاختصاءِ، فقالَ رسول الله ﷺ: ليس مِنّا مَنْ خصى

ولااختصی ،اِنّ خصاءَ اُمّتی الصیامُ ،فقال:ائذنْ لنا فی السّیاحۃِ ،قال:اِنّ سیاحۃَ اُمّتی الجھادُ فی سبیلِ اللہ،فقال: ائذن لنافی الترھُّبِ ،فقال: اِنّ ترھبَ اُمّتی الجلوسُ فی المساجدِ اِنتظارًا للصلوٰۃ .[شرح السنۃ]

ترجمہ:حضرت عثمان بن مظعونؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمیں خصی ہونے (قوت مردمی ختم کرنے) کی اجازت دیجئے (تاکہ زنا میں ابتلا نہ ہو) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں جو خصی کرے یا خود خصی ہو، میری امت کا خصی ہونا روزہ رکھنا ہے (کہ روزہ رکھنے سے شہوت کا زور ٹوٹ جاتا ہے) عثمانؓ نے پھر کہا کہ ہمیں سیر و سیاحت کی اجازت دیجئے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی سیاحت اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے۔پھر حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ ہمیں راہب بننے کی اجازت دیجئے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا راہب بننا مسجدوں میں نماز (باجماعت) کے انتظار میں بیٹھنا ہے۔(رواہ فی شرح السنۃ)

خواب میں آنحضرت کی اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی:

۶۷۰۔وعن عبد الرحمٰن بن عائشٍؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ :رأیتُ ربّی عزّ وجلّ فی أحسنِ صورۃٍ قال: فیمَ یختصمُ الملأُ الأعلیٰ ؟قلتُ :أنتَ أعلمُ ،قال: فوضعَ کفّہ بین کتِفَیَّ فوجدتُ بردَھا بین ثدیَیّ فعلمتُ مافی السمٰوٰت والأرضِ وتلا:" وکذلک نُری إبراھیمَ مَلَکوتَ السمٰوٰتِ والأرضِ لِیَکُونَ مِن المؤقنینَ".[رواہ الدرمی مرسلا]وللترمذی نحوہ عنہ وعن ابن عباس ومعاذبن جبلٍ وزادَ فیہ قال: یامحمد! ھلْ تدرِی فیمَ یختصمُ الملأُ الأعلیٰ ؟قلتُ :نعم! فی الکفّارات ،والکفّاراتُ المکثُ فی المساجدِ بعدَ الصلوٰت والمشیُ علی الأقدامِ الی الجماعاتِ وإبلاغُ الوُضوءِ فی المکارہِ فمَنْ فعلَ ذلک عاشَ بخیرٍ ومات بخیرٍ وکان مِن خطیئتِہ کیومٍ ولدَتْہ أُمُّہ،وقال: یامحمد!اذاصلّیتَ،فقُلْ:اللّھمّ اِنّی أسألُک فِعلَ الخیراتِ وترکَ المنکَرات وحُبَّ المساکین فاذاأردتَّ بعبادِک فتنۃً فاقبِضْنی الیک غیرَ مفتونٍ ،قال: والدرجاتُ اِفشاءُ السلامِ واِطعامُ الطعامِ والصلوٰۃُ باللیلِ والناسُ نیامٌ .[ولفظُ ھذاالحدیث کمافی المصابیح لم أجدہ عن عبدالرحمٰن الاّ فی شرحِ السنّۃِ]

ترجمہ:حضرت عبدالرحمٰن بن عائشؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار عزّ وجلّ کو بہترین صورت میں دیکھا۔اس نے (مجھ سے) پوچھا کہ ملأ اعلیٰ (یعنی عالم بالا) کے فرشتے کس بارے میں بحث ومباحثہ کررہے ہیں۔میں نے عرض کیا: (اے اللہ!) تو ہی بہتر جانتا ہے۔آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے مونڈھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ کے درمیان محسوس کی اور (اس کی برکت سے) میں آسمانوں اور زمین کی ہر بات جان گیا۔اور آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:"وکذلک نُری إبراھیمَ مَلکُوتَ السمٰوٰتِ والأرضِ لِیکونَ مِن المُوقنینَ". (ترجمہ) ''اور اس طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھائی تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوجائے''۔(دارمی) اور ترمذی نے عبدالرحمٰن بن عائشؓ سے ایسا ہی روایت کیا ہے، نیز ابن عباسؓ اور معاذ بن جبلؓ سے بھی روایت کی ہے، جس میں یہ اضافہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد! کیا تو جانتا ہے کہ ملأ اعلیٰ (کے فرشتے) کس بارے میں بحث کررہے ہیں؟ (آپ ﷺ فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ ہاں! کفارات کے بارے میں (بحث کررہے ہیں) اور کفارات (یہ) ہیں: مسجدوں میں نمازوں کے بعد ٹھہرنا اور جماعت کی نمازوں کے لیے پیادہ چلنا اور ناگواری کے اوقات میں پورا وضو کرنا، جس نے ایسا کیا وہ بھلائی کے ساتھ جیے گا اور بھلائی کے ساتھ مرے گا اور گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہوجائے گا جس دن

ماں نے اس کو جنا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! جب نماز پڑھ چکو تو یہ پڑھا کرو: ''اللھمّ إنّی أسئلك فعلَ الخیرات ...'' الخ

ترجمہ: ''اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے چھوڑنے اور مساکین کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور (اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ) جب تو بندوں کو گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو مجھے بغیر گمراہ کیے اٹھالینا''۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ درجات (کی بلندی والے اعمال) یہ ہیں: سلام پھیلانا، کھانا کھلانا اور رات کو اس وقت نماز (تہجد) پڑھنا جب کہ لوگ سور ہے ہوں۔ (شرح السنۃ)

تین شخص اللہ کی ضمان میں:

٦٧١۔ وعن أبی أمامةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: ثلثةٌ کلُّهم ضامنٌ علی الله: رجلٌ خرج غازیاً فی سبیلِ الله فهو ضامنٌ علی الله حتیّ یتوفّاه فیُدْخِله الجنّةَ أو یَرُدَّه بمانالَ مِن أجرٍ وغنیمةٍ ورجلٌ راحَ الی المسجدِ فهو ضامنٌ علی الله ورجلٌ دخلَ بیته بسلامٍ فهو ضامنٌ علی الله.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تین (قسم کے) شخص ایسے ہیں جو سب کے سب اللہ کے ضمان (ذمہ داری) میں ہیں (یعنی اللہ ان کو دنیوی اور اخروی آفات سے بچائے گا) ایک وہ شخص جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے نکلا وہ اللہ کی ذمہ داری میں ہے، یہاں تک کہ اللہ اس کو موت دے کر جنت میں داخل فرما دے یا اس کو اجر یا غنیمت حاصل کرنے کے ساتھ (گھر) واپس لوٹا دے اور ایک وہ شخص جو (نماز پڑھنے کے لیے) مسجد جائے، وہ بھی اللہ کی ذمہ داری میں ہے اور ایک وہ شخص جو اپنے گھر میں سلام کے ساتھ داخل ہو، وہ بھی اللہ کے ضمان میں ہے۔ (ابوداود)

گھر سے باوضو ہو کر نماز کے لیے جانے کا ثواب:

٦٧٢۔ وعنه قال: قال رسول اللهﷺ: من خرجَ من بیتِه متطهّراً إلیٰ صلوٰةٍ مکتوبةٍ فأجرُه کأجرِ الحاجّ المُحرِمِ ومَن خرجَ الیٰ تسبیحِ الضّحیٰ لایُنصِبُه الّا إیّاه فأجرُه کأجرِ المعتمرِ وصلوٰةٌ علیٰ إثرِ صلوٰةٍ لالغوَ بینهما کتابٌ فی عِلّیّین.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے گھر سے باوضو ہو کر (مسجد میں جماعت کے ساتھ) فرض نماز پڑھنے کے لیے نکلے، اس کو ایسا اجر ملے گا جیسا کہ احرام باندھے ہوئے حاجی کو ملتا ہے اور جو شخص چاشت کی تسبیح یعنی نفل پڑھنے گھر سے نکلا، اس کو صرف اسی بات (چاشت کی نماز) نے مشقت میں ڈالا ہو، تو اس کا اجر ایسا ہے جیسا کہ عمرہ کرنے والے کا اجر اور ایک نماز کے بعد (دوسری) نماز پڑھنا اس طرح کہ دونوں نمازوں کے درمیان کوئی بے ہودہ بات نہ ہو (ایسا عمل ہے جو) علیین میں لکھا جاتا ہے۔ (احمد)

مساجد جنت کے باغ ہیں:

٦٧٣۔ وعن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إذا مررتم بریاضِ الجنّة فارتَعُوا، قیلَ: یا رسولَ الله! وما ریاضُ الجنّة؟ قال: المساجدُ، قیل: وما الرّتعُ؟ یارسولَ الله! قال: ''سبحان الله، الحمد لله، لا إله إلّا الله، الله أکبر''.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں پر سے گزرو تو (اس میں) خوب چرو۔ پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! جنت کے باغات کیا ہیں؟ فرمایا کہ مسجدیں۔ (پھر) پوچھا گیا کہ (اس میں) چرنا کیا ہے؟ یارسول اللہ! آپﷺ نے

فرمایا کہ سبحان الله ،الحمد لله ،لا إله إلّا الله ، الله أكبر (کہنا)۔(ترمذی)

٦٧٤۔وعنه قال: قال رسولُ اللهﷺ :مَن أتىٰ المسجدَ لشئٍ فهو حظُّه .[أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جس چیز کے لیے مسجد آئے وہی اس کا نصیب (حصہ) ہے۔

٦٧٥۔وعن فاطمة بنت الحسين عن جدّتها فاطمةَ الكُبرىٰ قالت:كان النبيﷺ اذا دخل المسجدَ صلّى علىٰ محمدٍ وسلّم وقال:"اللّهمّ اغفرلي ذُنوبي وافتحْ لي أبوابَ رحمتك"واذاخرجَ صلّى علىٰ محمد وقال: "ربِّ اغفرلي ذنوبي وافتح لي أبوابَ فضلِك".[رواه الترمذي،وأحمدوابن ماجة]وفي روايتها:قلتُ:اذادخلَ المسجدَ و كذااذاخرجَ قال:"بسم الله والسلامُ علىٰ رسول الله " بدلَ "صلّى علىٰ محمد وسلّم" .وقال الترمذي:ليس اسنادُه بمتصلٍ وفاطمة بنتُ الحُسين لم تُدرِك فاطمةَ الكُبرىٰ.

ترجمہ:فاطمہ بنت حسین اپنی دادی فاطمہ کبریٰ سے روایت کرتی ہیں کہ نبی پاکﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو محمد (اپنے آپ) پر درود وسلام بھیجتے اور (یہ دعا) کہتے کہ "اللّهمّ اغفرلي ذنوبي وافتح لي أبوابَ رحمتك. " ترجمہ:" اے اللہ! میرے گناہوں کو بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے"۔اور جب مسجد سے باہر نکلتے تو محمد (ﷺ) پر درود وسلام بھیجتے اور (یہ دعا) کہتے:"رب اغفرلي ذنوبي وافتح لي أبوابَ فضلك. " ترجمہ:" اے میرے پروردگار! میرے گناہوں کو بخش دے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے"۔(ترمذی،احمد،ابن ماجہ)اور احمد وابن ماجہ کی روایت میں حضرت فاطمہ کا یہ قول مذکور ہے کہ آپﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے اور اسی طرح جب مسجد سے نکلتے تو بجائے "صلِّ علىٰ محمد وسلّم" کے "بسم الله والسلام علىٰ رسول الله " کہتے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے اور فاطمہ بنت الحسین نے فاطمہ زہراءؓ کا زمانہ نہیں پایا۔

تشریح:قولها:إذا دخل المسجد صلّى علىٰ محمد:۔ آپﷺ نے اس طور پر درود کے الفاظ امت کی تعلیم کے لیے ارشاد فرمائے۔

مسجد کے اندر ممنوع کام:

٦٧٦۔عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه قال: نهىٰ رسولُ اللهﷺ عن تَناشُدِ الأشعار في المسجدِ وعن البيع والاشتراء فيه وأن يتحلّقَ النّاسُ يومَ الجمعةِ قبلَ الصلوٰةِ في المسجد.[أبو داؤد،ترمذی]

ترجمہ:عمرو بن شعیب اپنے والد سے،وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمروؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے مسجد میں اشعار پڑھنے اور خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا اور (اس سے بھی منع فرمایا کہ) جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے لوگ مسجد میں حلقے بنائیں۔

تشریح:مسجد میں خرید وفروخت مکروہ ہے کیونکہ مسجد خرید وفروخت کے لیے نہیں بنائی گئی۔البتہ ضرورت کے وقت معتکف کو اجازت ہے کہ سامانِ تجارت مسجد میں لائے بغیر خرید وفروخت کرے۔اور اشعار کی ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ خلافِ شرع اور بیہودہ ولایعنی مضامین پر مشتمل ہو۔اور جمعہ سے پہلے حلقہ جما کر بیٹھنے کی ممانعت کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ نمازیوں کی ہیئتِ اجتماعی کے خلاف ہے۔اور یا اس کا تعلق خاص خطبہ کے ساتھ ہے یعنی جب امام خطبہ دینا شروع کرے تو حلقے نہ باندھے کہ اس صورت میں خطبہ کی طرف توجہ نہ ہوگی۔

۶۷۷۔وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: إذا رأيتم مَنْ يبيعُ أو يبتاعُ فی المسجد فقولوا:لاأربحَ اللهُ تجارتَكَ واذارأيتُم مَن يُنشِدُ فيه ضالّةً فقولوا:لاردّاللهُ عليك.[ترمذی ،دارمی]

ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:جب تم مسجد میں کسی کوخرید وفروخت کرتے دیکھو،تو کہو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔اور جب مسجد میں کسی کوگمشدہ چیز تلاش کرتے دیکھو،تو کہو کہ اللہ تجھے(تیری چیز)واپس نہ دے۔(ترمذی،دارمی)

۶۷۸۔وعن حکیم بن حزامؓ قال: نهیٰ رسول اللهﷺ أن يُستَقَادَ فی المسجد وأن يُنشدَ فيه الأشعارُوأنْ تُقامَ فيه الحُدودُ.

[رواه أبوداؤد فی سننهٖ وصاحبُ جامعِ الأُصولِ فيه وفی المصابيح عن جابر]

ترجمہ:حضرت حکیم بن حزامؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے مسجد کے اندر قصاص لینے سے اوراس میں اشعار پڑھنے سے اور(جرائم پر) حدود قائم کرنے سے منع فرمایا۔(ابوداؤد)

۶۷۹۔وعن معاوية بن قُرّةَعن أبيه: أنّ رسولَ الله ﷺ نهیٰ عن هاتين الشجرتين ،يعنی البصلَ والثومَ وقال: مَن أكلهما فليقربَنّ مسجدَناوقال:اِن كنتم لابُدّ اٰكِليهمافأميتوهماطَبْخًا. [أبوداؤد]

ترجمہ:حضرت معاویہ بن قرۃؓ اپنے والد سے روایت کرتا ہے کہ رسول اللہﷺ نے ان دو درختوں یعنی پیاز اورلہسن (کے کھانے سے) منع کیا اورفرمایا کہ جوشخص اس کوکھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے اورفرمایا کہ اگرتم نے ضرور اسے کھانا ہوتوپکا کراس کی بودور کردو۔(ابوداؤد)

وہ جگہیں جہاں نماز پڑھنا ٹھیک نہیں:

۶۸۰۔وعن أبی سعيدؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: الأرضُ كلُّها مسجدٌ إلّا المَقْبُرةَ والحمّامَ.[أبوداؤد،ترمذی،دارمی]

ترجمہ:حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:قبرستان اورحمام(غسل خانہ) کے علاوہ ساری زمین (نماز پڑھنے کے حوالے سے) مسجد(کے حکم میں) ہے۔(ابوداؤد،ترمذی،دارمی)

۶۸۱۔وعن ابن عمرؓ قال: نهیٰ رسول اللهﷺ أن يُصلّی فی سبعةِ مواطن: فی المَزْبَلَةِ والمَجْزَرَةِ والمَقْبرةِ وقارعةِ الطريقِ وفی الحمّامِ وفی مَعاطنِ الإبلِ وفوقَ ظهرِ بيتِ الله.[ترمذی ،ابن ماجة]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا:کوڑا خانہ میں،جانور ذبح کیے جانے کی جگہ میں،قبرستان میں،راستہ کے بیچ میں،حمام کے اندر،اونٹوں کے باندھنے کی جگہوں میں اور بیت اللہ کی چھت پر۔(ترمذی،ابن ماجہ)

۶۸۲۔عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ :صلُّوافی مَرابضِ الغنمِ، ولا تُصلُّوا فی أعطانِ الإبلِ .[ترمذی]

ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ بکریوں کے باندھنے کی جگہ میں نماز پڑھو(بشرطیکہ پاک ہو)اور اونٹوں کے باندھنے کی جگہ میں نماز مت پڑھو۔(ترمذی)

قبروں پرسجدہ کرنااورچراغاں کرناباعث لعنت ہے:

۶۸۳۔وعن ابن عباسؓ قال:لعنَ رسولُ اللهﷺ زائراتِ القبورِ والمُتّخِذِينَ عليها المَساجدَ والسُّرجَ .

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر سجدہ گاہیں بنانے والوں اور چراغ روشن کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔ (ابوداوٗد، ترمذی، نسائی)

٦٨٤۔وعن أبي أمامةؓ قال: إنَّ حِبراً من اليهودِ سألَ النبيَّ ﷺ: أيُّ البِقاعِ خيرٌ ،فسكتَ عنه وقال:أسكُتُ حتىّ يجيءُ جبريلفسكتَ وجاءَ جبريل عليه السلامُ فسألَ فقال: ماالمسئولُ عنهابأعلمَ مِن السائلِ ولكن أسألُ ربّي تباركَ وتعالىٰ ، ثمّ قال جبريل :يامحمد! إنّي دنوتُ مِن الله دُنُوًّا مادنوتُ منه قطُّ ،قال: وكيف كان؟ يا جبريل!قال:كان بيني وبينَه سبعونَ ألفَ حجابٍ مِن نورٍ،فقال: شرُّ البِقاعِ أسواقُهاوخيرالبِقاعِ مساجدُها.[ابن حِبّان في صحيحه عن ابن عمرؓ]

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ یہود کے ایک عالم نے نبی پاک ﷺ سے پوچھا کہ کونسی جگہ بہترین ہے؟ آپ ﷺ (جواب میں) خاموش رہے اور فرمایا کہ جبرئیلؑ کے آنے تک میں خاموش رہوں گا، چنانچہ آپ ﷺ خاموش رہے، (یہاں تک کہ) جبرئیلؑ آ گئے۔ آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ جس سے پوچھا جا رہا ہے، اس کو پوچھنے والے سے زیادہ علم نہیں، لیکن میں اپنے پروردگار تبارک وتعالیٰ سے پوچھتا ہوں، پھر جبرئیلؑ نے (دوبارہ آ کر) کہا کہ اے محمد! آج میں اللہ سے اتنا قریب ہوا کہ کبھی اتنا قریب نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اے جبرئیل! وہ کیسے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے اور اللہ کے درمیان ستر ہزار نور کے پردے (رہ گئے) تھے، (میرے سوال پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بدترین جگہیں بازار ہیں اور بہترین جگہیں مسجدیں ہیں۔ (ابن حبان)

''الفصل الثالث''

مسجد میں خیر کی بات سیکھنے والے کا مقام:

٦٨٥۔عن أبي هريرةؓ قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقولُ: من جاءَ مسجدي هذا لم يأتِ إلّالخيرٍ يتعلّمُه أوْيُعلّمُه فهو بمنزلةِ المُجاهدِ في سبيلِ الله ومَن جاءَ لغيرذلك فهوبمنزلةِ الرجلِ ينظرُ الىٰ متاعِ غيرِه.[ابن ماجة والبيهقي في شعب الايمان]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص میری اس مسجد میں خیر کی بات سیکھنے یا (دوسروں کو) سکھانے کی غرض سے آیا، وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کے ہم رُتبہ ہے۔ اور جو اس کے علاوہ (کسی فاسد) غرض سے آیا، تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو دوسرے کے مال ومتاع کو (حسرت بھری نگاہوں سے) دیکھتا ہے۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

مسجد میں دنیاوی باتوں کی مذمت:

٦٨٦۔وعن الحسنؒ مرسلاً قال: قال رسولُ الله ﷺ :يأتي على النّاسِ زمانٌ يكونُ حديثُهم في مساجدِهم في أمرِدنياهم فلاتُجالسُوهم فليسَ لله فيهم حاجةٌ.[بيهقي في شعب الايمان]

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر (ایک) ایسا زمانہ آئے گا کہ دنیاوی معاملات کے متعلق اُن کی باتیں مسجدوں میں ہوں گی، لہٰذا تم لوگ ان کے ساتھ مت بیٹھنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی کوئی حاجت نہیں۔ (بیہقی)

مسجد میں اونچی آواز میں بات کرنے کی مذمت:

٦٨٧۔وعن السائب بن يزيدؓ قال: كنتُ نائمًا في المسجدِ فحَصَبَنِي رجلٌ ،فنظرتُ، فإذًا هوعمرُ بن الخطابؓ فقال: اذهبْ فأتِني بهذينِ فجئتُه بهما فقال: مِمَّن أنتما ومِن أين أنتُما؟قالا:مِن أهلِ الطائف؛قال: لو كنتمامِن أهلِ المدينةِ لأوجعتكما ، ترفعَان أصواتكُمافي مسجدِ رسولِ اللهﷺ.[بخاری]

ترجمہ:حضرت سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں سو رہا تھا کہ کسی شخص نے مجھے کنکری ماری، میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطابؓ تھے،انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اور میرے پاس ان دو آدمیوں کو لے کر آؤ، چنانچہ میں اُن کو لے کر آ گیا۔حضرت عمرؓ نے اُن سے پوچھا کہ تم کس قبیلہ سے ہو؟ یا فرمایا کہ کہاں کے ہو؟ انہوں نے کہا کہ (ہم) طائف کے رہنے والوں میں سے ہیں۔حضرت عمرؓ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے باشندے ہوتے، تو میں تم کو تکلیف (سزا) دیتا۔تم رسول اللہﷺ کی مسجد میں (باتوں کے ساتھ) آوازوں کو بلند کرتے ہو۔(بخاری)

٦٨٨۔وعن مالكؒ قال بنىٰ عمرُ رَحْبةً في ناحيةِ المسجدِ تُسمّٰى البُطيحَاءَ وقالَ: مَن كانَ يُريدُ أن يَلغَطَ أويُنشِدَ شِعرًا أويرفعَ صوتَه فليَخرُج الىٰ هذه الرَّحْبةِ.[رواه في الموطّا]

ترجمہ:حضرت مالکؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مسجد کے ایک گوشے میں ایک چبوترہ بنوایا تھا جسے بُطیحاء کہا جاتا تھا اور (لوگوں سے) کہہ دیا تھا کہ جس نے باتیں کرنی ہو یا شعر کہنا ہو یا (باتوں کے ساتھ) آواز بلند کرنی ہو، تو وہ اس چبوترہ کی طرف نکلا کرے۔(مؤطا)

قبلہ کی جانب تھوکنے کی مذمت:

٦٨٩۔وعن أنسؓ قال: رأىٰ النبيﷺ نُخامةً في القبلةِ فشَقّ ذلك عليه حتىٰ رُئِيَ في وجهِه فقامَ فحكّه بيدِه فقال: إنّ أحدَكم اذاقامَ في الصلوٰةِ فإنّما يُناجي ربّه وإنّ ربّه بينه وبين القِبلةِ فلايبزُقَنّ أحدُكم قِبلَ قِبلته ولكن عن يسارِه أوتحتَ قدمِه ثمّ أخذطَرفَ ردائِه فبصقَ فيه ثمّ ردّ بعضَه علىٰ بعضٍ فقال:أو يفعلُ هكذا.[بخاری]

ترجمہ:حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاکﷺ نے قبلہ کی جانب (دیوار میں) رینٹھ (بلغم) دیکھی جو آپ (ﷺ) کو ناگوار گزرا، یہاں تک کہ آپﷺ کے چہرہ میں اس ناگواری کا اثر دکھائی دیا، چنانچہ آپﷺ نے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے اس کو کھرچا، پھر فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے اور تحقیق اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے، لہٰذا چاہیے کہ تم میں سے کوئی بھی قبلہ کی طرف نہ تھوکے، لیکن بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے (تھوکے) پھر آپﷺ نے اپنی چادر کا ایک کنارا لیا، اُس میں تھوکا، پھر آپس میں اس کو رگڑا اور فرمایا کہ یا اس طرح کرے۔(بخاری)

٦٩٠۔وعن السائب بن خلّادٍ وهو رجلٌ من أصحابِ النبيﷺ قال: إنّ رجلاً أمّ قومًا فبصقَ في القبلةِ ورسولُ اللهﷺ ينظرُ فقال رسولُ اللهﷺ لقومِه حينَ فرغَ :لا يُصَلّي لكم فأراد بعدَ ذلك أن يُصَلّيَ لهم فمنعُوه فأخبرُوه بقولِ رسولِ اللهﷺ ،فذكرَ ذلك لرسولِ اللهﷺ فقال: نعم! وحسِبتُ أنّه قال: إنّك قد آذيتَ اللهَ ورسولَه.

ترجمہ: حضرت سائب بن خلادؓ جو نبی پاک ﷺ کے صحابی ہیں کہتے ہیں کہ ایک شخص نے (کچھ) لوگوں کو امامت کرائی اور (دورانِ نماز) قبلہ کی جانب تھوکا، رسول اللہ ﷺ اس (منظر) کو دیکھ رہے تھے جب وہ نماز پڑھا چکا تو رسول اللہ ﷺ نے اُس کی اقتدا میں نماز پڑھنے والوں سے فرمایا: یہ شخص (آئندہ) تمہیں نماز نہ پڑھائے، اس کے بعد اُس شخص نے (دوبارہ) نماز پڑھانی چاہی، تو لوگوں نے اس کو منع کیا اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک کی خبر دی۔ اُس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! (یعنی میں نے لوگوں سے کہا ہے کہ تمہیں امام نہ بنائے) (راوی کہتا ہے کہ) میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تو نے اللہ اور اُس کے رسول کو تکلیف پہنچائی ہے۔ (ابوداؤد)

• آپ ﷺ کو خواب میں اللہ کی زیارت اور شرفِ ہم کلامی:

٦٩١۔وعن معاذ بن جبلٍؓ قال: احتبسَ عنّا رسولُ اللهِ ﷺ ذاتَ غداةٍ عن صلوٰة الصبحِ ،حتّیٰ كِدْنا نترای عَينَ الشمسِ فخرجَ سريعًا فثُوِّبَ بالصلوٰةِ فصلّی رسولُ اللهِ ﷺ وتجوّز في صلوٰته،فلمّاسلّم دعابصوته فقال لنا :علیٰ مَصَا فّكم كماأنتم ثمّ انفتلَ اليناثمّ قال: أمااِنّي أُحدِّثُكم ماحبَسَني عنكمُ الغداةَ ؟،اِنّي قمتُ مِن الليلِ فتوضّأتُ وصلّيتُ ماقُدِّرَ لي فنعِستُ في صلوٰتي حتّیٰ استثقلتُ فاذاأنابربيِّ تبارك وتعالیٰ في أحسنِ صورةٍفقال يامحمد! فقلتُ:لبّيك ربّي ،قال: فيمَ يختصمُ الملأُ الأعلیٰ ،قلتُ: لاأدري ،قالها ثلاثاًقال فرأيتُه وضعَ كفَّه بينَ كَتِفَيّ حتّیٰ وجدتُ بردَ أناملِه بين ثُدْيَيّ فتجلّٰی لي كلُّ شئٍ وعرفتُ،فقال :يامحمد!قلتُ:لبّيك ربّي ،قال: فيمَ يختصمُ الملأُ الأعلیٰ ،قلتُ: في الكفّارات ،قال: وماهنّ؟قلتُ:مشيُ الأقدامِ الی الجماعاتِ والجلوسُ في المساجدِ بعدَ الصلوٰةِ وإسباغُ الوضوءِ حين الكريهاتِ ،قال: ثمّ فيم،قلتُ: في الدرجاتِ ،قال: وماهنّ؟قلتُ:إطعامُ الطعامِ ولِينُ الكلامِ والصلوٰةُ والنّاسُ نيام،قال: سَلْ،قال: قلتُ:"اللّهمّ إنّي أسئلُك فعلَ الخيراتِ وتركَ المُنكَرات وحُبَّ المساكين وأن تغفِرَلي وتَرْحَمَني واذاأردتَّ فتنةًقومٍ فتوفَّني غيرَ مفتونٍ وأسئلُك حُبَّك وحُبَّ مَن يُحبُّك وحُبَّ عملٍ يُقرِّبُني الیٰ حُبِّك"فقال:إنّها حقٌّ فادرُسوهاثمّ تعلّمُوها .[أحمد والترمذي،وقال:هذاحديثٌ حسنٌ صحيحٌ ،وسألتُ محمدًا بن اسماعيلَ عن هذاالحديثِ فقال: هذاحديثٌ صحيحٌ.] .....

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کو (خلافِ معمول) صبح کی نماز کے لیے آنے میں اتنی دیر ہوگئی کہ قریب تھا کہ ہم سورج کی ٹکیہ دیکھ لیتے۔ (اتنے میں) آپ ﷺ جلدی سے تشریف لائے، نماز کی اقامت کہی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی اور اپنی نماز میں تخفیف کی (یعنی مختصر نماز پڑھائی) جب سلام پھیر چکے تو آواز کے ساتھ پکارا، چنانچہ فرمایا کہ اپنی صفوں میں بیٹھے رہو جس طرح کے بیٹھے تھے پھر ہماری طرف مڑے اور فرمایا کہ آگاہ رہو! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کس چیز نے مجھے تم سے صبح کی نماز میں (بروقت) آنے سے روکا، میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے جتنی نماز مقدر تھی، پڑھی۔ مجھے نماز میں اونگھ آگئی حتیٰ کہ (نیند کی وجہ سے) میں بھاری ہوگیا، پس ناگہاں میں نے اپنے پروردگار تبارک وتعالیٰ کو بہت اچھی صورت میں دیکھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد! میں نے عرض کیا کہ اے پروردگار! میں حاضر ہوں، اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ ملأ اعلیٰ (کے فرشتے) کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ نے تین مرتبہ یہی دریافت فرمایا۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اللہ کو دیکھا کہ اُس نے اپنا ہاتھ میرے مونڈھوں کے درمیان میں رکھا حتیٰ

کہ اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی اور (اس کی برکت سے) ہر چیز میرے سامنے ظاہر ہوگئی اور میں (ہر چیز) جان گیا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد! میں نے عرض کیا: میں حاضر ہوں، اے میرے رب! فرمایا کہ ملأ اعلیٰ کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ''کفّارات'' کے بارے میں۔ فرمایا کہ کفارات کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ''جماعت کی نماز کی طرف پیدل چلنا اور نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھنا اور ناگواری کے اوقات میں پورا وضو کرنا''۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: پھر کس بارے میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ ''درجات'' کے بارے میں۔ فرمایا کہ وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا کہ ''کھانا کھلانا، نرم کلامی اور رات کو (اس وقت) نماز پڑھنا جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مانگ! آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے دعا کی کہ ''اے اللہ! میں تجھ سے نیکیوں کا کرنا، برائیوں کا ترک کرنا اور مسکینوں کی محبت چاہتا ہوں اور یہ کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرمائے اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ میں مبتلا کیے بغیر اٹھالے (یعنی موت دے دے) اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری محبت کا اور اُن لوگوں کی محبت کا جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور اُس عمل کی محبت کا جو مجھے تیری محبت کے قریب کردے۔ (اس کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خواب بالکل سچ ہے، لہٰذا تم خود اسے یاد کرو، پھر (دوسروں کو) سکھاؤ۔ (احمد، ترمذی)

مسجد میں داخل ہونے کی ایک دعا کی فضیلت:

۶۹۲۔وعن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ قال: كان رسول اللهﷺ يقول إذا دخلَ المسجدَ:" أعوذُ بالله العظيم وبوجهِهِ الكريمِ وسلطانِه القديمِ مِن الشيطٰنِ الرجيم" ،قال: فاذاقال ذلك،قال الشيطٰن :حفِظَ مِنّي سائرَ اليومِ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ (دعا) پڑھتے: "أعوذ بالله العظيم وبوجهه الكريم وسلطانه القديم من الشيطٰن الرجيم." ترجمہ: ''میں عظمت والے اللہ اور اس کی بزرگ ذات اور اس کی قدیم سلطنت کے ساتھ شیطان مردود (کے شر) سے پناہ مانگتا ہوں''۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے: جب کوئی یہ (کلمات) کہہ دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ یہ شخص تمام دن میرے شر سے محفوظ ہوگیا۔ (ابوداؤد)

۶۹۳۔وعن عطاء بن يسارؓ قال: قال رسول الله ﷺ: "اللّهمّ لا تجعل قبرِي وثنًا يُعبَد"اِشتدّ غضبُ الله علىٰ قومٍ اتّخذُوا قُبورَ أنبيائهِمْ مساجد.[مالك مرسلاً]

ترجمہ: حضرت عطاء بن یسارؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (دعا میں) فرمایا کہ ''اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا، جس کی پوجا ہو''۔ (پھر فرمایا) اُن لوگوں پر اللہ کا سخت غضب (نازل) ہوا جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ (مالک مرسلاً)

۶۹۴۔عن معاذ بن جبلٍؓ قال: كان النبيُّ ﷺ يستحِبُّ الصلوٰةَ في حِيطانٍ .قال بعضُ رُواتِه :يعني البساتينَ.[رواه أحمد،والترمذی وقال:هذاحديثٌ غريبٌ لانعرفُه الاّ مِن حديث الحسن بن أبي جعفرَوقدضعّفه يحيىٰ بن سعيد وغيره.]

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ ''حیطان'' میں (نفل) نماز پڑھنا پسند فرماتے۔ اس حدیث کے بعض راوی کہتے ہیں کہ حیطان سے مراد باغات ہیں۔ (احمد، ترمذی)

جامع مسجد، مسجدِ نبوی اور حرمِ پاک میں نماز کا ثواب:

٦٩٥۔عن انس بن مالکؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ:صلاۃ الرجلِ فی بیته بصلاۃٍ وصلوٰتُه فی مسجدالقبائلِ بخمسٍ وعشرین وصلوٰتُه فی المسجدِ الذی یُجمَعُ فیه بخمسِمائة صلوٰۃٍ وصلوٰتُه فی المسجدِ الأقصٰی بخمسین ألفَ صلوٰۃٍ وصلوٰتُه فی مسجدی بخمسین ألفَ صلوٰۃٍ وصلوٰتُه فی المسجدِ الحرامِ بمائةِ ألفِ صلوٰۃٍ.[ابنُ ماجة]

ترجمہ:حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا، ایک نماز (کا ثواب رکھتا) ہے اور محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا، پچیس نمازوں کے برابر (ثواب رکھتا) ہے اور ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جس میں جمعہ پڑھا جاتا ہے (یعنی جامع مسجد میں) پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد (مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔(ابن ماجہ)

ایک تعارض اور اُس کا دفعیہ:

تشریح: قوله: وصلاته فی مسجدی بخمسین ألفَ صلاۃٍ.....: پہلے ایک حدیث میں گزرا کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا ایک ہزار نمازوں کے بقدر ثواب رکھتا ہے اور اس حدیث میں پچاس ہزار نمازوں کے بقدر بتایا جارہا ہے۔ بظاہر تعارض ہے لیکن درحقیقت کوئی تعارض اور اشکال کی بات نہیں۔ کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلے آپ ﷺ کو ایک ہزار نمازوں کا علم دیا گیا تھا اور بعد میں پچاس ہزار کا۔

روئے زمین کی سب سے پہلی مسجد:

٦٩٦۔وعن أبی ذرٍّؓ قال: قلتُ :یا رسول الله، أیُّ مسجدٍ وُضِعَ فی الأرضِ أوّلَ ،قال: المسجد الحرام،قال: قلتُ :ثمّ أیّ؟ قال: المسجدُ الأقصٰی ،قلتُ: کم بینهما؟ قال: أربعُونَ عاماً ،ثمّ الأرضُ لك مسجدٌ فحیثُ ماأدرکتْك الصلوٰۃُ فصلِّ.

ترجمہ:حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! روئے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ فرمایا: مسجد حرام۔ میں نے عرض کیا کہ پھر کون سی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے عرض کیا: دونوں مسجدوں کے (بنانے کے) درمیان کتنی مدت تھی؟ فرمایا: چالیس سال۔ (اس کے بعد فرمایا) پھر (یعنی اب شریعتِ محمدی کے اندر) ساری زمین آپ کے لیے مسجد ہے جہاں نماز کا وقت ہو (وہیں) پڑھ لو۔ (متفق علیہ)

ایک اشکال اور اُس کا جواب:

تشریح: قوله: قلتُ :کم بینهما؟ قال: أربعونَ عاماً.....: ۔اس ارشاد میں خانہ کعبہ اور بیت المقدس کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ بیان کیا جارہا ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی اور بیت المقدس کی تعمیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں اور ان دونوں نبیوں کے درمیان ہزاروں سال کا فاصلہ ہے نہ کہ چالیس سال کا۔

اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان علیہم السلام خانہ کعبہ و بیت المقدس کے اوّلین معمار نہیں ہیں، بلکہ وہ

تو سابقہ تعمیر کی تجدید کرنے والے ہیں اور تعمیر سابق کے بانی اور مؤسس حضرت آدم علیہ السلام ہیں، آپ نے اللہ کے حکم سے پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر فرمائی اور پھر اس کے چالیس سال بعد بامرِ حق تعالیٰ بیت المقدس کی تعمیر فرمائی۔ مذکورہ حدیث میں یہی دو تعمیریں مذکور ہیں۔

جبکہ بعض علماء کا خیال ہے کہ خانہ کعبہ کو تو حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا اور اس کے چالیس سال بعد آپؑ کی اولاد میں سے کسی نے بیت المقدس کی تعمیر کی۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام جب خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے، تو ٹھیک اس کے چالیس سال بعد آپؑ کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی، پھر اس کے سینکڑوں برس بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے نئے سرے سے بیت المقدس کی تعمیر کی۔

(بابُ السّترِ)

"الفصل الاول"

ایک کپڑے میں لپٹ کر نماز پڑھنے کا مسئلہ:

٦٩٧ـعن عمر بن أبي سلمةؓ قال: رأيتُ رسولَ اللهِ ﷺ يُصلّي في ثوبٍ واحدٍ، مشتملاً به في بيتِ أُمّ سلمة، واضعاً طرفيه علىٰ عاتقيه. [متفق عليه]

ترجمہ: عمر بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ام سلمہؓ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کو ایک کپڑے میں اشتمال کیے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا، آپ ﷺ اس کپڑے کے دونوں کناروں کو کندھوں پر ڈالے ہوئے تھے۔ (متفق علیہ)

تشریح: اشتمال کی صورت یہ ہے کہ کپڑے کا وہ کنارہ جو داہنے کندھے پر ہوتا ہے، اس کو باہنے ہاتھ کے نیچے سے نکالا جائے اور پھر وہ کنارا جو دائیں ہاتھ کے نیچے سے بائیں ہاتھ پر ڈالا گیا ہے، دونوں کو ملا کر سینہ پر گرہ لگائی جائے جبکہ کپڑا کم ہو اور بغیر گرہ لگائے کھل جانے کا اندیشہ ہو۔ اس باب کی احادیث میں "مشتملاً، متوشّحا" اور "مخالف بين طرفيه" کے جو الفاظ آئے ہیں سب کا ایک ہی معنیٰ ہے۔

اشتمال کی ایک ناجائز صورت:

٦٩٨ـعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: لا يُصلّينّ أحدُكم في الثوب الواحدِ ليسَ علىٰ عاتقِه منه شئٌ. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک (بھی) کپڑے میں (اس طرح) نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر اس کپڑے میں سے کچھ نہ ہو۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: لا يصلّينّ في الثوب الواحدِ ليسَ علىٰ عاتقِه منه شئٌ: ۔ اس ارشادِ گرامی سے امام احمدؒ اس بات پر استدلال فرماتے ہیں کہ ایک کپڑے میں اس طرح نماز پڑھنا کہ اس کپڑے کے دونوں کنارے کندھوں پر نہ ہو جائز نہیں، مذکورہ حدیث میں وارد

نہی کو آپ ؒ تحریم پر محمول فرماتے ہیں۔

جبکہ جمہور ائمہ ؒ فرماتے ہیں کہ کپڑے سے مقصود ستر عورت ہے، اگر یہ مونڈھوں یعنی کندھوں پر کپڑا ڈالے بغیر حاصل ہو جائے تو نماز بلاشبہ درست ہوگی۔ باقی اس حدیث میں جو چادر کو مونڈھوں پر ڈالے بغیر نماز پڑھنے سے منع کیا جارہا ہے، تو وہ اس بنا پر ہے کہ چادر کے کناروں کو مونڈھوں پر ڈالے بغیر ستر کے دکھائی دینے کا اندیشہ ہے، اس لیے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ چنانچہ مذکورہ نہی ان حضرات کے ہاں تنزیہی ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے کہ جب چادر بڑی ہو اگر چادر چھوٹی ہو تو اس کو تہبند کی طرح باندھ کر نماز ادا کی جائے۔

ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا طریقہ:

۶۹۹۔ وعنه قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقولُ: مَن صلّى في ثوبٍ واحدٍ فليُخالِف بين طرفيه. [بخاري]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے اسے چاہیے کہ اس کپڑے کے دونوں کناروں کو مخالف (سمت کے کندھے پر) ڈالے۔ (بخاری)

آپ ﷺ نے ایک مرتبہ منقش کپڑے میں نماز پڑھی:

۷۰۰۔ وعن عائشةؓ قالت: صلّى رسولُ الله ﷺ في خميصةٍ لها أعلامٌ فنظر إلى أعلامها نظرةً فلمّا انصرفَ قال: إذهبوا بخميصتي هذه الى أبي جهمٍ وأتوني بأنبجانيّةِ أبي جَهْمٍ فإنّها ألهتْني آنفًا عن صلوتي. [متفق عليه] وفي رواية للبخاري قال: كنتُ أنظرُ الى عَلَمِها وأنا في الصلوةِ فأخافُ أنْ يفتِنَني.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک منقش دھاری دار چادر میں نماز پڑھی، آپ ﷺ نے اس کی دھاریوں کو ایک نظر دیکھا، جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا کہ میری یہ منقش چادر ابو جہم کے پاس لے جاؤ اور اُن کی انبجانی چادر میرے پاس لے آؤ، اس (منقش چادر) نے ابھی مجھے نماز (میں حضوری) سے باز رکھا۔ (متفق علیہ) اور بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نماز کے دوران اس (چادر) کے نقش و نگار کو دیکھ رہا تھا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں مجھے فتنہ (یعنی نماز میں بے توجہی) میں نہ ڈال دے۔

تشریح: قوله: اذهبوا بخميصتي هذه إلى أبي جهمٍ...۔ [خميصة] منقش چادر کو کہتے ہیں خواہ ریشمی ہو یا سوتی، اس کی جمع خم "ائص" آتی ہے۔ آپ ﷺ کو یہ چادر ابو جہمؓ نے ہدیۃً دی تھی۔

قوله: وأتوني بأنبجانيةأبي جهمٍ...۔ [أنبجانية] انبجان نامی شہر کی طرف منسوب ہے یعنی اس شہر کی بنی ہوئی غیر منقش چادر۔

قوله: فإنّها ألهتني آنفاً عن صلاتي: ۔ حضرت ابو جہمؓ کی ہدیہ کردہ خمیصہ کے بارے میں آپ ﷺ نے اُس وقت یہ ارشاد فرمایا جب آپ نے اُس میں نماز پڑھی اور اس کے نقش و نگار کی طرف آپ کی نگاہ گئی، جس سے آپ کو حضوریٔ قلب میں کچھ فرق محسوس ہوا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ چادر ابو جہم کو واپس کردی جائے اور اس کے بدلے میں ابو جہم کی سادہ چادر لائی جائے تاکہ ہدیہ واپس کیے جانے سے ابو جہم کی دل شکنی نہ ہو۔

رہی یہ بات کہ جس چادر سے آپ ﷺ کے حضورِ قلب میں فرق آئے تو اس سے ابوجہم کے دل میں کیوں فرق نہیں آئے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابوجہمؓ ایک تو نابینا تھے، دوسرے جو لطافت آپ ﷺ کے شایانِ شان تھی، وہ لطافت اِن صحابی کو حاصل نہ تھی، لہٰذا اس منقش چادر سے ابوجہمؓ کے حضوریٔ قلب میں فرق آنے کا اندیشہ نہ تھا۔

۷۰۱۔وعن أنسؓ قال: كان قِرامٌ لعائشةؓ سترتْ به جانبَ بيتِها، فقال لها النبيُّ ﷺ: أميطِي عنّا قِرامَكِ هذا فإنّه لايزالُ تصاويرُه تَعرِضُ لي في صلوٰتي.[بخاری]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا ایک پردہ تھا جس سے گھر کے ایک حصہ کو ڈھانپ رکھا تھا، (اسے دیکھ کر) آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس کپڑے (پردے) کو مجھ سے ہٹادو، کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں برابر میرے سامنے آرہی ہیں۔(بخاری)

آپ ﷺ کا ریشمی قبا پہننا اور پھر اتارنا:

۷۰۲۔وعن عقبہ بن عامرؓ قال: أُهدِيَ لرسولِ الله ﷺ فَرُّوجُ حريرٍ، فلبِسَه ثُمّ صلّٰى فيه، ثمّ انصرفَ فنزعَه نزعًا شديدًا كالكارهِ له ثمّ قال: لاينبغي هذا للمُتّقين.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک ریشمی قبا تحفہ میں بھیجی گئی، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے پہنا پھر اس میں نماز پڑھی، (نماز سے) فارغ ہوئے تو اُس قبا کو اس طرح شدت کے ساتھ اتارا جیسا کہ آپ ﷺ نے اس کو پسند نہ کیا ہو، پھر فرمایا یہ (ریشمی لباس) پرہیز گاروں کو زیبا نہیں۔(متفق علیہ)

تشریح: قوله: فرّوجُ حريرٍ فلبسه ....:۔[فرّوج] اس قبا کو کہتے ہیں جو پیچھے کی طرف سے تھوڑی سی کھلی ہوتی ہے۔اس حدیث سے حریر (یعنی ریشم) کے استعمال کا جواز ثابت ہورہا ہے، حلانکہ بالاتفاق ریشم کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے۔اس بنا پر فقہائے محدثین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ذکر شدہ واقعہ، حریر کے حرام کیے جانے سے پہلے کا ہے یا یہ اولِ تحریم پر محمول ہے یعنی اس موقع پر جب کہ آپ ﷺ نے حریر کا قبا پہن لیا تھا، حریر کی تحریم نازل ہوئی۔ یہاں تو صرف یہ ارشادِ نبوی مذکور ہے کہ "لا ينبغي هذا للمتقين" یعنی "اس کا پہننا پرہیز گاروں کو زیب نہیں دیتا۔" لیکن ایک روایت میں یہ بھی وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ناگواری کے ساتھ اس قبا کو اتارا اور فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھے اس کے استعمال سے منع کردیا ہے۔

"الفصل الثانی"

۷۰۳۔عن سلمة بن الأكوعؓ قال: قلتُ: يارسولَ الله، إنّي رجلٌ أصِيدُ، أفأُصلّي في القميصِ الواحدِ؟ قال: نعم! وازْرُرْه ولوبشَوكةٍ.[أبوداؤد، نسائی]

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں شکار کھیلنے والا آدمی ہوں، کیا میں (صرف) ایک ہی کُرتے میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! (لیکن) اُسے گھنڈی لگادو اگرچہ کانٹے ہی سے کیوں نہ ہو۔(ابوداؤد، نسائی)

تہبند لٹکا کر نماز پڑھنے والے کو عجیب تنبیہ:

۷۰۴۔وعن أبی هريرةؓ قال: بينما رجلٌ يُصلّى مُسْبِلٌ إزارَه ،قال له رسول اللهﷺ :إذهبْ فتوضّأْفذهبَ وتوضّأَ ثمّ جاءَ فقال رجلٌ :يارسولَ الله!مالَكَ أمرتَه أنْ يتوضّأ ؟قال: إنّه كان صلّى وهومُسبلٌ إزارَه وإنّ اللهَ لايقبَلُ صلوٰةَ رجلٍ مُسبلٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں (اس اثنا میں) کہ ایک شخص تہبند لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا (یہ دیکھ کر) رسول اللہﷺ نے اُس سے فرمایا کہ جا اور وضو کر۔ وہ شخص گیا اور وضو کر کے آ گیا۔ (اس پر) ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ (ﷺ) نے اس شخص کو وضو کرنے کا حکم کیوں دیا۔ فرمایا: یہ شخص ازار لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس نے ازار لٹکائی ہو۔ (ابوداؤد)

تشریح: قوله: اذهب فتوضأ... :۔مسبل ازار (تہبند وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے) کو آپﷺ نے اس کی غلطی پر صراحت کے ساتھ متنبہ نہیں کیا بلکہ وضو کا حکم دیا، تاکہ وہ خود غور و فکر کرلے کہ اس سے کوئی تو غلطی یا گناہ ہو رہا ہے جس پر وضو کا حکم دیا جا رہا ہے جو کہ معصیت اور اسبابِ معصیت کو زائل کرنے والا ہے، نیز اس انداز سے غلطی پر تنبیہ زیادہ مفید و مؤثر ثابت ہوتی ہے۔

بالغہ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں ہوتی:

۷۰۵۔وعن عائشةؓ قالت: قال رسول اللهﷺ :لا تُقبَلُ صلاةُ حائضٍ إلّا بخِمارٍ.[أبو داؤد،ترمذی]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ بالغہ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول (یعنی صحیح) نہیں ہوتی۔

تشریح: حائض، سے مراد وہ بالغہ عورت ہے جو حیض کی مدت تک پہنچ گئی ہو خواہ اسے حیض نہ آیا ہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کی نماز ننگے سر نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا سر اور سر کے بال ستر میں شامل ہے۔ اسی طرح ایسا باریک کپڑا پہن کر بھی نماز صحیح نہ ہوگی جس میں بدن یا بالوں کا رنگ دکھائی دے۔ یہ حکم آزاد عورت کا ہے، باندی اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کا سر اور بال وغیرہ ستر میں داخل نہیں۔ (مظاہر حق)

عورت کا صرف قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھنا:

۷۰۶۔وعن أمِّ سلَمةؓ أنّها سألتُ رسول اللهﷺ:أتُصَلِّی المرأةُ فی درعٍ وخمارٍ،ليس عليها إزارٌ ؟ قال:اذاكان الدِّرعُ سابغًا يُغطّی ظُهورَ قدَميها.[رواه أبوداؤد،وذكرَ جماعةً وَقَفُوهاعلىٰ أمّ سلمة]

ترجمہ: حضرت امّ سلمہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہﷺ سے پوچھا کیا عورت تہبند کے بغیر صرف قمیص اور اوڑھنی میں نماز پڑھ سکتی ہے؟ آپﷺ نے فرمایا: (ہاں) بشرطیکہ قمیص اتنی لمبی ہو جو قدموں کی پشت کو ڈھانپتی ہو۔ (ابوداؤد)

عورت کے قدموں کی پشت ستر ہے یا نہیں؟:

تشریح: قوله: إذاكان الدرعُ سابغًا يُغطّی ظُهورَ قدميه....: ۔اس روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے ظہورِ قدمین (یعنی قدموں کا اوپر والا حصہ) ستر میں داخل ہے، چنانچہ امام شافعیؒ اس کے قائل ہیں۔

جبکہ مشائخِ حنفیہ کا اس حوالے سے آپس میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ ستر میں داخل نہیں۔ صاحب ہدایہؒ نے اس کو

اصح قرار دیا ہے۔ جبکہ فتاویٰ قاضیخان کے مطابق صحیح یہ ہے کہ ظہورِ قدمین ستر میں داخل ہیں اور ظہر قدم کے ربع کا کھلنا صحتِ صلاۃ سے مانع ہے۔ راجح قول صاحبِ ہدایہ کا معلوم ہوتا ہے۔ (نفحات)

نماز میں سدل اور منہ ڈھانپنے کی ممانعت:

۷۰۷۔وعن أبی هريرةؓ أنّ رسول اللهﷺ نهیٰ عن السَّدْلِ فی الصلاة وأن يُغطِّيَ الرجلُ فاه.[أبو داؤد]

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے نماز میں سدل سے اور اس بات سے کہ آدمی (نماز میں) اپنا منہ ڈھانپے، منع فرمایا۔

سدل کسے کہتے ہیں؟:

تشریح: قوله: نهیٰ عن السدل فی الصلاة.....سدل کسے کہتے ہیں؟ صاحبِ ہدایہ سدل کا معنیٰ یہ بیان کرتے ہیں کہ سر یا کندھوں پر اس طرح سے کپڑا ڈالا جائے کہ اس کے دونوں کنارے کھلے ہوئے ہو کر نیچے کی طرف لٹکتے رہے۔

جبکہ بعض علماء کے ہاں سدل یہ ہے کہ غیر معروف طریقے پر کپڑا پہنا جائے۔ بہر حال نماز میں سدل مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ تعظیم کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں یہود کی مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔

قوله: وأن يغطی الرجل فاه:۔ مطلب یہ ہے کہ نماز میں منہ ڈھانپا جائے، دورانِ نماز چونکہ منہ ڈھانپنا ادب و تعظیم کے منافی ہے، اس لیے آپﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

جوتوں میں نماز پڑھنے کا مسئلہ:

۷۰۸۔وعن شدّاد بن أوسؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: خالِفوا اليهودَ، فإنّهم لا يُصلُّون فی نِعَالِهم ولا خِفافِهم.[أبو داؤد]

ترجمہ: شداد بن اوسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ یہود کی مخالفت کرو کیونکہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔

تشریح: قوله: خالفوا اليهود فإنّهم لا يُصلّون فی نعالهم.....:۔چونکہ یہود جوتوں میں نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ننگے پیر نماز پڑھنا ضروری خیال کرتے تھے، اس وجہ سے آپﷺ نے یہ حکم دیا تاکہ یہود کی مخالفت بھی ہو جائے اور مسئلہ بھی معلوم ہو جائے کہ جوتوں میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ یہ اُس وقت کی بات تھی۔ آج جبکہ ہمارے اردگرد نہ یہود ہیں اور نہ اُن کا کوئی شعار ہے، یہ حکم نہیں ہوگا اور جوتوں میں نماز پڑھنے کو خلافِ تعظیم اور بے ادبی سمجھا جائے گا، خصوصاً جبکہ آج کے یہودی جوتے پہنے ہوئے ہو کر اپنی عبادت کرتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی جوتوں میں نماز پڑھنا چاہے تو نماز اس شرط پر صحیح ہوگی کہ جوتے پاک ہوں اور اس میں نماز پڑھنا دشوار نہ ہو، بایں معنیٰ کہ اس میں سجدہ کرتے وقت پیروں کی انگلیاں قبلہ رو کرنا ممکن ہو۔ چونکہ رائج الوقت جوتوں میں نماز کی ادائیگی کما حقہ ممکن نہیں، نیز لوگ بھی اسے کافی معیوب سمجھتے ہیں، لہٰذا اس سے اجتناب بہتر ہے۔

آپﷺ کا جوتوں میں نماز پڑھنا:

۷۰۹۔عن أبی سعيد الخدریؓ قال: بينما رسولُ اللهﷺ يُصَلّی بأصحابه إذ خلعَ نعلَيه، فوضعَهُما عن يسارِه فلمّا رأی ذلك

القومُ ألقَوْانِعالَهُم فلمّاقضٰى رسولُ اللهﷺصلوتَه قال: ماحملَكُم على إلقائِكُم نِعالَكُم ؟قالوا:رأيناكَ ألقيتَ نَعليكَ فألقينا نِعالنافقال رسولُ اللهﷺ:إنّ جبريل أتاني فأخبرني أنّ فيهما قذرًا ،اذاجاءَ أحدُكم المسجدَ فلينظُرْ فإنْ راى في نعليه قذرًا فليَمْسَحْه وليُصَلِّ فيهما.[أبو داؤد،دارمی]

ترجمہ:حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ(ایک مرتبہ) رسول اللہﷺ اپنے صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ناگہاں اپنے جوتوں کو اتار دیا اور اپنے بائیں جانب رکھ دیا۔جب قوم (یعنی صحابہؓ) نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیے،پھر جب رسول اللہﷺ نماز پڑھا چکے تو صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ کس بات نے تمہیں جوتے اتارنے پر آمادہ کیا؟انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے آپ(ﷺ) کو دیکھا کہ آپ نے جوتے اتار دیے ہیں تو ہم نے بھی جوتیاں نکال دیں۔(یہ سن کر) رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے میرے پاس آکر مجھے بتایا کہ میرے جوتوں میں گندگی لگی ہے،(تو میں نے جوتے اتار دیے) جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو (جوتیاں) دیکھ لے اگر اس میں کوئی گندگی لگی ہوئی ہے،تو اس کو پونچھ ڈالے اور انہی جوتوں میں نماز پڑھ لے۔(ابوداؤد،دارمی)

ایک اشکال اور اُس کا جواب:

تشریح: قوله: إنّ جبرئيل أتاني فأخبرني أنّ فيهما قذرًا......یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب آپﷺ کے جوتوں میں قذر یعنی نجس یا گندی چیز لگی ہوئی تھی،تو معلوم ہونے پر نئے سرے سے نماز پڑھنی چاہیے تھی،جبکہ آنحضرتﷺ نے اسی نماز کو پورا فرمایا؟اس کے دو جواب دیے گئے ہیں:

(۱)قذراً کے نکرہ ہونے کی بنا پر بعض حضرات نے اس کو نجاستِ قلیلہ پر محمول کیا ہے اور نجاست قلیلہ معاف ہے۔

(۲)جبکہ بعض علماء کے نزدیک ''قــــذرًا'' سے نجاست مراد نہیں،بلکہ ایسی چیز ہے جو طبعًا ناگوار ہو مثلاً بلغم وغیرہ اور ایسی چیزیں نماز کی صحت سے مانع نہیں،لہذا آپﷺ نے اسی نماز کو پورا فرمایا۔

قوله: فإن رأى في نعليه قذراً فليمسحه:۔ اگر جوتے یا موزے کو لگنے والی نجاست جسم دار ہے اور خشک ہو چکی ہے تو زمین وغیرہ پر رگڑنے سے پاکی حاصل ہو جائے گی اور اگر وہ غیر جسم دار نجاست ہے تو باتفاق فقہاء اس کا دھونا ضروری ہے،چاہے رطب ہو یا خشک ہو چکی ہو

۷۱۰۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ :إذا صَلّى أحدُكم ،فلا يضَعْ نعليه عن يمينه ولا عن يساره فتكونُ عن يمين غيرِه الّا أن لايكون على يساره أحدٌ وليضعْهمابينَ رِجليه.وفي روايةٍ:أولِيُصلِّ فيهما.[أبو داؤد،وروى ابن ماجة معناه]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے،تو اپنے جوتے نہ اپنے دائیں رکھے اور نہ بائیں،کیونکہ (اس صورت میں) وہ دوسرے شخص کے دائیں جانب ہو جائیں گے،بلکہ اپنے پاؤں کے درمیان رکھے۔اور ایک روایت میں ہے کہ یا جوتوں سمیت نماز پڑھے۔(ابوداؤد،ابن ماجہ)

''الفصل الثالث''

۷۱۱۔عن أبي سعيد الخدريّ قال: دخلتُ على النبيّﷺ ،فرأيتُه على حصيرٍ يَسْجُدُ عليه قال:ورأيتُه يُصلّي في ثوبٍ واحدٍ

مُتَوَشِّحًا به. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نبی پاک علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو دیکھا کہ ایک چٹائی پر (نماز کا) سجدہ فرما رہے تھے۔ ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں: اور میں نے آپ کو ایک کپڑے میں [جس میں آپ (علیہ السلام) لپٹے ہوئے تھے] نماز پڑھتے دیکھا۔ (مسلم)

۷۱۲۔ وعن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جدّه قال: رأیتُ رسولَ الله ﷺ یُصَلِّی حافیًا ومُتنعّلًا. [أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمروؓ) سے روایت کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ علیہ السلام کو ننگے پاؤں نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھا اور جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہوئے بھی۔ (ابوداؤد)

۷۱۳۔ وعن محمد بن المنکدرؓ قال: صلّیٰ بنا جابرٌ فی إزارٍ، قد عقدَهُ مِن قِبلِ قَفاه، وثیابُه موضوعةٌ علی المِشْجَبِ، فقال له قائلٌ: تُصلّی فی إزارٍ واحدٍ، فقال: إنّما صنعتُ ذلك لیرانی أحمقُ مِثلُك، وأیُّنا کان له ثوبانِ علیٰ عهدِ رسولِ الله ﷺ.

ترجمہ: محمد بن منکدرؒ کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ نے (بیانِ جواز کی غرض سے) ہمیں ایک تہبند پہنے ہوئے نماز پڑھائی، جسے آپؓ نے اپنی گدی کی طرف سے گرہ لگائی تھی، حالانکہ آپؓ کے کپڑے کھونٹی پر لٹکے ہوئے تھے۔ (یہ دیکھ کر) کسی کہنے والے نے کہا کہ آپ (صرف) ایک تہبند میں نماز پڑھتے ہو۔ حضرت جابرؓ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ تجھ جیسا احمق مجھے دیکھ لے (اور جان لے کہ اس طرح بھی نماز پڑھنی جائز ہے، بھلا) رسول اللہ علیہ السلام کے عہدِ مبارک میں ہم میں سے کس کے دو کپڑے ہوا کرتے تھے؟ (بخاری)

۷۱۴۔ وعن أبیّ بن کعبٍؓ قال: الصلوٰةُ فی الثوبِ الواحدِ سنّةٌ، کنّا نفعلُه مع رسول الله ﷺ ولا یُعابُ علینا فقال ابنُ مسعود: إنّما کان ذاك اذا کان فی الثیابِ قِلّةٌ فأمّا اذا وسّعَ اللهُ فالصلوٰةُ فی الثوبین أزکیٰ. [أحمد]

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت ہے، ہم رسول اللہ علیہ السلام کے ہمراہ اس طرح کرتے تھے اور ہم پر (اس سبب سے) عیب نہ لگایا جاتا تھا۔ (یہ سن کر) حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ کپڑے کم ہوا کرتے، اب جب اللہ نے وسعت دے دی ہے تو دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ (احمد)

(بابُ السُّتْرَةِ)

"الفصل الاوّل"

سُترہ کے سامنے نماز پڑھنا:

۷۱۵۔ عن ابن عمرؓ قال: کان النبی ﷺ یغدُو إلی المُصَلّی والعنزةُ بین یدیه تُحمَلُ وتُنصَبُ بالمُصلّی بین یدیه فیُصلّی إلیها. [بخاری]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام صبح عیدگاہ تشریف لے جاتے اور ایک نیزہ آپ علیہ السلام کے آگے آگے لے جایا جاتا اور عیدگاہ میں آپ علیہ السلام کے سامنے گاڑ دیا جاتا، آپ اُس کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھتے۔ (بخاری)

تشریح: قوله: والعنزة بين يديه تحمل و تنصب بالمصلّٰى.....:۔[عنزة] ایک چھوٹا سا نیزہ ہوتا ہے۔ یہاں اس کا ذکر ہے کہ آپ کے سامنے سترہ کے طور پر عنزہ نصب کیا جاتا تھا۔ سترہ کا مقصد یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے نہ گزرا جائے اور نماز پڑھنے والے کی یکسوئی برقرار رہے۔ سترے کی لمبائی کم از کم ایک ذراع یعنی ایک شرعی گز ہو اور موٹائی کم از کم ایک انگل کے بقدر ہو۔ اگر اس کا بندوبست نہ ہو سکے تو سجدے کی جگہ میں ایک خط کھینچے، جیسا کہ فصلِ ثانی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں مذکور ہے کہ ''فَلْيَخُطَّ خطاً'' یعنی ''ایک خط کھینچے''۔ احناف میں سے صاحبِ ہدایہ نے خط کھینچنے کا اعتبار نہیں کیا، کیونکہ اس سے مقصود (کہ کوئی آگے سے نہ گزرے) حاصل نہیں ہوتا کیونکہ دور سے خط کا علم نہیں ہوتا، جبکہ شیخ ابن ہمامؒ نے ''والسنةُ أولىٰ بالاتباع'' کہہ کر خط کھینچنے کو معتبر قرار دیا ہے۔ پھر خط کا اعتبار کرنے والوں میں خط کی صورت و کیفیت میں اختلاف ہوا ہے، اولیٰ یہ ہے کہ خط ہلالی یعنی محرابی صورت میں کھینچی جائے۔ (فحات)

۷۱۶۔وعن أبي جُحَيفةَؓ قال: رأيتُ رسولَ اللهِ ﷺ بمكةَ وهو بالأبطحِ في قُبّةٍ حمراء من أدمٍ ورأيتُ بلالاً أخذَ وَضوءَ رسولِ اللهِ ﷺ ورأيتُ النّاسَ يبتدِرُونَ ذلك الوَضوءَ فمَن أصابَ مِنه شيئاً تمسَّحَ به ومَن لم يُصِبْ منه أخذَ مِن بللِ يدِ صاحبِه ثمّ رأيتُ بلالاً أخذَ عَنزةً فركزها وخرجَ رسول الله ﷺ في حُلّةٍ حمراءَ مُشمِّرًا صلّٰى الى العنزةِ بالنّاسِ ركعتين ورأيتُ النّاسَ والدوابَّ يمُرّون بين يدَيِ العنزة.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابو جُحیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ابطح کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کو چمڑے کے ایک سرخ رنگ کے خیمہ میں دیکھا اور حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کے وضو کا (بچا ہوا) پانی لیا اور لوگوں کو دیکھا کہ وہ (اُس بچے ہوئے) وضو کے پانی کو لینے میں (ایک دوسرے سے) جلدی کر رہے ہیں، چنانچہ جس کو اس میں سے کچھ مل جاتا وہ اس کو اپنے بدن پر مَل لیتا اور جس کو کچھ نہ ملتا وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ کی تری لے لیتا۔ پھر میں نے حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ انہوں نے آپ ﷺ کا نیزہ اٹھایا اور اس کو گاڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ سرخ جوڑا پہنے ہوئے تہبند (دامن) اٹھائے ہوئے تشریف لائے اور عنزہ کی طرف کھڑے ہو کر لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور میں نے دیکھا کہ لوگ اور چوپائے عنزہ کے آگے سے گزر رہے ہیں۔ (متفق علیہ)

۷۱۷۔وعن نافع عن ابن عمرؓ أنّ النبيَّ ﷺ كان يَعرِضُ راحلتَه، فيُصَلِّي إليها .[متفق عليه]وزاد البخاري: قلتُ:أفرأيتَ اذاهبّتِ الرِّكابُ؟قال: كان يأخُذُ الرَّحلِ فيُعَدِّلُه فيُصلّي الىٰ اخرتِه.

ترجمہ: حضرت نافعؒ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ اپنی سواری کو سامنے بٹھاتے اور اس کی طرف نماز پڑھتے۔ (متفق علیہ) امام بخاریؒ نے یہ زیادتی نقل کی ہے کہ (نافع کہتے ہیں کہ) میں نے ابن عمرؓ سے کہا کہ مجھے بتایئے کہ جب اونٹ چرنے اور پانی پینے چلے جاتے (تو آپ ﷺ کیا کرتے؟) ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کجاوہ لے کر اُسے ٹھیک طرح سے رکھ لیتے، پھر اس کی پچھلی لکڑی کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھتے۔

۷۱۸۔وعن طلحة بن عُبيد اللهؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: إذا وضعَ أحدُكم بين يديه مِثلَ مُؤخِرةِ الرحل فليُصلِّ ولا يُبالِ مَنْ مَرَّ وراءَ ذلك.[مسلم]

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے سامنے کجاوے کی پچھلی لکڑی کی مانند

(کوئی چیز بطورِ سترہ) رکھ دے تو (اس کی طرف) نماز پڑھے اور سترے کے آگے سے گزرنے والے کی پرواہ نہ کرے۔ (مسلم)

نمازی کے سامنے سے گزرنے کا گناہ:

۷۱۹۔وعن أبی جُهيمٌ قال: قال رسول اللهﷺ :لو يعلمُ المارُّ بينَ يدي المُصَلِّي ماذا عليه لكان أن يقِفَ أربعين خيرٌ له مِن أن يمُرّ بين يديه .قال أبو النضر:لاأدري قال:أربعينَ يومًا أو شهرًا أوْ سَنَةً.[منفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوجُہیمؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو معلوم ہو کہ اسے کتنا گناہ ہوگا تو وہ چالیس (برس) تک ٹھہرا رہے، یہ اس کے لئے بہتر ہے نمازی کے آگے گزرنے سے۔ ابوالنضر (اس حدیث کا ایک راوی) کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن کہا یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔ (متفق علیہ)

سُترہ اور نمازی کے درمیان گزرنے والا شیطان ہے:

۷۲۰۔وعن أبی سعيدٌ قال: قال رسولُ اللهﷺ: إذا صَلّىٰ أحدُكم إلىٰ شيءٍ يَستُرُه مِن النّاس فأرادَ أحدٌ أن يجتازَ بين يديه فليَدفعْه فإن أبىٰ فليُقاتِلْه فإنّماهو شيطانٌ .[هذااللفظُ البخاري ولمسلم معناه]

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی ایسی چیز کی طرف نماز پڑھے جو لوگوں سے اس کے لیے سُترہ ہو، پھر کوئی شخص اس نمازی کے آگے سے (سترہ اور نمازی کے درمیان سے) گزرنا چاہے، تو اُسے منع کرے، اگر وہ نہیں مانتا تو اُس کے ساتھ لڑائی کرے، کیونکہ وہ (مانندِ) شیطان ہے۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: قوله: فأراد أحدٌ أن يجتاز بين يديه فليدفعه، فإن أبىٰ فليقاتله فإنّما هو شيطانٌ: ۔نماز پڑھنے والا اپنے سامنے سے گزرنے والے کو پہلے تو تسبیح یا اشارہ سے روکے اگر وہ باز نہ آئے تو اس کو سختی سے روکا جائے، البتہ اس میں عملِ کثیر کی اجازت نہیں۔ اس جگہ "فليقاتله" مدافعت کرنے کے معنیٰ میں ہیں اور مراد اظہارِ مبالغہ ہے کہ مصلی اور سترے کے درمیان سے گزرنا نہایت مکروہ وقبیح ہے اور اس لائق ہے کہ ایسا کرنے والے سے مقاتلہ کیا جائے۔

اس ارشاد سے نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کے قتل کے جواز پر استدلال کرنا درست نہیں۔ البتہ اگر اس کے قتل کی نوبت آئی، تو بالاتفاق قصاص واجب نہ ہوگا اور بعض حضرات کے ہاں دیت بھی واجب نہ ہوگی۔ نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کے شیطان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص شیطانِ انس ہے یا بمنزلہ شیطان کے ہے۔

عورت، گدھے اور کتے کا نمازی کے سامنے گزرنا:

۷۲۱۔وعن أبي هريرةٌ قال: قال رسولُ اللهﷺ :تَقطَعُ الصلاةَ المرأةُ والحمارُ والكلبُ ويَقِي ذلك مِثلُ مُؤخَرة الرحل.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ عورت، گدھا اور کتا نماز کو باطل کر دیتے ہیں اور کجاوے کی پچھلی لکڑی کی مانند (سُترہ) اس (باطل کر دینے) سے (نمازکی) حفاظت کرتا ہے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: تقطعُ الصلاةَ المرءة والحمارُ والكلبُ: ۔اس حدیث کے ظاہر سے بعض علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ نمازی

کے سامنے سے اگر عورت یا گدھا یا کتا گزر جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ امام احمدؒ کلبِ اسود کے گزرنے کو مفسدِ صلاۃ بتاتے ہیں۔
جبکہ جمہور علماء کے نزدیک یہ حدیث حقیقی معنیٰ (کہ یہ تین چیزیں مفسدِ صلاۃ ہیں) پر محمول نہیں بلکہ مجازی معنیٰ پر محمول ہے۔
مطلب یہ ہے کہ یہ تین چیزیں یعنی عورت، گدھا اور کتا خاص طور پر نماز کے خشوع کے لیے قاطع ہیں، چنانچہ حدیثِ باب کے متصل حدیث عائشہؓ: "كان النبي ﷺ يصلي من الليل وأنا معترضة بينه وبين القبلة كاعتراض الجنازة." اور اس کے متصل حدیث ابن عباس: "قال: أقبلتُ راكباً على إتان وأنا يومئذ قد ناهزتُ الاحتلام...." اور فصلِ ثانی میں حدیثِ ابوسعید خدریؓ مرفوعاً: "لا يقطع الصلاة شيءٌ..." (ابوداؤد) سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ان تین چیزوں کا گزرنا مفسدِ صلاۃ نہیں۔

۷۲۲۔ وعن عائشةؓ قالت: كانَ النبيُّ ﷺ يُصلِّي مِن الليلِ وأنا مُعترِضَةٌ بينه وبينَ القبلةِ كاعتراض الجنازة.[متفق عليه]
ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ رات کو (تہجد کی) نماز پڑھا کرتے اور میں آپ (کے سامنے آپ) اور قبلہ کے درمیان اس طرح لیٹی رہتی جس طرح جنازہ (امام کے سامنے) رکھا رہتا ہے۔ (متفق علیہ)

۷۲۳۔ وعن ابن عباسؓ قال: أقبلتُ راكباً على إتانٍ وأنا يومئذٍ قد ناهزتُ الاحتلامَ ورسولُ الله ﷺ يُصلِّي بالنَّاسِ بمِنىً إلى غيرِ جدارٍ فمررتُ بين يدي بعضِ الصفِّ فنزلتُ وأرسلتُ الإتانَ ترتَعُ ودخلتُ في الصف فلم يُنكِرْ ذلك عليَّ أحدٌ.
ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں گدھے پر سوار ہو کر آیا۔ میں اُن دنوں قریب البلوغ تھا۔ رسول اللہ ﷺ منیٰ میں لوگوں کو بغیر کسی دیوار (سترہ وغیرہ) کے نماز پڑھا رہے تھے، تو میں صف کے بعض حصہ کے سامنے سے گذرا، پھر میں اُترا اور گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور میں صف میں داخل ہو گیا چنانچہ کسی نے بھی میرے اوپر نکیر نہیں کی۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: فلم ينكر ذلك عليّ أحدٌ...: نکیر نہ کرنے کی وجہ یا تو یہ تھی کہ امام کا سترہ قوم یعنی مقتدیوں کا سترہ شمار ہوتا ہے یا یہ وجہ تھی کہ گدھے کا گزرنا مفسدِ صلاۃ نہیں تھا۔ (نفحات)

"الفصل الثانی"

۷۲۴۔ عن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إذا صلّى أحدُكم فليجعلْ تِلقاءَ وجهِه شيئًا فإنْ لم يجِدْ فلينْصِبْ عصاه فإن لم يكُن معه عصًا فليُخطِّطْ خطًّا ثمّ لايضرُّ مامرَّ أمامَه.[أبو داؤد، ابن ماجة]
ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے، تو اسے چاہیے کہ اپنے سامنے کوئی چیز (سترہ کے طور پر) رکھ دے، اگر کوئی چیز نہ پائے تو اپنی چھڑی (سامنے) کھڑی کر دے، اگر اس کے پاس چھڑی بھی نہ ہو تو (سامنے سجدہ کی جگہ میں) ایک لکیر ہی کھینچ دے، پھر سامنے سے گذرنے والے اس (کے خشوع وخضوع) کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

سترہ کے قریب کھڑے ہونا چاہیے:

۷۲۵۔ وعن سهل بن أبي حثمةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إذا صلّى أحدُكم إلى سُترةٍ فَلْيَدنُ منها لايقطعُ الشيطٰن عليه صلوٰته. [أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت سہل بن ابی حثمہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سترہ کی طرف نماز پڑھے تو اُس کے قریب (کھڑا) ہو، تاکہ شیطان اُس کی نماز کو خراب نہ کر سکے۔ (ابوداؤد)

سُترہ کے بالکل سیدھ میں نہیں کھڑے ہونا چاہیے:

۷۲۶۔وعن المقداد بن الأسودؓ قال: مارأيتُ رسولَ اللهِ ﷺ يُصلّي إلىٰ عُودٍ ولا شَجرةٍ إلّا جعلَه علىٰ حاجبِه الأيمنِ أوِ الأيسرِ ولايصمُدُ له صَمْدًا.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت مقداد بن اسودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ کسی لکڑی یا درخت کی طرف (اس کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر) نماز پڑھ رہے ہو، بلکہ اس کو دائیں یا بائیں ابرو کے سامنے رکھتے اور بالکل اس کی سیدھ کا قصد نہ کرتے۔ (ابوداؤد)

صحرا وغیرہ میں بغیر سترہ کے نماز پڑھنا:

۷۲۷۔وعن الفضل بن عباسٍؓ قال: أتانا رسولُ اللهِ ﷺ ونحنُ في باديةٍ لنا ومعَه عباسٌ فصلّىٰ في صَحراءِ ليس بينَه وبينَ يديه سُترةٌ وحمارةٌ لناو كَلْبةٌ تَعبَثان بين يديه فمابالىٰ بذلك .[أبوداؤد،وروى النسائى نحوَه]

ترجمہ: حضرت فضل بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، ہم اپنے دیہاتی علاقے میں تھے، حضرت عباسؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ پھر آپ ﷺ نے صحرا (کھلے میدان) میں اس طرح نماز پڑھی کہ سامنے کوئی سُترہ نہیں تھا اور ہماری گدھی اور کتیا آپ ﷺ کے سامنے کھیل رہی تھیں (لیکن) آپ ﷺ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ (ابوداؤد، نسائی)

۷۲۸۔وعن أبي سعيدؓ قال: قال رسول اللهِ ﷺ :لا يقطعُ الصلوٰة شيئٌ، وَادرَأُوا مَا استطعتُم فإنّما هو شيطانٌ .[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی چیز (جو نمازی کے سامنے سے گذرے) نماز کو قطع نہیں کرتی اور (سامنے سے گذرنے والی چیز کو) حتی الوسع ہٹاؤ کیونکہ وہ (نماز کے خشوع کو خراب کرنے میں) شیطان (کی طرح) ہے۔ (ابوداؤد)

''الفصل الثالث''

۷۲۹۔عن عائشةؓ قالت: كنتُ أنامُ بينَ يدَىْ رسولِ اللهِ ﷺ ،ورِجلايَ في قبلتِه فإذا سجدَ ، غمزَني فقبضتُ رِجلَيَّ وإذاقامَ بَسَطْتُهما،قالت:والبيوتُ يومئذٍ ليس فيها مصابيح.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے (اس طرح) سوتی تھی کہ میرے پاؤں آپ ﷺ کے قبلہ (سجدہ کی جگہ) کی طرف ہوتے، چنانچہ جب آنحضرت سجدہ فرماتے تو مجھے (یعنی میرے پاؤں کو) دبا دیتے، تو میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آنحضرت کھڑے ہو جاتے تو میں پاؤں پھیلا دیتی۔ آپؓ فرماتی ہیں کہ اُن دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوا کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

نمازی کے سامنے سے گزرنے کا وبال:

۷۳۰۔عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللهِ ﷺ: لو يَعلَمُ أحدُكم مالَهُ في أن يَمُرّ بينَ يدى أخيهِ مُعترضًا في الصلوٰةِ كان لَأن

يُقيمَ مائةَ عامٍ خيرٌ له مِن الخَطوَةِ الّتى خطا.[ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو اس بات کا علم ہو جائے کہ نمازی بھائی کے سامنے سے گذرنے میں اس کو کتنا گناہ ہوتا ہے، تو ایک قدم اٹھانے سے سو برس ٹھہرنا اس کو بہتر (معلوم) ہو۔ (ابن ماجہ)

۷۳۱۔وعن كعب الأحبارؒ قال: لو يَعْلَمُ المارُّ بين يدَيِ المُصَلّي ما ذا عليه لكان أن يُخسَفَ به خيرًا له مِن أن يَمُرَّ بين يدَيه. وفي روايةٍ:أهونُ عليه.[مالك]

ترجمہ: حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو اس کا گناہ معلوم ہو جائے، تو یہ بات کہ وہ زمین میں دھنسا دیا جائے اُس کو نمازی کے سامنے گذرنے سے بہتر (معلوم) ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ''اس پر آسان ہے''۔ (مالک)

۷۳۲۔وعن ابن عبّاسٍؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ :إذا صلّىٰ أحدُكم إلىٰ غيرِ السُترة ،فإنّه يَقْطعُ صلوٰتَه الحمارُ والخنزيرُ واليهوديُّ والمجوسيُّ والمرأةُ وتُجْزِئُ عنه اذامرُّوابين يديه علىٰ قذْفةٍ بحجرٍ.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بغیر سُترہ کے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز (کے خشوع وخضوع) کو گدھا، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت (کا گذرنا) قطع کر دیتا ہے اور ان کا پتھر پھینکنے کی مسافت سے گذرنا اُس (نمازی) کے لیے کافی ہے (یعنی نماز کے خشوع میں فرق نہ آئے گا)۔

تشریح: ''پتھر پھینکنے کی مسافت'' سے اتنی مسافت مراد ہے جتنی مسافت سے حج کے موقع پر ''رمی جمار'' کیا جاتا ہے، وہ مسافت تین ہاتھ (یعنی پانچ شرعی گز) ہوتی ہے۔ (مظاہر حق)

(بابُ صِفَةِ الصَّلاةِ)

''الفصل الاوّل''

تعدیل ارکان کے بغیر نماز ناقص ہے:

۷۳۳۔عن أبي هريرةؓ أنّ رجلاً دخل المسجد ورسول الله ﷺ جالسٌ في ناحيةِ المسجدِ فصلّى ثمّ جاء فسلّم عليه فقال له رسولُ اللهﷺ :وعليك السلامُ، اِرجِعْ فصلِّ فإنّكَ لم تُصلِّ، فرجع فصلّى ثمّ جاء فسلّم،فقال:وعليك السلام، اِرجع فصلِّ فإنّكَ لم تُصلِّ،فقال في الثالثة أوْفي الّتي بعدَهاعلِّمْني يا رسولَ الله! فقال: اذاقُمتَ الى الصلوٰةِ فأسبِغِ الوُضوءَ ثمّ استقبلِ القبلةَ فكبِّرْ ثمّ اقرأْبماتيسّرَ معك مِن القرآن ثمّ اركَعْ حتّىٰ تطمئِنّ راكعًا ثمّ ارفعْ حتّىٰ تستوِيَ قائمًا ثمّ اسجدْ حتّىٰ تطمئِنّ ساجدًاثمّ ارفع حتّىٰ تطمئنَ جالسًا ثمّ اسجدْ حتّىٰ تطمئِنّ ساجدًاثمّ ارفعْ حتّىٰ تطمئِنّ جالسًا .وفي روايةٍ:ثمّ ارفعْ حتّىٰ تستوِيَ قائمًاثمّ افعل في صلوٰتِك كلّها.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور رسول اللہﷺ مسجد کے ایک کونے میں تشریف رکھتے تھے۔ اُس شخص نے

(تعدیلِ ارکان اور قومہ وجلسہ کی رعایت کے بغیر) نماز پڑھی، پھر آ کر آپ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے اُس کے جواب میں ''وعلیک السلام'' کہا اور فرمایا کہ واپس جا کر پھر نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ اس نے واپس جا کر پھر نماز پڑھی اور آپ ﷺ کی خدمت میں آ کر سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وعلیک السلام! جا اور پھر نماز پڑھ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی (تین مرتبہ ایسا ہوا) تیسری مرتبہ یا اس کے بعد (چوتھی مرتبہ میں) اُس شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے (صحیح نماز) سکھا دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو نماز پڑھنا چاہے تو (پہلے) اچھی طرح وضو کر، پھر قبلہ رو کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہہ، پھر قرآن کی جو سورت تیرے لیے پڑھنا آسان ہو وہ پڑھ، پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کر، پھر سر اٹھا حتیٰ کہ سیدھا کھڑا ہو جا، پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو، پھر سر اٹھا کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ، پھر اطمینان کے ساتھ (دوسرا) سجدہ کر، پھر سر اٹھا کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ پھر سر اٹھا یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر اپنی ساری نماز میں اس طرح کر۔ (متفق علیہ)

مرسلِ صحابی:

تشریح: قوله: ارجع فصلّ، فإنك لم تصلّ..... ۔اس حدیث میں جس اعرابی صحابی کا ذکر ہے، وہ خلاد بن رافع انصاریؓ ہیں جو بدر میں شہید ہو گئے تھے، لہٰذا مذکورہ واقعہ یقینی طور پر غزوۂ بدر سے پہلے پیش آیا ہے، جبکہ ابو ہریرہؓ ۷ھ میں اسلام لائے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کسی دوسرے صحابی سے سن کر یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ اس قسم کی حدیث کو مرسلِ صحابی کہا جاتا ہے جو بالاتفاق حجت ہے۔

نماز میں سورۂ فاتحہ کی حیثیت:

قوله: فكبّر ثم اقرأ بما تيسّر معك من القرآن..... ۔اس جملہ سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے، جو کہتے ہیں کہ مطلق قراءت فرض ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ بھی ہے: "فاقرؤا ما تيسّر من القرآن." جبکہ سورۃ فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ مزید قرآن ملانا واجب ہے۔ اس کے وجوب کی دلیل وہ تمام اخبارِ آحاد ہیں جن سے ائمہ ثلاثہؒ سورۃ فاتحہ کی رکنیت وفرضیت پر استدلال کرتے ہیں مثلاً: " لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب " اور "من صلّى صلاة لم يقرأ فيها بأمّ القرآن، فهي خداجٌ ،ثلاثًا ،غير تمام". ان جیسی احادیث سے ائمہ ثلاثہؒ آیت :"فاقرؤا ما تيسّر من القرآن " کو سورۃ فاتحہ کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں یعنی یہ آیت خاص سورۃ فاتحہ پڑھنے پر محمول ہے، جو کہ درست نہیں اور نہ ہی فی نفسہا یہ احادیث ''مفید فرضیت'' ہے، کیونکہ آحاد ہونے کی بنا پر یہ احادیث نہ قطعی الثبوت ہے اور نہ قطعی الدلالۃ، البتہ اس سے وجوب ثابت ہو سکتا ہے، جس کے احناف قائل ہیں، بلکہ فاتحہ کے علاوہ قراءت کے وجوب کے بھی قائل ہیں، جو کہ دوسری روایات صحیحہ سے ثابت ہیں مثلاً:"لا صلاة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب فصاعدًا." (ابوداؤد) اور "لا صلاة إلّا بقراءة فاتحة الكتاب فما زاد." جبکہ ائمہ ثلاثہؒ ان احادیث سے صرف فاتحہ کی فرضیت ثابت کرتے ہیں اور فاتحہ کے علاوہ قراءت کو واجب نہیں کہتے، بلکہ صرف سنت قرار دیتے ہیں۔

تعدیلِ ارکان فرض ہے یا واجب؟:

قوله: ثم اركع حتىٰ تطمئنّ راكعاً ثمّ ارفع.....ثمّ اسجد حتىٰ تطمئنّ ساجداً..... ۔حدیث کے اس جزء سے تعدیلِ ارکان

ثابت ہوتی ہے۔ حضرت خلاد بن رافعؓ چونکہ تعدیل ارکان کو ترک کر رہے تھے اس بنا پر آپ ﷺ نے ان کو تین مرتبہ بڑے اہتمام کے ساتھ "ارجع فصلّ فانك لم تصلّ" کہہ کر تنبیہ فرمائی۔ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ اسی ارشادِ نبوی سے تعدیلِ ارکان کی فرضیت پر استدلال فرماتے ہیں۔

جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں راجح قول کے مطابق تعدیلِ ارکان واجب ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مطلق رکوع (یعنی انحنا بمعنیٰ جھکنا) اور سجدہ (یعنی زمین پر ایک تسبیح کے بقدر پیشانی رکھنے) کی فرضیت آیت: "ارکعوا واسجدوا" سے ثابت ہوتی ہے، جبکہ تعدیلِ ارکان (جس کا ثبوت مذکورہ روایت اور آگے روایتِ عائشہؓ سے ہوتا ہے جو کہ اخبارِ آحاد ہیں جن سے نہ تو کتاب اللہ پر زیادتی کر سکتے ہیں اور نہ ہی فرضیت ثابت ہو سکتی ہے) کے بارے میں احوط واسلم یہ ہے کہ مذکورہ آیت اور احادیث کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس (تعدیلِ ارکان) کو واجب کہا جائے۔ حنفیہ کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں ترکِ تعدیل پر نماز کو ناقص قرار دیا گیا ہے، مثلاً حضرت رفاعہ بن رافعؓ کی روایت کے یہ الفاظ: "فإذا فعلتَ ذلك فقد تمّت صلاتك وإن انتقصتَ منه شيئاانتقصتَ من صلاتك" (ترمذی) یعنی "اگر ایسی نماز پڑھی تو پوری نماز ادا کر دی اور اگر اس میں سے کچھ کمی کی تو اپنی نماز کو ناقص کر دیا"۔ اگر تعدیلِ ارکان فرض ہوتی تو اس کے ترک کرنے پر نماز کے بطلان کا حکم لگایا جاتا نہ کہ نقصان کا۔ ترکِ تعدیل سے نماز بالکلیہ باطل تو نہیں ہوتی، لیکن ترکِ واجب سے امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بھی وقت کے اندر اندر یہ نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

جلسۂ استراحت کی حیثیت:

قوله: ثمّ ارفع حتّیٰ تطمئنّ جالسًا....: اس سے پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے اٹھنے کے بعد جلسۂ استراحت (بیٹھنا) ثابت ہوتا ہے۔ یہ جلسہ امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے۔ اس حدیث کے علاوہ اسی فصل میں آگے آنے والی حدیثِ مالک بن الحویرثؓ سے بھی آپؒ استدلال کرتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں وارد ہے: "فإذا كان في وترٍ من صلاته، لم ينهض حتىٰ يستوىَ قاعدًا" یعنی "آپ ﷺ طاق رکعتوں میں قیام سے پہلے کچھ بیٹھتے تھے"۔

جبکہ ائمہ حنفیہؒ کے ہاں جلسۂ استراحت مسنون نہیں۔ ان حضرات کی دلیل ترمذی کی یہ روایت ہے: "كان النبي ﷺ ينهض في الصلاةِ علىٰ صدورِ قدميه" یعنی "آپ ﷺ پنجوں کے بل نماز میں کھڑے ہوتے تھے"۔ اس کے علاوہ جلیل القدر صحابہؓ کے آثار بھی اس پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً مصنّف ابی شیبہ کی یہ روایت: "عن الشعبي أنّ عُمَرَ و عليًّا رضي الله عنهما وأصحابَ رسول الله ﷺ كانوا ينهضونَ في الصلاةِ علىٰ صدورِ أقدامهم"۔ احناف کی جانب سے جلسہ استراحت والی احادیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے مرض یا ضعف کے عذر پر اور کبر سنی پر محمول ہیں۔ (نفحات)

آپ ﷺ کی نماز:

٧٣٤۔ عن عائشةؓ قالت: كان رسولُ الله ﷺ يستفتحُ الصلاةَ بالتكبير، والقراءةَ بـ الحمدُ لله ربّ العالمين وكان اذاركعَ لم يشخصْ رأسَه ولم يُصَوِّبْه ولكن بين ذلك وكان اذارفعَ رأسَه من الركوعِ لم يسجدْ حتّىٰ يستوِي قائمًا وكان اذارفعَ

رأسَه مِن السجدةِ لم يسجدُ حتىٰ يستوى جالسًاو كان يقولُ فى كلِّ ركعتين التّحِيّةَ و كان يُفرِشُ رِجلَه اليُسرىٰ وينصِبُ رِجلَه اليُمنىٰ و كان ينهىٰ عَنْ عُقبةِ الشيطان وينهىٰ أن يفترِشَ الرجلُ ذراعيهِ افتراشَ السَّبُعِ و كان يختِمُ الصلوٰةَ بالتسليم.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر کہہ کر نماز شروع فرماتے اور قراءت "الحمد لله ربّ العالمين" سے شروع فرماتے اور جب رکوع کرتے تو نہ اپنے سر کو (زیادہ) بلند کرتے اور نہ (زیادہ) پست کرتے بلکہ اس کے درمیان رکھتے (یعنی پیٹھ اور گردن برابر رکھتے) اور جب رکوع سے سر مبارک اٹھا لیتے تو جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے سجدہ نہ کرتے اور جب سجدہ سے سر مبارک اٹھاتے تو (دوسرا) سجدہ نہ کرتے یہاں تک کہ سیدھا بیٹھ جاتے اور آپ ﷺ ہر دو رکعتوں میں التحیات پڑھا کرتے تھے اور اپنے بائیں پیر کو بچھا دیتے اور دائیں پیر کو کھڑا رکھتے اور آپ عُقبہ شیطان (شیطان کی طرح بیٹھنے) سے منع فرماتے اور اس سے بھی منع فرماتے کہ آدمی (سجدہ میں) اپنے ہاتھ درندوں کی طرح بچھائے اور نماز کو سلام کہہ کر ختم فرماتے۔ (مسلم)

قعدہ میں افتراش افضل ہے یا تورّک؟:

تشریح: قوله: وكان يفرش رجله اليُسرىٰ ،وينصبُ رِجله اليمنىٰ...: ۔یہاں یہ بات زیرِ بحث لائی جاتی ہے کہ قعدۂ صلاۃ میں کون سی ہیئت اختیار کرنا افضل ہے، "افتراش" یا "تورّک"؟ مذکورہ حدیث سے ائمہ احنافؒ افتراش کی افضلیت پر استدلال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ فصلِ ثانی میں مروی حدیثِ رفاعہ بن رافعؓ بھی ان حضرات کی دلیل ہے۔ افتراش اسے کہتے ہیں کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھا جائے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھا جائے۔ اور تورّک یہ ہے کہ بایاں پاؤں دائیں طرف نکال کر سرین پر بیٹھا جائے۔

جبکہ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک تورّک افضل ہے، البتہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ امام مالکؒ کے ہاں دونوں قعدوں میں تورّک افضل ہے۔ اور امام شافعیؒ صرف سلام والے قعدہ (قعدۂ اخیرہ) میں تورّک کے قائل ہیں اور جس قعدہ میں سلام نہ ہو، اس میں افتراش کو افضل کہتے ہیں۔ اور امام احمدؒ کے ہاں دو قعدوں والی نماز کے دوسرے قعدہ میں تورّک افضل ہے اور پہلے قعدہ میں اور ایک قعدے والی نماز میں افتراش افضل ہے۔ ان حضرات کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں تورّک کا ذکر آیا ہے مثلاً: اسی فصل میں ابو حمید ساعدیؓ کی حدیث، اسی طرح دوسری فصل میں پہلی روایت جو انہی ابو حمید ساعدیؓ کی سند سے مروی ہے۔

احنافؒ کی جانب سے ان احادیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ احادیث یا تو بیانِ جواز پر محمول ہے اور یا پھر حالتِ عذر پر۔

تشہد میں اقعاء کی ممانعت:

قوله: وكانَ ينهىٰ عن عقبة الشيطن ...: ۔"عقبة الشيطان" سے مراد اقعاء ہے، جس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ سرینوں کو اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھا جائے اور ایڑھیوں کو سرینوں سے ملا کر پنڈلیوں کو کھڑا کر لیا جائے یہ "إقعاء كإقعاء الكلب" ہے۔ جبکہ دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں ایڑیاں کھڑی کر کے سرینوں کے بل اس پر اس طرح بیٹھے جیسا کہ حالتِ تشہد میں بیٹھتے ہیں۔ اقعاء کی ممانعت دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ البتہ عذر کی حالت مستثنیٰ ہے۔ (نفحات)

تکبیرِ تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟:

۷۳۵۔وعن أبي حميد الساعديؓ قال في نفرٍ من أصحابِ رسول الله ﷺ :أنا أحفظُكم لصلاةِ رسول الله رأيتُه اذا كبّرَ جعلَ يديه حذاءَ مَنكِبَيه واذاركعَ أمكن يديه مِن رُكبتَيه ثمّ هصرَ ظهرَه فاذارفعَ رأسَه استوىٰ حتىّٰ يعودَ كلُّ فقارٍ مكانَه فاذاسجدَ وضعَ يديه غيرَ مفترشٍ ولاقابضَهماواستقبلَ بأطرافِ أصابعِ رِجْليه القِبلةَ فاذاجلسَ في الركعتين جلسَ علىٰ رِجلِه اليُسرىٰ ونصبَ اليُمنىٰ فاذاجلسَ في الركعةِ الآخرةِ قدّمَ رِجلَه اليُسرىٰ ونصبَ الأُخرىٰ وقعدَ علىٰ مقعدتِه.[بخاری]

ترجمہ:حضرت ابوحُمید ساعدیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) صحابہ کی ایک جماعت میں یہ فرمایا کہ"میں تم سب سے زیادہ رسول اللہﷺ کی نماز کو یادرکھنے والا ہوں۔میں نے آپﷺ کو دیکھا کہ جب تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کرتے تو اپنے گھٹنوں کو (اچھی طرح) اپنے ہاتھوں سے پکڑتے ،پھراپنی پیٹھ جھکادیتے (تاکہ گردن کے ساتھ برابرہو) پھرجب (رکوع سے) سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہوجاتے یہاں تک کہ ہرجوڑ اپنی جگہ آجاتا اور جب سجدہ کرتے تو (زمین پر) اپنے ہاتھوں کو بغیر بچھائے اور بغیر سمیٹے رکھ دیتے اور پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رو رکھتے ،پھرجب (پہلی) دو رکعتوں میں بیٹھتے تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کردیتے اور جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں آگے کو نکال دیتے اور دوسرے (یعنی دائیں) پاؤں کو کھڑا کردیتے اور کولہے (یعنی سرین) پر بیٹھ جاتے۔(بخاری)

تشریح: قوله: إذا كبّر جعل يديه حذاءَ منكبيه.....:تکبیرِتحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟اس میں اختلاف ہوا ہے، چنانچہ جمہورائمہؒ کے ہاں تکبیرِتحریمہ میں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے جائیں،یہی افضل ہے۔ان حضرات کی دلیل حدیثِ باب ہے۔

جبکہ احنافؒ کے نزدیک کانوں تک ہاتھ اٹھانا افضل ہے۔ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱)حدیثِ مالک بن الحویرثؓ :"قال :كان رسول الله ﷺ إذا كبّر رفع يديه حتىّٰ يحاذي بهما أذنيه "۔(ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ)یعنی رسول اللہﷺ جب تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو کانوں کے برابر تک اٹھاتے۔

(۲)حدیثِ وائل بن حُجرؓ میں ہے: "وحاذى إبهامَيه أذنيه ثم كبّر."(ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ)

حضرات احنافؒ کی جانب سے جمہورائمہ کو ان کی مستدل روایات (جس میں منکبین تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے) کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ روایات حالتِ عذر پر محمول ہیں جیسا کہ ابوداؤد میں مروی حضرت وائل بن حُجرؓ کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے،آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''جب میں دوسری مرتبہ مدینہ حاضر ہوا تو افتتاح صلاۃ میں صحابہ کو سینوں تک ہاتھ اٹھاتے دیکھا جبکہ وہ برنس (چغے) اور چادریں اوڑھے ہوئے تھے''۔

سجدہ میں پیروں کی انگلیوں کا رخ:

قوله: واستقبل بأطرافِ أصابع رجليه القبلةَ.....:۔یہاں حالتِ سجدہ میں پیروں کی انگلیوں کے اطراف کو قبلہ کی طرف رکھنے کا ذکر ہے۔احناف میں سے علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں اطرافِ اصابع کو قبلہ رو رکھنا واجب ہے۔جبکہ علامہ شامیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق

تالیف ''ردّ المحتار'' میں اسے سنت قرار دیا ہے۔ بہر حال اس کے سنتِ مؤکدہ ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس کو ترک کرنا مکروہ ہے۔

رفع یدین کا مشہور اختلافی مسئلہ:

۷۳۶۔وعن ابن عمرؓ أنّ رسول اللهﷺ كان يرفعُ يديهِ حذوَ مَنكِبيْهِ إذا افتتحَ الصلاةَ وإذا كبّرَ للركوعِ وإذا رفعَ رأسَه مِن الركوعِ رفعهما كذلك وقال: "سمعَ اللهُ لمَن حمده، ربّنالكَ الحمدُ" وكان لايفعل ذلك في السجودِ. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع (میں جانے کے لیے) کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو بھی ہاتھوں کو اسی طرح (کندھوں تک) اٹھاتے اور کہتے کہ'' سمع الله لمن حمد، ربّنا لك الحمد ''اور سجدوں میں ایسا (یعنی رفع یدین) نہ کرتے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: وإذا كبّر للركوعِ وإذا رفعَ رأسه من الركوعِ رفعهما كذلك...: یہاں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفعِ یدین کرنے نہ کرنے کا مشہور اختلافی مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس مسئلہ میں رفعِ یدین اور عدمِ رفع دونوں صحیح احادیث سے ثابت ہیں، اس لیے علامہ ابو بکر جصاصؒ کی تصریح کے مطابق یہ اُن مسائل میں سے ہے جن میں فقہاء کے مابین پایا جانے والا اختلاف فقط افضلیت اور عدم افضلیت کا ہے، لہٰذا ایسے مسائل میں غلو کرنا اہلِ علم کی شان نہیں۔

چنانچہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ رفعِ یدین کو افضل قرار دیتے ہیں۔ ان حضرات کا استدلال مذکورہ حدیث کے علاوہ حدیثِ نافع، حدیثِ مالک بن الحویرثؓ، حدیثِ وائل بن حُجرؓ اور حدیثِ ابی حمید ساعدیؓ سے ہے۔ یہ تمام احادیث اسی فصل میں آگے مذکور ہیں۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرت نافعؒ کی حدیث میں: "وإذا قام من الركعتين رفعَ يديهِ" اور حضرت ابوحمید ساعدیؓ کی حدیث میں: "ثمّ اذا قام من الركعتين كبّر ورفع يديه" کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دوسری رکعت سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کیا جائے گا، لیکن بالاتفاق اس پر عمل متروک ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ہاں رکوع میں آتے جاتے وقت رفع یدین نہ کرنا افضل ہے۔ ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) حدیثِ علقمہ عن ابن مسعودؓ: "قال عبدالله بن مسعودؓ: ألا أصلّي بكم صلاةَ رسولِ الله ﷺ، فصلّى، فلم يرفعْ يديهِ إلّا في أوّلِ مرّةٍ." (ترمذی بحوالہ مشکوۃ) یعنی ''نبی پاکﷺ نے صرف پہلی مرتبہ میں نماز کے اندر ہاتھ اٹھائے''۔

(۲) حدیثِ براء بن عازبؓ: "قال: كان النبي ﷺ إذا كبّر لافتتاحِ الصلاةِ، رفعَ يديهِ حتّى يكونَ إبهاماه قريبًا من شحمتي أذنيهِ ثم لا يعودُ." (ابوداؤد)

(۳) حدیثِ جابرؓ میں وارد یہ الفاظ: "فقال: مالي أراكم رافعي أيديَكم، كأنّها أذنابُ خيلٍ شُمسٍ، اُسكنوا في الصلاةِ." (مسلم) یعنی ''یہ گھوڑوں کی دُموں کی طرح ہاتھ کیوں اٹھاتے ہو نماز میں پر سکون رہو''۔ اس کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ (جو رفعِ یدین کا راوی بھی ہیں) کی روایات اور خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ اور جلیل القدر صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل جو ترکِ رفع کا ہے، اس سلسلہ میں احناف و مالکیہ کے مؤید ہیں۔

ان حضرات کی جانب سے شوافع وحنابلہ کی پیش کردہ احادیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آپ حضرات کی پیش کردہ احادیث اور ایسے ہی دوسری صحیح احادیث میں رکوع کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی رفعِ یدین منقول ہے، مثلاً: سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اور دوسری رکعت سے اٹھتے وقت، حالانکہ آپ حضرات بھی ان مواقع پر رفعِ یدین کے قائل نہیں ہو، بلکہ اس کو منسوخ سمجھتے ہو، تو ایسے ہی ہم احناف ''قبل الرکوع وبعد الرکوع'' رفعِ یدین کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو رکوع کرتے وقت رفعِ یدین کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: "انہ، کان ھذا شیئا فعلہ رسول اللہ ﷺ ثم ترکہ"۔ (طحاوی، طبرانی) یعنی ''ایسا مت کرو آپ ﷺ رفع یدین کیا کرتے تھے پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو ترک کر دیا''۔ نیز حضرت ابن عمرؓ (جو رفع کے راوی ہیں) کا عمل بھی ترکِ رفع کا ثابت ہے، چنانچہ حضرت مجاہدؒ جو ابن عمرؓ کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں: "صلّیتُ خلفَ ابن عمرؓ، فلم یکن یرفع یدیہ إلّا فی التکبیرۃ الأولیٰ من الصلاۃ''۔ (طحاوی، بیہقی، ابن ابی شیبۃ) اس کے علاوہ امام بیہقیؒ "عن سالم عن أبیہ" کی نہایت قوی سند سے روایت لائے ہیں: "إنّ رسول اللہ ﷺ کان یرفعُ یدیہ إذا افتتح الصلاۃ ثم لا یعود۔" یعنی ''نبی پاک ﷺ افتتاحِ صلاۃ کے موقع پر رفع یدین کرتے تھے پھر رفع یدین نہ کرتے''۔ اگرچہ بیہقی اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں لیکن یہ اُن کا وہم اور تعصب ہے۔ محدثین کے ہاں "عن سالم عن أبیہ" کی سند کو سلسلۃ الذھب (سونے کی لڑی) کا نام دیا جاتا ہے۔

مذکورہ مسئلہ میں مذہبِ حنفی کئی وجوہ سے راجح معلوم ہوتا ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) ترکِ رفع یدین ''اوفق بالقرآن'' ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "قوموا للہ قانتین" قانتین کی تفسیر "خاشعین وساکتین" سے کی گئی ہے اور رفع یدین ترک کرنا خشوع وسکون کے زیادہ لائق ومناسب ہے۔

(۲) ترکِ رفع یدین کے روایت کرنے والے اکابر صحابہؓ ہیں جو صفِ اوّل میں کھڑے ہوتے تھے، لہٰذا ان حضرات کی روایت مقدم ہوگی۔

(۳) ترکِ رفع کے راوی، رفعِ یدین کے رواۃ کی بنسبت ''افقہ فی الدین'' (دین میں زیادہ فقیہ) ہیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کا مکہ کے ایک محلّہ ''دار الحناطین'' میں امام اوزاعیؒ کے ساتھ رفع یدین کے متعلق مناظرہ ہوا، جس میں امام صاحبؒ ترکِ رفع کے رواۃ کا رفع کے رواۃ کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ '' حماد، امام زہری سے اور ابراہیم نخعیؒ، سالمؒ سے زیادہ فقیہ ہیں اور علقمہؒ فقاہت فی الدین میں حضرت ابن عمرؓ سے کم نہیں اور عبداللہ (یعنی حضرت ابن مسعودؓ) تو عبداللہ ہی ہیں''۔

(۴) رفعِ یدین کی روایات کے مرکزی راوی حضرت ابن عمرؓ کا رفعِ یدین کو ترک کرنا اور ترکِ رفع کو روایت کرنا (جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا) بھی مذہبِ حنفی کے راجح ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ (مرآۃ، نفحات)

۷۳۷۔ وعن نافعٍؒ أنّ ابنَ عمرؓ کانَ إذا دخلَ فی الصلوٰۃ کبّرَ ورفعَ یدَیہ، وإذا قال: سمع اللہُ لِمَن حمدہ رفعَ یدیہ وإذاقامَ مِن الرکعتینِ رفعَ یدَیہ، ورفعَ ذلک ابنُ عمر الی النبیِّ ﷺ. [بخاری]

ترجمہ: نافعؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کرتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب " سمع اللہ لمن حمدہ " کہتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو ہاتھ اٹھاتے۔ ابن عمرؓ اس کو نبی پاک ﷺ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔ (بخاری)

آپ ﷺ تکبیر میں ہاتھ کہاں تک اٹھاتے ؟:

۷۳۸۔وعن مالك بن الحويرث قال: كانَ رسول الله ﷺ إذا كبّرَ رفعَ يديهِ حتىٰ يُحاذِي بهما أذنيه واذارفعَ رأسَه مِن الركوعِ فقال سمعَ اللهُ لِمن حمده فعلَ مِثلَ ذلك.وفي روايةٍ :حتّیٰ يُحاذِي بهمافُروعَ أُذنيه.

ترجمہ:حضرت مالک بن حویرثؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے کہ اُن کو کانوں کے برابر کردیتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو'' سمع اللهُ لِمَن حمِدَہ'' کہتے اوراسی طرح کرتے۔اورایک روایت میں ہے کہ ہاتھوں کو کانوں کے اوپر کی جانب کے برابر کردیتے۔(متفق علیہ)

۷۳۹۔وعنه أنّه رأى النبيَّ ﷺ يُصَلّي ،فإذا كانَ في وِترٍ من صلوٰته لم ينهضْ حتّیٰ يستويَ قاعدًا .[بخاري]

ترجمہ:حضرت مالک بن حویرثؓ ہی سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کونماز پڑھتے دیکھا،چنانچہ جب نبی پاک ﷺ اپنی نماز کی طاق(پہلی یا تیسری)رکعت میں ہوتے تو جب تک کہ سیدھے بیٹھ نہ جاتے (اگلی رکعت کے لیے) کھڑے نہ ہوتے۔(بخاری)

حالتِ قیام میں ہاتھوں کی کیفیت:

۷۴۰۔وعن وائل بن حُجرٍ أنّه رأى النبيَّ ﷺ رفعَ يديهِ حينَ دخلَ في الصلاةِ كبّر ثمّ التحَفَ بثوبهٖ ثمّ وضعَ يده اليُمنیٰ علیٰ اليُسریٰ فلمّاأرادأن يركعَ أخرجَ يديه مِن الثوبِ ثمّ رفعهما و كبّر فركعَ فلمّاقال:سمعَ الله لِمَن حمده رفعَ يديه فلمّاسجدَ سجدَ بين كفّيه.[مسلم]

ترجمہ:حضرت وائل بن حُجرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز میں داخل ہوتے وقت ہاتھوں کو اٹھایا، تکبیر کہی، پھر اپنے کپڑے میں ہاتھوں کو ڈھک لیا، پھر اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھا اور جب رکوع کرنا چاہا تو ہاتھوں کو کپڑے سے نکال کر اٹھایا اور رکوع کیا، پھر جب ''سمع الله لمن حمده'' کہا تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے درمیان میں(سجدہ)کیا۔(مسلم)

تشریح: قوله: ثم وضع يده اليمنىٰ على اليسرىٰ ....: ۔نماز میں قیام کی حالت میں ہاتھوں کی کیفیت کیسی ہونی چاہیے؟یعنی ہاتھ باندھے جائیں یا چھوڑے جائیں، پھر ہاتھ کہاں باندھے جائیں وغیرہ۔اس سلسلہ میں فقہاء کے مذاہب درج ذیل ہیں:

امام ابوحنیفہؒ،امام شافعیؒ اورامام احمدؒ کے نزدیک دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا جائے۔مذکورہ حدیث کے علاوہ اس کے متصل سہل بن سعدؓ کی روایت:''كان الناسُ يؤمرون أن يضعَ الرجلُ اليدَ اليمنىٰ علىٰ ذراعِه اليسرىٰ في الصلاة.''(بخاری)اورفصلِ ثانی میں مروی قبیصہ بن ہُلبؓ کی روایت:''كان رسولُ الله ﷺ يؤمُّنا، فيأخذُ شمالَه بيمينه.''(ترمذی)ان حضرات کا مستدل ہے۔

پھران روایات میں چونکہ وضع یعنی ہاتھ رکھنے اوراخذ یعنی پکڑنے دونوں کا ذکر ہے،لہذا حضرات احنافؒ دونوں پرعمل کرتے ہیں کہ داہنی ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھتے ہیں اور دائیں ہاتھ کے ابہامہ (انگوٹھا) اور خنصر (چھنگلیا) سے حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کو پکڑتے بھی ہیں اور باقی تین انگلیاں بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر وضع کرتے ہیں (یعنی رکھتے ہیں) اس طرح وضع اور اخذ دونوں پرعمل ہو جاتا ہے۔

جبکہ امام مالکؒ کے ہاں ارسال الیدین یعنی ہاتھوں کو چھوڑے رکھنا مسنون ہے۔آپؒ کا استدلال بعض صحابہؓ وتابعینؒ کے آثار سے ہے، مثلاً: "کان ابنُ زبیرؓ إذا صلّٰی یرُسل یدیہ." یعنی "ابن زبیرؓ نماز میں ہاتھوں کو چھوڑے رکھتے"۔ایسے ہی یہ اثر: "عن عبدالله بن یزید قال: ما رأیتُ ابن المسیبؒ قابضًا یمینه فی الصلاةِ، کان یُرسلها." ترجمہ: "میں نے ابن المسیبؒ کو نماز میں کبھی بھی ہاتھ باندھے ہوئے نہیں دیکھا، آپؒ ہاتھ چھوڑے رکھتے"۔ایسے ہی حضرت ابن سیرینؒ اور حضرت حسن بصریؒ کے آثار وغیرہ۔

جمہور ائمہ کی جانب سے امام مالکؒ کے مستدل ان آثار کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان صحابہ وتابعین کا نماز میں "ارسال الیدین کرنا" ان حضرات کا اجتہاد تھا جو صحیح اور مرفوع احادیث کے مقابلہ میں حجت نہیں۔

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟:

جمہور ائمہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہوا ہے کہ ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جائیں یا سینہ کے اوپر۔چنانچہ حضرات احنافؒ اس کے قائل ہیں کہ ہاتھ ناف کے نیچے باندھے جائیں۔ان حضرات کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہیں:

حدیثِ علیؓ: "إنّ من السنةِ فی الصلاةِ وضعُ الکفِ علی الکفِّ تحتَ السُرة." (ابوداوٗد، بیہقی) یعنی "نماز میں سنت یہ ہے کہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا جائے"۔اور حدیثِ وائل بن حُجرؓ: " قال: رأیتُ النبی ﷺ یضعُ یمینه علیٰ شماله فی الصلاةِ تحتَ السرة." (آثارالسنن)

جبکہ امام شافعیؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ نماز میں ہاتھوں کو ناف کے اوپر اور سینہ سے نیچے باندھنا افضل ہے۔اس کے علاوہ ایک قول سینہ پر ہاتھ رکھنے کا ہے اور ایک ناف کے نیچے رکھنے کا۔شوافع کا عمل پہلے قول کے مطابق ہے۔

اور امام احمدؒ کا ایک قول احناف کے مطابق "تحت السرة" ہاتھ رکھنے کا ہے اور دوسرا شوافع کے مشہور قول (وضع فوق السرة تحت الصدر) کے مطابق۔

مرد کے لیے سینے کے اوپر ہاتھ رکھنے کا کوئی ثبوت نہیں:

غیر مقلد فرقہ جو عموماً فوق الصدر (سینہ کے اوپر) ہاتھ باندھتا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔علامہ شوکانیؒ (جن کو یہ فرقہ اپنا امام کہتا ہے) فرماتے ہیں کہ فوق الصدر ہاتھ باندھنا کسی کا مذہب نہیں۔ایسے ہی غیر مقلدین کے بزعم اِن کے دوسرے امام حافظ ابن قیمؒ اپنی کتاب "بدائع الفوائد" میں "وضع الیدین تحت السرة" کے بارے میں حضرت علیؓ کی روایت نقل کرنے کے بعد اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "امام مزنی کی روایت کے مطابق ہاتھ ناف سے تھوڑے نیچے رکھے جائیں۔سینے کے اوپر ہاتھ باندھنا مکروہ ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے "تکفیر" سے منع فرمایا ہے اور تکفیر یہ ہے کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر رکھے جائیں"۔(مرآۃ)

۷۴۱۔وعن سهل بن سعدؓ قال: کانَ النّاسُ یُؤمَرونَ أن یضعَ الرجلُ الیدَ الیُمنیٰ علیٰ ذراعهِ الیُسریٰ فی الصلوٰةِ.[بخاری]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ مرد نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے۔(بخاری)

تکبیراتِ انتقالات:

۷۴۲ ۔عن أبی هریرةؓ قال: کانَ رسولُ الله ﷺ إذا قامَ إلی الصلوٰةِ یُکبّرُ حینَ یقومُ ثمّ یُکبّرُ حینَ یرکعُ ثمّ یقولُ سمع الله لمن حمده حین یرفعُ صُلبَه مِن الرکعةِ ثمّ یقولُ وهو قائمٌ :ربّنالك الحمد،ثمّ یُکبّرُ حین یهوِی ثمّ یُکبّرُ حینَ یرفعُ رأسَه ثمّ یُکبّر حین یسجدُ ثمّ یُکبّرُ حین یرفعُ رأسَه ثمّ یفعلُ ذلك فی الصلوٰةِ کلّهاحتیّٰ یقضِیَها ویُکبّرُ حین یقومُ مِن الثّنتین بعدَ الجلوس ۔[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا ارادہ کرتے تو جب کھڑے ہوتے تکبیر کہتے، پھر جب رکوع میں جاتے تکبیر کہتے، پھر جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے تو سمع الله لمن حمده کہتے پھر کھڑے ہو کر ربنا لك الحمد کہتے، پھر جب (سجدہ میں) جھکتے تو تکبیر کہتے، پھر جب سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے، پھر جب (دوسرے) سجدہ میں جاتے، پھر جب (سجدہ سے) سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے، پھر ساری نماز میں اسی طرح کرتے یہاں تک کہ نماز پوری کر لیتے اور (پہلی) دو رکعتوں میں بیٹھنے کے بعد جب اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ (متفق علیہ)

۷۴۳ ۔عن جابرؓ قال: قال رسول الله ﷺ :أفضلُ الصلوٰةِ طولُ القنوتِ ۔[مسلم]

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر نماز لمبے قیام والی (نماز) ہے۔ (مسلم)

"الفصل الثانی"

آپ ﷺ کی نماز کا حال:

۷۴۴ ۔عن أبی حُمید الساعدیؓ قال فی عشرةٍ من أصحاب النبیّ ﷺ: أنا أعلمُکم بصلوٰةِ رسول الله ﷺ قالوا: فأعرِضْ قال: کان النبیّ ﷺ اذاقام الی الصلوٰةِ رفعَ یدیهِ حتیّٰ یُحاذِی بهما مَنکبیه،ثمّ یُکبّرُ ثمّ یقرأُ ثمّ یُکبّرُ ویرفعُ یدیه حتّی یُحاذی بهما منکبَیه ثمّ یرکعُ ویضعُ راحتیَه علیٰ رُکبتیَه ثمّ یعتدِلُ فلایُصَبّی رأسَه ولایُقنِعُ ثمّ یرفعُ رأسَه فیقولُ: سمع الله لمن حمدهُ ،ثمّ یرفعُ یدیه حتیّٰ یُحاذِی بهما مَنکبَیه معتدلاً،ثمّ یقولُ الله أکبرثمّ یهوِی الی الأرضِ ساجداً فیُجافی یدیه عن جنبَیه ویفتحُ أصابعَ رِجلَیه ثمّ یرفعُ رأسَه ویُثنِی رِجلَه الیُسریٰ فیقعُدُ علیها ثمّ یعتدلُ حتیّٰ یرجعَ کلُّ عَظمٍ فی موضعِه معتدِلاً ثمّ ینهضُ ثمّ یصنعُ فی الرکعةِ الثانیةِ مثلَ ذلكَ ثمّ اذاقامَ مِن الرکعتین کبّرَ ورفع یدیه حتیّٰ یُحاذی بهمامَنکبَیه کما کبّر عندَ افتتاحِ الصلوٰةِ ثمّ یصنعُ ذلكَ فی بقیّةِ صلوٰتِه حتیّٰ اذاکانتِ السجدةُ الّتی فیها التسلیم ،أخرَ رِجلَه الیُسریٰ وقعدَ متورّکاً علیٰ شِقّه الأیسرِ ثمّ سلّم ،قالوا: صدقتَ هکذا کان یُصلّی .[أبو داوٗد،دارمی ،وروی الترمذی وابنُ ماجة معناه وقال الترمذیُ:هذاحدیثٌ حسنٌ صحیحٌ] وفی روایةٍ لأبی داوٗدمِن حدیثِ أبی حُمید:ثمّ رکعَ فوضعَ یدیه علیٰ رُکبتیه کأنّه قابضٌ علیهما ووَتّرَیدَیه فنحاهما عن جنبیه ،وقال:ثمّ سجد فمکّن أنفَه وجبهَتَه الأرضَ ونحّی یدیه عن جنبَیه ووضعَ کفّیه حذوَ مَنکبَیه وفرّجَ بین فخذیه غیرَ حاملٍ بطنَه علیٰ شیءٍ مِن فخِذیه حتیّٰ فرغ ثمّ جلسَ فافترشَ رِجلَه الیُسریٰ وأقبلَ بصدرِ الیُمنیٰ علیٰ قِبلتِهِ ووضعَ کفّه الیُمنیٰ علیٰ رُکبتِه الیُسریٰ وکفّه الیُسریٰ علیٰ رُکبته الیُسریٰ وأشار بأُصبعِ

یعنی السبّابة. وفی أُخریٰ له: واذاقعدفی الرکعتین قعد علیٰ بطنِ قدمِه الیُسریٰ ونصب الیُمنٰی واذاکان فی الرابعةِأفضٰی بورِکه الیُسریٰ الی الأرضِ وأخرجَ قدمیه مِن ناحیةٍ واحدة.

ترجمہ: حضرت ابوحُمید ساعدیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کے دس صحابہؓ کے درمیان یہ کہا کہ میں تم میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں۔ صحابہؓ نے کہا کہ بیان کیجئے۔ فرمایا کہ نبی پاک ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے یہاں تک کہ ان کو کانوں کے برابر کردیتے، پھر تکبیر کہتے، پھر قرأت کرتے، پھر تکبیر کہتے اور ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے، پھر رکوع کرتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے، پھر کمر سیدھی کرتے اور اپنے سر کو نہ جھکاتے اور نہ بلند کرتے پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے اپنا سر اٹھاتے، پھر سیدھے کھڑے ہوکر کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے، پھر سجدہ کرنے کے لیے اللہ اکبر کہتے ہوئے زمین کی طرف جھکتے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے پہلوؤں سے الگ رکھتے اور اپنے پاؤں کی انگلیاں کھولتے (یعنی قبلہ کی طرف موڑتے) پھر (سجدہ سے) سر اٹھاتے اور بائیں پاؤں کو موڑ کر سیدھے ہوکر اس پر بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ ہر ہڈی ٹھیک طور سے اپنی اپنی جگہ پر آجاتی، پھر سجدہ کرتے، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھاتے اور بائیں پاؤں کو موڑ کر (بچھا کر) اس پر اعتدال کے ساتھ بیٹھ جاتے حتیٰ کہ ہر ہڈی اپنی اپنی جگہ آجاتی، پھر کھڑے ہوتے، پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے پھر جب (پہلی) دو رکعتوں سے اٹھتے تو تکبیر کہتے اور ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھادیتے جیسا کہ نماز شروع کرتے وقت تکبیر کہی تھی، پھر باقی ساری نماز میں اس طرح کرتے یہاں تک کہ جب وہ سجدہ (یعنی آخری رکعت) ہوتا جس میں سلام ہے، تو اُس میں اپنے بائیں پاؤں کو (باہر) نکال کر بائیں جانب کولہے (سرین) پر بیٹھ جاتے، پھر سلام پھیرتے۔ صحابہؓ نے (یہ سن کر) کہا کہ آپ نے درست کہا، نبی پاک ﷺ اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔ (ابوداؤد، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ) اور ابوحُمیدؓ سے مروی ابوداؤد کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ پھر (آپ ﷺ) رکوع کرتے اور اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر اس طرح رکھتے گویا گھٹنوں کو پکڑے ہوئے ہوں اور اپنے ہاتھوں کو (کمان کے) چلّے کی طرح کردیتے اور اپنے پہلوؤں سے اس کو الگ رکھتے اور ابوحُمید کہتے ہیں کہ پھر سجدہ میں جاتے اور اپنی ناک اور پیشانی زمین پر رکھتے اور ہاتھوں کو پہلوؤں سے دور رکھتے اور (سجدہ میں) ہتھیلیوں کو کندھوں کے برابر رکھتے اور رانوں کے درمیان کشادگی کرتے (اس طرح کہ) اپنے پیٹ کو رانوں پر نہیں رکھتے (یعنی رانوں سے پیٹ کو دور رکھتے) حتیٰ کہ (سجدہ سے) فارغ ہوجاتے، پھر (تشہد میں) بیٹھ جاتے چنانچہ اپنے بائیں پاؤں کو بچھالیتے اور دائیں پاؤں کی پشت قبلہ کی طرف کرتے اور دائنی ہتھیلی دائیں گھٹنے پر اور بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔ اور ابوحُمیدؓ کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب (پہلی) دو رکعتوں میں بیٹھتے، تو بائیں پاؤں کے تلوے پر بیٹھتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کردیتے اور چوتھی (یعنی آخری) رکعت میں بائیں کولہے کو زمین سے لگاتے اور دونوں پاؤں ایک طرف نکال دیتے۔

۷۴۵۔ وعن وائل بن حُجرٍؓ أنّه أبصرَ النبیَّ ﷺ حینَ قامَ الی الصلوٰةِ رفعَ یدیه حتیٰ کانتا بحِیالِ مَنکبَیه وحاذیٰ اِبهامیه أُذُنیه ثمّ کبّر. [أبوداؤد وفی روایةٍ له: "یرفعُ ابهامیه الیٰ شحمةِ أذنیه"]

ترجمہ: حضرت وائل بن حُجرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو دیکھا کہ جس وقت آپ ﷺ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو یہاں تک اٹھایا کہ مونڈھوں کے برابر ہوگئے اور اپنے انگوٹھوں کو کانوں کے برابر کیا پھر اللہ اکبر کہا۔ اور ایک روایت میں آتا

ہے کہ آپ ﷺ اپنے انگوٹھوں کو کانوں کی لووں تک اٹھاتے ۔(ابوداؤد)

٧٤٦ـوعن قُبيصة بن هلب عن أبيه قالَ: كانَ رسولُ اللهِ ﷺ يؤمُّنا فيأخذُ شمالَه بيمينِه .[ترمذى ،ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت قُبیصہ بن ہُلب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں امامت کراتے تو اپنا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ سے پکڑتے ۔(ترمذی،ابن ماجہ)

ایک نومسلم صحابی کو نماز کی تعلیم:

٧٤٧ـوعن رفاعة بن رافعؓ قال :جاءَ رجلٌ فصلّىٰ فى المسجد ثمّ جاء ،فسلّمَ على النبىّ ﷺ فقال النبىُّ ﷺ:أعِدْ صلوٰتَك فإنّك لم تُصلِّ فقال: علِّمْنِى يا رسولَ الله!كيف أصلّى ؟قال: اذاتوجّهتَ الى القبلةِ فكبِّر ثمّ اقرأْ بأمِّ القرآن وماشاءَ اللهُ أن تقرأَ ،فاذاركعتَ فاجعلْ راحتَيك علىٰ رُكبتَيك ومكِّنْ رُكوعَك وامدُدْظهرَك فاذارفعتَ فأقِمْ صُلبَك وارفعْ رأسَك حتىّٰ ترجعَ العِظامُ الىٰ مفاصلِها فاذاسجدتَّ فمكِّنْ للسجودِ فاذارفعتَ فاجلِسْ علىٰ فخِذكَ اليُسرىٰ ثمّ اصنعْ ذلك فى كلِّ ركعةٍ وسجدةٍ حتىّٰ تطمئِنَّ .[هذالفظُ المصابيح ورواه أبوداؤدمعَ تغيير يسيرورو ى الترمذى والنسائى معناه]وفى روايةٍ للترمذى:قال: اذاقمتَ الى الصلوٰةِ فتوضّأ كماأمرَكَ اللهُ به ثمّ تشهدْ فأقِمْ فإنْ كان معكَ قرآنٌ فاقرأْ وإلاّ فاحمدِ اللهَ و كبِّرْه وهلِّله ثمّ اركعْ.

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافعؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور مسجد میں نماز پڑھی، پھر نبی پاک ﷺ کے پاس آ کر سلام عرض کیا۔آپ ﷺ نے (ان سے) فرمایا کہ اپنی نماز دوبارہ پڑھو، کیونکہ تو نے تو نماز نہیں پڑھی ۔اُس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے نماز پڑھنا سکھا دیجئے ، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو قبلہ رو کھڑا ہو تو تکبیر کہہ، پھر سورۃ فاتحہ اور جو کچھ (سورت) اللہ چاہے پڑھو اور جب رکوع کرو تو اپنی ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھو اور اچھی طرح رکوع کرو اور اپنی پیٹھ پھیلاؤ، پھر جب رکوع سے کھڑے ہو تو اپنی کمر سیدھی کرو اور سر کو اٹھاؤ حتیٰ کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں میں واپس آ جائیں، پھر جب سجدہ کرو تو اچھی طرح سجدہ کرو، پھر جب سجدہ سے اٹھو تو اپنے بائیں ران پر بیٹھو، پھر ہر رکعت اور ہر سجدہ میں اس طرح کرو حتیٰ کہ (ہر رکن) اطمینان کے ساتھ ادا کرو۔(یہ لفظ مصابیح کے ہیں۔ابوداؤد نے معمولی تغیر کے ساتھ اسے نقل کیا ہے اور ترمذی ونسائی نے اس کا معنیٰ روایت کیا ہے)اور ترمذی کی روایت میں ہے، فرمایا کہ جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو وضو کرو جیسا کہ اللہ نے تجھے وضو کا حکم دیا ہے، پھر (وضو کے بعد) کلمہ شہادت پڑھو، پھر اچھی طرح نماز ادا کرو، پھر اگر کچھ قرآن یاد ہو تو (نماز میں) اس کو پڑھو ورنہ تو الحمد لله ،الله أكبر اور لا إلٰه إلّا الله کہو پھر رکوع کرو۔

نماز کے بعد دعا نہ کرنے کی مذمت:

٧٤٨ـوعن فضل بن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ :الصلاةُ مَثْنىٰ مثنىٰ، تشهدٌ فى كلِّ ركعتين وتخشُّعٌ وتضرُّعٌ وتمسكُنٌ ثمّ تُقْنِعُ يديك [يقولُ:ترفعُهما]الىٰ ربِّك مُستقبِلاً بِبُطونهما وجهَك وتقولُ :"يارَبِّ يارَبِّ"ومَن لم يفعلْ ذلك فهو كذا و كذا.وفى روايةٍ :فهو خداجٌ.[ترمذى]

ترجمہ: حضرت فضل بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (نفل) نماز دو دو رکعت ہے۔ ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے۔ اور (نماز) خشوع، عاجزی اور اظہار مسکنت (کا نام) ہے۔ پھر (دعا کے لیے) اپنے ہاتھوں کو اٹھا۔ حضرت فضل کہتے ہیں: "تقنع یدیك" کا مطلب ہے کہ تو ہاتھوں کو اپنے رب کی طرف اس طرح اٹھا کہ اس کی ہتھیلیاں منہ کی جانب ہوں اور کہہ کہ "اے میرے رب! اے میرے رب!" اور جو اس طرح نہیں کرتا تو وہ ایسا ایسا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ناقص ہے (یعنی اس شخص کی نماز ناقص ہے)۔ (ترمذی)

تشریح: قوله: الصلاةُ مثنیٰ مثنیٰ، تَشَهُّدٌ فی كل ركعتين ......: اس جگہ "الصلاةُ" سے مراد نفل نماز ہے، اور مثنیٰ مثنیٰ کا مطلب خود اس حدیث میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ "تشهدٌ فی كلِ ركعتين" یعنی ہر دوسری رکعت میں تشہد پڑھنی چاہیے، نیز نفل نماز دو رکعت ہوگی، ایک یا تین رکعت نہیں ہوسکتی۔ ایک یا تین رکعت والی نماز کو حدیث میں "بُتیراء" (ناقص نماز) کہا گیا ہے۔

نفل دو، دو رکعت پڑھنا افضل ہے یا چار، چار رکعت؟:

یہاں فقہاء کے مابین ہونے والا یہ اختلاف ذکر کیا جاتا ہے کہ نفل نماز دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے یا چار چار رکعت؟ چنانچہ امام شافعیؒ کے ہاں نفل نماز دو دو رکعت پڑھنی افضل ہے، خواہ دن ہو یا رات۔ آپؒ کی دلیل مذکورہ حدیث ہے، اس کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث بھی دلیل ہے: "صلاةُ الليل و النهارِ مثنیٰ مثنیٰ." (ترمذی وابوداؤد) یعنی "رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے"۔

جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک رات کے نوافل میں دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے، جبکہ دن کے نوافل میں چار چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔ یہ حضرات بھی حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو نسائی میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: "صلاةُ الليل مثنیٰ مثنیٰ." امام نسائیؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اس حدیث کے بعض طرق میں جو [نهار] کا ذکر ہے، وہ ابن عمرؓ کے شاگردوں کی ایک معتدبہ جماعت کے ہاں ثابت ہی نہیں"۔ امام ترمذی بھی اس کے قریب قریب بات فرماتے ہیں کہ صحیح روایت "صلاةُ الليل مثنیٰ مثنیٰ." کی ہے۔ ثقہ راوی "نهار" کا تذکرہ نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں امام ترمذیؒ حضرت ابن عمرؓ کا اپنا عمل یہ نقل کرتے ہیں کہ "اِنّه كانَ يُصلّی بالليلِ مثنیٰ مثنیٰ و با لنهارِ أربعًا" یعنی "ابن عمرؓ خود رات کو دو دو اور دن کو چار رکعت پڑھتے" جو کہ "صلاة الليل والنهارِ مثنیٰ مثنیٰ" کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ صاحبینؒ دن کے نوافل کے چار ہونے پر صحاح میں وارد ان روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں ظہر سے پہلے، جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد ایک سلام کے ساتھ چار چار رکعت پڑھنا منقول ہیں۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ، صاحبینؒ کی طرح دن میں تو چار چار رکعت کو افضل کہتے ہیں اور صلاةُ اللیل (رات کے نوافل) کے بارے میں آپؒ فرماتے ہیں کہ دو سے لے کر آٹھ رکعت تک ایک سلام سے پڑھنا جائز ہے جبکہ چار چار رکعت ایک ایک سلام سے پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپؒ حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کے رات کے نوافل کے متعلق آپؓ فرماتی ہیں: "يُصلّی أربعًا ،فلا تسأل عن حُسْنِهِنّ و طولهنّ ثمّ يصلی أربعًا فلا تسئل عن حسنهنّ و طولهنّ ثمّ يُصلّی ثلاثًا." (بخاری) یعنی "آپ ﷺ رات کو چار رکعت نفل پڑھتے تھے، اس کے طول اور حسن کے بارے میں مت پوچھو....."۔ اس روایت میں آپ ﷺ کے رات کے نوافل چار چار الگ الگ سلام کے ساتھ بتائے جارہے ہیں۔ اس کے علاوہ امام صاحبؒ چار چار رکعت

کی افضلیت کی ایک وجہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھنے میں مشقت زیادہ ہے، لہذا ثواب بھی زیادہ ملے گا۔

قوله: وتشهدٌ فی کل رکعتین وتخشعٌ وتضرّعٌ وتمسکُنٌ...... یہ سب مصادر ہیں۔ بعض لوگ اس کو امر کے صیغے سمجھتے اور پڑھتے ہیں جو کہ درست نہیں، بلکہ غلط اور تصحیف ہے۔

قوله: ثمّ تُقنِعُ یدیك یقول ترفعهما......۔ "یقولُ" کا مرجع "ابن عباس" ہیں جو "ترفعهما" کہہ کر "تُقنِعُ یدیك" کی وضاحت کرر ہے ہیں۔

"الفصل الثالث"

۷۴۹۔عن سعید بن الحارث بن المُعلّٰی قال: صلّٰی لنا أبو سعیدٍ الخدریؓ ،فجهرَ بالتکبیرِ حینَ رفعَ رأسَه مِن السجود وحینَ سجدَ وحینَ رفعَ مِن الرکعتین وقال: هٰکذا رأیتُ النبیّ ﷺ .[بخاری]

ترجمہ:سعید بن الحارث بن معلّٰی کہتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے ہمیں نماز پڑھائی چنانچہ جس وقت سجدہ سے سر اٹھایا اور جس وقت سجدہ میں گئے اور جس وقت دو رکعتوں سے اٹھے، تو بلند آواز سے تکبیر کہی اور فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کو اسی طرح (بلند آواز سے تکبیرات کہتے) دیکھا ہے۔(بخاری)

۷۵۰۔وعن عکرمةؓ قال: صلّیتُ خلفَ شیخٍ بمکة، فکبّرَ ثِنتَینِ وعِشرینَ تکبیرةً ،فقلتُ لابن عباسؓ :إنّه أحمقُ ،فقال: ثکلتْكَ أُمُّكَ ،سُنّةُ أبی القاسم ﷺ.[بخاری]

ترجمہ:عکرمہؒ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ایک بوڑھے شخص (یعنی حضرت ابو ہریرہؓ) کے پیچھے نماز پڑھی۔انہوں نے نماز میں (جہر کے ساتھ) بائیس تکبیرات کہی، تو میں نے حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ یہ شخص احمق ہے (جو اتنی زیادہ تکبیریں کہتا ہے) حضرت ابن عباسؓ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ تیری ماں تجھے گم کردے! یہ (تکبیریں کہنا) ابوالقاسم ﷺ کی سنت ہے۔(بخاری)

تشریح: قوله: إنّه أحمق......۔عکرمہ کی زبان سے حضرت ابو ہریرہؓ کی شان میں یہ کلمہ دو وجوہ سے نکلا: ایک تو یہ کہ عکرمہؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے واقف نہ تھے، دوسرا یہ کہ اس زمانہ میں مروان اور بنو امیہ نے بلند آواز سے تکبیرات کہنا چھوڑ دیا تھا، جس کی وجہ سے عکرمہؒ نے اتنی مقدار میں تکبیرات کو درست نہ سمجھا۔(مظاہر حق)

۷۵۱۔وعن علیّ بن الحُسینؓ مرسلاً قال: کان رسولُ اللهِ ﷺ یُکبّرُ فی الصلوٰة کلّما خفضَ ورفعَ فلمْ تزَلْ تلك صلوٰتُه حتیّٰ لقِیَ اللهَ تعالیٰ.[مالك]

ترجمہ:علی بن حُسین (زین العابدینؒ) سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں جھکتے اور جب اٹھتے تو تکبیر کہتے۔آپ ﷺ کی نماز یہی رہی حتیٰ کہ اللہ سے ملاقات کی (یعنی وفات پائی)۔(مالک)

ترکِ رفع یدین پر حنفیہ کی ایک قوی دلیل:

۷۵۲۔وعن علقمة قال: قال لنا ابنُ مسعودٍؓ :ألا أُصلّی بکم صلاةَ رسولِ اللهِ ﷺ،فصلّی ولم یرفعْ یدیهِ إلاّ مرّةً واحدةً مع

تکبیرِ الافتتاح۔[ترمذی،أبو داؤد،نسائی ،وقال أبو داؤد :"لیس ھو بصحیحٍ علیٰ ھذا المعنیٰ"۔]

ترجمہ: علقمہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ جیسی نماز نہ پڑھاؤں؟ چنانچہ آپؓ نے نماز پڑھائی اور صرف تکبیر تحریمہ کے ساتھ ایک مرتبہ ہاتھ اٹھائے۔(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

امام ابوداؤد کے حوالہ سے مذکورہ حدیث کی صحت کی نفی:

تشریح: قوله:وقال أبو داؤد:لیسَ ھو بصحیحٍ علیٰ ھذا المعنیٰ.... یہ روایت تکبیر تحریمہ کے علاوہ دیگر مواقع میں ترکِ رفع پر احناف کی ایک قوی دلیل ہے۔ یہاں امام ابوداؤد کے حوالے سے اس روایت سے صحت کی نفی کی جارہی ہے، حالانکہ امام ابوداؤد کی طرف اس قول کی نسبت خود مشکوک ہے، کیونکہ یہ عبارت:"وقال أبو داؤد:لیسَ ھو بصحیحٍ .." ابوداؤد شریف کے متداول مصری وہندوستانی نسخوں میں موجود نہیں، معلوم نہیں کہ یہ کس کی طرف سے کہا گیا ہے، لہٰذا اس عبارت کا اعتبار نہیں ہوگا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ ابوداؤد کا قول ہے، پھر بھی صحت کی نفی سے ضعف لازم نہیں آتا، اس لیے کہ اگر حدیث صحیح نہیں ہے تو حسن درجہ کی تو ضرور ہے جو کہ لائق استدلال ہوتی ہے۔(نفحات)

۷۵۳۔وعن أبي حُمیدالساعديؓ قال :کانَ رسولُ اللهِ ﷺ إذا قامَ إلی الصلوٰۃ ،استقبلَ القبلةَ ورفعَ یدیهِ وقال: اللهُ أکبر.

ترجمہ: حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو قبلہ رو ہو جاتے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ أکبر کہتے۔(ابن ماجہ)

آنحضرت کا بطورِ معجزہ گدی کی طرف سے دیکھنا:

۷۵۴۔وعن أبي ھریرۃؓ قال:صلّٰی بنارسولُ اللہ ﷺ الظھر، وفي مؤخّرِ الصُّفوفِ رجلٌ ،فأساءَ الصلاۃَ فلمّاسلّمَ ناداہ رسولُ اللہ ﷺ یافلان!ألاتتّقِي اللہَ ،ألاترَی کیفَ تُصلّي ،إنّکم ترَونَ أنّه یخفیٰ عليَّ شيءٌ ممّاتصنعونَ واللہِ إنّي لأرَیٰ من خلفي کماأرَیٰ من بین یدَيّ.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔صفوں کے آخر میں ایک آدمی تھا جس نے نماز اچھی طرح سے نہیں پڑھی، جب اُس نے سلام پھیرا تو اس کو رسول اللہ ﷺ نے آواز دے کر فرمایا: اے فلاں! تو اللہ سے نہیں ڈرتا، کیا تو دیکھتا نہیں کہ تو کیسی نماز پڑھ رہا ہے، تم یہ سمجھتے ہو کہ جو تم کرتے ہو وہ مجھ پر پوشیدہ رہتا ہے؟ اللہ کی قسم! جیسے میں اپنے سامنے (کی چیزیں) دیکھتا ہوں اسی طرح پیچھے (کی چیزیں) بھی دیکھ لیتا ہوں۔(احمد)

تشریح: قوله: واللہ إنّي لأرَیٰ من خلفي کما أرَیٰ بین یدَيّ.... اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ کو پیچھے بھی نظر آتا تھا۔اس کی کئی توجیہات کی گئی ہیں جن میں راجح یہ ہے کہ یہ حقیقت پر محمول ہے۔آپ ﷺ کو بطورِ معجزہ سر کی آنکھوں سے پچھلی جانب کا ایسا ہی ادراک ہوا کرتا تھا جیسا کہ سامنے کی چیزوں کا۔

(بابُ ما یُقرَءُ بعدَ التّکبیرِ)

اس باب میں تکبیر تحریمہ اور قرأت فاتحہ کے درمیان اذکار کے متعلق جس قدر احادیث ذکر کی گئی ہیں، ان میں سے ہر ایک پر عمل کرنا درست ہے، فرائض میں بھی پڑھے جاسکتے ہیں اور نوافل میں بھی۔ البتہ جو اذکار طویل ہیں، اس کے متعلق احناف فرماتے ہیں کہ ان اذکار کو نوافل میں پڑھا جائے، جبکہ فرائض میں مختصر اذکار پڑھے جائیں، خصوصاً جبکہ فرض جماعت کے ساتھ ہو، کیونکہ باجماعت نماز میں تخفیف اولیٰ ہے۔

"الفصل الاوّل"

۷۵۵۔عن أبی ھریرۃؓ قالَ: کانَ رسولُ اللہ ﷺ یسکتُ بین التکبیرِ وبین القراءۃِ إسکاتۃً فقلتُ:بأبی أنتَ وأُمّی یارسولَ اللہ!اسکاتُکَ بین التکبیر وبین القراءۃِ ماتقول:قال: أقول:"اللّھمّ باعِدْ بینی وبینَ خطایایَ کماباعدتَّ بین المشرِقِ والمغرِبِ ،اللّھمّ نَقِّنِی مِن الخطایا کمایُنقّی الثوبُ الأبیضُ مِن الدنسِ ،اللّھمّ اغسِلْ خطایایَ بالماءِ والثلجِ والبَرَدِ".

ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان تھوڑا سا خاموش رہتے۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان خاموش ہونے کے وقت آپ (ﷺ) کیا کہتے ہیں؟ فرمایا کہ میں یہ کہتا ہوں کہ "اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری پیدا فرما جتنا مشرق اور مغرب میں تو نے دوری پیدا کررکھی ہے۔ اے اللہ! مجھے گناہوں سے ایسے پاک کردے جیسے سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی سے اور برف سے اور اولوں سے دھوڈال"۔(متفق علیہ)

نماز میں آپ ﷺ کی دعائیں:

۷۵٦۔وعن علیؓ قالَ: کانَ النبیّ ﷺ إذا قامَ إلی الصلوٰۃ ،وفی روایۃٍ کانَ إذا افتتح الصلوٰۃَ کبّرَ ثمّ قال:"وجّھتُ وجھِیَ للّذی فطرَ السمٰوٰتِ والرضَ حنیفًا وماأنامِن المشرکین،إنّ صلوتی ونُسُکِی ومحیایَ ومَماتِی للّٰہ ربِّ العالمین لاشریکَ لہ وبذٰلکَ أُمِرتُ وأنامِن المسلمین ،اللھمّ أنتَ المِلکُ لاالٰہ الاّ أنتَ ربّی وأناعبدُکَ ظلمتُ نفسی واعترفتُ بذنبی فاغفِرلی ذُنوبی جمیعاً إنّہ لایغفِرُ الذُّنوبَ الاّ أنتَ واھدِنی لأحسنِ الأخلاقِ لایھدی لأحسنِھا الاّ أنتَ واصرِفْ عنّی سیِّئَھالایصرِفُ عنّی سیِّئَھا الاّ أنتَ لبّیکَ وسعدیکَ والخیرُ کلُّہ فی یدیکَ والشرُّ لیس الیکَ أنابِکَ والیکَ تبارکتَ وتعالیتَ أستغفِرُکَ وأتوبُ الیکَ "واذارکعَ قال:" اللّھمّ رکعتُ وبکَ امنتُ ولکَ أسلمتُ خشعَ لکَ سمعِی وبصری ومُخّی وعظمِی وعَصبِی "فاذارفعَ رأسَہ قال: "اللّھمّ ربّنالکَ الحمدُ مِلأَ السمٰوٰتِ والأرضِ ومابینَھما ومِلأَ ماشئتَ مِن شیءٍ بعدُ "واذاسجدَ قال:"اللّھمّ لکَ سجدتُ وبکَ امنتُ ولکَ أسلمتُ سجدَ وجھِیَ للذی فطرَہ وخلقَہ وشقّ سمعَہ وبصرَہ تبارکَ اللہُ أحسنُ

الخالقین"ثم یکون من اخرِ مایقولُ بین التشھُّدِ والتسلیمِ:"اللّھم اغفِرلی ماقدمتُ وماأخرتُ وماأسررتُ وماأعلنتُ وماأسرفتُ وماأنتَ أعلمُ به منّی أنتَ المُقدمُ وأنتَ المؤخِرُلاالٰہ الّا أنتَ".[مسلم] وفی روایة الشافعیؒ:"والشرُّلیس الیك والمَھدیُّ مَن ھَدیتَ أنابكَ والیكَ لامنجأمنكَ ولاملجأَ الّا الیك تبارکتَ".

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور ایک روایت میں ہے کہ جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر (تحریمہ) کہتے پھر (یہ دعا) کہتے: ''میں نے پھیرا اپنے چہرے کو اس ذات کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا شرک سے بیزار ہوکر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں۔ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اے اللہ تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں، لہٰذا میرے تمام گناہ معاف فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں اور اچھے اخلاق کی طرف میری رہنمائی فرما، تیرے سوا کوئی اچھے اخلاق کی طرف راہ نہیں دکھا سکتا اور مجھ سے برے اخلاق پھیر دے، تیرے سوا کوئی برے اخلاق نہیں پھیر سکتا، اے اللہ میں حاضر (خدمت) ہوں اور حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہوں اور خیر سب کا سب تیرے قبضہ میں ہے اور برائی کی نسبت تیری طرف نہیں کی جاسکتی، میں تیری مدد سے (سب کچھ) ہوں اور میں تیری طرف (لوٹتا) ہوں، تو برکت والا اور عالی شان والا ہے، میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں''۔ (حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ) اور جب آپ ﷺ رکوع فرماتے تو کہتے کہ ''اے اللہ! تیرے سامنے میں نے رکوع کیا، تجھی پر ایمان لایا، تیرا ہی مطیع ہوا، تیرے ہی سامنے میرے کان، میری آنکھ، میرا گودا (دماغ) میری ہڈی اور میرے پٹھے جھکے ہوئے ہیں''۔ (راوی کہتا ہے) اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کہتے ''اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں بھرے ہوئے آسمانوں اور زمین جتنی اور آسمان اور زمین کے درمیان خلا جتنی اور اس کے بعد جو چیز جتنی تو چاہے (اتنی)'' اور جب سجدہ کرتے تو کہتے کہ ''اے اللہ! تیرے سامنے میں نے سجدہ کیا اور تجھ ہی پر ایمان لایا اور تیرے لیے میں مطیع ہوا، میرے منہ نے اس ذات کے سامنے سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا اور اس کو صورت بخشی اور اس کے کان اور آنکھ کھولی، اللہ بہت بابرکت، بہترین پیدا کرنے والا ہے''۔ پھر آخر میں تشہد اور سلام پھیرنے کے درمیان یہ کہتے: ''اے اللہ! میرے لیے سب اگلے پچھلے گناہ بخش دے اور پوشیدہ گناہ بھی اور ظاہر گناہ بھی، تو ہی آگے بڑھانے والا (یعنی عزت دینے والا) ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں''۔ (مسلم) اور شافعیؒ کی روایت میں ہے کہ (آپ ﷺ نے دعا میں فرمایا کہ اے اللہ!) ''برائی تیری طرف منسوب نہیں اور ہدایت یافتہ وہ ہے جسے تو نے ہدایت بخشی اور میں تیری ہی مدد سے ہوں اور تیری طرف رجوع کرنے والا ہوں، تیری ذات سے نجات نہیں اور تیرے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں، تو بابرکت ہے''۔

۷۵۸۔وعن أنسؓ أنّ رجلاً جاءَ فدخلَ الصفَّ وقد حفزہ النَّفَسُ فقال: اللہ أکبر الحمد للہ حمدًا کثیرًا طیّبًا مبارکًا فیه، فلمّاقضٰی رسولُ اللہ ﷺ صلوٰتَه قال: أیُّکم المتکلّمُ بالکلمات؟ فأرمّ القومُ، فقال: أیُّکم المتکلّمُ بالکلمات؟ فأرمّ القومُ، فقال أیُّکم المتکلّمُ بھا؟ فإنه لم یقلْ فقال رجلٌ: جئتُ وقد حفزَنی النفسُ فقلتُھا فقال لقدْ رأیتُ اثنی عشر ملکایبتدرونھا أیُّھم یرفعھا.[مسلم]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص آ کر صف میں داخل ہوا، اس کا سانس چڑھا ہوا تھا، اس نے کہا کہ " اللہ أکبر، الحمد لله حمدًا کثیرا طیبًا مبارکا فیه " جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا چکے تو فرمایا کہ یہ کلمات کس نے کہے ہیں؟ لوگ خاموش رہے، آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا کہ یہ کلمات کس نے کہے ہیں؟ اُس نے کوئی بری بات نہیں کہی۔ تو اُس شخص نے کہا کہ میں آیا اور میری سانس چڑھی ہوئی تھی، میں نے یہ کلمات کہے۔ (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے بارہ فرشتوں کو (اس بات کی طرف) جلدی کرتے دیکھا کہ کون (فرشتہ) اِن کلمات کو (رب کے دربار میں) پہنچائے گا؟ (مسلم)

"الفصل الثانی"

تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھا جائے؟:

۷۶۸۔عن عائشةؓ قالت: کانَ رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلاةَ ،قال: سبحانكَ اللّهمّ وبحمدِكَ وتبارك اسمكَ وتعالىٰ جدُّكَ ولا إلٰـهَ غيرُكَ.[ترمذی ،أبوداؤد وروی ابن ماجة عن أبی سعید] وقال الترمذی :"هٰذا الحدیثُ لا نعرِفه إلاّ مِن حارثةَ وقد تُكُلِّم فيه من قِبلِ حِفظِه".

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو کہتے: "سبحانك اللّهمّ وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدُّك ولا إله غيرك "(ترجمہ)"اے اللہ ہم تیری پاکی اور تیری حمد بیان کرتے ہیں اور تیرا نام برکت والا ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں"۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ہم صرف حارثہ کی سند سے جانتے ہیں، اور حارثہ (قوتِ) حفظ کے حوالہ سے متکلم فیہ ہے۔

تشریح: قوله: إذا افتتح الصلاةَ،قال: سبحانك اللهم وبحمدك.....: جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ اس باب میں وارد تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھے جانے والے اذکار میں سے کوئی بھی ذکر پڑھنے سے سنت ادا ہو جائے گی۔ البتہ افضل ذکر کون سا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک " سبحانك اللهم وبحمدك ... " پڑھنا معمول بہ اور افضل ہے۔ ان حضرات کی دلیل مذکورہ حدیث ہے۔

جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک کلمات توجیہ یعنی " وجّهتُ وجهيَ للّذي فطر السموٰتِ والأرضَ حنيفًا وما أنا من المشركين .... " کہنا افضل ہے۔ آپؒ کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں توجیہ پڑھنے کا ذکر ہے، مثلاً: فصلِ اوّل میں حضرت علیؓ کی حدیث: "كان النبي ﷺ إذا قام إلى الصلاةِ، كبّر ثم قال: وجّهتُ وجهي للذي ....". (مسلم) اور فصلِ ثالث میں مروی حدیثِ محمد بن مسلمہؓ : " إنّ رسول الله ﷺ إذا قام يُصلّي تطوّعًا ،قال: الله أكبر، وجهتُ وجهي لِلّذي فطر السمٰوٰت....". (نسائی)۔

اور امام مالکؒ کے ہاں تکبیرِ تحریمہ اور قرأتِ فاتحہ کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں ہے، تکبیر کے متصل فوراً قرأت شروع کرنی چاہیے۔ آپؒ حضرت انسؓ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں "كان رسولُ الله ﷺ وأبو بكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ يفتتحون

القراء ۃ بالحمدُ للہِ ربِّ العالمین "۔(ترمذی) یعنی آپ اور خلفائے راشدین قرأت الحمد لله ربّ العالمین سے شروع فرماتے۔

جمہور فقہاء کی جانب سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جہری نمازوں میں جہر کے ساتھ قرأت کی ابتدا "الحمدلله ربّ العالمین" سے ہوا کرتی تھی۔

قوله: وقال الترمذی :هذا الحديثُ لا نعرِ فه إلاّ من حارثة وقد تُكُلِّم فيه من قِبلِ حفظِه....۔زیر بحث حدیثِ عائشہؓ کی سند میں "حارثہ" نامی ایک راوی متکلم فیہ ہے، امام ترمذیؒ اس راوی کا متکلم فیہ ہونا بتارہے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ معلوم ہوجائے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث کی یہ سند جس میں حارثہ ہے، متکلم فیہ ہے، یہ مطلب نہیں کہ مذکورہ حدیث متکلم فیہ ہے۔ کیونکہ یہ حدیث دوسری سندوں کے ساتھ بھی مروی ہے، چنانچہ امام ابوداؤد اپنی سنن میں اس کو ایک دوسری سند سے لائے ہیں، جس میں کوئی راوی متکلم فیہ نہیں بلکہ سب راوی ثقہ ہیں، لہٰذا امام ترمذی کا اس حدیث کی حارثہ والی سند پر تبصرہ کرنا کوئی اشکال کی بات نہیں۔(نفحات)

۷۵۹۔عن جُبير بن مطعمٍؓ أنّه رأى رسول اللهﷺ يُصلّي صلوٰةً قال: الله أكبرُ كبيرًا، الله أكبر كبيرًا ،الله أكبر كبيرًا والحمد لله كثيرًا، والحمد لله كثيرًا، والحمد لله كثيرًا وسبحان الله بُكرةً وأصيلاً[ثلاثا]أعوذبالله مِن الشيطان مِن نفخِه ونَفثِه وهَمزِه. [أبوداؤد،ابن ماجة]الاّ أنّه (أى ابن ماجة) لم يذكرُ :"والحمدلله كثيرا" وذكرَ فى آخرهِ :"مِن الشيطٰن الرجيم "وقال عمر: نَفخُ ه الكِبرُ ونفثُه الشّعرُ وهمزُه المُوتَةُ.

ترجمہ: حضرت جُبیر بن مطعمؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا، (چنانچہ) آپﷺ نے کہا کہ (ترجمہ) "اللہ بہت ہی بڑا ہے، اللہ بہت ہی بڑا ہے، اللہ کے لیے بہت ہی تعریفیں ہیں اور اللہ کے لیے بہت ہی تعریفیں ہیں" اور تین مرتبہ کہا کہ "میں صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں، میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے، اُس کی پھونک سے، اس کے منتر سے اور اس کے چوکا مارنے سے"۔(رواہ ابن داؤد، ابن ماجہ) اور ابن ماجہ نے "والحمد لله كثيرًا" کو ذکر نہیں کیا اور روایت کے آخر میں "من الشيطان الرجيم" سے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ (اس کی تشریح میں) فرمایا کرتے کہ شیطان کی پھونک سے مراد تکبر ہے اور اس کا منتر شعر ہے اور اس کا چوکا جنون (میں مبتلا کردینا) ہے۔

۷۶۰۔عن سمرة بن جندبٍؓ أنّه حفِظَ عن رسول اللهﷺ سَكتتين: سكتةً إذا كبّر، وسكتةً إذا فرغ من قراءَ ةِ"غير المغضوبِ عليهم ولا الضالّين" فصَدّقَه أُبيٌّ بن كعب.[أبوداؤد،ترمذى ،وروى ابن ماجة والدرمى معناه]

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہﷺ سے نماز میں دو سکتے یاد کیے ہیں: ایک سکتہ تکبیرِ تحریمہ کے بعد اور ایک سکتہ جب آپﷺ "غير المغضوبِ عليهم ولا الضالّين" (یعنی سورۃ فاتحہ) کی قراءت سے فارغ ہوجاتے۔(یہ سن کر) حضرت ابی بن کعبؓ نے اس (سمرہؓ) کی تصدیق کی۔(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

۷۶۱۔عن أبى هريرةؓ قال :كانَ رسول اللهﷺ إذا نهضَ منَ الركعة الثانية،استفتح القرآءَةَبالحمد لله ربّ العالمين ولم يسكُتْ.[هكذافى صحيح مسلم وذكرَه الحُميدى فى افراده وكذاصاحبُ الجامع عن مسلم وحدَه]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ جب دوسری رکعت سے کھڑے ہوتے تو قرأت کی ابتدا "الحمد لله رب العالمين"

سے کرتے اور خاموش نہ رہتے۔(صحیح مسلم)

"الفصل الثالث"

۷۶۲۔عن جابرؓ قال: كان النبيّ ﷺ إذا افتتح الصلاةَ ، كبّر ثمّ قال:" إنّ صلاتي ونُسكي ومَحياي ومَماتي لله ربّ العالمين لاشريك له وبذلك أُمِرتُ وأناأوّل المسلمين،اللهمّ اهدِني لأحسن الأعمال وأحسن الأخلاقِ لايهدىَ لأحسنهاالاّ أنتَ وقني مِن سيّئ الأعمالِ وسيّئ الأخلاق لايقِي الاّ أنت.[نسائی]

ترجمہ:حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہتے پھر یہ (کلمات) کہتے کہ" إنّ صلاتي ونسكي ومحياىَ ومماتي ..."۔ترجمہ:"میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان (فرمانبردار) ہوں۔اے اللہ! اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی طرف مجھے راہ دکھا، تو ہی اچھے عمل و اخلاق کی راہ دکھا سکتا ہے اور مجھے برے اعمال اور برے اخلاق سے بچا اور تو ہی برے عمل و اخلاق سے بچا سکتا ہے۔

۷۶۳۔وعن محمد بن مسلمةؓ قال: إنّ رسول الله ﷺ إذا قامَ يُصلّي تطوّعًا، قال :"الله أكبر وجّهتُ وجهي للذي فطرَ السمٰوٰتِ والأرضَ حنيفاوماأنامِن المشركين"وذكر الحديثَ مِثلَ حديثِ جابر أنّه قال:"وأنامِن المسلمين" ثمّ قال: "اللهمّ أنتَ الملِكُ لااِلٰه الاّ أنتَ سبحانك وبحمدِك"ثمّ يقرأُ .[نسائی]

ترجمہ:حضرت محمد بن مسلمہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نفل نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو کہتے:" اللهُ أكبر،وجّهتُ وجهيَ للذي ...."۔ترجمہ:"میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف پھیرا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (شرک سے) یکسو ہو کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں"۔اور حضرت جابرؓ کی (مذکورہ) حدیث کے مانند حدیث ذکر کی۔البتہ محمد بن مسلمہؓ (أنا أوّل المسلمين کی بجائے)"أنا من المسلمين" کے الفاظ ذکر کرتے ہیں۔پھر آپ ﷺ نے کہا کہ"اے اللہ! تو ہی بادشاہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے اور تعریف تیرے لیے ہے" پھر قراءت فرماتے۔(نسائی)

(بابُ القِراءةِ في الصَّلاةِ)

"الفصل الاوّل"

قراءت خلف الامام کا مسئلہ:

۷٦٤۔عن عبادة بن الصامتؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لاصلاةَ لِمَن لم يقرءُ بفاتحةِ الكتاب.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اس شخص کی نماز (کامل) نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔

تشریح: قوله:لاصلاةَ لِمن لم يقرء بفاتحةِ الكتاب.....:۔یہاں قراءتِ فاتحہ خلف الامام کا معرکۃ الآراء مسئلہ ذکر کیا جاتا ہے،اس

مسئلہ میں فقہاء کے مابین افضلیت وعدمِ افضلیت کا اختلاف نہیں بلکہ وجوب وتحریم کا ہے یعنی قراءۃِ فاتحہ کے خلف الامام واجب ہونے یا پھر قرأت کے حرام ہونے میں اختلاف ہوا ہے۔

چنانچہ امام شافعیؒ کے قولِ قدیم کے مطابق فاتحہ خلف الامام مطلقاً واجب ہے، خواہ سری نماز ہو یا جہری۔ اور قول جدید کے مطابق صرف سری نمازوں میں واجب ہے۔ آپؒ کی پہلی دلیل مذکورہ حدیث ہے اس میں وارد کلمہ "مَن" کو آپؒ عام مانتے ہیں جو کہ امام، مقتدی اور منفرد سب کو شامل ہے۔ دوسری دلیل اس کے متصل حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے: ''قال رسول اللہ ﷺ: مَن صلّى صلاةً لم يَقرءْ فيها بأمِّ القرآنِ فهي خداجٌ ثلاثاً غير تمامٍ فقيل لأبي هريرة إنّا نكونُ وراءَ الإمامِ قال: اقرأها في نفسِكَ...''۔ (مسلم) اور تیسری دلیل فصلِ ثانی میں مروی حضرت عُبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے، جس میں آپ ﷺ یہ ارشاد: ''لا تفعلُوا إلا بفاتحةِ الكتابِ فإنّه لا صلاةَ لِمَن لم يقرءْ بِها''۔ (ابوداؤد) فرما کر امام کے پیچھے صرف فاتحہ پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں۔

جبکہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے ہاں ''قراءۃِ فاتحہ خلف الامام'' سری نمازوں میں جائز ہے اور جہری نمازوں میں مکروہ تحریمی ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقتدی کا امام کے پیچھے قرآت کرنا مطلقاً مکروہ تحریمی ہے خواہ جہری نماز ہو یا سری۔ آپؒ کتاب سنت اور قیاس سے استدلال فرماتے ہیں جو درج ذیل ہے:

(۱) پہلی دلیل آیت: ''وإذا قُرِئَ القرآنُ فاستمِعُوا له وأنصِتُوا'' ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے خواہ جہراً پڑھا جائے یا سراً، تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو۔

(۲) دوسری دلیل حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث میں وارد یہ الفاظ ہیں کہ ''فإذا كبّر فكبِّروا، وإذا قرءَ فأنصتوا، وإذا قال: "غير المغضوبِ عليهم ولا الضالّين" فقولوا: امين، يُحبُّكم اللهُ'' (مسلم)

(۳) تیسری دلیل حدیثِ جابرؓ ہے: ''مَن كانَ له إمامٌ فقراءَةُ الإمامِ له قراءةٌ.'' (مسند احمد)

(۴) چوتھی دلیل حدیثِ ابو ہریرہؓ: ''إنّما جُعلَ الإمامُ ليُؤتَمَّ به فإذا كبَّر فكبِّروا وإذا قرءَ فأنصِتُوا.'' (ابوداؤد، نسائی)

اس کے علاوہ متعدد مرفوع احادیث اور صحابہؓ کے آثار سے بھی احناف کی تائید ہوتی ہے (مفصل شروح کی مراجعت کی جائے)۔

یہاں قیاس کی رو سے چند عقلی دلائل بھی پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) سترہ اور سجدۂ سہو کے مسئلوں میں امام کو اصل قرار دیا گیا ہے کہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے اور امام پر سجدہ سہو کے واجب ہونے سے سارے مقتدیوں پر بھی سجدہ سہو واجب ہوگا۔ جب ان ضمنی مسائل میں امام اصل ہے تو قراءت کے مسئلہ میں تو بطریقِ اولیٰ امام اصل ہوگا۔

(۲) اگر ہر شخص قراءۃ خلف الامام کا مکلف ہو تو پھر امامت کے لیے "أقرءُ القوم" (سب سے اچھا قرآن پڑھنے والے) کو منتخب کرنے کی حاجت کیا باقی رہ جاتی ہے؟

(۳) مازاد علی الفاتحہ (فاتحہ سے زائد قرآن) میں قرآت خلف الامام بالاتفاق ممنوع ہے، باوجود اس کے کہ احادیث سے ثابت ہے (جمہور علماء کے نزدیک یہ احادیث امام اور منفرد کے حق میں وارد ہیں نہ کہ مقتدی کے حق میں) تو پھر کیوں نہ قراءتِ فاتحہ کو بھی اس پر قیاس کیا

جائے۔

احناف کی جانب سے امام شافعیؒ کے دلائل کے درج ذیل جواب دیے جاتے ہیں:

حدیثِ باب کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس میں مذکور کلمہ ''مَن'' اگر چہ اکثر و بیشتر عموم کے لیے آتا ہے، لیکن یہاں قرائن کی بنا پر خصوص کے لیے ہے، احناف کے مذکورہ دلائل کے قرینہ سے اس حدیث میں ''مَن'' سے مراد امام اور منفرد ہیں، اس پر مزید تین قرائن ہیں:

(۱) اس حدیث: ''لاصلاۃَ لِمَن لم یقرءُ بفاتحۃِ الکتابِ '' کے متعلق امام احمدؒ کا یہ قول: ''ھذا لِمَن یُصَلّی وحدَہ .'' (ترمذی، ابوداؤد) یعنی ''امام کے علاوہ اس حدیث کا مصداق صرف منفرد ہے''۔

(۲) امام کو رکوع میں پانے والا بالاتفاق رکعت کو پالیتا ہے حالانکہ اس نے قراءتِ فاتحہ نہیں کی۔ جب وہ اس حدیث کے عموم سے مستثنیٰ ہے تو مقتدی بھی مذکورہ دلائل کے قرینہ سے اس حدیث کے حکم سے مستثنیٰ ہوگا۔

(۳) اس حدیث کی بعض صحیح سندوں میں ''فصاعدًا '' کی زیادتی بھی آئی ہے، جس سے مراد ''مازاد علی الفاتحۃ '' کی قراءت ہے۔ شوافع اس کو امام اور منفرد کے لیے قرار دیتے ہیں اور مقتدی کو یہ حضرات امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے علاوہ قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ معلوم ہوا کہ فاتحہ پڑھنے کا حکم بھی صرف امام اور منفرد کے لیے ہے۔

دوسری دلیل حدیثِ ابو ہریرہؓ میں وارداں الفاظ: ''إنّا نکونُ وراءَ الإمامِ، قال: اقرأْھا فی نفسِك '' کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہاں قراءت فی النفس سے سری قراءت مراد نہیں بلکہ امام کی قراءت میں غور و تدبر کرنا مراد ہے۔ چنانچہ ''نہایہ'' میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول منقول ہے: ''إذا قرأتھا فی نفسِك لم یکتُباھا '' یعنی جب آپ دل میں قراءت کروگے تو فرشتے اس کو نہیں لکھیں گے''۔ قراءۃ فی النفس (یعنی غور و تدبر) کو فرشتے نہیں لکھتے کیونکہ وہ اس پر مطلع نہیں ہو پاتے۔ نیز ابو ہریرہؓ کی وہ روایات جس میں قراءۃ خلف الامام کی نفی ہے، وہ بھی اس پر قرینہ ہے کہ قرأۃ فی النفس سے مراد غور و فکر کرنا ہے۔

اور تیسری دلیل حدیثِ عُبادہ بن صامتؓ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث معلول ہے کیونکہ اس کے ایک راوی مکحول مدلس ہیں جو "عنعنۃ" سے روایت کرتا ہے اور مدلس کا "عنعنۃ" قبول نہیں، نیز یہ حدیث سند کے اعتبار سے بھی مضطرب ہے۔ (مرآۃ، نفحات)

سورۃ فاتحہ کی تقسیم، اللہ اور بندے کے درمیان:

۷۶۵۔ وعن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: مَن صلّی صلوٰۃً لم یقرأ فیھا بأمّ القرآنِ، فھی خِداجٌ [ثلاثًا] غیرُ تمامٍ. فقیل لأبی ھریرۃ: إنّا نکونُ وراءَ الإمامِ؟ قال: اقرأْ بھا فی نفسِك، فإنّی سمعتُ رسولَ اللہ ﷺ یقولُ: قال اللہُ تعالیٰ: قسمتُ الصلوٰۃَ بینی وبینَ عبدی نِصفَینِ ولِعبدی ماسألَ فاذاقال العبدُ: "الحمدُللہ ربِّ العالمینَ" قال اللہُ تعالیٰ: حمِدَنی عبدی، واذاقال: "الرحمٰن الرحیمُ" قال اللہ تعالیٰ: أثنٰی علیَّ عبدِی، واذاقال: "مالكِ یومِ الدِّینِ" قال: مَجَّدَنی عبدی، واذاقال: "إیّاكَ نعبدُ وإیّاكَ نستعینُ" قال: ھذابینی وبینَ عبدی ولِعبدِی ماسألَ، فاذاقال: "اِھدِنا الصراطَ المُستقیمَ صراطَ الذین أنعمتَ علیھم غیرِ المغضوبِ علیھم ولاالضّالّین" قال ھذالِعبدِی ولِعبدی ماسألَ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھا تو وہ نماز ناقص ہے۔ تین بار

(یہ) فرمایا: "نامکمل ہے"۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے (یہ سن کر) پوچھا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوں (تب بھی فاتحہ پڑھے؟) حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اپنے دل میں (یعنی آہستہ سے) پڑھو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "میں نے نماز (یعنی سورۃ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندہ کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کردیا ہے اور جو میرا بندہ مانگے اس کو دیا جائے گا۔ چنانچہ جب بندہ کہتا ہے کہ "الحمدُ للهِ ربِّ العالمينَ" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف کی اور جب بندہ" الرحمٰن الرحیم "کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا کی اور جب بندہ" مالكِ يومِ الدينِ "کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعظیم کی اور جب بندہ کہتا ہے کہ" إيّاكَ نعبدُ وإيّاكَ نستعين "تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کو وہ دے دیا گیا جو اس نے مانگا، پھر جب بندہ کہتا ہے کہ "اهدنا الصراطَ المستقيمَ صراطَ الّذينَ أنعمتَ عليهم غيرِ المغضوبِ عليهم ولا الضالّين" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا۔ (مسلم)

٧٦٦۔وعن أنسٍؓ أنّ النبيَّ ﷺ وأبا بكرٍ وعمرَ كانوا يفتتحُونَ الصلوٰةَ بالحمدِ للهِ ربِّ العالمِينَ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ اور ابو بکر و عمرؓ نماز کو الحمد لله ربّ العالمين سے شروع کرتے تھے۔ (مسلم)

امام کے آمین کے ساتھ آمین کہنے کا حکم:

٧٦٧۔عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ :إذا أمّنَ الإمامُ فأمِّنُوا فإنّه مَن وافقَ تأمينُه تأمينَ الملائكةِ غُفِرلَه ماتقدّمَ مِن ذنبه.[متفق عليه]وفي روايةٍقال: اذاقال الامامُ:غير المغضوبِ عليهم ولاالضالّين" فقولوا:امين ،فإنّه مَن وافقَ قولُه قولَ الملائكةِ غُفِرله ماتقدّمَ مِن ذنبه .[هذالفظ البخاريّ ولمسلم نحوه]وفي أُخرى للبخاريّ:قال: اذاأمّنَ القاريُ فأمِّنُوافإنّ الملائكةَ تؤمّنُ فمَن وافقَ تأمينُه تأمينَ الملائكةِ غُفِرلَه ماتقدّمَ مِن ذنبه .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، کیونکہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کے ساتھ موافق ہوجائے اُس کے پہلے (یعنی پچھلے) گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ (متفق علیہ) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب امام" غير المغضوبِ عليهم ولا الضّالّين" کہے تو تم امین کہو، کیونکہ جس کا (امین) کہنا ملائکہ کے (امین) کہنے کے موافق ہوجائے تو اس کے پہلے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ (یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم کی بھی ایسی ہی روایت ہے) اور بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب امام امین کہے تو تم بھی امین کہو، کیونکہ ملائکہ بھی امین کہتے ہیں، پس جس کا امین کہنا ملائکہ کے امین کہنے کے موافق ہوجائے تو اس کے پہلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

امام کی اقتدا کس طرح کی جائے؟:

٧٦٨۔عن أبي موسى الأشعريؓ قال:قال رسول الله ﷺ :إذا صلّيتم فأقِيمُوا صُفُوفكم ثمّ لِيَؤمّكم أحدُكم فاذا كبّرفكبّروا واذاقال:"غيرِالمغضوبِ عليهم ولا الضّالّين" فقولوا:"امين "يُحِبُّكم اللهُ فاذا كبّرو ركعَ فكبّروا واركعُوافإنّ الامامَ

یر کعُ قبلَکم ویرفعُ قبلَکم فقال رسول اللهﷺ:فتلك بتلك قال واذاقال: سمع الله لمن حمده فقولوا: اللّهم ربّنا لك الحمد ،یسمعُ اللهُ لكم.[مسلم]وفی روایۃ له عن أبی هریرۃ وقتادۃ :"واذاقرأ فأنصِتُوا".

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفوں کو سیدھا کرو، پھر تم میں سے ایک تمہارا امام بنے جب وہ الله أکبر (تکبیر تحریمہ) کہے تو تم بھی الله أکبر کہو اور جب وہ غیر المغضوبِ علیهم ولا الضالّین کہے تو تم آمین کہو، اللہ تمہیں محبوب بنالے گا، پھر جب امام الله أکبر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی الله أکبر کہو اور رکوع کرو، اور امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے (رکوع سے) اٹھتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ پس یہ (پہلے سر اٹھانا) اُس (پہلے رکوع میں جانے) کے بدلے ہوا، (اور) فرمایا جب امام سمع اللهُ لِمَن حمِدَہ کہے تو تم اللّهم ربّنا لكَ الحمدُ کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری (حمد) سنتا ہے۔ (رواہ مسلم) اور مسلم میں حضرت ابوہریرۃؓ اور قتادۃؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ اور جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو۔

آپﷺ کی قراءت کی کیفیت:

۷٦۹۔ وعن أبی قتادۃؓ قال :کان النبیّﷺ یقرأُ فی الظهرِ فی الأولیینِ بأمّ الکتابِ وسورتَینِ وفی الرکعتین الأخیرین بأمّ الکتاب ویُسمِعُناالآیۃَ أحیاناویُطوِّلُ فی الرکعۃِ الأُولیٰ مالایُطیلُ فی الرکعۃِ الثانیۃوهکذافی العصرِ وهکذافی الصبح.

ترجمہ: حضرت ابوقتادۃؓ سے مروی ہے کہ نبی پاکﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور آخری دو رکعتوں میں (صرف) فاتحہ پڑھتے اور کبھی کبھار ہمیں کوئی آیت سنا دیتے اور پہلی رکعت (میں قرأت) اتنی لمبی کرتے کہ دوسری رکعت اُتنی لمبی نہ کرتے اور اسی طرح عصر کی نماز میں (بھی) کرتے اور اسی طرح فجر کی نماز میں (بھی) کرتے۔ (متفق علیہ)

۷۷۰۔عن أبی سعید الخدریّ قال: کنّا نحرزُ قیامَ رسولِ اللهﷺ فی الظهرِ والعصرِ فحَزرُنا قیامَه فی الرکعتین الأُولیَین من الظهرِ قدرَ قراءَۃِ "الٓمّ تنزیل السجدۃ".وفی روایۃ:فی کلِّ رکعۃٍ قدرَ ثلاثین آیۃً وحزرُناقیامَه فی الأُخریَینِ قدرَ النصفِ مِن ذلك وحزَرنافی الرکعتین الأُولیَین من العصرِعلیٰ قدرِ قیامِه فی الأُخریَین مِن الظهرِ وفی الأُخریینِ مِن العصرِ علی النصفِ مِن ذلك.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر کی نماز میں رسول اللہﷺ کے قیام (کی مقدار) کا اندازہ لگایا کرتے، چنانچہ ہم نے اندازہ لگایا کہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں آپﷺ سورۃ الٓمّ تنزیل السجدۃ پڑھنے کے بقدر قیام کرتے۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیتوں (کے پڑھنے) کے بقدر قیام کرتے اور (ظہر کی) آخری دو رکعتوں میں ہم نے آپﷺ کے قیام کا اندازہ لگایا کہ وہ اس (پہلی دو رکعتوں کے قیام) کے نصف کے بقدر ہوتا اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ہم نے اندازہ لگایا کہ ظہر کی آخری دو رکعتوں کے قیام کے بقدر قیام فرماتے اور عصر کی آخری دو رکعتوں میں قیام اس کے نصف کے بقدر ہوتا۔ (مسلم)

۷۷۱۔عن جابرِ بن سمُرۃَ قال :کانَ النبیُّﷺ یقرءُ فی الظهرِ "بـ اللیلِ إذا یغشٰی "وفی روایۃٍ "بـ سبِّح اسمَ ربِّك الأعلیٰ" وفی العصرِ نحو ذلك ،وفی الصبحِ أطولَ مِن ذلك.[مسلم]

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرۃؓ کہتے ہیں کہ نبی پاکﷺ ظہر میں (سورۃ) واللیل اذا یغشٰی پڑھتے اور ایک روایت میں ہے کہ سبّح اسمَ

ربّكَ الأعلى پڑھتے اور عصر کی نماز میں بھی اسی کے بقدر پڑھتے اور صبح کی نماز میں اس سے لمبی سورت پڑھتے۔ (مسلم)

٧٧٢۔عن جُبير بن مطعمؓ قال: سمعتُ رسولَ اللهﷺ يقرأُ في المغربِ بالطُّورِ. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت جُبیر بن مُطعمؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۃ الطور پڑھتے سنا۔ (متفق علیہ)

٧٧٣۔عن أمّ الفضل بنتِ الحارثؓ قالت: سمعتُ رسولَ اللهﷺ يقرأُ في المغربِ بـ المرسلاتِ عُرفًا. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت امّ الفضلؓ بنت الحارث سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۃ والمرسلاتِ عرفًا پڑھتے سنا۔

متنفل کی اقتداء میں فرض نماز پڑھنے کا مسئلہ:

٧٧٤۔عن جابرؓ قال: كانَ معاذُ بن جبلٍؓ يصلّي مع النبيﷺ ثمّ يأتي، فيؤمُّ قومه، فصلّى ليلةً مع النبيﷺ العشاءَ ثمّ أتى قومَه فأمّهُم فافتتحَ بسورةِ البقرةِ فانحرفَ رجلٌ فسلّمَ ثمّ صلّى وحدَه وانصرفَ فقالوا له: أنافقتَ يافلان! قال: لا والله! ولاٰتينّ رسولَ اللهﷺ فلاُخبِرَنّه فأتى رسولَ اللهﷺ فقال: يارسولَ الله! إنّا أصحابُ نواضحَ نعملُ بالنّهارِ وإنّ معاذًا صلّى معكَ العشاءَ ثمّ أتى قومَه فافتتحَ بسورةِ البقرةِ فأقبلَ رسولُ اللهﷺ على معاذ فقال: يامعاذ! أفتّانٌ أنتَ، اقرأْ "والشمسِ وضُحاها، والضُّحى والليلِ اذا يغشى، وسبّحِ اسمَ ربّكَ الأعلى" [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نبی پاکﷺ کے ساتھ (عشاء کی) نماز پڑھتے، پھر اپنی قوم کے پاس آ کر اُن کو نماز پڑھاتے۔ ایک رات آپؓ نے نبی پاکﷺ کے ہمراہ عشاء کی نماز پڑھی، پھر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو نماز پڑھائی۔ چنانچہ سورۃ بقرۃ شروع کی (یہ دیکھ کر) ایک شخص سلام پھیر کر جماعت کی نماز سے نکل آیا، اکیلے نماز پڑھی اور چلا گیا تو لوگوں نے اس سے کہا: اے فلاں! تو منافق ہو گیا؟ اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! اور میں ضرور رسول اللہﷺ کے پاس جا کر اس بات کی خبر دوں گا۔ چنانچہ وہ شخص آپﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! ہم اونٹوں (کے ذریعہ پانی کھینچ کر کھیتوں کو سیراب کرنے) والے لوگ ہیں، دن کو کام کرتے ہیں۔ معاذ آپ (ﷺ) کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنی قوم کے پاس آئے اور سورۃ بقرۃ شروع کر دی۔ (یہ سن کر) رسول اللہﷺ حضرت معاذؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے معاذ! کیا تو (لوگوں کو نماز سے بددل کر کے) فتنہ میں ڈالنا چاہتا ہے؟ "والشمس وضحاها" اور "والليل إذا يغشى" اور "سبّح اسم ربّكَ الأعلى" پڑھا کرو۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: فصلّى ليلةً مع النبيﷺ ثمّ أتى قومَه فأمّهم .....: اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ اپنی عشاء کی فرض نماز نبی پاکﷺ کے ساتھ پڑھ لیتے اور پھر اپنے محلّہ میں آ کر اہلِ محلّہ کو امام کی حیثیت سے عشاء پڑھاتے تھے۔ اس حدیث کی بنا پر فقہاء میں اس بارے میں اختلاف ہوا ہے کہ متنفل کی اقتداء میں فرض نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک پڑھی جا سکتی ہے۔ دلیل یہ حدیث ہے۔ اور امام احمدؒ سے دونوں قول منقول ہیں، جواز کا بھی اور عدمِ جواز کا بھی۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء درست نہیں۔ یہ حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: "عن أبي هريرةؓ مرفوعًا: الإمامُ ضامنٌ." (احمد، ابوداؤد) اس حدیث کا مطلب یہ کہ امام نماز کی صحت

اور فساد کے اعتبار سے مقتدیوں کی نمازوں کا ضامن ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ ضعیف قوی کی ضمانت نہیں کرسکتا، البتہ مساوی، مساوی کا اور قوی، ضعیف کا ضامن ہوسکتا ہے۔

یہ حضرات مذکورہ حدیث جابرؓ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ''حضرت معاذؓ کا یہ واقعہ جو اس حدیث میں مذکور ہے، اس زمانے کا ہے جب فرض نماز کا تکرار جائز تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، آپؓ فرماتے ہیں کہ ''نهى رسولُ اللهِ ﷺ أن نصلّيَ فريضةً في اليوم مرّتين. ''(طحاوی) یعنی'' آپ ﷺ نے ایک دن میں ایک فرض نماز دو مرتبہ پڑھنے سے منع فرمایا''۔ ایک فرض دو مرتبہ پڑھنے سے روکا جانا اسی وقت متصور ہوسکتا ہے جبکہ پہلے اس کی اجازت و اباحت متصور کی جائے۔

جماعت کی نمازوں میں آپ ﷺ کی قراءت:

۷۷۵۔عن البراءؓ قال: سمعتُ النبيَّ ﷺ يقرأُ في العشاءِ "والتّينِ والزيتونِ" وما سمعتُ أحدًا أحسن صوتًا منه. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو عشاء میں'' والتينِ والزيتونِ ''پڑھتے ہوئے سنا اور میں نے آپ ﷺ سے زیادہ اچھی آواز والا کسی کو نہیں سنا۔(متفق علیہ)

۷۷۶۔عن جابرِ بن سمرةؓ قال: كان النبيّ ﷺ يقرأُ في الفجرِ بـ ق والقرآن المجيد ونحوِها وكانتْ صلوتُه بعدُ تخفيفًا.

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرۃؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ فجر میں''ق والقرآن المجيد'' اور اس جیسی سورتیں پڑھتے اور اس کے بعد (یعنی فجر کی نماز کے علاوہ دوسری نمازیں) ہلکی پڑھتے تھے۔(مسلم)

۷۷۷۔عن عمرو بن حُريثٍؓ أنّه سمعَ النبيَّ ﷺ يقرأُ في الفجرِ "والليلِ إذا عَسْعَسَ". [مسلم]

ترجمہ: حضرت عمرو بن حُریثؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو فجر میں'' والليلِ إذا عسعسَ ''پڑھتے سنا۔(مسلم)

۷۷۸۔عن عبدِ الله بن سائبٍؓ قال: صلّى لنا رسولُ الله ﷺ الصبحَ بمكةَ، فاستفتحَ سورةَ المُؤمنينَ حتّىٰ جاءَ ذكرُ موسىٰ وهارونَ أو ذكرُ عيسىٰ أخذتِ النبيَّ ﷺ سُعلةٌ فركعَ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سائبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مکہ میں صبح کی نماز پڑھائی اور سورۂ مؤمنین شروع فرمائی، حتیٰ کہ جب موسیٰ اور ہارون کا ذکر آیا یا عیسیٰ کا ذکر آیا تو نبی پاک ﷺ کو کھانسی شروع ہوگئی چنانچہ (سورت پوری کیے بغیر) رکوع میں چلے گئے۔(مسلم)

جمعہ کی نماز میں آپ ﷺ کی قرأت:

۷۸۹۔وعن أبي هريرةؓ قال: كانَ النبيُّ ﷺ يقرأُ في الفجرِ يومَ الجمعةِ بـ الٓمّ تنزيل في الركعةِ الأولىٰ وفي الثانيةِ هل أتىٰ على الانسان. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جمعہ کے دن فجر میں پہلی رکعت میں ''الٓمّ تنزيل'' پڑھتے اور دوسری رکعت میں'' هل أتىٰ على الإنسان ''پڑھتے۔(متفق علیہ)

۷۸۰۔عن عُبيدِ الله بن أبي رافعٍؓ قال: استخلفَ مروانُ أبا هريرةَ على المدينةِ وخرجَ إلىٰ مكّةَ فصلّى لنا أبو هريرةَ الجمعةَ فقرأ

"سورۃَ الجمعۃِ "فی السَّجدۃِ الأُولیٰ وفی الآخرۃِ "اذاجاءکَ المنافقون"فقال: سمعتُ رسولَ اللہﷺیقرأُ بھمایومَ الجمعۃ.

ترجمہ: عبیداللہ بن رافع کہتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا اور (خود) مکہ کی طرف نکل گیا، تو حضرت ابو ہریرہؓ نے ہمیں جمعہ پڑھایا۔ چنانچہ پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ پڑھا اور دوسری رکعت میں "إذا جاء ك المنافقون" پڑھا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہﷺ کو جمعہ کے دن (نمازِ جمعہ میں) ان دوسورتوں کو پڑھتے سنا۔ (مسلم)

عیدین میں آنحضرت کی قرأت:

۷۸۱۔وعن النعمانِ بن بَشیرؓ قال: کانَ رسولُ اللہﷺ یقرأُ فی العیدینِ وفی الجمعۃِ بـ" سبّح اسمَ ربّكَ الأعلیٰ"و"ھل أتاكَ حدیثُ الغاشیۃِ،قال :واذااجتمع العیدُوالجمعۃُ فی یومٍ واحدٍ قرأبھمافی الصلوٰتین.[مسلم]

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سبّح اسمَ ربّكَ الأعلیٰ "اور" ھل أتاكَ حدیثُ الغاشیۃ" پڑھتے اور جب عید اور جمعہ ایک دن میں اکٹھے ہوجاتے تو دونوں نمازوں میں ان دوسورتوں کو پڑھتے۔ (مسلم)

۷۸۲۔عن عُبید اللہ أنّ عمر بن الخطابؓ سأل أباواقدِ اللیثی ما کانَ یقرأُ بہ رسوْل اللہ ﷺفی الأضحٰی والفطرِ ؟فقال: یقرأُ فیھما بـ قٓ والقرآن المجیدواقتربتِ الساعۃُ .[مسلم]

ترجمہ: عبیداللہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ابوواقد لیثیؓ سے پوچھا کہ رسول اللہﷺ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر میں کیا پڑھا کرتے تھے؟ تو حضرت ابوواقدؓ نے جواب دیا کہ آپﷺ ان دونوں نمازوں میں سورۃ "قٓ والقرآن المجید" اور سورۃ "اقتربتِ الساعۃ" پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم)

فجر کی سنتوں میں آنحضرت کی قرأت:

۷۸۳۔عن أبی ھریرۃؓ قال: إنّ رسولَ اللہﷺ قرأَ فی رکعتی الفجرِ بـ قُل یاأیّھا الکفرون وقُل ھو اللہ أحد.[مسلم]

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ فجر کی دو رکعت (سنت) میں "قل یاأیّھا الکفرون" اور" قل ھو اللہ أحد" پڑھتے۔

۷۸۴۔وعن ابن عباسؓ قال: کانَ رسولُ اللہﷺ یقرأُ فی رکعتَیِ الفجرِ"قولوا أمنّا باللہ وما أنزِلَ إلینا "والّتی فی آلِ عمران " قل یاأھلَ الکتابِ تعالَوا إلیٰ کلمۃٍ سواءٍ بیننا وبینکم".[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ فجر کی دو رکعت (سنت) میں (سورہ بقرۃ کی آیت) "قولوا امنا باللہ وماأُنزِلَ إلینا..." اور آلِ عمران کی آیت" قل یاأھلَ الکتابِ تعالَوا إلیٰ کلمۃٍ سواءٍ بیننا وبینکم...." پڑھتے تھے۔

تشریح: فجر کی سنتوں میں آپﷺ اکثر وبیشتر سورۃ" قل یا أیھا الکفرون "اور" قل ھو اللہ أحد" پڑھا کرتے۔ زیرِ بحث روایت میں مذکور آیات بھی کبھی کبھار پڑھتے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں کسی سورت کے درمیان سے کچھ آیتیں پڑھنا مکروہ نہیں۔

''الفصل الثانی''

سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا مسئلہ:

۷۸۵۔عن ابن عباسؓ قال: کانَ رسولُ اللہِ ﷺ یفتتحُ صلاتَہ بـ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم .[رواہ الترمذی وقال:ھذاحدیثٌ لیس اسنادُہ بذاک]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز'' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع کرتے تھے۔(اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے)

تشریح: قولہ: یفتتحُ صلاتہ بـ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔یہاں نماز کے اندر فاتحہ سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھنے کے جواز وعدمِ جواز اور جواز کی صورت میں جہراً یا سراً پڑھنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے جو درج ذیل ہے:

امام مالکؒ کے ہاں سورۂ فاتحہ سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھنا جائز ہی نہیں، نہ سراً اور نہ جہراً، بلکہ بدعت اور مکروہ ہے۔آپؒ کی دلیل حضرت عبداللہ بن المغفلؓ کی یہ حدیث ہے: ''قال: سمعَنی أبی و أنا فی الصلاۃِ أقولُ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،فقال لی: یا بُنیَّ اُمحدَثٌ إیّاکَ و الحدَثَ....''۔ (ترمذی) ترجمہ:''میرے والد نے مجھے نماز میں ''بسم اللہ'' پڑھتے سنا تو فرمایا کہ بیٹا! یہ بدعت ہے، اس سے بچو''۔

جبکہ جمہور ائمہؒ کے نزدیک فاتحہ سے پہلے ''بسم اللہ پڑھنا'' متعدد احادیث سے ثابت ہے۔نیز حدیثِ باب بھی اس پر دلالت کر رہا ہے۔البتہ جمہور ائمہ کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ ''بسم اللہ'' جہر کے ساتھ پڑھی جائے گی یا إخفاء کے ساتھ؟

نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھی جائے گی یا سراً ؟:

چنانچہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں تسمیہ جہر کے ساتھ کہنا اور سری نمازوں میں اخفاء کے ساتھ کہنا مسنون ہے۔ آپؒ کا استدلال بھی مختلف احادیث وآثار سے ہے۔اخفاء کے لیے تو آپؒ کا استدلال ان ہی احادیث سے ہے جن سے احناف استدلال کرتے ہیں اور جہراً پڑھنے کے لیے آپؒ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں ''جہر بالتسمیہ'' کا ذکر ہے، مثلاً: مذکورہ حدیثِ ابن عباسؓ۔وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ ﷺ ''بسم اللہ'' جہر کے ساتھ پڑھتے تھے، تب ہی تو حضرت ابن عباسؓ خبر دے رہے ہیں، اگر آپ ﷺ اخفاء کے ساتھ ''بسم اللہ'' پڑھتے تو نہ سنائی دیتی اور نہ ابن عباسؓ اس کی خبر دیتے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہر نماز میں فاتحہ سے پہلے سرًا ''بسم اللہ'' پڑھنا مسنون ہے۔یہ حضرات بھی مختلف احادیث وآثار سے استدلال کرتے ہیں، مثلاً: حدیثِ انسؓ:''قال: صلَّیتُ خلف رسول اللہ ﷺ وخلفَ أبی بکرٍ وعمر وعثمانَ(رضی اللہ عنھم) وکانوا لا یجھرون بـ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ''۔ (مسند احمد) یہ روایت مختلف طرق سے کتبِ احادیث

میں مذکور ہے۔اس سے امام مالکؒ کے قول کی تردید تو صاف ظاہر ہے، جبکہ اس حدیث سے اور اس کے بعض دوسرے طرق سے (جو طحاوی اور طبرانی میں مذکور ہیں) امام شافعیؒ کی تردید بھی بالکل واضح ہے۔

جمہور فقہاء کی جانب سے امام مالکؒ کی دلیل حدیثِ عبداللہ بن مغفلؓ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ''عبداللہ بن مغفلؓ نے اپنے بیٹے کو بسم اللہ پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا بلکہ اس کے جہراً پڑھنے سے منع کیا تھا''۔

اور امام شافعیؒ کی مستدل احادیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ جہر بالتسمیہ کی تمام احادیث سند کے اعتبار سے نہایت ضعیف اور ناقابلِ استدلال ہے۔یہی وجہ ہے کہ اصحابِ صحاح، وسننِ مشہورہ اور اصحابِ مسانید نے ان کے ذکر سے اعراض کیا ہے۔مذکورہ حدیثِ ابنِ عباسؓ کے متعلق امام ترمذیؒ کا یہ فرمانا کہ ''هذا حديث ليس إسناده بذاك'' بھی اس پر دلالت کر رہا ہے۔(اختلاف الأئمہ نفحات)

آمین جہراً کہی جائے یا سراً؟:

۷۸۶۔عن وائل بن حُجرٍؓ قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ قرأ "غيرِ المغضوبِ عليهِم ولا الضّالّين" فقال: آمين، مَدّ بها صوتَه.

ترجمہ: حضرت وائل بن حُجرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ ﷺ نے (نماز میں) ''غير المغضوبِ عليهم ولا الضّالّين'' پڑھا اور کہا: امین۔اس کے ساتھ آواز کو بلند کیا۔(ابوداؤد، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: قوله: فقال: آمين مدّ بها صوته:۔''آمین'' اسمِ فعل ہے بمعنی'' استجبْ دعائنا''۔یہ مد اور قصر دونوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے، میم پر تشدید غلط ہے۔یہاں اس بارے میں فقہاء کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے کہ آمین بآواز بلند کہی جائے یا ہلکی آواز سے؟

چنانچہ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں آمین بالجہر کہنا افضل واولیٰ ہے۔ان حضرات کی پہلی دلیل حدیثِ مذکور ہے اور دوسری دلیل حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث ہے:''كان النبي ﷺ إذا فرغ من قراءةِ أُمِّ القرآن، رفعَ صوتَه وقال: آمين''۔(دارقطنی) ترجمہ: نبی پاک ﷺ قرآت فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد بآواز بلند ''آمین'' کہتے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک آمین میں اخفاء (ہلکی آواز) افضل ہے۔ان حضرات کی دلیل ''ترمذی ومسند احمد'' میں مروی حضرت وائل بن حُجرؓ کی وہ روایات ہیں جن میں آپ ﷺ کے آمین کے متعلق:''أخفى بها صوته'' اور ''خفض بها صوته'' کے الفاظ ہیں۔نیز قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے کیونکہ آمین دعا ہے اور دعا میں ادب یہ ہے کہ خفیۃً (آہستہ) ہو، لہٰذا آمین بھی آہستہ کہی جائے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:''ادعوا ربَّكم تضرُّعًا وخفيةً''۔(ترجمہ) اپنے رب کو عاجزی اور آہستگی کے ساتھ پکارو۔اور''إذ نادىٰ ربّه نداءً خفيًّا''(ترجمہ) اور جب زکریاؑ نے اپنے رب کو آہستگی کے ساتھ پکارا۔

ان حضرات کی جانب سے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی پیش کردہ احادیث کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ آمین بالسر کی روایات، آمین بالجہر کی روایات سے نسبتاً زیادہ قوی ہیں، کیونکہ آمین بالجہر کی روایات ضعف سے خالی نہیں۔چنانچہ علامہ نوویؒ (جو کہ خود شافعی ہیں) فرماتے ہیں کہ ''لم يثبتِ الجهرُ بالتأمينِ عن النبيِّ ﷺ ولا عنِ الخلفاءِ الأربعةِ وما جاءَ في هذا الباب لا يخلو عن شيءٍ''۔(آثار السنن)

[ترجمہ] ''آمین بالجہر آپ ﷺ اور خلفائے اربعہ سے ثابت نہیں اور اس سلسلہ میں مروی احادیث ضعف سے خالی نہیں۔(مرآۃ نفحات)

آمین کہہ کر دعا ختم کرنے کی فضیلت:

۷۸۷۔وعن أبی زُهیرِ النُّمیرِیِّ قال: خرجنا مع رسولِ اللهﷺ ذاتَ لیلةٍ فأتینا علیٰ رجلٍ قد ألَحَّ فی المسئلةِ فقال النبیُّ ﷺ: أوجب إن ختمَ ،فقال رجلٌ من القومِ :بأیّ شیْءٍ یختِمُ ؟قالَ:بامین.[أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت ابوزہیر نُمیریؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک رات رسول اللہ کے ہمراہ نکلے اور ایک ایسے شخص پر گذرے جو نہایت زاری کے ساتھ دعا کررہا تھا۔آپﷺ نے فرمایا کہ اس نے (قبولیتِ دعا کو) واجب کرلیا اگر (دعا کو) ختم کیا (تو)۔لوگوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا: (یا رسول اللہ!) کس چیز سے ختم کرے؟ فرمایا: آمین کے ساتھ۔(ابوداود)

تشریح:قوله: أوجبَ إن ختمَ ...:۔ختم کرنے کے دو معنیٰ کیے گئے ہیں: (۱) اپنی دعا پر آمین کی مہر لگانا (۲) دعا کے اختتام پر آمین کہنا۔

۷۸۸۔عن عائشةَؓ قالت: إنّ رسولَ اللهﷺ صلّی المغربَ بـ سورةِ الأعراف ،فرّقَها فی رکعتین .[نسائی]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۃ الاعراف (اس طرح) پڑھی، (کہ) دونوں رکعتوں میں اُس کو تقسیم کیا۔(نسائی)

تشریح: قولها: صلّی المغرب بـ سورةِ الأعرافِ فرّقَها فی رکعتینِ:۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپﷺ اور خلفائے راشدین اور اجلہ صحابۂ کرامؓ کا معمول مغرب میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھنے کا تھا۔لہٰذا اس حدیث کو یا تو بیانِ جواز پر محمول کیا جائے گا اور یا پھر یہ کہا جائے گا کہ ہوسکتا ہے کہ آپﷺ نے پہلی رکعت میں سورۃ اعراف کی کچھ آیات تلاوت کی ہوں اور دوسری رکعت میں بھی کچھ آیات تلاوت کی ہوں، جس کو حضرت عائشہؓ نے اجمالاً سورۃ اعراف کے ساتھ تعبیر فرمایا۔

۷۸۹۔وعن عُقبة بن عامرٍؓ قال: کنتُ أقودُ لرسولِ اللهﷺ ناقتَه فی السفرِ، فقالَ لی: یا عُقبةُ!الا أُعلِّمُكَ خیرَ سورتین قُرِئتا،فعلّمنی "قل أعوذ بربِّ الفلق" و"قل أعوذُ بربِّ النّاس" قال: فلمْ یرَنی سُرِرتُ بهما جِدًّا فلمّا نزلَ لِصلاةِ الصبحِ صلّی بهما صلاةَ الصبحِ للنّاسِ فلمّا فرغَ اِلتفتَ الیّ فقال:یاعُقبةُ!کیفَ رأیتَ .[أحمد،أبو داؤد،نسائی]

ترجمہ:حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں (ایک) سفر میں رسول اللہﷺ کی اونٹنی (کی مہار پکڑے) کھینچ رہا تھا کہ آپﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عقبہ! کیا میں آپ کو (تعوذ کے سلسلہ میں) دو بہترین سورتیں نہ سکھاؤں جو پڑھی گئی ہیں (یعنی نازل کی گئی ہیں) چنانچہ آپﷺ نے مجھے سورۃ "قل أعوذ بربِّ الفلق" اور "قل أعوذ بربِّ النّاس"، سکھائی۔عقبہؓ کہتے ہیں کہ آپﷺ نے مجھے ان سورتوں (کے حوالے) سے کچھ زیادہ خوش نہیں دیکھا، پھر جب فجر کی نماز کے لیے (سواری سے) اترے تو لوگوں کو ان ہی دو سورتوں سے فجر کی نماز پڑھائی۔جب آپﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ تو نے کیا دیکھا (یعنی ان سورتوں کی فضیلت کے متعلق کیا سمجھ میں آیا؟)۔(احمد،ابوداؤد،نسائی)

۷۹۰۔وعن جابر بن سمُرةؓ قال: کانَ النبیّﷺ یقرأُ فی صلاةِ المغربِ لیلةَ الجمعةِ "قل یاآیّها الکفرون" و"قل هو اللهُ أحد".[رواه فی شرحِ السنّةِ وروَاه ابن ماجة عن ابن عمرالاّ أنّه لم یذکرُ "لیلةَ الجمعةِ".]

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرۃؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جمعہ کی شب مغرب کی نماز میں "قل یاأیها الکفرون" اور "قل هو الله أحد" پڑھا کرتے تھے۔ (شرح السنہ۔ ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے اس کو روایت کیا ہے)

۷۹۱۔ عن عبد الله بن مسعودؓ قال: ما أُحصِی ما سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ یقرأُ فی الرکعتین بعدَ المغربِ وفی الرکعتین قبلَ الفجر "بقُل یاأیها الکفرون" و"قل هو اللهُ أحد". [ترمذی] ورواه ابنُ ماجة عن أبی هریرة الاّ أنّه لم یذکر "بعدَ المغرب".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں شمار نہیں کرسکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں اور فجر سے پہلے کی دو رکعتوں میں "قل یاأیها الکفرون" اور "قل هو الله أحد" پڑھتے سنا۔ (ترمذی)

طوالِ مفصل، اوساطِ مفصل اور قصارِ مفصل:

۷۹۲۔ وعن سلمان بن یسارؒ عن أبی هریرةؓ قال: ماصلّیتُ وراءَ أحدٍ أشبهَ صلوٰةً بصلوٰةِ رسول اللهِ ﷺ مِن فلان، قال سلیمان: صلّیتُ خلفَه فکان یُطیلُ الرکعتین الأُولیینِ مِن الظهرِ ویُخففُ الأُخریینِ ویُخفِفُ العصرَ ویقرأُ فی المغربِ بقصارِ المُفصّلِ ویقرأُ فی العشاءِ بوَسطِ المُفصّلِ ویقرأُ فی الصبحِ بطوالِ المفصّلِ. [نسائی وروی ابن ماجة الیٰ "ویُخفّفُ العصرَ"]

ترجمہ: سلمان بن یسار حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو فلاں شخص کی نماز سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ہو۔ سلمان کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کے پیچھے نماز پڑھی۔ وہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں کو لمبا کرتا اور آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھتا اور عصر میں تخفیف کرتا (یعنی مختصر پڑھتا) اور مغرب میں قصارِ مفصل پڑھتا اور عشاء میں اوساطِ مفصل پڑھتا اور فجر میں طوالِ مفصل پڑھتا۔ (النسائی، ابن ماجہ نے اس حدیث کو "ویُخفّفُ العصرَ" تک نقل کیا ہے)

تشریح: قوله: أشبه صلوٰةً بصلوٰةِ رسول الله ﷺ من فلان.....: فلاں شخص سے مراد بعض علماء کی رائے میں حضرت علیؓ ہے۔

قوله: یقرأ فی المغرب بقصارِ المفصّل.....: ویسے تو نماز میں پورے قرآن میں سے کوئی بھی سورت وآیت پڑھ سکتے ہیں، لیکن مذکورہ حدیث کی روشنی میں فقہاء نے پانچوں نمازوں میں قراءت کے لیے ایک منہج بنایا ہے، تاکہ اس حوالے سے عملی طور پر کوئی خلجان نہ ہو۔ چنانچہ ظہر اور فجر میں طوالِ مفصل پڑھے جائیں (اس حدیث میں ظہر میں صرف طویل قرأت کرنے کا ذکر ہے) اور عصر وعشاء میں اوساطِ مفصل پڑھے جائیں (یہاں عصر کی نماز میں خفیف قراءت کا ذکر ہے) اور مغرب میں قصارِ مفصل پڑھی جائیں۔

اب رہی یہ بات کہ قصارِ مفصل وغیرہ جو درجے ہیں، اس کی حد کیا ہے؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟ چنانچہ جاننا چاہیے کہ فقہاء کی اصطلاح میں سورۃ حجرات سے لے کر سورۃ والناس تک کی سورتیں مفصل (بمعنی بسم اللہ سے فاصلہ ڈالی ہوئیں) کہلاتی ہیں۔ یہ سورتیں چھوٹی، درمیانی اور لمبی تین درجوں میں تقسیم ہیں۔ چنانچہ سورۃ حجرات سے سورۃ البروج تک طوالِ مفصل (لمبی سورتیں) ہیں اور بروج سے لے کر سورۃ البیّنۃ (لم یکن الّذین کفروا) تک اوساطِ مفصل (درمیانی سورتیں) ہیں اور "البینة" سے لے کر "والنّاس" تک قصارِ مفصل ہیں۔ (مظاہر حق)

۷۹۳۔ عن عُبادة بن الصامتؓ قال: کنّا خلفَ النبیِّ ﷺ فی صلوٰةِ الفجر، فقرأ فثقُلت علیه القرآءةُ فلمّا فرغَ قال: لعلّکُم

تقرؤن خلف امامکم ؟قلنا:نعم یارسولَ الله! قال: لاتفعلوا الاّ بفاتحۃِ الکتاب فانّہ لاصلوٰۃَ لمَن یقرأُ بھا.[أبو داؤد،ترمذی والنسائی معناہ]وفی روایۃٍ لأبی داؤد:قال:وأنا أقولُ :مالی یُنازِعُنی القرآنُ فلاتقرؤابشیٔ من القرآن اذاجھرتُ الاّ بأمّ القرآن.

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی پاک ﷺ کے پیچھے فجر کی نماز میں (کھڑے) تھے۔ آپ ﷺ نے قرآن پڑھنا شروع کیا تو قرأت آپ (ﷺ) پر بھاری ہوگئی۔ جب (نماز سے) فارغ ہو چکے تو فرمایا: لگتا ہے کہ تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ جی ہاں، یارسول اللہ! (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو سوائے سورۃ فاتحہ کے (پڑھنے کے) کیونکہ جو شخص سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (رواہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ (صحابہ کا جواب سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب ہی تو میں (دل میں) کہہ رہا تھا کہ قرآن میرے ساتھ نزاع کیوں کر رہا ہے؟ (یعنی اس کا پڑھنا میرے اوپر ثقیل کیوں ہو رہا ہے؟) پس جب میں بلند آواز سے قراءت کروں تو سورۃ فاتحہ کے علاوہ قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھو۔

۷۹۴۔عن أبی ھریرۃؓ أنّ رسولَ الله ﷺ انصرفَ من صلوٰۃٍ جھرَ فیھا بالقرآءۃ فقال: ھل قرأ معِیَ أحدٌ ؟فقال رجلٌ :نعم یارسولَ الله! قال:انّی أقولُ :مالی أُنازَعُ القرآنَ ،قال: فانتھی النّاسُ عن القراءۃِ مع رسول الله ﷺ فیماجھرَ فیہ بالقراءۃِ مِن الصلوٰتِ حینَ سمِعُوا ذٰلک مِن رسولِ الله ﷺ.[مالک وأحمدوأبوداؤد،ترمذی،نسائی ،وروی ابن ماجۃ نحوَہ]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ ایک نماز سے فارغ ہوئے، جس میں جہر کے ساتھ قراءت فرمائی اور (نمازیوں سے) ارشاد فرمایا کہ ابھی تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا کہ ہاں، یارسول اللہ! (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں (دل میں) کہہ رہا تھا کہ مجھ سے قرآن (پڑھنے) میں کیوں الجھا جا رہا ہے۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) جب لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ سنا تو اُن نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قراءت کرنے سے رک گئے جن میں آپ ﷺ جہر کے ساتھ قرأت فرمایا کرتے۔ (مالک، احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

۷۹۵۔عن ابن عمرؓ والبیاضیؓ قالا: قالَ رسولُ الله ﷺ: إنّ المُصَلِّی یُناجی ربَّہ ،فلیَنظُرْ ما یُناجیہ بہٖ ولایجھرُ بعضُکم علیٰ بعضٍ بالقرآن.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ اور حضرت بیاضیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک نمازی اپنے رب سے مناجات (سرگوشی) کرتا ہے چنانچہ اسے چاہیے کہ جو مناجات وہ کرتا ہے اس میں غور کرے اور تم میں سے بعض بعض کے مقابلے میں قرآن اونچا نہ پڑھے۔ (احمد)

۷۹۶۔عن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إنّما جُعلَ الإمامُ لِیؤتَمّ بہ ،فإذا کبّرَ فکبّروا وإذاقرأفأنصِتُوا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے تا کہ اُس کی اقتداء کی جائے، لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم لوگ بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تلاوت سے معذور شخص نماز میں کیا پڑھے؟

۷۹۷۔عن عبد الله بن أبی أوفیٰ قال: جاءَ رجلٌ إلی النبیّ ﷺ، فقال: إنّی لا أستطیعُ أن آخُذَ من القرآنِ شیئًا فعلّمنی [illegible] قال: "سبحانَ الله، والحمدُ لله، ولاالٰہ الا اللهُ والله أکبرُ ولا حولَ ولا قوّۃَ الا بالله" قال: یارسولَ الله!

هـذالـلـه،فمـاذالی ؟قال:قُلْ:"اَللّٰهمّ ارحمْني وعافِنِي واهدِني وارزُقْني"فقال:هكذابيديه وقبضَهمافقال رسولُ الله ﷺ:أمّاهذا فقد مَلأ يديه مِن الخير.[أبوداؤد،وانتهتْ روايةُ النسائي عندقوله:"الّا بالله".]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں قرآن میں سے کچھ بھی یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا،لھذا مجھے ایسی چیز سکھا دیجئے جو میرے لیے کافی ہو۔آپ ﷺ نے فرمایا:"سبحان الله والحمد لله ولااله الا الله والله أكبر ولا حولَ ولا قوّةَ إلا بالله" پڑھا کرو۔اس شخص نے عرض کیا:یارسول اللہ!یہ تو اللہ کے لیے ہے،میرے لیے کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:آپ یہ پڑھا کرو:''اَللّٰهمّ ارحمني وعافني واهدني وارزقني.''تو اس شخص نے اس طرح اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا اور اُن کو بند کرلیا۔(اس پر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھوں کو خیر سے بھردیا۔(ابوداؤد،نسائی)

۷۹۸۔عن ابن عباسؓ أنّ النبيَّ ﷺ كانَ إذا قرأ "سبّح اسم ربّكَ الأعلىٰ"قال: "سبحانَ ربّيَ الأعلىٰ".[أبوداؤد،أحمد]

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ جب سورۃ"سبّح اسمَ ربّكَ الأعلىٰ" پڑھتے تو'سبحان ربّي الأعلىٰ'پڑھتے۔

تشریح: قوله: إذا قرأ سبح اسم ربك الأعلىٰ، قال: سبحان ربّي الاعلىٰ:۔ سورۃ الاعلیٰ کی تلاوت کرنے کے بعد آپ ﷺ کا ''سبحان ربّي الأعلىٰ'' کہنا خارج صلاۃ پر محمول ہے، کیونکہ دورانِ صلاۃ ایسا کہنا آپ ﷺ سے صراحۃً منقول نہیں۔اور اگر اس حدیث کو نماز پر محمول کرے،تو مطلب یہ ہوگا کہ نفل نماز میں سورۃ الاعلیٰ کی تلاوت کے بعد'سبحان ربّي الأعلى''ارشاد فرماتے تھے،کیونکہ نفل میں اس کی گنجائش ہے۔

مختلف سورتوں کے ختم پر پڑھے جانے والے کلمات:

۷۹۹۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن قرأ منكم بالتين والزيتون فانتهٰى إلىٰ"أليس اللهُ بأحكمِ الحاكِمينَ" فليَقُلْ:"بلىٰ وأنا علىٰ ذلكَ من الشاهدينَ"ومَن قرأ"لاأقسِمُ بيوم القيامةِ" فانتهٰى الىٰ "أليس ذلك بقادرٍ علىٰ أن يُحْيِيَ الموتى" فليقُل:"بلىٰ" ومَن قرأ "المُرسلات"فبلغَ"فبأيّ حديثٍ بعدَه يؤمنون"فليَقُلْ :"آمنّا بالله".[رواه أبوداؤد]والترمذيُّ الىٰ قوله:"وأنا علىٰ ذلك من الشاهدين".

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو تم میں سے (سورۃ)''والتين والزيتون'' پڑھے اور ''أليس الله بأحكم الحاكمين''(یعنی آخر) تک پہنچے،تو اسے چاہیے کہ یہ کہے:''بلىٰ، وأنا علىٰ ذلك من الشاهدين''۔اور جو شخص''لاأقسم بيوم القيامةِ''(سورۃ القیامۃ) پڑھے اور''أليس ذلك بقادرٍ علىٰ أن يُحيي الموتىٰ''(یعنی آخر) تک پہنچے،تو اسے چاہیے کہ یہ کہے:''بلىٰ'' اور جو سورۃ المرسلات پڑھے اور''فبأيّ حديثٍ بعده يؤمنون'' تک پہنچے،تو کہے کہ''آمنّا بالله''۔(ابوداؤد)اور ترمذی نے''وأنا علىٰ ذلك من الشاهدين'' تک روایت کیا ہے۔

۸۰۰۔عن جابرؓ قال: خرجَ رسولُ الله ﷺ علىٰ أصحابه، فقرأ عليهم سورةَ الرحمٰنِ مِن أوّلِها إلىٰ آخرِهافسكتُوافقال: قرأتُها على الجنِّ ليلةَ الجِنّ فكانوا أحسنَ مردوداًمنكم، كنتُ كلّماأتيتُ علىٰ قولِه:"فبأيّ آلاءِ ربّكماتُكذّبان" قالوا:لابشيءٍ

مِن نِعمِكَ ربّنانُكذِّبُ فلكَ الحمدُ .[ترمذی وقال هذاحديثٌ غريب]

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کے پاس تشریف لائے اور اُن کے سامنے سورۃ الرحمٰن اول تا آخر پڑھی ۔صحابہ خاموش رہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے لیلۃ الجن میں جنات کے سامنے سورۃ الرحمٰن پڑھی وہ تم سے اچھا جواب دینے والے تھے ۔ میں جب بھی آیت:''فبأيّ آلاءِ ربّكما تُكذّبان ''پر آتا تو وہ یہ جواب دیتے:''لا بشيئٍ من نِعمِكَ ربّنا نُكذّب فلكَ الحمدُ.''[ترجمہ]''اے ہمارے رب ہم تیری کوئی بھی نعمت نہیں جھٹلاتے تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں''۔(ترمذی)

''الفصل الثالث''

٨٠١۔عن معاذ بن عبد الله الجُهنی قال: إنّ رجلاًمن جُهينةَ ،أخبره أنّه سمعَ رسول اللهﷺ قرأ في الصبح "اذازُلزِلتْ" في الركعتين كِلتَيهمافلاأدرِي أنسِيَ أمْ قرأَ ذٰلك عمدًا.[ابو داوٗد]

ترجمہ: حضرت معاذ بن عبداللہ جہنی سے روایت ہے کہ (قبیلۂ) جہینہ کے ایک شخص نے اسے خبر دی کہ انہوں نے فجر کی دونوں رکعتوں میں رسول اللہ ﷺ کو إذا زُلزِلت پڑھتے سنا۔ میں نہیں جانتا کہ آپ ﷺ بھول گئے تھے یا قصداً ایسا کیا۔(ابوداوٗد)

٨٠٢۔عن عُروة قال: إنّ أبا بكرٍ الصديقَ صلّى الصبحَ فقرأ فيهما بسورةِ البقرةِ في الركعتين كِلتَيهِما.[مالك]

ترجمہ: عروہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے (ایک مرتبہ) فجر کی نماز پڑھائی اور دونوں رکعتوں میں سورۃ البقرۃ پڑھی۔(مالک)

٨٠٣۔و عن الفَرافِصَةِ بن عُمير الحنفيّ قالَ: ماأخذتُ سورةَ يوسفَ إلّا مِن قرآءةِعثمانَ بن عفانَ إيّاهافي الصبحِ مِن كثرةِ ما كان يُرَدِّدُ ها.[مالك]

ترجمہ: فرافصہ بن عُمیر حنفی کہتے ہیں کہ میں نے سورۃ یوسف حضرت عثمان بن عفانؓ کی قرآت سے یاد کی، کیونکہ حضرت عثمانؓ فجر کی نماز میں اس کو کثرت سے (بار بار) پڑھا کرتے تھے۔(مالک)

٨٠٤۔عن عامر بن ربيعةؓ قال: صلّينا ورآءَ عمرَ بن الخطابِ الصبحَ، فقرأ فيهما بسورةِ يوسفَ وسورةِ الحجّ قراءةً بطيئةً. قيل له:اذًالقدْ كان يقومُ حينَ يطلعُ الفجرُ؟قال:أجل.[مالك]

ترجمہ: حضرت عامر بن ربیعہؓ سے مروی ہے کہ ہم نے عمر بن الخطابؓ کے پیچھے نماز پڑھی، انہوں نے دونوں رکعتوں میں سورۃ یوسف اور سورۃ حج ٹھہر ٹھہر کر پڑھی۔ عامر سے کہا گیا: پھر تو حضرت عمر طلوع فجر کے وقت (نماز پر) کھڑے ہوتے ہوں گے۔ اُس نے کہا کہ ہاں۔(مالک)

٨٠٥۔عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّهٖ قال: ما من المُفصّلِ سورةٌ صغيرةٌ ولا كبيرةٌ إلّا قد سمعتُ رسولَ اللهﷺ يَؤُمُّ بهاالنّاسَ في الصلوٰةِ المكتوبةِ .[مالك]

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ مفصّل میں سے کوئی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں، مگر یہ کہ میں نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ لوگوں کو فرض نماز میں اس سے امامت کراتے تھے۔(مالک)

٨٠٦۔عن عبد الله بن عُتبة بن مسعودؓ قال: قرأ رسولُ اللهﷺ في صلوٰةِ المغربِ بحٰمٓ الدخان.[نسائی مرسلاً]

ترجمہ: عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں "حٰم الدخان" پڑھی۔ (نسائی)

(بابُ الرُّکُوعِ)

"الفصل الاوّل"

رکوع سجدہ ٹھیک طرح سے کرنے کا حکم:

٨٠٧۔عن أنسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: أقِيمُوا الركوعَ والسجودَ ،فوالله إنّي لأراكم مِنْ بَعدِي .[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رکوع اور سجدہ ٹھیک طرح سے کرو، کیونکہ اللہ کی قسم! میں تم کو اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ (متفق علیہ)

آپ ﷺ کے رکوع سجدہ اور جلسہ وقومہ کی کیفیت:

٨٠٨۔عن البراء قال: كان ركوعُ النبيّ ﷺ وسجودُه وبينَ السجدتَينِ وإذا رفعَ مِنَ الرُّكوعِ ماخلاالقيامِ والقُعودِ قريبًامِن السَّواءِ .[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ قیام اور قعود کے علاوہ نبی پاک ﷺ کا رکوع اور آپ (ﷺ) کا سجدہ اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ اور جب رکوع سے کھڑے ہوتے (یعنی قومہ) یہ (سب) تقریباً برابر ہوتے۔ (متفق علیہ)

٨٠٩۔عن أنسٍؓ قال: كانَ النبيّ ﷺ إذا قال: سمِعَ اللهُ لِمَن حمِدَه، قامَ حتىٰ نقولُ :قد أوهَمَ ثمّ يسجدُ ويقعدُ بين السجدتَينِ حتىٰ نقولَ قدْ أُوهَمَ .[مسلم]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ (کبھی کبھار) جب "سمعَ الله لمن حمده" کہتے تو (قومہ میں اتنی دیر تک) کھڑے رہتے کہ ہم (یوں ہی دل میں) کہتے کہ آپ ﷺ (وہ رکعت) بھول گئے ہیں۔ پھر سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان (اتنی دیر تک) بیٹھے رہتے کہ ہم (دل میں) کہنے لگ جاتے کہ آپ ﷺ (دوسرے سجدہ میں جانا) بھول گئے ہیں۔ (مسلم)

تشریح: قوله: قامَ حتىٰ نقول: قد أوهم۔۔۔ آپ ﷺ کا اتنی دیر تک قومہ وجلسہ کرنا یا تو نفل نمازوں میں ہوا کرتا تھا یا فرض نمازوں میں بیانِ جواز کے لیے ہوا کرتا تھا۔ (مظاہر حق)

رکوع، سجدے میں آپ ﷺ کی دعا و تسبیح:

٨١٠۔عن عائشةؓ قالت: كان النبيُّ ﷺ يُكثِرُ أن يقولَ في رُكوعِهِ وسُجودِهِ :"سبحانكَ اللّهمّ ربّنا وبحمدكَ اللّهمّ اغفِرْلي" يتأوّلُ القرآنَ .[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ اپنے رکوع، سجدے میں بکثرت (یہ) پڑھا کرتے تھے: "سبحانكَ اللّهمّ ربّنا

وبحمدكَ اللهمّ اغفرلی'' قرآن پاک پر عمل کرتے ہوئے (کیونکہ قرآن میں آپ کوحکم دیا گیا ہے کہ'' فسبّح بحمدِ ربّكَ واستغفِرُه.)

٨١١۔وعنها أنّ النبیﷺ كان يقولُ فی ركوعِهِ وسُجودِهِ :سبُّوحٌ قدّوسٌ رُبُّ الملائكةِ والرُّوحِ.[مسلم]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاکﷺ اپنے رکوع سجدہ میں کہا کرتے تھے کہ'' سُبُّوحٌ قُدّوسٌ ربّ الملائكة والروح ''
[ترجمہ]''اللہ بہت پاک ہے، جوملائکہ اور جبرئیلِ امین کا رب ہے''۔(مسلم)

رکوع سجدہ میں قرآن پڑھنے کی ممانعت:

٨١٢۔عن ابن عبّاسؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ألا إنّی نُهيتُ أن أقرأ القرآنَ راكعاً وساجداً فأمّا الرُّكوعُ فعَظِّمُوافيه الربَّ وأمّاالسجودَ فاجتهِدُوافی الدعاءِ فقَمِنٌ أنْ يُستجابَ لكُم.[مسلم]

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: خبردار! مجھے رکوع سجدے کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، پس رکوع میں ربّ کی تعظیم بیان کرواور سجدہ میں دعامیں کوشش کرو، لائق ہے کہ یہ دعاقبول کی جائے گی۔(مسلم)

قومہ میں'' ربّنا لكَ الحمد'' کہنے کی فضیلت:

٨١٣۔وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ :إذا قالَ الإمامُ :سمِعَ الله لمن حمِدَه ،فقولوا:'' اللّهمّ ربّنا لكَ الحمْدُ''،فإنّه مَن وافقَ قولُه قولَ الملائكةِ غُفِرله ماتقدّمَ مِن ذنبِهِ.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جب امام'' سمِع الله لمن حمِده '' کہےتوتم'' اللّهمّ ربّنا لكَ الحمد'' کہوکیونکہ جس کا (ربّنا لكَ الحمد) کہناملائکہ کے(اس) کہنے کے ساتھ موافق ہوجائے تواس کے پہلے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔

٨١٤۔عن عبدالله بن أبی أوفیٰ قال: كانَ رسولُ اللهﷺ إذا رفعَ ظهرَه من الركوعِ قال:'' سمِع الله لمن حمده، اللّهمّ ربّنا لكَ الحمدُ مِلأَ السمٰوٰتِ ومِلأَ الأرضِ وملأَ ما شئتَ من شئٍ بعدُ''.[مسلم]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے تو یہ(کلمات) کہتے کہ'' سمِع اللّٰه لمن حمده ،اللّهمّ ربّنا لكَ الحمد ملأ السمٰوٰت وملأ الأرض وملأ ما شِئتَ من شئٍ بعد''[ترجمہ]''اللہ نے اس شخص کوسنا جس نے اس کی حمد کی ،اے اللہ، اے ہمارے رب! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں بھرے ہوئے آسمانوں اورزمین جتنی اوراس کے بعد جوتو چاہے اس جتنی بھری ہوئی''۔(مسلم)

٨١٥۔وعن أبی سعيد الخدریؓ قال: كانَ رسولُ الله ﷺ إذا رفعَ ظهره من الركوعِ قال: اللّهمّ ربّنا لكَ الحمدُمِلأَ السمٰوٰت وملأَ الارضِ ومِلأَ ماشئتَ مِن شئٍ بعدُأهلَ الثناءِ والمجدِ أحقُّ ماقال العبدُ وكُلُّنالكَ عبدٌ اللّهم لامانعَ لماأعطيتَ ولامُعطِی لمامنعتَ ولاينفعُ ذاالجدِّ مِنكَ الجدُّ.[مسلم]

ترجمہ:حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے تو(یہ کلمات) کہتے:'' اللّهمّ ربّنا لكَ الحمد ملأ السمٰوٰت وملأ الارض ....''الخ[ترجمہ]'' اے اللہ، اے ہمارے رب! تیرے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں آسمانوں اورزمین

بھر کر اور اس کے بعد جس چیز جتنی تو چاہے، تو تعریف اور بزرگی کا اہل ہے اور بندہ کی کہی ہوئی تعریف کا تو زیادہ حقدار ہے اور ہم سب تیرے بندے ہیں، اے اللہ! تیری عطا کو کوئی روکنے والا نہیں اور نہ تیری روکی ہوئی چیز کوئی دینے والا ہے اور نہ تیرے (عذاب) سے کسی دولتمند کو اس کی دولتمندی نفع دے سکتی ہے"۔ (مسلم)

۸۱۶۔عن رفاعة بن رافعؓ قال: كنّا نُصلّي وراءَ النبيّ ﷺ ،فلمّا رفعَ رأسه من الركعة، قال: سمع الله لمن حمده ،فقال رجلٌ مِن وراءِهٖ :" ربّنا ولك الحمدُ حمدًا كثيرًا طيّبًا مباركًا فيه"فلمّاانصرف قال: مَنِ المُتكلّمُ انفًا قال: أنا،قال :رأيتُ بضعةً وثلاثين ملَكًا يبتدِرُونها أيُّهم يكتُبُها أوّلُ.[بخاری]

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافعؓ سے مروی ہے کہ ہم نبی پاک ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو "سمع الله لمن حمده" کہا تو آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ایک شخص نے کہا کہ "ربّنا ولك الحمدُ حمدًا كثيرًا طيّبًا مباركًا فيه." جب آپ ﷺ نماز سے پھرے تو دریافت فرمایا کہ ابھی (مذکورہ کلمات) کہنے والا کون تھا؟ اس نے کہا کہ میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے کچھ اوپر تیس فرشتوں کو دیکھا جو (ان کلمات کا ثواب لکھنے کے لیے) جلدی کر رہے تھے کہ کون اس کا ثواب پہلے لکھے گا۔ (بخاری)

"الفصل الثانی"

رکوع سجدہ میں پیٹھ سیدھی رکھی جائے:

۸۱۷۔عن أبي مسعود الأنصاريؓ قال: قال رسول الله ﷺ :لا تُجزئ صلاةُ الرجلِ حتىٰ يُقيمَ ظَهرَه في الرُّكوعِ والسجودِ.

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی آدمی کی نماز اس وقت تک قبول نہیں کی جاتی جب تک وہ اپنی پیٹھ رکوع سجدہ میں سیدھی نہ کرے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے)

رکوع سجدہ کی تسبیحات:

۸۱۸۔عن عقبة بن عامرؓ قال: لمّا نزلت" فسبّحْ باسمِ ربّكَ العظيم" قال رسولُ الله ﷺ: اِجعلُوها في رُكوعِكم ،فلمّا نزلت:"سبّحِ اسمَ ربّكَ الأعلىٰ " قال رسولُ الله ﷺ:اجعلوها في سُجودكم.[أبو داؤد،ابن ماجه ،دارمی]

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ جب "فسبّح باسم ربّك العظيم" نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنے رکوع میں رکھ لو (یعنی رکوع میں سبحان ربی العظیم کہا کرو) اور جب "سبّحِ اسمَ ربّكَ الأعلىٰ" نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو اپنے سجدوں میں رکھ لو (یعنی سبحان ربّي الاعلىٰ کہو)۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

رکوع سجدہ میں تسبیح کی کم سے کم مقدار:

۸۱۹۔وعن عونِ بن عبد الله عن عبدِالله بن مسعودؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ :إذا ركعَ أحدُكم، فقالَ في ركوعِهٖ :سبحان ربّيَ العظيم "ثلاثَ مراتٍ فقدْتمّ ركوعُه وذلك أدناه واذاسجدَ فقال في سجودِه :"سبحان ربّي الأعلىٰ" ثلاثَ مراتٍ فقدْ

تمّ سجودُہ و ذالك أدناہ. [ترمذی ،أبوداؤد،ابن ماجۃ]وقال الترمذی:"لیسَ اسنادُہ بمتصلٍ لأنّ عونًالم یَلْقَ ابنَ مسعود".

ترجمہ:عون بن عبداللہ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے اور رکوع میں تین مرتبہ''سبحان ربّی العظیم'' کہے تو اُس کا رکوع پورا ہوا اور یہ (رکوع کے کمال کا) ادنیٰ درجہ ہے اور جب سجدہ کرے اور سجدہ میں تین بار''سبحان ربّی الأعلیٰ'' کہے تو اُس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ (کمال کا) ادنیٰ درجہ ہے۔(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

٨٢٠۔عن حُذیفۃ أنّہ صلّیٰ مع النبیّ ﷺ وکان یقول فی رکوعہ: "سبحان ربّی العظیم" وفی سجودِہٖ "سبحانَ ربّی الأعلیٰ" وماأتیٰ علیٰ آیۃِ رحمۃٍالاّ وقفَ وسألَ وماأتیٰ علیٰ آیۃِ عذابٍ الاّ وقفَ وتعوّذَ .[ترمذی،أبوداؤد،دارمی وروی النسائی وابن ماجۃ الی قولہ:"الأعلیٰ" وقال الترمذی:"ھذاحدیثٌ حسنٌ صحیحٌ".]

ترجمہ:حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی،آپ ﷺ اپنے رکوع میں''سبحان ربّی العظیم'' کہتے اور سجدہ میں''سبحان ربّی الأعلیٰ'' کہتے اور کسی آیتِ رحمت پر نہ پہنچتے مگر یہ کہ ٹھہر جاتے اور دعا مانگتے اور عذاب کی کسی آیت پر نہ پہنچتے مگر یہ کہ (وہاں) ٹھہر کر عذاب سے پناہ مانگتے۔(ترمذی،ابوداؤد،دارمی)

''الفصل الثالث''

٨٢١۔عن عوف بن مالكٍؓ قال: قُمتُ مع رسولِ اللہ ﷺ، فلمّا رکعَ مکثَ قدرَ سورۃِ البقرۃِ ویقولُ:"سبحانَ ذِی الجَبَرُوتِ والمَلَکُوتِ والکِبْریاءِ والعظمۃ".[نسائی]

ترجمہ:حضرت عوف بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ (نماز میں) کھڑا ہوا، جب آپ ﷺ نے رکوع کیا تو سورۃ بقرۃ (پڑھنے) کے بقدر ٹھہرے رہے اور رکوع میں (یہ کلمات) کہہ رہے تھے:''سبحان ذی الجبروتِ والملکوتِ والکبریاءِ والعظمۃ.''[ترجمہ]''پاک ہے قہر و بادشاہی اور عظمت و کبریائی کا مالک یعنی اللہ''۔(نسائی)

٨٢٢۔عن ابن جُبیرؒ قال: سمعتُ أنس بن مالكٍؓ یقولُ: ما صلّیتُ وراءَ أحدٍ بعدَ رسول اللہ ﷺ أشبہَ صلوٰۃً بصلوٰۃِ رسول اللہ ﷺ مِن ھذاالفتیٰ ۔یعنی عمرَ بن عبدالعزیز۔قال: قال: فحزرنار کوعَہ عشرَ تسبیحاتٍ وسُجودَہ عشرَ تسبیحاتٍ.

ترجمہ:حضرت ابن جُبیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ کو (یہ) کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد اس نوجوان یعنی عمر بن عبدالعزیزؒ کے علاوہ کسی کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ ﷺ کی نماز کے زیادہ مشابہ ہو۔راوی کہتا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ہم نے اُن (رسول اللہ ﷺ یا عمر بن عبدالعزیز) کے رکوع کا اندازہ دس تسبیحات اور سجدے کا اندازہ دس تسبیحات لگایا۔(ابوداؤد،نسائی)

٨٢٣۔عن شقیقٍ قال: إنّ حُذیفۃَ رأیٰ رجلاً لا یُتِمُّ رکوعَہ ولا سجودَہ، فلمّا قضیٰ صلوٰتَہ دعاہ فقال لہ حذیفۃُ:ماصلّیتَ قال: وأحسبُہ قال: ولَوْمُتَّ مُتَّ علیٰ غیرالفطرۃ الّتی فطرَاللہُ محمدًاﷺ.[بخاری]

ترجمہ:حضرت شقیقؒ کہتے ہیں کہ حضرت حُذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا جو (نماز میں) رکوع سجدہ پورا پورا ادا نہیں کر رہا تھا، جب وہ نماز پڑھ چکا تو آپؓ نے اسے بلایا اور اس سے کہا کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں آپؓ نے یہ بھی کہا کہ اگر تجھے موت آئی تو اُس

(دین) فطرت پر نہیں آئے گی جس پر اللہ نے محمد ﷺ کو پیدا کیا۔ (بخاری)

بدترین چور:

۸۲٤۔وعن أبی قتادةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: أسوءُ النّاسِ سرقةً الّذی یسرُقُ مِن صلوٰتِہ قالوا:یا رسولَ الله! و کیف یسرقُ مِن صلوٰتِه ؟قال:لایُتِمُّ رکوعَها ولاسُجودَها.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے بدترین چوری کرنے والا شخص وہ ہے جو اپنی نماز سے بھی چوری کرے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! اپنی نماز سے کیسے چوری کرے گا؟ فرمایا: (نماز سے چوری یہ ہے کہ) اُس کا رکوع اور سجدہ اچھی طرح نہ کرے۔ (احمد)

۸۲۵۔ و عن النعمانِ بن مُرّةؓ أنّ رسولَ الله ﷺ قال: ماترَوْنَ فی الشاربِ والزّانی والسارقِ وذلك قبلَ أنْ تنزلَ فیهم الحُدودُ؟قالوا: اللهُ ورسولُه أعلم،قال:هُنّ فواحش وفیهِنّ عُقوبةٌ وأسوأُ السرقةِالذی یسرقُ صلوٰتَه ،قالوا:و کیف یسرقُ صلوٰته؟یارسولَ الله! قال: لایُتِمُّ رکوعَها ولاسجودَها.[مالك ،أحمد، والدارمی نحوه]

ترجمہ: حضرت نعمان بن مُرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم شراب پینے والے، زنا کرنے والے اور چوری کرنے والے کے بارے میں کیا خیال کرتے ہو؟ (راوی کہتا ہے) کہ یہ واقعہ ان (گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں) کے بارے میں حدود نازل ہونے سے پہلے پیش آیا۔ صحابہؓ نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ فواحش (کبیرہ گناہ) ہیں اور اس (کے ارتکاب) میں سزا بھی ہے اور بدترین چور وہ شخص ہے جو اپنی نماز سے چوری کرتا ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ اپنی نماز سے کیسے چوری کرے گا یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کا رکوع سجدہ پورا پورا نہ کرے۔ (مالک، احمد، دارمی)

(باب السُّجُودِ وفضلِهِ)

"الفصل الاوّل"

سجدہ میں کتنے اعضاء زمین پر ٹیکے جائیں؟:

۸۲٦۔عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللهﷺ: أمرتُ أن أسجدَ علیٰ سبعة أعظمٍ: علی الجبهةِ والیدینِ والرُّکبَتینِ وأطرافِ القدَمَینِ،ولانکفِتَ الثیابَ والشّعرَ.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (جسم کی) سات ہڈیوں پر سجدہ کروں: پیشانی پر اور دونوں ہاتھوں پر اور دونوں گھٹنوں پر اور پنجوں پر اور (اس کا حکم بھی دیا گیا ہے کہ) ہم کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله:سبعةِ أعظمٍ علی الجبهةوالیدین والرکبتین وأطراف القدمین...۔ اس حدیث میں سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا

ذکر ہے۔امام احمدؒ اس سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سجدہ میں ان ساتوں اعضاء کا زمین پر ٹیکنا واجب ہے۔

جبکہ جمہور ائمہ کے نزدیک ساتوں کے ساتوں اعضاء کا زمین پر ٹیکنا واجب نہیں۔ان حضرات کا استدلال حضرت رفاعہؓ کی حدیث سے ہے جس میں وارد ہے کہ "فلیُمَکِّنْ جبهتَه علی الأرض" اس میں صرف پیشانی کا ذکر ہے باقی اعضاء مذکور نہیں۔ان حضرات کی جانب سے امام احمدؒ کو زیرِ بحث حدیثِ ابنِ عباسؓ کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں "أُمرتُ" کے تحت "ولا نکفتُ الثیابَ ولا الشعرَ" کا ذکر بھی ہے یعنی کپڑے اور بال نہ سمیٹنے کا حکم بھی دیا گیا ہے حالانکہ بالاتفاق یہ واجب نہیں تو چاہیے کہ "أن أسجدَ علیٰ سبعةِ أعظم" یعنی اعضائے سبعہ پر سجدہ کرنا بھی واجب نہ ہو۔

صرف ناک پر سجدہ کرنا:

پھر جمہور ائمہ کا اس بات پر تو آپس میں اتفاق ہے کہ سجدہ میں صرف پیشانی پر اکتفاء کرنا جائز ہے،اگرچہ اس طرح کرنا مکروہ تنزیہی ہے،البتہ صرف ناک پر سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو امام ابوحنیفہؒ کا قدیم قول یہ ہے کہ سجدہ میں صرف ناک زمین پر رکھنے سے سجدے کا فرض ادا ہو جائے گا،اگرچہ بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

جبکہ صاحبینؒ اور امام مالکؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ میں صرف ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں اور اس سے سجدے کا فرض ادا نہیں ہوگا۔

فائدہ: امام ابوحنیفہؒ نے اخیر میں صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع فرما لیا تھا۔

حالتِ سجدہ میں وضعِ قدمین کی حیثیت:

قوله: والیدین والرکبتین وأطراف القدمین ....: سجدہ میں وضعِ یدین اور وضعِ رکبتین حضرات احنافؒ کے نزدیک سنت ہے،جبکہ وضعِ قدمین یعنی پاؤں زمین پر رکھنے کے بارے میں تین روایات ہیں:

(۱) وضعِ قدمین فرض ہے (۲) ایک پیر رکھنے سے بھی فرض ادا ہو جائے گا (۳) وضعِ قدمین فرض نہیں۔(نفحات،اختلاف الائمہ)

سجدہ میں ہاتھوں کے زمین پر رکھنے کی کیفیت:

۸۲۷۔عن أنسؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: اِعتدِلُوا فی السجودِ ولا یَبسُطْ أحدُکم ذراعَیه انبساطَ الکلْبِ .[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سجدوں میں (اطمینان سے) ٹھہرو اور تم میں سے کوئی اپنے ہاتھوں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔(متفق علیہ)

۸۲۸۔عن البرآءِ بن عازبؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: إذا سجدتَ فضَعْ کفَّیْكَ وارفَعْ مِرفَقَیكَ .[مسلم]

ترجمہ: حضرت برآء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے دونوں ہاتھ (زمین پر) رکھو اور کہنیوں کو (زمین سے) اونچا رکھو۔(مسلم)

۸۲۹۔وعن میمونةؓ قالت: کان النبیُّ ﷺ إذا سجدَ، جافیٰ بینَ یدیهِ حتیٰ لو أنَّ بَهمَةً أرادتْ أنْ تمُرَّ تحتَ یدیه مرّتْ.

ترجمہ: حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب سجدہ فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان اتنا فاصلہ رکھتے کہ اگر بکری کا کوئی بچہ آپ ﷺ کے ہاتھوں کے نیچے سے گذرنا چاہتا تو گذر سکتا۔ (یہ ابوداؤد کی روایت ہے جیسا کہ شرح السنۃ میں صراحت کی گئی ہے)

۸۳۰۔وعن عبدالله بن مالك بن بُحينةؓ قال: كانَ النبيّ ﷺ إذا سجدَ فرّجَ بينَ يديه حتىٰ يبدُوَ بياضُ إبطَيه.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مالک بن بُحینہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو (اتنا) کشادہ کرتے کہ آپ ﷺ کے بغلوں کی سفیدی نظر آجاتی۔ (متفق علیہ)

سجدہ میں آنحضرت ﷺ کی دعائیں:

۸۳۱۔وعن أبي هريرةؓ قال: كانَ النبيّ ﷺ يقولُ في سجوده: اللّٰهمّ اغفر لي ذنبي كلّه دِقّه وجُلّه وأوّله وآخرهُ وعلانيّته وسِرّه.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ اپنے سجدہ میں یہ (دعا) کہتے تھے: ''اللّٰهمّ اغفرلي ذنبي كلّه دِقّه وجُلّه وأوّله وآخرَه وعلانيّته وسِرّه.'' [ترجمہ] ''اے اللہ! میرے تمام چھوٹے بڑے، پہلے پچھلے اور ظاہر و پوشیدہ تمام گناہ معاف فرما''۔ (مسلم)

۸۳۲۔وعن عائشةؓ قالت: فقدتُ رسولَ الله ﷺ ليلةً من الفراشِ ،فالتمستُهُ فوقعتْ يدي علىٰ بطنِ قدمَيه وهوفي المسجدِ وهما منصوبتانِ وهويقول:''اللّٰهمّ إنّي أعوذُ برضاكَ من سَخطِك وبمُعافاتِك مِن عُقوبتِك وأعوذبك منك لا أُحصِي ثناءً عليك أنتَ كما أثنيتَ على نفسِك''.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر پر نہ پایا، میں نے آپ ﷺ کو (ہاتھ سے ٹٹول کر) تلاش کیا تو میرا ہاتھ آپ ﷺ کے قدموں پر جالگا اور آپ ﷺ سجدہ (کی حالت) میں تھے اور دونوں پاؤں مبارک کھڑے تھے اور آپ ﷺ یہ کہہ رہے تھے: ''اللّٰهمّ إنّي أعوذُ برضاكَ من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك وأعوذبك منك لا أُحصي ثناءً عليك أنتَ كما أثنيتَ علىٰ نفسك.'' [ترجمہ] ''اے اللہ! میں تیری رضامندی کی بدولت تیرے غصے سے اور تیری معافی کے سبب تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور تیری پناہ مانگتا ہوں تیرے (عذاب) سے، میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کرسکتا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے''۔

سجدہ کے فضائل:

۸۳۳۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ :أقربُ ما يكونُ العبدُ مِن ربّهٖ وهو ساجدٌ فأكثِرُوا الدُّعاءَ .[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ اپنے رب سے (تمام حالتوں میں) زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے، لہٰذا (سجدہ میں) دعا کی کثرت کرو۔ (مسلم)

۸۳٤۔وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: إذا قرأ ابن آدم السجدةَ ،فسجدَ ،اعتزلَ الشيطانُ يَبكِي ويقولُ:ياويلتي أُمِرابنُ آدمَ بالسجودِ فسجدَ فله الجنّةُ وأُمِرتُ بالسجودِ فأبيتُ فلي النّار.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب ابن آدم آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک طرف ہو کر

رونے لگتا ہے، کہتا ہے کہ ہائے حسرت! ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اُس نے سجدہ کرلیا (جس کے بدلے میں) اُس کے لیے جنت ہے اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے سجدہ کرنے سے انکار کیا، چنانچہ میرے لیے آگ یعنی دوزخ ہے۔ (مسلم)

۸۳۵۔عن ربیعةَ بن کعبٍ قال: کنتُ أبیتُ مع رسولِ الله ﷺ، فأتیتهُ بوَضوءِہٖ وحاجتِهٖ فقال لی: سَلْ ،فقلتُ: أسئلُك مُرافقتَك فی الجنّةِ قال:أوَغیرذلك؟قلتُ:هو ذاك ،قال: فأعِنّی علیٰ نفسِكَ بکثرةِ السجودِ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ربیعہ بن کعبؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رات گزارتا تھا اور آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی اور دیگر ضروری چیزیں (مسواک، ڈھیلے وغیرہ) لاتا۔ (ایک مرتبہ) آپ نے مجھ سے فرمایا کہ مانگو (جو مانگنا ہے) میں نے عرض کیا کہ جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت (چاہتا ہوں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے علاوہ کچھ (مانگنا ہو)۔ میں نے عرض کیا کہ یہی چاہت ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی ذات کے حق میں (اس مرتبہ کے حصول کے لیے) میری مدد کر بکثرت سجدوں سے۔ (مسلم)

۸۳۶۔وعن مَعدانَ بن طلحةَ قال: لقیتُ ثوبانؓ مولیٰ رسولِ الله ﷺ، فقلتُ: أخبرنی بعملٍ أعملُه یُدخِلُنِی اللهُ به الجنّةَ ، فسکتَ ثمّ سألتُه فسکتَ ثمّ سألتُه الثالثةَ ،فقال: سألتُ عن ذلك رسولَ الله ﷺ:فقال: علیكَ بکثرةِ السجودِ لله فإنّك لاتسجدُ لله سجدةً الاّ رفعَكَ اللهُ بها درجةً وحَطّ عنكَ بهاخطیئةً.قال معدان: ثمّ لقِیتُ أباالدرداءِ فسئلته،فقال لی مثلَ ماقال لی ثوبان.[مسلم]

ترجمہ: حضرت معدان بن طلحہؒ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ثوبانؓ سے ملا، میں نے عرض کیا کہ مجھے ایسا عمل بتایئے جس کے کرنے کی بدولت اللہ مجھے جنت میں داخل فرمادے۔ حضرت ثوبانؓ خاموش رہے۔ میں نے پھر عرض کیا۔ آپؓ پھر خاموش رہے۔ پھر میں نے تیسری بار عرض کیا، تو آپؓ نے فرمایا کہ میں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے اوپر اللہ کے لیے سجدوں (نمازوں) کی کثرت کو لازم کرو، کیونکہ تو اللہ کے سامنے کوئی سجدہ نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ اس کی بدولت تیرا ایک درجہ بلند کرے گا اور تیرا ایک گناہ کم کردے گا۔ حضرت معدانؒ کہتے ہیں کہ پھر میں ابوالدرداءؓ سے ملا اور اس سے یہی پوچھا تو اُس نے بھی مجھ سے یہی کہا جو حضرت ثوبانؓ نے کہا تھا۔ (مسلم)

''الفصل الثانی''

سجدہ میں پہلے ہاتھ رکھے جائیں یا گھٹنے؟:

۸۳۷۔عن وائل بن حُجرؓ قال: رأیتُ رسولَ الله ﷺ إذا سجدَ وَضعَ رُکبتیهِ قبلَ یدیه وإذا نهضَ رفعَ یدیه قبلَ رُکبتیه.

ترجمہ: حضرت وائل بن حُجرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب سجدہ کرتے تو ہاتھ رکھنے سے پہلے گھٹنے رکھتے اور جب اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھاتے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

۸۳۸۔عن أبی هریرةؓ قال :قال رسولُ الله: إذا سجدَأحدُکم، فلا یَبرُكْ کما یَبرُكُ البعیر، ولْیَضَعْ یدیهِ قبلَ رُکبتیه.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو وہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے اور اپنے

ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے۔(ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: قوله: فلا يبرك كما يبرك البعير وليضع يديه قبل ركبتيه:۔ یہاں اس بات کا ذکر ہے کہ سجدہ کو جاتے وقت اونٹ کی طرح نہ بیٹھا جائے بلکہ پہلے ہاتھ زمین پر رکھے جائیں اور پھر گھٹنے رکھے جائیں۔ائمہ مجتہدین میں سے امام مالکؒ اس کے قائل ہیں۔آپؒ کی دلیل یہی حدیث ہے۔

جبکہ جمہور ائمہؒ وفقہاء کے نزدیک سنت یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے زمین پر رکھے جائیں اور پھر ہاتھ۔ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) زیر بحث حدیث کے متصل پہلے حدیث وائل بن حجرؓ۔

(۲) عن سعد بن أبي وقاصؓ قال: كنّا نضعُ اليدين قبل الركبتين، فأُمِرنا أن نضعَ الركبتين قبل اليدين." (ابن خزیمہ)

[ترجمہ] ''ہم گھٹنے رکھنے سے پہلے ہاتھ زمین پر رکھا کرتے تھے پھر ہمیں حکم دیا گیا کہ گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھیں''۔

(۳) عن أبي هريرةؓ مرفوعاً قال: "إذا سجد أحدُكم، فليبدأ بركبتيه قبل يديه ولا يبرك كبروكِ الفحل"۔ (طحاوی)

[ترجمہ] ''جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے اور سانڈ کی طرح نہ بیٹھے''۔

ان حضرات کی جانب سے امام مالکؒ کو حدیثِ باب کے کئی جواب دیے جاتے ہیں:

(۱) یہ حدیث غیر صحیح اور مضطرب ہے جبکہ اس کے مقابلہ میں حدیثِ وائل بن حجرؓ اقوئی واثبت ہے۔

(۲) یہ حدیث منسوخ ہے، جس پر سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث صراحۃً دلالت کر رہی ہے۔

(۳) اس حدیث میں بعض رواۃ کی جانب سے ''قلب'' واقع ہوا ہے یعنی کسی راوی نے بات کو الٹا نقل کر دیا ہے، اصل میں ''وليضع ركبتيه قبل يديه'' تھا۔اس پر قرینہ حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی وہ روایت ہے جو اس مسئلہ میں جمہور فقہاء کی دلیل ہے اور بحوالہ طحاوی مذکور ہوئی۔

جلسہ میں آپ ﷺ کی دعا:

۸۳۹۔عن ابن عباسؓ قال: كانَ النبيّ ﷺ يقولُ بين السجدتين: اللّٰهمّ اغفِرلي وارحمْني واهدِني وعافِني وارزُقني".

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان (یہ کلمات) کہا کرتے تھے کہ ''اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت عطا فرما اور میرے ساتھ عافیت فرما اور مجھے روزی عطا فرما''۔(ابوداؤد، ترمذی)

۸۴۰۔وعن حُذيفةؓ أنّ النبيّ ﷺ كانَ يقولُ بين السجدتين:" ربّ اغفرلي" .[نسائی]

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان (یہ کلمات) کہتے: اے میرے ربّ! میری مغفرت فرما۔

"الفصل الثالث"

کوے کی طرح ٹھونگ مارنے کی ممانعت:

۸۴۱۔عن عبد الرحمٰن بن شِبْلٍ قال: نهى رسول الله ﷺ عن نُقرةِ الغُرابِ وافتراشِ السَّبُعِ وأن يُوَطِّنَ الرجلُ المكانَ في المسجدِ كمايُوَطِّنُ البعيرُ.[أبو داؤد،نسائی ،دارمی]

ترجمہ:حضرت عبدالرحمٰن بن شبلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوے کی طرح ٹھونگ مارنے سے اور درندے کی طرح (ہاتھوں کو) بچھانے سے منع کیا اور اس بات سے کہ آدمی مسجد میں (نماز پڑھنے کے لیے کوئی خاص) جگہ مقرر کرے جیسا کہ اونٹ جگہ مقرر کرتا ہے۔

جلسہ میں اقعاء کی ممانعت:

۸۴۲۔عن علیؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ :یاعلیُّ! إنّی أُحِبُّ لكَ ما أُحِبُّ لنفسی وأكرَهُ لكَ ما أكرَهُ لنفسی،لاتُقْعِ بين السجدتين.[ترمذی]

ترجمہ:حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے علی! میں آپ کے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں اور جو اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ آپ کے لیے بھی پسند نہیں کرتا،دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء مت کرو۔(ترمذی)

قومہ وجلسہ نہ کرنے پر وعید:

۸۴۳۔وعن طَلْقِ بن علیٍّ الحنفیِّ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ :لا يَنظُرُ اللہُ عزّ وجلّ الیٰ صلوٰۃِ عبدٍ لا يُقيمُ فيهاصُلْبَه بين خُشوعِهاو سُجودِها.[أحمد]

ترجمہ:حضرت طلق بن علی حنفیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اُس بندے کی نماز کی طرف نظر نہیں فرماتے جو نماز میں رکوع سجدوں کے درمیان اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا (یعنی قومہ اور جلسہ نہیں کرتا)۔(احمد)

سجدہ میں ہاتھ کہاں رکھے جائیں؟:

۸۴۴۔وعن نافعٍ أنّ ابن عمرؓ كانَ يقولُ: من وضعَ جبهتَهُ بالأرضِ، فليضع كفّيه على الّذی وضعَ عليه جبهتَه ثمّ اذارفعَ فَلْيَرفَعْهمافإنّ اليدينِ تسجدانِ كمايسجدُ الوجهُ.[مالك]

ترجمہ:نافعؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ جو (سجدہ میں) اپنی پیشانی زمین پر رکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی اس جگہ رکھے جہاں پیشانی رکھی ہے، پھر جب (سجدہ سے) اٹھے تو دونوں ہاتھوں کو بھی اٹھائے کیونکہ ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں جس طرح کہ چہرہ سجدہ کرتا ہے۔(مالک)

تشریح: قوله:فليضع كفّيه على الّذى وضع عليه جبهته ...:۔ سجدہ میں ہاتھوں کو پیشانی کے برابر رکھنا احناف کے ہاں راجح ہے۔

دلیل یہ حدیث ہے۔ جبکہ شوافع کے ہاں راجح یہ ہے کہ سجدے میں ہاتھ مونڈھوں کے برابر رکھے جائیں۔ حدیث کا یہ مطلب بھی لے سکتے ہیں کہ جس طرح پیشانی قبلہ رو رکھی ہے اسی طرح ہاتھوں کو بھی قبلہ رو رکھا جائے۔ (مظاہر حق)

(بابُ التَّشَهُّدِ)

"الفصل الاوّل"

تشہد میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا:

۸۴۵۔عن ابن عمرؓ قال: كانَ رسولُ اللهِ ﷺ إذا قعدَ فى التَّشَهُّدِ،وضعَ يدهِ اليُسرىٰ علىٰ رُكبتِهِ اليُسرىٰ ووَضعَ يدهِ اليُمنىٰ علىٰ رُكبتِهِ اليُمنىٰ وعقدَ ثلاثةً وخمسينَ وأشارَ بالسبّابةِ.وفى روايةٍ: كانَ اذاجلسَ فى الصلوٰةِ وضعَ يديهِ علىٰ رُكبتَيهِ ورفعَ أُصبعَهِ اليُمنىٰ التى تَلِى الإبهامَ يدعُوبها ويدُهُ اليُسرىٰ علىٰ رُكبتِهِ باسطَهاعليها.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنا دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر رکھتے اور ترپن (۵۳) عدد کی گرہ (ہاتھ میں) بنالیتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپ ﷺ نماز میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی داہنی انگلی جو انگوٹھے کے ساتھ ہے (یعنی شہادت کی انگلی) سے دعا مانگتے اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنے گھٹنے پر پھیلائے ہوئے ہوتے۔ (مسلم)

عقدِ انامل :

تشریح: زیر بحث حدیث میں بوقتِ تشہد ہاتھ کی انگلیوں سے ترپن کی گرہ باندھنے کا ذکر ہے۔ اس کا جاننا عقدِ انامل (انگلیوں کے ذریعہ دس ہزار تک کی گنتی کرنے کا ایک خاص طریقہ) کے جاننے پر موقوف ہے۔ علامہ محمد بن عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ "تحفۃ الأحوذی شرح ترمذی" میں حدیثِ یسیرہؓ (جس میں آپ ﷺ نے ان کو عقدِ انامل کے ذریعے تسبیح گننے کا حکم دیا ہے) کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"جان لو کہ عربوں میں (انگلیوں کی مدد سے) حساب کا ایک طریقہ متعارف ہے جس پر اُن کا اتفاق ہے۔ یہ طریقہ اکائیوں، دہائیوں، سیکڑوں اور ہزاروں کی انواع پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اس طریقہ میں اکائیوں کے شمار کا طریقہ یہ ہے کہ عدد "ایک" کے لیے خنصر (چھنگلی) کو باطنِ کف کے اُس حصہ کی طرف موڑتے ہیں جو خنصر (چھنگلی) سے زیادہ قریب ہے۔ "دو" کے لیے چھنگلی کے ساتھ بنصر کو اسی طریقہ پر بند کرتے ہیں۔ "تین" کے لیے خنصر اور بنصر کے ساتھ وسطیٰ (بیچ والی انگلی) کو اسی طریقہ پر بند کرتے ہیں۔ "چار" کے لیے خنصر کو کھول دیتے ہیں۔ "پانچ" کے لیے بنصر کو بھی کھول دیتے ہیں۔ "چھ" کے لیے بنصر کو بند کردیتے ہیں اور وسطیٰ و خنصر کو کھولے رکھتے ہیں۔ "سات" کے لیے خنصر کو انگوٹھے کے جڑ کی جانب ہتھیلی والے حصہ کی طرف پھیلا دیتے ہیں۔ "آٹھ" کے لیے خنصر کے ساتھ بنصر کو اور "نو" کے لیے ان دونوں کے ساتھ وسطیٰ کو اسی طریقہ پر پھیلا دیتے ہیں۔

دہائیوں کے شمار کے لیے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کو استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ "دس" کے لیے انگوٹھے کا اوپر والا پورا انگشتِ

شہادت کے سرے پر رکھا جاتا ہے۔''بیس'' کے لیے انگوٹھے کو انگشتِ شہادت اور وسطیٰ کے درمیان میں داخل کیا جاتا ہے۔''تیس'' کے لیے ''دس'' کے اشارے کے برعکس انگشتِ شہادت کے سرے کو انگوٹھے کے سرے پر رکھا جاتا ہے۔''چالیس'' کے لیے انگوٹھے کے درمیانی عقد (گرہ) کو انگشت شہادت کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔''پچاس'' کے لیے انگوٹھے کو انگشتِ شہادت کی جڑ کی طرف مائل رکھا جاتا ہے۔''ساٹھ'' کے لیے ''چالیس'' کے اشارے کے برعکس انگشتِ شہادت کو انگوٹھے کی پشت پر رکھا جاتا ہے۔''ستر'' کے لیے انگوٹھے کے سرے کو انگشتِ شہادت کی درمیانی پور سے ملایا جاتا ہے اور انگشتِ شہادت کا کنارہ انگوٹھے کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔''اسی'' کے لیے انگشتِ شہادت کا کنارہ (سرا) انگوٹھے (کے اوپر سے اس) کی جڑ کی طرف پھیرا جاتا ہے۔''نوے'' کے لیے انگشتِ شہادت کو انگوٹھے کی جڑ کے ساتھ ملایا جاتا ہے (جس سے چھوٹا سا دائرہ وجود میں آجاتا ہے)۔

دائیں ہاتھ میں جو اشارے اکائیوں کے لیے موضوع ہیں وہ بائیں ہاتھ میں سیکڑوں کے شمار کے لیے مقرر ہیں اور جو اشارے دائیں میں دہائیوں کے لیے تھے وہ بائیں میں ہزار بتانے کے لیے ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی: ج۱۰ص۴۳)

فائدہ: عقدِ انامل کے ذریعہ سے ذکر کرنا افضل اور مستحب ہے۔''حدیثِ یُسَیْرَہ'' اس پر شاہد ہے۔

۸۴۶۔وعن عبد الله بن زُبیرؓ قال: كانَ رسولُ الله ﷺ إذا قَعَدَ يدعُو وَضعَ يدَه اليُمنىٰ علىٰ فخذِه اليُمنىٰ ويدَه اليُسرىٰ على فخذِه اليُسرىٰ وأشارَ باصبعِه السبّابة ووَضعَ إبهامَه علىٰ اصبعِه الوُسطى ويُلقِمُ كفَّه اليُسرىٰ رُكبتَه.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب (نماز میں) دعا مانگنے (التحیات پڑھنے) بیٹھتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ اپنے دائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنے انگوٹھے کو اپنی بیچ کی انگلی پر رکھتے اور اپنے بائیں ہاتھ سے بایاں گھٹنا پکڑے رکھتے۔ (مسلم)

تشہد سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ:

۸۴۷۔عن ابن مسعودؓ قال: كُنّا إذا صلّينا معَ النبي ﷺ قلنا: "السلامُ على اللهِ قِبَلَ عبادِه، السلامُ علىٰ جبرئيل،السلامُ علىٰ ميكائيل ،السلامُ علىٰ فلان ؛فلمّاانصرفَ النبيُّ ﷺأقبلَ علينا بوجهِهٖ قال:لاتقولوا:السلامُ على اللهِ،فإنّ اللهَ هوالسلامُ ،فاذاجلس أحدُكم في الصلوٰةِ فليَقُلْ: "التحيّاتُ لله والصلوٰتُ والطيّباتُ السلامُ عليك أيّها النبيُّ ورحمةُ اللهِ وبركاتُه السلامُ علينا وعلىٰ عبادالله الصالحين أشهدُ أن لااله الاّ اللهُ وأشهدُ أنّ محمداً عبدُه ورسولُه"ثمّ لِيَتَخيَّرْ مِن الدعاءِ أعْجبَه اليه فيدْعُوه."[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم جب نبی پاک ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تو کہتے: ''اللہ پر سلام ہو اس کے بندوں کی جانب سے اور جبرئیلؑ پر سلام ہو اور میکائیلؑ پر سلام ہو، فلاں پر سلام ہو''۔ (ایک مرتبہ) جب نبی پاک ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے روئے انور کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''السلامُ على الله'' (اللہ پر سلام ہو) مت کہو کیونکہ اللہ (خود) سلام ہے۔ چنانچہ جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو اسے چاہیے کہ (یہ) کہے ''التحياتُ لله والصلوٰتُ والطيّباتُ السلامُ عليك أيّها النبيّ ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلىٰ عبادالله الصالحين أشهدُ أن لااله الاّ اللهُ وأشهدُ أنّ محمداً عبده ورسولُه ''۔ ترجمہ: ''تمام زبانی عبادتیں

اللہ کے لیے ہیں اور تمام بدنی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں (بھی اللہ کے لیے ہیں) تجھ پر سلام ہو، اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں (نازل) ہوں اور سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں''۔ پھر (دعاؤں میں سے) جو دعا اُس کو زیادہ پسند ہو وہ مانگے۔ (متفق علیہ)

سب سے افضل تشہد:

تشریح: قوله: إذاجلسَ أحدُكم في الصلاةِ فليقل التّحيات لله .....: ۔اس حدیث میں کلماتِ تشہد کا ذکر ہے۔ چوبیس کے لگ بھگ صحابۂ کرامؓ سے تشہد کے کلمات مروی ہیں جن میں باہم تھوڑا بہت فرق ہے۔ ان میں سے کوئی سا بھی تشہد پڑھ لینا کافی ہے۔ یہاں مشکوٰۃ میں مؤلفؒ نے تشہد کے تین صیغے ذکر کیے ہیں: ایک حضرت ابن مسعودؓ کی زیرِ بحث حدیث میں، دوسرا ابن عباسؓ کی روایت میں اور تیسرا حضرت جابرؓ کی روایت میں۔

یہاں اس پر تو اتفاق ہے کہ کوئی سا بھی تشہد پڑھ لینا کافی ہے، لیکن افضلیت میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تشہدِ ابن مسعودؓ اولیٰ وافضل ہے جو مذکورہ حدیث میں ذکر ہے۔ اور امام شافعیؒ کے ہاں ابن عباسؓ کا روایت کردہ تشہد پڑھنا افضل ہے جو زیرِ بحث حدیث کے متصل بسند ابن عباسؓ ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے: ''التحياتُ المباركاتُ الصلوٰتُ الطيّباتُ....''۔ جبکہ امام مالکؒ کے ہاں حضرت عمرؓ کا روایت کردہ تشہد راجح ہے جو ان الفاظ میں ہے: ''التحياتُ للّه الزاكياتُ للّه الطيباتُ الصلوٰتُ لله....'' (مؤطا امام مالکؒ)۔

تشہدِ ابن مسعودؓ کے افضل ہونے کی وجوہ:

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تشہد ابن مسعودؓ کے افضل ہونے کی درج ذیل کئی وجوہ ہیں:

(۱) تشہدِ ابنِ مسعودؓ کی روایت دیگر تمام روایاتِ تشہد سے اصح اور اقویٰ ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں یہی روایت صحیح ترین ہے اور اکثر صحابہ وتابعین کا اسی پر عمل ہے۔

(۲) اس روایت کے نقل کرنے والے تمام راوی تشہد کے کلمات میں اختلاف کیے بغیر اس روایت کو نقل کرتے ہیں، بخلاف دوسرے صیغ تشہد کے کیونکہ ان کے راوی آپس میں اختلاف کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

(۳) ابنِ مسعودؓ کی روایت میں امر کے صیغہ "فليقُلِ التحياتُ لله ..." کے ساتھ تشہد کے مذکورہ کلمات پڑھنے کا حکم دیا جارہا ہے جبکہ دوسری روایاتِ تشہد میں امر کا صیغہ نہیں بلکہ صرف حکایت ہے۔

(۴) آپ ﷺ نے حضرت ابنِ مسعودؓ کو اس بات کا امر فرمایا کہ دوسرے لوگوں کو بھی اس تشہد کی تعلیم دیں۔ یہ امتیاز دوسرے کسی بھی تشہد کو حاصل نہیں۔

(۵) ابنِ مسعودؓ کے تشہد میں دو ''واوَ'' آتے ہیں جس سے ثناء کے تین مستقل جملے بنتے ہیں۔ جبکہ ابن عباسؓ وغیرہ صحابہ کرام کے تشہد میں واوِ عطف نہیں اور "التحيات لله" کے بعد والے تمام الفاظ صفات ہو کر موصوف سے مل کر ثناء کا ایک ہی جملہ بناتے ہیں اور یہ بات صاف

ظاہر ہے کہ ثناء کے تین جملے ایک جملہ سے بہتر ہیں۔اس سلسلہ میں امام صاحبؒ کا ایک واقعہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ ایک اعرابی نے آپؒ سے پوچھا کہ "بواوٍ أم بواوَین ؟"یعنی تشہد ایک واؤ والی پڑھنی افضل ہے یا دو'' واؤ ''والی؟ تو آپؒ نے جواب دیا کہ "بواوین"یعنی دو واؤ والی۔اس پر اس اعرابی نے دعا دی کہ "بارك اللّٰهُ فيك كما بارك في لا ولا "یعنی''اللہ آپ کو ایسی برکت سے نوازے جیسا کہ زیتون کے درخت کو اللہ نے برکت دی ہے۔چونکہ قرآن میں شجرۂ زیتون کو"لا شرقية ولا غربية " سے تعبیر کیا گیا ہے تو اعرابی نے اسی طرف اشارہ کیا۔اس کے علاوہ بھی کئی وجوہ ہیں جو مطولات میں مذکور ہے۔(نفحات،مرآۃ)

تشہد سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ:

۸۴۸۔وعن عبد الله بن عباسٍ قال: كانَ رسولُ اللهﷺيُعلّمُنا التشهدَ كما يُعلّمُنا السورةَ مِن القرآن" التحيّاتُ المباركاتُ الصلوٰتُ الطّيّباتُ لله ،السلامُ عليك أيُّها النبيُّ ورحمةُ الله وبركاتُه، السلامُ علينا وعلىٰ عبادِاللّٰه الصالحينَ ،أشهدُ أن لاإلٰه إلّا اللّٰهُ وأشهدُ أنّ محمداً رسول الله".[مسلم]ولم أجدْه في الصحيحين ولافي الجمعِ بين الصحيحينِ "سلامٌ عليك وسلامٌ علينا"بغيرِ ألفٍ ولامٍ ولكن رواه صاحبُ الجامعِ عن الترمذي.

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ ہمیں تشہد(اس قدر اہتمام سے) سکھاتے جیسا کہ قرآن کی کوئی سورت سکھاتے۔آپﷺ کہا کرتے کہ''التحيّات المباركاتُ الصلوٰتُ الطّيّباتِ لله ،السلام عليك أيّها النبيُّ ورحمةُ الله وبركاته، السلام علينا وعلىٰ عبادالله الصالحين ،أشهدُ أن لاإلٰه إلّا اللهُ وأشهدُ أنّ محمدًا رسول الله."ترجمہ:''تمام بابرکت زبانی عبادتیں،بدنی عبادتیں،مالی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں،تجھ پر سلام ہو اے نبی!اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں''۔(مسلم)

''الفصل الثانی''

تشہد میں انگلی سے اشارہ:

۸۴۹۔عن وائل بن حُجرؓ عن رسول اللهﷺ قال: ثمّ جَلَسَ ،فافترشَ رِجلَه اليُسرىٰ ووَضَعَ يدَه اليُسرىٰ ومَدّ مِرفقه اليُمنىٰ علىٰ فخذِهِ اليُمنىٰ وقبضَ ثِنتين وحلقَ حلقةً ثمّ رفعَ اصبُعَه فرأيتُه يُحرِكُهايدعوبها.[أبوداؤد،دارمي]

ترجمہ:حضرت وائل بن حُجرؓ رسول اللہﷺ کے بارے میں روایت کرتے ہیں،کہتے ہیں کہ پھر آپﷺ بیٹھے،اپنے بائیں پاؤں کو بچھایا اور اپنے بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا اور داہنی کہنی دائیں ران پر الگ رکھی(یعنی اس کو پہلو سے ملایا نہیں)اور دو انگلیوں(چھنگلیا اور اس کے پاس والی)کو سمیٹا اور(بیچ والی انگلی اور انگوٹھے سے)حلقہ بنایا پھر اپنی(شہادت کی انگلی)اٹھائی،چنانچہ میں نے دیکھا کہ آپﷺ اس کو ہلا کر دعا(أشهد أن لا إله الله)پڑھ رہے تھے۔(ابوداؤد،دارمی)

انگلی ہلانی نہیں چاہیے:

۸۵۰۔وعن عبدالله بن الزبیرؓ قال: كانَ النبيُّ ﷺ يُشيرُ بأُصبعِهِ إذا دعا، ولا يُحرِّكها. [أبوداؤد،نسائی]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب (تشہد میں) دعا کرتے (یعنی کلمہ شہادت پڑھتے) تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے اور اسے ہلاتے نہ تھے۔(ابوداؤد،نسائی)

دو انگلیوں سے اشارہ نہیں کرنا چاہیے:

۸۵۱۔وعن أبی هريرةؓ قال: إنّ رجلاً كانَ يدعُو بأصبعَيْهِ، فقال رسولُ الله ﷺ: أَحِّدْ أَحِّدْ. [ترمذی،نسائی،بیهقی]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنی دونوں انگلیوں سے دعا (یعنی کلمہ شہادت) کا اشارہ کر رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک انگلی سے اشارہ کرو، ایک انگلی سے اشارہ کرو۔(ترمذی،نسائی،بیہقی)

نماز میں ہاتھوں کے سہارے بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی ممانعت:

۸۵۲۔عن ابن عمرؓ قال: نهىٰ رسولُ الله ﷺ أن يجلسَ الرجلُ في الصلوٰة وهو معتمِدٌ علىٰ يدهِ. [أحمد وأبوداؤد] وفی روايةٍ له: "نهىٰ أن يعتمِدالرجلُ علىٰ يديْه اذانهضَ فی الصلوٰة".

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (اس سے) منع فرمایا کہ آدمی نماز میں (قعدہ میں بیٹھے یا قعدہ سے کھڑا ہوتے وقت) اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگا کر بیٹھے۔(رواہ احمد وابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ نماز میں کھڑا ہوتے وقت آدمی اپنے ہاتھوں کا سہارا لے۔

۸۵۳۔وعن عبد الله بن مسعودٍ قال: كانَ النبيُّ ﷺ فی الركعتين الأُولَيين كأنّه على الرَّضْفِ حتىٰ يقومَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ پہلی دو رکعتوں میں (تشہد میں اس قدر بیٹھتے) تھے گویا گرم پتھروں پر (بیٹھے) ہیں حتیٰ کہ (جلدی سے) کھڑے ہو جاتے۔(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

"الفصل الثالث"

حضرت جابرؓ کا روایت کردہ تشہد:

۸۵۴۔عن جابرؓ قال: كانَ رسولُ الله ﷺ يُعلّمُنا التشهدَ كما يُعلّمُنا السورةَ مِن القرآن" بسم الله وبالله التحيّاتُ لله الصلوٰتُ الطّيّباتُ، السلامُ عليكَ أيّها النبيّ ورحمةُ الله وبركاتُه، السلامُ علينا وعلىٰ عبادِالله الصالحينَ أشهدُ أن لا إلٰه الّا الله وأشهدُ أنّ محمدًا عبدُه ورسولُه ،أسألُ اللهَ الجنّةَ وأعوذُ بالله من النارِ". [نسائی]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ہمیں تشہد (اس قدر اہتمام سے) سکھاتے جیسا کہ قرآن کی کوئی سورت سکھاتے: "بسم الله وبالله التحيّاتُ لله الصلوٰتُ الطّيّباتُ، السلامُ عليكَ أيّها النبيُّ ورحمةُ اللهِ وبركاتُه السلامُ علينا وعلىٰ عبادِالله الصالحينَ

أشهدُ أن لا إلٰه الا الله و أشهدُ أنّ محمدًا عبدُه و رسولُه أسألُ اللهَ الجنةَ و أعوذُ باللهِ من النّارِ''۔(النسائی)

۸۵۵۔عن نافعٍ قال: كان عبدُ الله بن عمرؓ إذا جلسَ فى الصلوٰة وضعَ يدَيْهِ علىٰ رُكبتَيْهِ و أشارَ بأصبعِهِ و أتبعَهابصرَهُ ثمّ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ:لهِيَ أشدُّ على الشيطٰنِ مِن الحديدِ [يعنى السبّابةَ].[أحمد]

ترجمہ: نافعؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے اور اس (اپنی انگلی) کو دیکھتے رہتے پھر کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ (شہادت کی) انگلی (سے توحید کا اشارہ) شیطان پر لوہے (کی مار) سے زیادہ سخت ہے۔(احمد)

۸۵۶۔وعن ابن مسعودٍؓ كانَ يقولُ: مِن السُّنَّةِإخفاءُ التشهُّدِ .[أبو داؤد،ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ سنت یہ ہے کہ تشہد (التحیات) کو مخفی رکھا جائے۔(ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: قوله: مِن السنة اخفاء التشهد:۔صحابی کا "من السنة كذا" کہنا، اسی طرح "السنةُ كذا" کہنا، جمہور محدثین کے نزدیک حدیثِ مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ یہاں اخفائے تشہد کو سنت قرار دیا جارہا ہے، چنانچہ تشہد کو اگر سہواً جہر سے پڑھ لیا جائے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا، برخلاف سرّی قراءت کے کہ اگر اس کو سہواً جہر کے ساتھ پڑھ دیا جائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

(بابُ الصَّلاةِ علَى النبيِّ ﷺ و فضلِها)

نبی پاک ﷺ پر درود و صلاۃ کس طرح سے پڑھا جائے؟ کون سے درود پڑھے جائیں؟ اور درود کی کیا فضیلت ہے؟ یہاں اس باب میں اس کے متعلق احادیث ذکر کی جائیں گی۔

صلاۃ کا معنیٰ اور اس کا حکم: ''صلاۃ'' کا معنیٰ دعائے رحمت، استغفار اور حسنِ ثنا کے آتے ہیں۔ جب اس کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو دعائے رحمت کے معنیٰ ہوتے ہیں اور جب اللہ کی طرف ہو تو اس کے معنیٰ ثنا اور افاضہ رحمت کے ہوتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "إنّ اللهَ و ملآ ئكتَه يُصلُّونَ على النبيِّ يآأيّها الذينَ آمنوا صلُّوا عليه و سلِّمُوا تسليمًا"۔ اس آیتِ کریمہ میں نبی پاک ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کا حکم ہے۔ بعض علماء نے اس کو وجوب پر حمل کیا ہے اور بعض نے استحباب پر۔ جبکہ جمہور علماء کے نزدیک اس آیت کی رو سے زندگی میں ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے کیونکہ ''صلّوا'' امر کا صیغہ ہے اور امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ جس مجلس میں نبی پاک ﷺ کا تذکرہ ہو اس میں ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے اُس کے بعد ہر بار آپ ﷺ کا اسم گرامی سننے پر درود پڑھنا مستحب ہے۔

''الفصل الاوّل''

درودِ ابراہیمی:

۸۵۷۔عن عبد الرحمٰن بن أبي ليلىٰ قال: لقيني كعبُ بن عُجرةؓ ،فقال: ألا أُهدِي لكَ هديةً سمعتُها مِن النبيِّ ﷺ فقلتُ

بلیٰ !فاھدِھالی ،فقال: سألنا رسولَ اللهﷺفقلنا:یا رسولَ الله!کیف الصلوٰۃُ علیکم أھلَ البیتِ ؟فإنّ الله قدعلّمنا کیف نُسلّمُ علیك؟قال: قُولُوا: "اللّھم صلِّ علیٰ محمد وعلیٰ آ لِ محمد کما صلّیتَ علیٰ ابراھیم وعلیٰ الِ ابراھیم إنّك حمیدٌ مجید اللّھم بارك علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد کما بارکتَ علیٰ ابراھیم وعلیٰ الِ ابراھیم إنّك حمیدٌ مجید".[متفق علیه]الاّ أنّ مسلمًالم یذکر"علیٰ ابراھیم"فی الموضعین.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت کعب بن عُجرہؓ مجھ سے ملے اور فرمایا: کیا میں تمہیں تحفہ کے طور پر ایسی چیز نہ دوں جو میں نے نبی پاک ﷺ سے سنی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں ! مجھے وہ (چیز) ہدیہ میں دے دیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم آپ پر اور اہل بیت کرام پر درود کیسے بھیجیں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ تو بتادیا کہ ہم آپ پر سلام کیسے بھیجیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو: ''اللّھم صلّ علیٰ محمد ....'' الخ [ترجمہ] ''اے اللہ! محمد پر اور آلِ محمد پر رحمت نازل فرما، جیسا کہ تو نے ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ پر رحمت نازل فرمائی، تو لائق حمد بزرگ و برتر ہے۔ اے اللہ! محمد اور آلِ محمد پر برکت نازل فرما، جیسا کہ تو نے ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ پر برکت نازل فرمائی''۔ (متفق علیہ) ہاں مسلمؒ نے دونوں جگہوں میں علیٰ ابراھیم کا ذکر نہیں کیا۔

تشریح: قوله: قولوا: اللّھم صلِّ علیٰ محمد وعلیٰ آ لِ محمد کما صلیتَ...:۔اس حدیث میں درودِ ابراہیمی کا ذکر ہے جو افضل درود ہے اور نماز میں اس درود کا پڑھنا درود کے دوسرے صیغوں کی بنسبت زیادہ بہتر ہے، کیونکہ مذکورہ حدیث میں نماز کے اندر التحیات میں کہے جانے والے سلام (السلام علیك أیھا النبیُ ورحمة الله وبرکاته) کا ذکر ہے۔

نماز میں درود پڑھنے کی حیثیت:

یہاں یہ بحث ہوتی ہے کہ نماز میں درود پڑھنا فرض ہے یا سنت؟ تو امام شافعیؒ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ نماز میں درود پڑھنا فرض ہے آپؒ کا استدلال آیت: "یأیّھا الّذین ا منوا صلّوا علیه وسلّموا تسلیمًا" سے ہے۔

جبکہ جمہور فقہاء کے ہاں نماز میں درود پڑھنا مسنون ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کئی مواقع پر نماز کی تعلیم دی، اگر درود فرض ہوتا تو کسی نہ کسی موقع پر درود کا ذکر ضرور ہوتا لیکن ایسا نہیں، کہیں بھی تعلیمِ صلاۃ کے موقع پر درود کا ذکر نہیں ملتا۔

ان حضرات کی جانب سے امام شافعیؒ کو جواب دیا جاتا ہے کہ آیت: "یأیھا الذین ا منوا صلّوا...." میں ''صلّوا'' صیغۂ امر ہے۔ اس سے ساری زندگی میں ایک مرتبہ درود کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے جس کے ہم قائل ہیں، کیونکہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ (نفحات)

۸۵۸۔ وعن أبی حُمید الساعديّ قال: قالوا: یا رسولَ الله! کیف نُصلّي علیك فقال رسولُ اللهﷺ :قولوا:"اللّھمّ صلِّ علیٰ محمدٍ وأزواجهٖ وذرّیّتهٖ کما صلّیتَ علیٰ إبراھیم،وبارِكْ علیٰ محمدٍ وأزواجهٖ وذرّیّتهٖ کما بارکتَ علیٰ إبراھیم إنّك حمیدٌ مجیدٌ".[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابوحُمید ساعدیؓ سے مروی ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ (جواب میں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہو کہ'' اللّھمّ صلّ علیٰ محمد وأزواجهٖ وذرّیّتهٖ کما صلّیتَ علیٰ إبراھیم،وبارك علیٰ محمدٍ وأزواجهٖ وذرّیّتهٖ کما

بارکتَ علیٰ إبراهیم إنّكَ حمیدٌ مجید''۔ (متفق علیہ)

درود کے فضائل:

۸۵۹۔وعن أبی هریرۃؓ قال: قال رسول اللهﷺ: مَن صلّی علیَّ صلوٰۃً واحدۃً صلّی اللهُ علیه عشرًا .[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

''الفصل الثانی''

۸۶۰۔عن أنسؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: من صلّی علیَّ صلوٰۃً واحدۃً ،صلّی اللهُ علیه عشرَصلوٰتٍ وحُطّتْ عنه عشرُخطیّاتٍ ورُفعتْ له عشرُ درجاتٍ.[نسائی]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر ایک درود بھیجا اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجے گا اور اُس کے دس گناہ معاف کردیے جائیں گے اور اُس کے دس درجے بلند کردیے جائیں گے۔(نسائی)

۸۶۱۔عن ابن مسعودؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ :أولَی النّاسِ بی یومَ القیامۃِأکثرُهم علیَّ صلوٰۃً .[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں میں مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جس نے مجھ پر کثرت سے درود پڑھا ہوگا۔(ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے علم حدیث کا شغل رکھنے والے خوش قسمت انسانوں کی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ وہ قیامت کے دن آپﷺ کے زیادہ قریب ہوں گے کیونکہ ان سے زیادہ درود کوئی نہیں پڑھتا۔

آنحضرت کو امتیوں کا سلام پہنچایا جاتا ہے:

۸۶۲۔وعنه قال: قال رسولُ اللهﷺ: إنّ لِلّه ملائکۃً سیّاحینَ فی الأرضِ یُبلِّغُونی مِن أمّتی السلامَ .[نسائی ،دارمی]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کے (بہت سے) سیاح (گھومنے پھرنے والے) فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔(نسائی، دارمی)

تشریح: معلوم ہوا کہ جو لوگ روضہ اقدس پر حاضر ہوکر درود نہیں پڑھ سکتے اُن کا درود فرشتے آپﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کرتے ہیں۔اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپﷺ قبر (یعنی عالمِ برزخ) میں جسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں اور درود وسلام پڑھنے والوں کے درود کو سن کر اُس کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے درود وسلام بھیجنے والے کا نام لے کر عرض کرتے ہیں کہ آپ (ﷺ) کے فلاں امتی نے درود وسلام بھیجا ہے۔(مظاہر حق)

آنحضرت اُمتیوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں:

۸۶۳۔وعن أبی هریرۃؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: ما من أحدٍ یُسلّمُ علیَّ إلّا ردَّ اللهُ علیَّ رُوْحِی حتیٰ أرُدَّ علیه السلامَ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کوئی نہیں جو مجھ پر سلام بھیجے (اور میں جواب نہ دوں) مگر یہ کہ اللہ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ میں سلام کا جواب دے دیتا ہوں۔ (ابوداؤد، بیہقی)

تشریح: قوله: إلّاردّ الله علیه روحی حتیٰ أردّ علیه السلام :۔ اس کا یہ مطلب لینا کہ آپ ﷺ کی روح آپ کے بدن مبارک میں نہیں ہوتی صرف سلام کا جواب دینے کے لیے روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے غلط ہے، کیونکہ برزخ میں آپ کی جسمانی حیات قرآن وسنت سے ثابت اہل سنت والجماعت کا مسلمہ عقیدہ ہے۔ باقی اس ارشاد کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی روح ہمہ وقت اللہ رب العزت کے مشاہدہ میں مستغرق رہتی ہے اور جب کوئی امتی سلام بھیجتا ہے تو روح مبارک کو اس استغراق اور مشاہدہ سے ہٹا کر اس عالم کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے تا کہ درود وسلام سنیں اور اس کا جواب دے سکیں۔ (مظاہر حق)

۸٦٤۔عنه قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقولُ :لا تجعلُوا بيوتَكم قُبوراً و لا تجعلُوا قبرى عِيدًا وصلُّوا عليَّ فإنّ صلوتَكم تُبلّغُني حيثُ كنتم.[نسائی]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (یعنی قبروں کی مانند نہ بناؤ) اور میری قبر کو عید (میلہ ٹیلہ) نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجا کرو، کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔ (نسائی)

تشریح: قوله: لا تجعلوا بيوتكم قبورًا: ۔اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ گھروں میں نوافل وغیرہ پڑھا کرو کیونکہ اگر گھر میں عبادت نہ ہو تو وہ گھر قبر کی مانند ہے اور اس کے مکین مردوں کی مانند۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ گھروں میں اپنے مردے دفن نہ کرو، کیونکہ گھروں میں دفن ہونا خاص ہے انبیاء کے ساتھ۔ نیز یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ قبروں میں سکونت اختیار نہ کرو، جیسا کہ آج کل اولیاء کے مزارات میں لوگ رہتے بستے ہیں، کیونکہ اس سے دل کی نرمی ختم ہو جاتی ہے، برخلاف اس کے کہ کبھی کبھار قبروں کی زیارت کی جائے۔

قبروں پر عرسوں اور میلوں کی مذمت:

قوله: ولا تجعلوا قبرى عيدًا: ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ میری قبر پر میلے نہ سجاؤ جس طرح عید کے دن میلے سجائے جاتے ہیں۔ اس ارشاد کی روشنی میں وہ لوگ ذرا سوچے جو اولیاء کے مزارات پر عرس کے نام سے میلے سجاتے ہیں جس میں شرک وبدعات، راگ ورنگ اور مرد وزن کے اختلاط جیسے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہونے کے باوجود اُس (عرس) میں حاضری کو بہت بڑی عبادت سمجھا جاتا ہے۔

تین بدنصیب:

۸٦٥۔عنه قال: قال رسولُ الله ﷺ: رَغِمَ أنفُ رجلٍ ذُكِرتُ عندَه ،فلم يُصلِّ عليَّ ورغِمَ أنفُ رجلٍ دخلَ عليه رمضانُ ثمّ انسلخَ قبلَ أنْ يُغفرَله ورُغِمَ أنفُ رجلٍ أدركَ عندَه أبواه الكِبرُ أوْ أحدَهمافلمْ يُدْخِلاه الجنّةَ.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اُس شخص کی ناک خاک میں ملے جس کے پاس میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور خاک آلود ہو اُس شخص کی ناک جس پر رمضان آیا اور قبل اس کے کہ اُس کی بخشش کی جاتی گذر گیا اور اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس اُس کے والدین یا دونوں میں سے کسی ایک نے بڑھاپے کو پایا اور انہوں نے اُس کو جنت میں داخل نہ کیا

(یعنی اُس نے والدین کا خیال نہ رکھا جس کے سبب وہ جنت کا حقدار قرار پاتا)۔(ترمذی)

درود کے فضائل:

٨٦٦۔وعن أبی طلحةؓ أنّ رسولَ الله ﷺ جاءَ ذاتَ یومٍ والبِشْرُ فی وجهه ،فقالَ :إنّه جاء نی جبرئیلُ فقال:إنّ ربّك یقولُ : أما یُرضِیكَ یامحمد!أن لا یُصلّیَ علیك أحدٌ مِن أمّتِك الّا صلّیتُ علیه عشراو لا یُسلِّمُ علیك أحدٌ مِن أمّتِك الّا سلّمتُ علیه عشرا.[رواہ النسائی ،الدارمی]

ترجمہ:حضرت ابوطلحہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (صحابہ کے پاس) تشریف لائے اور آپ ﷺ کے چہرہ انور سے خوشی معلوم ہورہی تھی، پھر فرمانے لگے کہ جبرئیلؑ میرے پاس آئے تھے،انہوں نے کہا کہ آپ کا ربّ فرماتا ہے: کیا تو اس بات سے راضی نہیں اے محمد! کہ آپ کی امت میں سے جو کوئی آپ پر (ایک مرتبہ) درود بھیجے گا، میں اُس پر دس رحمتیں بھیجوں گا اور جو آپ پر (ایک مرتبہ) سلام بھیجے گا میں اُس پر دس بار سلام بھیجوں گا۔(نسائی ،دارمی)

زیادہ سے زیادہ درود پڑھنے کی فضیلت:

٨٦٧۔عن اُبیّ بن کعبٍؓ قال: قلتُ: یا رسولَ الله! إنّی أُکثرُ الصلوٰةَ علیك، فکم أجعلُ لك مِن صلوٰتی؟ فقال :ما شِئتَ، قلتُ:الرُّبعَ ،قال:ماشئتَ فإن زِدتَ فهو خیرٌ لك ،قلتُ:النصفَ،قال:ماشئتَ فإن زِدتَ فهو خیرٌ لك ،قلتُ:فالثُلثینَ قال:ماشِئتَ فإن زِدتَ فهو خیرٌ لك ،قلتُ:أجعلُ لك صلوٰتی کلّها،قال: اذاً تُکفیٰ همّك ویُکفَّرُ لك ذنبُك.[ترمذی]

ترجمہ:حضرت ابی بن کعبؓ نے (بارگاہ رسالت میں) عرض کیا کہ یارسولَ اللہ! میں آپ پر بکثرت درود بھیجتا ہوں ،(اب بتلادیجئے کہ) میں اپنی دعا (نفلی عبادت وغیرہ) میں سے کتنی مقدار (یعنی کتنا وقت) آپ (ﷺ) پر درود پڑھنے کے لیے مقرر کردوں؟ فرمایا: جتنا چاہو۔ میں نے عرض کیا کہ ایک چوتھائی (وقت مقرر کرلوں؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنا چاہو اور اگر (اس سے) زیادہ کرو گے تو تمہارے لیے بہتر رہے گا۔ میں نے عرض کیا کہ آدھا (وقت) فرمایا جتنا چاہو اور اگر (اس سے) زیادہ کرو گے تو آپ کے لیے بہتر رہے گا، میں نے کہا کہ دو تہائی (وقت مقرر کرلیتا ہوں؟)،فرمایا جو چاہو اور اگر (اس سے) زیادہ کرو گے تو آپ کے لیے بہتر رہے گا، میں نے عرض کیا کہ (پھر تو) میں اپنی دعا (کا سارا وقت) آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے لیے مقرر کردیتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تب تو کفایت کیا جائے گا تیری پریشانی میں اور تیرے گناہ بخش دیے جائیں گے۔(ترمذی)

٨٦٨۔عَن فَضالة بن عُبیدٍ قال: بینما رسولُ الله ﷺ قاعدٌ إذا دخلَ رجلٌ فصلّی فقال: اَللّٰهمّ اغفِرلی وارحمنی،فقال رسولُ الله ﷺ :عجلتَ أیّها المُصلّی!اذاصلّیتَ فقعدتَّ فاحمدِاللهَ بما هو أهلُه وصلِّ علیّ ثمّ ادعُه،قال: ثمّ صلّی رجلٌ اخرُ بعدَ ذلك فحمِد اللهَ وصلّی علی النبیِّ ﷺ ،فقال له النبیُّ ﷺ :أیّها المُصلّی !اُدعُ تُجَبْ.[ترمذی ،و أبو داؤد و النسائی نحوَہ]

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عُبیدؓ سے مروی ہے کہ اس اثنا میں کہ آپ ﷺ تشریف فرما تھے، ایک شخص آیا ،نماز پڑھی اور (دعا میں) کہنے لگا ''اَللّٰهمّ اغفرلی وارحمنی'' (اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما) آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے! تو

نے (دعا مانگنے کا طریقہ ترک کر کے) جلدی کی، جب نماز پڑھ کر (دعا کے لیے) بیٹھو تو اللہ کی حمد وتعریف کر جس کا وہ لائق ہے اور پھر مجھ پر درود بھیج، پھر اللہ سے دعا مانگ۔ اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے نماز پڑھی، اُس نے (نماز سے فارغ ہونے کے بعد) اللہ کی حمد وثنا کی اور نبی پاک ﷺ پر درود بھیجا۔ (یہ سن کر) نبی پاک ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے! مانگ، تیری دعا قبول کی جائے گی۔

۸۶۹۔عن عبد الله بن مسعودؓ قال: كنتُ أُصلّي والنبيُّ ﷺ حاضرٌ وأبو بكرٍ وعمرُ معه فلمّا جلستُ بدأتُ بالثناءِ على الله تعالىٰ ثمّ الصلوٰةِ على النبيّ ﷺ ثمّ دعوتُ لنفسِي فقال النبيُّ ﷺ: سَلْ تُعْطَهْ. [ترمذی]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی پاک ﷺ تشریف فرما تھے، حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ چنانچہ جب میں (نماز کے بعد دعا مانگنے) بیٹھا تو پہلے اللہ کی حمد وثنا کرنے لگا پھر نبی پاک ﷺ پر درود بھیجا، پھر اپنے لیے دعا مانگنے لگا تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مانگ تجھے دیا جائے گا، مانگ تجھے دیا جائے گا۔ (ترمذی)

''الفصل الثالث''

۸۷۰۔عن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَنْ سَرّه أن يُكتالَ بالمِكيالِ الأوفىٰ إذا صلّى علينا أهلِ البيتِ فلْيَقُلْ: "اللّهمّ صلّ علىٰ محمدٍ النبيّ الأميّ وأزواجِه أمّهاتِ المؤمنينَ وذرّيّته وأهلِ بيته كما صلّيتَ علىٰ آلِ إبراهيمَ إنّكَ حميدٌ مجيد".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جسے یہ بات خوش کرے کہ اس کو پورے پیمانہ سے ثواب دیا جائے، (وہ) جب ہم اہلِ بیت پر درود بھیجے تو چاہیے کہ (یہ) کہے کہ ''اللّهمّ صلّ علىٰ محمدٍ النبيّ الأميّ وأزواجِه أمّهاتِ المؤمنين وذرّيّته وأهلِ بيته كما صلّيتَ علىٰ آلِ إبراهيمَ إنّكَ حميدٌ مجيد.'' [ترجمہ] '' اے اللہ! رحمت بھیج محمد نبی اُمّی پر اور آپ کی ازواج پر جو مؤمنوں کی مائیں ہیں اور آپ کی ذرّیت اور اہلِ بیت پر جیسا کہ تو نے رحمت بھیجی ابراہیمؑ کی آل پر تو لائقِ حمد اور بزرگی والا ہے''۔ (ابوداؤد)

آپ ﷺ کے اُمّی کہلانے کی وجہ:

تشریح: قوله: محمدٍ النبيّ الأمّي...: ''اُمّی'' منسوب ہے اُم (ماں) کی طرف۔ لغت میں اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ۔ آپ ﷺ اگرچہ اوّلین وآخرین کے علوم کے حامل وعالم ہیں لیکن چونکہ آپ ﷺ نے دنیا کے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا جس سے آپ ﷺ نے لکھنا پڑھنا سیکھا ہو، بلکہ سارے علوم اللہ ربّ العزت نے آپ ﷺ کو بغیر کسی مادی واسطے کے عطا فرمائے، اس مناسبت سے آپ کو ''اُمّی'' کہا جاتا ہے۔

سب سے بخیل شخص:

۸۷۱۔عن عليٍّؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: البخيلُ الّذي مَن ذُكِرتُ عندَه فلم يُصلِّ عليّ. [ترمذی، أحمد]

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (سب سے بڑا) بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (ترمذی، احمد)

درود جسے آنحضرت براہِ راست سنتے ہیں:

۸۷۲۔عن أبی ہریرۃؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ :مَن صلّٰی عليَّ عندَ قبری سمِعتُه ومَن صلّٰی عليَّ نائیًا أُبلِغتُه.[بیہقی]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود بھیجے تو میں (بلا واسطہ) اُس کو سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود بھیجتا ہے تو وہ مجھے (فرشتوں کے واسطہ سے) پہنچایا جاتا ہے۔(بیہقی)

۸۷۳۔عن عبد الله بن عمروؓ قال: مَن صلّٰی علی النبیِّﷺ واحدةً صلّٰی اللهُ علیه وملائکتُه سبعینَ صلوٰةً.[أحمد]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ جو ایک مرتبہ نبی پاکﷺ پر درود بھیجے (اس کے بدلہ میں) اللہ تعالیٰ اور اُس کے ملائکہ اُس پر ستر (۷۰) رحمتیں بھیجتے ہیں۔(احمد)

ایک موجبِ شفاعت درود:

۸۷۴۔وعن رُویفع أنّ رسولَ اللهﷺ قال: مَن صلّٰی علیٰ مُحمّدٍ وقال:"اللّٰهمّ أَنزِلْهُ المَقعدَ المُقرّبَ عندَك یومَ القیامة" وجبتْ له شفاعتی.[أحمد]

ترجمہ:حضرت رُوَیفعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو شخص محمد (ﷺ) پر درود بھیجے اور (اس کے بعد یہ) کہے کہ "اَللّٰھمّ أَنزِلہ المقعدَ المُقرّبَ عندك یومَ القیامة." [ترجمہ]"اے اللہ! آنحضرت (ﷺ) کو روزِ قیامت اُس مقام پر جگہ عطا کر جو تیرے نزدیک مقرب ہے" تو اُس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔(احمدؒ)

۸۷۵۔وعن عبد الرحمٰن بن عوفؓ قال: خرجَ رسولُ اللهﷺ حتیٰ دخلَ نخلاً فسجدَ فأطالَ السُّجودَ حتیٰ خشِیتُ أن یکونَ اللهُ تعالیٰ قدْ توفّاه ،قال:فجِئتُ أنظرُ فرفعَ رأسَه فقال:مالَكَ ؟فذکرتُ له ذلكَ قال:فقال :إنّ جبریل علیه السلام قال لی :ألاأُبشِّرُك أنّ اللهَ عزّ وجلّ یقولُ لكَ:مَن صلّٰی علیكَ صلوٰةً صلّیتُ علیه ومَن سَلّمَ علیك سلّمتُ علیه.[أحمد]

ترجمہ:حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ (حجرہ وغیرہ سے) نکلے یہاں تک کہ ایک کھجوروں کے ایک باغ میں داخل ہوئے اور سجدہ فرمایا اور سجدہ کو اتنا دراز کیا کہ میں گھبرا گیا (کہ کہیں خدانخواستہ) اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو وفات تو نہیں دے دی۔ چنانچہ میں آکر آپﷺ کو دیکھنے لگا (کہ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں) تو آپﷺ نے سر (مبارک) اٹھایا اور فرمایا کہ کیا ہوا؟ میں نے یہ (ساری) بات ذکر کر دی۔ راوی کہتا ہے کہ (اس کے بعد) آپﷺ نے فرمایا: جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا: کیا میں آپ کو اس بات کی خوشخبری نہ دوں کہ اللہ عزّ وجلّ آپﷺ کی (اطمینان اور تسلی) کے لیے فرماتا ہے کہ جو آپ پر درود بھیجے، میں اُس پر رحمت بھیجوں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے تو میں اُس پر سلام بھیجوں گا۔(احمدؒ)

۸۷۶۔وعن عمر بن الخطابؓ قال: إنّ الدعاءَ موقوفٌ بینَ السماءِ والأرضِ لایصعَدُ منه شیءٌ حتیٰ تُصلّیَ علیٰ نبیِّك.

ترجمہ:حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ دعا آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے اور اُس میں سے کچھ بھی (اوپر) نہیں چڑھتا یہاں تک کہ تو اپنے نبی (ﷺ) پر درود بھیجے (یعنی دعا کی قبولیت درود پڑھنے پر موقوف رہتی ہے)۔(ترمذی)

(بابُ الدُّعاءِ فِی التشَهُّدِ)

تشہد میں دعا کا مسئلہ:

اس باب میں تشہد میں درود کے بعد اور سلام سے پہلے پڑھی جانے والی ماثور دعاؤں کا ذکر ہے۔ یہاں اس پر تو اتفاق ہے کہ سلام سے پہلے دعا پڑھنی چاہیے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ماثور دعاؤں کے علاوہ دوسری دعائیں پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرات احنافؒ کے ہاں افضل تو یہ ہے کہ ماثور دعائیں پڑھی جائیں۔ البتہ اگر اس کے علاوہ کوئی دعا پڑھی جائے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دعا ماثورہ دعاؤں کے مشابہ ہو، کلام الناس کے مشابہ نہ ہو اور ایسی چیز کا سوال اس میں نہ ہو جو عموماً لوگوں سے مانگی جاتی ہو۔

جبکہ حنابلہ کے ہاں ماثور دعاؤں کے علاوہ دوسری دعائیں پڑھنا جائز نہیں۔ ان حضرات کا استدلال حضرت معاویہ بن الحکمؓ کی حدیث میں وارد ان الفاظ سے ہے: ''إنّ هذهِ الصلاةَ لا يَصلُحُ فيها شيءٌ من كلام النّاس '' یہ روایت عنقریب [باب مالا یجوز من العمل فی الصلاۃ] میں آئے گی۔

شافعیہ اور مالکیہ کے ہاں ہر قسم کی دعا پڑھنی جائز ہے خواہ وہ امورِ دین سے متعلق ہو یا امورِ دنیا سے، مأثور ہو یا نہ ہو۔ غرض جو دعائیں خارجِ صلاۃ جائز ہیں نماز میں بھی جائز ہیں۔ ان حضرات کا استدلال حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں وارد اس ارشادِ نبوی سے ہے ''ثمّ ليتخيّر من الدعاء أعجبه'' یعنی پھر وہ دعا پڑھے جو اس (نمازی) کو پسند ہو۔

حضرات حنفیہ اور حنابلہ کی جانب سے مالکیہ اور شوافع کی دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ بن الحکمؓ کی روایت کے پیشِ نظر ''ثمّ لِيتخيَّر من الدعاءِ أعجَبه'' کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ سے مأثور و منقول دعاؤں میں سے جو دعا نمازی کو زیادہ پسند ہو، وہ پڑھے۔ (نفحات)

''الفصل الاوّل''

تشہد کے بعد پڑھی جانے والی دعائیں:

۸۷۷۔عن عائشةَؓ قالت: كانَ رسولُ الله ﷺ يدعُو في الصلوٰةِ يقولُ:" اللّهمّ إنّي أعوذُبكَ من عذابِ القبرِ وأعوذُبكَ مِن فتنةِ المسيحِ الدجّال و أعوذُبكَ مِن فتنةِ المحيا وفتنةِ المَماتِ، اللّهم إنّي أعوذُبكَ مِن المأثمِ ومِن المَغرمِ"، فقال له قائلٌ: ماأكثرماتستعيذُ مِن المَغرَمِ، فقال: إنّ الرجلَ اذاغرِمَ حدّثَ فكذَب ووَعدَ فأخلفَ. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں (تشہد کے بعد یہ دعا) فرماتے تھے کہ '' اللّهم إنّي أعوذ بك من عذاب القبر ...الخ'' (ترجمہ) ''اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں کانے دجّال کے فتنہ سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی کے فتنہ سے اور موت کے فتنہ سے، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں گناہ سے اور قرض سے''۔ (راوی کہتا ہے کہ) کسی نے

آپ ﷺ سے کہا تعجب ہے کہ آپ (ﷺ) قرض سے بکثرت پناہ مانگتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی قرضدار ہوتا ہے تو (جب) بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے، اور وعدہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا۔ (متفق علیہ)

۸۷۸۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: إذا فرغ أحدُكم مِن التشهُّدِ الآخرِ فليتعوَّذْ بالله مِن أربعٍ: مِن عذابِ جهنَّم ومِن عذابِ القبرِ ومِن فتنةِ المَحياو المَمات ومِن شرِّ المَسيحِ الدجّال. [مسلم]

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آخری تشہد (التحیات) سے فارغ ہو جائے تو اُسے چاہیے کہ چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے: دوزخ کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے اور کانے دجال کے شر سے۔ (مسلم)

۸۷۹۔وعن ابن عباسؓ أنّ النبيَّﷺ كانَ يُعلِّمُهم هذا الدعاءَ كما يُعلِّمُهم السورةَ من القرآن يقولُ: "اللّهم اِنّي أعوذُبك مِن عذاب جهنّم و أعوذُبك مِن عذاب القبرِ و أعوذُبك مِن فتنةِ المسيحِ الدجّال، و أعوذبكَ مِن فتنةِ المحياو الممات. [مسلم]

ترجمہ: ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ اُن کو یہ دعا (اس قدر اہتمام کے ساتھ) سکھاتے، جیسے اُن کو قرآن کی کوئی سورت سکھاتے، فرماتے: کہو کہ "اللهمّ إنّي أعوذبك من عذاب جهنم...الخ" [ترجمہ] "اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں دجال مسیح کے فتنہ سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنہ سے"۔

۸۸۰۔عن أبي بكرٍ الصديقؓ قال: قلتُ: يا رسولَ الله علِّمني دعاءً أدعُو به في صلوتي قال: قل: " اللّهمّ اِنّي ظلمتُ نفسي ظلمًا كثيرًا و لايغفرُ الذُّنوبَ الاّ أنتَ فاغفِرلي مَغفرةً مِن عندِك و ارحمْني اِنّك أنتَ الغفورُ الرحيم". [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے (بارگاہِ رسالت میں) عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے کوئی دعا سکھایئے جسے میں اپنی نماز (کے التحیات) میں پڑھا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہو کہ "اللهمّ إنّي ظلمتُ نفسي ظلمًا..." الخ [ترجمہ] "اے اللہ! میں نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں، لہٰذا اپنی طرف سے میری خصوصی مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے"۔ (متفق علیہ)

سلام پھیرنے کا طریقہ:

۸۸۱۔وعن عامرِ بن سعدٍؓ عن أبيه قال: كنتُ أرىٰ رسولَ اللهﷺ يُسلّمُ عن يمينِه وعن يسارِه حتّٰى أرىٰ بياضَ خدّه.

ترجمہ: عامر بن سعد اپنے والد (سعد) سے روایت کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تھا کہ اپنے دائیں اور بائیں سلام پھیرتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے رخسار (مبارک) کی سفیدی دیکھ لیتا تھا۔ (مسلم)

۸۸۲۔وعن سمُرة بن جُندبؓ قال: كان رسول اللهﷺ إذا صلّٰى صلوٰةً أقبلَ علينا بوجهِه. [بخاري]

ترجمہ: سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھ چکے ہوتے تو اپنے روئے انور کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہو جاتے۔

نماز کے بعد کس طرف سے پھرا جائے؟:

۸۸۳۔وعن أنسؓ قال: كانَ النبيُّﷺ ينصرفُ عن يمينِه. [مسلم]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ (نماز سے فارغ ہوکر اکثر) اپنے دائیں طرف سے پھرتے تھے۔ (مسلم)

٨٨٤۔وعن عبد الله بن مسعودؓ قال: لا يجعلُ أحدُكم للشيطانِ شيئًا مِن صلوٰته، يرٰى أنّ حقًّا عليه أن لاينصرِفَ الّا عن يمينِهٖ لقدْ رأيتُ رسولَ الله ﷺ كثيرًا ينصرِفُ عن يسارِهٖ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے کہ وہ یہ سمجھے کہ (نماز سے فارغ ہونے کے بعد) دائیں طرف سے پھرنا لازم ہے۔ تحقیق میں نے رسول اللہ ﷺ کو بہت مرتبہ دیکھا کہ بائیں طرف سے پھر رہے ہیں۔ (متفق علیہ)

٨٨٥۔وعن البراءؓ قال: كنّا إذا صلّينا خلفَ رسولِ الله ﷺ، أحببْنا أن نكونَ عن يمينِه يُقبِلُ علينا بوجهِه ،قال: فسمعتُه يقول:"ربِّ قِنِي عذابَك يومَ تبعثُ أو تجمَعُ عبادَكَ "[مسلم]

ترجمہ: حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو آپ ﷺ کے دائیں جانب کھڑے ہونے کو پسند کرتے تا کہ ہم پر اپنے روئے انور کے ساتھ متوجہ ہوں (کیونکہ عموماً آپ ﷺ دائیں جانب پھرتے تھے)۔ حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے آپ ﷺ کو (سلام کے بعد) یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ربِّ قنی عذابك يومَ تبعثُ أو تجمعُ عبادكَ'' [ترجمہ] ''اے میرے رب! مجھے (اس دن) اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے''۔ (مسلم)

٨٨٦۔وعن أمّ سلمةؓ قالت: إنّ النساءَ في عهدِ رسولِ الله ﷺ كُنّ إذا سَلّمنَ مِن المكتوبةِ قُمْنَ وثبتَ رسولُ الله ﷺ ومَن صلّٰى مِن الرجالِ ماشاءَ اللهُ،فاذاقامَ رسولُ الله ﷺ قام الرجالُ.[بخاری]وسنذكرُ حديثَ جابرِ بن سمرةَ في "باب الضحكِ"إن شاء اللهُ تعالىٰ.

ترجمہ: حضرت امّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جب عورتیں (جماعت کی) فرض نماز سے سلام پھیرتیں تو (جانے کے لیے فوراً) کھڑی ہو جاتیں اور رسول اللہ ﷺ اور جن مرد حضرات نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہوتی (اپنی جگہوں پر) جتنا اللہ کو منظور ہوتا بیٹھے رہتے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ (جانے کے لیے) کھڑے ہوتے تو سارے مرد بھی کھڑے ہو جاتے۔ (بخاری)

''الفصل الثانی''

نماز کے بعد کے معمولات:

٨٨٧۔عن معاذِبن جبلٍؓ قال: أخذَ بيدي رسولُ الله ﷺ، فقالَ: إنّي لأحبُّك يا معاذ! فقلتُ: وأناأُحِبُّك يا رسولَ الله!قال: فلاتَدَعْ أنْ تقولَ في دُبرِ كلِّ صلوٰةٍ:" ربِّ أعِنّي علىٰ ذكرِكَ وشكرِكَ وحسنِ عبادتك".[أحمد،أبوداؤد،نسائي الّا أنّ أباداؤدلمْ يذكُر"قال معاذ:وأناأُحِبّك".]

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے معاذ! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد (ان کلمات کو) کہنا مت چھوڑ: ''ربِّ أعنّي علىٰ ذكرِكَ وشكرِكَ وحسنِ عبادتكَ''۔ ترجمہ: اے میرے رب! اپنے ذکر اور اپنے شکر اور اپنی بہترین عبادت پر میری مدد کر۔ (احمد)

۸۸۸۔وعن عبد الله بن مسعودؓ قال: إنّ رسولَ اللهﷺ كانَ يُسلِّمُ عن يمينه "السلامُ عليكم ورحمةُ الله"حتىٰ يُرىٰ بياضُ خدّه الأيمن وعن يساره "السلامُ عليكم ورحمةُ الله"حتىٰ يُرىٰ بياضُ خدّه الأيسر.[أبو داؤد،نسائی ،ترمذی ولم يذكرِ الترمذيُّ "حتىٰ يُرىٰ بياضُ خدّه".ورواه ابن ماجة عن عمار بن ياسر.]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ اپنے دائیں طرف "السلامُ عليكم ورحمةُ الله "(کہہ کر)سلام پھیرتے یہاں تک کہ آپﷺ کے دائیں رخسار کی سفیدی نظر آجاتی اور بائیں جانب (بھی) "السلامُ عليكم ورحمةُ الله "(کہہ کر)سلام پھیرتے حتیٰ کہ آپﷺ کے بائیں رخسار کی سفیدی نظر آجاتی۔(ابوداؤد،ترمذی،نسائی)

۸۸۹۔وعن عبد الله بن مسعودٍؓ قال: كانَ أكثرُ انصرافِ النبی ﷺ مِن صلوٰته إلىٰ شقّه الأيسرِ إلىٰ حُجرته.[شرح السنة]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاکﷺ اکثر اپنی نماز سے بائیں جانب حجرہ کی طرف پھرتے۔(شرح السنۃ)

۸۹۰۔عن عطاء الخراسانی عن المغيرةِ قال: قال رسولُ اللهﷺ :لا يُصلِّی الإمامُ فی الموضعِ الّذی صلّٰی فيه حتىٰ يتحوّلَ.[رواه أبو داؤد وقال:عطاء الخراسانی لم يُدرِكُ المُغيرةَ]

ترجمہ:عطاء خراسانی حضرت مغیرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ امام اُس جگہ میں نماز نہ پڑھے جس میں نماز پڑھ چکا ہے یہاں تک کہ وہاں سے ہٹ جائے۔(ابوداؤد)

امام کے اٹھ کر جانے سے پہلے مقتدی نہ جائے:

۸۹۱۔وعن أنسٍؓ أنّ النبیّﷺ حَضّهم علی الصلوٰةِ ونهاهم أن ينصرِفُوا قبلَ انصرافِه من الصلوٰةِ .[أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی پاکﷺ اُن (صحابہ) کو نماز کی ترغیب دیتے اور اس بات سے منع کرتے کہ آپﷺ کے پھرنے سے قبل نماز سے پھریں۔(ابوداؤد)

"الفصل الثالث"

۸۹۲۔عن شدّاد بن أوسٍؓ قال كانَ رسولُ اللهﷺ يقولُ فی صلوٰته: "اللّٰهمّ إنّی أسئلك الثّباتَ فی الأمرِ والعزيمةَ علی الرُّشْدِ وأسئلُكَ شُكرَ نعمتِك وحُسْنَ عبادتِك وأسئلُك قلبًا سليمًا ولسانًا صادقًا وأسئلُكَ مِنْ خيرِ ما تعلمُ وأعوذبِكَ مِنْ شرّ ما تعلَمُ وأستغفرك لما تَعلَمُ".[نسائی وروىٰ أحمد نحوَه]

ترجمہ:حضرت شداد بن اوسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ اپنی نماز (کے آخر) میں یہ (دعا) فرماتے:"اللّٰهمّ إنّی أسئلك الثّبات...".

[ترجمہ] "اے اللہ! میں تجھ سے دین میں ثابت قدمی کا اور ہدایت کے قصد کا سوال کرتا ہوں اور تیری نعمت کے شکر (کی ادائیگی) کا اور تیری اچھی عبادت کا سوال کرتا ہوں اور تجھ سے قلبِ سلیم اور سچ بولنے والی زبان مانگتا ہوں اور تجھ سے ہر وہ خیر طلب کرتا ہوں جو تیرے علم میں ہے اور ہر اُس شر سے پناہ طلب کرتا ہوں جو تیرے علم میں ہے اور اُن (تمام گناہوں) کی معافی طلب کرتا ہوں جو تو جانتا ہے"۔(نسائی،احمد)

۸۹۳۔وعن جابرٍؓ قال: كانَ رسولُ اللهﷺ يقولُ فی صلوٰته بعدَ التشهّدِ:أحسنُ الكلامِ كلامُ الله وأحسنُ الهَدْيِ هَدْیُ

محمد.[نسائی]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں تشہد کے بعد یہ (کلمات) کہتے: "أحسن الکلام کلام الله وأحسن الهدیِ هدیُ محمد." [ترجمہ] "بہترین کلام اللہ کا کلام ہے اور بہترین طریقہ محمد کا طریقہ ہے"۔ (نسائی)

نماز کے اختتام پر تعدادِ سلام کا مسئلہ:

۸۹۴۔عن عائشةؓ قالت: کانَ رسولُ اللهِ ﷺ یُسلِّمُ فی الصلاةِ تسلیمةً تلقاءَ وجهِهٖ ثمّ یمیلُ إلی الشِقِّ الأیمنِ شیئًا.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں سامنے کی طرف ایک سلام پھیرتے، پھر دائیں طرف تھوڑا سا مائل ہو جاتے۔(ترمذی)

تشریح: قولها: کانَ رسولُ اللهِ ﷺ یُسلِّم فی الصلاةِ تسلیمةً تلقاءَ وجهه...:۔یہاں یہ بحث ہوتی ہے کہ نماز کے اختتام پر دو سلام کہے جائیں یا ایک سلام یا کہ تین سلام؟ چنانچہ امام مالکؒ کے نزدیک امام اور منفرد کے لیے ایک سلام مشروع ہے اور مقتدی کے لیے تین سلام مسنون ہیں: ایک سامنے کی جانب اور دو سلام دائیں بائیں جانب۔ آپؒ کا استدلال زیرِ بحث حدیث سے ہے اس کے علاوہ مسلم وابو داؤد شریف میں مروی حدیثِ عائشہؓ بھی آپؒ کی مستدل ہے، جس میں وارد ہے: "ثمّ یُسلّمُ تسلیمةً واحدةً یَرفعُ بها صوتَه حتّی یُوقظنا." [ترجمہ] "پھر آپ ﷺ بلند آواز کے ساتھ ایک سلام کہتے حتیٰ کہ ہمیں جگا دیتے۔" نیز حضرت ابن عمرؓ کے ایک موقوف اثر سے بھی امام مالکؒ کی تائید ہوتی ہے۔

جبکہ جمہور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نمازی کے لیے نماز کے اختتام پر دو سلام ہیں: ایک دائیں اور ایک بائیں۔ جمہور کی تائید بہت سی احادیث سے ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ قریباً بیس صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ نمازی آخرِ صلاۃ میں دو سلام کہے گا۔ یہاں اسی فصل میں حضرت سعدؓ کی روایت اس حوالے سے مذکور ہے، آپؓ فرماتے ہیں: "کنتُ أرٰی رسولَ اللهِ ﷺ یُسلّم عن یمینه وعن یسارِه حتّٰی أرٰی بیاضَ خدِّه" (مسلم) [ترجمہ] "میں دیکھا کرتا تھا کہ آپ ﷺ دائیں بائیں سلام پھیرا کرتے تھے۔" اسی طرح فصلِ ثانی میں ابن مسعودؓ کی حدیث ہے: "إنّ رسولَ اللهِ ﷺ یسلّم عن یمینه ...وعن یسارِه"۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ان حضرات کی جانب سے امام مالکؒ کی مستدل احادیثِ عائشہؓ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ احادیث بیانِ جواز پر محمول ہیں اور یا پھر محمول ہیں جہر اور اسماع پر (یعنی آپ ﷺ پہلا سلام اتنی آواز سے کہتے کہ ہم حجروں میں سن لیتیں) اس پر مسلم میں مروی حضرت عائشہؓ کی حدیث کے یہ الفاظ دال ہیں: "یرفعُ بها صوته حتّٰی یوقظنا" (یعنی آپ ﷺ اتنی آواز سے سلام کہتے کہ ہمیں جگا دیتے)۔ نیز یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جمہور کی پیش کردہ روایات ناطق اور مثبتِ زیادت ہیں، جبکہ امام مالکؒ کی روایاتِ عائشہؓ ساکت ہیں۔ اور ناطق کو ساکت پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ اور ابن عمرؓ کی موقوف روایت جمہور کی مستدل مرفوع روایات کے مقابلہ میں حجت نہیں۔ (المسائل والدلائل، نفحات)

۸۹۵۔وعن سمرةؓ قال: أمرَنا رسولُ اللهِ ﷺ أن نَرُدَّ علی الإمامِ ونَتَحابَّ وأن یُسلِّمَ بعضُنا علیٰ بعضٍ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم (سلام پھیرتے وقت) امام کے سلام کا جواب دیں (یعنی جواب کی نیت

کرے) اور آپس میں محبت رکھیں اور ایک دوسرے کو سلام کریں۔ (ابوداؤد)

(بابُ الذِّکرِ بعدَ الصَّلوٰۃِ)

{اس باب میں وہ احادیث ذکر کی جائیں گی جن میں فرض نمازوں کے بعد مختلف اذکار اور وظائف ارشاد فرمائے گئے ہیں}

فرضوں اور سنتوں کے درمیان ذکر واذکار:

اس جگہ یہ بحث ہوئی ہے کہ جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں ہیں وہاں فرض اور سنت کے درمیان مسنون اذکار پڑھے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ دونوں قول موجود ہیں، البتہ مناسب یہ ہے کہ سنتوں میں تاخیر نہ کی جائے، کیونکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت" اللهم أنت السلام ومنك السلام ... الخ کہہ کر سنت پڑھنے لگتے۔ چنانچہ مناسب یہ ہے کہ احادیث سے ثابت شدہ وظائف واذکار بھی سنتوں کے بعد پڑھے جائیں، کیونکہ اِن احادیث کا مقصد یہ ہے کہ یہ اذکار نماز کے بعد پڑھے جائیں خواہ فرض کے بعد ہو یا سنتوں کے بعد۔

"الفصل الاوّل"

نماز کے اختتام پر تکبیر:

۸۹۶۔عن ابن عباسؓ قال: كنتُ أعرفُ انقضاءَ صلاةِ رسولِ اللهِ ﷺ بالتكبيرِ. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نبی پاک ﷺ کی نماز (باجماعت) کے ختم ہو جانے کو تکبیر (کی آواز) سے جان لیتا تھا۔

تشریح: اس حدیث میں جس تکبیر کا ذکر ہے، اس کے متعلق بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ نماز کے بعد جو تسبیحات ہوتی ہیں اس میں جو اللہ اکبر کہا جاتا ہے وہ مراد ہے، جسے آپ ﷺ تعلیمِ امت کی خاطر باوازِ بلند کہتے۔ جبکہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس روایت کا تعلق ایامِ منیٰ یا ایامِ تشریق (کی تکبیرات) سے ہے۔

اشکال اور اُس کا جواب:

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نماز ختم ہونے کو سلام کی بجائے تکبیر سے کیسے پہچانتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن عباسؓ یا تو صغرسنی کی وجہ سے جماعت میں ہمیشہ شریک نہ ہوتے ہوں گے۔ یا صغرسنی کی وجہ سے جماعت کی پچھلی صفوں میں کھڑے ہوتے ہوں گے، اس لیے ممکن ہے کہ وہاں تک آپ ﷺ کی سلام کی آواز نہ پہنچتی ہو، لیکن تکبیر جو بلند آواز سے کہی جاتی حضرت ابن عباسؓ وہ سن لیتے جس سے نماز ہو چکنے کو جان جاتے۔ (مظاہر حق)

فرض نماز کے بعد پڑھی جانے والی مسنون دعائیں

۸۹۷۔عن عائشةؓ قالت: كان رسولُ اللهِ ﷺ لم يقعد إلا مقدارَ ما يقولُ: اللهمّ أنتَ السلام ومنك السلام تباركت يا ذالجلالِ والإكرامِ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (فرض نماز کے بعد) ''اللّٰھمّ أنتَ السلام و منك السلام تبارَکت یا ذالجلالِ والإکرام'' کہنے کے بقدر بیٹھتے۔ (مسلم)

۸۹۸۔وعن ثوبانؓ قال: کانَ رسولُ اللهِ ﷺ إذا انصرفَ من صلاتِه استغفرَ ثلاثًا وقال: ''اللّٰھمّ أنت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذالجلالِ والإکرامِ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب (فرض) نماز سے فارغ ہوتے تو تین مرتبہ استغفار کہتے اور (یہ دعا) کہتے کہ ''اے اللہ! تو سالم ہے (تمام عیوب سے) اور تجھ ہی سے (بندوں کی) سلامتی ہے، تو بابرکت ہے، اے بزرگی اور بخشش والے!''۔ (مسلم)

۸۹۹۔وعن المغیرةِ بن شعبةَؓ أنّ النبیَّ ﷺ کانَ یقولُ فی دُبرِ کلِّ صلوٰةٍ مکتوبةٍ:'' لا إله إلا اللهُ وحدَه لاشریكَ له، له الملكُ وله الحمدُ ،وھو علیٰ کلّ شئٍ قدیر، اللّٰھمّ لا مانعَ لما أعطیتَ و لا مُعطِیَ لما منعتَ و لا ینفعُ ذالجدِّ منك الجدُّ.''

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ (کلمات) کہتے کہ ''لا إله إلا الله وحده لاشریك له، له الملك وله الحمد ،وھو علیٰ کلّ شئٍ قدیر، اللّٰھمّ لا مانعَ لما أعطیتَ و لا معطیَ لما منعتَ و لا ینفعُ ذالجدِّ منك الجدّ''۔(متفق علیہ)

۹۰۰۔وعن عبد الله بن الزبیرؓ قال :کانَ رسول الله إذا سلّمَ من صلوٰته یقولُ بصوتِه الأعلیٰ :''لا إله إلا الله وحده لا شریك له له المُلكُ وله الحمدُ وھوعلیٰ کلّ شئٍ قدیرٌ لاحولَ ولاقوۃَ الّا بالله لااله الّا اللهُ ولانعبدُ الّا إیّاه له النّعمةُ وله الفضلُ وله الثناءُ الحَسَنُ لااله الّا اللهُ مخلصینَ له الدینَ ولَوْ کرِهَ الکافِرون''.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے تو بآوازِ بلند کہتے کہ لا إله إلا الله وحده لا شریك له...الخ[ترجمہ] ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، گناہ سے پھیرنے اور عبادت کرنے کی قوت صرف اللہ کی مدد سے ہے اور ہم اُس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے ،نعمت اسی کی ہے اور بزرگی اسی کی ہے اور اسی کے لیے اچھی تعریف ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، (ہم) اسی کے لیے بندگی کو خالص کرنے والے ہیں اگرچہ کافروں کو ناگوار گزرے۔'' (مسلم)

۹۰۱۔عن سعدؓ أنّه کان یُعلّمُ بنیه ھٰؤلاءِ الکلماتِ، ویقولُ :إنّ رسولَ اللهِ ﷺ کانَ یتعوّذُ بِھِنّ دُبرَ الصلوٰةِ:'' اللّٰھُمّ إنّی أعوذبكَ من الجُبنِ و أعوذُبِكَ من البُخلِ و أعوذُبكَ مِن أرذلِ العمرِ وأعوذبِكَ مِن فتنةِ الدنیا و عذابِ القبر''.[بخاری]

ترجمہ: حضرت سعدؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو یہ کلمات سکھایا کرتے تھے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعہ (اللہ) سے پناہ مانگا کرتے تھے:''اللّٰھُمّ إنّی أعوذبكَ من الجُبنِ ...الخ''[ترجمہ] ''اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بخل سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں ناکارہ عمر سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے۔'' (بخاری)

تسبیحاتِ فاطمہ کی فضیلت:

۹۰۲۔وعن أبی ھریرةؓ قال: إنّ فقراءَ المھاجرین أتَوْا رسولَ الله ﷺ ،فقالوا: قد ذھبَ أھلُ الدُّثُور بالدرجاتِ العُلیٰ

والنعیم المُقیمِ فقال: وماذاك ؟قالوا:یصلُّون کما نُصلِّی ویصومونَ کما نصومُ ویتصدّقون ولانتصدّقُ ویُعتِقون ولانُعتِقُ، فقال رسولُ اللهﷺ:أفلاأعلّمُکم شیئاً تدرِکون به مَن سبقَکُم وتسبِقُون بهٖ مَن بعدَکم ولایکونُ أحدٌ أفضلَ منکم الّا مَن صنعَ مثلَ ماصنعتُم،قالوا:بلیٰ یا رسولَ الله!قال:تُسبِّحون وتُکبِّرون وتُحمّدون دُبرَ کلِّ صلوٰۃٍ ثلاثاً وثلاثین مرّۃً .قال أبوصالح:فرجعَ فقراءُ المهاجرین الیٰ رسولِ اللهﷺفقالوا:سمعَ إخوانُنا أهلُ الأموالِ بمافعلْناففعَلُوامِثلَه ،فقال رسولُ اللهﷺ :ذلك فضلُ اللهِ یُؤتیه مَن یشاءُ .[متفق علیه]ولیس قولُ أبی صالح الیٰ اخره الّا عندَ مسلم.وفی روایۃٍ للبخاری: "تُسبّحونَ فی دُبرِ کلِّ صلوٰۃٍ عشراً وتُحمّدُون عشراً وتُکبِّرُون عشرا"بدل "ثلاثٍ وثلاثین.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ فقراء مہاجرین (ایک دفعہ) رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ مالدار لوگ (قربِ الٰہی کے) درجاتِ عالیہ اور ہمیشہ کی نعمت (جنت) حاصل کر گئے۔ آپﷺ نے پوچھا: وہ کیسے؟ کہنے لگے (اس طرح) کہ وہ نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور وہ روزے رکھتے ہیں جیسا کہ ہم روزے رکھتے ہیں اور وہ (مالدار ہونے کے سبب) صدقے کرتے ہیں اور ہم صدقے نہیں کر سکتے اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے، (یہ سن کر) رسول اللہﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جس کے سبب تم اُن لوگوں (کے درجات) تک پہنچ جاؤ گے جو تم سے (درجات عالیہ میں) آگے بڑھ گئے تھے اور پیچھے آنے والوں سے تم آگے بڑھ جاؤ گے اور (اس عمل کے کرنے کے بعد) کوئی تم سے افضل نہ ہوگا سوائے اس (مالدار) شخص کے جو تم جیسا عمل کرے؛ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں (بتا دیجئے) یارسول اللہ! آپﷺ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد تینتیس، تینتیس مرتبہ 'سبحان اللہ' اور 'اللہ اکبر' اور 'الحمد للہ' کہو۔ ابو صالح (جو ایک راوی ہیں) کہتے ہیں کہ فقراء مہاجرین رسول اللہﷺ کے پاس واپس آئیں، کہنے لگے کہ ہمارے مالدار بھائیوں نے ہمارے عمل (کا حال) سن لیا، چنانچہ وہ بھی اس جیسا عمل کرنے لگے۔ (یہ سن کر) رسول اللہﷺ نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ (متفق علیہ) اور ابو صالح کا قول جو آخر حدیث تک ہے، صرف مسلم کی روایت میں ہے اور بخاری میں ہے: ''تم ہر نماز کے بعد دس، دس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہو (یعنی تینتیس بار کی بجائے دس بار کہنا مذکور ہے)۔

٩٠٣۔عن کعب بن عُجرۃؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ :مُعقِّباتٌ لا یَخیبُ قائلُهُنّ أو فاعلُهنّ دُبرَ کلِّ صلوٰۃٍ مکتوبۃٍ :ثلٰثٌ وثلاثون تسبیحۃً ،ثلاثٌ وثلاثون تحمیدۃً وأربعٌ وثلاثون تکبیرۃً.[مسلم]

ترجمہ: کعب بن عُجرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ چند پیچھے آنے والے کلمات ایسے ہیں جن کو ہر فرض نماز کے بعد کہنے والا یا فرمایا کہ کرنے والا (ثواب سے) محروم نہیں ہو سکتا: (وہ یہ ہیں) تینتیس مرتبہ 'سبحان اللہ' تینتیس مرتبہ 'الحمد للہ' اور چونتیس مرتبہ 'اللہ اکبر' کہنا۔

٩٠٤۔وعن أبی هریرۃؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: من سبّح لله فی دُبرِ کلّ صلوٰۃٍ ثلاثًا وثلاثینَ وحمِدَ اللهَ ثلاثا وثلاثین وکبّر اللهَ ثلاثا وثلاثین،فتلك تسعۃٌ وتسعون وقال تمامَ المائۃِ :"لا اله الا اللهُ وحدَه لا شریكَ له، له المُلْكُ وله الحمدُ وهو علیٰ کلّ شیئٍ قدیر"غُفِرتْ خطایاه وإن کانتْ مِثلِ زَبد البحرِ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ 'سبحان اللہ'، تینتیس مرتبہ 'الحمد للہ' اور تینتیس مرتبہ 'اللہ اکبر' کہے جو ننانوے بنتے ہیں اور سو (کا عدد) پورا کرنے کے لیے 'لا اله الا اللهُ وحده لا شریك له له الملكُ وله

الحمدُ وھو علیٰ کلّ شیٔ قدیر" کہے تو اُس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اگرچہ (کثرت میں) سمندر کے جھاگ کی مانند ہو۔(مسلم)

"الفصل الثانی"

فرض نماز کے بعد دعا کی قبولیت:

۹۰۵۔عن أبی أمامةؓ قال: قیلَ: یا رسول الله أیّ الدعاءِ أسمعُ ؟قال: جوفَ اللیل الآخر ودُبرَ الصلوٰت المکتوبات.

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! کون سی دعا زیادہ سنی (قبول کی) جاتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔(ترمذی)

ہر نماز کے بعد معوّذات پڑھنے کا حکم:

۹۰۶۔عن عقبة بن عامرؓ قال: أمرَنی رسولُ الله ﷺ أنْ أقرأ بالمُعَوِّذات فی دُبرِ کلّ صلوٰةٍ .[أحمد،أبو داؤد،نسائی]

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ہر نماز کے بعد معوّذات پڑھا کروں۔(احمد،ابوداؤد،نسائی)

فجر اور عصر کے بعد ذکر اللہ میں بیٹھنے کی فضیلت:

۹۰۷۔وعن أنسؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: لَأن أقعُدَ مع قومٍ یذکرون اللهَ مِن صلوٰةِ الغداةِ حتیٰ تطلُعَ الشمسُ أحبُّ الیّ مِن أن أُعتِقَ أربعةً مِن وُلدِ اسماعیلؑ ولأنْ أقعُدَ مع قومٍ یذکرون اللهَ مِن صلوٰةِ العصرِ الیٰ أن تغرُبَ الشمسُ أحبُّ الیّ مِن أن أُعتِقَ أربعةً.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھوں جو فجر کی نماز سے لے کر طلوع آفتاب تک اللہ کو یاد کرتے ہیں مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کروں اور ایسے لوگوں کے ساتھ میرا بیٹھنا جو عصر کی نماز سے لے کر سورج غروب ہونے تک اللہ کو یاد کرتے ہیں مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ چار غلام آزاد کروں۔(ابوداؤد)

اشراق کا ثواب:

۹۰۸۔عنه قال: قال رسول الله ﷺ: مَن صلّی الفجرَ فی جماعةٍ ثمّ قعدَ یذکرُ اللهَ حتیٰ تطلُعَ الشمسُ ثمّ صلّی رکعتین کانتْ له کأجرِ حجّةٍ وعمرةٍ .قال :قال رسولُ الله ﷺ:تامّةٍ تامّةٍ تامّةٍ.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے فجر جماعت کے ساتھ پڑھی، پھر طلوع آفتاب تک بیٹھ کر اللہ کو یاد کرتا رہا، پھر دو نفل پڑھے، اُسے حج اور عمرہ جیسا ثواب ملے گا۔انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پورے حج عمرہ کا، پورے حج عمرہ کا، پورے حج عمرہ کا (ثواب اُسے ملے گا)۔(ترمذی)

''الفصل الثالث''

۹۰۹۔عن الأزرق بن قیسؒ قال: صلّی بنا إمامٌ لنا یُکنیٰ أبا رِمثةَ قال: صلّیتُ هذه الصلوٰةَ [أوْمثلَ هذه الصلوٰةِ]مع رسولِ اللهﷺقال: وکان أبوبکر وعمریقومانِ فی الصفِّ المُقدَّم عن یمینه وکان رجلٌ قدْ شهِد التکبیرةَ الأُولیٰ مِن الصلوٰةِ فصلّی نبیُّ اللهﷺ ثمّ سلّمَ عن یمینهٖ وعن یسارهٖ حتیٰ رأینا بیاضَ خدّیه ثمّ انفتلَ کانفتالِ أبی رمثة[یعنی نفسَه]فقام الرجلُ الذی أدرکَ معه التکبیرةِ الأُولیٰ مِن الصلوٰة یشفعُ فوثبَ عمرُ فأخذَ بمَنکبیه فهزّه ثمّ قال :اجلِس،فإنّه لنْ یهلكَ أهلُ الکتابِ الاّ أنّه لم یکن بین صلوٰتِهم فصلٌ فرفع النبیُّ ﷺ بصرَه فقال: أصابَ اللهُ بك یاابن الخطّاب!.[أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت ازرق بن قیسؒ سے مروی ہے کہ ہمیں ایک امام نے نماز پڑھائی جس کی کنیت ابو رِمثہ تھی، وہ(نماز کے بعد) کہنے لگا کہ میں نے یہ نماز یا فرمایا کہ اس جیسی نماز رسول اللہﷺ کے ہمراہ پڑھی۔ابو رمثہ کہتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اگلی صف میں آپﷺ کے دائیں طرف کھڑے ہوا کرتے تھے۔ایک شخص نماز کی تکبیرِ اولیٰ میں شریک ہوا، نبی پاکﷺ نے نماز پڑھائی پھر اپنے دائیں اور بائیں سلام پھیرا حتیٰ کہ ہم نے آپﷺ کے دونوں رخساروں کی سفیدی دیکھ لی، پھر نماز سے ایسے پھرے جیسے ابو رمثہ یعنی خود(راوی) پھرے تو وہ شخص جو نماز کی تکبیرِ اولیٰ سے نماز میں شریک ہوا تھا، کھڑا ہو کر دو رکعت پڑھنے لگا،(یہ دیکھ کر) حضرت عمرؓ جلدی سے اٹھے اور اس کے مونڈھے پکڑ کر ہلایا پھر فرمایا کہ بیٹھ جا کیونکہ اہلِ کتاب صرف اس بنا پر ہلاک ہوئے کہ اُن کی نمازوں کے درمیان فصل(یعنی فرق) نہیں ہوتا تھا۔(یہ سن کر) نبی پاکﷺ نے اپنی نگاہ اٹھائی اور فرمایا: اے خطاب کے بیٹے! اللہ نے تجھے حق تک پہنچایا(یعنی آپ نے حق بات کہی)۔(ابوداؤد)

۹۱۰۔عن زید بن ثابتؓ قال: أُمِرنا أن نُسبّحَ فی دُبر کلِّ صلوٰةٍ ثلاثاً وثلاثینَ ونحمدُ ثلاثًا وثلاثینَ ونُکبِّرُ أربعاوثلاثینَ فأُتِی رجلٌ مِن الأنصارِ فی المنامِ،فقیلَ له : أمرَکم رسولُ اللهﷺ أنْ تُسبّحوا فی دُبرِ کلِّ صلوٰةٍ کذاوکذا،قال الأنصاری فی منامه:نعم! قال: فاجعلوها خمسًاوعشرین خمسًا وعشرین واجعلوا فیها التهلیلَ فلمّاأصبحَ غدا علی النبیِّ ﷺ فأخبرَه فقال رسولُ اللهﷺ:فافعلوا.[أحمد ،نسائی ،دارمی]

ترجمہ:حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ'سبحان اللہ' کہیں اور تینتیس مرتبہ'الحمد للہ' کہیں اور چونتیس مرتبہ'اللہ اکبر' کہیں،(اس دوران) ایک انصاری صحابیؓ نے خواب(میں ایک فرشتہ) دیکھا(خواب میں) اُن سے کہا گیا کہ کیا رسول اللہﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ ہر نماز کے بعد اتنی اتنی(مقدار میں) تسبیح کرو۔اُس انصاری(صحابیؓ) نے جواب دیا: جی ہاں!(خواب میں آنے والے) فرشتے نے کہا کہ ان کلمات کو پچیس پچیس مرتبہ مقرر کرلو اور ان میں(پچیس مرتبہ)'لا الٰہ الا اللہ' بھی شامل کردو۔جب صبح ہوئی تو وہ(صحابیؓ) نبی پاکﷺ کے پاس آیا اور(خواب کی) خبر دی تو آپﷺ نے فرمایا کہ اس پر عمل کرو۔(احمد،نسائی،دارمی)

فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی کی فضیلت:

۹۱۱۔وعن علیؓ قال: سمِعتُ رسولَ اللهﷺ علیٰ أعوادِ هذا المنبرِ یقولُ: مَن قرأ آیةالکرسیَّ فی دُبرِ کلِّ صلوٰةٍ لم یمنعْهُ

مِن دُخولِ الجنّةِ الاّ الموتُ ومَن قرأهاحين يأخذُ مضجعَه امنَه اللهُ علىٰ دارِهٖ ودارِ جارِهٖ وأهلِ دُويراتٍ حولَه .[بیهقی]

ترجمہ:حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس منبر کی لکڑیوں پر (بیٹھے ہوئے) سنا فرمار ہے تھے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے،اُسے جنت میں جانے سے موت کے سوا کوئی چیز نہیں روکتی اور جو شخص بستر ہ پر آتے (سوتے) وقت اس کو پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو امن دیتا ہے اس کے گھر اور اس کے ہمسایہ کے گھر اور اس کے آس پاس کے گھروں (کی حفاظت کرکے)۔(بیہقی)

۹۱۲۔وعن عبد الرحمٰن بن غنمؓ عن النبیﷺ قال: مَن قال قبلَ أن ينصرفَ ويُثْنِي رِجليه مِن صلوٰةِ المغربِ والصبحِ"لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملكُ، وله الحمدُ بيده الخير يُحي ويُميتُ وهو علىٰ كلّ شئٌ قدير"عشرَ مرّاتٍ كُتِبَ له بكلِّ واحدةٍ عشرُ حسناتٍ ومُحيتُ عنه عشرُ سيّئاتٍ ورفِعَ له عشرُ درجاتٍ وكانت له حِرزًا مِن كلِّ مكروهٍ وحرزًا من الشيطان الرجيم ولم يحِلُ لذنبٍ أنْ يُدرِكه الاّ الشركُ وكان من أفضلِ النّاسِ عملاً الاّ رجلاً يفضُله يقولُ أفضلَ ممّاقال.
[أحمد وروى الترمذی عن أبی ذرٍ الی قوله:"الاّ الشرك" ولم يذكر "صلوٰةَ المغرب"ولا"بيده الخير" و قال: هذاحديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ.]

ترجمہ:حضرت عبدالرحمٰن بن غنمؓ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مغرب اور فجر کی نماز سے پھرنے (یعنی فارغ ہو کر جانے) اور اپنے پاؤں موڑنے سے پہلے یہ (کلمات) دس مرتبہ کہے:"لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملكُ، وله الحمدُ بيده الخير يُحي ويُميتُ وهو علىٰ كلّ شئٌ قدير"۔ہرایک پر اُس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے دس گناہ مٹائے جاتے ہیں اور اس کے دس درجے بلند کیے جاتے ہیں اور یہ (کلمات) اس کے لیے ہر بری چیز اور شیطان مردود سے امان (کا باعث) ہوتے ہیں اور شرک کے ماسوا کوئی گناہ اس کو ہلاک نہیں کرسکتا اور وہ لوگوں میں سب سے افضل ہوگا ماسوائے اُس شخص کے جو اس سے افضل عمل کرتا ہو یعنی (یہ کلمہ) اُس سے زیادہ کہتا ہو۔(احمد)

طلوع آفتاب تک ذکر میں بیٹھنے کی فضیلت:

۹۱۳۔وعن عمر بن الخطابؓ أنّ النبیﷺ بعثَ بعثاً قِبَلَ نجدٍ، فغنِمُوا غنائمَ كثيرةً وأسرَعُوا الرجعةَ فقال رجلٌ مِنّالم يخرجُ مارأينا بعثاً أسرعَ رجعةً ولاأفضلَ غنيمةً مِن هذاالبَعثِ فقال النبیُّ ﷺ :ألاأدلُّكم علىٰ قومٍ أفضلَ غنيمةً وأفضلَ رجعةً قوماً شهِدُواصلوٰةَ الصبحِ ثمّ جلسُوايذكرون اللهَ حتىٰ طلعتِ الشمسُ فأولٰئك أسرعُ رجعةً وأفضلُ غنيمةً .[ترمذی وقال: هذا حديثٌ غريب وحماد بن أبی حميد الراوی هو ضعيفٌ فی الحديث]

ترجمہ:حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے نجد کی جانب ایک لشکر بھیجا جو (فتح کے بعد) بہت سی غنیمت لے کر بہت جلد واپس آیا،(یہ دیکھ کر) ہم میں سے ایک شخص نے جو (لشکر کے ساتھ) نہیں گیا تھا کہا کہ ہم نے اتنی جلدی واپس لوٹنے والا اور اتنی (زیادہ) مالِ غنیمت لانے والا لشکر کوئی نہیں دیکھا۔(یہ سن کر) نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی جماعت نہ بتادوں جو (اس سے بھی زیادہ) افضل غنیمت والی اور افضل (یعنی جلدی صحیح سالم) لوٹنے والی ہو،یہ وہ جماعت ہے جو فجر کی نماز (باجماعت) میں شریک ہوئی، پھر اللہ کا ذکر کرنے بیٹھ گئی حتیٰ کہ سورج نکل آیا،پس یہ لوگ (مذکورہ لشکر سے زیادہ) جلدی واپس آنے والے اور زیادہ مالِ غنیمت حاصل کرنے والے

ہیں۔(ترمذی)

(بابُ ما لا يجُوزُ من العَملِ في الصَّلاةِ وما يُباحُ مِنه)

{نماز میں کون سائمل ناجائز ہے اور کون سامباح، اس باب میں اس حوالے سے احادیث ذکر کی گئی ہیں}

"الفصل الاوّل"

نماز میں کلام کا مسئلہ:

٩١٤۔عن معاوية بن الحكمؓ قال: بينَ أنا أُصلّي مع رسولِ الله ﷺ، إذ عطَس رجلٌ من القومِ فقُلتُ: يرحمُك اللهُ، فرماني القومُ بأبصارِهم، فقلتُ: واثُكلَ أُمّياه، ماشأنُكم تنظرون اليّ فجعلُوا يضرِبون بأيديهم على أفخاذهم فلمّا رأيتُهم يُصمّتُونني لكنّي سكتُّ، فلمّا صلّى رسولُ الله ﷺ فبأبي هو وأمّي مارأيتُ معلّمًا قبله ولابعدَه أحسنَ تعليمًا منه فوالله ماكهرَني ولاضربَني ولاشتمَني، قال: "اِنّ هذه الصلوٰةَ لايصلحُ فيها شيءٌ مِن كلام النّاسِ اِنّما هي التسبيحُ والتكبيرُ وقراءةُ القرآن" أو كما قال رسولُ الله ﷺ، قلتُ: يا رسولَ الله اِنّي حديثُ عهدٍ بجاهليّةٍ وقد جاء نا اللهُ بالاسلام واِنّ منّا رجالاً يأتون الكُهّان، قال: فلاتأتِهم، قال: ومنّا رجالٌ يتطيّرُون، قال: ذاك شيءٌ يجدُون في صدورِهم فلايَصُدَّنّهم، قال: قلتُ: ومِنّا رجالٌ يخُطُّون، قال: كان نبيٌّ مِن الأنبياءِ يخطُّ فمَن وافقَ خطَّه فذاك.[رواه مسلم قولَه:"ولكنّي سكتُّ "هكذاوجدتُ في صحيح مسلم وكتاب الحُميديّ وصَحّ في جامعِ الأصولِ بلفظةِ "كذا" فوقَ "لكنّي".]

ترجمہ: حضرت معاویہ بن الحکمؓ کہتے ہیں کہ دریں اثنا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک لوگوں میں سے ایک شخص کو چھینک آ گئی۔ میں نے (اس چھینکنے والے کو) "يرحمك الله" کہا (اس پر) لوگ مجھے گھورنے لگے۔ (یہ دیکھ کر) میں نے کہا: ہائے (میری یا تمہاری) ماں گم کردے، کیا بات ہے؟ جو مجھے گھورتے ہو، اُن لوگوں نے (یہ سن کر) اپنی رانوں کو اپنے ہاتھوں سے مارنا شروع کیا، جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں (تو مجھے غصہ آیا) لیکن میں چپ رہا، پھر جب نبی پاک ﷺ نماز پڑھ چکے (تو کیا کہوں) میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور بعد میں آپ ﷺ سے زیادہ اچھی تعلیم دینے والا معلم (استاد) نہیں دیکھا۔ چنانچہ اللہ کی قسم! نہ تو مجھے ڈانٹا اور نہ مجھے مارا اور نہ برا بھلا کہا (صرف اتنا) فرمایا کہ نماز لوگوں کی بات چیت کے (لیے) لائق نہیں، نماز تو صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے۔ یا (راوی کہتا ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے اس کی مانند فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں عہد جاہلیت کے قریب ہوں (یعنی نیا مسلمان ہوں) اور اللہ نے ہمیں اسلام سے مشرف فرما دیا ہے اور ہم میں سے بعض لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں (یعنی کاہنوں کے پاس جانا کیسا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو کاہنوں کے پاس مت جا۔ میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے بعض لوگ بدفالی کرتے ہیں (اس کا کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ (براشگون) ایک چیز (وہم) ہے جو یہ لوگ اپنے دلوں میں (نفع ونقصان کے متعلق) پاتے ہیں، پس یہ بات ان کو (کوئی کام کرنے سے) نہ روکے۔ حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض

کیا کہ ہم میں سے بعض لوگ خط (لکیریں) کھینچتے ہیں (اس کا کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء میں سے ایک نبی خط کھینچا کرتا تھا، سو جس کا خط اُس نبی کے خط کے موافق ہو تو وہ (درست) ہے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: إنّ هـذهِ الـصـلاةَ لا يصلحُ فيها شيءٌ من كلام النّاس إنّما هي التسبيح والتكبير ....۔ یہاں اس بابت فقہاء کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے کہ ''کلام فی الصلاۃ'' (نماز میں باتیں کرنا) مفسدِ صلاۃ ہے یا نہیں؟

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں کلام کرنا مطلقاً مفسدِ صلاۃ ہے خواہ کسی قسم کا بھی ہو، قلیل ہو یا کثیر۔ زیرِ بحث حدیث اس کے علاوہ اسی باب کے فصلِ اوّل وثانی میں مروی حضرت ابنِ مسعودؓ کی احادیث سے آپؒ استدلال فرماتے ہیں، نیز مسلم شریف میں مروی حضرت زید بن ارقمؓ کی یہ حدیث بھی آپؒ کی دلیل ہے: ''كـنّـا نتـكـلّـم فـي الـصـلاةِ يُكلّم الرجلُ صاحبَه وهو إلىٰ جنبِه في الـصلاةِ حتىٰ نزلتْ "وقوموا للهِ قانتين" فأُمِرنا بالسكوتِ ونُهينا عن الكلامِ'' ۔ ترجمہ: ''ہم نماز میں باتیں کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آیت ''وقوموا لله قانتين'' نازل ہوئی اس میں ہمیں نماز کے اندر خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور بات چیت کرنے سے ہم منع کیے گئے''۔

جبکہ امام شافعیؒ کے ہاں قلیل کلام (تقریباً سات حرف) جو نسیان کی بنا پر ہو یا مسئلہ سے ناواقفیت کی بنا پر ہو، مفسدِ صلاۃ نہیں۔

اور امام مالکؒ کے ہاں قلیل کلام اگر اصلاحِ صلاۃ کے لیے ہو تو مفسدِ صلاۃ نہیں۔ اور امام احمدؒ سے مذکورہ تینوں قسم کے اقوال مروی ہیں۔

ان حضرات کا استدلال [عن ابن سيرين عن أبي هريرةؓ] کی سند سے مروی ''ذوالیدین کی حدیث'' سے ہے جو بحوالۂ بخاری ومسلم باب السہو میں تفصیل کے ساتھ آرہی ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ ''آپ ﷺ ایک مرتبہ عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے، اس میں آپ ﷺ نے دو رکعت پر سلام پھیرا، تو ایک لمبے ہاتھوں والے صحابی (ذوالیدین) نے کہا کہ کیا نماز عشاء کم کردی گئی ہے یا آپ ﷺ باقی رکعات بھول گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے اس پر فرمایا کہ نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز کم کی گئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ذوالیدین کی تصدیق کے لیے دوسرے صحابہ سے پوچھا۔ انہوں نے ذوالیدین کی تصدیق کی اور آپ ﷺ نے باقی نماز پڑھا کر آخر میں سجدہ سہو فرمایا...'' الخ۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا نماز میں کلام فرمانا نسیان کی بنا پر تھا اور ذوالیدین کا کلام کرنا مسئلہ سے ناواقفیت کی بنا پر تھا، جبکہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ذوالیدین اور آپ ﷺ کا کلام کرنا اصلاحِ صلاۃ کے لیے تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے اس حدیث کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

(۱) حدیثِ ذوالیدین مضطرب ہے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

(۲) ذوالیدین کا یہ واقعہ غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے، اس وقت تک نماز میں باتیں کرنا ممنوع نہیں تھا، لیکن بعد میں کلام فی الصلاۃ کی اجازت منسوخ کردی گئی جیسا کہ احنافؒ کی پیش کردہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حدیثِ ذوالیدین کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں جو ۷ھ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ اس روایت میں ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ''صلّى بنا رسول الله ﷺ''، جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ واقعۂ ذوالیدین غزوۂ بدر کے بعد اور ''منسوخیتِ کلام فی الصلاۃ'' کے بعد پیش آیا، لہٰذا اس سے استدلال درست ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث مرسلِ ابوہریرہؓ ہے، آپؓ نے کسی دوسرے صحابی سے سن کر اس کو روایت کیا، کیونکہ

حضرت ذوالیدینؓ غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: ''کان إسلامُ أبی ھریرۃؓ بعدَ ما قُتِل ذوالیدین. ''(طحاوی) ترجمہ: ابوہریرۃؓ ذوالیدین کی شہادت کے بعد اسلام لائے ہیں۔ اس صورت میں حضرت ابوہریرۃؓ کا یہ کہنا کہ ''صلّیٰ بنا رسول اللہ ﷺ'' مجاز ہوگا ''صلّی بالمسلمین'' سے۔ پھر ترجمہ یوں ہوگا کہ'' آپ ﷺ نے ہمیں یعنی مسلمانوں کو نماز پڑھائی''۔

علمِ رمل کی حقیقت اور اس میں مشغولیت کا حکم:

قولہ: کان نبیٌّ من الأنبیاءِ یَخُطّ فمن وافق خطّہ فذاك: ۔ یہ نبی جن کے متعلق آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ علم الرمل جانتے تھے، بقولِ بعض علماء حضرت ادریس علیہ السلام تھے اور بقولِ بعض حضرت دانیال علیہ السلام تھے۔ ان کو معجزہ کے طور پر بذریعہ وحی ''علم الرمل'' سکھایا گیا تھا۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''فمَن وافقَ خطُّہ فذاك'' (یعنی جس کا خط (یعنی کھینچی ہوئی لکیر) اس نبی کے خط کے موافق ہوجائے تو وہ درست ہے) تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے، کیونکہ اُس نبی کو تو بذریعہ وحی یہ علم سکھایا گیا تھا، اب کسی کے لیے بھی اس علم کا صحیح طریقہ معلوم کرنا ممکن نہیں۔ گویا آپ ﷺ نے ایک لطیف پیرایہ میں اس علم کے ساتھ اشتغال کو ناجائز قرار دیا اور عدم جواز کی تصریح اس لیے نہیں فرمائی کہ اس سے اُس نبی کی شان میں توہمِ نقصان (یعنی ناقص ہونے کے وہم) کا اندیشہ ہوسکتا تھا۔ (اختلاف الائمہ، نفحات)

نماز میں سلام کا جواب دینے کی منسوخیت:

۹۱۵۔ وعن عبد اللہ بن مسعود قال: کنّا نُسلِّمُ علی النبیِّ ﷺ وھو فی الصلوٰۃِ فیردُّ علینا، فلمّا رجعنَامِن عندِ النّجاشیِّ سلّمنا علیہ فلمْ یرُدّ علینا، فقُلنا یارسولَ اللہ! کنّانُسلِّمُ علیك فی الصلوۃِ فتردُّ علینا فقال: اِنّ فی الصلوٰۃِ لشُغلاً. [متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نماز میں ہوتے اور ہم آپ ﷺ کو سلام کرتے تو آپ ﷺ ہمارے (سلام کا) جواب دیتے۔ جب ہم نجاشی کے ہاں سے واپس آئے تو ہم نے آپ ﷺ کو (حالتِ نماز میں) سلام کیا، آپ ﷺ نے ہمیں جواب نہ دیا (جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے) تو ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (پہلے) ہم آپ ﷺ کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے تو آپ ﷺ ہمیں جواب دیتے (اور اب جواب نہیں دیا) آپ ﷺ نے فرمایا: نماز میں (بڑی) مشغولیت ہے۔ (متفق علیہ)

۹۱۶۔ عن مُعیقیبٍؓ عن النبی ﷺ فی الرجلِ، یُسوّی التُّرابَ حیثُ یسجدُ، قال: إن کنتَ فاعلاًفواحدةً. [متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت مُعیقیبؓ نبی پاک ﷺ سے اُس شخص کے بارے میں روایت کرتے ہیں جو سجدہ کی جگہ میں مٹی برابر کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ایسا کرنا (یعنی مٹی برابر کرنا) ہی ہو تو ایک مرتبہ ایسا کرلیا کرو۔ (متفق علیہ)

۹۱۷۔ وعن أبی ھریرۃؓ قال: نھی رسولُ اللہ ﷺ عن الخَصر فی الصلوٰۃِ. [متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے نماز میں کوکھ (یعنی پہلو) پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا۔ (متفق علیہ)

نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کی مذمت:

۹۱۸۔ عن عائشۃؓ قالت: سالتُ رسولَ اللہ ﷺ عن الالتفاتِ فی الصلوٰۃِ فقال: ھواختلاسٌ یختلِسُہ الشیطٰن مِن صلوٰۃِ العبدِ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز میں التفات (یعنی اِدھر اُدھر دیکھنے) کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ

نے فرمایا کہ یہ اچک لینا ہے کہ شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔(متفق علیہ)

٩١٩۔وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لَيَنْتَهِيَنَّ أقوامٌ عن رفعِهم أبصارَهم عندَ الدُّعاءِ فی الصلوةِ الی السماءِ أَوْ لَتُخطَفَنَّ أبصارُهم.[مسلم]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:لوگ نماز میں دعا کے وقت نگاہوں کو آسمان کی طرف اٹھانے سے باز آجائیں، ورنہ اُن کی نگاہیں اُچک لی جائیں گی۔(مسلم)

٩٢٠۔و عن أبی قتادةَ قال: رأيتُ النبیّ ﷺ يؤمّ النّاسَ و أُمامةُ بنتُ أبی العاصؓ علیٰ عاتقِهٖ فاذا ركعَ وضعَها و اذا رفعَ مِن السجودِ أعادَها.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابوقتادۃؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو دیکھا کہ لوگوں کو امامت کرا رہے ہیں اور امامۃ بنت ابوالعاصؓ (آپ ﷺ کی نواسی) آپ کے کندھے پر تھی۔چنانچہ جب آپ ﷺ رکوع میں جاتے تو اُس کو اتار دیتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو دوبارہ اپنے کندھے پر بٹھا دیتے۔(متفق علیہ)

نماز میں جمائی کو حتّی الوسع روکنا:

٩٢١۔وعن أبی سعيدؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إذا تثاءَبَ أحدُكم فی الصلوٰة، فليَكْظِمْ مااستطاعَ فإنّ الشيطٰن يدخلُ. [رواه مسلم]وفی رواية البخاریّ عن أبی هريرةقال:اذاتثاءَبَ أحدُكم فی الصلوٰة، فليَكْظِمْ مااستطاعَ ولايقُلْ : ها،فإنّماذلكم مِن الشيطٰن يضحكُ منه.

ترجمہ:حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے نماز میں سے کسی کو جمائی آئے تو اسے چاہیے کہ حتی الوسع جمائی کو روکے، کیونکہ شیطان (جمائی کے وقت منہ کھولنے کی صورت میں اندر) گھس جاتا ہے۔(مسلم)اور بخاری میں ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو وہ حتی الوسع اسے روکے اور ''ہا'' (کی آواز) نہ کہے، کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہے اور وہ اس سے ہنستا ہے۔

٩٢٢۔وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ عِفريتاً من الجنّ تفلّتَ البارحة، لِيقطعَ علیّ صلوٰتی فأمكَنَنی اللهُ منه فأخذتُه فأردتُ أنْ أربطَه علیٰ ساريةٍ مِن سواری المسجدِ حتیّٰ تنظرُوا اليه كلُّكم فذكرتُ دعةَ أخی سُليمان "ربّ هَبْ لی مُلكًا لا ينبغی لأحدٍ مِن بعدی" فرددتُّه خاسئًا.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کل رات ایک جن دیو چھٹ کر (میرے پاس) آیا تا کہ مجھ پر میری نماز خراب کردے، (مگر) اللہ نے مجھے اُس پر قدرت دے دی۔میں نے چاہا کہ اُس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں تا کہ تم سب اسے دیکھ سکو، پھر مجھے میرے بھائی سلیمان (علیہ السلام) کی (یہ) دعا یاد آگئی: ''ربّ هب لی ملكاً لا ينبغی لأحدٍ من بعدی'' [ترجمہ] ''اے میرے رب! مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو'' چنانچہ میں نے اسے ذلیل کر کے لوٹا دیا۔

٩٢٣۔وعن سهلِ بن سعدٍقال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن نابَهٗ شیٌٔ فی صلاتِهٖ فليُسبّح فإنّما التصفيقُ للنساء.وفی روايةٍ قال:

التسبیحُ للرجالِ والتصفیقُ للنّساءِ. [متفق علیه]

ترجمہ: سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کونماز میں کوئی بات پیش آجائے تو وہ سبحان اللہ کہے، کیونکہ (نماز میں) تالی بجانا عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سبحان اللہ کہنا مردوں کے لیے ہے اور تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے۔

''الفصل الثانی''

۹۲۴۔عن عبد الله بن مسعودؓ قال: کنّا نُسلّمُ علی النبیّ ﷺ وهو فی الصلوٰۃ قبلَ أن نأتیَ أرضَ الحبشۃِ فیرُدُّ علینافلمّا رجعنامِن أرضِ الحبشۃِ أتیتُه فوجدتُه یُصلّی فسلّتُ علیه فلمْ یردَّ علیَّ حتیٰ اذاقضیٰ صلوٰته قال: اِنّ اللهَ یُحدِثُ مِن أمرہ مایشاءُ واِنّ مِمّاأحدثَ أن لاتتکلّمُوافی الصلوٰۃِ ،فردّ علیَّ السلامَ وقال: اِنّماالصلوٰۃُ لقراءَۃِ القرآنِ وذکرِ اللهِ فاذاکنتَ فیهافلْیَکُنْ ذلك شانَك. [أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حبشہ جانے سے پہلے ہم آپ ﷺ کوسلام کرتے جبکہ آپ نماز میں ہوتے تو آپ ہمیں (سلام کا) جواب دیتے۔ پھر جب ہم حبشہ کی سرزمین سے واپس آئے تو میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کونماز پڑھتے ہوئے پایا تو میں نے سلام کیا، (لیکن) آپ نے مجھے (سلام کا) جواب نہ دیا حتیٰ کہ جب نماز سے فارغ ہوچکے تو فرمایا کہ اللہ اپنے امر میں سے جو چاہتا ہے نیا حکم دے دیتا ہے اور جو نیا حکم اللہ نے دیا ہے (وہ یہ ہے کہ) تم نماز میں بات چیت مت کرو۔ پھر آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ نماز تو صرف قرآن پڑھنے اور اللہ کے ذکر کے واسطے ہے، لہذا جب تو نماز میں ہو تو یہی (قرأتِ قرآن اور ذکر اللہ) تیرا کام ہونا چاہیے۔

نماز میں سلام کا جواب دینے کا مسئلہ:

۹۲۵۔وعن ابن عمرؓ قال: قلتُ لبلال: کیف کان النبیُّ ﷺ یردُّعلیهم حینَ کانوا یُسلّمُونَ علیه وهوفی الصلوٰۃِ قال: کان یُشیرُ بیدِہ. [رواه الترمذی،وفی روایۃِ النسائی نحوه وعِوَضُ بلال "صُهیب".]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت بلالؓ سے عرض کیا کہ نبی پاک ﷺ جب نماز میں ہوتے تو اُن (صحابہؓ) کے سلام کا جواب کس طرح دیتے جب وہ آپ کوسلام کرتے۔ حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ ہاتھ سے اشارہ فرماتے۔ (ترمذی)

تشریح: قوله: کانَ یُشیرُ بیدِہ...۔ یہاں یہ گفتگو ہوئی ہے کہ نماز کی حالت میں سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟ اس پر تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ زبان سے سلام کا جواب دینے سے نماز فاسد ہوجائے گی، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟ چنانچہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب دینا بلاکراہت جائز ہے، بلکہ امام شافعیؒ کے ہاں تو مستحب ہے۔ ان کی دلیل مذکورہ حدیث ہے کہ دورانِ نماز آپ ﷺ صحابہ کے سلام کا جواب اشارے سے دیا کرتے تھے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں نماز کی حالت میں اشارے سے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔ آپؒ کا استدلال حضرت ابن مسعودؓ کی روایات سے ہے، ان میں سے ایک روایت فصل اول میں مذکور ہے جس میں وارد ہے کہ "فلمّا رجعنا من عند النجاشی سلّمنا علیه فلم یرُدّ علینا..." (متفق علیه) اور ایک روایت، زیرِ بحث حدیث سے متصل پہلے واقع ہے۔ اس میں آتا ہے: "أتیتُه فوجدتُه یُصلّی

فسلّمتُ علیه فلم یردّ علیّ.. ’’(ابوداؤد) یعنی‘‘ میں نے آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے پایا تو میں نے سلام کیا لیکن آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا‘‘ اس میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابنِ مسعودؓ کو سلام کا جواب نہیں دیا۔

امام صاحبؒ کی جانب سے زیرِ بحث حدیثِ ابن عمرؓ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس میں اُس وقت کا واقعہ مذکور ہے جبکہ نماز میں کلام کرنا اور سلام کا جواب دینا منسوخ نہیں ہوا تھا، جب ’’کلام فی الصلاۃ‘‘ منسوخ ہوا تو سلام کا جواب دینا بھی منسوخ ہوا، خواہ زبان کے ساتھ ہو یا اشارہ کے ساتھ۔ (نفحات)

۹۲۶۔عن رفاعة بن رافعؓ قال: صلّیتُ خلفَ رسولِ الله ﷺ، فعطستُ، فقلتُ: "الحمدُ لله حمدًا کثیرًا طیّبًا مبارکًا فیه کما یُحبّ ربّنا ویرضی "فلمّاصلّی رسولُ الله ﷺ انصرف فقال: مَن المتکلّمُ فی الصلوٰة؟فلم یتکلّم أحدٌ، ثمّ قالها الثانیة، فلم یتکلّمُ أحدٌ ثمّ قالها الثالثةَ،فقال رِفاعة:أنایا رسولَ الله! فقال النبیُّ ﷺ: والّذی نفسی بیدِه !لقد ابتدرَها بضعةٌ و ثلاثون مَلَکًا أیُّهم یصعَدُ بها.[ترمذی،أبو داؤد،نسائی]

ترجمہ:حضرت رفاعہ بن رافعؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، (اچانک) مجھے چھینک آ گئی تو میں نے کہا: ’’الحمد لله حمدًا کثیرًا طیّبًا مبارکًا فیه کما یُحبّ ربّنا ویرضی‘‘.[ترجمہ] ’’بہت زیادہ، پاکیزہ، برکت والی تعریف خاص اللہ کے لیے ہے جیسا کہ ہمارا رب پسند کرتا ہے اور راضی ہوتا ہے‘‘۔ جب نبی پاک ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ (کلماتِ حمد) بولنے والا کون تھا؟ (جواب میں) کوئی نہ بولا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ پوچھا۔ پھر کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر سہ بارہ آپ ﷺ نے پوچھا تو رفاعہ (خود راوی) نے کہا کہ (کلماتِ حمد کہنے والا) میں تھا، یارسول اللہ! تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تیس سے کچھ اوپر فرشتے ان کلمات کی طرف جلدی کر رہے تھے کہ کون اس کو لے جائے گا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

۹۲۷۔وعن أبی هریرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: التثاؤبُ فی الصلوٰةِ مِن الشیطان، فإذا تثاءَبَ أحدُکم فلْیَکْظِمْ مااستطاعَ. [رواه الترمذی وفی أُخریٰ له ولابنِ ماجة:"فلیَضَعْ یدَه علیٰ فیه".]

ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز میں جمائی کا آنا شیطان کی طرف سے ہے، لہذا جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو حتی الوسع اس کو روکے۔ (رواہ الترمذی) اور ترمذی ہی کی ایک دوسری روایت اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ’’اس کو چاہیے کہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ دے‘‘۔

جو مسجد کو چلے وہ تشبیک نہ کرے:

۹۲۸۔وعن کعبِ بن عُجرةَ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إذا توضّأ أحدُکم فأحسنَ وُضوءَه ثمّ خرجَ عامدًا الی المَسْجِدِ فلایُشبّکنّ بینَ أصابعِه فإنّه فی الصلوٰة.[أحمد،ترمذی ،أبو داؤد،نسائی]

ترجمہ:حضرت کعب بن عُجرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد کے قصد سے نکلے (اسے چاہیے کہ) اپنی انگلیوں میں تشبیک نہ کرے (یعنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں نہ ڈالے) کیونکہ وہ (گویا اس وقت سے) نماز میں ہے۔ (احمد، ترمذی، نسائی، دارمی)۔

۹۲۹۔وعن أبی ذرٍّ قال: قال رسولُ الله ﷺ: لا یزالُ عزّ وجلّ مُقبلاً علی العبدِ وهو فی صلوٰته مالم یلتفتْ فاذاالتفتَ انصرفَ عنه.[أحمد،أبوداؤد،نسائی ،دارمی]

ترجمہ:حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزّ وجلّ بندہ کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتا ہے جب تک وہ نماز میں ہوتا ہے، جب تک وہ ادھراُدھر(گردن پھیر کر) نہیں دیکھتا اور جب ادھراُدھر دیکھنا شروع کر دیتا ہے تو اللہ اس سے اپنی توجہ پھیر لیتا ہے۔

نماز میں نگاہ کہاں ہونی چاہیے؟:

۹۳۰۔عن أنسٍ أنّ النبیَّ ﷺ قال: یا أنسُ! اِجعلْ بصرَكَ حیثُ تسجُدُ .[بیهقی فی سننه الکبیرمِن طریق الحسن عن أنس]

ترجمہ:حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اُن سے) فرمایا: اے انس! تو (نماز میں) اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ پر رکھ۔(بیہقی)

۹۳۱۔وعنه قال: قال لی رسولُ الله ﷺ :یا بُنَیَّ إیّاكَ والالتفاتَ فی الصلوٰة ،فإنّ الالتفات فی الصلوٰةِ هلكةٌ فإنْ کان لابُدّ ففی التطوّعِ لافی الفریضةِ.[ترمذی]

ترجمہ:۔حضرت انسؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! نماز میں ادھراُدھر دیکھنے سے بچو، کیونکہ نماز میں ادھراُدھر دیکھنا ہلاکت (کا سبب) ہے اور اگر دیکھنا ضروری ہو تو نفلوں میں (دیکھ سکتے ہو) فرض میں نہیں۔(ترمذی)

۹۳۲۔وعن ابن عباسٍ قال: إنّ رسولَ الله ﷺ کان یَلْحَظُ فی الصلوٰةِ یمیناً وشمالاً ولایلوی عُنقَه خلفَ ظَهرِہٖ.

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں کن انکھیوں (آنکھ کے گوشوں) سے دائیں بائیں دیکھتے اور پیٹھ پیچھے اپنی گردن نہ موڑتے۔(ترمذی،نسائی)

نماز میں چھینک وغیرہ کا آنا شیطانی اثر ہے:

۹۳۳۔عن عدیّ بن ثابتٍ عن أبیه عن جدّہٖ رفعَه، قال: العُطاسُ والنُّعاسُ والتثاؤُبُ فی الصلوٰةِ والحَیضُ والقیٔ والرُّعافُ مِن الشیطان.[ترمذی]

ترجمہ: عدی بن ثابت اپنے والد (ثابت) سے وہ عدی کے دادا (یعنی اپنے والد) سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا:) نماز میں چھینک، اونگھ، جمائی، حیض اور قی کا آنا اور نکسیر پھوٹنا شیطان (کے اثر کی وجہ) سے ہے۔(ترمذی)

تشریح: ان چیزوں کے شیطان کی طرف سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان ان باتوں سے خوش ہوتا ہے کیونکہ چھینک حضوری سے مانع ہے۔اونگھ اور جمائی نماز میں سستی کا باعث ہے اور حیض، نکسیر اور قی مفسدِ صلاۃ ہے۔نیز چھینکنے سے مراد تین مرتبہ سے زائد چھینکنا ہے۔

۹۳٤۔عن مُطرّف بن عبد الله بن الشِّخّیرِ عن أبیه قال:أتیتُ النبیَّ ﷺ وهو یُصلّی ولِجَوْفِهٖ أزیزٌ کأزیزِ المِرجلِ [یعنی یبکی]وفی روایةٍ قال:رأیتُ النبیَّ ﷺ یُصلّی وفی صدرِہٖ أزیزٌ کأزیزِ الرحی مِن البُکاء.[روی أحمدو نسائی الأولی،أبوداؤدالثانیة

ترجمہ:مطرّف بن عبداللہ بن شخیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آیا، آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ کے سینۂ اطہر سے ہانڈی کے جوش مارنے کی مانند آواز نکل رہی تھی یعنی آپ ﷺ رو رہے تھے۔اور ایک روایت میں

ہے، مطرّف کہتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کو دیکھا جبکہ رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینہ اطہر میں سے چکی کے آواز کی مانند آواز آرہی تھی۔ (احمد اور نسائی نے صرف پہلی روایت نقل کی ہے اور ابوداؤد نے دوسری)

٩٣٥۔وعن أبی ذرؓ قال :قال رسول الله ﷺ: إذا قامَ أحدُ کم إلی الصلوٰة فلا یَمسَحُ الحَصٰی فاِنّ الرحمةَ تُواجِهُه.

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوتو اسے چاہیے کہ (ہاتھ سے) کنکریوں کو نہ ہٹائے، کیونکہ رحمت اس کی طرف متوجہ (ہوئی) ہوتی ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

٩٣٦۔عن أمّ سلمةؓ قالت: رأی النبیُّ ﷺ غلامًا لنا یُقالُ له "أفلَحُ "إذا سجدَ نفخَ، فقال: یا أفلَحُ ترِّبْ وجهَك.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ہمارے ایک غلام کو (نماز پڑھتے ہوئے) دیکھا کہ وہ جب سجدہ کرتا تو (جگہ صاف کرنے کے لیے) پھونک مارتا (یہ دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا: اے افلح! اپنا چہرہ خاک آلود کر۔ (ترمذی)

نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے کی مذمت:

٩٣٧۔وعن ابن عمرؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: الاختصارُ فی الصلوٰة راحةُ أهلِ النار.[شرح السنّة]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نماز میں کوکھ (پہلو) پر ہاتھ رکھنا دوزخیوں کی راحت ہے۔ (شرح السنۃ)

نماز میں سانپ، بچھو کو قتل کرنے کا مسئلہ:

٩٣٨۔وعن أبی هریرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: اُقتُلُوا الأسودَینِ فی الصلوٰةِ الحیّةَ والعقربَ.[أحمد،أبو داؤد،ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو کالی چیزوں: سانپ اور بچھو کو نماز میں (بھی) قتل کرو۔

تشریح: حدیث میں کالے سانپ کا ذکر اتفاقاً یا تغلیباً ہے، ویسے ہر سانپ کو مارنا جائز ہے۔ دورانِ نماز اگر سانپ بچھو مارنے کی ضرورت پیش آئے تو اگر تین چوٹوں سے کم میں وہ مرجائے نیز اُس کو مارنے کے لیے تین قدم پے در پے نہ اٹھائے جائیں، تو نماز برقرار رہے گی، لیکن اگر نمازی نے اس کے مارنے کے لیے تین چوٹیں لگائی یا تین قدم پے در پے چلا تو اُس کی نماز فاسد ہوجائے گی، کیونکہ اب اس کا مذکورہ بالا عمل، عملِ کثیر بن گیا جو مشائخِ احناف کے ہاں مفسدِ صلاۃ ہے۔ واضح رہے کہ سانپ وغیرہ مارنے کی صورت میں نماز توڑنا مباح ہے۔ (مظاہر حق)

بحالتِ نماز چلنا:

٩٣٩۔عن عائشة قالت: کانَ رسولُ الله ﷺ یُصلّی تَطوُّعًا والبابُ علیه مُغلَقٌ، فجئتُ، فاستفتحتُ فمشٰی ففتحَ لی ثمّ رجعَ الیٰ مُصلّاه وذکرتْ أنّ البابَ کانَ فی القبلةِ.[أحمد ،أبو داؤد،ترمذی ،نسائی]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نفل نماز پڑھ رہے تھے اور (حجرے کا) دروازہ بند تھا، (اس دوران) میں آئی اور دروازہ کھلوانا چاہا۔ چنانچہ آپ ﷺ (حالتِ نماز میں) چل کر آئے اور میرے لیے دروازہ کھولا، پھر اپنے مصلے پر چلے گئے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

تشریح: قولها: فجئتُ فاستفتحتُ فمشٰى ففتح لى .... ۔ آپ ﷺ کا حضرت عائشہؓ کے لیے نماز کی حالت میں دروازہ کھولنا اور واپس مصلے پر آنا اس حدیث میں مذکور ہے جو بظاہر عملِ کثیر ہے جو مفسدِ صلاۃ ہے۔لیکن یہاں پر یہ کہیں گے کہ ایک تو حضرت عائشہؓ کا حجرہ بہت تنگ تھا، دروازے تک صرف دوتین قدم ہی چلنا پڑتا، نیز آپ ﷺ کا یہ چلنا، دروازہ کھولنا اور واپس آنا توالی (پے در پے) کے ساتھ نہ ہوتا، اس لیے یہ تمام افعال عملِ کثیر کی حد میں داخل نہ ہوتے لہٰذا نماز کا فساد بھی لازم نہ آتا۔

قولها: وذكرتُ أنّ البابَ فى القبلةِ..... ۔اس سے حضرت عائشہؓ یہ بتانا چاہتی ہے کہ دروازہ چونکہ قبلہ کی جانب تھا، لہٰذا قبلہ سے انحراف لازم نہیں آتا تھا۔

''بناء علی الصلوٰۃ'' کا مسئلہ:

۹۴۰۔عن طلقِ بن عليٍّؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إذا فَسَا أحدُكم فى الصلاةِ فلينصرِف وليتوضّأ وليُعِدِ الصلوٰةَ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت طلق بن علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی ہوا دورانِ نماز خارج ہو جائے تو اسے چاہیے کہ جا کر وضو کرے اور دوبارہ نماز پڑھے۔(ابوداؤد)

تشریح: قوله: إذا فسا أحدُكم فى الصلاةِ فلينصرف فليتوضأ وليُعِد الصلاةَ: ۔اس حدیث میں دورانِ نماز وضو ٹوٹ جانے کی صورت میں اعادۂ صلاۃ (نماز دوبارہ نئے سرے سے پڑھنے) کا حکم ہے۔اس حدیث کی بنا پر امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ نماز میں حدث عمداً لاحق ہو یا بلا عمد کے، دونوں صورتوں میں نماز کا اعادہ ضروری ہے۔''بناء علی الصلاۃ'' کی اجازت نہیں۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اگر حدث فی الصلاۃ عمداً ہو، تب تو اعادۂ صلاۃ ضروری ہے اور اگر نماز میں بلا قصد وعمد کے حدث لاحق ہو جائے تو اس نماز کا اعادہ کرنا ضروری نہیں، البتہ مذکورہ حدیث کی رو سے مستحب ہے، لیکن اگر وضو کر کے اسی نماز پر بنا کی جائے تو بھی جائز ہے۔جیسا کہ اس ارشادِ نبوی میں تصریح ہے: ''من أصابه قيءٌ أو رعافٌ أو قلسٌ أو مَذِيٌّ فليتوضأ ثمّ لِيَبْنِ علىٰ صلاته وهو فى ذلك لا يتكلم. ''(ابن ماجۃ) یعنی ''اگر کسی کو دورانِ نماز حدث لاحق ہو جائے تو وہ وضو کر کے اسی نماز پر ''بنا'' کر لے، اس دوران وہ باتیں نہیں کرے گا''۔(نفحات)

۹۴۱۔وعن عائشةَ أنّها قالت: قال النبيُّ ﷺ: إذا أحدَثَ أحدُكم فى صلوٰته، فليأخذْ بأنفِه ثُمّ لِيَنْصَرِفْ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو اسے چاہیے کہ اپنی ناک پکڑ کر (نماز سے) واپس جائے (تاکہ لوگ سمجھے کہ اس کی ناک سے خون آنے لگا ہے اور شرمندگی نہ ہو)۔(ابوداؤد)

تشہد کے بعد قبل از سلام وضو ٹوٹ جائے تو نماز ہوگئی:

۹۴۲۔وعن عبد الله بن عمروؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا أحدثَ أحدُكم وقد جلسَ فى آخرِ صلوٰته قبلَ أنْ يُسلّمَ فقدْ جازتْ صلوٰتُه.[رواه الترمذى وقال :هذاحديثٌ إسنادُه ليس بالقوى وقدِ اضطربُوا فى إسنادِه]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب سلام پھیرنے سے پہلے تم میں سے کسی کا وضو ٹوٹ جائے اور (حال

یہ ہو کہ) وہ نماز کے آخر میں (یعنی آخری قعدہ میں تشہد کے بقدر) بیٹھ چکا ہو تو اس کی نماز جائز ہو جاتی ہے۔ (ترمذی)

''الفصل الثالث''

٩٤٣۔عن أبی هريرةؓ أنّ النبیﷺ خرجَ إلی الصلوٰةِ ،فلمّا كبّر، أومأَ إليهم أنْ كما كُنتُم ثمّ خرج فاغتسلَ ثمّ جاءَ ورأسُه يقطرُ فصلّى بهم فلمّاصلّى قال: اِنّی كنتُ جُنباً فنسيتُ أن أغتسِلَ.[أحمد،وروى مالك عن عطاء بن يسار مرسلاً.]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاکﷺ نماز کے لیے تشریف لائے، جب تکبیر کہنے کا ارادہ کیا تو آپﷺ (واپس) مڑے اور صحابہ کو اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ پھر آپﷺ چلے گئے اور غسل فرمایا پھر تشریف لائے اور سر (مبارک) سے قطرے ٹپک رہے تھے، چنانچہ آپﷺ نے نماز پڑھائی، جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا کہ میں جنبی تھا اور غسل کرنا بھول گیا تھا۔ (احمد)

٩٤٤۔وعن جابرؓ قال: كنتُ أصلّی الظهرَ مع رسولِ الله ﷺ، فاخذُ قبضةً من الحصٰى لِتبرُدَ فی كفّی أضعُها لِجَبهتی أسجدُ عليها لِشِدّةِ الحَرّ.[أبو داؤد،وروى النسائی نحوه]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہﷺ کے ہمراہ ظہر کی نماز پڑھتا تھا، چنانچہ ایک مٹھی کنکریوں کی لے لیتا، تا کہ میرے ہاتھ میں وہ ٹھنڈی ہو جائیں، تا کہ گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے اپنی پیشانی کے واسطے اسے رکھوں اور اُس پر سجدہ کروں۔ (ابوداؤد، نسائی)

٩٤٥۔عن أبی الدرداءؓ قال: قام رسولُ اللهﷺ يُصلّی، فسمعناه يقولُ :"أعوذ بالله منكَ" ثمّ قال:" ألعنُكَ بلعنةِ الله"[ثلاثاً] وبسطَ يديه كأنّه يتناولُ شيئاًفلمّافرغَ مِن الصلوٰةِ قلنا: يا رسولَ الله! سمعناك تقولُ فی الصلوٰةِ شيئاًلم نسمعْكَ تقولُهقبلَ ذلك ورأيناكَ بسطتَّ يدَكَ،قال: اِنّ عدوَّ اللهِ اِبليس جاء بشِهابٍ مِن نارٍ ليَجعلَه فی وجهی فقلتُ: "أعوذبالله منك"[ثلاثَ مرّاتٍ]ثمّ قلتُ :"ألعنُكَ بلعنةِ اللهِ التامّةِ"فلم يستأخِرُ[ثلاثَ مرّاتٍ]ثمّ أردتُّ أن آخُذَهٗ والله لولادعوةُ أخينا سُليمانَ لأصبحَ مؤثَقًا يلعبُ به وِلدانُ أهلِ المدينةِ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ (ایک مرتبہ) نماز پڑھنے کھڑے ہوئے، تو ہم نے آپﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''میں تیرے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں''۔ پھر تین مرتبہ فرمایا: ''میں تجھ پر اللہ کی لعنت بھیجتا ہوں''۔ اور اپنا ہاتھ بڑھایا، گویا کسی چیز کو پکڑ رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ! تحقیق ہم نے نماز میں آپ کو کچھ کہتے ہوئے سنا کہ اس سے پہلے ہم نے آپ کو ایسی بات کہتے ہوئے نہیں سنا اور آپ کو (نماز میں) ہاتھ پھیلاتے ہوئے (بھی) دیکھا (اس کی کیا وجہ تھی؟) آپﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا شعلہ لے کر آیا تھا تا کہ اس کو میرے چہرے پر ڈال دے۔ چنانچہ میں نے تین بار کہا: ''میں تیرے شر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں''۔ پھر میں نے (اس سے) کہا: میں تجھ پر اللہ کی پوری لعنت بھیجتا ہوں۔ (اس سے) وہ نہ ہٹا۔ پھر میں نے تین مرتبہ یہی کہا (اس پر بھی جب وہ نہ ہٹا) تو میں نے ارادہ کیا کہ اُس کو پکڑ لوں۔ اللہ کی قسم! اگر میرے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو ضرور صبح کو وہ (شیطان) بندھا ہوا ہوتا اور مدینہ کے بچے اس سے کھیل رہے ہوتے۔ (مسلم)

٩٤٦۔عن نافعٍ قال: إنّ عبد الله بن عمرؓ مرَّ علیٰ رجلٍ وهو يُصلّی فسلّم عليه فردّ الرجلُ كلامًا فرجع اليه عبدُ الله بنُ عمر

،فقال له :اذاسُلِّمَ علیٰ أحدِ کم وهو یُصلّی فلایتکلّمْ ولْیُشِرْ بیدہٖ.[مالك]

ترجمہ: نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا ایک شخص پر گذر ہوا جو کہ نماز پڑھ رہا تھا۔ آپؐ نے اسے سلام کیا۔ اُس نے سلام کا (زبانی) جواب دیا۔ حضرت ابن عمرؓ اس کی طرف لوٹے اور کہا: جب تم میں سے کسی کو نماز پڑھنے کی حالت میں سلام کیا جائے تو بول کر جواب نہ دے بلکہ ہاتھ سے اشارہ کرے (یعنی اشارہ سے سلام کا جواب دے)۔ (مالک)

(بابُ السهوِ)

"الفصل الاوّل"

تعدادِ رکعات میں شک پر سجدۂ سہو:

۹٤۷ ـوعن أبی هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ :إنّ أحدَکم إذا قام یُصلّی جاءَ هُ الشیطانُ فلبَّسَ علیه حتیّٰ لایدری کم صلّی .[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان آکر اُس کو شک وشبہ میں مبتلا کر دیتا ہے حتیٰ کہ اُس کو یہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ چنانچہ جب تم میں سے کوئی اس (حالت) کو پائے تو اسے چاہیے کہ (آخری قعدہ میں) بیٹھ کر دو سجدے کرے۔ (متفق علیہ)

۹٤۸ ـوعن عطاء بن یسار عن أبی سعید قال: قال رسولُ اللهﷺ: إذا شكّ أحدُکم فی صلوٰته فلم یدرِ کَمْ صلّی ثلثاً أو أربعاًفلیطْرَحِ الشكَّ ولْیَبْنِ علیٰ مااستیقنَ ثمّ یسجدُ سجدتینِقبلَ أن یُسلّمَ فإن کاصلّی خمساً شفعْنَ له صلوٰته وإن کان صلّی اِتماماً لأربع کانتاترغیماً للشیطٰن .[مسلم،رواه مالك عن عطاء مرسلاً وفی روایته:"شفَّعها بهاتین السجدتین".]

ترجمہ: عطاء بن یسار ابو سعیدؓ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو نماز (کی رکعات) میں شک ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ تین پڑھی ہیں یا چار، تو شک کو دور کر دے اور جس (عدد) پر یقین ہو اسی پر "بناء" کرے۔ پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے، اب اگر اس نے (حقیقت میں) پانچ رکعت پڑھی ہوں تو یہ دو سجدے اس کی نماز کو جفت بنا دے گی اور اگر اُس نے پوری چار رکعتیں پڑھی ہوں تو یہ سجدے شیطان کی ذلت کا باعث ہوں گے۔ (مسلم)

۹٤۹ ـوعن عبد الله بن مسعودؓ أنّ رسول اللهﷺ صلّی الظهرَ خمسًا، فقیل له: أَزِیدَ فی الصلوٰةِ؟فقال: وماذاك ؟ قالوا:صلّیتَ خمسًافسجدَ سجدتین بعدَ ماسلّمَ .وفی روایةٍ قال: اِنّما أنا بشرٌ مِثلُکم أنسٰی کما تَنْسَونَ،فاذانسیتُ فذکّرونی ،واذاشكّ أحدُکم فی صلوٰته فَلْیَتَحرَّ الصوابَ فلیُتِمّ علیه ثمّ لِیُسلّمْ ثمّ یسجدُ سجدتین.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے (ایک مرتبہ) ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھائی۔ آپﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا نماز میں (رکعت کی) زیادتی کی گئی ہے؟ آپﷺ نے پوچھا: وہ کیسے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ آپﷺ نے پانچ رکعت نماز پڑھی،

(یہ سن کر) آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد دوسجدے کیے۔اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں، میں بھی بھولتا ہوں جس طرح کے تم بھولتے ہو۔پس جب میں کچھ بھول جایا کروں تو مجھے یاددلادیا کرواور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہوجایا کرے تو وہ غور کرے کہ صحیح بات میں، پھر اس کی بنیاد پر نماز مکمل کرے، پھر سلام پھیر کر دوسجدے کرلے۔(متفق علیہ)

حدیثِ ذوالیدین:

٩٥٠۔وعن ابن سيرين عن أبي هريرةؓ قال: صلّى بنا رسولُ الله ﷺ إحدىٰ صلوتَي العَشِيِّ قال ابنُ سيرين: قدسمّاها أبوهريرةولكنْ نسيتُ أنا،قال: فصلّى بنار كعتين ثمّ سَلَّمَ فقام الىٰ خشبةٍ معروضةٍفي المسجدِ فاتّكأ عليها كأنّه غضبانُ و وَضعَ يده اليُمنىٰ على اليُسرىٰ و شبّكَ بينَ أصابعِه ووَضعَ خدَّه الأيمنَ علىٰ ظهرِ كفِّه اليُسرىٰ و خرجتْ سرعانُ القومِ مِن المسجدِ فقالوا:"قُصِرَتِ الصلوٰةُ" وفي القومِ أبوبكر وعمرُ فهاباه أن يُكلّماه وفي القومِ رجلٌ في يديه طولٌ يقالُ له "ذواليدين"قال: يا رسولَ الله! أنَسِيتَ أمْ قُصِرتِ الصلوٰةُ ؟فقال:لم أنسَ ولم تُقصرُ،فقال: أكمايقولُ ذواليدين؟فقالوا: نعم! فتقدّمَ فصلّ ماترك ثمّ سلّمَ ثمّ كبّر و سجدمثلَ سجوده [أوأطولَ] ثمّ رفعَ رأسَه و كبّر ثمّ كبّر و سجدَمِثلَ سجودِهٖ [أوأطولَ] ثمّ رفع رأسَه و كبّر .فرُبّماسألوه :ثمّ سلّمَ ؟فيقولُ :نُبّئتُ أنّ عمرانَ بن حصين قال: ثمّ سلّمَ.[متفق عليه،ولفظُه للبخاري وَ في أخرىٰ لهما فقال رسولُ الله ﷺ بدلَ "لم أنسَ ولم تُقصرْ":"كلُّ ذلك لم يكُنْ "فقال:قد كان بعضُ ذلك يا رسول الله.]

ترجمہ:ابن سیرینؒ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں زوال کی دونمازوں (ظہراورعصر) میں سے کوئی ایک نماز پڑھائی۔ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس نماز کا نام بتایا تھا لیکن میں بھول گیا۔حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیں دورکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیر دیا۔پھر مسجد میں کھڑی ایک لکڑی کے سہارے کھڑے ہوگئے [گویا آپ ﷺ غصہ ہیں] اور اپنادایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھااور انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال دیں اور اپنادایاں رخسار اپنے بائیں ہاتھ (کی پشت) پر رکھااور جلدباز لوگ مسجد کے دروازوں سے نکل گئے۔صحابہ کہنے لگے کہ کیا نماز کم کردی گئی ہے؟ (کہ چار کی بجائے دورکعت پڑھی گئیں) لوگوں میں ابوبکرؓ وعمرؓ بھی تھے، وہ دونوں آپ ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے بات نہ کرسکے۔لوگوں میں ایک لمبے ہاتھوں والا شخص تھا جسے ذوالیدین (یعنی ہاتھوں والا) کہا جاتا تھا۔انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ (نماز کی رکعات) بھول گئے یا نماز (کی رکعتیں) کم کردی گئی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز (کی رکعات) کم کی گئی ہیں۔پھر (صحابہؓ) سے (مخاطب ہوکر) فرمایا کہ کیا تم بھی یہی کہتے ہوجیسا کہ ذوالیدین کہتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جی ہاں! تو آپ ﷺ آگے بڑھ گئے اور جو نماز رہ گئی تھی، وہ پڑھ لی، پھر سلام پھیر کر تکبیر کہی اور معمول کے مطابق یا اس سے بھی لمبا سجدہ کیا، پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھایا، پھر تکبیر کہہ کر سجدہ میں گئے اور معمول کے مطابق یا اس سے بھی لمبا سجدہ کیا، پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھایا۔(یہ حدیث سن کر) لوگوں نے ابن سیرینؒ سے پوچھا کہ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا؟ (یا نہیں) ابن سیرینؒ کہنے لگے کہ مجھے خبر دی گئی کہ عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا۔(متفق علیہ) یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور بخاری ومسلم کی ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "لم أنسَ ولم تُقصرْ" (نہ بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے) کی بجائے "كلُّ ذلك لم يكنْ" فرمایا (یعنی ایسا کچھ نہیں ہوا) تو ذوالیدینؓ نے کہا کہ کچھ تو ہوا ہے یارسول اللہ!۔

سجدہ سہو سلام سے پہلے افضل ہے یا سلام کے بعد؟:

۹۵۱۔وعن عبداللہ بن بُحینۃَ أنّ النبیَّ ﷺ صلّی بھم الظھر ،فقام فی الرکعتین الأولیین لم یجلِسْ فقامَ النّاسُ معہ حتیٰ اذاقضیَ الصلوٰۃَ وانتظرَ النّاسُ تسلیمَہ کبّر وھو جالسٌ فسجدَ سجدتین قبلَ أن یُسلِّمَ ثمّ سلّمَ.[متفق علیہ]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن بُحینہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے صحابہؓ کوظہر کی نماز پڑھائی اور پہلی دو رکعتوں میں بیٹھے بغیر کھڑے ہوگئے۔لوگ بھی آپ کے ہمراہ کھڑے ہوگئے۔یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھا چکے اور لوگ آپ کے سلام پھیرنے کے منتظر تھے تو آپ ﷺ نے سلام پھیرنے سے پہلے بیٹھے بیٹھے تکبیر کہہ کر دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا۔(متفق علیہ)

تشریح: قولہ: فسجد سجدتین قبلَ أن یُسلِّم ثمّ سلّمَ...۔ یہاں اس بارے میں گفتگو ہوئی ہے کہ سجدۂ سہو قبل السلام افضل ہے یا بعد السلام؟ چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ سہو مطلقاً(خواہ نماز میں کمی ہوئی یا بیشی)قبل السلام افضل ہے۔مذکورہ حدیث اور اس کے علاوہ فصلِ ثانی کی پہلی روایت:"عن عمرانَ بن حُصینٍؓ انّ النبی ﷺ صلّی بھم فسھٰی فسجد سجدتینِ ثمّ تشھّد ثمّ سلّمَ." سے آپؒ استدلال فرماتے ہیں۔

جبکہ امام مالکؒ سجدہ سہو کے متعلق فرماتے ہیں کہ''الدالُ بالدال و القافُ بالقاف''(نماز میں زیادتی کے مقابل سجدہ سہو بعد السلام اور نقصان کے مقابل قبل السلام)یعنی نماز میں زیادتی واقع ہو جانے کی صورت میں سجدہ سہو بعد السلام افضل ہے اور کمی ونقصان آجانے کی صورت میں سجدہ سہو قبل السلام افضل ہے۔آپؒ کی دلیل کچھ یوں ہے،فرماتے ہیں:سجدہ سہو کے حوالے سے مروی فعلی احادیث آپس میں متعارض ہیں،کسی میں قبل السلام سجدہ کا ذکر ہے،مثلاً مذکورہ حدیث اور حدیثِ عمران بن حصینؓ۔اور کسی میں بعد السلام سجدہ سہو مذکور ہے،مثلاً فصلِ اوّل ہی میں مروی حدیث ابن مسعودؓ جس میں وارد ہے کہ "فسجد سجدتینِ بعدَ ما سلّم"اور اس کے متصل حدیثِ ذوالیدین(جو''ابن سیرین عن ابی ہریرۃؓ''کی سند سے مروی ہے)میں مذکور ہے کہ''فصلّی ما ترکَ ثمّ سلّمَ ثمّ کبّر وسجد''۔ان متعارض احادیث میں تطبیق کرتے ہوئے امام مالکؒ نے''الدالُ بالدالِ و القافُ بالقافِ''کا اصول مستنبط فرمایا ہے۔لیکن واضح رہے کہ امام مالکؒ کا یہ اصول حدیثِ ذوالیدین میں ٹوٹ جاتا ہے،کیونکہ اُس میں نقصان فی الصلاۃ کے باوجود سجدہ بعد السلام کا ذکر ہے،اسی طرح نماز میں بیک وقت زیادتی ونقصان ہونے کی صورت میں بھی یہ اصول منطبق نہیں ہوتا۔

امام احمدؒ کے نزدیک احادیث میں جن موقعوں پر سجدہ سہو قبل السلام منقول ہے وہاں سجدہ سہو قبل السلام ہوگا اور جن میں سجدہ بعد السلام منقول ہے وہاں بعد السلام ہوگا اور جن صورتوں میں کچھ بھی منقول نہیں وہاں امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق سجدہ سہو قبل السلام ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں سجدہ سہو مطلقاً(خواہ نماز میں نقصان آیا ہو یا زیادتی)سلام کے بعد افضل ہے۔آپؒ فرماتے ہیں کہ فعلی احادیث چونکہ اس حوالے سے باہم متعارض ہیں۔ایسی صورت میں قولی احادیث کی طرف رجوع کیا جائے گا۔چنانچہ حضرت ثوبانؓ آپ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی نقل کرتے ہیں:''لکلِّ سھوٍ سجدتانِ بعدَ ما یُسلِّم''(ابوداؤد،احمد،ابن ماجہ)یعنی''ہر قسم کے سہو کے لیے سلام کے بعد دو سجدے کیے جائیں''۔یہ حدیث غیر متعارض ہونے کے علاوہ ہر قسم کے سہو کے حکم کو شامل ہے،نیز متعدد صحابہ وتابعین کے آثار

بھی اس کے موافق ہیں۔ باقی رہی وہ فعلی احادیث جن میں سجدہ سہو قبل السلام کا ذکر ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک وہ بیانِ جواز پر محمول ہیں، کیونکہ اختلاف صرف افضل وغیر افضل کا ہے۔ (نفحات، اختلاف الائمہ، المسائل والدلائل)

"الفصل الثانی"

٩٥٢۔ وعن عمران بن حُصينٍؓ أنّ النبیّ ﷺ صلّی بهم، فسها، فسجدَ سجدتین ثمّ تشهّدَ ثمّ سلّم. [ترمذی]

ترجمہ: حضرت عمران بن حُصینؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے صحابہؓ کو نماز پڑھائی، آپ ﷺ کو سہو ہو گیا چنانچہ دو سجدے کیے پھر تشہد پڑھی، پھر سلام پھیرا۔ (ترمذی)

٩٥٣۔ وعن المغیرة بن شعبةَ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا قام الإمامُ فی الرکعتین فإنْ ذکرَ قبلَ أن یستوِیَ قائمًا فلْیَجلِس وإن استوٰی قائمًا فلایجلِسُ ویسجدُ سجدتیِ السهوِ. [أبوداؤد، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام دو رکعتوں سے (بغیر تشہد کے) کھڑا ہو جائے، اگر اُس کو سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے (التحیات) یاد آ گئی تو بیٹھ جائے اور اگر سیدھا کھڑا ہو چکا تو بیٹھے نہیں اور سہو کے دو سجدے کر لے۔

"الفصل الثالث"

٩٥٤۔ عن عمران بن حُصینٍؓ أنّ رسولَ الله ﷺ صلّی العصرَ وسلّمَ فی ثلاثِ رکعاتٍ ثمّ دخلَ منزلَه فقامَ الیه رجلٌ یقالُ له "الخِرْباق" وکان فی یدیه طولٌ فقال: یا رسولَ الله! فذکرَله صنیعَه فخرجَ غضبانَ یجُرُّ رِداءَه حتیّٰ انتهٰی الی النّاسِ فقال: أصدَقَ هذا؟ قالوا: نعم! فصلّی رکعةً ثمّ سلّم ثمّ سجدَ سجدتین ثمّ سلّمَ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی اور تین رکعتوں میں سلام پھیر دیا، پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ چنانچہ ایک شخص کھڑا ہوا جسے خرباق کہا جاتا تھا اور اس کے ہاتھوں میں (کسی قدر) درازی تھی، وہ کہنے لگا: یارسول اللہ! اور آپ ﷺ کا عمل ذکر کیا، (یہ سن کر) آپ ﷺ اپنی چادر کھینچتے ہوئے غضبناک ہو کر نکلے حتیٰ کہ لوگوں تک (مسجد میں) پہنچ گئے اور (لوگوں سے) پوچھا کہ کیا یہ سچ کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ جی ہاں (یہ سن کر) آپ ﷺ نے ایک رکعت پڑھائی، پھر سلام پھیرا، پھر دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا۔ (مسلم)

٩٥٥۔ وعن عبد الرحمٰن بن عوفٍؓ قال: سمعتُ رسول الله ﷺ یقولُ: من صلّی صلوٰةً یشکُّ فی النقصانِ فلْیُصلِّ حتیّٰ یشُکُّ فی الزیادةِ. [أحمد]

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے کوئی نماز پڑھی (اور وہ نماز کے) نقصان میں شک کر رہا تھا تو اسے چاہیے کہ (اتنی) نماز پڑھے کہ اس کو زیادتی میں شک ہونے لگے۔ (احمد)

(بابُ سُجُودِ القرآنِ)

سجودِ قرآن (سجود تلاوت) کی حیثیت:

''سجودِ قرآن'' سے مراد سجود تلاوت ہیں۔ یہاں یہ گفتگو ہوئی ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے یا سنت؟ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اس کے وجوب کے قائل ہوئے ہیں۔ آپؒ اس سلسلہ میں قرآنی آیات اور نبوی ارشادات سے استدلال فرماتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ (شارحِ ہدایہ) رقمطراز ہیں کہ آیات سجدہ تین قسم پر ہیں:

(۱) وہ آیات جن میں امر کے صیغہ کے ساتھ سجدے کا حکم ہے مثلاً ''واسجدُ واقترب'' (العلق) [ترجمہ] ''سجدہ کیجیے اور قربِ الٰہی حاصل کیجیے''

(۲) وہ آیات جن میں کفار کا سجدہ سے اعراض مذکور ہے مثلاً: ''وإذا قيلَ لهم اسجُدُوا للرحمٰن قالوا وماالرحمٰنُ أنسجدُ لما تأمُرنا وزاد هم نفورًا'' (الفرقان) ترجمہ: ''جب ان کافروں سے رحمٰن کے سامنے سجدہ کرنے کا کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے؟ اور اس سے ان کا نفور مزید ہو جاتا ہے''۔

(۳) وہ آیات جن میں انبیاء علیہم السلام کے سجدوں کی حکایت کی گئی ہیں، مثلاً: '' وظنَّ داوٗدُ أنّما فتنّاه فاستغفرَ ربّه وخرَّ راكعًا وأناب'' (سورۃ صٓ) ترجمہ: ''داؤد کو خیال آیا کہ ہم نے اُن کو آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے تو انہوں نے رب سے بخشش چاہی اور سجدہ میں گر کر اِنابت کرنے لگے''۔

بہرحال اگر صیغہ امر ہے تو امر کا امتثال واجب ہے۔ اور اگر فعلِ انبیاء کا ذکر ہے تو اُن کی اقتداء بھی واجب ہے، کیونکہ ارشادِ ربّانی ہے ''فبهداهم اقتده'' ترجمہ: ''انبیاء [علیہم السلام] کی اقتداء کیجیے''۔ اور اگر کفار کے اعراض کا ذکر ہے تو اُن کی مخالفت بھی واجب ہے، کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ولا تكونوا كالذين كفروا'' یعنی ''مت بنو کافروں کی طرح''۔

نیز حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً مروی یہ روایت بھی احناف کی دلیل ہے: ''قال رسول اللهﷺ :إذا قرأ ابنُ آدم السجدةَ اعتزلَ الشيطنُ يبكي يقولُ: يا ويلَهٗ أُمِر ابنُ آدم بالسجودِ ،فسجدَ ،فله الجنة وأُمرتُ بالسجودِ ،فأبيتُ فلي النّارُ''۔ (مسلم)۔

جبکہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے، ان حضرات کا استدلال اُن روایات سے ہے جن میں آیاتِ سجدہ کی تلاوت کا ذکر ہے لیکن سجدہ کرنے کا ذکر نہیں بلکہ راوی سجدے کی نفی کرتا ہے مثلاً ''عن زيد بن ثابتؓ قال: قرأتُ علىٰ رسول اللهﷺ والنجمَ فلم يسجد فيها. '' (متفق علیہ) ترجمہ: زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے مجھ سے سورۃ النجم سنی اور سجدہ تلاوت نہیں کیا''۔

ایسے ہی حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد: ''إنّ اللهَ لم يكتبُها علينا إلّا أن نشاءَ '' (بخاری) ترجمہ: سجدہ تلاوت ہم پر من جانب اللہ فرض تو نہیں ہاں اگر ہم سجدہ کرنا چاہے تو کوئی حرج بھی نہیں۔ اور حضرت ابنِ عمرؓ کا یہ قول: '' أُمِرنا بالسجودِيعني للتلاوة فمن سجدها فقد أصاب ومن لم يسجد فلا إثمَ عليه'' (بخاری) ترجمہ: ہمیں سجدہ تلاوت کا وجوبی حکم نہیں دیا گیا ہے لہذا سجدہ تلاوت نہ کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں۔

امام صاحبؒ کی طرف سے ائمہ ثلاثہ کی مستدل روایاتِ مرفوعہ (جن میں راوی سجدہ کی نفی روایت کرتے ہیں) کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ روایات علی الفور سجدہ کرنے کی نفی پر محمول ہے اس سے بالکلیہ نفی لازم نہیں آتی، ہوسکتا ہے کہ اُس وقت کسی عذر مثلاً حدث وغیرہ کی وجہ سے آپ ﷺ نے سجدہ نہیں کیا ہو اور بعد میں کر لیا ہو۔ اور حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ کے اقوال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ ان حضرات کا اپنا اجتہاد ہے جو آیاتِ قرآن اور احادیثِ مرفوعہ کے مقابلہ میں حجت نہیں۔

سجدۂ تلاوت کی تعداد

یہاں عددِ سجدات کے حوالے سے فقہاء کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے: چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہائے تلاوت کل چودہ ہیں، البتہ امام ابوحنیفہؒ سورۃ حج کے دوسرے سجدہ کو تلاوت کا سجدہ نہیں کہتے جبکہ سورۃ صٓ کے سجدہ کو تلاوت کا سجدہ مانتے ہیں اور امام شافعیؒ سورۃ حج کے دوسرے سجدہ کو تلاوت کا سجدہ شمار کرتے ہیں اور سورۃ صٓ کے سجدہ کو تلاوت کے سجدوں میں شمار نہیں کرتے۔

جبکہ امام احمدؒ کے ہاں تلاوت کے سجدے پندرہ ہیں آپؒ سورۃ حج کے دوسرے سجدہ کو اور سورۃ صٓ کے سجدہ کو یعنی دونوں سجدوں کو تلاوت کے سجدوں میں داخل مانتے ہیں۔

جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک سجودِ تلاوت کل گیارہ ہیں، آپؒ سورۃ حج کے دوسرے سجدہ کے بھی قائل نہیں اور مفصل (سورۃ حُجرات سے آخرِ قرآن تک) میں واقع سورۃ النجم، سورۃ انشقاق اور سورۃ العلق کے تین سجدوں کے بھی قائل نہیں ہیں۔ اس پر مدلل بحث شرح احادیث کے ذیل میں ہوگی۔ (مرآۃ)

"الفصل الاوّل"

سورۂ نجم میں سجدۂ تلاوت:

٩٥٦۔عن ابن عباسؓ قال: سجدَ النبیﷺ بالنجمِ و سجدَ معه المسلمونَ و المشرکونَ والجنُّ والإنسُ.[بخاری]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ "سورۃ النجم" میں سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں نے اور مشرکوں نے اور جنات اور انسانوں نے (بھی) سجدہ کیا۔ (بخاری)

سورۂ انشقاق میں سجدۂ تلاوت:

٩٥٧۔عن أبی هریرةؓ قال: سجدنا مع النبیﷺ فی "إذاالسَّماءُ انْشقّت و اقرأ باسمِ ربِّكَ".[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی پاک ﷺ کے ساتھ "إذاالسماء انشقت" اور "اقرأ باسمِ ربّكَ" میں سجدہ کیا۔ (مسلم)

مفصل کی سورتوں میں سجدۂ تلاوت کا مسئلہ:

تشریح: قوله: سجدنا مع النبیﷺ فی اذاالسماء انشقت و اقرأ باسم ربك:۔ یہاں یہ گفتگو ہوئی ہے کہ مفصل کی سورتوں (النجم، الانشقاق، العلق) میں سجدہ تلاوت ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد مفصل کے تینوں سجدوں کے قائل ہیں، سورۃ

الانشقاق اور سورۃ العلق کے سجدوں کے حوالے سے ان حضرات کی دلیل مذکورہ حدیث ہے جبکہ سورۃ النجم کے سجدہ کے حوالے سے ان حضرات کی دلیل زیر بحث روایت سے متصل پہلی والی حدیث ہے جو بخاری نے بسندِ ابن عباسؓ روایت کی ہے، نیز فصلِ ثانی کی پہلی روایت، جو حضرت عمرو بن العاصؓ کی سند سے مروی ہے، بھی ان حضرات کی مؤید ہے۔

جبکہ امام مالکؒ مفصل کے کسی سجدہ کے قائل نہیں، آپ کا استدلال ایک تو اسی فصل میں مروی حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث سے ہے "قال: قرأتُ على النبيِّ ﷺ والنجمِ، فلم يسجدْ فيها". (متفق علیہ) دوسری دلیل فصلِ ثانی میں مروی حدیثِ ابنِ عباسؓ ہے: "أنّ النبيّ ﷺ لم يسجد في شيءٍ من المفصل منذ تحوّلَ الى المدينة ." (ابوداؤد) یعنی "آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مفصل کی کسی سورت میں سجدہ نہیں کیا"۔

جمہور ائمہ کی جانب سے امام مالکؒ کو زید بن ثابتؓ کی حدیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا سجدہ نہ کرنا جو اس حدیث میں مذکور ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ کسی عذر کی بنا پر ہو، مثلاً وقت مکروہ ہو یا آپ ﷺ کا وضو نہ ہو یا تاخیر کا جواز بیان کرنے کے لیے آپ ﷺ نے فوری طور پر سجدہ نہ کیا ہو، لہٰذا اس سے سجدہ تلاوت کی نفی پر استدلال تام نہیں۔ اور ابن عباسؓ کی حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث نافی (نفی کرنے والی) ہے اور ابو ہریرہؓ کی روایت مُثبت ہے اور مُثبت راجح ہوتا ہے۔ نیز حدیثِ ابو ہریرہؓ سند کے اعتبار سے بھی اصح اور اقوی ہے لہٰذا حدیثِ ابو ہریرہؓ کو ترجیح حاصل ہوگی حدیثِ ابن عباسؓ پر۔

۹۵۸۔وعن ابن عمرؓ قال: كان رسولُ الله ﷺ يقرأ السجدةَ ونحنُ عندَه فيسجُدُ ونسجدُ معه فنزدحِمُ حتّى مايجدُ أحدُنا لجبهتِه موضعًا يسجدُ عليه. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (آیتِ) سجدہ پڑھتے اور ہم آپ ﷺ کے پاس ہوتے تو آپ ﷺ سجدہ کرتے اور ہم (بھی) آپ ﷺ کے ہمراہ سجدہ کرتے۔ چنانچہ ہم لوگوں کا اس قدر ازدحام ہوتا کہ ہم میں سے کوئی سجدہ کرنے کے لیے اپنی پیشانی کے واسطے جگہ نہ پاتا۔ (متفق علیہ)

۹۵۹۔عن زيد بن ثابتؓ قال: قرأتُ على رسولِ الله ﷺ "والنجم" فلم يسجُدْ فيها .[متفق عليه]

ترجمہ: زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورۃ النجم پڑھی اور آپ ﷺ نے اُس میں سجدہ نہیں کیا۔ (متفق علیہ)

"سورہ صٓ" کا سجدہ، تلاوت کا سجدہ ہے کہ نہیں؟:

۹۶۰۔وعن ابن عباسؓ قال: سجدةُ صٓ ليسَ مِن عَزائمِ السجودِ وقد رأيتُ النبيَّ ﷺ يسجدُ فيها .وفي روايةٍ قال مجاهد: قلتُ لابنِ عباسؓ: أسجُدُ في صٓ ؟فقرأ "ومِن ذريّتِه داوُدَ وسُليمانَ [حتّى أتىٰ:] فبهداهم اقتده" فقال: نبيُّكم ﷺ ممّنْ أُمِرأن يقتديَ بهم. [بخاري]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ "سورۃ صٓ" کا سجدہ بہت زیادہ تاکیدی سجدوں میں سے نہیں اور میں نے نبی پاک ﷺ کو اس سورت میں سجدہ کرتے دیکھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ کیا میں "سورۃ صٓ" میں سجدہ کروں؟ تو حضرت ابن عباسؓ نے آیت پڑھی "ومن ذريّته داوٗدَ وسليمانَ ..." حتّٰی کہ جب "فبهداهم اقتده" (انعام) تک پہنچے تو

فرمایا کہ تمہارا نبی بھی اُن لوگوں میں سے ہے جن کو پہلے نبیوں کی اتباع کا حکم دیا گیا تھا۔(بخاری)

تشریح: قوله: سجدةُ ص ليس من عزائم السجود...: یہاں یہ گفتگو ہوئی ہے کہ ''سورۃ صٓ'' کا سجدہ، سجدۂ تلاوت ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام شافعیؒ سجدہ تلاوت کے قائل نہیں۔ مذکورہ حدیث کے زیرِ بحث جملہ سے آپؒ استدلال کرتے ہیں۔ اس جملے کا مطلب آپؒ یہ بتاتے ہیں کہ ''سورۃ صٓ'' کا سجدہ، سجدۂ تلاوت نہیں بلکہ سجدۂ شکر ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ ''سورۃ صٓ'' کے سجدے کو سجدۂ تلاوت مانتے ہیں۔ ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے: ''عن أبي سعيدٍ الخدريؓ قال: قرأ رسول الله ﷺ وهو على المنبرِ صٓ فلمّا بلغَ السجدةَ ،نزل فسجدَ وسجدَ معه الناسُ . ''(ابوداؤد) ترجمہ: ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے منبر پر سورۃ صٓ پڑھی اور آیتِ سجدہ پر پہنچنے کے بعد منبر سے اتر کر سجدہ فرمایا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔

ان حضرات کی جانب سے امام شافعیؒ کی متدل حدیث ابن عباسؓ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ یہاں سجدہ تلاوت کی نفی نہیں کر رہے ہیں کیونکہ اس سے اگلے جملہ میں آپ ﷺ کا ''سورۃ صٓ'' میں سجدہ کرنے کا ذکر ہے بلکہ حضرت ابن عباسؓ سورۃ صٓ کے سجدے کی حقیقت وحیثیت بیان فرما رہے ہیں کہ یہ سجدہ ہم پر بلا واسطہ واجب نہیں بلکہ داؤدؑ کے سجدہ کے واسطے سے ہم پر واجب ہے کہ انہوں نے بطورِ توبہ کے سجدہ کیا اور ہم اُن کی ''توبہ کی قبولیت'' پر ''بطورِ شکریہ'' سجدہ کرتے ہیں، جیسا کہ فصلِ ثالث کے آخر میں مروی حدیثِ ابن عباسؓ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے ''عن ابن عباسؓ قال: إنّ النبي ﷺ سجدَ في صٓ وقال: سجدها داؤدُ توبةً ونسجدُها شكرًا ''(نسائی) ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے صٓ میں سجدہ فرما کر کہا کہ داؤدؑ نے بطورِ توبہ سجدہ کیا تھا اور ہم بطورِ شکر کے سجدہ کرتے ہیں۔ باقی سجدۂ شکر سے سجدہ تلاوت کی نفی نہیں ہوتی۔ اور عزائم السجود میں سے نہ ہونے کا مطلب یہ کہ یہ سجدہ سجودِ صلاۃ کی طرح فرض نہیں بلکہ واجب ہے۔(مرآۃ)

''الفصل الثاني''

سورۂ حج میں سجدۂ تلاوت ایک ہے یا دو؟

۹٦۱۔عن عمرو بن العاصؓ قال: أقرأني رسولُ الله ﷺ خمسَ عشرةَ سجدةً في القرآن منها ثلاثٌ في المُفصَّل وفي سورةِ الحجِّ سجدتين.[أبو داؤد، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے۔ ان میں سے تین ''مفصّل'' میں ہیں اور دو سجدے ''سورۃ الحج'' میں ہیں۔(ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: قوله: وفي سورة الحج سجدتين :۔ یہاں یہ بحث ہوئی ہے کہ ''سورۃ الحج'' میں سجدہ تلاوت ایک ہے یا دو؟ چنانچہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ ''سورۃ الحج'' میں دو سجدے ہیں۔ زیرِ بحث حدیث کے علاوہ اس کے متصل بعد عقبہ ابن عامرؓ کی یہ

حدیث بھی ان حضرات کا مستدل ہے: ''قال: قلتُ: یا رسول الله فُضِّلت سورة الحج بأنّ فیها سجدتین قال: نعم....'' (ابوداؤد)

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ ''سورۃ الحج'' کے صرف پہلے سجدے کے قائل ہیں، دوسرے کے قائل نہیں۔ ان حضرات کی پہلی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں اس جگہ رکوع کے ساتھ سجدے کا بھی ذکر ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''یـآیهـا الـذین امنوا ارکعُوا واسجدُوا واعبدُوا ربّکم وافعلُوا الخیرَ لعلّکم تفلِحُون.'' (الحج) اور استقراء وتتبع سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن میں جہاں امر بالرکوع کے ساتھ سجدہ کا امر متصل ہے وہاں سجدہ سے سجدہ صلاتیہ (نماز والا سجدہ) مراد ہوتا ہے نہ کہ سجدۂ تلاوت، جیسا کہ ارشادِ ربانی: ''واسجدی وارکعی'' میں۔ اور دوسری دلیل حضرت ابن عباسؓ کا یہ اثر ہے: ''عن ابن عباسؓ قال فی سجودِ الحج: الأوّل عزیمة و الآخرُ للتعلیم.'' (طحاوی) ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ''سورۃ الحج کا پہلا سجدہ تو واجب ہے اور دوسرا تعلیم کے واسطے ہے''۔

ان حضرات کی جانب سے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے دلائل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کی حدیث ضعیف ہونے کی بناپر قابلِ استدلال نہیں، کیونکہ عمرو بن العاصؓ سے اس روایت کو نقل کرنے والے دو حضرات ہیں: ''عبداللہ کلابی'' اور ''حارث بن سعید'' اور یہ دونوں مجہول ہیں۔ اسی طرح حضرت عقبۃ بن عامرؓ کی حدیث بھی ضعف سے خالی نہیں، کیونکہ اس کی سند میں ''ابن لہیعہ'' ہیں جو بالاتفاق ضعیف راوی ہیں۔ اس وجہ سے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: ''هـذا حـدیـثٌ لیسَ إسنادُه بالقویّ'' ترجمہ: ''اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے''۔ (مرآۃ نجات)

۹۶۲۔وعن عُقبة بن عامرؓ قال: قلتُ: یا رسولَ الله! فُضِّلتْ سورةُ الحجّ بأنّ فیها سجدتین ؟قال: نعم!ومَن لَم یسجدْهمافلایقرأْهما. [أبو داؤد، ترمذی]

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا سورۃ الحج کو اس وجہ سے فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جی ہاں! اور جو شخص یہ دو سجدے نہ کرے تو وہ ان آیتوں کو نہ پڑھے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: ''فلایقرأهما'' یہ بصیغہ نہی بھی منقول ہے اور بصیغہ خبر بھی، پہلی صورت میں مطلب ہوگا کہ ان آیتوں پر پہنچنے والا شخص اگر سجدہ نہیں کرتا تو وہ یہ آیتیں پڑھے ہی نہیں اور دوسری صورت میں مطلب ہوگا کہ جس نے ان آیات کو پڑھ کر سجدہ نہیں کیا اُس نے گویا ان کو پڑھا ہی نہیں کہ ان آیات کے مقتضیٰ پر عمل نہیں کیا۔

نماز میں آیتِ سجدہ کی تلاوت پر سجدہ:

۹۶۳۔وعن ابن عمرؓ أنّ النبیَّ ﷺ سجدَ فی صلوٰةِ الظهرِ ثمّ قام، فرکعَ فرأوا أنّه قرأ تنزیل السجدة .[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا، پھر کھڑے ہوکر رکوع کیا۔ چنانچہ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ آپ ﷺ نے سورۃ الٓم تنزیل السجدۃ پڑھی ہے۔ (ابوداؤد)

۹۶۴۔وعنه أنّه قال: کان رسولُ الله ﷺ یقرأُ علینا القرآنَ، فإذا مَرَّ بالسجدةِ کبّرَ و سجدَ و سَجَدْنا معه.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے قرآن پاک پڑھتے اور جب آیتِ سجدہ پر گذرتے تو ''اللہ اکبر'' کہہ کر سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ہمراہ سجدہ کرتے۔ (ابوداؤد)

٩٦٥۔وعنه أنّه قال: أنّ رسول اللهﷺ قرأ عامَ الفتحِ سجدةً ،فسجدَ النّاسُ كلُّهم مِنهم الراكبُ والساجدُ على الأرضِ حتىّٰ اِنّ الراكبَ ليسجدُ علىٰ يدِه.[أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں:رسول اللہﷺ نے فتح مکہ کے سال آیتِ سجدہ پڑھی ،چنانچہ تمام لوگوں نے سجدہ کیا جن میں سے (بعض)سوار تھے اور(بعض) زمین پر سجدہ کرنے والے تھے، یہاں تک کہ(ازدحام کی بناپر) سوار اپنے ہاتھ پر سجدہ کررہا تھا۔(ابوداؤد)

٩٦٦۔عن ابن عباسؓ أنّ النبیّﷺ لم يسجدُ فی شیٔ مِن المُفصّل منذ تحوّلَ الی المدينةِ.[أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی پاکﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد مفصل کی کسی سورت میں سجدہ نہیں کیا۔(ابوداؤد)

٩٦٧۔عن عائشةؓ قالت: كان رسول اللهﷺ يقولُ فی سجود القرآن بالليل:" سجدَ وجهِی للّذی خلقَه وشقّ سمعَه وبصرَه بحولِه وقوّتِه".[أبو داؤد،ترمذی،نسائی]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہﷺ رات کو قرآن کے سجدوں میں یہ(دعا) کہا کرتے تھے:''سجدَ وجهی للّذی خلقه وشقّ سمعه وبصره بحولِه وقوّته.''[ترجمہ]''میرا چہرہ اُس ذات کے سامنے سجدہ ریز ہوا جس نے اُسے پیدا کیا اور اپنی قدرت اور قوت سے اس میں کان اور آنکھ بنائے۔(ابوداؤد،ترمذی،نسائی)

٩٦٨۔وعن ابن عباسؓ قال: جاءَ رجلٌ إلیٰ رسولِ اللهﷺ، فقالَ :يا رسولَ الله! رأيتُنِی الليلةَ وأنا نائمٌ كأنّی أُصلّی خلفَ شجرةٍ فسجدتُ فسجدتِ الشجرةُ لسجودی فسمعتها تقول:"اللّهم اكتُبْ لی بها أجرًاو حُطَّ عنّی بها وِزرًا,واجعلُها لی ذُخراً وتقبّلها منّی كماتقبّلتَها مِن عبدِك داؤد".قال ابن عباس:فقرأ النبیّﷺ سجدةً ثمّ سجدَ،فسمِعْتُه وهو يقولُ مثلَ ماأخبرَه الرجلُ مِن قولِ الشجرةِ .[ترمذی،وابن ماجة الاّ أنّه لم يذكرُ"وتقبّلُهامنّی كماتقبّلتَها مِن عبدكَ داؤد".]

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہﷺ کے پاس آیا، کہنے لگا کہ یارسول اللہ! میں نے آج رات سونے کی حالت میں(خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا کہ گویا میں ایک درخت کے نیچے نماز پڑھ رہا ہوں۔چنانچہ(دیکھتا ہوں کہ) میں نے سجدہ کیا تو اس درخت نے بھی میرے سجدہ کرنے کی وجہ سے سجدہ کیا۔میں نے اس درخت کو یہ(دعا) کہتے سنا:(ترجمہ)''اے اللہ!اس سجدے کے بدلے میرے لیے اپنے ہاں اجر لکھ اور اس کی بدولت مجھ سے گناہ کو دور کر اور اپنے ہاں اس کو میرے لیے ذخیرہ بنا اور مجھ سے یہ سجدہ اس طرح قبول فرما جیسا کہ اپنے بندے داؤدؑ سے تو نے قبول فرمایا''۔ابن عباسؓ کہتے ہیں:(یہ سن کر) نبی پاکﷺ نے سجدہ کی تلاوت کی، پھر سجدہ کیا تو میں نے آپﷺ کو سنا کہ اُس آدمی نے درخت کے متعلق جس دعا کی خبر دی تھی، آپﷺ وہی(دعا) کہہ رہے تھے۔(ترمذی،ابن ماجہ)

''الفصل الثالث''

٩٦٩۔عن ابن مسعودؓ أنّ النبیّﷺ قرأ "والنجم" فسجدَ فيها، وسجدَ مَن كان معَه غيرَ أنّ شيخًا مِن قريشٍ أخذَ كفًّا مِن حَصًی أوتراب فرفعَه الیٰ جبهتِه وقال: يكفِينی هذا.قال عبدالله:فلقد رأيتُه بعدُ قُتِل كافرًا.[متفق علَيه]وزاد البخاریُّ فی روايةٍ:"وهوأُميّةُ بن خلفٍ".

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے (ہجرت سے پہلے مکہ میں) ''سورۃ والنجم'' پڑھی۔ اُس میں آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ہمراہ جتنے لوگ تھے سب نے سجدہ کیا سوائے ایک بوڑھے قریشی (امیہ بن خلف) کے، جس نے کنکریوں یا مٹی کی ایک مٹھی لے کر اپنی پیشانی تک اٹھائی اور کہا کہ مجھے تو یہی کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے بعد میں اُس کو دیکھا کہ (غزوہ بدر میں) کفر کی حالت میں مارا گیا۔ (متفق علیہ)

۹۷۰۔ وعن ابن عباسؓ قال: أنّ النبیّ ﷺ سجدَ فی "ص" وقال: سجدَها داؤدُ توبةً ونسجدُها شُکرًا. [نسائی]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ''سورۃ ص'' میں سجدہ کیا اور فرمایا کہ حضرت داؤدؑ نے یہ سجدہ توبہ کے طور پر کیا تھا اور ہم (ان کی توبہ کی قبولیت کے) شکر کے طور پر یہ سجدہ کرتے ہیں۔ (نسائی)

(بابُ أَوْقَاتِ النَّهْيِ)

مکروہ اوقات اور ان میں نماز پڑھنے کا مسئلہ:

یہاں نماز کے اوقاتِ مکروہہ کے بارے میں احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ نماز کے مکروہ اوقات دو قسم پر ہے: پہلی قسم اوقاتِ ثلاثہ (طلوعِ شمس، استوائے شمس اور غروبِ شمس کے اوقات) اور دوسری قسم: فجر کے بعد اور عصر کے بعد کے اوقات۔ اس باب کی اکثر روایات (مثلاً: ابن عمرؓ، عقبہ بن عامرؓ، عمرو بن عبسہؓ اور عبداللہ صُنابحیؒ کی روایات) میں اوقاتِ ثلاثہ مکروہہ میں نماز سے ممانعت کا ذکر ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اوقاتِ مکروہہ ثلاثہ میں ہر قسم کی نماز ممنوع اور ناجائز ہے خواہ فرض ہو یا نفل ادا ہو یا قضا۔ البتہ اُسی دن کی صلاۃِ عصر مستثنیٰ ہے۔ اور فجر و عصر کے بعد فرائض وغیرہ کی قضا جائز ہے جبکہ نوافل پڑھنا جائز نہیں۔ نیز امام صاحبؒ کے نزدیک یہ کراہت ہر زمان و مکان کو عام ہے، کوئی دن یا کوئی جگہ اس سے مستثنیٰ نہیں۔ امام صاحبؒ کا استدلال اُن تمام احادیث سے ہے، جن میں مکروہ اوقات کے اندر نماز پڑھنے سے مطلق نہی (ممانعت) وارد ہے جو فرائض و نوافل سب کو شامل ہے۔ یہ احادیث صحیح بھی ہیں اور کثیر بھی، بلکہ اوقاتِ ثلاثہ کے بارے میں وارد احادیث تو تواتر کو پہنچتے ہیں۔

جبکہ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک اوقاتِ مکروہہ کی دونوں قسموں میں فوت شدہ فرائض کی قضا جائز ہے، البتہ نوافل کے سلسلہ میں ان حضرات کے مابین اختلاف ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک نوافل ذوات الاسباب (وہ نوافل جن کا سبب ان اوقات میں پایا جائے، مثلاً: تحیۃ الوضوء، تحیۃ المسجد، صلاۃِ کسوف اور رکعتی الطواف وغیرہ) اوقاتِ مکروہہ میں جائز ہیں۔ ایسے ہی مکہ مکرمہ میں بھی اور جمعہ کے دن بھی ہر طرح کے نوافل تمام مکروہ اوقات میں جائز ہے۔ اوقاتِ مکروہہ سے رکعتی الطواف (دوگانہ طواف) اور مکہ کی تخصیص کے سلسلہ میں امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا ایک ایک قول بھی یہی ہے۔ جبکہ ایک قول کے مطابق اُن کا مذہب بھی اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے موافق ہے، نیز ان اوقات میں تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء کے حوالے سے بھی یہ حضرات (امام مالکؒ و احمدؒ) امام ابوحنیفہؒ کے موافق ہیں۔

''نوافل ذوات الاسباب'' کی تخصیص پر امام شافعیؒ کے دلائل:

''نوافل ذوات الاسباب'' کے حوالے سے امام شافعیؒ کا استدلال اُن تمام روایات کے عموم سے ہے جن میں تحیۃ المسجد اور تحیۃ

الوضو کا ذکر ہے اور وہاں اوقاتِ مکروہہ وغیر مکروہہ کی کوئی تفصیل نہیں ۔اور حرمِ مکہ کی تخصیص کے سلسلہ میں آپؒ کا استدلال فصلِ ثانی میں مروی حضرت جُبیر ابن مطعمؓ کی حدیث سے ہے: ''أنّ النبیّ ﷺ قال: یا بنی عبدَ منافٍ لا تمنعُوا أحدًا طاف بھذا البیتِ وصلّٰی أیّة ساعةٍ شاءَ من لَیلٍ أو نَھارٍ. '' (ترمذی، ابوداؤد)۔ایسے ہی فصلِ ثالث میں مروی حضرت ابوذرؓ کی حدیث بھی آپؒ کی دلیل ہے جس میں فجر وعصر کے بعد نوافل کے عدمِ جواز سے مکہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔اور یومِ جمعہ کی تخصیص کے حوالے سے آپؒ کی دلیل فصلِ ثانی میں مروی حدیثِ ابی ہریرۃؓ اور اس کے متصل حدیثِ ابوقتادۃؓ ہے۔حضرت ابوہریرۃؓ کی حدیث یہ ہے: ''إنّ النبی ﷺ نھیٰ عن الصلاۃِ نصف النھارِ حتیٰ تزول الشمسُ إلّا یوم الجمعة. '' (رواہ الشافعی)

حنفیہ کی جانب سے امام شافعیؒ کے دلائل کا جواب:

حنفیہ کی جانب سے نوافل ذوات الاسباب (تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء وغیرہ) کے حوالے سے امام شافعیؒ کی مستدل احادیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نہی والی روایات سے ان احادیث کی تخصیص کی جائے گی اور کہا جائے گا کہ اوقاتِ مکروہہ کے علاوہ اوقات میں تحیۃ المسجد وغیرہ نوافل پڑھنے کی اجازت مراد ہے۔

اور حرمِ مکہ کی تخصیص کے حوالے سے امام شافعیؒ کی دلیل حدیثِ جُبیر بن مُطعمؓ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس روایت کا تعلق مکروہ وغیر مکروہ اوقات بیان کرنے سے نہیں، بلکہ اس میں قبائل قریش کی ایک جاہلانہ رسم کی تردید مقصود ہے۔ہوتا یہ تھا کہ رات کے وقت یہ قبائل حرم کے دروازوں کو بند کر لیتے، جس سے باہر کے لوگ عبادت سے محروم ہو جاتے۔رسول اللہ ﷺ نے اس رسم کی اصلاح فرمائی کہ اللہ کے گھر پر اپنی اجارہ داری قائم نہ کرو بلکہ ہر وقت لوگوں کو اس میں عبادت کا موقع دو۔اور اس سلسلہ میں امام شافعیؒ کی مستدل حدیثِ ابوذرؓ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ضعف، انقطاع اور اضطراب کی بنا پر لائقِ استدلال ہی نہیں۔

جمعہ کی تخصیص کے حوالے سے حدیثِ ابوہریرۃؓ کا جواب امام صاحبؒ کی جانب سے یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، لائقِ استدلال نہیں۔اور حدیثِ ابوقتادۃؓ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے، خود ''مشکوٰۃ'' میں امام ابوداؤدؒ کی تصریح اس کے انقطاع پر موجود ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ''أبو الخلیلِ لم یَلْقَ أبا قتادةؓ ''یعنی ''ابوالخلیل (راوی) کا ابوقتادۃؓ سے لقاء ثابت نہیں''۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ اوقاتِ مکروہہ میں نوافل کے جواز کے حوالے سے امام شافعیؒ کی مستدل تمام احادیث چونکہ ضعیف ہیں جو کہ امام ابوحنیفہؒ کی مستدل احادیثِ نہی کے معارض نہیں ہوسکتیں، کیونکہ روایاتِ نہی ایک تو بکثرت ہیں، دوم سند کے اعتبار سے ''قوی'' اور ''اصح'' ہیں۔نیز احتیاط بھی اس میں ہے کہ احادیثِ نہی پر عمل کیا جائے، کیونکہ وہ محرِّم ہیں اور محرِّم کو مبیح پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔(المسائل والدلائل، نفحات)

''الفصل الاوّل''

طلوع اور غروب کے وقت کوئی نماز نہ پڑھی جائے:

٩٧١۔عن ابن عمرؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: لا یتحرّی أحدُکم، فیُصلّی عندَ طلوعِ الشمسِ ولاعندَ غروبها.وفی روایۃٍقال: اذاطلعَ حاجبُ الشمسِ فدَعُواالصلوٰۃَ حتّٰی تبرُزَ فاذاغابَ حاجبُ الشمسِ فدَعُواالصلوٰۃَ حتّٰی تغیبَ ولاتحیّنُوابصلوٰتِکم طلوعَ الشمسِ ولاغروبَها فإنّها تطلعُ بینَ قرنَی الشیطٰن.[متفق علیه]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:تم میں سے کوئی قصد نہ کرے کہ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے وقت نماز پڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو نماز چھوڑ دیا کرو یہاں تک کہ سورج (خوب) ظاہر ہوجائے۔اور جب سورج کا کنارہ غائب ہوجائے تو نماز پڑھنا چھوڑ دو یہاں تک کہ (سورج کا کنارہ اچھی طرح) غائب ہوجائے۔اور سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے کا قصد نہ کرو، کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔(متفق علیہ)

تین اوقات جن میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے:

٩٧٢۔عن عُقبة بن عامرٍؓ قال: ثلٰثُ ساعاتٍ کان رسول اللهِ ﷺ ینهانا أن نُصلّی فیهنّ أو نَقبُرَ فیهنّ موتانا:حینَ تطلعُ الشمسُ بازغةً حتّٰی ترتفِعَ وحینَ یقومُ قائمُ الظهیرةِ حتّٰی تمیلَ الشمسُ وحینَ تضیفَ الشمسُ للغروبِ حتّٰی تغرُبَ.

ترجمہ:حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ تین گھڑیاں ایسی ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھنے سے اور اپنے مردوں کو دفن کرنے سے منع کیا کرتے تھے: جس وقت سورج طلوع ہورہا ہو یہاں تک کہ بلند ہوجائے اور جس وقت دوپہر کا سایہ کھڑا ہوجائے (یعنی نصف النہار کا وقت) یہاں تک کہ سورج ڈھلنا شروع ہوجائے اور جس وقت آفتاب ڈوبنے کی طرف مائل ہو یہاں تک ڈوب جائے۔(مسلم)

فجر وعصر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھنی چاہیے:

٩٧٣۔عن أبی سعید الخدریؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: لا صلاةَ بعدَ الصبحِ حتّٰی ترتفِعَ الشمسُ ولاصلوٰۃَ بعدَ العصرِ حتّٰی تغیبَ الشمسُ .[مسلم]

ترجمہ:حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صبح (کی نماز) کے بعد کوئی نماز (جائز) نہیں یہاں تک کہ سورج (بقدرِ نیزہ) بلند ہوجائے اور عصر (کی نماز) کے بعد کوئی نماز (جائز) نہیں یہاں تک کہ سورج غائب ہوجائے۔(مسلم)

اوقاتِ صلاۃ:

٩٧٤۔وعن عمرو بن عَبَسَةَؓ قال: قدِمَ النبیّ ﷺ المدینةَ،فدخلتُ علیه ،فقلتُ :أخبِرنی عن الصلوٰۃ ،فقال:صلِّ صلوٰۃَ الصبحِ ثمّ أقصِرُ عن الصلوٰۃِ حینَ تطلعُ الشمسُ حتّٰی ترتفعَ فإنّها تطلُعُ حینَ تطلعُ بینَ قرنَي الشیطٰنِ وحینئذٍ یسجدُ لها الکفّارثمّ

صلِّ فإنّ الصلوٰۃَ مشهودةٌ محضورةٌ حتىّٰ يستقِلّ الظلُّ بالرُّمحِ ثمّ أقصرُ عن الصلوٰۃِ فإنّ حينئذٍ تُسجرُ جهنّمُ فإذاأقبلَ الفئُ فصلِّ فإنّ الصلوٰۃَ مشهودةٌ محضورةٌ حتىّٰ تصلّى العصرَ ثمّ أقصِرُ عن الصلوٰۃِحتىّٰ تغرُبَ الشمسُ فإنّها تغربُ بين قرني الشيطٰن وحينئذٍ يسجدُ لهاالكفّارُ،قال: قلتُ :يانبيّ الله!فالوُضوءُ حدِّثْني عنه ،قال: مامنكم رجلٌ يُقرّبُ وَضُوءَهُ فيُمضمضُ ويستنشِقُ فيستنثِرُ الاّ خرّتْ خطاياوجهِه وفيهِ وخياشيمهِ ثمّ اذاغسلَ وجهَه كماأمرَه اللهُ الاّ خرتْ خطايا وجهِه مِن أطرافِ لِحيتِهِ مع الماءِ ثمّ يغسلُ يديه الى المِرفقين الاّ خرّتْ خطايايديه مِن أناملِهِ مع الماءِ ثمّ يمسحُ رأسَه الاّ خرّتْ خطايارأسِه مِن أطرافِ شعرِهِ مع الماءِ ثمّ يغسلُ قدميه الى الكعبينِ الاّ خرّتْ خطايارجليهِ مِن أناملِهِ مع الماءِ ،فإن هوقامَ فصلّٰى فحمِدَ اللهَ وأثنىٰ عليه ومجّدَه بالّذى هو له أهلٌ وفرّغَ قلبَه للّه الاّ انصرفَ مِن خطيئتِهِ كهيئتِهِ يومَ ولدتْه أمُّه.[مسلم]

ترجمہ:حضرت عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے نماز کے (اوقات کے) متعلق خبر دیجئے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ صبح کی نماز پڑھ،پھر نماز سے رک جا یہاں تک سورج طلوع ہوکر بلند ہو جائے ،کیونکہ سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اوراس وقت (سورج کے پجاری) کا فرلوگ سورج کو سجدہ کرتے ہیں ۔پھر نماز (اشراق) پڑھ، کیونکہ فرشتے اس (وقت کی) نماز کی گواہی دیتے ہیں اور اس میں حاضر ہوتے ہیں یہاں تک کہ سایہ نیزے پر چڑھ جائے (یعنی ٹھیک دوپہر کے وقت جب ہر چیز کا سایہ گھٹتے گھٹتے اسی چیز میں منحصر ہو جاتا ہے) پھر نماز سے رُک جاؤ ،کیونکہ اس وقت جہنم بھڑکائی جاتی ہے ۔پھر جب سایہ (دوبارہ) پھیلنا شروع ہو جائے تو نماز پڑھ، کیونکہ (فرشتے) اس نماز کی گواہی دیتے ہیں اور اس میں حاضر ہوتے ہیں یہاں تک کہ عصر پڑھ لو۔پھر نماز سے رُک جا یہاں تک کہ سورج (اچھی طرح) غروب ہو جائے ،کیونکہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت کافر لوگ اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں ۔حضرت عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی !وضو (کی فضیلت) کے بارے میں مجھے بتائیے ۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص اپنے وضو کا پانی قریب کرکے (یعنی لے کر) کلی کرے اور ناک میں پانی چڑھا کر اسے جھاڑے تو اس کے چہرے اور منہ اور اس کے نتھنوں کے گناہ گر جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے گناہ پانی کے ساتھ اس کی داڑھی کے کناروں سے گر جاتے ہیں ،پھر کہنیوں سمیت ہاتھوں کو دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ پانی کے ساتھ اس کی (انگلیوں کی) پوروں سے گر جاتے ہیں، پھر جب وہ ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں کے گناہ پانی کے ساتھ اس کی انگلیوں کے سروں سے گر جاتے ہیں، پھر اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے اور اللہ کی حمد وثنا کرتا ہے اور جس بزرگی کا وہ لائق ہے وہ بیان کرتا ہے اور دل کو اللہ کے لیے فارغ کرتا ہے تو وہ (نماز کے بعد) اپنے گناہوں سے (پاک ہو کر اس طرح) لوٹتا ہے جس طرح اس دن جب اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔(مسلم)

آنحضرت کا عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا:

۹۷۵۔عن كُريب أنّ ابنَ عباسٍؓ والمِسوَرَ بنَ مخرمةَؓ وعبدَ الرحمٰن بن الأزهرؓ أرسلُوه إلىٰ عائشةؓ فقالوا:إقرأ عليها السلامَ وسَلْهاعن الركعتينِ بعد العصرِ،قال: فدخلتُ علىٰ عائشةَ فبلّغتُها ماأرسَلُوني فقالت: سَلْ أمّ سلمة،فخرجتُ اليهم فردُّوني

الیٰ أمّ سلمة فقالت أُمّ سلمة: سمعتُ النبیَّ ﷺ ینهیٰ عنهما ثمّ رأیته یُصلّیهما ثمّ دخلَ فأرسلتُ الیه الجاریةَ فقلت: قولی له: تقولُ أُمُّ سلمةَ یا رسولَ الله! سمعتُكَ تنهیٰ عن هاتین الرکعتینِ و أراكَ تُصلّیهما، قال: یاابنةَ أبی أُمَیّة! سألتِ عن الرکعتین بعدَ العصر، وإنّه أتانی ناسٌ مِن عبدالقیس فشغلُونی عن الرکعتین اللّتین بعدَ الظهرِ فهما هاتان. [متفق علیه]

ترجمہ: کُریبؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ، مسور بن مخرمہؓ اور عبدالرحمٰن بن الازہرؓ نے اُن کو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ حضرت عائشہؓ کو سلام کہنا اور عصر کے بعد کی دو رکعت (نفلوں) کے بارے میں پوچھنا۔ (کریبؒ کہتے ہیں کہ) میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا اور اُن حضرات کا پیغام پہنچایا حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ امّ سلمہؓ سے پوچھنا۔ میں (یہ بتانے کے لیے) اُن حضرات کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے حضرت امّ سلمہؓ کے پاس بھیج دیا۔ چنانچہ حضرت امّ سلمہؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو ان دو رکعتوں سے منع کرتے سنا، پھر میں نے آپ ﷺ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا۔ (جب) آپ ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کے پاس باندی کو بھیجا میں نے اس سے کہا کہ آپ ﷺ سے عرض کرنا کہ امّ سلمہ کہتی ہیں: یارسول اللہ! میں نے آپ ﷺ کو ان دو رکعتوں سے منع کرتے ہوئے سنا اور میں نے آپ ﷺ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوامیہ کی بیٹی! تم نے عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا۔ میرے پاس عبدالقیس کے لوگ آئے تھے انہوں نے مجھے ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے مشغول کر دیا تھا تو یہ وہ دو رکعتیں ہیں۔ (متفق علیہ)

سنن کی قضا ہے یا نہیں؟:

تشریح: قوله: فشَغَلُونی عن الرکعتین اللتین بعدَ الظهر فهما هاتان ...: یہاں دو مسائل زیر بحث ہیں: اول یہ کہ سنن کی قضا ہے یا نہیں؟ دوم یہ کہ بعد العصر نوافل جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ پہلے مسئلہ میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سنن کی بھی قضا کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں آپؒ کی دلیل یہ حدیث ہے، اس میں آپ ﷺ کا عصر کے بعد ظہر کی سنتوں کی قضا پڑھنے کا ذکر ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں سنن کی قضا نہیں۔ آپؒ کی دلیل دوسرے طرق سے مروی یہی حدیث ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ سنن کی قضا نہیں۔ چنانچہ امام طحاویؒ شرح معانی الآثار میں نقل فرماتے ہیں کہ امّ سلمہؓ نے حضور ﷺ کا مذکورہ ارشاد: ''فشغلونی عن الرکعتین اللتین بعد الظهر فهما هاتان'' سن کر عرض کیا کہ ''أفأقضیهما إذا فاتتا؟ فقال: لا.'' (طحاوی، مسند احمد) ترجمہ: ''میں بھی ان سنتوں کی قضا کیا کروں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں''۔

عصر کے بعد نوافل پڑھنے کا مسئلہ:

دوسرا مسئلہ جو یہاں زیر بحث ہے کہ بعد العصر نوافل پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو امام ابوحنیفہؒ اس کے جواز کے قائل نہیں جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے۔ مدلل اور تفصیلی بحث ماقبل میں گزر چکی۔ البتہ زیر بحث روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا ایک جزوی واقعہ تھا، آپ ﷺ کا معمول نہ تھا جبکہ حضرت عائشہؓ کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھنا آپ ﷺ کا معمول تھا، چنانچہ بخاری میں روایت ہے: ''عن عائشة ما کان النبیُّ ﷺ یأتینی فی یومٍ بعد العصر إلّا صلّی رکعتین''. ان احادیث

کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ظہر کی سنتوں کی قضا پڑھنا بھی آپ ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہے، امت کو اس کی اجازت نہیں جیسا کہ زیرِ بحث روایت کی طحاوی والی سند میں ہے اور عصر کے بعد دو نفل پڑھنا بھی آپ ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے۔ خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ خود اسے پڑھا کرتے تھے اور دوسروں کو منع فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ابوداؤد شریف میں مروی ہے: ''إنّ رسولَ الله ﷺ یُصلّی بعد العصرو ینهی عنها...'' نیز یہ حدیث بھی خصوصیت کی دلیل ہے: ''عن أنسؓ کان عمرؓ یضرب الأیدی علی الصلاةِ بعد العصر.'' (مسلم) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ عصر کے بعد نفل پڑھنے والوں کو مارا کرتے تھے''۔ احادیثِ صحیحہ متواترہ سے بھی بعد العصر نوافل کی ممانعت ثابت ہے۔ (المسائل والدلائل، نفحات، مرآۃ)

''الفصل الثانی''

فجر کی سنتوں کی قضا کا مسئلہ:

۹۷٦۔ عن محمد بن إبراهیم عن قیس بن عمرو قال: رأیَ النبیُّ ﷺ رجلاً یُصلّی بعد صلاةِ الصبح رکعتینِ فقالَ رسولُ الله ﷺ: صلوٰةُ الصبحِ رکعتین رکعتین، فقال الرجلُ: إنّی لم أکنْ صلّیتُ الرکعتین اللّتین قبلَهُما فصلّیتُهما الآن، فسکت رسولُ الله ﷺ. [أبوداؤد، وروی الترمذی نحوَہ وقال: "إسنادُ هذاالحدیثِ لیس بمتصلٍ لأنّ محمدبن ابراهیم لم یسمعْ مِن قیس بن عمرٍو". وفی شرحِ السنّة ونسخِ المصابیح "عن قیس بن قَهْدٍ" "نحوه"]

ترجمہ: حضرت محمد بن ابراہیم قیس بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ایک شخص کو صبح کی نماز کے بعد دو رکعت پڑھتے دیکھا تو فرمایا: صبح کی نماز تو دو (سنت) دو (فرض) رکعت ہے (یعنی فجر کے بعد کوئی نماز نہیں) تو اس شخص نے عرض کیا: فجر سے پہلے کی دو رکعت سنتیں میں نے نہیں پڑھی تھی تو ابھی اُن کو پڑھا۔ (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: قوله: رأی النبیُ ﷺ رجلاً...: یہاں ''رجلاً'' سے مراد خود راوی ''حضرت قیس بن عمروؓ'' ہے انہوں نے کنایۃً اپنا تذکرہ [رجلاً] سے کیا۔ اس پر قرینہ ترمذی میں مروی یہی روایت ہے جس میں اس کی تصریح ہے کہ ''إنّ النبی ﷺ خرج فرأی قَیسًا ....'' یعنی نبی پاک ﷺ تشریف لائے اور قیس کو دیکھا.... ۔

قوله: إنّی لم أکن صلّیتُ الرکعتین اللتین قبلهما فصلّیتُهما الآن، فسکتَ رسول الله ﷺ: اس سے امام شافعیؒ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ سنتِ فجر اگر فجر سے پہلے نہ پڑھی جاسکے تو اس کی قضا فجر کے بعد اور طلوعِ شمس سے پہلے کی جاسکتی ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت قیسؓ کا مذکورہ جواب سن کر سکوت اختیار فرمایا۔ اس طرح حضرت قیسؓ کے فعل (فجر کے فرض کے بعد طلوعِ شمس سے پہلے فجر کی سنت پڑھنے) کو نبی کی تقریر حاصل ہوگئی، لہٰذا اس کو ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طلوعِ شمس سے پہلے سنت فجر کی قضا پڑھنا درست نہیں۔ آپؒ کا استدلال ایک تو اُن متواتر احادیث سے ہے جو نمازِ فجر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت پر دال ہیں، یہ روایات تیس صحابہ سے مروی ہیں۔ دوم اس حدیث سے بھی آپؒ استدلال فرماتے ہیں: ''عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من لم یُصلّ رکعتَی الفجرِ فلیُصلّهما بعدَ ما تطلعُ الشمس.'' (ترمذی)

یعنی ''اگر فجر کی سنتیں کسی سے رہ گئیں تو وہ طلوعِ شمس کے بعد اُسے پڑھ لے''۔

امام صاحبؒ کی جانب سے حدیثِ قیسؓ کے کئی جواب دیے جاتے ہیں:

(۱) یہ روایت منقطع ہے اور قابلِ احتجاج نہیں خود ''مشکوٰۃ'' میں امام ترمذی کا یہ قول اس حدیث کے بارے میں منقول ہے: ''هذا الحديثُ ليس بمُتصلٍ لأنّ محمدَبنَ إبراهيمَ لم يسمَعُ من قَيسِ بن عمروٍ'' ترجمہ: ''یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ محمد بن ابراہیم کو قیس بن عمروؓ سے سماع حاصل نہیں۔''

(۲) یہ واقعہ نہی عن الصلاۃ بعد الفجر سے پہلے کا ہے۔

(۳) یہ حدیث، نہی کی اخبارِ متواترہ سے منسوخ ہے۔

(۴) یہ اس صحابی کی خصوصیت پر محمول ہے۔

خانہ کعبہ کا طواف ہر وقت کیا جا سکتا ہے:

۹۷۷۔وعن جُبيرِ بنِ مطعمٍ أنّ النبيَّ ﷺ قال: يا بني عبدِ مناف لا تمنعُوا أحدًا طافَ بهذا البيتِ وصلّى أيّةَ ساعةٍ شاءَ مِن ليلٍ أو نهارٍ. [ترمذی،أبو داؤد،نسائی]

ترجمہ: حضرت جُبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: اے عبد مناف کی اولاد! کسی کو اس گھر (یعنی بیت اللہ) کا طواف کرنے سے یا نماز پڑھنے سے منع مت کرو، رات یا دن میں سے جس وقت چاہے۔(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

۹۷۸۔وعن أبي هريرةؓ أنّ النبيَّ ﷺ نهى عن الصلوٰةِ نِصفَ النهارِ حتىٰ تزولَ الشمسُ إلّا يومَ الجمعةِ.[رواه الشافعي]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے نصف النہار (یعنی دوپہر) کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ آفتاب ڈھلنا شروع ہو جائے سوائے جمعہ کے دن کے (یعنی جمعہ کے دن نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کی اجازت دی)۔(الشافعی)

جمعہ کے دن بوقتِ نصف النہار نماز پڑھنا:

۹۷۹۔وعن أبي الخليلِ عن أبي قتادةؓ قال: كان النبيّ ﷺ كرِه الصلاةَ نصفَ النهارِ حتىٰ تزولَ الشمسُ الّا يوم الجمعةِ وقال: إنّ جهنّم تُسجَرُ الّا يومَ الجمعةِ .[أبو داؤد وقال: "أبو الخليل لَم يلقَ أباقتادَةَ".]

ترجمہ: ابو الخلیل حضرت ابو قتادہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ سوائے جمعہ کے دن کے نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کو ناپسند کرتے یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جائے اور فرماتے کہ جمعہ کے دن کے علاوہ (اس وقت) جہنم بھڑکائی جاتی ہے۔(ابوداؤد) امام ابوداؤد کا کہنا ہے کہ ابو الخلیل کا ابو قتادہؓ سے لقاء ثابت نہیں۔

فائدہ: یہ حدیث امام شافعیؒ کی دلیل ہے۔اس مسئلہ پر تفصیلی بحث اس باب کے شروع میں ذکر کی جا چکی ہے۔

''الفصل الثالث''

شیطان کا سورج کے قریب آنا:

۹۸۰۔عن عبد اللہ الصنابحیؓ قال: قال رسولُ اللہﷺ: إنّ الشمسَ تطلُعُ ومعَها قرنُ الشیطانِ فإذاارتفعتْ فارقَها ثمّ اذا استوتْ قارنَہا فاذازالتْ فارقَہا فاذادنتْ للغروبِ قارنَہا فاذاغربتْ فارقَہاونہٰی رسولُ اللہﷺعن الصلوٰۃِ فی تلک الساعاتِ. [مالک ،أحمدنسائی]

ترجمہ:حضرت عبداللہ صنابحیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان کا سینگ ہوتا ہے اور جب بلند ہوجاتا ہے تو شیطان اس سے علیحدہ ہوجاتا ہے، پھر جب دوپہر ہوتی ہے تو شیطان سورج کے قریب ہوجاتا ہے اور جب ڈھلتا ہے تو شیطان اس سے جدا ہوجاتا ہے، پھر جب غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو شیطان اس کے قریب آجاتا ہے اور جب غروب ہوجاتا ہے تو اُس سے الگ ہوجاتا ہے، (راوی کہتا ہے کہ) اور رسول اللہﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا۔(مالک،احمد،نسائی)

عصر کے بعد کوئی نماز جائز نہیں:

۹۸۱۔وعن أبی بصرة الغفاریؓ قال: صلّٰی بنا رسولُ اللہﷺ بالمُخمَّصِ صلوٰۃَ العصرِ فقال: إنّ ھذہ صلاۃٌ عُرِضتْ علیٰ مَن کان قبلَکُم فضیّعُوھا فمَن حافظَ علیھا کان لہ أجرُہ مرّتین ولاصلوٰۃَ بعدَھا حتیّٰ تطلعَ الشاھدُ والشاھدُ النجمُ .[مسلم]

ترجمہ:حضرت ابوبصرہ غفاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ہمیں ''مخمص'' (ایک جگہ کا نام) میں عصر کی نماز پڑھائی اور فرمایا کہ یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر پیش (یعنی فرض) کی گئی تو انہوں نے اسے ضائع کیا۔پس جو شخص اس نماز کی محافظت کرے گا اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔اور (یہ بھی فرمایا کہ) عصر کے بعد کوئی (نفل) نماز (جائز) نہیں یہاں تک کہ شاہد طلوع ہو۔شاہد ستارہ ہے۔(مسلم)

۹۸۲۔وعن معاویةؓ قال: إنّکم لتُصلّونَ صلوٰۃً لقد صحِبنا رسولَ اللہﷺ ،فما رأینا یُصلّیھما ولقد نہٰی عنھما۔یعنی الرکعتین بعدَ العصر۔[بخاری]

ترجمہ:حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ تم ایسی نماز پڑھتے ہوں کہ ہم نے رسول اللہﷺ کی صحبت اٹھائی اور (کبھی) آپﷺ کو یہ دو رکعتیں پڑھتے نہ دیکھا (بلکہ) تحقیق آپﷺ نے ان دو رکعتوں سے منع فرمایا یعنی عصر کے بعد دو رکعتوں سے۔(بخاری)

مکہ میں اوقاتِ مکروہہ میں نماز کے جواز کی دلیل:

۹۸۳۔وعن أبی ذرؓ قال: وقد صعِدَ علیٰ درجةِ الکعبةِ مَن عرفَنِی فقد عرفَنی ومن لم یعرِفْنِی فأنا جُندبٌ سمعتُ رسولَ اللہﷺ یقول:لاصلوٰۃ بعدَ الصبح حتیّٰ تطلُعَ الشمسُ ولابعدَ العصرِ حتیّٰ تغربَ الشمسُ الّا بمکّةَ الّا بمکّة.

ترجمہ:حضرت ابوذرؓ نے کعبہ کی سیڑھی پر چڑھ کر فرمایا کہ جس نے مجھے پہچانا، تحقیق اُس نے مجھے پہچانا اور جس نے مجھے نہیں پہچانا تو (وہ پہچان

لے کہ) میں جنب ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کی نماز کے بعد کوئی (نفل) نماز (جائز) نہیں یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو اور عصر کے بعد بھی (کوئی نماز) نہیں یہاں تک کہ سورج غروب ہو مگر مکہ میں، مگر مکہ میں، مگر مکہ میں۔ (احمد، رزین)

فائدہ: یہ حدیث امام شافعیؒ کی دلیل ہے۔ احناف کی جانب سے اس حدیث کا جواب ماقبل میں (باب کے شروع میں) گذر چکا ہے۔

(بابُ الجَماعَةِ وفضلِهَا)

''الفصل الاوّل''

جماعت کی نماز کا ثواب:

٩٨٤۔عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللهﷺ: صلاةُ الجماعةِ تفضلُ صلاةَ الفذِّ بسبعٍ وعشرينَ درجةً .[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جماعت کی نماز اکیلے آدمی کی نماز سے ستائیس درجہ زیادہ ہوتی ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: اس حدیث سے اور اس باب کی دوسری احادیث سے باجماعت نماز کی فضیلت اور اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ نیز ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی تکمیل کے سلسلہ میں جماعت ایک اعلیٰ درجہ کی شرط ہے۔

نماز باجماعت کی حیثیت:

نماز باجماعت کے حوالے سے دو طرح کی احادیث وارد ہیں: ایک طرح کی احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت پڑھنا افضل اور مندوب ہے جیسا کہ مذکورہ حدیثِ ابن عمرؓ، جبکہ دوسری طرح کی احادیث سے جماعت کے معاملے میں نہایت تغلیظ اور تشدید معلوم ہوتی ہے، مثلاً مذکورہ حدیث کے متصل بعد حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث: ''قال رسولُ اللهﷺ: والذي نفسي بيدهِ! لقد هَمَمْتُ أن آمُرَ بحطبٍ فيُحطَب ثمّ امرُ بالصلاةِ... '' (بخاری ومسلم) اور اس کے متصل حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی دوسری حدیث جس میں ایک ''نابینا صحابی'' کا ذکر ہے جن کو باوجود نابینا ہونے کے آپ ﷺ نے جماعت کی نماز سے معذور نہیں رکھا۔ انہی دو طرح کی احادیث کی بنا پر فقہاء میں جماعت کی حیثیت کے متعلق اختلاف ہوا ہے؛ چنانچہ امام احمدؒ اور امام داؤد ظاہریؒ کے نزدیک نماز باجماعت ''فرضِ عین'' ہے اور بلا عذر تنہا پڑھنا درست نہیں۔

جبکہ امام شافعیؒ کے ہاں ''فرضِ کفایہ'' ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ کے نزدیک مشہور قول کے مطابق جماعت ''سنتِ مؤکدہ قریب بواجب'' ہے۔ جبکہ شیخ ابن الہمام حنفیؒ ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ اکثر مشائخِ احنافؒ کے ہاں نماز باجماعت ''واجب'' ہے؛ باقی اس کو سنت بایں وجہ کہتے ہیں کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے جیسا کہ عیدین کی نماز۔ (نفحات، مرآۃ)

جماعت میں شریک نہ ہونے والوں پر ناراضگی:

٩٨٥۔عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: والّذي نفسي بيده لقد هممتُ أن آمُرَ بحطبٍ فيُحطَبُ ثمّ امرُ رجلاً فيؤ

النـاسَ ثـمّ أُخالِفُ الیٰ رجالٍ [وفی روایۃٍ:لایَشهدُونَ الصلوٰۃ]فأُحرِّقُ علیهم بُیوتَهم ،والّذی نفسی بیدہٖ لویعلمُ أحدُهم أنّه یجدُ عرقًا سمیناأومِزماتین حسَنتَینِ لشهِدَ العشاءَ .[بخاری ولمسلم نحوہ]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اُس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں نے اس بات کا (پکا) ارادہ کرلیا تھا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں اور جب وہ جمع کردی جائیں تو نماز کے لیے اذان کا حکم دوں، پھر ایک آدمی کو مامور کروں کہ لوگوں کو نماز پڑھادے، (اور) پھر میں خود اُن لوگوں کے پاس جاؤں، اور ایک روایت میں ہے کہ (اس کے بعد فرمایا) جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اُن کے گھروں کو (اُن سمیت) جلادوں اور اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر ان (جماعت میں شریک نہ ہونے والوں) میں سے کسی ایک کو معلوم ہو کہ اسے (مسجد میں) گوشت سے بھری ہوئی ہڈی یا دو اچھے کھر مل جائیں گے تو عشاء کی نماز میں ضرور حاضر ہو۔ (بخاری)

ایک نابینا کو باجماعت نماز پڑھنے کا حکم:

۹۸۶۔وعنه قال: أتی النبیَّ ﷺ رجلٌ أعمیٰ ،فقال: یا رسولَ الله! إنّه لیسَ لی قائدٌ یقودُنی إلی المسجد فسألَ رسولَ الله ﷺ أن یُرخِّصَ له فیُصلِّی فی بیتِه فرخَّص له فلمّاولّی دعاہ فقال: هل تَسمَعُ النداء بالصلوٰۃِ؟قال: نعم!قال: فأجِبْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ کے پاس ایک نابینا شخص آیا کہنے لگا کہ یارسول اللہ! میرا کوئی راہبر نہیں جو مجھے مسجد تک لے کر جائے، چنانچہ اُس نابینا نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ اسے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ آپ ﷺ نے اُن کو اجازت دے دی۔ جب وہ جانے لگا تو آپ ﷺ نے اُن کو بلایا اور فرمایا کہ کیا تم نماز کی اذان سنتے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اذان کا جواب دو (یعنی مسجد میں حاضر ہو کر نماز پڑھا کرو)۔ (مسلم)

سخت بارش میں ترکِ جماعت کی گنجائش:

۹۸۷۔وعن ابن عمرؓ أنّه أذّنَ بالصلوٰۃ فی لیلۃٍ ذات بردٍ وریحٍ ثمّ قال: ألا صَلُّوا فی الرِّحال ثمّ قال:إنّ رسولَ الله ﷺ کان یأمرُ المؤذّنَ اذاکانتْ لیلۃُ ذاتِ بردٍ ومطرٍ یقول:ألا اصلُّوافی الرِّحالِ.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے ایک سردی اور (سخت) ہوا والی رات میں نماز کے لیے اذان دی پھر (اذان کے بعد بآوازِ بلند) کہا کہ خبردار! اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔ پھر کہا کہ جب ٹھنڈک اور بارش والی رات ہوتی تو رسول اللہ ﷺ مؤذّن کو حکم دیتے کہ وہ (پکار کر یہ) کہے کہ خبردار! گھروں میں نماز پڑھ لو۔ (متفق علیہ)

نماز کی خشوع کے لیے حضوری ضروری ہے:

۹۸۸۔وعنه قال: قال رسولُ الله ﷺ :"إذا وُضِعَ عَشاءُ أحدِکم وأُقیمتِ الصلوٰۃُ فابدؤُا بالعَشاءِ ولایعجلُ حتیٰ یفرُغَ منه" وکان ابنُ عمریوضَعُ له الطعامُ ویقامُ الصلوٰۃفلایأتیهاحتیٰ یفرغَ منه وإنّه لَیَسمَعُ قراءۃَ الامامِ.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی ایک کے لیے شام کا کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کی تکبیر

کہی جائے تو پہلے کھانا کھاؤ۔ اور (کھانا کھانے والا) جلدی نہ کرے یہاں تک کہ (اطمینان کے ساتھ) کھانے سے فارغ ہو۔ (راوی کہتا ہے کہ) اور حضرت ابن عمرؓ کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور (دوسری طرف) نماز پڑھی جاتی تو آپؓ نماز میں حاضر نہ ہوتے یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہوجاتے، حالانکہ آپؓ امام کی قراءت سن رہے ہوتے۔ (متفق علیہ)

۹۸۹۔وعن عائشةؓ قالت: سمعتُ رسول اللهﷺ يقولُ :لا صلوٰةَ بحضرةِ الطعامِ ولا هو يُدافعُه الأخبثَان.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کھانا تیار ہونے کی صورت میں نماز (مناسب) نہیں اور نہ اس صورت میں کہ اُس (یعنی نمازی) کو دو خبیث چیزیں (پیشاب و پاخانہ) دفع کررہی ہو۔ (مسلم)

تشریح: جب بھوک بھی خوب لگی ہو اور کھانا تیار بھی ہو تو ایسی صورت میں چونکہ نماز میں کامل خشوع اور توجہ نہ رہے گی، بلکہ سارا دھیان کھانے کی طرف ہوگا، چنانچہ نماز اگر چہ ہو تو جائے گی لیکن جس دھیان اور حضوری کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے، اس کے نہ ہونے کی وجہ سے گویا وہ نماز پڑھی ہی نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے: ''میں اپنے کھانے کو نماز بناؤں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ اپنی نماز کو کھانا بناؤں''۔

اقامتِ فرض کے وقت دوسری نماز جائز نہیں:

۹۹۰۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا أُقيمتِ الصلاةُ ،فلا صلاةَ إلا المكتوبةَ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب (فرض) نماز کی اقامت کہی جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز (پڑھنی جائز) نہیں۔ (مسلم)

فجر کی اقامت کے بعد سنتیں پڑھنے کا مسئلہ:

تشریح: قوله: إذا أُقيمتِ الصلاةُ ،فلا صلاةَ إلّا المكتوبة: اس حدیث کی بناپر فقہاء کا اس بات پر تو اتفاق ہوا ہے کہ جب فرض کی اقامت کہہ دی جائے اور جماعت کھڑی ہوجائے تو اب اس کے بعد مسجد میں سنتیں پڑھنا درست نہیں؛ البتہ فجر کی سنتوں میں اختلاف ہے، چنانچہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک فجر کی جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد فجر کی سنتیں بھی مسجد میں پڑھنا جائز نہیں۔ اِن حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ فجر کی جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد بھی فجر کی سنتیں پڑھنا جائز ہے، بشرط یہ کہ جماعت ملنے کا یقین ہو۔ ان حضرات کا استدلال اُن احادیث سے ہے جن میں سنتِ فجر کی فضیلت وارد ہے اور بطورِ خاص اس کی تاکید کی گئی ہے؛ مثلاً حدیثِ عائشہؓ: ''لم يكنِ النبيﷺ علىٰ شيءٍ من النوافلِ أشدَّ تعاهدًا منه علىٰ ركعتي الفجر''۔ (متفق علیہ) [ترجمہ] ''آپﷺ جتنا اہتمام فجر کی سنتوں کا کرتے تھے اتنا کسی دوسرے نفل کا نہیں کرتے تھے''۔ اور مسلم شریف کی یہ حدیث: ''ركعتا الفجرِ خيرٌ من الدنيا وما فيها ''۔ [ترجمہ] ''فجر کی دو سنتیں دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے''۔ اور ابوداؤد شریف کی یہ حدیث: ''عن أبي هريرةؓ قال رسول الله ﷺ:لا تدَعُوا ركعتي الفجرِ ولو طردتْكم الخيل'''۔ [ترجمہ] ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''فجر کی دو سنتوں کو ترک مت کرو اگر چہ گھوڑے تمہیں روندھ ڈالے''۔ اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے بے شمار آثار سے بھی یہ ثابت

ہوتا ہے کہ فجر کی سنتیں جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد بھی پڑھی جاسکتی ہے، مثلاً: عن نافعٍ قال: أيقظتُ ابنَ عمرؓ لصلاةِ الفجرِ وقد أُقيمتِ الصلاةُ فقام فصلّى ركعتين "۔ (طحاوی) یعنی" نافعؒ نے حضرت ابن عمرؓ کو فجر کے لیے جگایا، نماز کھڑی ہوچکی تھی تو حضرت ابن عمرؓ نے دوسنتیں پڑھی"۔ اور" عن ابن مسعودٍؓ أنه دخل المسجدَ والإمامُ في الصلاةِ، فصلّى ركعتي الفجر" (طبرانی، طحاوی) [ترجمہ] "حضرت ابن مسعودؓ ایسے وقت میں مسجد داخل ہوئے کہ امام نماز شروع کر چکا تھا تو آپؓ نے پہلے فجر کی سنتیں پڑھی"۔ اس کے علاوہ امام طحاویؒ نے متعدد صحابہ کے آثار نقل کیے ہیں۔

امام صاحبؒ کی جانب سے امام شافعیؒ وامام احمدؒ کو مذکورہ حدیثِ ابو ہریرہؓ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ مذکورہ احادیث وآثار کے قرینہ سے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سنت جماعت کی صف میں مل کر نہ پڑھے تا کہ جماعت کی مخالفت لازم نہ آئے؛ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مذکورہ دلائل کی بنا پر فجر کی سنت حدیثِ ابو ہریرہؓ کے عموم سے مستثنٰی ہے۔ پھر حضرات احنافؒ کے نزدیک افضل تو یہ ہے کہ سنتِ فجر گھر میں پڑھی جائے ورنہ تو مسجد کے دروازے کے پاس۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو جماعت کی صفوں سے دور ہٹ کر جہاں جگہ میسر آجائے پڑھ لے۔ (نفحات، المسائل والدلائل، مرآۃ)

عورت کا مسجد میں جماعت کے ساتھ شریک ہونا:

۹۹۱۔ عن ابن عمرؓ قال: قال النبيُّ ﷺ: إذا استأذنَت إمرءةُ أحدِكم إلى المسجد، فلا يمنعَنّها. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اس کو ہرگز منع نہ کرے

تشریح: اس روایت سے عورتوں کا مسجد کے اندر نماز پڑھنے کے لیے آنا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار احادیث اس پر دال ہیں کہ عہدِ نبوی میں عورتیں مسجد اور عید گاہ میں حاضر ہوا کرتی تھیں۔ حضرات سلف صالحین میں اس حوالے سے اختلاف ہوا ہے، چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک ہر عورت ہر نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہوسکتی ہے خواہ بوڑھی ہو یا جوان۔ اور بعض علماء کے نزدیک کوئی بھی عورت کسی بھی نماز کے لیے مسجد نہیں جاسکتی خواہ بوڑھی ہو یا جوان۔ بعض حضرات کے ہاں جوان عورتوں کو منع کیا جائے گا اور بوڑھی عورتوں کو اجازت ہوگی۔

حضرات حنفیہؒ کا قولِ محقق یہ ہے کہ جوان عورتوں کو جمعہ اور عیدین سمیت کسی بھی نماز کے لیے مسجد جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، کیونکہ اِن کا نکلنا فتنہ سے خالی نہیں، خصوصاً آج کل جب کہ فسادِ زمانہ عروج پر ہے؛ البتہ بوڑھی عورتوں کو صرف عیدین کے لیے نکلنے کی اجازت ہوگی، اگر چہ یہ بھی خلافِ اُولٰی ہے، چنانچہ فصلِ ثانی میں حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث ہے: "قال رسول الله ﷺ: صلاةُ المرءةِ في بيتها أفضل من صلاتها في حُجرتها، وصلاتها في مِخدعِها أفضلُ من صلاتِها في بيتِها"۔ (ابوداؤد)

حضرات حنفیہؒ اُن احادیث (جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں آپ ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں آیا کرتی تھی) کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ عہدِ رسالت کا زمانہ "خیر کا زمانہ" تھا، نیز کئی مصلحتیں بھی پیشِ نظر تھی، مثلاً: کافروں کا حوصلہ مارنے کی خاطر مسلمانوں کی عددی کثرت کا مظاہرہ اور تعلیمِ احکام، کیونکہ آپ ﷺ عموماً نمازوں کے اوقات میں احکام بتاتے تھے۔ اب نہ ہی تو زمانہ وہ رہا اور نہ عورتوں میں وہ احتیاط باقی رہی اور نہ ہی مسلمانوں کی عددی قلت کا شکوہ رہا، نیز اسلامی احکام بھی شائع وذائع ہوگئے، لہٰذا اب عورتوں کو نماز کی غرض سے

مساجد کی طرف نکلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی؛ چنانچہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کا ارشاد مروی ہے "لو أدرك رسولُ اللهِ ﷺ ما أحدثَ النساءُ، لَمَنعهنّ المسجدَ كما مُنِعت نساءُ بنی إسرائيل"۔[ترجمہ]"آج کی عورتوں کی حالت کو حضور ﷺ ملاحظہ فرما لیتے تو ان کو مسجد آنے سے منع فرمادیتے جیسا کے بنی اسرئیل کی عورتیں منع کی گئیں"۔(نفحات، المسائل والدلائل)

عورت خوشبو لگا کر مسجد میں حاضر نہ ہو:

۹۹۲۔عن زينب إمرأةِ عبد الله بن مسعودؓ قالت: قال لنا رسولُ اللهِ ﷺ: إذا شهدتْ إحداكنّ المسجدَ فلاتمُسّ طِيبًا.

ترجمہ: حضرت زینبؓ جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ ہے کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک مسجد میں حاضر ہو تو خوشبو نہ لگائے۔(مسلم)

۹۹۳۔وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ايّما إمرأةٍ أصابتْ بُخورًا ،فلا تَشهدْ معنا العشاءَ الآخرةَ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت بخور(خوشبو) لگائے تو وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں شریک نہ ہو۔

"الفصل الثانی"

عورت کی افضل نماز:

۹۹۴۔عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ :لا تمنعُوا نساءَكُم المساجدَ، وبيوتُهنّ خيرٌ لهنّ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی عورتوں کو مسجدوں سے منع مت کرو اور اُن کے گھر اُن کے لیے بہتر ہیں۔

۹۹۵۔وعن ابن مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ :صلوٰةُ المرأةِ فی بيتِها أفضلُ مِن صلوٰتِها فی حُجرتِها وصلوٰتُها فی مَخدعِها أفضلُ مِن صلاتِها فی بيتِها.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور اُس کا اپنی کوٹھری میں نماز پڑھنا (کھلے) مکان میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔(ابوداؤد)

۹۹۶۔وعن أبی هريرةؓ قال: إنّی سمِعتُ حِبّی أبا القاسمِ ﷺ يقولُ :لا تُقبَلُ صلوٰةُ امرأةٍ تطيّبتْ للمسجدِ حتیّ تغتسِلَ غُسلَها مِن الجنابةِ .[أبوداؤد، وروی أحمد والنسائی نحوه]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب ابو القاسم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس عورت کی نماز قبول نہیں کی جاتی جو مسجد(جانے) کے لیے خوشبو لگائے یہاں تک کہ جنابت والا غسل کرے۔(ابوداؤد، احمد)

خوشبو لگا کر باہر نکلنے والی عورت زنا کار ہے:

۹۹۷۔وعن أبی موسیٰؓ قال: قال رسول الله ﷺ :كلُّ عينٍ زانيةٍ وإنّ المرأةَ إذا اِستَعطَرتْ فمرّتْ بالمجلسِ فهی كذا وكذا ـيعنی زانية۔[ترمذی ،أبوداؤد، وللنسائی نحوه]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر (بدنظری کرنے والی) آنکھ زنا کار ہے اور جو عورت خوشبو لگا کر (مردوں کی) کسی مجلس پر سے گزرے تو وہ ایسی ایسی ہے یعنی زنا کار ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

منافقین پر بھاری دو نمازیں:

۹۹۸۔ وعن أبيّ بن كعبؓ قال: صلّىٰ بنا رسولُ الله ﷺ يوماً الصبحَ، فلمّا سلّم، قال: أشاهِدٌ فلانٌ قالوا: لا، قال: إنّ هاتين الصلوٰتين أثقلُ الصلوٰت على المنافقين، ولو تعلمون مافيهما لأتيتُموهما ولو حَبْواً على الرُّكَبِ وإنّ الصفّ الأوّل علىٰ مثلِ صفّ الملائكةِ ولو علمتمُ ما فضيلتُه لابتدَرتُموه وإنّ صلوٰةَ الرجلِ مع الرجلِ أزكىٰ مِن صلوٰته وحدَه وصلوٰتُه مع الرجلين أزكىٰ مِن صلوٰته مع الرجلِ وما كثُرَ فهو أحبُّ الى الله. [أبو داؤد، نسائی]

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں صبح کی نماز پڑھائی، پس جب سلام پھیرا تو پوچھا کہ فلاں حاضر ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ یہ دو نمازیں منافقین پر سب سے زیادہ بھاری ہیں اور اگر تم ان نمازوں کا ثواب جان لیتے تو تم یہ نمازیں پڑھنے کے لیے گھٹنوں کے بل چل کر آتے۔ اور پہلی صف فرشتوں کے صف کی مانند ہے، اگر تم اس کی فضیلت جان لو تو تم اس کی طرف جلدی کرنے لگو۔ اور ایک آدمی کی نماز (باجماعت) دوسرے آدمی کے ساتھ افضل ہے، تنہا نماز پڑھنے سے اور دو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے اور جتنے لوگ زیادہ ہوں گے تو وہ نماز اللہ کو (اتنی ہی) محبوب ہوگی۔ (ابوداؤد، نسائی)

تین آدمی بھی باجماعت نماز ادا کریں:

۹۹۹۔ وعن أبي الدرداءؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مامن ثلثةٍ في قريةٍ ولا بَدْوٍ لا تُقامُ فيهم الصلوٰةُ الّا قدِ استحوذَ عليهم الشيطانُ فعليك بالجماعةِ فإنّما يأكل الذئبُ القاصيةَ. [أحمد، أبو داؤد]

ترجمہ: ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بستی اور جنگل میں تین آدمی ہوں اور (وہاں) نماز (جماعت کے ساتھ) قائم نہ کی جاتی ہو تو شیطان اُن پر غالب ہو جاتا ہے، لہذا جماعت کو لازم سمجھ، کیونکہ بھیڑیا (ریوڑ سے) دور رہنے والی بکری کو کھا جاتا ہے۔

بلاعذر تنہا پڑھی جانے والی نماز:

۱۰۰۰۔ وعن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: مَن سمعَ المنادِيَ، فلم يمنعُه مِن اتّباعِه عذرٌ، قالوا: وما العذرُ؟ قال: خوفٌ أو مرضٌ؛ لم تُقبلُ منه الصلوٰةُ الّتي صلّى. [أبو داؤد، دارقطني]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مؤذن (کی اذان) کو سنا پھر اس کی تابعداری سے کوئی عذر مانع نہ ہو۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ عذر سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خوف یا مرض، تو اس کی وہ نماز جو اس نے (تنہا) پڑھی قبول نہ ہوگی۔

پیشاب پاخانہ روک کر نماز نہ پڑھی جائے:

۱۰۰۱۔ عن عبد الله بن أرقمؓ قال: سمِعتُ رسولَ الله ﷺ يقولُ: إذا أُقيمتِ الصلوٰةُ ووجدَ أحدُكم الخلاءَ فليبدأْ بالخلاءِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب نماز کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کسی کو

قضائے حاجت کا تقاضا ہو تو پہلے وہ قضائے حاجت کرلے (جماعت میں شریک نہ ہو)۔(ابوداؤد، ترمذی، مالک، نسائی)

۱۰۰۲۔وعن ثوبانؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ثلاثٌ لا يحلّ لأحدٍ أن يفعلهنّ لا يؤمّنّ رجلٌ قومًا فيخصّ نفسه بالدعاء دونهم فإن فعل ذلك فقد خانهم ولا ينظر في قعر بيتٍ قبل أن يستأذن فإن فعل ذلك فقد خانهم ولا يصلّ وهو حقنٌ حتىٰ يتخفّف.[أبو داؤد، ترمذی]

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں جس کا کرنا کسی کے لیے حلال نہیں (اول یہ کہ) کوئی شخص کسی قوم کا (اس طور پر) امام نہ بنے کہ اُن (مقتدیوں) کو دعا میں شریک کیے بغیر اپنی ذات کو دعا کے ساتھ مخصوص کرے، اگر ایسا کیا تو اس نے اُن کے ساتھ خیانت کی، (دوم یہ کہ) اجازت حاصل کرنے سے پہلے کسی گھر کے اندر نہ جھانکے، اگر ایسا کیا تو اس نے اُن (گھر والوں) کے ساتھ خیانت کی اور پیشاب پاخانہ روکے رکھ کر نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ (قضائے حاجت کر کے) ہلکا ہو۔(ابوداؤد، ترمذی)

۱۰۰۳۔وعن جابرؓ قال: قال رسول اللهﷺ: لا تؤخّروا الصلوٰة لطعامٍ ولا لغيره.[رواه في شرح السنّة]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: نماز کو کھانے یا کسی اور وجہ سے (مشروع وقت سے) مؤخر مت کرو۔(شرح السنہ)

''الفصل الثالث''

عہدِ رسالت میں منافق بھی جماعت نہ چھوڑتے:

۱۰۰۴۔عن عبد الله بن مسعودؓ قال: لقد رأيتُنا وما يتخلّف عن الصلوٰة إلا منافقٌ قد عُلِم نفاقُه أو مريضٌ، إن كان المريضُ ليمشي بين رجلين حتىٰ يأتي الصلوٰةَ وقال: إنّ رسولَ اللهﷺ علّمنا سننَ الهُدٰى وإنّ مِن سننِ الهُدٰى الصلوٰةُ في المسجدِ الّذي يُؤذّنُ فيه .وفي روايةٍ قال: مَن سرّه أن يلقى اللهَ غدًا مُسلمًا فليُحافِظْ علىٰ هذه الصلوٰتِ الخمسِ حيثُ يُنادٰى بهنّ فإنّ اللهَ شرعَ لنبيّكم سُننَ الهُدٰى وإنّهنّ مِن سُننِ الهُدٰى ولو أنّكم صلّيتُم في بُيوتِكم كما يُصلّي هذا المُتخلّفُ في بيتِه لتركتُم سنّةَ نبيّكم ولو تركتُم سنّةَ نبيّكم لضللتُم وما مِن رجلٍ يتطهّر فيُحسنُ الطهورَ ثمّ يعمدُ الىٰ مسجدٍ مِن هذه المساجدِ الّا كتبَ اللهُ له بكلِّ خطوةٍ يخطوها حسنةً ورفعه بها درجةً وحطّ عنه بها سيّئةً ولقد رأيتُنا وما يتخلّفُ عنها الّا مُنافقٌ معلومُ النفاقِ ولقد كان الرجلُ يُؤتىٰ به يُهادِي بين الرجلَين حتىٰ يُقامَ في الصّفِّ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے (عہدرسالت میں) دیکھا کہ (جماعت کی) نماز سے صرف وہ منافق ہی پیچھے رہتا جس کا نفاق (سب کو) معلوم ہوتا (عام منافقین کو جماعت چھوڑنے کی ہمت نہ تھی) یا مریض (پیچھے رہ جاتا) اگر مریض دو آدمیوں کے درمیان چل کر آ سکتا تو (آجاتا) یہاں تک کہ جماعت میں شریک ہو جاتا۔ آپؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ہمیں [سنن ہدیٰ] کی تعلیم دی۔ اور جس مسجد میں اذان دی جاتی ہو اُس میں (جماعت کے ساتھ) نماز پڑھنا بھی سنن ہدیٰ میں سے ہے۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جس کو یہ بات خوش کرے کہ کل (قیامت) کو اللہ سے (کامل) مسلمان کی حیثیت سے ملے تو وہ ان نمازوں کی ایسی جگہ محافظت کرے جہاں اُس کے لیے اذان دی جاتی ہو (یعنی مساجد میں) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لیے ہدایت

پیچھے رہنے والا اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے (فلاں) جیسا کہ یہ لگ جاؤ پڑھنے نماز میں گھروں اپنے تم اگر اور ہیں فرمائے مشروع طریقے کے
تو تم اپنے نبی کی سنت کو چھوڑنے والے ہوں گے اور اگر اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور جو کوئی شخص اچھے طریقے سے وضو کرتا ہے پھر (نماز با جماعت کی غرض سے) ان مساجد میں سے کسی مسجد کا قصد کرتا ہے تو ہر قدم پر جو وہ (مسجد کی جانب) اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اُس سے (ہر قدم کے بدلہ میں) ایک گناہ معاف کرتا ہے۔ اور ہم تو اپنا یہ حال دیکھتے تھے کہ جماعت کی نماز سے سوائے کھلے ہوئے منافق کے کوئی پیچھے نہ رہتا اور تحقیق کہ (بیمار) آدمی دو آدمیوں کے سہارے لایا جاتا یہاں تک کہ صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔ (مسلم)

سننِ ہدیٰ اور سننِ عادیہ:

تشریح: قولہ: إنّ رسول اللہ ﷺ علّمنا سنن الھدٰی ....: آپ ﷺ کے افعال دو قسم کے ہیں: (اول) جو افعال آپ ﷺ بطور عبادت فرماتے، مثلاً: جماعت کی نماز۔ اس قسم کے افعال کو "سنن ھدیٰ" کہا جاتا ہے۔ (دوم) جو افعال آپ ﷺ بطورِ عادت فرماتے، مثلاً: عمامہ باندھنا۔ اس قسم کے افعال کو "سنن زوائد" یا "سننِ عادیہ" کہا جاتا ہے۔

سنن ہدیٰ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) سننِ مؤکدہ (۲) سنن غیر مؤکدہ۔

"سنن مؤکدہ" آپ ﷺ کے اُن افعال کو کہتے ہیں جن پر آپ نے مواظبت فرمائی ہو اور امت کو اُن کے کرنے کی تاکید کی ہو۔ جبکہ "غیر مؤکدہ" سے مراد آپ ﷺ کے وہ افعال ہیں جن کو نہ خود آپ نے بطریقِ مواظبت کیا ہو اور نہ امت کو اُن افعال کے کرنے کی تاکید کی ہو۔ یہاں یہ اشکال نہ ہونا چاہیے کہ جماعت کی نماز تو واجب یا قریب با واجب ہے تو اس پر سنن ہدیٰ کا اطلاق کیوں کیا گیا؟ کیونکہ درجہ بالاتعریف اور لغت کی رو سے "واجب" بھی "سننِ ہدیٰ" کے زمرے میں آتا ہے۔ (مظاہر حق)

عشاء میں نہ آنے والوں پر مزاجِ اقدس کی برہمی:

۱۰۰۵۔ وعن أبی هریرة رضی اللہ عنہ عن النبیّ ﷺ قال: لولا ما فی البیوتِ من النّساءِ والذُّرّیة أقمتُ صلوٰة العشاءِ وأمرتُ فُتیانی یُحرِّقُونَ مافی البیوتِ. [أحمد]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز قائم کر کے اپنے جوانوں (یعنی خادموں) کو حکم دیتا کہ جو (جماعت میں شریک نہ ہونے والے) گھروں میں ہے ان کو آگ میں جلا دے۔ (احمد)

اذان سننے کے بعد مسجد سے نکلنا مناسب نہیں:

۱۰۰۶۔ وعنه قال: أمرنا رسولُ اللہ ﷺ إذا کنتم فی المسجد، فَنُودِیَ بالصلوٰۃ، فلا یخرجُ أحدُکم حتیّٰ یُصلِّیَ. [أحمد]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ جب تم (پہلے سے) مسجد میں (موجود) ہو اور نماز کے لیے اذان دی جائے تو نماز پڑھے بغیر تم میں سے کوئی (بھی) مسجد سے نہ نکلے۔ (احمد)

۱۰۰۷۔عن أبی الشعثاءؒ قال: خرجَ رجلٌ من المسجد بعدَ ما أُذِّن فیه ،فقال أبو هریرةؓ :أمّا هذا، فقد عصٰی أباالقاسمﷺ.

ترجمہ:ابوالشعثاءؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص اذان دیے جانے کے بعد مسجد سے سے نکلا (یعنی چلا گیا) تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اس شخص نے ابوالقاسمﷺ کی نافرمانی کی۔(مسلم)

۱۰۰۸۔وعن عثمان بن عفانؓ قال: قال رسول اللهﷺ :مَن أدرکَه الأذانُ فی المسجدِ ثمّ خرجَ لم یخرجُ لحاجةٍ وهو لایُریدُ الرجعةَ فهومُنافقٌ.[ابن ماجة]

ترجمہ:حضرت عثمان بن عثمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جس کو مسجد میں اذان پالے پھر وہ مسجد سے بغیر کسی حاجت کے نکلے اور واپس آنے کا ارادہ بھی نہ ہو تو وہ منافق ہے۔(ابن ماجہ)

۱۰۰۹۔وعن ابن عباسؓ عن النبیّﷺ قال: من سمِع النداءَ ،فلم یُجِبه ،فلا صلاةَ له إلّا مِن عذرٍ.[دارقطنی]

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ نبی پاکﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے اذان سنی اور جواب نہ دیا (یعنی جماعت میں شریک نہ ہوا اور تنہا نماز پڑھ لی) تو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر عذر کی وجہ سے۔(دارقطنی)

۱۰۱۰۔وعن عبد الله بن أمّ مکتومؓ قال: یا رسولَ الله! إنّ المدینةَ کثیرةُ الهوامِّ والسباعِ وأنا ضریرُ البصرِ فهل تجدُ لی مِن رُخصةٍ؟ قال: هل تسمعُ " حیّ علی الصلوٰة ، حیّ علی الفلاح"؟قال :نعم !قال: فحیَّ هلًا ولم یُرخّص.[أبو داوٗد،نسائی]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن امّ مکتومؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مدینہ میں موذی جانور اور درندے بہت سے ہیں اور میں نابینا ہوں، کیا آپ میرے لیے (جماعت کی نماز میں شریک نہ ہونے کی) رخصت پاتے ہیں؟ آپﷺ نے فرمایا کہ کیا آپ "حیّ علی الصلوٰة ، حیّ علی الفلاح" (یعنی اذان) سنتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں! (یہ سن کر) آپﷺ نے فرمایا: (جماعت میں) حاضر ہوا کرو اور انہیں (ترکِ جماعت کی) رخصت نہ دی۔(ابوداؤد، نسائی)

۱۰۱۱۔وعن أمّ الدرداءؓ قالت: دخلَ علیّ أبو الدرداءِ وهوَ مُغضَبٌ، فقلتُ: ماأغضَبكَ ؟قال: والله ! ماأعرفُ مِن أمرِ أمّةِ محمدشیئًاالاّأنّهم یُصلُّون جمیعًا.[بخاری]

ترجمہ:حضرت امّ درداءؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابودرداءؓ غصہ میں بھرے ہوئے میرے پاس آئے، میں نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو غصہ دلایا ہے؟ فرمایا: اللہ کی قسم! میں تو امت محمد کے متعلق صرف یہی بات جانتا ہوں کہ وہ اکٹھے (باجماعت) نماز پڑھتے ہیں۔(بخاری)

فجر کی جماعت میں شریک ہونے کا ثواب:

۱۰۱۲۔وعن أبی بکر بن سُلیمانَ بن أبی حثمةَ قال: إنّ عمرَ بن الخطاب فقدَ سُلیمانَ بن أبی حثمةَ فی صلوٰةِ الصبحِ وإنّ عمرَ غدا الی السُّوقِ ومَسکنُ سلیمان بین المسجدِ والسوقِ فمرّ علیٰ الشفاء أمِّ سلیمان فقال لها:لمْ أرَ سُلیمان فی الصبحِ فقالتْ :إنّه باتَ یُصلّی فغلبتْه عیناه،فقال عمرُ :لأن أشهَدُصلوٰةَ الصبحِ فی جماعةٍ أحبَّ الیّ مِن أن أقومَ لیلةٍ.[مالك]

ترجمہ:حضرت ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے (ایک مرتبہ) سُلیمان بن ابی حثمہ کو فجر کی نماز میں نہ پایا حضرت عمرؓ صبح بازار گئے۔ سُلیمان کا گھر مسجد اور بازار کے درمیان تھا، تو حضرت عمرؓ کا سُلیمان کی والدہ ''شفاءؓ'' پر گزر ہوا تو اُن سے فرمایا

کہ (کیا بات ہے) میں نے سُلیمان کو فجر کی نماز میں نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ سُلیمان ساری رات (نفل) نماز پڑھتا رہا تو (صبح ہونے پر) اس کی آنکھ لگ گئی۔ (یہ سن کر) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں صبح کی نماز کی جماعت میں حاضر ہوں، یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ساری رات (نوافل میں) قیام کروں۔ (مالک)

دو اور دو سے زیادہ آدمیوں کی جماعت:

۱۰۱۳۔ وعن أبي موسىٰ الأشعريؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: اثنانِ فما فوقَها جماعةٌ. [ابن ماجه]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا دو شخص اور دو سے زیادہ جماعت ہے (یعنی جماعت کی نماز کم از کم دو آدمیوں سے بھی ہو جاتی ہے)۔ (ابن ماجہ)

ابن عمرؓ کا اپنے صاحبزادے سے ناراض ہونا:

۱۰۱۴۔ وعن بلال بن عبد الله بن عمرؓ عن أبيه قال: قال رسول اللهﷺ: لا تمنعُوا النساءَ حُظوظَهنّ فقال بلال: والله! لَنَمْنَعُهُنّ، فقال له عبدالله: أقولُ "قال رسولُ اللهﷺ" وتقولُ أنت: "لنمنعُهنّ". وفي روايةِ سالم عن أبيه قال: فأقبلَ عليه عبدُالله فسبّه سبّاماسمعتُ سبّه مِثلَه قطُّ وقال: أُخبرُك عن رسولِ اللهﷺ وتقول: والله! لَنَمْنَعُهنّ. [مسلم]

ترجمہ: بلال بن عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد (عبداللہ بن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تم عورتوں کو اُن کے مساجد کے حصوں سے منع مت کرو، جب وہ تم سے (مسجد جانے کی) اجازت مانگے۔ بلال نے (یہ حدیث سن کر) کہا کہ اللہ کی قسم! ہم تو انہیں ضرور منع کریں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ میں تو کہہ رہا ہوں کہ اللہ کا رسول یہ فرماتا ہے اور تو کہتا ہے کہ ہم عورتوں کو ضرور منع کریں گے۔ اور سالمؒ اپنے والد (عبداللہ بن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اُن (بلال) کی طرف متوجہ ہوئے اور اُنہیں اس قدر برا بھلا کہا کہ میں نے کبھی بھی حضرت عبداللہؓ کو اس قدر برا بھلا کہتے نہیں سنا تھا اور فرمایا: میں رسول اللہﷺ کی طرف سے (حدیث کی) خبر دے رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ ہم انہیں ضرور منع کریں گے۔ (مسلم)

۱۰۱۵۔ وعن مجاهد عن عبد الله ابن عمرؓ أنّ النبيّﷺ قال: لا يمنعنّ رجلٌ أهله أن يأتوا المساجدَ، فقال ابنٌ لعبدالله بن عمر: فإنّانمنعُهنّ فقال عبدالله: أُحدّثُك عن رسولِ اللهﷺ وتقولُ هذا، فما كلّمه عبدُ الله حتىّ مات. [أحمد]

ترجمہ: مجاہدؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاکﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کو مسجد آنے سے منع نہ کرے، (یہ سن کر) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ایک بیٹے نے کہا کہ ہم تو عورتوں کو ضرور منع کریں گے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں تو تجھے رسول اللہﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں اور تو یہ کہہ رہا ہے۔ مجاہد کہتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے موت تک اُن کے ساتھ بات نہیں کی۔ (احمد)

(بابُ تَسْوِيَةِ الصَّفِّ)

''الفصل الاوّل''

صف بندی کا مسئلہ:

١٠١٦۔عن النعمان بن بشیرؓ قال: كان رسولُ اللهﷺ يُسوّي صُفوفَنا حتّیٰ كأنّما يُسوّي بها القِداحَ حتّیٰ رای أنّاقد عقلنا عنه ثمّ خرج يوماً فقام حتّیٰ كاد أنْ يُكبّرَ فرای رجلاً باديا صدرَهٗ مِن الصفِّ فقال: عبادَ اللهِ لَتُسَوُّنّ صُفوفَكُم أو لَيُخالِفَنّ اللهُ بين وُجوهِكم .[مسلم]

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا کیا کرتے تھے گویا اُن کے ساتھ تیروں کو سیدھا کرتے حتیٰ کہ یہاں تک کہ آپﷺ نے دیکھا کہ ہم (صفوں کو سیدھا کرنا) سمجھ گئے ہیں۔ پھر ایک دن نکلے اور (نماز کے لیے) کھڑے ہوگئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ تکبیر کہہ دیتے کہ ایک آدمی کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا تو فرمایا کہ اے اللہ کے بندوں! اپنی صفوں کو سیدھا کیا کرو، یا (سیدھا نہ کرنے کی صورت میں) اللہ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔ (مسلم)

تشریح: قوله: كانَ رسولُ اللهﷺ يُسوّي صفوفنا.....۔جمہور فقہاء کے نزدیک تسویۃ الصفوف (صفوں کو سیدھا کرنا) نہ تو نماز کی حقیقت میں داخل ہے اور نہ ہی اس کی شرائط میں سے ہے۔ البتہ اُن سنتوں میں سے ہے جن پر نماز کا حسن وکمال موقوف ہے۔ حضرات حنفیہؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''تسویۃ الصفوف'' سنتِ مؤکدہ ہے اور اس کو ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے؛ اس پر دلیل وہ احادیث ہیں جن میں صفوں کو سیدھا نہ رکھنے پر وعیدیں آئی ہیں، مثلاً: مذکورہ روایت کہ اس کے آخر میں وارد ہے: ''لَتُسَوُّنّ صفوفَكم أو لَيُخالِفَنّ الله بينَ وجوهكم''۔ اسی طرح فصلِ ثالث میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ارشاد ہے: ''مَن وصَل صفّاً وصلَه الله ومن قطعه قطعه الله'' (ابوداؤد) ترجمہ: ''اللہ اس شخص کو اپنی رحمت سے ملا دے جو صف کو ملانے والا ہو اور جو صف کو کاٹے تو اللہ اُس کو اپنی رحمت سے کاٹ دے''۔ بقولِ ملا علی قاریؒ اس وعید کی تشدید کی بنا پر علامہ ابنِ حجرؒ نے تسویۃ الصفوف کے ترک کرنے کو کبائر میں سے شمار کیا ہے۔

قوله: كأنّما يُسوّيٰ بها القداح ...۔''قِداح'' ''قِدحٌ'' کی جمع ہے جو تیر کو کہتے ہیں۔ مذکورہ جملہ صفوں کے سیدھے پن کی تعریف میں مبالغہ ہے یعنی وہ صفیں اس قدر سیدھی ہوتیں کہ اُس کے ذریعہ سے گویا تیروں کو سیدھا کیا جاتا۔

١٠١٧۔وعن أنسؓ قال: أُقيمتِ الصلوٰةُ فأقبلَ علينا رسولُ اللهﷺ بوجهِه، فقال: أقِيمُوا صفوفَكم وتراصُّوا فإنّي أراكم مِن وراءِ ظهري.[بخاری] وفي المتفقِ عليه :قال :أتِمُّوا الصُّفوفَ فإنّي أراكُم من وراءِ ظهري.

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نماز کی اقامت کہی گئی تو نبی پاکﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اپنے صفوں کو سیدھا رکھو اور باہم مل مل کر کھڑے ہوا کرو، بے شک میں اپنی پشت کے پیچھے سے تمہیں دیکھتا ہوں۔ (بخاری) اور ایک دوسری متفق علیہ روایت میں

ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی صفوں کو پورا کرو کیونکہ میں اپنی پشت پیچھے سے تمہیں دیکھتا ہوں۔

صف سیدھی رکھنا نماز کی تکمیل میں سے ہے:

۱۰۱۸۔وعنه قال: قال رسول اللہ ﷺ: سَوُّوا صفوفکم ،فإنّ تسویةَ الصفوفِ مِنْ إقامةِ الصلوٰة .[متفق علیه ؛الاّ أنّ عندمسلم"مِن تمام الصلوٰة".]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی صفوں کو برابر کرو، کیونکہ صفوں کو برابر کرنا نماز قائم کرنے کا حصہ ہے۔(متفق علیہ)البتہ مسلم کی روایت میں[من إقامة الصلوٰة] کی بجائے [من تمام الصلوٰة] کے الفاظ ہیں۔

صفوں میں اختلاف دلوں میں اختلاف کا باعث:

۱۰۱۹۔وعن أبی مسعود الأنصاریؓ قال: کان رسولُ اللہ ﷺ یمسَحُ مناکبَنا فی الصلوٰة ویقولُ: استَوُوا ولاتختلفوا فتختلفُ قلوبُکم لِیَلِنِی منکم أولوا الأحلام والنُّھی،ثمّ الّذین یلونَھم ثمّ الذین یلونَھم .قال أبومسعود: فانتم الیومَ أشدُّ اختلافًا.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں (صفوں میں کھڑا ہوتے وقت) ہمارے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرماتے کہ برابر (کھڑے) رہو اور آگے پیچھے کھڑے مت ہو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ چاہیے کہ تم میں سے بالغ و عاقل میرے قریب (کھڑے) ہو پھر وہ لوگ جو (عقل و شعور میں) اُن کے قریب ہوں پھر وہ لوگ جو اُن کے قریب ہوں۔ (یہ حدیث سنا کر) حضرت ابومسعودؓ نے (اپنے مخاطبین سے) فرمایا کہ آج تم لوگ (صفیں سیدھی نہ رکھنے کی وجہ سے آپس میں) شدید اختلاف رکھتے ہو۔ (مسلم)

مساجد میں شور و غل نہیں مچانا چاہیے:

۱۰۲۰۔عن عبداللہ بن مسعودؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لِیَلِینِی منکم أولوا الأحلامِ والنُّھیٰ ثمّ الذین یلونَھم [ثلاثاً] وایّاکم وھَیْشَاتِ الأسواقِ.[مسلم]

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بالغ و عاقل (لوگوں) کو میرے قریب (کھڑے) ہونا چاہیے، پھر انہیں (کھڑا ہونا چاہیے) جو اُن کے قریب ہوں۔ (یہ) تین مرتبہ فرمایا۔ اور (فرمایا کہ) بازاروں کی طرح شور کرنے سے بچو۔

تشریح: قوله: لِیلِینی منکم أولوا الأحلام والنُّھیٰ ....:۔[الأحلام]حلمٌ کی جمع ہے بمعنیٰ بردباری، یہاں "بلوغت" مراد ہے اور [النّھیٰ]،نُھیةٌ کی جمع ہے بمعنیٰ عقل جو بری باتوں سے روکے۔

اس حدیث میں صف بندی سے متعلق یہ ہدایت ہے کہ عقل و دانش کے اعتبار سے ممتاز لوگ میرے (یعنی نبی پاک ﷺ کے) قریب کھڑے ہوں اور پھر اسی اعتبار سے درجہ بہ درجہ دوسرے لوگ کھڑے ہوں۔ چنانچہ امام کے قریب پہلی صفوں میں بالغ اور صاحب عقل مرد کھڑے ہوں، اس کے بعد والی صفوں میں مراہق (قریب البلوغ) اور نابالغ بچوں کو کھڑا ہونا چاہیے، اس کے بعد مخنثوں کی صف ہونی چاہیے اور سب سے آخر میں عورتوں کی صف ہونی چاہیے۔

قولہ: وإيّاكم وهيشاتِ الأسواق:۔[هيشات] هيشةٌ کی جمع ہے شور مچانے کے معنیٰ میں۔ مطلب یہ ہے کہ مساجد میں بازاروں کی طرح شورمت مچاؤ۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں "ھیشةٌ" اختلاط اور ملنے کے معنیٰ میں ہیں یعنی جس طرح بازاروں میں لوگ بلا کسی تمیز وترتیب کے ملے جُلے ہوتے ہیں اس طرح بوقتِ نماز مسجد میں نہیں ہونا چاہیے بلکہ مسجد میں مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے صفیں بنانی چاہیے؛ یہ معنیٰ یہاں زیادہ مناسب ہے۔ (نفحات، مظاہر حق)

۱۰۲۱۔وعن أبي سعيد الخدريّ قال: رأى رسولُ الله ﷺ في أصحابه تأخُّرًا ،فقال لهم: تقدّموا واتمُّوا بي وليأتَمّ بكم مَن بعدَكم لايزالُ قومٌ يتأخّرون حتىٰ يُؤَخّرَهم اللهُ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہؓ کو دیکھا کہ پیچھے رہ رہے ہیں (یعنی صف میں آگے نہیں بڑھ رہے) تو اُن سے فرمایا کہ آگے بڑھو اور میری اقتداء کرو تا کہ جو لوگ تمہارے پیچھے کھڑے ہوں وہ تمہاری اقتداء کریں۔ (پھر فرمایا کہ) کچھ لوگ (صف میں قصداً) پیچھے کھڑے ہوں گے یہاں تک کہ اللہ اُن کو (اپنے فضل وکرم سے) پیچھے (یعنی محروم) فرمادے گا۔ (مسلم)

ملائکہ کی طرح صف بندی:

۱۰۲۲۔وعن جابر بن سمرةؓ قال: خرج علينا رسول الله ﷺ فرانا حَلَقًا،فقال: مالي أراكم عِزِين،ثمّ خرج علينا فقال: ألا تَصُفُّون كماتصُفُّ الملائكةُ عندَ ربّها فقُلنا:يارسولَ الله!و كيفَ تصفُّ الملائكةُ عندَ ربّها ؟قال: يُتِمُّون الصُّفوفَ الأولىٰ ويتراصّون في الصفّ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت جابر بن سمُرہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ہمیں حلقے بنائے ہوئے بیٹھے دیکھا تو فرمایا: کیا بات ہے کہ تمہیں (الگ الگ) جماعتوں (کی صورت) میں دیکھ رہا ہوں (یعنی اس طرح مت بیٹھا کرو) پھر (ایک مرتبہ) آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ تم اس طرح صف کیوں نہیں باندھتے جس طرح ملائکہ اپنے رب کے ہاں صف باندھتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ملائکہ اپنے رب کے ہاں کیسے صف باندھتے ہیں؟ فرمایا کہ پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں جُڑ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ (مسلم)

بہترین صف مرد وعورت کے لیے:

۱۰۲۳۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: خيرُ صفوفِ الرجالِ أوّلُها، وشرُّها آخرُها وخيرُ صفوفِ النساءِ اخرُها و شرُّ هاأوّلُها.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمیوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین صف پچھلی صف ہے (عورتوں کے صف کے قریب ہونے کی وجہ سے) اور عورتوں کی بہترین صف پچھلی صف ہے اور بدترین صف پہلی صف ہے۔ (مسلم)

"الفصل الثانی"

شیطان کا بکری کے بچہ کی مانند صفوں میں داخل ہونا:

۱۰۲٤۔عن أنسؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: رُصُّوا صُفوفكم وقاربوا بينها وحاذُوا بالأعناقِ فوالّذي نفسي بيدِه!إنّي لأرىٰ

الشیطٰنَ یدخلُ مِن خلَلِ الصفّ کأنّھاالحذفُ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی صفیں ملی ہوئی رکھو اور صفوں کو باہم قریب قریب رکھو اور اپنی گردنیں برابر رکھو۔ قسم ہے اس ذات کی، جس کے دستِ تصرف میں میری جان ہے! بے شک میں دیکھتا ہوں کہ شیطان بکری کے سیاہ (رنگ) بچے کی مانند تمہاری صفوں کی شگافوں میں داخل ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

۱۰۲۵۔وعنه قال: قال رسول اللهﷺ: أتِمّوا الصفّ المُقَدّمَ ،ثمّ الّذی یلیه فما کان من نَقصٍ فَلْیَکُنْ فی المؤخّر.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی صف کو پورا کرو، پھر جو صف اس کے قریب ہو (اس کو پورا کرو) تاکہ صف میں جو کمی ہو تو وہ پچھلی صف میں ہو۔ (ابوداؤد)

صف بندی کے لیے اٹھنے والا قدم:

۱۰۲۶۔وعن البرآء بن عازبؓ قال: کان رسولُ الله ﷺ یقولُ: إنّ اللّٰه وملائکتَه یُصلُّون علی الّذینَ یَلُوْنَ الصفوفَ الأولیٰ ومامِن خُطوۃٍأحبُّ الی اللهِ مِن خطوۃٍ یمشیھایَصِلُ به صفاً.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت برآء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ اور اُس کے ملائکہ اُن لوگوں پر رحمت بھیجتے ہیں جو پہلی صفوں کے قریب (کھڑے) ہوتے ہیں اور اللہ کو اس قدم سے محبوب کوئی قدم نہیں جو صف ملانے کے لیے آدمی اٹھاتا ہے۔ (ابوداؤد)

فرشتوں کی رحمت صف کے دائیں طرف والوں پر:

۱۰۲۷۔وعن عائشةَ قالت: قال رسولُ اللهﷺ: إنّ اللهَ وملائکته یُصَلُّون علیٰ میامِنِ الصفوفِ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اور اس کے ملائکہ صفوں کے دائیں طرف (والوں) پر رحمت بھیجتے ہیں۔

۱۰۲۸۔عن النعمان بن بشیرؓ قال: کان رسولُ اللهﷺ یُسوّی صفوفَنا إذا قُمنا إلی الصلوٰۃِ ،فإذا استوینا کبّرَ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ہماری صفیں برابر کیا کرتے تھے، چنانچہ جب ہم برابر (کھڑے) ہوجاتے تو آپ ﷺ تکبیر کہتے۔ (ابوداؤد)

۱۰۲۹۔عن أنسٍ قال: کان رسول اللهﷺ یقولُ عن یمینه:اعتدلوا، سَوُّوا صفوفَکم،وعن یساره: اعتدلُوا،سوُّوا صفوفَکم.

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دائیں طرف (متوجہ ہوکر) فرماتے تھے کہ سیدھے کھڑے ہوجاؤ، اپنی صفیں برابر کرلو اور (پھر) بائیں طرف (متوجہ ہوکر) فرماتے کہ سیدھے کھڑے ہوجاؤ، اپنی صفیں برابر کرلو۔ (ابوداؤد)

بہترین لوگ وہ ہیں....

۱۰۳۰۔وعن ابن عباسؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: خیارُکم ألْیَنُکم مناکبَ فی الصلوٰۃِ .[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جن کے مونڈھے نماز میں نرم ہو (یعنی اگر کوئی اس کا مونڈھا پکڑ کر اسے صف میں برابر کھڑا کرنا چاہے یا کوئی اس کے برابر کھڑا ہونا چاہے تو اُسے منع نہ کرے)۔ (ابوداؤد)

''الفصل الثالث''

١٠٣١۔وعن أنسؓ قال: كان النبيﷺ يقولُ: إِسْتَوُوْا، استووا، استووا، فوالّذى نفسى بيده إنّى لأراكم مِن خلفى كماأراكم مِن بينِ يدَىَّ.[أبوداؤد]

ترجمہ:انسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاکﷺ (جماعت شروع کرنے سے پہلے) فرماتے کہ برابر (کھڑے) ہوجاؤ، برابر ہوجاؤ، برابر ہوجاؤ۔اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں اپنے پیچھے سے تمہیں اس طرح دیکھتا ہوں جیسا کہ تمہیں سامنے سے دیکھتا ہوں۔

١٠٣٢۔عن أبى أمامةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: إنّ الله وملائكته يُصلّونَ على الصفّ الأوّلِ، قالوا: يارسولَ الله!وعلى الثاني؟ قال:إنّ الله وملائكته يُصلّونَ على الصفّ الأوّلِ،قالوا: يارسولَ الله!وعلى الثاني؟قال:إنّ الله وملائكته يُصلّونَ على الصفّ الأوّلِ،قالوا: يارسولَ الله!وعلى الثاني؟قال: وعلى الثاني،وقال رسولُ اللهﷺ:سوُّوا صُفُوفَكم وحاذُوا بينَ مناكبِكم ولِينُوا فى أيدى إخوانِكم وسُدُّوا الخللَ فإنّ الشيطانَ يدخلُ فيمابينَكم بمنزلةِ الحَذَفِ۔يعني أولادَ الضأنِ الصغار۔

ترجمہ:حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اُس کے فرشتے پہلی صف (والوں) پر رحمت بھیجتے ہیں۔صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اور دوسری صف (والوں) پر بھی (رحمت بھیجتے ہیں؟) آپﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صف (والوں) پر رحمت بھیجتے ہیں۔صحابہؓ نے (پھر) عرض کیا: یارسول اللہ! اور دوسری صف (والوں) پر بھی؟ آپﷺ نے (پھر) فرمایا کہ اللہ اور اُس کے فرشتے پہلی صف (والوں) پر رحمت بھیجتے ہیں۔صحابہؓ نے (پھر) عرض کیا کہ یارسول اللہ! اور دوسری صف (والوں) پر بھی؟ (اس بار) آپﷺ نے فرمایا کہ اور دوسری صف (والوں) پر بھی (رحمت بھیجتے ہیں) اور رسول اللہﷺ نے (یہ بھی) فرمایا کہ اپنی صفوں کو برابر کیا کرو اور اپنے مونڈھوں کو ایک برابر رکھا کرو اور اپنے بھائیوں کے آگے نرم رہو (یعنی اگر وہ تمہیں صف میں برابر کرنا چاہے تو برابر ہوجایا کرو) اور شگافوں (یعنی صفوں کے درمیان خالی جگہوں) کو بند کرو کیونکہ شیطان "حَذَف" (بھیڑ کے چھوٹے بچے) کی مانند بن کر تمہارے درمیان داخل ہوتا ہے۔(احمد)

اپنے بھائیوں کے آگے نرم رہو:

١٠٣٣۔وعن ابن عمرؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: أقيموا الصفوفَ وحاذوا بين المناكب وسُدُّوا الخللَ ولِينُوابأيدى إخوانكم ولاتذرُوافُرُجاتِ الشيطن ومَن وصَلَ صفًّا وصلَه اللهُ ومَن قطعَه قطعَهُ اللهُ .[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ صفوں کو سیدھا کرو اور مونڈھوں کو برابر رکھو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں (یعنی اُن کے آگے) نرم ہوجایا کرو اور شیطان کے فُرجے (یعنی صف میں خالی جگہیں) مت چھوڑو اور جس نے صف کو ملایا اُس کو اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) ملائے گا اور جس نے صف کو توڑا اللہ تعالیٰ اُس کو (اپنی رحمت سے) کاٹے گا۔(ابوداؤد)

١٠٣٤۔وعن أبى هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: تَوَسَّطُوا الإمامَ وسُدُّوا الخَلَلَ .[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام کو بیچ میں رکھو (یعنی صف امام کے پیچھے سے اس طرح بناؤ کہ دائیں بائیں آدمی برابر ہو) اور (صفوں کے) شگافوں کو بند کرو۔ (ابوداؤد)

صف سے پیچھے رہنے پر وعید:

۱۰۳۵۔وعن عائشة قالت: قال رسولُ الله ﷺ: لا يزالُ قومٌ يتأخّرُونَ عن الصفِّ الأوّلِ حتّى يُؤخِّرُهم اللهُ في النّار.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمیشہ ایک جماعت پہلی صف سے پیچھے ہٹتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُن کو دوزخ میں پیچھے رکھے گا (یعنی انجام کار دوزخ میں جائیں گے یا دوزخ سے نجات پانے کے اعتبار سے پیچھے رہیں گے)۔ (ابوداؤد)

صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے پر اعادہ کا حکم:

۱۰۳۶۔عن وابصة بن معبدؓ قال: راى رسولُ الله ﷺ رجلاً يُصلّي خلفَ الصفِّ وحدَه ،فأمره أن يُعيدَ الصلوٰة.

ترجمہ: حضرت وابصہ بن معبدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو صف کے پیچھے تنہا (کھڑے ہوا) نماز پڑھتے دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ دوبارہ نماز پڑھ لے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

(بابُ المَوْقِفِ)

"الفصل الاوّل"

ایک مقتدی امام کے کس طرف کھڑا ہو؟:

۱۰۳۷۔عن عبدالله بن عباسؓ قال: بِتُّ في بيتِ خالتِي ميمونةَ،فقامَ رسولُ الله ﷺ يُصلّي فقُمتُ عن يسارِهِ فأخذَ بيدي مِن وراءِ ظهرِهِ فعدلَني كذلكَ مِن وراءِ ظهرِهِ الى الشّقِّ الأيمنِ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے گھر میں رات گذاری۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ (جب تہجد کی) نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو میں (بھی) آپ ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا۔ آپ ﷺ نے اپنی پشت پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اسی طرح اپنی پشت کے پیچھے سے دائیں جانب پھیر دیا (یعنی کھڑا کیا)۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: فأخذ بيدي من وراءِ ظهرِهِ فعدلَني كذلِكَ من وراءِ ظهري إلى الشقِّ الأيمن: ۔اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے ابن عباسؓ کو (جو کہ آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے تھے) اپنے دائیں طرف کھڑا فرمایا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مقتدی اگر ایک ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو، اگر وہ مقتدی غلطی سے یا ناواقفیت سے امام کے بائیں کھڑا ہوگیا تو امام کو چاہیے کہ اس کو عملِ قلیل کے ساتھ اپنے پیچھے سے پھرا کر دائیں جانب کھڑا کردے۔ اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ تنہا مقتدی امام کے دائیں طرف بالکل برابر کھڑا ہو۔

جبکہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مقتدی امام سے اتنا پیچھے کھڑا ہو کہ مقتدی کا پنجہ امام کے ایڑھیوں کے برابر ہو، کیونکہ مقتدی کا امام کے برابر کھڑے ہونے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ مقتدی کہیں غیر شعوری طور پر امام سے آگے نہ بڑھ جائے جس سے مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس قول میں چونکہ احتیاط ہے لہٰذا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ (نفحات)

تین آدمیوں کی جماعت:

۱۰۳۸۔وعن جابرؓ قال: قام رسولُ اللهﷺ لِيُصلِّيَ فجئتُ حتّىٰ قُمتُ عن يسارِه فأخذَ بيدي فأدارَني حتّىٰ أقامَني عن يمينِه ثمّ جاءَ جبارُ بن صخرٍ فقام عن يسارِ رسولِ اللهﷺ فأخذَ بيدَينا جميعًا فدفَعَنا حتّىٰ أقامَنا خلفَه. [مسلم]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو میں (بھی) آ گیا اور آپ ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا چنانچہ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھمایا اور اپنے دائیں جانب کھڑا کر دیا پھر جبار بن صخر بھی آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔ نبی پاک ﷺ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کر (ایک کا اپنے دائیں ہاتھ سے اور دوسرے کا بائیں ہاتھ سے) ہمیں ہٹایا اور اپنے پیچھے کھڑا کر دیا۔ (مسلم)

مقتدی دو ہوں تو امام کہاں کھڑا ہوگا؟:

تشریح: قوله: فأخذ بيدِينا جميعًا، فدفَعَنا حتى أقامنا خلفَه: ۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مقتدی دو ہوں تو اُن دونوں کو امام کے پیچھے صف بنا کر کھڑے ہونا چاہیے؛ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا مسلک یہی ہے۔

جبکہ امام ابو یوسفؒ کے ہاں ایسی صورتحال میں امام دونوں مقتدیوں کے درمیان صف میں کھڑا ہو۔ آپؒ حضرت ابن مسعودؓ کے اس اثر سے استدلال فرماتے ہیں: ''عن ابن مسعودٍ أنّه صلّى بعلقمةَ والأسودِ، فأقامَ أحدَهما عن يمينِه والآخرَ عن يسارِه، ورواه عن النبيّ ﷺ ''(ترمذی) ترجمہ: ''حضرت ابن مسعودؓ نے علقمہ اور اسود کو اس طرح نماز پڑھائی کہ ایک کو اپنے دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف کھڑا کیا اور نبی پاک ﷺ سے اس کی روایت بیان کی''۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی جانب سے اس اثر کے درج ذیل جواب دیے گئے ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعودؓ کا یا نبی پاک ﷺ کا ایسا کرنا جگہ کی تنگی کی بنا پر محمول ہے۔

(۲) حضرت ابن مسعودؓ کا یہ عمل جسے آپؓ نے نبی پاک ﷺ سے روایت بھی کیا، مکروہ تنزیہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے بیانِ جواز کے لیے دو مقتدیوں کے درمیان میں کھڑے ہو کر نماز پڑھائی ہو، کیونکہ یہ بات مسلّم ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھار بیانِ جواز کے لیے مکروہ تنزیہی پر بھی عمل فرماتے۔ (نفحات)

عورت کہاں کھڑی ہوگی؟:

۱۰۳۹۔عن أنسؓ قال: صلّيتُ أنا ويتيمٌ في بيتِنا خلفَ النبيِّ ﷺ وأمُّ سُليمٍ خلفَنا. [مسلم]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے اور یتیم نے اپنے مکان میں نبی پاک ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور ام سُلیم نے ہمارے پیچھے۔

۱۰۴۰۔وعنه أنّ النبيّ ﷺ صلّى به وبأمّه أو خالته قال: فأقامني عن يمينه وأقامَ المرأةَ خلفنا.

ترجمہ:حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے اُن کواوراُن کی والدہ یا خالہ کونماز پڑھائی،لہذا مجھے اپنے دائیں طرف کھڑا کیا اور عورت کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا۔(مسلم)

صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہونے کی کراہت:

۱۰۴۱۔عن أبي بكرةؓ أنّه انتهى إلى النبيّ ﷺ وهو راكعٌ،فركعَ قبلَ أن يصِلَ إلى الصفِّ ثمّ مشى الى الصّفّ فذكرَ ذلك لِلنبيّ ﷺ فقال: زادَكَ اللهُ حِرصًاو لاتَعُدْ.[بخاری]

ترجمہ:حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی پاک ﷺ تک (جماعت کی نماز میں شامل ہونے کے لیے) پہنچےاور حال یہ تھا کہ آپ ﷺ رکوع میں تھے،چنانچہ انہوں نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کرلیا پھر(رکوع کی حالت میں آہستہ آہستہ) چل کرصف تک گئے،پھر نبی پاک ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا،تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ (نیک کاموں میں) آپ کی حرص اورزیادہ فرمائے،دوبارہ (ایسا) نہ کرنا۔ (بخاری)

صف کے پیچھے تنہا پڑھی جانے والی نماز کے اعادے کا مسئلہ:

تشریح: قوله: فركعَ قبلَ أن يصلَ إلى الصف ثمّ مشى إلى الصف ...:۔صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہوکرنماز پڑھنا مکروہ اور ناپسندیدہ عمل ہے۔یہاں اس بارے میں اختلاف ہوا ہے کہ صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہونے سے نماز فاسد اور واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں ؟چنانچہ امام ابوحنیفہؒ،امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس طرح نماز ہوجاتی ہے اگر چہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ان حضرات کی دلیل مذکورہ حدیث ہے اس میں ذکر ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ نے صف کے پیچھے تنہا نماز شروع کی اور کچھ نماز ادا بھی کرلی اوراس کا تذکرہ نبی پاک ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے اُن کو نماز کے اعادے کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ ''زادك الله حِرصاً و لا تَعُد.''(یعنی اللہ آپ کی حرصِ نماز کو اور زیادہ فرمائے البتہ پھر صف کے پیچھے تنہا نماز مت پڑھو) اس سے کراہت ثابت ہوتی ہے نہ کہ نماز کا فساد۔

جبکہ امام احمدؒ کے ہاں صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے سے نماز فاسد اور واجب الاعادہ ہوجاتی ہے۔آپؒ ''باب تسوية الصفوف'' کی آخری روایت سے استدلال کرتے ہیں،جو یہ ہے:''عن وابصةَ بن معبدؓ قال: رأى رسول الله ﷺ رجلاً يُصلّي خلفَ الصفّ وحده فأمرَه أن يُعيدَ الصلاة.''(احمد،ترمذی،ابوداؤد) یعنی''ایک شخص کو نبی پاک ﷺ نے صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھتے دیکھا تو اُس کو اعادۂ صلاۃ کا حکم دیا''۔

جمہور ائمہؒ کی جانب سے اِس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ روایت اکثر محدثین کے نزدیک مضطرب اور ضعیف ہے،لہٰذا قابلِ استدلال نہیں۔یا حضرت ابوبکرہؓ کی حدیث کے قرینہ سے اس میں وارد نماز کے اعادے کا حکم استحباب پر محمول ہے۔

قوله: ولا تعد:۔اس کو درج ذیل تین طرح سے پڑھا گیا ہے:

(۱)لا تَعُد [تاء کے فتحہ اور عین کے ضمہ کے ساتھ] مصدر عودٌ (دوبارہ کرنا) سے۔اس صورت میں مطلب ہوگا کہ دوبارہ ایسا مت کر کہ نماز

میں اتنی دیر سے آؤ کہ رکعت فوت ہونے لگے، ایسے ہی صف کی طرف دوڑنے اور صف کے پیچھے تنہا کھڑے ہونے کا عمل دوبارہ مت کر۔

(۲) لا تَعدُ [تاء کے فتحہ، عین کے سکون اور دال کے ضمہ کے ساتھ] عَدْوٌ مصدر سے بمعنیٰ دوڑنے کے۔ اس صورت میں مطلب ہوگا کہ نماز میں دوڑ کر مت آؤ۔

(۳) لاتُعِد [تاء کے ضمہ، عین کے کسرہ اور دال کے سکون کے ساتھ] اِعادۃٌ مصدر سے بمعنیٰ لوٹانا۔ یعنی اس پڑھی ہوئی نماز کو مت لوٹاؤ۔

بقولِ علامہ عسقلانی پہلا والا یعنی ''لا تَعُد'' (عود مصدر سے) اس مقام کے زیادہ مناسب اور جامع ہے۔ (نفحات، المسائل والدلائل)

''الفصل الثانی''

۱۰۴۲۔عن سمُرة بن جُندبؓ قال: أمرنا رسولُ الله ﷺ إذا كنّا ثلاثة أن يتقدّمَنا أحدُنا. [ترمذی]

ترجمہ: سمُرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جب ہم تین شخص ہوتو ہم میں سے ایک (امامت کے لیے) آگے بڑھے۔ (ترمذی)

امام کا لوگوں سے اونچی جگہ کھڑا ہونا:

۱۰۴۳۔وعن عمّارٍ أنّه أمّ النّاسَ بالمدائن وقامَ علىٰ دُكّانٍ يُصلّي والنّاسُ أسفلُ منه ،فتقدّمَ حذيفةُ فأخذَ علىٰ يديه فاتبعَه عمّار حتىّٰ أنزلَه حُذيفةُ فلمّافرغ عمّارمن صلوٰته قال له حذيفةُ:ألم تسمَعْ رسولَ الله ﷺ يقول:اذاأمّ الرجلُ القومَ فلايقُم فی مقامٍ أرفعَ مِن مقامِهم [أو نحوَ ذلك]فقال عمّارٌ:لذلك اتّبعتُكَ حينَ أخذتَ علىٰ يدَيَّ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت عمارؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے مدائن میں لوگوں کو امامت کرائی اور ایک چبوترے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگا، جبکہ لوگ (یعنی مقتدی) آپؓ سے نیچے کھڑے تھے۔ چنانچہ حضرت حذیفہؓ نے آگے بڑھ کر حضرت عمارؓ کے دونوں ہاتھ پکڑے (تاکہ اُن کو نیچے لے آئیں) انہوں نے حضرت حذیفہؓ کی متابعت کی یہاں تک کہ حذیفہؓ نے اُن کو نیچے اتار دیا۔ جب عمارؓ اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو حذیفہؓ نے اُن سے کہا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ جب آدمی کسی جماعت کو امامت کرائے تو ایسی جگہ کھڑا نہ ہو جو مقتدیوں کی جگہ سے بلند ہو، تو (یہ سن کر) حضرت عمارؓ نے کہا کہ تب ہی تو میں آپ کے پیچھے چلا آیا جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑا۔ (ابوداؤد)

تعلیم کے پیشِ نظر آنحضرت کا منبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھانا:

۱۰۴۴۔وعن سهل بن سعد الساعديؓ أنه سُئِل من أيّ شيٍ المنبرُ؟ فقال: هو مِن أثلِ الغابةِ عمِلَه فلانٌ لرسولِ الله ﷺ وقامَ عليه رسولُ الله ﷺ حينَ عُمِلَ ووُضِعَ فاستقبلَ القبلةَ و كبّرَ وقامَ النّاسُ خلفَه فقرأ وركعَ وركعَ النّاسُ خلفَه ثمّ رفعَ رأسَه ثمّ رجعَ القهقرىٰ فسجدَ علىٰ الأرضِ ثمّ عاد الى المنبر ثمّ قرأ ثمّ ركعَ ثمّ رفعَ رأسَه ثمّ رجعَ القهقرىٰ حتىّٰ سجدَ بالأرضِ. [هذا لفظُ البخاری]وفی المتفقِ عليه نحوَه وقال فی آخره:"فلمّافرغَ أقبلَ على النّاسِ فقال:أيّهاالنّاسُ إنّماصنعتُ هذالتأتمّوابی ولِتَعلّموا صلوٰتی.

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے مروی ہے کہ آپؓ سے پوچھا گیا کہ (نبی پاک ﷺ کا) منبر کس چیز (لکڑی) کا تھا؟ آپؓ نے کہا کہ

وہ جنگل کی جھاؤ کا تھا جس کو فلاں عورت کے فلاں غلام نے نبی پاک ﷺ کے لیے بنایا تھا اور جب وہ تیار ہوا اور (مسجد) میں رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ اس پر کھڑے ہوئے اور قبلہ رو ہو کر (نماز کے لیے) تکبیر کہی اور لوگ آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قرأت کی اور رکوع فرمایا اور لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے رکوع کیا، پھر آپ ﷺ نے (رکوع سے) سر اٹھایا اور پچھلے پاؤں ہٹ کر زمین پر سجدہ کیا پھر منبر پر واپس آئے، پھر قراءت کی، پھر رکوع کیا، پھر (رکوع سے) سر اٹھایا، پھر پچھلے پاؤں ہٹے یہاں تک کہ زمین پر سجدہ کیا۔ [یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور متفق علیہ روایت میں اسی طرح ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ] آپ ﷺ جب (نماز سے) فارغ ہوئے تو لوگوں کی جانب رُخ کر کے فرمایا کہ اے لوگو! میں نے ایسا اس لیے کیا تا کہ تم میری پیروی کرو اور میری نماز جان لو۔

آنحضرت کا حجرۂ اعتکاف سے لوگوں کو تراویح کرانا:

۱۰۴۵۔عن عائشةؓ قالت: صلّیٰ رسولُ اللهﷺفی حُجرته والنّاسُ یأتمُّونَ به من وراء الحُجرةِ.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حُجرہ میں نماز پڑھی اور لوگ حجرہ کے باہر سے آپ کی اقتدا کر رہے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے حُجرہ سے لوگوں کو امامت کرائی۔ واضح رہے کہ یہاں حُجرہ سے مراد وہ خیمہ ہے جو مسجدِ نبوی کے اندر آپ ﷺ کے لیے اعتکاف کی غرض سے بنایا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ اس کے اندر ہی سے لوگوں کو تراویح پڑھائی اور انہوں نے باہر سے آپ ﷺ کی اقتداء کی۔ اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ امام و مقتدی دونوں مسجد کے اندر ہوں جیسا کہ یہاں اس حدیث میں مذکور ہے۔ مذکورہ وضاحت سے معلوم ہوا کہ یہاں حضرت عائشہؓ کا حجرہ مراد نہیں کیونکہ اگر حضرت عائشہؓ کا حجرہ مراد ہوتا تو حضرت عائشہؓ یہاں ''فی حُجرته'' کی بجائے ''فی حُجرتی'' فرماتیں۔ (نفحات)

صف بندی کا طریقہ:

۱۰۴۶۔عن أبی مالك الأشعریؓ قال: ألا أُحدّثُکم بصلوٰة رسول اللهﷺ قال: أقامَ الصلوٰةَ وصفَّ الرجالُ وصفَّ خلفَهم الغِلمانُ ثمّ صلّی بهم فذکرَ صلوٰته ،ثمّ قال: هکذاصلوٰةُ .قال عبدالأعلیٰ :لاأحسبُه الاّ قال:''اُمّتی''.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعریؓ کہتے ہیں کہ کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ بتاؤں؟ (تو سنو) کہا کہ آپ ﷺ نے نماز قائم کی اور مردوں نے صف باندھی اور اُن کے پیچھے لڑکوں نے صف باندھی، پھر آپ نے اُن کو نماز پڑھائی، پھر آپ ﷺ نے نماز کا (مکمل) تذکرہ کیا اور کہا کہ نماز ایسی ہونی چاہیے۔ عبدالاعلیٰ (راوی) کہتا ہے کہ میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی نماز (ایسی ہونی چاہیے)۔

۱۰۴۷۔وعن قیس بن عبادؓ قال: بینا أنا فی المسجدِ فی الصفِّ المقدَّم ،فجبذَنی رجلٌ من خلفِی جبذةً فنحّانی وقامَ مقامی فواللهِ ماعقلتُ صلوٰتی فلمّاانصرفَ اذاهوأُبیّ بن کعبؓ،فقال: یافتیٰ! لایسوءُ كَ اللهُ ،اِنّ هذاعهدٌ مِن النبیّﷺ الینـاأن نلیه ثمّ استقبلَ القبلةَ فقال: هلكَ أهل العقدوربِّ الکعبةِ[ثلاثاً]ثمّ قال: واللهِ !ماعلیهم اسیٰ ولکِنْ اسیٰ علیٰ مَن أضلُّوا،قلتُ یاأبایعقوب! ماتعنی بأهلِ العَقدِ؟قال: الأمراءُ.[نسائی]

ترجمہ: حضرت قیس بن عبادؒ کہتے ہیں کہ اس دوران کہ میں مسجد میں پہلی صف میں (نماز پڑھ رہا) تھا کہ ایک شخص نے مجھے پیچھے سے کھینچا اور

میری جگہ کھڑے ہوگئے ،اللہ کی قسم! میں اپنی نماز سمجھا نہیں۔ چنانچہ جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوئے تو وہ ابی بن کعبؓ تھے۔انہوں نے فرمایا کہ اے نوجوان! اللہ تجھے غم میں مبتلا نہ کرے۔ یہ نبی پاک ﷺ کی طرف سے ہمیں وصیت ہے کہ ہم (نماز میں) آپ ﷺ کے پاس کھڑے ہوا کریں (یعنی امام کے قریب کھڑے ہوا کرے) پھر قبلہ رو (کھڑے) ہوئے اور تین بار فرمایا کہ اہلِ عقد (یعنی سردار) ہلاک ہوگئے ربّ کعبہ کی قسم! پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم! مجھے اِن (سرداروں) کا غم نہیں، بلکہ اُن لوگوں کا غم ہے جن کو سرداروں نے گمراہ کیا، (قیس کہتا ہے کہ) میں نے پوچھا کہ اے ابویعقوب! اہل عقد سے آپ کی مراد کون لوگ ہیں؟ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ امراء (یعنی سردار)۔(نسائی)

(بابُ الإمَامَةِ)

''الفصل الاوّل''

امامت کا زیادہ حقدار کون ہے؟:

۱۰٤۸۔عن أبی مسعودؓ قال: قال رسول اللهﷺ: یؤمُّ القومَ أقرأُھم لکتابِ الله تعالیٰ، فإن کانوا فی القرأۃِ سوآءً فأعلمُھم بالسنّۃِ فإن کانوا فی السنّۃِ سواءٌ فأقدمُھم ھجرۃً فإن کانوا فی الھجرۃِ سواءٌ فأقدمُھم سِنًّا ولا یؤمَّنَّ الرجلُ الرجلَ فی سلطانِہ ولا یقعُدُ فی بیتِہ علیٰ تکرِمتِہ الّا بإذنہ.[مسلم،وفی روایۃٍلہ:"ولا یؤمَّنَّ الرجلُ الرجلَ فی أھلِہ".]

ترجمہ:حضرت ابومسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کو امامت وہ شخص کرائے جو اُن میں اچھا (اور زیادہ) قرآن پڑھنے والا ہو اور اگر وہ سب قراءت میں برابر ہو تو (وہ شخص امامت کرائے) جو سنت سے زیادہ واقف ہو اور اگر سنت (کے علم) میں سب برابر ہو تو (امامت وہ کرائے) جو (مدینہ کی طرف) پہلے ہجرت کر کے آیا ہو اور اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہو تو (امامت وہ کرائے) جو عمر میں سب سے بڑا ہو اور کوئی آدمی دوسرے کی حکومت میں امامت نہ کرائے (یعنی مقرر شدہ امام کی جگہ دوسرا شخص امامت نہ کرے) اور کسی کے گھر میں بغیر اُس کی اجازت کے اُس کی مسند پر نہ بیٹھے۔(مسلم) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے گھر میں اُس کو امامت نہ کرائے

تشریح: قولہ: یؤمّ القومَ أقرأُھم لکتاب الله تعالیٰ ...:۔یہاں یہ بحث ہوئی ہے کہ امامت کا زیادہ حقدار کون ہے؟ چنانچہ امام احمدؒ نے اس حدیث کی بنا پر امامت کی ترتیب میں زیادہ حقدار ''أقرأ'' (جو قرآن کا زیادہ حافظ ہو اور تجوید کا زیادہ ماہر ہو) کو قرار دیا ہے اور اس کے بعد "أعلم" کو (یعنی مسائل سے زیادہ واقف شخص کو جس کو قرآن بقدرِ ضرورت یاد ہو)۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک 'أعلم' کو 'أقرأ' پر ترجیح دی جائے گی۔ یہ حضرات اس سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مرض الوفات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نسبت لوگوں سے فرمایا: '' مُروا أبابکرٍ فَلیُصَلّ بالناس '' [ترجمہ] ''ابوبکر سے کہہ دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے''۔ یہ ارشاد مبارک اس بنا پر تھا کہ سیدنا ابوبکرؓ دیگر تمام صحابہؓ سے اعلم واَفقہ تھے، چنانچہ ابوسعید خدریؓ کی ایک روایت میں ہے: ''وکانَ أبو بکرٍ أعلمنا ''یعنی ''ابوبکرؓ ہم میں سب سے زیادہ علم والے تھے''۔ اگر امامت کا پہلا حقدار "أقرأ" ہوتا تو

اُبی بن کعبؓ کو امام بنایا جاتا جن کے بارے میں خود لسان نبوت نے شہادت دی کہ ''أقرأُكم اُبی''، یعنی ''تم میں سے بڑے قاری اُبی ہیں''۔
ان حضرات کی جانب سے امام احمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کو مذکورہ حدیث کا جواب یہ دیتے ہے کہ اس جگہ ''أقرأهم لكتاب الله'' کا معنی ''أعلمهم بكتاب الله'' ہے۔ (فحات)

١٠٤٩۔وعن أبي سعيدؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: إذا كانوا ثلاثةً فليؤمّ أحدُهم وأحقُّهم بالإمامةأقرءُ هُم.[مسلم]
ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تین آدمی (جمع) ہوں تو اُن میں امامت کا زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو اُن میں (قرآن اور مسائلِ امامت) زیادہ پڑھا ہوا ہو۔ (مسلم)

''الفصل الثانی''

١٠٥٠۔عن ابن عباسؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: لِيُؤذِّنَ لكم خيارُكم ولِيَؤُمّكم قُرّآءُ كم.[أبو داؤد]
ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تمہارے بہترین لوگ تمہارے لیے اذان دیں اور تم میں زیادہ پڑھے ہوئے تمہیں امامت کرائیں۔ (ابوداؤد)

١٠٥١۔وعن أبي عطيّة العُقَيلِيّ قال: كان مالكُ بن الحويرثؓ يأتينا إلىٰ مُصلّانا ويتحدّثُ فحضرتِ الصلوٰةُ يوماً، قال أبوعطيّة: فقلنا له: تقدّمْ فصلّه، قال لنا: قدّموا رجلاً منكم يُصلّي بكم، وسأُحدّثُكم لِمَ أصلّي بكم؟ سمعتُ رسولَ اللهﷺ يقول: مَن زارَ قوماً فلايَؤُمّهم ولْيَؤُمّهم رجلٌ منهم .[أبوداؤد، ترمذی، نسائی الاّ أنّه اقتصرَ علىٰ لفظ النبیّﷺ]
ترجمہ: ابوعطیہ عُقیلی کہتے ہیں کہ حضرت مالک بن حویرثؓ ہمارے پاس ہماری مسجد میں آیا کرتے تھے اور حدیث بیان کیا کرتے تھے۔ ایک دن نماز کا وقت ہوگیا۔ ابوعطیہ کہتے ہیں کہ ہم نے اُن سے عرض کیا کہ آگے بڑھیے اور ہمیں نماز پڑھایئے۔ انہوں نے فرمایا کہ اپنے میں سے کسی آدمی کو آگے کرو جو تمہیں نماز پڑھائے اور میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ میں تمہیں نماز کیوں نہیں پڑھا رہا، (چنانچہ) میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی قوم کی ملاقات کو جائے تو (وہاں جاکر) اُن کو امامت نہ کرائے اور چاہیے کہ اسی قوم میں سے ایک آدمی اُن کی امامت کرائے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

نابینا کی امامت:

١٠٥٢۔وعن أنسؓ قال: استخلفَ رسولُ اللهﷺ ابنَ أُمّ مكتوم يَؤُمُّ الناسَ وهو أعمىٰ .[أبوداؤد]
ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ابن ام مکتومؓ کو (اپنا) قائم مقام بنایا کہ وہ لوگوں کو امامت کرائے حالانکہ وہ نابینا تھے۔

جس امام کو لوگ پسند نہ کرے:

١٠٥٣۔وعن أبي أُمامةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: ثلاثةٌ لاتُجاوِزُ صلاتُهم اذانَهم: العبدُ الآبقُ حتّٰى يرجِعَ وامرأةٌ باتتْ وزوجُها عليها ساخطٌ وإمامُ قومٍ وهم له كارِهون.[روی الترمذی وقال: هذاحديث غريب]
ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز (قبولیت کے لیے) اُن کے کانوں سے آگے

نہیں جاتی بھگوڑا غلام یہاں تک کہ واپس آجائے، وہ عورت جو (اس طرح) رات گذارے کہ اُس کا شوہر اُس سے خفا ہو، کسی قوم کا امام جس کو قوم پسند نہ کرتی ہو۔ (ترمذی)

تشریح: قوله: وإمامُ قومٍ وهم له كارهونَ:۔ امام کے حق میں یہ وعید کہ اُس کی نماز سر سے اوپر نہیں جائے گی یعنی قبول نہ ہوگی، اُس وقت ہے جب کہ لوگ اُس امام کو کسی بدعت، فسق وفجور یا اُس کے جہل کی بنا پر ناپسند کرتے ہوں۔ اور اگر لوگوں کی ناپسندیدگی کی وجہ کوئی دنیوی عداوت ہو یا حق کے معاملہ میں اُس امام کی حق گوئی وبیباکی ہو تو امام کے لیے یہ وعید نہ ہوگی۔ حضرات فقہائے کرام اس پر متفق ہیں کہ جس امام کو قوم ناپسند کرے تو اگر سببِ کراہت اس امام میں ہے تو وہی گناہگار ہوگا اور اگر قوم میں ہے تو قوم گناہگار ہوگی۔ ایسے ہی قوم کے بعض افراد کی ناپسندیدگی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ اکثر قوم امام کو ناپسند کرے۔ (نفحات)

١٠٥٤۔ وعن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ثلثةٌ لا تُقبَلُ منهم صلوٰتهم: مَن تقدَّمَ قومًا وهم له كارهون ورجلٌ أتى الصلوٰةَ دِبارًا والدِّبارُ أن يأتيَها بعدَ أن تفوتَه ورجلٌ اعتبدَ مُحرَّرَةً. [أبو داؤد، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تین (قسم کے) شخصوں کی نماز قبول نہیں کی جاتی (اول) وہ شخص جو (امام بن کر) کسی قوم کے آگے ہو اور لوگ اسے ناپسند کرتے ہو (دوم) وہ شخص جو نماز میں پیچھے آئے اور پیچھے آنا یہ ہے کہ نماز فوت ہو جانے کے بعد نماز پڑھنے آئے (سوم) وہ شخص جو آزاد نفس کو (زبردستی) غلام بنائے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

امامت سے عام گریز قیامت کی علامت:

١٠٥٥۔ عن سلامة بنت الحُرّ قالت: قال رسولُ اللهﷺ: إنّ من أشراطِ الساعةِ أن يتدافعَ أهلُ المسجدِ لايجدُونَ إمامًا يُصلّي بهم. [أحمد، أبو داؤد، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت سلامہ بنت حُرؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ (بھی) ہے کہ مسجد کے لوگ (فسق وفجور یا نااہلیت کی وجہ سے امامت کو) باہم دفع کریں گے (یعنی ایک دوسرے پر ٹالیں گے اور امام بننے سے گریز کریں گے) لہذا کوئی امام نہیں پائیں گے جو اُن کو نماز پڑھائے۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

فاسق کی امامت:

١٠٥٦۔ وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: الجهادُ واجبٌ عليكم مع كلِّ أميرٍ برًّا كان أو فاجرًا وإنْ عمِل الكبائرَ والصلوٰة واجبةٌ عليكم خلفَ كلِّ مسلمٍ برًّا كان أو فاجرًا وإن عمل الكبائرَ، والصلوٰة واجبةٌ على كلِّ مسلمٍ برًّا كان أو فاجرًا وإن عمل الكبائرَ. [أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر ہر امیر [خواہ وہ نیک ہو یا بد] کی ماتحتی میں جہاد کرنا واجب ہے، اگرچہ وہ کبیرہ گناہ ہی کرے اور ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنی واجب ہے خواہ وہ (امام) نیک ہو یا بد اگرچہ کبیرہ گناہ ہی کرے اور ہر مسلمان پر نمازِ (جنازہ) پڑھنا واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اگرچہ کبیرہ گناہ ہی کرے۔ (ابوداؤد)

''الفصل الثالث''

نابالغ کی امامت کا مسئلہ:

۱۰۵۷۔عن عمرو بن سلِمةؓ قال: کُنّا بماءٍ مَمَرَّ النّاسِ یمرُّ بنا الرُّکبان ،نسئلُھم ما للنّاسِ؟ ماھذا الرجل؟فیقولونَ :یزعمُ أنّ اللہ أرسلَہ أوحی الیہ،أوحی الیہ کذا،فکنتُ أحفظُ ذلک الکلام فکأنّمایغرِی فی صدری وکانتِ الربُ تلومُ بإسلامھم الفتحَ ،فیقولون:أترکوہ وقومَہ فإنّہ إنْ ظھر علیھم فھو نبیٌّ صادقٌ فلمّا کانتْ وقعةُ الفتحِ بادرَ کلُّ قومٍ بإسلامھم وبدَرَ أبی قومی بإسلامِھم،فلمّاقدِمَ ،قال: جئتکُم واللہ! مِن عندِ النبیِّ حقّاً فقال:صلُّوا صلوٰۃَ کذافی وقتِ کذاوصلُّوا کذافی حین کذا،فإذاحضرتِ الصلوٰۃُ فلیُؤذِّنْ أحدُکم فلیؤُمّکم أکثرُکم قرآناًفنظروافلم یکُنْ أحدٌ أکثرَقرآناً مِنّی لماکنتُ أتلقّی مِن الرُّکبانِ فقدّمُونی بین أیدیھم وأناابن ستٍّ[أو سبعٍ]سِنینَ وکانتْ علیّ بُردةٌ کنتُ اذاسجدتُ تقلّصتْ عنّی،فقالتْ امرأةٌ مِن الحیّ :ألاتُغطُّواعنّااِستَ قارئکم فاشترَوْافقطعُوالی قمیصًافمافرحتُ بشیءٍ فرَحی بذلک القمیص.[بخاری]

ترجمہ:حضرت عمرو بن سلمہؓ کہتے ہیں کہ ہم پانی (چشمے) کے پاس لوگوں کی گذرگاہ میں رہتے تھے،ہمارے پاس سے قافلے گذرتے تھے،ہم اُن سے پوچھتے کہ لوگوں کو کیا (ہو رہا) ہے؟لوگوں کو کیا (ہو رہا) ہے؟یہ آدمی (نبی پاک ﷺ) کیسا ہے؟تو قافلہ والے کہتے کہ یہ شخص دعویٰ کرتا ہے کہ اُس کو اللہ نے (نبی بنا کر) بھیجا ہے اور اس کے پاس یہ یہ وحی بھیجی ہے(قافلہ والے قرآن کی آیات سناتے) چنانچہ میں اس کلام (آپ ﷺ کے اوصاف اور آیاتِ قرآن) کو یاد کرتا تھا گویا وہ میرے سینے میں چمٹا دیا جاتا اور عرب اپنے اسلام لانے کے حوالے سے فتح کے منتظر تھے چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ اِس (مدعی رسالت) کو اور اس کی قوم کو (اپنی حالت پر) چھوڑ دو پس اگر وہ اُن پر غالب آتا ہے تو وہ سچا نبی ہے، چنانچہ جب (مکہ) فتح ہو گیا تو ہر قوم اسلام لانے میں جلدی کرنے لگی اور میرے والد نے اسلام لانے میں میری قوم پر پہل کی، جب میرے والد (مشرف باسلام ہونے کے بعد مدینہ سے اپنی قوم کے پاس) آئے تو کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! میں تمہارے پاس نبی برحق کے ہاں سے آیا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم فلاں نماز فلاں وقت میں (اس طرح) پڑھو اور فلاں نماز فلاں وقت میں (پڑھو) اور جب نماز کا وقت ہو جایا کرے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور تمہیں نماز وہ پڑھائے جو تم میں زیادہ قرآن جاننے والا ہو۔(نماز کا وقت آجانے پر) لوگوں نے دیکھا (کہ کس کو قرآن زیادہ یاد ہے) تو مجھ سے زیادہ کسی کو بھی قرآن یاد نہ تھا کیونکہ میں قافلہ والوں سے قرآن سیکھا کرتا تھا، چنانچہ انہوں نے مجھے (نماز پڑھانے کے لیے) اپنے آگے کیا اور میں چھ یا سات برس کا بچہ تھا اور میرے (بدن) پر ایک (چھوٹی سی) چادر تھی، چنانچہ میں جب سجدہ کرتا تو وہ مجھ سے سمٹ جاتی (اور سرین کھل جاتے) قبیلہ کی ایک عورت (یہ دیکھ کر) کہنے لگی کہ تم لوگ ہم سے اپنے امام کی شرمگاہ کیوں نہیں ڈھانکتے،پس قوم نے ایک کپڑا خریدا اور میرے لیے کرتہ بنوایا، چنانچہ میں اتنا کسی چیز سے خوش نہیں ہوا جتنا اُس کرتے سے خوش ہوا۔(بخاری)

تشریح: قولہ: فقدّمونی بین أیدیھم وأنا ابن ستٍّ أو سبعِ سنینَ...:۔اس حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ عمرو بن سلمہؓ کا

قبیلہ جب اسلام لایا تو حضورﷺ نے اُن سے فرمایا کہ تم میں سے جس کو زیادہ قرآن یاد ہو وہ تمہاری امامت کرے۔ چونکہ حضرت عمرو بن سلمہؓ کو سب سے زیادہ قرآن یاد تھا تو اُن کے قبیلہ نے اُن کو امام بنایا حالانکہ آپؓ کی عمر اُس وقت چھ یا سات برس تھی۔ اس حدیث کی بنا پر امام شافعیؒ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ ایسے نابالغ بچے کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے جو تمیز رکھتا ہو۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک نابالغ کی اقتداء میں بالغ کی نماز درست نہیں۔ ان حضرات کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

(۱) حدیثِ ابنِ عباسؓ: ''لا یؤمُّ الغلامُ حتّٰی یحتلم''۔ (مسندِ عبدالرزاق) ترجمہ: ''نابالغ بچہ امامت نہ کرائے''۔

(۲) حدیثِ ابنِ مسعودؓ: ''لا یؤمّ الغلامُ الذی لا تجبُ علیه الحدودُ''۔

(۳) حدیثِ ابوہریرۃؓ مرفوعاً ''الإمامُ ضامنٌ''۔ (احمد، ابوداؤد) اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ بچے کی نماز نفل ہے جو ضعیف ہے اور بالغ کی نماز فرض یا واجب ہے (یعنی بالغ کی نفل بھی شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے) جو کہ قوی ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ ضعیف قوی کا ضامن نہیں بن سکتا۔ ان حضرات کی جانب سے امام شافعیؒ کو حدیثِ عمرو بن سلمہؓ کے حوالے سے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے، علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ''ویُضَعَّف حدیثُ عمرو بن سلمةؓ'' یعنی عمرو بن سلمہ کی حدیث ضعیف ہے۔

(۲) حضرت عمرو بن سلمہؓ کی امامت حضورﷺ کے امر یا تقریر کی بنا پر نہیں تھی بلکہ اِن کو امام بنانا قوم کے لوگوں کا اجتہاد تھا، جس کا منشا یہ ارشادِ نبوی تھا کہ ''ولیؤمّکم أکثرُکم قرآنًا۔'' ترجمہ: تمہیں نماز وہ پڑھائے جسے قرآن زیادہ یاد ہو''۔ اور عمرو بن سلمہؓ کو دوسروں سے زیادہ قرآن یاد تھا۔ (مرآۃ)

آزاد کردہ غلام کی امامت:

۱۰۵۸۔ وعن ابن عمرؓ قال: لمّا قدِمَ المهاجرونَ الاوّلونَ المدینةَ کانَ یَؤُمُّهم سالمٌ مَولیٰ أبی حذیفةؓ وفیهم عمر وأبو سلمة بن عبدالأسد. [بخاری]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب مدینہ میں پہلے ہجرت کرنے والے (حضرات صحابہ کرام) آئے تو سالمؓ جو ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اِن حضرات کو امامت کراتے تھے اور ان (اقتداء کرنے والوں) میں عمرؓ اور ابوسلمہ بن عبدالاسدؓ بھی تھے۔ (بخاری)

جن کی نماز سر سے اوپر نہیں جاتی:

۱۰۵۹۔ عن ابن عباسؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: ثلاثةٌ لا تُرفَع لهم صلاتُهم فوقَ رؤوسِهم شِبرًا رجلٌ أمّ قومًا وهُم له کارِهون وامرأةٌ باتتْ وزوجُها علیها ساخِطٌ وإخوانِ متصارِمان. [ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ تین (قسم کے) شخص ایسے ہیں جن کی نماز اُن کے سروں سے (قبولیت کے لیے) ایک بالشت اوپر نہیں اٹھائی جاتی: (اول) وہ شخص جو کسی قوم کا امام ہو اور لوگ اس سے ناخوش ہو، (دوم) اور وہ عورت جو (اس حالت میں) رات گذارے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو (سوم) اور وہ دو (مسلمان) بھائی جو آپس میں قطع تعلق کیے ہوئے ہوں۔ (ابن ماجہ)

(بابُ مَا عَلَى الإمَامِ)

{اس باب میں امام کے لیے ضروری باتوں کا بیان ہے}

"الفصل الاول"

امام نماز ہلکی پڑھائے:

١٠٦٠۔عن أنسؓ قال: ما صلّيتُ وراءَ الإمام قطُّ أخفَّ صلاةٍ ولا أتمَّ صلوٰةٍ من النبی ﷺ وإن كانَ ليَسمعُ بُكاءَ الصبیِّ فيُخفِّفُ مَخافةَ أن تُفتَنَ أُمُّه.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی امام کے پیچھے نبی پاک ﷺ کی نماز سے زیادہ ہلکی اور پوری نماز نہیں پڑھی اور آپ ﷺ کسی بچے کے رونے کی آواز سن لیتے تو اس اندیشہ سے (نماز کو) ہلکا (یعنی مختصر) کردیتے کہ اس بچے کی ماں کو تشویش ہوگی۔(متفق علیہ)

١٠٦١۔وعن أبی قتادةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إنّی لأدخلُ فی الصلوٰةِ وأنا أُريدُ إطالتَها فأسمعُ بكاءَ الصبیِّ فأتَجوَّزُ فی صلوٰتی مِمّاأعلمُ مِن شدةِ وَجْدِأُمِّه مِن بُكاءِه.[بخاری]

ترجمہ:حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نماز میں داخل ہوتا ہوں اور لمبی نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں (اتنے میں) بچے کا رونا سن لیتا ہوں تو اپنی نماز کو مختصر کردیتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اس (بچے) کی ماں اس کے رونے کے سبب سے شدید فکرمند ہوگی۔(متفق علیہ)

١٠٦٢۔وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: إذا صلّٰى أحدُكم للنّاسِ، فليُخفِّفْ فإنّ فيهم السقيمَ والضعيفَ والكبيرَ، واذاصلّٰى أحدُكم لنفسِه فليُطَوِّلْ ماشاءَ.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو اُسے چاہیے کہ (نماز) ہلکی کرے کیونکہ اُن (مقتدیوں) میں بیمار بھی ہوگا، کمزور بھی اور بوڑھا بھی۔اور جب تم میں سے کوئی اپنے لیے (تنہا) نماز پڑھے تو جس قدر چاہے لمبی (نماز) پڑھے۔(متفق علیہ)

١٠٦٣۔وعن قيس بن أبی حازمؒ قال: أخبرَنی أبو مسعودٍؓ أنّ رجلاً قال: واللهِ يا رسولَ الله! إنّی لَأتأخّرُ عن صلوٰةِ الغداةِ مِن أجلِ فلانٍ مِمّايُطيلُ بنافما رأيتُ رسولَ اللهﷺ فی موعظةٍ أشدَّ غضبًا منه يومئذٍ ثمّ قال: إنّ مِنكم مُنفِّرينَ فأيّكم ماصلّٰى بالنّاسِ فَلْيَتَجوَّزْفإنّ فيهم الضعيفَ والكبيروذاالحاجةِ.[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت قیس بن ابی حازمؒ کہتے ہیں کہ مجھے ابومسعودؓ نے خبر دی کہ ایک آدمی نے (بارگاہِ رسالت میں) عرض کیا کہ اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میں فلاں (امام) کی وجہ سے صبح کی نماز سے پیچھے رہتا ہوں، کیونکہ وہ ہمیں لمبی نماز پڑھاتا ہے (ابومسعودؓ کہتے ہیں کہ) میں نے رسول

اللہ ﷺ کو کسی وعظ میں اتنا غصے نہیں دیکھا جتنا اس دن کے وعظ میں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بعض (امام جماعت کی نماز سے) متنفر کرنے والے ہیں (ایسا نہیں ہونا چاہیے) پس تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو چاہیے کہ مختصر نماز پڑھائے، کیونکہ اُن میں کمزور بھی ہوگا، بوڑھا بھی ہوگا اور حاجت مند بھی۔ (متفق علیہ)

امام کی غلطی کا وبال اُس پر ہے:

١٠٦٤۔وعن أبی هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: يُصلُّونَ لكم فإن أصابوا ،فلكم وإن أخطأُوا ،فلكم وعليهم.[بخاری]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں (ائمہ) نماز پڑھائیں گے، چنانچہ اگر وہ درست نماز پڑھائیں گے تو (اس کا فائدہ) تمہیں ملے گا اور اگر وہ درست طریقہ سے نماز نہ پڑھائے تو (اس میں بھی) تمہارا فائدہ (یعنی ثواب) ہے اور اُن پر (اس کا) وبال ہوگا۔ (بخاری)

"وهذا البابُ خالٍ عن الفصلِ الثانی"

{یہ باب فصلِ ثانی سے خالی ہے}

"الفصل الثالث"

بوڑھے اور بیمار مقتدیوں کی رعایت:

١٠٦٥۔وعن عثمان بن أبی العاصؓ قال: اٰخرُ ما عهِدَ إلیّ رسولُ اللهﷺ إذا أمَّمْتَ قوماً فأخفَّ بهم الصلوٰة.[مسلم] وفی روايةٍ له:أنّ رسولَ اللهﷺ قال له :أُمَّ قومَكَ ،قال:قلتُ: يارسولَ الله!إنّی أجدُ فی نفسی شيْئاً،قال:أدنُهْ فأجلَسَنی بين يديه ثمّ وضعَ كفَّه فی صدری بينَ ثديَيّ ثمّ قال: تَحوّلْ ،فوضعَها فی ظهری بين كتِفَيّ ،ثمّ قال: أُمّ قومَكَ ،فمَن أمّ قوماً فليُخفّفْ فإنّ فيهم الكبير وإنّ فيهم المريضَ وإنّ فيهم الضعيفَ وإنّ فيهم ذاالحاجةِ فاذاصلّی أحدُكم وحدَه فلْيُصلّ كيف شاءَ.

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے جو سب سے آخری وصیت کی وہ یہ تھی کہ جب تم کسی قوم کی امامت کرو تو انہیں ہلکی نماز پڑھانا۔ (رواہ مسلم) اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ اپنی قوم کو امامت کراؤ۔ عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے جی میں کچھ (جھجک یا کھٹک) محسوس کرتا ہوں۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ (میرے) قریب ہو جاؤ۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے اپنے سامنے بٹھا دیا پھر اپنا ہاتھ (مبارک) میرے سینہ پر میری چھاتیوں کے درمیان رکھ دیا پھر فرمایا: (پشت میری طرف) پھیر (میں نے پشت آپ ﷺ کی طرف کر دی) چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ (مبارک) میری پشت پر دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھا، پھر فرمایا: اپنی قوم کو امامت کرا۔ اور جو شخص کسی قوم کی امامت کرے تو اسے چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے، کیونکہ اُن لوگوں میں بوڑھا بھی ہوگا، اُن میں بیمار بھی ہوگا اور اُن میں کمزور بھی ہوگا اور اُن میں حاجت مند بھی ہوگا، اور جب تم میں سے کوئی تنہا نماز پڑھے تو (مختصر یا لمبی) جیسے چاہے پڑھے۔

۱۰۶۶۔وعن ابن عمرؓ قال: کان رسول اللهﷺ یأمرنا بالتخفیف ویؤمنا بالصافات.[نسائی]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ ہمیں ہلکی نماز (پڑھانے) کا حکم دیتے اور ہماری امامت ''سورۃ الصافات'' سے کرتے۔

تشریح: باوجود اس کے کہ ''صافات'' لمبی سورت ہے آپﷺ نماز میں اس کو پڑھتے جبکہ صحابہ کو حکم دیتے کہ وہ ہلکی نماز پڑھائے، کیونکہ یہ آپ کا معجزہ تھا یا خصوصیت تھی کہ لمبی لمبی سورتیں کم وقت میں پڑھ لیتے جس سے لوگوں کو گرانی نہ ہوتی۔(مظاہر حق)

(بابُ مَا عَلَى المَأْمُومِ مِنَ المُتابعةِ و حُكمِ المَسْبُوقِ)

{مقتدی کے لیے امام کی متابعت کے ضروری ہونے اور مسبوق کے احکام کے بیان میں اس باب کو لایا گیا ہے}

''الفصل الاوّل''

امام کی متابعت بطریقِ مواصلت ہوگی:

۱۰۶۷۔عن البراء بن عازبؓ قال: کنّا نصلّی خلفَ النبیّﷺ فإذا قال: سمع اللهُ لمن حمِده، لم یَحْنُ أحدٌ منّا ظهرَه حتیٰ یضعُ النبیُّﷺ جبهتَه علیٰ الأرضِ.[متفق علیه]

ترجمہ:حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی پاکﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے چنانچہ جب آپ سمع الله لمن حمده کہتے تو ہم میں سے کوئی (سجدہ میں جانے کے لیے) اپنی پیٹھ نہ جھکاتا یہاں تک کہ نبی پاکﷺ اپنی پیشانی (مبارک) زمین پر رکھ دیتے۔(متفق علیہ)

تشریح: قوله: لم یحنُ أحدٌ منّا حتیٰ یضعَ النبیُّﷺ جبهتَه علی الأرض:۔ بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنت یہ ہے کہ کسی بھی رکن میں امام پہلے جائے اس کے جانے کے بعد مقتدی اس رکن میں جائے، مگر احناف کے ہاں مقتدی کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ امام کا اتباع بطریقِ مواصلت کرے یعنی جب امام کسی رکن میں جائے تو مقتدی بھی بلا تاخیر امام کے پیچھے اس رکن میں جائے۔ چنانچہ رکوع سجدوں میں اگر مقتدی کے تین مرتبہ تسبیح پڑھنے سے پہلے امام کھڑا ہو جائے تو مقتدی کو چاہیے کہ تسبیح پوری کیے بغیر کھڑا ہو جائے۔ ہاں قعدہ میں اگر مقتدی کے التحیات پڑھنے سے پہلے امام کھڑا ہو جائے یا سلام پھیر دے تو مقتدی التحیات پڑھ کر کھڑا ہو، نیز التحیات پڑھ کر سلام پھیرے۔

مقتدی رکوع سجدہ میں امام سے آگے نہ بڑھے:

۱۰۶۸۔وعن أنسؓ قال: صلّی بنا رسولُ اللهﷺ ذاتَ یومٍ فلمّا قضی صلوٰتَه، أقبلَ علینا بوجهه فقال:أیّها النّاسُ! إنّی إمامُکم فلاتسبِقُونی بالرکوعِ ولابالسجودِ ولابالقیامِ ولابالانصرافِ فإنّی أراکم أمامی ومِن خلفی.[مسلم]

ترجمہ:حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے ہمیں ایک دن نماز پڑھائی، چنانچہ جب نماز پڑھ چکے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں، لہٰذا مجھ سے آگے نہ بڑھو نہ رکوع میں اور نہ سجدہ میں اور نہ قیام میں اور نہ نماز سے پھرنے (فارغ ہونے) میں، کیونکہ میں اپنے آگے سے بھی تمہیں دیکھتا ہوں اور اپنے پیچھے سے بھی (بطورِ معجزہ کے دیکھتا ہوں)۔(مسلم)

امام سے پہل مت کرو:

۱۰۶۹۔عن أبی هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: لا تُبادِروا الإمامَ إذا كبّر فكبّروا وإذا قال:" ولا الضّالّين" فقولوا:"امين" و اذاركعَ فاركعُوا واذاقال: "سمع اللهُ لمَن حمده" فقولوا:"اللّهمّ ربّنا لكَ الحمدُ".[متفق عليه الّا أنّ البخارى لم يذكرُ:"واذا قال:"ولاالضّالين".]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ امام پر پہل مت کرو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ [ولاالضالّين] کہے تو تم آمین کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ [سمع الله لمن حمِده] کہے تو تم[اللّهمّ ربّنالك الحمد] کہو۔(متفق علیہ)البتہ بخاری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ''اور جب امام [ولا الضالّين] کہے''۔

قاعدامام کے پیچھے اقتداء کا مسئلہ:

۱۰۷۰۔عن انسؓ أنّ رسول الله ﷺ ركبَ فرسًا،فصُرِعَ عنه ،فجُحِشَ شقُّه الأيمنُ فصلّى صلاةً مِن الصلوٰتِ وهوقاعدٌ فصلّينا وراءَهُ قُعودًا فلمّاانصرفَ قال: اِنّماجُعِلَ الِامامُ لِيُؤتَمّ به فاذاصلّى قائمًا فصلُّواقيامًا واذاركعَ فاركعُواواذارفعَ فارفَعُوا واذاقال: "سمِع اللهُ لِمَن حمدَه"فقولوا:"ربّنالك الحمدُ واذاصلّى جالسافصلُّوا جُلوسًا أجمعون.قال الحُميدى:قولُه:" اذا صلّى جالساً فصلُّوا جُلوسًا "فى مرضِه القديم،ثمّ صلّى بعدَ ذلك النبىُّ ﷺ والنّاسُ خلفَه قيام،لم يأمُرهم بالقعودِ وانّما يؤخذُ بالآخرِفالآخر مِن فعلِ النبىّ ﷺ .[هذالفظ البخارى]واتّفق مسلم الى:"أجمعون"وزاد فى روايةٍ :فلاتختلِفُواعليه واذا سجدفاسجدُو.

ترجمہ:حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ ایک گھوڑے پر سوار تھے کہ اُس سے گر گئے اور داہنی کروٹ (مبارک) چھل گئی، چنانچہ آپﷺ نے (ان پانچ) نمازوں میں سے کوئی نماز بیٹھ کر پڑھی تو ہم نے بھی آپﷺ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی جب آپﷺ (نماز) سے پھرے تو فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اُس کی اقتداء کی جائے۔چنانچہ جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ (رکوع سے سر) اٹھائے تو تم بھی (سر) اٹھاؤ اور جب وہ[سمع الله لمن حمِده] کہے تو تم[ربّنا لك الحمدُ] کہو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔امام حُمیدی کہتے ہیں کہ آپﷺ کا یہ ارشاد: ''جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو'' آپﷺ کے قدیم مرض میں تھا پھر اس کے بعد (مرض الوفات میں) آپﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپﷺ کے پیچھے کھڑے (ہو کر نماز پڑھ رہے) تھے،آپﷺ نے اُن کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔اور (ضابطہ یہ ہے کہ) آپﷺ کے افعال میں آخری فعل کو (عمل کے لیے) لیا جاتا ہے (اور پہلا والا فعل منسوخ سمجھا جاتا ہے۔)یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور (لفظ)أجمعون تک مسلمؒ متفق ہیں اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ (رکوع سجدہ وغیرہ میں) امام کے خلاف نہ کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔

تشریح: قوله: وإذا صلّى جالسًافصلُّوا جلوسا أجمعون .....:۔اس جگہ یہ گفتگو ہوئی ہے کہ قاعد امام کے پیچھے اقتداء جائز ہے یا

نہیں؟ اگر جائز ہے تو مقتدی بیٹھ کر اقتداء کریں گے یا کھڑے ہو کر؟ چنانچہ امام احمدؒ اور اہلِ ظواہر کا مسلک یہ ہے کہ امام اگر کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو اُس کی اقتدا جائز ہے، البتہ مقتدیوں پر ضروری ہے کہ وہ بھی بیٹھ کر اقتداء کریں۔ مذکورہ حدیث اِن حضرات کی دلیل ہے، اس میں آپ ﷺ کے متعلق مذکور ہے کہ ایک مرتبہ عذر کی بناء پر بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہؓ کو ارشاد فرمایا کہ امام جب بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر اُس کی اقتدا کرو۔

امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک قاعد امام کی اقتدا کسی حال میں درست نہیں، خواہ مقتدی کھڑے ہو کر اقتداء کرے یا بیٹھ کر، کیونکہ اقتداء کے لیے ضروری ہے کہ امام قیام پر قادر ہو۔ اِن حضرات کا استدلال اس مرسل روایت سے ہے: "لا یؤمّنّ رجلٌ بعدی جالساً"، یعنی "کوئی میرے بعد بیٹھ کر امامت نہ کرائے"۔ یہ ارشاد اس بات پر نص ہے کہ قاعد کی امامت درست نہیں۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور جمہور سلفؒ فرماتے ہیں کہ قاعد امام کی اقتدا درست ہے، البتہ جو مقتدی قیام پر قادر ہو اُس کے لیے ضروری ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے، بیٹھ کر اقتداء کرنا اُس کے لیے جائز نہیں۔ اِن حضرات کا استدلال مرض الوفات کے واقعہ سے ہے کہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کرامؓ نے کھڑے ہو کر اقتدا کی اور آپ ﷺ نے کسی پر نکیر نہیں فرمائی۔

اس کے علاوہ یہ حضرات اِس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ قیام نماز کا قطعی رکن ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وقوموا للہ قانتین" یعنی "اللہ کے سامنے خاموش کھڑے رہا کرو" اور یہ امام اور مقتدی دونوں کے حق میں برابر ہے کہ جب قیام پر قدرت ہو تو قیام فرض ہے، مذکورہ مرض الوفات والے واقعہ سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے۔

اِن حضرات کی جانب سے امام مالکؒ و امام محمدؒ کی مستدل حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس روایت کا دار و مدار "جعفر جعفی" پر ہے جو عند المحدثین بالاتفاق ضعیف ہے، لہذا یہ روایت قابلِ استدلال نہ ہوگی۔ اور امام احمدؒ کی دلیل یعنی زیرِ بحث حدیث کے درج ذیل کئی جواب دیے جاتے ہیں:

(۱) یہ حدیث مرض الوفات کے واقعہ سے منسوخ ہے۔ یہ جواب صاحبِ مشکوٰۃ نے امام حُمیدیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے: "قال الحُمیدیُّ قوله: "إذا صلّی جالسًا فصلّوا جلوسًا" هو في مرضه القديم ثمّ صلّی بعد ذلك النبيّ ﷺ جالسا والناسُ خلفه قيامٌ لم يأمر هم بالقعودِ وإنما يؤخذُ بالآخر فالآخر من فعل النبي ﷺ"۔

(۲) اس حدیث میں یہ احتمال ہے کہ اقتداء کرنے والے صحابہ کرامؓ نفل پڑھ رہے ہوں اور نفل بیٹھ کر پڑھنا درست ہے خواہ امام قاعد ہو یا قائم، کیونکہ یہ صحابہ حضور ﷺ کی عیادت کی غرض سے گھر آئے تھے اور قاعدہ ہے: "إذا جاء الاحتمالُ بطل الاستدلالُ" یعنی "جب کسی نص میں احتمال کا دروازہ کھل جاتا ہے تو اُس سے استدلال تام نہیں ہوتا"۔

(۳) ترجمۃ الباب کے قرینہ سے اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جب امام قعدے میں بیٹھا ہوا ہو (اور تم مسبوق ہو) تو تم بھی بیٹھ جاؤ۔

آنحضرت کی علالت میں ابوبکرؓ کی امامت و تکبیر:

۱۰۷۱۔ وعن عائشةؓ قالت: لمّا ثقُلَ رسول الله ﷺ جاء بلالٌ يؤذِنه بالصلوٰة، فقال: مُرو أبا بكر أنْ يُصلّيَ بالنّاسِ فصلّى أبوبكرٍ تلك الأيّامَ ثمّ إنّ النبيّ ﷺ وجدَ في نفسه خِفّةً فقامَ يُهادىٰ بين رجلينِ ورِجلاهُ تَخُطّان في الأرضِ حتّىٰ دخلَ

المسجدَ فلمّا سمِعَ أبوبكرٍ حِسَّه ذهب يتأخّرُ فأومىٰ اليه رسولُ اللهِ ﷺ أن لايتأخّر فجاء حتىٰ جلسَ عن يسارِ أبي بكر فكان أبوبكر يُصَلِّي قائمًا وكان رسولُ اللهِ ﷺ يُصلِّي قاعدًا يقتدي أبوبكرٍ بصلوٰةِ رسولِ اللهِ ﷺ والنّاسُ يقتدُون بصلوٰةِ أبي بكر. [متفق عليه] وفي روايةٍ لهما: يُسمِعُ أبوبكر النّاسَ التكبيرَ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بہت بیمار ہوئے (تو ایک دن) بلالؓ آپ ﷺ کو نماز (باجماعت) کی اطلاع دینے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ان ایام میں (سترہ) نمازیں پڑھائیں پھر (ایک دن) نبی پاک ﷺ نے اپنی طبیعت میں کچھ تخفیف (آرام اور ہلکا پن) محسوس کیا تو کھڑے ہوکر دو آدمیوں کے سہارے (مسجد) جانے لگے اور آپ کے قدم مبارک زمین پر گھسٹتے تھے (یعنی ضعف کی وجہ سے قدم اٹھانا ممکن نہ تھا) یہاں تک کہ مسجد آگئے، چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ نے آپ (کے آنے) کی آہٹ محسوس کی تو (مصلّے سے) پیچھے ہٹنے لگے (یہ دیکھ کر) آپ ﷺ نے انہیں اشارہ کیا کہ پیچھے نہ ہٹے، پھر آپ تشریف لاکر ابوبکرؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ آپ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے۔ (متفق علیہ) اور ایک دوسری متفق علیہ روایت میں وارد ہے کہ حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو (آپ ﷺ کی تکبیر) سناتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ افضل الناس ہیں:

تشریح: قوله: مُروا أبابكرٍ أن يصلّي بالنّاس....: اس ارشادِ نبوی سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ تمام لوگوں میں سے افضل ہیں، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق بھی ابوبکرؓ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض جلیل القدر صحابہؓ نے فرمایا کہ جس کو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین (نماز باجماعت) کی امامت کے لیے منتخب فرمایا اُسے ہم اپنی دنیا (حکومت وخلافت) کی امامت کے لیے کیوں نہ پسند کریں۔

قوله: يُهادىٰ بين رجلين....: دو آدمیوں سے مراد حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ ہیں۔

قوله: والنّاسُ يقتدون بصلاةِ أبي بكرٍؓ....: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ تو بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے جس کی صحیح نوعیت صرف ابوبکرؓ کو معلوم ہوسکتی تھی پیچھے کھڑے لوگوں کو معلوم نہیں ہوسکتی تھی۔ تو حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے افعالِ صلاۃ کی اقتداء کر رہے تھے اور پیچھے کھڑے ہوئے لوگ حضرت ابوبکرؓ کے افعالِ صلاۃ کی گویا آپ ﷺ کی نماز کی اقتداء میں ابوبکرؓ لوگوں کے لیے واسطہ تھے۔

دورانِ نماز امام کے بدلنے کا مسئلہ:

امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اُن کی دلیل یہ حدیث ہے کہ پہلے امام حضرت ابوبکرؓ تھے، بعد میں وہ مقتدی بن گئے اور آنحضرت ﷺ امام بن گئے۔

جبکہ جمہور علماء کے ہاں نماز شروع ہوجانے کے بعد امامت میں تغیر جائز نہیں۔ باقی یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی خصوصیت پر محمول ہے، لہٰذا کسی اور کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر امام کسی عذر کے سبب بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہوکر ہی اقتداء کریں گے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر تمام مقتدیوں تک امام کی آواز نہیں پہنچتی تو مکبّر امام کی آواز پہنچا سکتا ہے۔ (مظاہر حق)

امام سے پہل کرنے والے کے لیے سخت وعید:

۱۰۷۲۔ وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: أمَا يخشَى الّذي يرفعُ رأسَه قبلَ الإمامِ أن يُحَوِّلَ اللهُ رأسَ حمارٍ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ڈرتا نہیں وہ شخص جو امام سے پہلے (رکوع سجدہ سے) سر اٹھاتا ہے کہ (اس حرکت کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر سے بدل دے۔ (متفق علیہ)

''سر'' کا ''گدھے کے سر'' سے بدل جانے کا مطلب:

تشریح: قوله: أن يُحوّلَ اللهُ رأسه رأسَ حمار: اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ سر کا گدھے کے سر سے بدل جانا مسخ ہے اور دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بطور عذاب اس امت کی صورتیں مسخ نہ کی جائیں گی، بظاہر تعارض ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے تعارض سے بچنے کے لیے فرمایا کہ مذکورہ حدیث میں [تحویلِ رأس برأس حمارٍ] سے مرادِ مسخ صوری نہیں بلکہ مسخ معنوی ہے یعنی ایسا شخص جو امام سے پہل کرے نہایت کم عقل اور بے وقوف ہے جیسا کہ گدھا۔ جبکہ بقول علامہ خطابی اس حدیث کو حقیقی معنیٰ پر محمول کرنا بھی جائز ہے؛ چنانچہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ ''مسخِ خاص'' ہے یعنی کسی خاص فرد کا مسخ ہونا مراد ہے اور جو ''مسخ'' امت کے حق میں ممتنع ہے وہ ''مسخ عام'' ہے کہ ساری امت ہی مسخ ہوجائے ایسا نہیں ہوسکتا لہٰذا تعارض باقی نہیں رہتا۔

ایک عبرت انگیز واقعہ:

بقول ملا علی قاریؒ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سخت تہدید اور انتہائی وعید پر مبنی ہے یا یہ کہ ایسا شخص برزخ یا دوزخ میں اس عذاب میں مبتلا ہوگا۔ ملا علی قاریؒ نے اس جگہ ایک عبرتناک قصہ ذکر کیا ہے کہ ایک محدث زمانہ طالب علمی میں دمشق کے ایک مشہور عالم سے حدیث پڑھنے گیا، مدتوں حدیث پڑھی لیکن پردے کی اوٹ سے، کبھی استاد کی زیارت نہ ہوسکی۔ چنانچہ شدید خواہش تھی کہ اپنے استاد کو کم از کم ایک مرتبہ دیکھ لے، جب استاد کو اس کے اشتیاق اور تعلق شیخ کے بھرپور جذبات کا اندازہ ہوا تو پردہ اٹھادیا، یہ دیکھ کر شاگرد کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ استاد کا منہ گدھے جیسا تھا۔ استاد نے شاگرد کی حیرت کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اس سے عبرت حاصل کرو اور نماز کے ارکان کی ادائیگی میں امامؑ سے پہل مت کرو، پھر فرمایا کہ میں نے جب (مذکورہ) ''تحویل رأس والی حدیث'' سنی تو اپنی بدبختی اور نالائقی سے اس پر تجربہ کرنا چاہا اور امام سے پہل کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرا چہرہ واقعۃً گدھے جیسا ہوگیا۔ (مظاہر حق)

''الفصل الثانی''

ہر حال میں امام کی موافقت کا حکم:

۱۰۷۳۔ عن عليٍّ و معاذ بن جبلٍؓ قالا: قال رسولُ اللهِ ﷺ: إذا أتىٰ أحدُكم الصلاةَ والإمامُ علىٰ حالٍ فليصْنَعْ كما يصنعُ الامام

ترجمہ: حضرت علیؓ اور معاذ بن جبلؓ دونوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں آئے اور امام کسی بھی حالت میں ہو تو وہ وہی کرے جیسا کہ امام کرے۔ (ترمذی)

رکوع پالینا رکعت پالینا ہے:

۱۰۷۴۔وعن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إذا جئتم إلی الصلوٰةِ ونحنُ سُجودٌ فاسجُدوا ولا تعُدُّوه شیئًا ومَن أدرکَ رکعةً فقدْ أدرَكَ الصلوٰةَ.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی سجدہ کرو اور اس سجدے کو کچھ (رکعت) شمار مت کرو اور جس نے رکوع کو پالیا تو اس نے نماز (کی پوری رکعت) پالی۔ (ابوداؤد)

چالیس دن تک تکبیرِ اولیٰ پر مداومت کی فضیلت:

۱۰۷۵۔وعن أنسؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: مَن صلّی لِلّهِ أربعینَ یومًا فی جماعةٍ یُدرِكُ التکبیرةَ الأُولیٰ کُتِب له براءَ تان: براءةٌ مِن النّار وبراءَ ةٌ مِن النِّفاقِ.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے چالیس دن تک جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھی کہ تکبیر اولیٰ کو بھی پایا تو اس کے لیے دو (قسم کی) خلاصیاں لکھ دی جاتی ہیں: (اول) دوزخ کی آگ سے خلاصی، (دوم) نفاق سے خلاصی۔ (ترمذی)

جماعت کی نیت سے مسجد جانے پر ثواب:

۱۰۷۶۔وعن أبی هریرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: مَنْ توضّأ فأحسنَ وضوءَ ہ ثمّ راحَ فوجدَ النّاسَ قد صلّوُا أعطاه اللهُ مِثلَ أجرِ مَن صلّاها وحضرَها لاینقصُ ذٰلك مِن أُجورِهم شیئًا.[أبو داؤد،نسائی]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر (جماعت کی نماز کے ارادہ سے مسجد) گیا اور (وہاں) لوگوں کو پایا کہ وہ (جماعت کی) نماز پڑھ چکے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اُس آدمی جیسا اجر دیں گے جس نے جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھی اور یہ اُن لوگوں (جو جماعت کے ساتھ نماز پڑھ چکے) کے ثواب میں کمی نہیں کرتا۔ (ابوداؤد، نسائی)

مسجدِ محلّہ میں جماعت ثانیہ کا مسئلہ:

۱۰۷۷۔عن ابی سعید الخدریؓ قال: جاءَ رجلٌ وقد صلّی رسولُ الله ﷺ فقال: ألا رجلٌ یتصدّقُ فیُصلّی معه فقام رجلٌ فصلّی معه.[ترمذی ،أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص (نماز پڑھنے مسجد میں) آیا اور رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ چکے تھے (اُسے دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا کیا کوئی شخص اس پر صدقہ کریگا کہ اس کے ہمراہ نماز پڑھ لے، چنانچہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس کے ہمراہ نماز پڑھی۔

تشریح: قوله: ألا رجلٌ یتصدقُ علیٰ هذا ،فیصلی معه فقام رجلٌ فصلّی معه :۔اس حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ ایک شخص جماعت سے رہ گیا تھا حضور ﷺ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کوئی ہے جو اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو کر (جماعت کی ہیئت

میں)اس پر صدقہ کرے۔اس حدیث سے بظاہر مسجد محلّہ میں جماعتِ ثانیہ کا جواز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ امام احمدؒ اسی حدیث کی بناپر اس کے قائل ہوئے ہیں کہ مسجدِ محلّہ میں جماعتِ ثانیہ بلا کراہت جائز ہے۔

جبکہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک مسجدِ محلّہ میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہیئت تبدیل کرنے سے (یعنی مسجد میں دوسری جگہ پڑھنے سے) کراہت باقی نہ رہے گی۔ جمہور فقہاء کا استدلال درج ذیل روایات سے ہے:

(۱) ”عن أبی بکرۃؓ أنّ رسول اللہ ﷺ أقبلَ من نواحی المدینۃِ یُریدُ الصلاۃَ فوجد الناسَ قد صلّوا، فمالَ إلیٰ منزلِہٖ فجمعَ أھلَہ فصلّی بھم.“(طبرانی) ترجمہ: ”رسول اللہ ﷺ نواحی مدینہ سے تشریف لائیں مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنی چاہی، تو معلوم ہوا کہ جماعت ہوچکی ہے تو اپنے گھر تشریف لے گئے اور اہل وعیال کو جمع فرما کر اُن کے ساتھ نماز باجماعت پڑھی“۔ معلوم ہوا کہ اگر مسجدِ محلّہ میں جماعتِ ثانیہ بلا کراہت جائز ہوتی تو آپ ﷺ اسے نظر انداز نہ فرماتے۔

(۲) ”إنّ أصحابَ رسولِ اللہ ﷺ کانوا إذا فاتتھُم الجماعۃُ ذھبوا إلیٰ مسجدٍ آخر.“(مصنف ابن ابی شیبۃ) ترجمہ: ”حضرات صحابہ کرامؓ سے اگر ایک مسجد میں جماعت فوت ہوجاتی تو دوسری مسجد کا رُخ کر لیتے“۔ معلوم ہوا کہ اگر جماعتِ ثانیہ بلا کراہت جائز ہوتی تو صحابہ دوسری مساجد کا رخ کیوں کرتے، اُسی مسجد میں دوسری جماعت پڑھ لیتے۔

امام احمدؒ کو یہ حضرات زیرِ بحث حدیثِ ابو سعدؓ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جماعتِ ثانیہ کے حوالے سے ہمارا اختلاف اِس صورت میں ہے کہ جب امام ومقتدی دونوں فرض پڑھ رہے ہوں، جبکہ مذکورہ حدیث میں ایسا نہیں بلکہ امام مفترض ہے اور مقتدی متنفل یعنی نفل پڑھنے والا ہے اور اس صورت کے جواز میں تو اختلاف ہی نہیں، لہٰذا اس حدیث سے استدلال تام نہیں۔ (مرآۃ)

”الفصل الثالث“

آنحضرت کے مرض الوفات میں سیدنا ابو بکرؓ کی امامت:

۱۰۷۸۔عن عُبید اللہ بن عبد اللہؓ قال: دخلتُ علیٰ عائشۃؓ، فقلتُ: ألا تُحدِّثِینی عن مرضِ رسولِ اللہ ﷺ قالتْ: بلیٰ ثَقُلَ النبیُّ ﷺ فقال: أصلّی النّاسُ؟ فقلنا: لا یارسولَ اللہ! وھم ینتظرونکَ، قال: ضَعُوالی ماءً فی المِخضبِ، قالتْ: ففعلنا فاغتسلَ فذھبَ لِینُوءَ فأُغمِیَ علیہ ثمّ أفاقَ، فقال: أصلّی النّاسُ؟ فقلنا: لاھم ینتظرونکَ یارسولَ اللہ! قال: ضَعُوالی ماءً فی المِخضبِ، قالتْ: فقعدَ فاغتسلَ ثمّ ذھبَ لِینُوءَ فأُغمِیَ علیہ ثمّ أفاقَ؛ فقال: أصلّی النّاسُ؟ قلنا: لاھم ینتظرونکَ یارسولَ اللہ! قال: ضَعُوالی ماءً فی المِخضبِ فقعدَ فاغتسلَ ثمّ ذھبَ لِینُوءَ فأُغمِیَ علیہ ثمّ أفاقَ؛ فقال: أصلّی النّاسُ؟ قلنا: لاھم ینتظرونکَ یارسولَ اللہ! والنّاسُ عُکوفٌ فی المسجدِ ینتظِرُون النبیَّ ﷺ لصلوٰۃِ العشاءِ الآخرۃِ فأرسلَ النبیُّ ﷺ الیٰ أبی بکرٍ بأنْ یُصلِّیَ بالنّاسِ فأتاہ الرسولُ فقال: إنّ رسولَ اللہ ﷺ یأمرُکَ أن تُصلّیَ بالنّاسِ فقال أبوبکرٍ وکان رجلاً رقیقًا یاعمرُ! صلِّ بالنّاسِ، فقال لہ عمرُ: أنتَ أحقُّ بذلک فصلّی أبوبکر تلک الأیّامَ ثمّ إنّ النبیَّ ﷺ وجدَ فی نفسِہٖ خِفّۃً وخرجَ بین

رجلين أحدُهما العباسُ لصلوٰةِ الظهرِ وأبوبكريُصلّي بالنّاسِ فلمّاراٰه أبوبكرذهبَ ليتأخّرَ فأومئ اليه النبيُّ ﷺ بأنْ لايتأخّرَ، قال: أجلِسانى الىٰ جنبِهٖ فأجلساه الىٰ جنبِ أبى بكروالنبيُّ ﷺ قاعدٌ .وقال عُبيدُ الله: فدخلتُ علىٰ عبدالله بن عباس، فقلتُ له : ألاأعرِضُ عليك ماحدّثتنى عائشةُ عن مرضِ رسولِ الله ﷺ ؟قال: هاتِ ،فعرضتُ عليه حديثَها فماأنكرَ منه شيئًا غير أنّه قال: أسمّتْ لك الرجلَ الّذى كان مع العبّاس ؟قلتُ :لا،قال: هو عليٌّ.[متفق عليه]

ترجمہ: عبید اللہ بن عبد اللہؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ کیا آپ مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے مرض (الوفات) کی حدیث بیان کریں گی۔ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں! (بیان کرنے لگی کہ) نبی پاک ﷺ بہت بیمار ہوئے، دریافت فرمایا: کیالوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں یارسول اللہ! (بلکہ) لوگ تو آپ ﷺ کا انتظار کررہے ہیں۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لیے لگن (ٹب) میں پانی رکھ دو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا (یعنی پانی رکھ دیا) چنانچہ آپ ﷺ نے غسل فرمایا، پھر آپ ﷺ کھڑے ہونے لگے (لیکن ضعف سے کھڑے نہ ہوا جاسکا اور غش آ گیا) اور بے ہوش ہوگئے پھر ہوش آیا تو دریافت فرمایا کہ کیالوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں یارسول اللہ! وہ تو آپ کا انتظار کررہے ہیں۔ (یہ سن کر) فرمایا کہ میرے واسطے لگن میں پانی رکھ دو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر غسل فرمایا، پھر کھڑے ہونا چاہا تو بے ہوش ہوگئے پھر (جب) ہوش آیا تو دریافت فرمایا کہ کیالوگ نماز پڑھ چکے ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں یارسول اللہ! وہ تو آپ کا انتظار کررہے ہیں۔ (یہ سن کر پھر) فرمایا کہ میرے لیے لگن میں پانی رکھ دو۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر غسل فرمایا پھر کھڑے ہونا چاہا تو بے ہوش ہوگئے پھر (جب) ہوش آیا تو دریافت فرمایا کہ کیالوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں یارسول اللہ! وہ تو آپ کا انتظار کررہے ہیں اور لوگ مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے، عشاء کی نماز کے لیے نبی پاک ﷺ کا انتظار کررہے تھے، پس نبی پاک ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کا پیغام پہنچانے والا اُن کے پاس گیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ حکم دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ (یہ سن کر) حضرت ابوبکرؓ نے کہا [جبکہ وہ بڑے نرم دل آدمی تھے] کہ اے عمر! لوگوں کو آپ نماز پڑھادو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آپ ہی اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اُن ایام میں نماز پڑھائی پھر نبی پاک ﷺ نے اپنی طبیعت میں کچھ خفت محسوس کی اور دو آدمیوں کے سہارے ظہر کی نماز کے لیے نکلے، ایک ان میں حضرت عباسؓ تھے اور حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھارہے تھے، جب ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے۔ (یہ دیکھ کر) نبی پاک ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ابوبکر کے پہلو میں بٹھادو۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کو ابوبکر کے پہلو میں بٹھادیا اور نبی پاک ﷺ بیٹھے ہوئے (نماز پڑھ رہے) تھے۔ عبید اللہ (راوی) کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس گیا، چنانچہ میں نے اُن سے کہا کہ کیا میں آپ کے سامنے وہ حدیث پیش نہ کروں جو حضرت عائشہؓ نے مجھے آپ ﷺ کے مرض کے متعلق سنائی ہے۔ فرمایا: سنایئے۔ میں نے حضرت عائشہؓ کی حدیث اُن کے سامنے پیش کی۔ آپؓ نے (سن کر) اس میں سے کسی بات کا انکار نہیں کیا، (صرف یہ) کہا کہ کیا حضرت عائشہؓ نے اُس آدمی کا نام بتایا جو (آپ ﷺ کو سہارا دینے میں) حضرت عباسؓ کے ساتھ تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں فرمایا کہ وہ علیؓ تھے۔ (متفق علیہ)

قوله:أسمّتْ لك الرجلَ الّذى كان مع العبّاس ...:۔ آنحضرت کو ایک جانب سے سہارا دینے کے لیے حضرت عباس تو متعین تھے لیکن

دوسری جانب سے حضرت علی، اُسامہ، فضل بن عباسؓ وغیرہ متعدد حضرات باری باری سہارا دیتے، چنانچہ کوئی ایک متعین نہیں تھا اس لیے حضرت عائشہؓ نے دوسرے شخص کا نام نہیں لیا۔

نماز میں سورۂ فاتحہ رہ جانا خیرِ کثیر سے محرومی ہے:

۱۰۷۹۔وعن أبی هريرةؓ أنه كان يقولُ: مَن أدركَ الركعةَ فقدأدركَ السجدة ومَن فاتتُه قرآءةُ أُمّ القرآن فقدْ فاته خيرٌ كثير.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے رکوع کو پالیا اُس نے رکعت پالی اور جس سے سورۂ فاتحہ (میں امام کے ساتھ شرکت) رہ گئی اُس سے بہت زیادہ خیر (ثواب) رہ گیا۔(مالک)

امام سے پہلے سر اٹھانے والے کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے:

۱۰۸۰۔وعنه أنّه قال: الّذی يرفعُ رأسَه ويخفضُه قبل الإمامِ فإنّما ناصيتُه بيد الشيطان.[مالك]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے آپؐ فرماتے کہ جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہو یا جھکاتا ہو تو اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے (یعنی اس پر شیطان مسلط ہے)۔(مالک)

(بابُ مَن صلّٰی صلوٰةً مرّتَين)

{دن میں ایک نماز دو مرتبہ پڑھنے کے بیان میں یہ باب ہے}

"الفصل الاوّل"

ایک نماز دو مرتبہ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟:

۱۰۸۱۔عن جابرؓ قال: كان معاذُ بن جبلؓ يصلّی مع النبیّ ﷺ ثمّ يأتی قومَه فيُصلّی بهم .[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نبی پاک ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ لیتے پھر اپنی قوم کے پاس آکر اُن کو نماز پڑھاتے۔

۱۰۸۲۔وعنه قال: كان معاذٌ يُصلّی مع النبیّ ﷺ العشاءَ ثمّ يرجعُ إلی قومِه، فيصلّی بهم العشاءَ وهی له نافلةٌ.

ترجمہ: حضرت جابرؓ ہی سے مروی ہے کہ معاذؓ نبی پاک ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ لیتے پھر اپنی قوم کی طرف واپس آکر اُن کو عشاء پڑھاتے اور وہ اُن کی نفل ہوتی۔(بیہقی، بخاری)

تشریح: ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی ایک نماز دو مرتبہ پڑھ سکتا ہے، اگر یہ مطلب لیا جائے تو یہ اب منسوخ ہے، کیونکہ آگے فصل ثالث میں سلیمان مولیٰ میمونہؓ کے حوالے سے حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے دن میں ایک نماز دو بار پڑھنے سے منع فرمایا اور ظاہر ہے کہ منع فرمانا اجازت کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

اگر ان احادیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ ان دونوں نمازوں میں سے ایک نفل ہوگی اور دوسری فرض۔تو اس بارے میں احناف کا

مذہب یہ ہے کہ پہلی والی نماز فرض ہوگی اور دوسری والی نفل۔لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے فرض نماز پڑھ لے تو وہ بعد میں دوسرے لوگوں کو اسی فرض کی امامت کراسکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص فرض پڑھنے والوں کا امام بن سکتا ہے،دلیل مذکورہ حدیث ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک ایسا شخص فرض پڑھنے والوں کا امام نہیں بن سکتا۔اِن حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے: ''الإمامُ ضامن''(امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے)اور امام تب ہی ضامن بن سکتا ہے جب کہ وہ فرض پڑھ رہا ہو۔نفل پڑھنے کی صورت میں وہ فرض پڑھنے والوں کا ضامن نہیں بن سکتا،کیونکہ نفل پڑھنے والے کی حالت ضعیف ہوتی ہے اور فرض پڑھنے والے کی قوی۔اور ضعیف قوی کا ضامن نہیں بن سکتا۔

حنفیہ کی جانب سے حدیثِ بالا کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یا تو یہ منسوخ ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے اور یا اس پر محمول ہے کہ حضرت معاذؓ آپ ﷺ کے ساتھ پہلے جو نماز پڑھتے ،وہ نفل کی نیت سے پڑھتے۔باقی اس حدیث کے آخر میں یہ جملہ'' وھی لہ نافلۃ''[جس سے امام شافعیؒ یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت معاذؓ کی دوسری والی نماز نفل ہوا کرتی]اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ محدثین کے بقول حدیثِ جابرؓ میں یہ جملہ غیر محفوظ ہے،اور یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ کسی راوی نے اپنے اجتہاد سے اس کا اضافہ کیا ہے،کیونکہ مشکوٰۃ کے اصل نسخوں میں یہ جگہ خالی ہے۔

''الفصل الثانی''

پڑھی ہوئی نماز جماعت کے ساتھ دوبارہ پڑھنا:

۱۰۸۳۔عن یزیدَ بن الأسودِ قال: شهدتُ مع النبیّ ﷺ حَجّتَه فصَلّیتُ معه صلوٰةَ الصبحِ فی مسجدِ الخیفِ فلمّاقضٰی صلوٰتَه وانحرفَ فاذاھو برجلینِ فی اٰخرِ القومِ لم یُصلّیا معه،قال: علَیَّ بهما،فجِیْئَ بهماتَرعَدُ فرائصُهما فقال: مامنعکما أن تُصلّیامعنا؟فقال: یا رسولَ الله! إنّا کنّاقدْ صلّینافی رِحالنا،قال:فلاتفعلااذاصلّیتُمافی رحالکماثمّ أتیتُما مسجدَ جماعةٍ فصلّیامعهم فإنّها لکمانافلةٌ.[ترمذی،أبوداؤد،نسائی]

ترجمہ:حضرت یزید بن اسودؓ کہتے ہیں کہ میں نبی پاک ﷺ کے ہمراہ حج(حجۃ الوداع) میں حاضر ہوا اور مسجدِ خیف میں آپ ﷺ کے ہمراہ صبح کی نماز پڑھی۔چنانچہ جب آپ ﷺ نماز پڑھ کر جانے لگے تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے آخر میں دو آدمی ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے ہمراہ نماز نہیں پڑھی۔(یہ دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس ان کو لے آؤ۔چنانچہ وہ دونوں اس حال میں حاضر کیے گئے کہ اُن کے شانوں کا گوشت کانپ رہا تھا۔آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے روکا۔وہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہم اپنے گھروں میں نماز پڑھ چکے تھے۔(یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا مت کرو جب تم گھروں میں نماز پڑھ چکے ہو پھر مسجدِ جماعت میں آنا ہو تو اُن کے ہمراہ نماز پڑھ لیا کرو،یہ نماز تمہارے لیے نفل ہوگی۔(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

"الفصل الثالث"

۱۰۸۴۔عن بُسر بن مِحجنٍ عن أبيه أنّه كان فى مجلسٍ مع رسولِ اللهﷺ فأُذِّنَ بالصلوٰةِ فقام رسولُ الله فصلّى ورجعَ ومِحجنٌ فى مجلسِه ،فقال له رسولُ اللهﷺ :مامنعكَ أنْ تُصلّى مع النّاسِ ،ألستَ برجلٍ مسلمٍ؟ فقال: بلىٰ يا رسولَ الله! ولٰكنّى كنتُ قدْ صلّيتُ فى أهلى فقال له رسولُ اللهﷺ:اذاجئتَ المسجدَ و كنتَ قد صلّيتَ فأُقيمتِ الصلوٰةُ فصلِّ مع النّاسِ وإن كنتَ قد صلّيتَ.[مالك ،نسائى]

ترجمہ:حضرت بُسر بن مجحن اپنے والد (مجحن) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مجلس میں نبی پاک ﷺ کے ہمراہ تھے کہ نماز کے لیے اذان دی گئی چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور نماز ادا فرما کر واپس ہوئے اور مجحن اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں، (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ کس چیز نے آپ کو لوگوں کے ہمراہ نماز پڑھنے سے روکا، کیا آپ مسلمان نہیں ہوں؟ مجحن نے عرض کیا کہ کیوں نہیں! (میں مسلمان ہوں) یارسول اللہ! لیکن (بات یہ ہے کہ) میں اپنے گھر میں نماز پڑھ چکا تھا (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ جب تو مسجد کو آئے اور (گھر میں) نماز پڑھ چکے ہو اور مسجد میں نماز (باجماعت) کھڑی ہو تو لوگوں کے ساتھ (جماعت کی) نماز پڑھو اگرچہ تو نماز پڑھ چکا ہو۔

۱۰۸۵۔عن رجلٍ من أسدبنِ خُزيمة أنّه سأل أبا أيّوبَ الأنصاريَّ قال: يُصلّى أحدُنا فى منزله الصلوٰةَثمّ يأتى المسجدَ و تُقامُ الصلوٰةُ فأُصلّى معهم فأجدُ فى نفسى شيئًا مِن ذلك فقال أبو أيّوب:سألناعن ذلك النبيَّ ﷺقال:فذلكَ له سهمُ جمعٍ.

ترجمہ: (قبیلۂ) اسد بن خُزیمہ کے ایک شخص سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابوایوب انصاریؓ سے پوچھا کہ ہم میں سے کوئی گھر میں نماز پڑھ لیتا ہے، پھر مسجد آ جاتا ہے اور (مسجد میں) نماز (باجماعت) پڑھی جارہی ہوتی ہے، چنانچہ میں اُن کے ساتھ (نماز باجماعت) پڑھ لیتا ہوں، اس حوالے سے میں اپنے دل میں کچھ چیز (یعنی کھٹک) محسوس کرتا ہوں۔حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا کہ ہم نے اس بارے میں نبی پاک ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ (دوبارہ نماز پڑھنا) اس کے جماعت (کی نماز) کا حصہ ہے۔(مالک،ابوداؤد)

۱۰۸۶۔وعن يزيد بن عامرٍؓ قال: جئتُ رسولَ اللهﷺ وهو فى الصلوٰةِ فجلستُ ولم أدخلُ معهم فى الصلوٰة فلمّا انصرفَ رسولُ اللهﷺرانى جالسًا فقال: ألمْ تُسلِمْ ؟يايزيدُ ! قلتُ: بلىٰ يا رسولَ الله! قد أسلمتُ،قال: ومامنعَكَ أن تدخلَ مع النّاسِ فى صلوٰتهم؟ قال: إنّى كنتُ قد صلّيتُ فى منزلى أحسبُ أن قد صلّيتم ،فقال: اذاجئتَ الصلوٰةَ فوجدتَ النّاسَ فصلِّ معهم وإن كنتَ قد صلّيتَ ،تكنْ لكَ نافلةً وهذامكتوبة.[أبوداؤد]

ترجمہ:حضرت یزید بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں آیا جبکہ آپ ﷺ (جماعت کی) نماز میں تھے، چنانچہ میں (ایک طرف) بیٹھ گیا اور اُن کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہوا۔ جب آپ ﷺ نے (نماز سے) فارغ ہو کر مجھے بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اے یزید! کیا تو مسلمان نہیں ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یارسول اللہ! (میں مسلمان ہو چکا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ (تو پھر) کس بات نے تم کو لوگوں کے ساتھ نماز (باجماعت) میں داخل ہونے سے روکا؟ یزیدؓ نے عرض کیا کہ میں نے گھر میں نماز پڑھ لی تھی، میرا خیال یہ تھا کہ آپ

لوگ نماز پڑھ چکے ہوں گے۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو نماز کو آئے اور لوگوں کو نماز پڑھتا ہوا پائے تو اُن کے ساتھ نماز پڑھ اور اگر تو (پہلے) نماز پڑھ چکا ہو تو وہ نماز تیری نفل ہو جائے گی اور یہ نماز فرض ادا ہوگی۔ (ابوداؤد)

۱۰۷۷۔وعن ابن عمرؓ أنّ رجلاً سأله فقال: إنّي أُصلّي في بيتي ثمّ أُدرِكُ الصلاةَ في المسجدِ مع الإمامِ أفأُصلّي معه؟ قال له: نعم! قال الرجلُ أيّتهما أجعلُ صلوٰتي ؟ قال ابن عمر: وذلكَ اليكَ؟إنّما ذلكَ الى اللهِ عزّ وجلّ يجعلُ أيّتهما شاءَ.[مالك]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ میں گھر میں نماز پڑھ لیتا ہوں پھر مسجد میں امام کے ساتھ نماز پالیتا ہوں تو کیا میں امام کے ساتھ نماز پڑھ لیا کروں؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جی ہاں! اُس شخص نے (پھر) پوچھا کہ دونوں میں سے کس نماز کو میں اپنی (فرض) نماز قرار دوں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ کیا یہ تیرا کام ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے کہ وہ اِن میں سے جس کو چاہے (فرض نماز) بنا دے۔ (مالک)

ایک نماز دو مرتبہ پڑھنے کی ممانعت:

۱۰۸۸۔عن سُليمان مولىٰ ميمونةؓ قال: أتينا ابنَ عمرؓ على البلاطِ وهم يُصلُّون فقلتُ: ألا تُصلّي معَهم؟ قال: قد صلّيتُ وإنّي سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقول: لاتُصَلُّوا صلوٰةً في اليومِ مرّتين.[أحمد،أبو داؤد،نسائی]

ترجمہ: سلیمان جو حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم (مقام) بلاط میں حضرت ابن عمرؓ کے ہاں آئے اور لوگ (اُس وقت جماعت کے ساتھ) نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپؓ اِن کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ تو حضرت ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی نماز دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو۔ (احمد، ابوداؤد)

فجر، عصر اور مغرب دوبارہ پڑھنے کا مسئلہ:

۱۰۸۹۔عن نافعٍ قال: إنّ عبدَ الله بن عمرؓ كان يقولُ: مَن صلّى المغربَ أو الصبحَ ثمّ أدرَكهما مع الإمامِ فلايَعُدْلهما.

ترجمہ: نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے مغرب یا صبح کی نماز (ایک مرتبہ) پڑھ لی پھر امام کے ساتھ اِن نمازوں کو پایا تو (ان نمازوں کو) دوبارہ نہ پڑھے۔ (مالک)

تشریح: چونکہ فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد طلوع آفتاب تک کسی قسم کی نفل نماز جائز نہیں اور مغرب کی نماز تین رکعت ہوتی ہے اور کوئی نفل تین رکعت مشروع نہیں، لہٰذا اگر کسی نے فجر یا مغرب پڑھ لی ہو اور پھر جماعت کے ساتھ یہ نمازیں اس کو ملیں تو دوبارہ نہ پڑھے۔ امام مالکؒ اس کے قائل ہیں۔ حنفیہؒ کے نزدیک عصر کی نماز کا بھی یہی حکم ہے چنانچہ اگر کسی نے عصر پہلے پڑھ لی ہو اور اب جماعت کے ساتھ ملے تو جماعت میں شریک نہ ہو، کیونکہ ان حضرات کے نزدیک عصر پڑھ لینے کے بعد کسی قسم کے نفل پڑھنے کی اجازت نہیں۔ امام شافعیؒ کے ہاں تمام نمازوں میں دوبارہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کی اجازت ہے۔ (مظاہر حق)

(بابُ السُّنَنِ و فضائِلِها)

{اس باب میں سنن رواتب کی مقدار اور فضائل سے متعلق احادیث لائی گئی ہیں}

''الفصل الاوّل''

سنتوں کی تعداد اور اُن کی فضیلت:

۱۰۹۰۔عن أمّ حبيبةَ رضی اللہ عنہا قالت: قال رسولُ الله ﷺ: مَن صلّى فى يومٍ وليلةٍ ثِنتَىْ عشرةَ ركعةً بُنِيَ لهٗ بيتٌ فى الجنّة أربعًا قبلَ الظهرِ وركعتين بعدها وركعتين بعدَ المغربِ وركعتين بعدَ العشاءِ وركعتين قبلَ صلوٰةِ الظهر.[ترمذی]وفی روايةٍ لمسلم:أنها قالت: سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقول: مامِن عبدٍ مسلمٍ يُصلّى لِله كلّ يومٍ ثِنتَىْ عشرةَ ركعةً تطوّعًا غير فريضةٍ الاّ بنىَ اللهُ له بيتًا فى الجنةِ [أوالاّ بُنِىَ له بيتٌ فى الجنّة].

ترجمہ:حضرت امّ حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جوشخص دن اور رات میں بارہ رکعت پڑھے اُس کے لیے جنت میں ایک گھر بنایا جاتا ہے،(وہ بارہ رکعت یہ ہیں:) چار ظہر سے پہلے،دو اُس کے بعد،دو رکعت مغرب کے بعد،دو رکعت عشاء کے بعد اور دو رکعت فجر کی نماز سے پہلے۔(رواہ الترمذی)اور مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت امّ حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جوکوئی مسلمان بندہ ہر روز اللہ کے لیے بارہ رکعت نماز علاوہ فرض کے نفل(سنت مؤکدہ)کے طور پر پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے یا فرمایا کہ اُس کے لیے جنت میں گھر بنایا جاتا ہے۔

قبل الظہر سنت چار رکعت ہیں یا دو؟:

تشریح: قوله: من صلّىٰ فى يومٍ وليلةٍ ثنتى عشرةَ ركعةً ....:۔اِس حدیث میں بارہ رکعت سننِ مؤکدہ کا ذکر ہے۔ان میں سے قبل الظہر چار رکعت پڑھنے کا ذکر ہے جو مذہب حنفی کے عین مطابق ہے۔۔حنفیہؒ اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث اس حوالے سے پیش کرتے ہیں مثلاً حضرت عائشہؓ کی حدیث:'' أنّ النبىّ ﷺ كان لا يدعُ أربعًا قبل الظهر ''(بخاری،ابوداؤد)اور آپ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث:''كان النبى ﷺ يصلى فى بيتى قبلَ الظهرِ أربعًا''(مسلم،ترمذی)ترجمہ:''نبی پاک ﷺ ظہر سے پہلے میرے گھر میں چار رکعت پڑھا کرتے تھے''اور فصلِ ثانی میں مروی حضرت ام حبیبہؓ کی یہ حدیث:'' سمعتُ النبى ﷺ يقول: من حافظ علىٰ أربعِ ركعاتٍ قبل الظهر وأربعًا بعدها حرمه الله على النار.''(احمد،ترمذی،ابوداؤد)فصل ثانی ہی میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت ''أربعٌ قبل الظهرِ ليس فيهنّ التسليم، تُفتَحُ لَهُنّ أبوابُ السماء .''(ابوداؤد، بن ماجہ)ان تمام روایات سے قبل الظہر چار رکعت پڑھنے کا اہتمام اور اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

امام مالکؒ کا بھی ایک قول احناف کی طرح چار رکعت کا ہے،جبکہ مشہور قول کے مطابق آپؒ کے ہاں سنت قبل الظہر کے حوالے

سے کوئی عدد مُعین نہیں۔

جبکہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہاں قبل الظہر دو رکعت پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ اِن حضرات کا استدلال مذکورہ حدیثِ باب کے متصل حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے ہے: ''قال: صلّيتُ مع النبيّ ﷺ ركعتين قبلَ الظهر و ركعتين بعدَها'' (بخاری، مسلم، ترمذی)

حنفیہ کی جانب سے اس کا ایک جواب تو یہ دیا جاتا ہے کہ حدیثِ ابنِ عمرؓ میں مذکور ''دو'' رکعتیں تحیۃ المسجد پر محمول ہے، کیونکہ قبل الظہر کی چار رکعتیں تو آپ ﷺ گھر میں پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ ماقبل میں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے معلوم ہو چکا۔ یہ جواب بھی دیا جاتا ہے کہ روایات سے ظہر سے پہلے چار رکعتیں بھی ثابت ہیں اور دو بھی، البتہ چار رکعتوں کے بارے میں وارد روایات بکثرت ہیں، اس لیے ترجیح چار رکعت والی روایات کو ہوگی۔ (نفحات، المسائل والدلائل)

۱۰۹۱۔وعن ابن عمرؓ قال: صلّيتُ مع رسول الله ﷺ ركعتين قبلَ الظهر و ركعتين بعدَها و ركعتينِ بعدَ المغربِ في بيتِه و ركعتين بعدَ العشاءِ في بيتِه، قال: وحدّثتني حفصةُ أنّ رسولَ الله ﷺ كان يُصلّي ركعتين خفيفتين حينَ يطلعُ الفجرُ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ دو رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت اُس کے بعد اور دو رکعت مغرب کے بعد آپ ﷺ کے گھر میں اور دو رکعت عشاء کے بعد آپ ﷺ کے گھر میں پڑھی۔ آپؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت حفصہؓ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ طلوعِ فجر کے بعد دو مختصر رکعتیں پڑھتے۔ (متفق علیہ)

۱۰۹۲۔وعنه قال: كان رسول الله ﷺ لا يُصلّي بعدَ الجمعةِ حتّٰى ينصرفَ فيُصلّي ركعتينِ في بيتِه. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے بعد نماز (نفل وغیرہ) نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ گھر آ کر دو رکعتیں پڑھتے۔

آنحضرت کے سنن ونوافل کی تعداد:

۱۰۹۳۔وعن عبد الله بن شقيقٍؒ قال: سألتُ عائشةَؓ عن صلوٰةِ رسولِ الله ﷺ عن تطوّعِه، فقالت: كان يُصلّي في بيتي قبلَ الظهر أربعاً ثمّ يخرُجُ فيُصلّي بالنّاس ثمّ يدخل فيصلّي ركعتين وكانَ يُصلّي بالنّاسِ المغربَ ثمّ يدخلُ فيُصلّي ركعتين ثمّ يصلّي بالنّاسِ العشاءَ ويدخلُ بيتي فيُصلّي ركعتين وكان يُصلّي مِن الليل تسعَ ركعاتٍ فيهنّ الوتر وكان يُصلّي ليلاً طويلاً قائماً وليلاً طويلاً قاعداً وكان اذاقرأ وهوقائمٌ ركعَ وسجدَ وهو قائمٌ وكان اذاقرأ قاعدًا ركعَ وسجدَ وهو قاعدٌ وكان اذااطّلعَ الفجرُ صلّى ركعتين. [مسلم]وزادَ أبوداؤد: "ثمّ يخرجُ فيُصلّي بالنّاسِ صلوٰةَ الفجرِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی نفل نمازوں کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے، پھر (مسجد) تشریف لے جاتے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے، پھر (گھر) تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے، پھر (گھر) تشریف لاتے پھر دو رکعت پڑھتے، پھر لوگوں کو عشاء پڑھاتے اور میرے گھر میں تشریف لاتے، پھر دو رکعت پڑھتے اور رات کو نو رکعت (تہجد) پڑھتے، جن میں وتر بھی ہوتے اور آپ ﷺ رات کافی دیر تک کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اور کافی دیر تک بیٹھ کر نماز پڑھتے اور جب قرأت کھڑے ہو کر کرتے تو رکوع سجدہ بھی کھڑے ہو کر کرتے اور جب بیٹھ کر قراءت کرتے تو رکوع سجدہ بھی بیٹھ کر کرتے اور جب فجر طلوع ہوتی تو دو رکعت (سنت) پڑھتے۔ (مسلمؒ) اور ابوداؤدؒ نے یہ

اضافہ کیا ہے کہ پھر آپ ﷺ (مسجد) تشریف لاتے اور لوگوں کو فجر کی نماز پڑھاتے۔

سنتِ فجر کا حددرجہ اہتمام:

١٠٩٤۔عن عائشةؓ قالت: لم يكنِ النبيُّ ﷺ علىٰ شئٍ من النوافلِ أشدَّ تعاهدًا منه علىٰ ركعتي الفجرِ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ کسی قسم کے نوافل کی اتنا زیادہ اہتمام نہ کرتے جتنا فجر کی دو رکعتوں کا اہتمام کرتے۔

سنتِ فجر کی فضیلت:

١٠٩٥۔وعنها قالت: قال رسولُ الله ﷺ: ركعتا الفجرِ خيرٌ من الدنيا وما فيها.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فجر کی دو رکعت (سنتیں) دنیا اور اُس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔(مسلم)

مغرب کے فرضوں سے پہلے دو نفل:

١٠٩٦۔عن عبدالله بن مغفلؓ قال: قال النبيُّ ﷺ: صلُّوا قبلَ صلوٰةِ المغربِ ركعتين ،قال في الثالثةِ:لِمَن شاءَ ، كراهيةَ أنْ يتّخِذَهاالنّاسُ سنةً.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ مغرب کی (فرض) نماز سے پہلے دو رکعت (نفل) پڑھو اور (دو مرتبہ یہ فرمانے کے بعد) تیسری مرتبہ میں فرمایا کہ جو شخص (اسے پڑھنا) چاہے (وہ پڑھے)۔اس بات کو مکروہ سمجھتے ہوئے کہ کہیں لوگ اس کو سنت نہ بنا بیٹھے۔(متفق علیہ)

نمازِ جمعہ کے بعد سنتوں کی تعداد کا مسئلہ:

١٠٩٧۔عن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن كانَ مِنكم مُصلِّيًا بعدَ الجمعةِ فليُصلِّ أربعًا.[مسلمؒ]وفي أُخرىٰ له قال: اذاصلّى أحدُكم الجمعةَ فليُصلِّ بعدَها أربعا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص جمعہ کے بعد نماز پڑھنے والا ہو تو اسے چاہیے کہ چار رکعت پڑھے۔(مسلمؒ) اور مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھ لے تو اس کو چاہیے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھے۔

تشریح: قوله: من كان منكم مصلّيًا بعد الجمعةِ فليُصلِّ أربعًا....:۔اس حدیث میں جمعہ کے بعد کی سنت کے چار رکعت ہونے کی تصریح ہے۔یہاں ان سنتوں کے حوالے سے فقہاء کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے۔چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعت نماز پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے۔امام ابو یوسفؒ چھ رکعت بتاتے ہیں۔جبکہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہاں جمعہ کے بعد دو رکعت سنتِ مؤکدہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال مذکورہ حدیث کے علاوہ حضرت ابن مسعودؓ کے اس اثر سے بھی ہے: ''أنّه كانَ يُصلّي قبلَ الجمعةِ أربعًا وبعدَها أربعًا.''(ترمذی) ترجمہ: ''حضرت ابن مسعودؓ جمعہ سے پہلے بھی چار رکعت پڑھتے اور جمعہ کے بعد بھی''۔

جبکہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی دلیل اسی فصل کی ابتدا میں مروی حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے: ''قال: كانَ النبيُّ ﷺ لا

يُصلّى بعدَ الجمعةِ حتّٰى ينصرِفَ فيُصلّى ركعتين في بيته.''(متفق علیہ)

امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق چار اور دو رکعت والی احادیث پر عمل کی صورت:

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیثِ ابو ہریرہؓ (جو کہ قولی حدیث ہے) سے چار رکعت ثابت ہوتے ہیں اور ابن عمرؓ کی حدیث (جو کہ فعلی ہے) سے دو رکعت ثابت ہوتے ہیں، دونوں پر عمل کی یہی صورت ہے کہ چھ رکعت پڑھے جائیں؛ آپؒ اس کے علاوہ صحابہؓ کے آثار سے بھی استدلال کرتے ہیں، مثلاً: حضرت علیؓ کا یہ ارشاد: ''مَن كان مُصلّيًا بعدَ الجمعةِ فليُصلِّ ستًا. ''(طحاوی) ترجمہ: ''جو شخص جمعہ کے بعد نماز (سنت) پڑھنا چاہے تو چھ رکعت پڑھے''۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا عمل: ''كان يُصلّي بعد الجمعةِ ستَّ ركعاتٍ. ''(ابن ابی شیبہ) ترجمہ: ''ابو موسیٰ اشعریؓ جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھا کرتے تھے''۔

اکثر مشائخِ حنفیہ کا فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، البتہ اِن چھ رکعات کو اس طرح پڑھنا اولیٰ ہے کہ پہلے چار رکعت پڑھے اور پھر دو کیونکہ چار رکعت پر حنفیہ کے تینوں ائمہ کا اتفاق ہے۔

حنفیہؒ کی جانب سے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی مستدل حدیثِ ابن عمرؓ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث فعلی ہے اور ہماری پیش کردہ حدیث قولی ہے اور قولی حدیث فعلی سے راجح ہوتی ہے۔ (مرآۃ، نفحات)

''الفصل الثانی''

ظہر سے پہلے اور اُس کے بعد چار رکعتوں کی فضیلت:

١٠٩٨ ـ عن أمِّ حبيبةَؓ قالت: سمعتُ رسول اللهِ ﷺ يقولُ: من حافظ على أربعِ ركعاتٍ قبلَ الظهرِ وأربعًا بعدَها حرَّمه اللهُ على النّار. [أحمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت امّ حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے ظہر سے پہلے چار رکعت کی اور ظہر کے بعد چار رکعت کی محافظت کی، اللہ تعالیٰ اُس شخص کو دوزخ پر حرام فرمادیں گے۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

١٠٩٩ ـ وعن أبي أيوب الأنصاريؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: أربعٌ قبلَ الظهر ليس فيهنّ تسليمٌ تُفتحُ لهنّ أبوابُ السماء.

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظہر سے پہلے چار رکعت (اس طرح) پڑھنا کہ جن (کے درمیان) میں سلام نہ ہو، اِن (چار رکعتوں) کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

١١٠٠ ـ وعن عبد الله بن سائبؓ قال: كانَ رسول الله ﷺ يُصلّي أربعًا بعد أن تزولَ الشمسُ قبلَ الظهرِ وقال: إنّها ساعةٌ تُفتحُ فيهنّ أبوابُ السماءِ فأُحِبُّ أن يصعدَ لي فيها عملٌ صالحٌ. [ترمذی]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سائبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سورج ڈھلنے کے بعد ظہر (کی نماز) سے پہلے چار رکعت پڑھتے اور فرماتے کہ یہ ایسی گھڑی ہے جس میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں چنانچہ میں پسند کرتا ہوں کہ اس گھڑی میں میرا نیک عمل اوپر جائے۔

عصر سے پہلے نفل پڑھنے کی فضیلت:

۱۱۰۱۔وعن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللهﷺ: رحِم اللهُ امرأً صلّى قبلَ العصرِ أربعًا .[أحمد،أبوداؤد،ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُس آدمی پر رحم فرمائے جو عصر سے پہلے چار رکعت (نفل) پڑھے۔

۱۱۰۲۔وعن عليؓ قال: كان رسولُ الله ﷺ يُصلّي قبلَ العصرِ أربعَ ركعاتٍ يَفصِلُ بينهنَّ بالتسليمِ على الملائكةِ المقرّبين ومَن تبعهم من المسلمين والمؤمنين.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ عصر (کی نماز) سے پہلے چار رکعت (نفل) نماز پڑھتے اور اُن کے درمیان مقرب ملائکہ اور جو مسلمان اور اہلِ ایمان اُن کے تابع ہیں اُن پر سلام کہہ کر فصل ڈالتے۔ (ترمذی)

۱۱۰۳۔وعنه قال: كان رسولُ اللهﷺ يُصلّي قبلَ العصرِ ركعتينِ .[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت علیؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ عصر (کی نماز) سے پہلے دو رکعت (نفل) نماز پڑھتے۔ (ابوداؤد)

مغرب کے بعد کے نوافل:

۱۱۰٤۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: مَنْ صلّى بعدَ المغربِ ستَّ ركعاتٍ لم يتكلّمْ فيمابينهنّ بسُوءٍ عُدِلنَ له بعبادةِ ثِنتيْ عشرةَ سنةً.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جس نے مغرب (کی نماز) کے بعد چھ رکعتیں (اس طرح) پڑھی کہ اُن کے درمیان بدکلامی نہ کرے تو یہ نوافل (یعنی ان کا ثواب) اُس کے لیے بارہ برس کی عبادت (کے ثواب) کے برابر کیے جاتے ہیں۔ (ترمذی)

۱۱۰٥۔وعن عائشةؓ قالت: قال رسولُ اللهﷺ: مَن صلّى بعدَ المغربِ عشرين ركعةً بنى اللهُ له بيتًا في الجنة.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جس نے مغرب کے بعد بیس رکعت (نفل) پڑھے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت میں گھر بنائیں گے۔ (ترمذی)

عشاء پڑھ کر چار یا چھ رکعت نماز پڑھنا:

۱۱۰٦۔وعنها قالت: ماصلّى رسولُ اللهﷺ العشاءَ قَطُّ فدخلَ عليّ إلّا صلّى أربعَ ركعاتٍ أو ستّ ركعاتٍ.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہﷺ جب کبھی عشاء پڑھ کر میرے پاس آئے چار یا چھ رکعت (نفل) ضرور پڑھے۔ (ابوداؤد)

''ادبار النجوم'' اور ''ادبار السجود'':

۱۱۰۷۔عن ابن عباسؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: 'إدبارَ النجومِ' الركعتانِ قبلَ الفجرِ و'أدبارَ السجودِ' الركعتانِ بعدَ المغرب.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''اِدبارَ النجوم'' (کی تسبیح) فجر سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں اور ''اَدبارَ السجود'' (کی تسبیح) مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہیں۔ (ترمذی)

''الفصل الثالث''

قبل الظہر چار رکعت پڑھنا تہجد کے برابر ہے:

۱۱۰۸۔عن عمرؓ قال: سمِعتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقولُ: أربعٌ قبلَ الظهر بعدَ الزوالِ تُحسَبُ بمثلِهِنّ في صلوٰةِ السحرِ ومامِن شيءٌ الّا وهويُسبِّحُ اللهَ تلك الساعةَ ثمّ قرأ: "يتفيأُ ظلالُه عن اليمينِ والشمائلِ سُجّدًا لله وهم داخِرُون". [ترمذی، بیہقی]

ترجمہ: حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ظہر سے پہلے زوال کے بعد چار رکعت (سنت یا نفل) اسی کے برابر نماز تہجد شمار کی جاتی ہیں اور اس وقت ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: ''يتفيأ ظلاله عن اليمينِ والشمائلِ ...'' [ترجمہ] ''تمام چیزوں کے سائے دائیں بائیں طرف سے اللہ کے لیے ذلیل وحقیر ہو کر سجدہ کرتے ہوئے جھکتے ہیں''۔

عصر کے بعد آپ ﷺ کا دو رکعت پڑھنا:

۱۱۰۹۔وعن عائشةؓ قالت: ما تركَ رسولُ الله ﷺ ركعتين بعد العصرِ عندي قطّ. [متفق عليه] وفي روايةٍ للبخاري: قالت: "والذي ذهبَ به ماتركهما حتّٰى لقِيَ اللهَ".

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاں (گھر میں) عصر کے بعد دو رکعت (نفل) کبھی ترک نہیں فرمائے۔ (متفق علیہ) اور بخاری کی روایت میں ہے (فرمایا کہ) اُس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو وفات دی، آپ ﷺ نے ان دو رکعتوں کو ترک نہیں فرمایا یہاں تک کہ اللہ سے ملاقات فرمائی۔

عصر کے نوافل سے متعلق حضرت عمرؓ کا عمل:

۱۱۱۰۔وعن المختارِ بن فُلفُل قال: سألتُ أنسَ بن مالكٍؓ عن التطوُّعِ بعدَ العصر فقال: كان عمرؓ يضربُ الأيدي علىٰ صلوٰةٍ بعدَ العصرِ وكنّانصلّي علىٰ عهدِ رسولِ اللهِ ﷺ ركعتين بعدَ غروبِ الشمسِ قبلَ صلوٰةِ المغربِ، فقلتُ له: أكان رسولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّيهما؟ قال: كان يرانانُصلِّيهمافلم يأمُرناولم ينهَنا. [مسلم]

ترجمہ: مختار بن فُلفل کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے عصر کے بعد نفل کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ عصر کے بعد نفل پڑھنے پر (چھڑی سے) ہاتھوں پر مارتے تھے اور ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں غروبِ شمس کے بعد نماز مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ (مختار کہتے ہیں) کہ میں نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ (آپ خود تو نہیں پڑھتے تھے لیکن) آپ ہمیں یہ دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھتے تو نہ ہمیں اس کا (تاکیدی) حکم فرماتے اور نہ اس سے منع فرماتے۔

۱۱۱۱۔وعن أنسؓ قال: كنّا بالمدينة فإذا أذّنَ المؤذّنُ لصلوٰةِ المغربِ ابتدَرُوا السواريَ فركعُوا ركعتين حتّٰى أنّ الرجلَ الغريبَ ليدْخلُ المسجدَ فيحسبُ أنّ الصلوٰةَ قدصُلِّيتْ مِن كثرةِ مَن يُصلِّيهما. [مسلم]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ میں تھے جب مؤذن مغرب کی نماز کے لیے اذان کہتا تو صحابہؓ (مسجد کے) ستونوں کی طرف دوڑتے، یہاں تک کہ کوئی مسافر شخص اگر مسجد میں داخل ہوتا تو بکثرت لوگوں کے (الگ الگ) یہ نماز پڑھنے سے وہ (یہ) خیال کرتا کہ مغرب کی (فرض) نماز پڑھی جا چکی ہے۔ (مسلم)

۱۱۱۲۔وعن مُرثد بن عبدالله قال: أتيتُ عقبة الجُهَنِيَّ فقلتُ: ألا أُعجّبُك من أبي تميم يركع ركعتين قبلَ صلوٰةِ المغربِ فقال عُقبة: إنّا كنّا نفعله على عهدِ رسولِ الله ﷺ، قلتُ: فما يمنعُك الآن؟ قال: الشُّغلُ. [بخاری]

ترجمہ: مرثد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ جہنیؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کو ابوتمیم (ایک تابعی) کی تعجب انگیز بات نہ بتادوں؟ (جو یہ ہے کہ) وہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت (نفل نماز) پڑھتا ہے۔ (یہ سن کر) عقبہؓ نے کہا کہ یہ نماز ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پڑھتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اب کس چیز نے (یہ نماز پڑھنے سے) آپ کو روکا ہے؟ فرمایا کہ مشغولیت نے۔ (بخاری)

نفل گھر کی نماز ہے:

۱۱۱۳۔وعن كعب بن عُجرةؓ قال: إنّ النبيَّ ﷺ أتىٰ مسجدَ بني عبد الأشهل فصلّى فيه المغربَ فلمّا قضَوا صلوٰتهم راٰهم يُسبّحون بعدَها، فقال: هذهِ صلوٰةُ البيوت. [أبوداؤد] وفي روايةِ الترمذي والنسائي: "قامَ النّاسُ يتنفّلون، فقال النبي ﷺ: عليكم بهذه الصلوٰةَ في البيوتِ".

ترجمہ: حضرت کعب بن عُجرہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ بنو عبد الاشہل کی مسجد میں تشریف لائے اور اس میں مغرب کی نماز پڑھی، جب لوگ نماز پڑھ چکے تو آپ نے اُن کو دیکھا کہ (فرض) نماز کے بعد نفل پڑھ رہے ہیں تو فرمایا کہ یہ (نفل) گھروں کی نماز ہے۔ (ابوداؤد) ترمذی و نسائی کی روایت میں ہے کہ (فرض کے بعد) لوگ نفل پڑھنے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تم پر لازم ہے کہ یہ نماز گھروں میں پڑھو۔

مغرب کے بعد کی دو رکعت سنت:

۱۱۱۴۔عن ابن عباسؓ قال: كان رسولُ الله ﷺ يُطِيلُ القراءَةَ في الركعتين بعدَ المغربِ حتىٰ يتفرّقَ أهلُ المسجدِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں لمبی قرأت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ مسجد کے لوگ متفرق ہو جاتے (یعنی چلے جاتے تھے)۔ (ابوداؤد)

تشریح: آپ ﷺ اکثر اوقات مغرب کی سنتوں میں [قل یاایہا الکفرون] اور [قل ھو اللہ أحد] پڑھتے۔ اور عموماً یہ سنتیں اپنے گھر جاکر پڑھتے، لہذا کہا جائے گا کہ اس حدیث میں وارد "آنحضرت ﷺ کا یہ سنتیں مسجد میں پڑھنا" اعتکاف وغیرہ کسی عذر کی بنا پر تھا اور لمبی قرأت کرنا کسی دن پر محمول ہے۔ (مظاہر حق)

۱۱۱۵۔وعن مكحولٍ يبلُغ به أنّ رسولَ الله ﷺ قال: مَن صلّى بعد المغربِ قبل أن يتكلّم ركعتين [وفي رواية: أربعَ ركعاتٍ] رُفِعتُ صلوٰتُه في عِلّيين. [مرسلاً]

ترجمہ: مکحول سے مروی ہے، وہ اس روایت کو نبی پاک ﷺ تک پہنچاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مغرب کے بعد کسی سے

بات کرنے سے پہلے دو رکعت پڑھے اور ایک روایت میں چار رکعت کا ذکر ہے، تو اُس کی نماز علّیین میں اٹھادی جاتی ہے۔

مغرب کے بعد کی سنتیں جلدی پڑھنی چاہیے:

١١١٦۔وعن حُذیفةؓ نحوه وزاد:" فکان یقولُ: عجّلوا الرکعتین بعد المغرب فإنّهما تُرفعانِ مع المکتوبة. [رواهما رزین] وروی البیهقی الزیادةَ عنه نحوَه فی شعب الایمان.

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ ﷺ یہ فرمایا کرتے تھے کہ مغرب کی دو رکعتیں جلدی پڑھو، کیونکہ یہ دو رکعتیں فرض نماز کے ساتھ اٹھائی جاتی ہیں۔ (ان دونوں روایتوں کو رزین نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے اضافہ نقل کیا ہے)

فرض اور نفل کے درمیان فرق کرنا چاہیے:

١١١٧۔وعن عمرو بن عطاء قال: إنّ نافعَ بن جُبیر أرسلَه إلی السائبِ یسئلُه عن شیٔ راه منه معاویةُ فی الصلوٰةِ، فقال: نعم! صلّیتُ معه الجمعةَ فی المقصورةِ، فلمّا سلّمَ الإمامُ قمتُ فی مقامی فصلّیتُ فلمّا، فلمّا دخلَ أرسلَ الیّ فقال: لاتَعُدْ لمافعلتَ، اذا صلّیتَ الجمعةَ فلاتَصِلُها بصلوٰةٍ حتیّٰ تُکلّمَ أو تخرُجَ فإنّ رسولَ اللهِ ﷺ أمرَنابذلك أن لانُوصِل بصلوٰةٍ حتیّٰ نتکلّمَ أو نخرجَ. [مسلم]

ترجمہ: عمرو بن عطاء کہتے ہیں کہ نافع بن جُبیر نے اُس کو حضرت سائبؓ کی طرف بھیجا کہ اُس چیز (فعل) کے بارے میں اُن سے پوچھے جو انہوں نے حضرت معاویہؓ کو نماز میں کرتے دیکھا۔ حضرت سائبؓ نے کہا کہ جی ہاں! میں نے حضرت معاویہؓ کے ہمراہ مقصورہ میں جمعہ پڑھا، چنانچہ جب امام نے سلام پھیرا تو میں اپنی جگہ کھڑا ہوا اور (فرض وسنت میں امتیاز کیے بغیر) نماز پڑھی۔ جب حضرت معاویہؓ تشریف لائے تو میری طرف پیغام بھیجا اور فرمایا کہ دوبارہ ایسا مت کرو، جب جمعہ پڑھ چکو تو اُس کے ساتھ کوئی نماز مت ملاؤ یہاں تک کہ بات کرلو یا مسجد سے نکل جاؤ، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس کا حکم دیا کہ ہم نماز کے ساتھ (دوسری نماز) نہ ملائے یہاں تک کہ بات چیت کرلیں یا (مسجد سے) نکل جائیں۔ (مسلم)

١١١٨۔عن عطاء قال: کان ابنُ عمرؓ إذا صلّی الجمعةَ بمکّةَ تقدّمَ فصلّٰی رکعتین ثمّ یتقدّمُ فیُصلّی أربعا، واذا کان بالمدینةِ صلّی الجمعةَ ثمّ رجعَ الیٰ بیتِهٖ فصلّٰی رکعتین ولم یُصَلِّ فی المسجدِ، فقیل له: فقال: کان رسولُ اللهِ ﷺ یفعله. [أبوداؤد] و فی روایة الترمذی قال: رأیتُ ابنَ عمرَ صلّٰی بعدَ الجمعةِ رکعتین ثمّ صلّٰی بعدَ ذلك أربعا.

ترجمہ: حضرت عطاء سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جب مکہ میں جمعہ پڑھ چکتے تو (کچھ) آگے بڑھتے اور دو رکعت نماز پڑھتے پھر (تھوڑا) آگے بڑھتے اور چار رکعت پڑھتے اور جب مدینہ میں ہوتے تو جمعہ پڑھتے، پھر اپنے گھر واپس آتے اور دو رکعت پڑھتے اور مسجد میں نماز (سنت وغیرہ) نہ پڑھتے۔ آپؓ سے (اس بارے میں) پوچھا گیا تو آپؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ عطاء کہتے ہیں: میں نے ابن عمرؓ کو دیکھا کہ جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھتے، اس کے بعد چار رکعت پڑھتے۔

(بابُ صَلاةِ اللَّيلِ)

"الفصل الاوّل"

فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنے کی حیثیت:

۱۱۱۹۔عن عائشةؓ قالت: كانَ النبيُّ ﷺ يُصلّي فيما بين يَفرُغَ من صلاةِ العشاءِ إلى الفجرِ إحدىٰ عشرَ ركعةً يُسلِّمُ مِن كلِّ ركعتين ويوترُ بواحدةٍ فيَسْجُدُ السجدةَ مِن ذلك قدرَمايقرأُ أحدُكم خمسين آيةًقبلَ أن يرفعَ رأسَه فاذاسكتَ المؤذّنُ مِن صلوٰةِالفجرِ وتبيّنَ له الفجرُ قامَ فركعَ ركعتين خفيفتين ثمّ اضطجعَ علىٰ شِقِّه الأيمنِ حتىٰ يأتيه المؤذّنُ للاقامةِ فيخرجُ.

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے سے لے کر فجر تک گیارہ رکعت پڑھتے، ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور (آخر میں) ایک رکعت کے ساتھ وتر (یعنی طاق) بنالیا کرتے تھے اور اُس رکعت میں (اتنا طویل) سجدہ کرتے کہ اس سے پہلے کہ آپ ﷺ سر (مبارک) اٹھاتے اتنی دیر میں تم میں سے کوئی پچاس آیتیں پڑھ لے، پھر جب مؤذن فجر کی نماز کے لیے اذان دے کر خاموش ہوجاتا اور آپ ﷺ کے سامنے فجر ظاہر ہوجاتی تو کھڑے ہوکر دو مختصر رکعتیں (سنت) پڑھتے، پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ مؤذن اقامت کہنے (کی اجازت) کے لیے آپ ﷺ کے پاس آتا تو آپ (مسجد) تشریف لے جاتے۔(متفق علیہ)

تشریح:اس حدیث سے یہ بات ثابت ہورہی ہے کہ فجر کی سنتوں کے بعد تھوڑا سا لیٹنا آپ ﷺ کا عمل ہے۔نیز ابوداؤد میں مروی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے امت کے لیے بھی اس عمل کو پسند فرمایا، چنانچہ ارشادِ گرامی ہے: "إذا صلّىٰ أحدُكم ركعتى الفجرِ فليضطجعْ علىٰ يمينه." ترجمہ: "جب تم میں سے کوئی فجر کی سنت پڑھ لے تو اس کو دائیں کروٹ پر لیٹ جانا چاہیے"۔

ان احادیث کی بنا پر امام شافعیؒ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنا سنت (از سننِ عبادت) ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں آپ ﷺ کا فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنا سنت از سننِ عادیہ ہے سننِ عبادت میں سے نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص نبی پاک ﷺ کی عادتِ مبارکہ کی اتباع کی نیت سے یا شب بیداری کی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے تھوڑا سا لیٹ جائے تاکہ بدن میں چستی اور نشاط پیدا ہو اور فجر کے فرض کی ادائیگی حضورِ قلب کے ساتھ ہو تو اُس کے لیے ایسا کرنا مستحب ہے۔امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک نقل کیا گیا ہے۔البتہ اِس عمل کو سنت اور ضروری سمجھ کر بہر حال لیٹنا یا مسجد میں لیٹنا مکروہ ہے۔

اِن حضرات کی جانب سے امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث فعلی کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا آرام کرنا عبادت کی غرض سے نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ استراحت کی غرض سے ہوا کرتا تھا کیونکہ آپ ﷺ رات کا اکثر حصہ عبادت میں جاگ کر گزار دیتے؛ اور ہم بھی ایسے تہجد گزار شخص کے حق میں اس کے قائل ہیں کہ اگر وہ آپ ﷺ کی اس عادتِ مبارکہ کی اتباع کرے تو اُس کے واسطے بھی اجر کی امید ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی دیگر عاداتِ شریفہ کی اتباع کا بھی یہی حکم ہے۔اور قولی حدیث (حدیثِ ابوہریرہؓ) کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث شاذ اور غیر

محفوظ ہے، نیز اس کی سند میں ''عبدالواحد'' نامی ایک ضعیف راوی بھی ہے، لہذا یہ حدیث حجت نہیں ہوگی۔(نفحات)

فائدہ: سنن عادیہ وہ سنتیں ہیں جن کا تعلق آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ سے ہو اور وہ عبادت کے قبیل سے نہ ہو البتہ اِس پر عمل کرنا نبی پاک ﷺ سے محبت کی علامت ہے۔

فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد آپ ﷺ کا معمول:

۱۱۲۰۔وعنها قالت: كان النبي ﷺ إذا صلّىٰ ركعتي الفجر فإن كنتُ مستيقظةً حدّثني وإلا اضطجعَ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب فجر کی دو رکعت سنت پڑھ لیتے تو اگر میں جاگ رہی ہوتی تو مجھ سے باتیں فرماتے ورنہ تو لیٹ جاتے۔(مسلم)

۱۱۲۱۔وعنها قالت: كان النبيُّ ﷺ إذا صلّى ركعتي الفجرِ اضطجعَ علىٰ شِقِّه الأيمن.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ جب فجر کی دو رکعت سنت پڑھ لیتے تو اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے۔

وتر اور فجر کی سنتوں سمیت تیرہ رکعت نماز پڑھنا:

۱۱۲۲۔وعنها قالت: كان النبي ﷺ يُصلّي من الليلِ ثلثَ عشرة ركعةً منها الوترُ وركعتا الفجرِ.[بخاری]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ رات میں تیرہ رکعت نماز پڑھتے اِن میں وتر اور فجر کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی۔(بخاری)

۱۱۲۳۔وعن مسروقٍ قال: سألتُ عائشةَ عن صلوٰةِ رسولِ الله ﷺ بالليلِ فقالت: سبعٌ وتسعٌ وإحدىٰ عشرةَ ركعةً سِوى ركعتَي الفجر.[بخاری]

ترجمہ: مسروق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے رات کی نماز کے متعلق پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ (کبھی) سات (رکعتیں) اور (کبھی) نو رکعتیں اور (کبھی) گیارہ رکعتیں فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ پڑھتے۔(بخاری)

تہجد کی ابتدا میں دو ہلکی رکعتیں:

۱۱۲٤۔وعن عائشةَ قالت: كان النبيُ ﷺ إذا قامَ من الليل لِيُصلّي افتتحَ صلوٰتَه بركعتينِ خفيفتينِ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب رات میں نماز (تہجد) پڑھنے کھڑے ہوتے تو اپنی نماز (تہجد) کی ابتدا دو ہلکی رکعتوں سے کرتے۔(مسلم)

۱۱۲۵۔وعن أبي هريرةَ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إذا قامَ أحدُكم مِن الليل فليفتتِحِ الصلوٰةَ بركعتين خفيفتينِ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی رات میں (تہجد کے لیے) اٹھے تو نماز (تہجد) کی ابتدا دو ہلکی رکعتوں سے کرے۔(مسلم)

آنحضرت کی ایک رات کی عبادت کا قصہ:

۱۱۲٦۔وعن ابن عباسٍ قال: بِتُّ عند خالتي ميمونةَ ليلةً والنبيُّ ﷺ عندها فتحدّثَ رسولُ الله ﷺ مع أهلِه ساعةً ثمّ رقدَ

فلما كان ثلثُ الليلِ الآخرُ أو بعضُه قعدَ فنظرَ الى السماءِ فقرأ: "إنّ في خلقِ السمٰوٰتِ والأرضِ واختلافِ الليلِ والنهارِ لآياتٍ لأولي الألبابِ" حتىّ ختمَ السورةَ، ثمّ قامَ الى القِربةِ فأطلقَ شِناقَها ثمّ صبّ في الجفنةِ ثمّ توضّأ وضوءً حسنًا بين الوضوئين لم يُكثِرْ وقد أبلغَ، فقام فصلّى فقمتُ وتوضّأتُ فقمتُ عن يسارِه فأخذَ بأُذني فأدارني عن يمينِه فتتامّتْ صلوٰتُه ثلاثَ عشرةَ ركعةً ثمّ اضطجعَ فنامَ حتىّ نفخَ [وكان اذانامَ نفخَ] فاذنه بلالٌ بالصلوٰةِ فصلّى ولم يتوضّأ وكان في دعائه: "اللّهمّ اجعلْ في قلبي نورًا وفي بصرِي نورًا وفي سمعي نورًا وعن يميني نورًا وعن يساري نورًا وفوقي نورًا وتحتي نورًا وأمامي نورًا وخلفي نورا واجعلْ لي نورًا". وزاد بعضُهم: "وفي لساني نورًا" وذَكرَ: "وعَصَبِي ولحمي ودَمي وشَعْري وبَشَري". [متفق عليه] وفي روايةٍ لهما: "واجعلْ في نفسي نورا واَعْظِمْ لي نورا" وفي أُخرى لمسلم: "اللّهمّ أعطِني نورًا".

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ میمونہ کے پاس ایک رات گذاری اور نبی پاک ﷺ (اس رات) اُن کے ہاں تھے۔ نبی پاک ﷺ نے اپنے اہل کے ساتھ تھوڑی دیر تک گفتگو فرمائی، پھر سو گئے، پھر جب رات کا آخری ایک تہائی یا بعض حصہ رہ گیا تو آپ ﷺ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی جانب دیکھا اور یہ آیت پڑھی: "إنّ في خلق السمٰوٰتِ والأرضِ واختلاف الليل والنهار لآيات لأولي الألباب" حتیٰ کہ سورت ختم کردی، پھر مشکیزے کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے، اُس کا دہانہ کھولا پھر پیالے میں پانی ڈالا پھر اچھی طرح درمیانی قسم کا وضو فرمایا، زیادہ پانی نہیں بہایا اور (تمام اعضاء تک پانی) پہنچایا پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے چنانچہ میں نے بھی اٹھ کر وضو کیا اور آپ ﷺ کے بائیں طرف کھڑا ہوگیا (یہ دیکھ کر) آپ نے میرا کان پکڑ کر مجھے اپنی دائیں جانب گھمایا (یعنی دائیں طرف مجھے کھڑا کیا)، آپ کی نماز تیرہ (۱۳) رکعت مکمل ہوئی پھر آپ لیٹ کر سو گئے حتیٰ کہ خراٹے لینے لگے اور آپ ﷺ جب سوتے تو خراٹے لیتے، اتنے میں بلالؓ نے آپ کو (فجر کی) نماز (کا وقت ہو جانے) کی اطلاع کی، چنانچہ آپ ﷺ نے وضو کیے بغیر (سنت) نماز پڑھی، اور (سنت وفرض کے درمیان) آپ ﷺ کی دعا میں یہ کلمات ہوتے: "اللهم اجعل في قلبي نورًا وفي بصري نورًا ....الخ" [ترجمہ] "اے اللہ! میرے دل میں اور میری آنکھوں میں اور میرے کانوں میں اور میرے دائیں اور میرے بائیں اور میرے اوپر اور میرے نیچے اور میرے آگے اور میرے پیچھے نور پیدا فرما اور میرے واسطے نور پیدا فرما" [اور بعض راویوں نے یہ اضافہ کیا ہے] "اور میری زبان میں نور پیدا کر" [اور یہ بھی ذکر کیا ہے] "اور میرے پٹھے میں اور میرے گوشت میں اور میرے خون اور میرے بال اور میری کھال میں (نور پیدا فرما)"۔ (متفق علیہ) اور بخاری ومسلم کی ایک روایت میں آتا ہے "اور میری جان میں نور پیدا فرمایا اور میرے لیے نور کو بڑھا" [اور مسلم کی ایک روایت میں ہے] "اے اللہ مجھے نور عطا فرما"۔

١١٢٧۔وعنه أنّه رقدَ عندَ رسولِ الله ﷺ فاستيقظَ فتسوَّكَ وتوضّأ وهو يقول: "إنّ في خلق السمٰوٰت والأرضِ" حتىّ ختمَ السورةَ ثمّ قامَ فصلّى ركعتين أطالَ فيهما القيامَ والركوعَ والسجودَ ثمّ انصرفَ فنامَ حتىّ نفخَ ثمّ فعل ذلك ثلاثَ مرّاتٍ ستّ ركعاتٍ، كلّ ذلك يستاكُ ويتوضّأُ ويقرأُ هؤلاءِ الآياتِ ثمّ أوترَ بثلاثٍ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ (ایک دوسری مرتبہ) انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاں رات گزاری، آپ ﷺ (رات کو) اٹھے اور مسواک کیا اور وضو فرمایا اور آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے: "إنّ في خلق السمٰوٰت والأرض" حتیٰ کہ سورت ختم کردی پھر

کھڑے ہوکر دو رکعت نماز پڑھی جس میں قیام، رکوع اور سجدے کو طویل کیا پھر فارغ ہوکر سوگئے حتیٰ کہ خراٹے لینے لگے، پھر ایسا تین مرتبہ کیا ، چھ رکعت پڑھیں، ہر بار آپ مسواک اور وضو فرماتے اور یہ (مذکورہ) آیات پڑھتے پھر (آخر میں) تین (رکعت) وتر پڑھے۔ (مسلم)

آپ ﷺ کے نمازِ تہجد کی کیفیت:

۱۱۲۸۔عن زید بن خالد الجهنيّ أنّه قال: لأرمُقَنّ صلوٰةَ رسول الله ﷺ الليلةَ فصلّٰی رکعتین خفیفتین ثمّ صلّٰی رکعتین طویلتین طویلتین طویلتین،ثمّ صلّٰی رکعتین وهمادونَ اللتین قَبْلَهما،ثمّ صلّٰی رکعتین وهما دونَ اللتین قبلهما،ثمّ صلّٰی رکعتین وهما دونَ اللتین قبلهما ،ثمّ أوترفذلك ثلثةَ عشرةَ رکعةً. روٰی مسلمٌ قولَه:"ثمّ صلّٰی رکعتین وهما دونَ اللتین قبلهما" أربعَ مرّاتٍ. هکذافي صحیح مسلم وافرادِه مِن کتاب الحُمیديّ ومؤطّامالك وسننِ أبي داوٗدوجامع الاُصول]

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے مروی ہے، آپؓ کہتے ہیں کہ (میں نے دل میں کہا کہ) آج کی رات میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کو ضرور دیکھوں گا، چنانچہ آپ ﷺ نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں پھر دو رکعت نہایت طویل طویل پڑھیں، پھر دو رکعتیں پہلی دو رکعتوں سے کم (طویل) پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی والی دو رکعتوں سے کم تھی، پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اپنے سے پہلی والی دو رکعتوں سے کم تھیں پھر وتر پڑھے اور یہ تیرہ رکعتیں ہوئیں۔ امام مسلمؒ نے حضرت زیدؓ کا یہ قول کہ ''پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی والی دو رکعتوں سے کم (طویل) تھیں'' چار مرتبہ روایت کیا ہے۔ [اسی طرح صحیح مسلم میں ہے اور حمیدیؒ کی صحیح مسلم کے ''افراد'' (جس میں صرف مسلم کی روایات ہے) میں بھی اور موطا مالک میں اور سنن ابوداؤد میں اور جامع الاصول میں بھی اسی طرح ہے۔]

آخر عمر میں آنحضرت نفل نماز اکثر بیٹھ کر پڑھا کرتے:

۱۱۲۹۔عن عائشةؓ قالت: لمّا بدّن رسولُ الله ﷺ وثقُل کان أکثرُ صلوٰته جالسًا .[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر زیادہ ہوئی اور (بڑھاپے کی وجہ سے بدن) بھاری ہوگیا تو آپ ﷺ کی اکثر (نفل) نماز بیٹھ کر ہوا کرتی۔ (متفق علیہ)

سورتیں جو آپ ﷺ بکثرت تہجد کی نماز میں پڑھتے:

۱۱۳۰۔عن عبدالله بن مسعودؓ قال: لقد عرفتُ النظائرَالّتي کان النبيُّ ﷺ یقرِن بینهنّ، فذکرَ عشرینَ سورةً مِن أوّلِ المُفصّلِ علیٰ تألیف ابن مسعودسورتین في رکعةٍآخرهنّ:"حمٓ الدخان وعمّ یتساء لون". [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ''میں آپس میں ملتی جلتی (اُن سورتوں کو) جانتا ہوں جنہیں نبی پاک ﷺ (نماز میں) جمع کیا کرتے تھے''، چنانچہ انہوں نے مصحف ابن مسعود کے مطابق مُفصّل کے اوّل میں سے بیس سورتیں ذکر کیں، اس طرح کہ ہر رکعت میں دو سورتیں ہوتیں جن کے آخر میں حمٓ الدخان اور عمّ یتسآء لون تھیں۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: لقد عرفتُ النظائر الّتي ....: [نظائر] جمع ہے نظیرۃ کی بمعنیٰ مثلٌ اور شِبہٌ کے۔ یہاں نظائر سے مراد قرآن کی وہ سورتیں ہیں جو طوالت اور اختصار میں ایک جیسی ہیں۔

قولہ: فذكر عشرينَ سورةً من أوّل المفصّلِ ...:۔اس حدیث میں بیس ایک جیسی سورتوں کی آخری دوسورتیں'' حٰمٓ الدخان اور عمّ يتساء لون'' کوقرار دیا گیا ہے۔جبکہ امام ابوداؤدؒ نے ابوداؤدشریف میں ان سورتوں کی تفصیل کچھ یوں بیان کی ہیں کہ''سورۃ الرحمٰن''اور ''النجم''ایک رکعت میں، پھر'' اقتربت الساعة''اور ''الحاقة''دوسری رکعت میں،اسی طرح پھرایک رکعت میں بالترتیب''سورۃ الطور''اور'' الذاریات'' پھر''سورۃ الواقعۃ''اور''سورۃ القلم'' ،پھرایک رکعت میں ''سئل سائلٌ ''اور''النازعات''اوردوسری میں'' ويلٌ للمطفّفين'' اور ''عبس و تولّى''اس کے بعد''سورۃ مدثر''اور''سورۃ مزمل''ایک رکعت میں۔اور''هل أتىٰ''اور'' لا أُقسم بيوم القيامة'' دوسری میں۔اورپھر''عمّ يتساء لون ''اور ''والمرسلات ''ایک رکعت میں۔اور'' حٰمٓ الدخان ''اور'' إذا الشمسُ كُوّرت '' دوسری میں۔ اس کے بعدامام ابوداؤد فرماتے ہیں:''هذا تأليفُ ابنِ مسعودؓ''یعنی''یہ حضرت ابن مسعودؓ کی تالیف یعنی جمع کردہ مصحف کے مطابق ہے''

سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے یا اجتہادی:

اس جگہ یہ گفتگو ہوئی ہے کہ قرآن کی سورتوں کی باہمی ترتیب توقیفی (وحی سے مقرر شدہ) ہے یا صحابہ کرامؓ کے اجماع سے متعین ہوئی ہے؟چنانچہ قاضی ابوبکر بن الانباریؒ،علامہ طیبیؒ،علامہ زرکشیؒ اور علامہ کرمانیؒ کی رائے یہ ہے کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے جس طرح کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے۔

جمہور محققین کی رائے یہ ہے کہ سورتوں کی ترتیب حضرات صحابہ کرامؓ کے اتفاق اوراجتہاد سے قائم ہوئی۔اس پر دلیل یہ ہے کہ سلف کے مصاحف ترتیب کے اعتبار سے مختلف ہے،چنانچہ حضرت علیؓ کے مصحف کی ترتیب سورتوں کے نزول کے اعتبار سے تھی۔اسی طرح حضرت اُبی بن کعبؓ کے مصحف کی ترتیب بھی موجودہ مصاحف سے جداتھی۔(نفحات)

''الفصل الثانی''

آپ ﷺ کے تہجد کی کیفیت:

١١٣١۔عن حذيفةؓ قال:إنّه رأى النبيَّ ﷺ يُصلّي من الليل، فكانَ يقولُ: الله أكبر ثلاثًا ذو المَلكُوت والجَبرُوت والكِبرياءِ والعظمةِ ثمّ استفتح فقرأ البقرةَ ثمّ ركعَ فكانَ ركوعُه نحوًا مِن قيامِه فكان يقولُ في ركوعِه:''سبحان ربّي العظيم'' ثمّ رفعَ رأسَه مِن الركوعِ فكانَ قيامُه نحوًا مِن ركوعِه يقول:''لربّي الحمد''ثمّ سجدَ فكان سجودُه نحوًا من قيامِه فكان يقولُ في سجودِه:'' سبحان ربّي الأعلىٰ'' ثمّ رفعَ رأسَه مِن السجودِ وكان يقعدُ فيمابين السجدتين نحوًا مِن سجودِهِ وكان يقولُ: ربِّ اغفرلي ،ربِّ اغفِرلي ،فصلّى أربعَ ركعاتٍ ،قرأفيهنّ البقرةَ وال عمران والنساءَ والمائدةَ [أوِالأنعامَ] شكَّ شعبةُ.

ترجمہ:حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ انھوں نے نبی پاک ﷺ کورات میں نماز (تہجد) پڑھتے دیکھا،آپ ﷺ نے تین مرتبہ [الله أكبر] کہہ کر[ذوالملكوت والجبروت والكبرياءِ والعظمة] کہاپھر(کلماتِ)استفتاح[سبحانك اللهمّ]پڑھی پھرسورۃ بقرہ پڑھی،پھررکوع فرمایا:آپ ﷺ کارکوع آپ ﷺ کے قیام کے بقدرتھااورآپ ﷺ رکوع میں[سبحان ربّي العظيم] کہہ رہے تھے،پھررکوع سے سر (مبارک)اٹھایااورآپ ﷺ کا کھڑے رہنا(یعنی قومہ)رکوع کے بقدرتھا آپ ﷺ [لربّي الحمد] کہہ رہے تھے،پھرسجدہ فرمایا آپ ﷺ

کا سجدہ آپ کے قومہ کے بقدر تھا اور آپ سجدہ میں [سبحان ربّی الأعلیٰ] کہہ رہے تھے، پھر آپ ﷺ نے سجدہ سے سر اٹھالیا اور آپ دونوں سجدوں کے درمیان سجدہ کے بقدر بیٹھے اور [ربّ اغفرلی] کہا کرتے، (اس طرح) آپ ﷺ نے چار رکعتیں پڑھیں جن میں سورۃ بقرہ، آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ مائدہ یا سورۃ انعام پڑھیں۔ شعبہ (راوی حدیث) کو (یہاں) شک ہوا ہے۔ (ابوداؤد)

نمازِ تہجد میں زیادہ سے زیادہ قیام کی فضیلت:

۱۱۳۲۔وعن عبدِ الله بن عمرو بن العاصؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ :مَن قام بعشرِ آیاتٍ لم یُکتبْ مِن الغافلین ومَن قامَ بمائةِ آیةٍ کُتِبَ مِن القانتین،ومَن قامَ بألفِ آیةٍ کُتِب مِن المُقنطرین.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص (رات میں نماز کے اندر فکر و تدبر کے ساتھ) دس آیتیں پڑھے گا وہ (اس رات) غافلوں میں نہیں لکھا جاتا اور جو سو آیتیں پڑھے وہ فرمانبرداروں میں لکھا جاتا ہے اور جو ہزار آیتوں کے ساتھ قیام کرے وہ بہت زیادہ ثواب پانے والوں میں سے لکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

تہجد میں آپ ﷺ کے قراءت کی کیفیت:

۱۱۳۳۔ وعن أبی هریرةؓ قال: کانت قرآءةُ النبیّ ﷺ باللیل یرفعُ طَورًا ویخفضُ طَورًا.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رات (تہجد) میں آپ ﷺ کی قرأت یوں ہوتی کہ کبھی تو آواز بلند فرمادیتے اور کبھی پست۔

۱۱۳۴۔وعن ابن عباسؓ قال: کان قرآءة النبیّ ﷺ علیٰ قدرِ ما یسمعُه مَن فی الحُجرة وهو فی البیتِ .

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (تہجد میں) آپ ﷺ کی قرأت اتنی (آواز سے) ہوتی کہ آپ اگر گھر کے کمرے میں ہوتے تو جو شخص صحن میں ہوتا وہ سن لیتا۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے تہجد کا واقعہ:

۱۱۳۵۔وعن أبی قتادةؓ قال: إنّ رسول الله ﷺ خرج لیلةً ،فإذاً هو بأبی بکرؓ یُصلّی وهو یخفِضُ مِن صوتِه ومرَّ بعمر و هو یُصلّی رافعًا صوتَه فلمّا اجتمعا عندَ النبیّ ﷺ قال:یاأبابکر! مررتُ بك وأنتَ تُصلّی تخفِضُ صوتَك ،قال: قدْ أسمعتُ مَن ناجیتُ یارسولَ الله! وقال لعمر:مررتُ بك وأنتَ تُصلّی رافعًا صوتَك ،فقال: یا رسولَ الله! أُوقِظُ الوَسْنانَ وأطرُدُ الشیطانَ فقال النبیّ ﷺ:یا أبابکر! ارفعْ مِن صوتِك شیئًا ،وقال لعمرَ:اخفِضْ مِن صوتِك شیئًا .[أبو داؤد،والترمذیُّ نحوَه]

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ ایک رات باہر (مسجد نبوی میں) تشریف لائے اچانک ابوبکرؓ نظر آئے جو پست آواز کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ حضرت عمرؓ پر سے بھی گزرے جو اونچی آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوقتادہ کہتے ہیں کہ جب دونوں (صبح کے وقت) نبی پاک ﷺ کے ہاں اکٹھے ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! (رات کو) میں آپ کے پاس سے گذرا اور آپ پست آواز کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے (یہ سن کر) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جس (ذات) سے مناجات تھی اسی کو سنا رہا تھا۔ اور حضرت عمرؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: میرا گذر آپ پر بھی ہوا اور آپ بلند آواز کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی

یارسول اللہ! میں (بلند آواز سے) سوئے ہوئے کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ (دونوں حضرات کے جواب سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! تم اپنی آواز کو کچھ بلند کرو۔ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا: تم اپنی آواز کو کچھ پست کرو۔ (ابوداؤد، ترمذی نحوہ)

آپ ﷺ کا ایک آیت کے ساتھ صبح تک قیام:

١١٣٦۔عن أبی ذرؓ قال: قام رسول الله ﷺ حتیٰ أصبح بآیۃٍ والآیۃ: "إن تعذّبهم فإنّهم عبادُك وإن تغفر لهم فإنّك أنت العزیزُ الحکیمُ". [نسائی، ابن ماجۃ]

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ (ایک رات) رسول اللہ ﷺ نے صبح تک ایک آیت کے ساتھ قیام فرمایا وہ آیت یہ ہے: "إن تعذّبهم فإنهم۔" [ترجمہ] "اگر تو ان کو عذاب دے تو تیرے بندے ہیں (یعنی تجھے اختیار ہے) اور اگر ان کو بخشنا چاہے تو تو غالب حکمت والا ہے۔"

١١٣٧۔وعن أبی هریرۃؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إذا صلّی أحدُکم رکعتی الفجرِ فلیضطجع علیٰ یمینہ۔ [متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی فجر کی دو رکعت (سنت) پڑھ لے تو اُسے چاہیے کہ (جماعت شروع ہونے تک) اپنی داہنی کروٹ پر لیٹا رہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

فائدہ: فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنا اس شخص کے حق میں مستحب ہے جو رات کو تہجد وغیرہ عبادات میں مشغول ہو۔ اس طرح لیٹنے سے بدن کی سستی اور تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور فجر کے فرض آدمی نشاط کے ساتھ پڑھ لیتا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے مسجد وغیرہ میں ایسا نہ کیا جائے بلکہ گھر میں ایسا کیا جائے اور سو جانے سے بھی اپنے آپ کو بچائے۔ (مظاہر حق)

"الفصل الثالث"

تہجد کا مسنون وقت:

١١٣٨۔عن مسروقؒ قال: سألتُ عائشۃؓ: أیُّ العمل کان أحبَّ إلی رسولِ الله ﷺ؟ قالت: الدائمُ، قلتُ: فأیَّ حین کان یقومُ من اللیل؟ قالت: کان یقومُ اذا سمعَ الصارخَ۔ [متفق علیہ]

ترجمہ: مسروقؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کون سا عمل زیادہ محبوب تھا؟ آپؓ نے فرمایا: وہ عمل جو ہمیشہ ہو۔ میں نے پھر عرض کیا کہ رات کی کون سی گھڑی میں آپ ﷺ تہجد پڑھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ جب مرغ کی آواز سن لیتے تو (تہجد کے واسطے) کھڑے ہو جایا کرتے۔ (متفق علیہ)

فائدہ: ہمارے ہاں کے مرغ عموماً صبح کے قریب یا صبح ہو جانے پر بانگ دیتے ہیں جبکہ بلادِ عرب میں عموماً مرغ آدھی رات کے بعد بانگ دیتے ہیں، لہٰذا کہا جائے گا کہ آپ ﷺ آدھی رات کے بعد تہجد کے لیے اٹھا کرتے تھے۔ (مظاہر حق)

آپ ﷺ سے رات کے ہر حصہ میں تہجد بھی ثابت ہے اور آرام فرمانا بھی:

١١٣٩۔وعن أنسؓ قال: ما کنّا نشاءُ أن نری رسولَ الله ﷺ فی اللیل مُصلّیًا إلا رأیناہ ولا نشاءُ أن نراہ نائمًا الّا رأیناہ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم رات میں جس وقت رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھنا چاہتے (یعنی ہمارے خیال میں وہ وقت آپ کے آرام کو ہوتا) مگر (اس وقت) ہم آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے اور (جس وقت) ہم آپ کو سوتے ہوئے نہ دیکھنا چاہتے (یعنی ہمارے خیال میں وہ آپ کی عبادت کا وقت ہوتا) مگر یہ کہ (اس وقت) آپ ﷺ کو سوتے ہوئے دیکھتے۔ (نسائی)

ایک سفر میں آپ ﷺ کے تہجد کی کیفیت:

١١٤٠۔عن حُمید بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ قال: إنّ رجلاً من أصحابِ النبی ﷺ قال: قلتُ وأنا فی السفرِ مع رسولِ الله ﷺ: واللہ! لأرقُبَنّ رسولَ الله ﷺ للصلوٰۃِ حتیٰ أریٰ فعلَه فلمّا صلّی صلوٰۃَ العشاءِ وھی العَتَمۃَ اضطجعَ ھَوِیًّا من اللیل ثمّ استیقظَ فنظرَ فی الأفقِ فقال: "ربّنا ماخلقتَ ھذا باطلاً [حتیٰ بلغَ الیٰ] إنّك لاتُخلِفُ المیعاد" ثمّ أھوٰی رسولُ الله ﷺ الیٰ فراشِہٖ فاستلّ منہ سواکًا ثمّ أفرغَ فی قَدَحٍ مِن أداوۃٍ عندَہ ماءً فاستنّ ثمّ قامَ فصلّی حتیٰ قلتُ: قدصلّی قدرَ مانامَ، ثمّ اضطجعَ حتیٰ قلتُ: قدنامَ قدرَ ماصلّی، ثمّ استیقظَ ففعلَ کمافعلَ أوّلَ مرّۃٍ وقال مثلَ ماقال، ففعلَ رسولُ الله ﷺ ثلاثَ مرّاتٍ قبلَ الفجر. [نسائی]

ترجمہ: حضرت حُمید بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے فرمایا کہ میں نے (دل میں) کہا جبکہ میں نبی پاک ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں تھا کہ اللہ کی قسم! میں نماز کے وقت آپ ﷺ کو (غور سے) دیکھتا رہوں گا تا کہ میں (اس حوالے سے) آپ ﷺ کا عمل دیکھوں (اور پھر اس کے مطابق عمل کر سکوں) چنانچہ جب آپ ﷺ نے عشاء کی نماز جسے "عتمہ" کہتے ہیں پڑھ لی تو رات کچھ دیر تک (آرام کی غرض سے) لیٹ گئے، پھر جاگ اٹھے اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہ آیت پڑھی "ربّنا ماخلقتَ ھذا باطلاً" یہاں تک کہ "إنّك لا تُخلِفُ المیعاد" تک پہنچے پھر اپنے بستر کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں سے مسواک نکالی پھر ایک برتن (چھاگل وغیرہ) سے [جو آپ ﷺ کے پاس تھی] ایک پیالے میں پانی نکالا، پھر مسواک فرمائی، پھر نماز پڑھنے کھڑے ہوئے حتیٰ کہ میں (دل میں) کہنے لگا کہ آپ ﷺ نے اتنی نماز پڑھی جتنی دیر سوئے تھے، پھر لیٹ گئے حتیٰ کہ میں نے (دل میں) کہا کہ آپ ﷺ اتنی دیر سو لیے جتنی دیر نماز پڑھی تھی، پھر آپ ﷺ جاگ اٹھے اور ویسے ہی کیا جیسا کہ پہلی بار (اٹھ کر) کیا تھا اور پہلے جو (آیت) کہی تھی وہی کہی، آپ ﷺ نے فجر ہونے سے پہلے تین مرتبہ اس طرح فرمایا۔ (نسائی)

١١٤١۔وعن یعلیٰ بن مَمْلَكٍ أنّه سأل أمّ سلمۃؓ زوجِ النبیِّ ﷺ عن قرآءۃِ النبی ﷺ وصلوٰتہٖ فقالت: ومالکم وصلاتَه کان یُصلّی ثمّ ینامُ قدرَ ماصلّی ثمّ یصلّی قدرَ مانام، ثمّ ینامُ قدرَ ماصلّی حتیٰ یُصبحَ ثمّ نعتتْ قراءتَه فاذاھی تنعَتُ قراءۃً مُفسّرۃً حرفًا حرفًا. [أبو داؤد، نسائی، ترمذی]

ترجمہ: حضرت یعلیٰ بن مملکؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت امّ سلمہؓ سے آپ ﷺ کی قرأت اور (تہجد کی) نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تمہیں آپ ﷺ کی نماز سے کیا (یعنی آپ ﷺ کی تہجد جیسی تہجد پڑھنا تمہارے بس کا کام نہیں) آپ ﷺ نماز (تہجد) پڑھتے، پھر جتنی دیر کے لیے آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہوتی اتنی دیر کے لیے سو جاتے پھر (نیند سے اٹھ کر) اتنی دیر کے لیے نماز پڑھتے جتنی دیر تک سوئے رہتے، پھر اتنی دیر تک سو جاتے جتنی دیر تک نماز پڑھی ہوتی یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ پھر حضرت

امّ سلمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی قراءت کو خوب واضح کر کے ایک ایک حرف کو بیان کرنے لگی۔(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

(بابُ مَا يَقُوْلُ إذا قامَ مِنَ اللَّيلِ)

{رات میں تہجد کے لیے اٹھنے پر کیا کیا دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں؟ اس باب میں اس حوالے سے احادیث ذکر کی گئی ہے}

"الفصل الاوّل"

نمازِ تہجد کے لیے اٹھتے وقت کی دعا:

۱۱۴۲۔عن ابن عباسؓ قال: كان النبيُّ ﷺ إذا قام من الليل يتهجّدُ، قال:" اَللّهمّ لكَ الحمدُ أنتَ قَيِّمُ السمٰوٰتِ والأرضِ ومَن فيهنّ ولكَ الحمدُ أنتَ نورُ السمٰوٰت والأرضِ ومَن فيهنّ ،ولكَ الحمدُ أنتَ مَلِكُ السمٰوٰت والأرضِ ومَن فيهنّ ، ولكَ الحمدُ أنتَ الحقّ ووعدُكَ الحقُّ ولقاءُكَ حقٌّ وقولُكَ حقٌّ والجنّة حقٌّ والنّارحقٌّ والنبيُّون حقٌّ محمدٌ حقٌّ والساعةُ حقٌّ،اللّهمّ لكَ أسلمتُ وبكَ امنتُ وعليكَ توكّلتُ واليكَ أنَبتُ وبكَ خاصمتُ واليكَ حاكمتُ فاغفِرلي ماقدّمتُ وماأخّرتُ وماأسررتُ وماأعلنتُ وماأنتَ أعلمُ به منّي أنتَ المُقدّمُ وأنتَ المؤخّرُ لاإلٰهَ الاّ أنتَ ولااله غيرُكَ".[متفق عليه]

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب رات کو تہجد پڑھنے اٹھتے تو کہتے کہ" اللّهمّ لكَ الحمد أنت قيّم...الخ"

[ترجمہ]:"اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں تو آسمانوں کو اور زمین کو اور جو اِن کے درمیان ہیں اُن کو قائم رکھنے والا ہے۔اور تیرے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں تو آسمانوں اور زمین کا اور جو اِن کے درمیان ہیں، اُن کا نور ہے۔اور تیرے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں تو آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہیں، اُن کا بادشاہ ہے۔تو حق ہے اور تیرا وعدہ حق ہے اور تیری ملاقات حق ہے اور تیرا کلام حق ہے اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور انبیاء (علیہم السلام) حق ہیں اور محمد (ﷺ) حق ہیں اور قیامت حق ہے۔اے اللہ! میں تیرا تابعدار ہوں اور تجھی پر ایمان لایا ہوں اور تجھ ہی پر بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع ہوتا ہوں اور تیری ہی مدد سے (دین کے دشمنوں سے) جھگڑتا ہوں اور تجھ ہی سے فریاد کرتا ہوں۔پس میرے لیے بخش دے اُن گناہوں کو جو میں پہلے کر چکا اور وہ گناہ جو (بعد میں) مجھ سے ہوں گے اور وہ گناہ جو میں نے چھپ کر کیے اور وہ گناہ جو میں نے اعلانیہ کیے اور وہ گناہ جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی تیرے سوا کوئی عبادت کا لائق ہے۔(متفق علیہ)

۱۱۴۳۔وعن عائشةؓ قالت: كان النبيُّ ﷺ إذا قام من الليل افتتحَ صلوٰتَه فقال: "اللّهمّ ربَّ جبرئيل وميكائيل واسرافيل، فاطرَ السمٰوٰتِ والأرضِ، عالمَ الغيبِ والشهادةِ، أنتَ تحكمُ بينَ عبادكَ فيما كانوا فيه يختلِفون،اِهدِني لمااختلفَ فيه مِن الحقِ باذنِكَ اِنّكَ تهدي مَن تشاءُ الىٰ صراطٍ مستقيم".[مسلم]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب رات میں (تہجد کے لیے) کھڑے ہوتے، نماز شروع فرماتے تو کہتے:"اے اللہ!

اے جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! اے پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اس چیز کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اے اللہ اپنے اذن سے میری راہنمائی فرما اس حق کی طرف جس میں اختلاف کیا گیا ہے، کیونکہ جس کو تو چاہے سیدھے راہ کی ہدایت کرتا ہے"۔ (مسلم)

رات کو نیند سے بیدار ہو کر یہ کلمات کہے جائیں:

١١٤٤۔وعن عُبادة بن صامت قال: قال رسول اللهﷺ: مَنْ تَعَارَّ مِن الليل فقال: "لاإله إلا اللهُ وحدَه لا شريكَ له، له الملكُ وله الحمدُ وهو على كلّ شيٌ قديرٌ وسبحانَ الله والحمدُ لله ولا إله إلا اللهُ واللهُ أكبرُ ولا حولَ ولا قوّةَ إلا بالله" ثمّ قال: "اللّهمّ اغفرلي" [أو قال: ثمّ دعا] أستجيبَ له فإنْ توضّأَ وصلّى قُبلتْ صلوتُه. [بخاري]

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رات کو نیند سے بیدار ہو کر یہ پڑھے: "لا إلـــه إلا الـلـــه وحـده... الخ" پھر (اس کے بعد) کہے کہ "ربّ اغـفـرلـي" یا فرمایا کہ پھر دعا مانگے تو وہ دعا قبول کی جاتی ہے اور اگر وہ وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کی جاتی ہے۔ (بخاری)

"الفصل الثانی"

١١٤٥۔عن عائشةؓ قالت: كان رسول اللهﷺ إذا استيقظ من الليل قال: "لا إله إلا أنتَ سبحانَكَ اللّهمّ وبحمدِك أستغفرُك لذنبي وأسألُك رحمتَك، اللّهمّ زِدْني علمًا ولا تُزِغْ قلبي بعدَ اذْ هديتَني وهَبْ لي مِن لدنكَ رحمةً إنّكَ أنتَ الوهّاب".

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو بیدار ہو جاتے تو (یہ دعا) کہتے: "لا إله إلاأنت سبحانك اللّهمّ... الخ" [ترجمہ] "تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو پاک ہے اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ میں تجھ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہتا ہوں اور تیری رحمت مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما اور مجھے ہدایت عطا فرمانے کے بعد میرے دل کو ٹیڑھا مت فرما۔ اور اپنی جانب سے رحمت عنایت فرما، بے شک تو خوب عطا کرنے والا ہے"۔ (ابوداؤد)

باوضو ذکر کرتے ہوئے سو جانے کی فضیلت:

١١٤٦۔وعن معاذ بن جبلؓ قال: قال رسول اللهﷺ: ما من مسلمٍ يبيتُ على ذكرٍ طاهرًا فيتعارُّ مِن الليل فيسألُ اللهَ خيرًا الّا أعطاهُ اللهُ إيّاه. [أحمد، أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان پاک حالت میں ذکر کرتا ہوا رات کو سوئے پھر رات کو بیدار ہو کر اللہ سے کسی بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ بھلائی ضرور عطا فرماتے ہیں۔ (احمد، ابوداؤد)

تہجد کے وقت آپ ﷺ کی تسبیحات اور دعا:

١١٤٧۔وعن شريق الهوزنيّ قال: دخلتُ على عائشةؓ فسألتُها بما كان رسولُ الله ﷺ يفتتحُ اذاهَبَّ مِن الليلِ؟فقالتْ

سالتنی عن شئ ماسألنی عنه أحدٌ قبلك ،كان اذاهبَّ مِن الليلِ كبّر عشرًاو حمِدالله عشرًاو قال:"سبحان الله و بحمده" عشرًاو قال:" سبحانِ الملِكِ القُدُّوسِ "عشرًا،و استغفرَاللهَ عشرًا،وهلّلَ اللهَ عشرًا،ثمّ قال:"اللّٰهمّ إنّی أعوذبُك مِن ضِيقِ الدنيا وضِيق يوم القيامةِ" عشرًا،ثمّ يفتتِحُ الصلوٰةَ .[أبوداؤد]

ترجمہ:شریق ہوزنی ؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوااور اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو بیدار ہوتے تو پہلے کیا کرتے ؟حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ نے مجھ سے ایسی چیز کے بارے میں پوچھا ہے جس کے متعلق آپ سے پہلے مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا۔(پھر فرمانے لگی کہ) آپ جب رات کو بیدار ہوتے تو دس مرتبہ[الله أكبر] کہتے اوردس بار[الحمد لله] کہتے اوردس مرتبہ[سبحان الله و بحمده] کہتے اوردس مرتبہ[سبحان الملك القدوس] کہتے اوردس مرتبہ استغفار کرتے اوردس مرتبہ [لا إله إلا الله] کہتے پھر دس مرتبہ(یہ دعا) کہتے:''اللّٰهمّ إنّی أعوذبك من ضيقِ الدنيا وضِيق يوم القيامةِ" پھر نماز (تہجد)شروع فرماتے۔

١١٤٨ـعن أبی سعيدؓ قال: كان رسولُ اللهﷺ إذا قام مِن الليل كبّرَ ثمّ يقولُ:" سبحانَكَ اللّٰهمّ وبحمدكَ وتباركَ اسمُكَ وتعالىٰ جدُّكَ ولاالٰهَ غيرُكَ "ثمّ يقولُ:"الله أكبر كبيرًا"ثمّ يقولُ:"أعوذُ باللهِ السميعِ العليم مِن الشيطٰن الرجيم مِن همزِه ونفخِه ونفثِه".[ترمذی،أبوداؤد،نسائی]وزادَ أبوداؤدبعدَ قولِه: [غيرُك]"ثمّ يقولُ:لاالٰه الّا اللهُ، ثلاثًا "وفی اخرِ الحديث:"ثمّ يقرأُ".

ترجمہ:حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو(نماز پڑھنے) کھڑے ہوتے تو کہتے :"سبحانك اللهمّ وبحمدك.."الخ

ترجمہ:''اے اللہ تو پاک ہے اور تعریف تیرے ہی واسطے ہے اور تیرا نام بابرکت ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی عبادت کا لائق نہیں پھر کہتے کہ [الله أكبر كبيراً] پھر کہتے کہ میں خوب سننے والے،خوب جاننے والے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے،اس کے وسوسہ سے،اس کے تکبر سے اوراس کے منتر سے''۔(ترمذی،ابوداؤد،نسائی)اورابوداؤدنے[ولا إله غيرك] کے بعد یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ پھر آپ ﷺ [لا إله إلا الله] تین مرتبہ کہتے اور حدیث کے آخر میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ پھر آپ قرأت فرماتے۔

١١٤٩ـوعن ربيعةَ بن كعبؓ الأسلمیؓ قال: كنتُ أبِيتُ عندَ حُجرةِ النبیﷺ فكنتُ أسمعُه إذا قام يقول:"سبحانَ ربِّ العالمين"الهَوِیَّ ،ثمّ يقول:"سبحانَ الله وبحمدِه "الهوِیَّ.[نسائی والترمذی وقال:هذاحديثٌ حسنٌ صحيحٌ]

ترجمہ:حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ کہتے ہیں کہ میں نبی پاک ﷺ کے حجرہ کے پاس رات گذارتا چنانچہ جب آپ ﷺ رات کو اٹھتے تو میں آپ ﷺ کو سنتا کہ دیر تک[سبحان ربّ العالمين] کہتے ،پھر دیر تک[سبحان الله وبحمده] کہتے۔(نسائی، ترمذی)

(بابُ التَّحرِیضِ عَلیٰ قیامِ اللَّیلِ)

{اس باب میں قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز کی رغبت دلانے سے متعلق احادیث لائی گئی ہیں}

"الفصل الاوّل"

تہجد سے روکنے کے لیے شیطان کی مکاریاں:

۱۱۵۰۔عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ :یعقدُ الشیطانُ علیٰ قافیةِ رأسِ أحدِکم إذا هو نام ثلاثَ عُقدٍ،یضربُ علیٰ کلِّ عُقدةٍ:"علیك لیلٌ طویل فارقُدْ،فإن استیقظ و ذکراللهَ اِنحلّتْ عقدةٌ ،فان توضّأ اِنحلّتْ عقدةٌ،فإن صلّی اِنحلّتْ عقدةٌ فأصبح نشیطًا طیّبَ النفسِ والاّ أصبحَ خبیثَ النفسِ کسلانَ.[متفق علیه]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ شیطان تم میں سے کسی کے سر کی گدی پر جب کہ وہ سو جاتا ہے"تین گرہیں" لگاتا ہے، ہر گرہ پر یہ (کہہ کر پھونک) مارتا ہے کہ تجھ پر رات بڑی لمبی ہے سو جا۔ اگر وہ شخص جاگ جاتا ہے اور اللہ کو یاد کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وضو کرتا ہے تو (دوسری) گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وہ نماز پڑھتا ہے تو (تیسری) گرہ کھل جاتی ہے چنانچہ وہ شخص شاداں اور پاکیزہ نفس ہو کر صبح کرتا ہے ورنہ تو (ذکر، وضو اور نماز نہ پڑھنے کی صورت میں) وہ خبیث النفس، سست ہو کر صبح کرتا ہے۔(متفق علیہ)

آپﷺ شکر کے طور پر عبادت کی کثرت فرماتے:

۱۱۵۱۔ وعن المغیرةؓ قال: قام النبیﷺ حتیٰ تورّمت قدماہ ،فقیل له لِم تصنعُ هذا وقد غُفِر لك ماتقدّمَ مِن ذنبكَ وما تأخّرَ؟ قال: أفلاأکونُ عبدًا شکورًا.[متفق علیه]

ترجمہ:حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاکﷺ نے (تہجد میں) اتنا قیام کیا کہ پاؤں مبارک سُوج گئے (یہ دیکھ کر) آپﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ یہ (اس قدر عبادت) کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف کیے گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تو کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔(متفق علیہ)

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کی بحث:

تشریح: قوله: وقد غُفِر لك ما تقدّم من ذنبك وما تأخر...:۔ یہاں عصمتِ انبیاء (انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے نہ ہونے) کے متعلق گفتگو ہوئی ہے۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ کے ہاں انبیاء معصوم نہیں، اُن سے گناہ صادر ہوتے ہیں، البتہ اُن کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، جبکہ عام انسانوں کے گناہوں کی معافی کی کوئی ضمانت نہیں۔

لیکن جمہور اہلِ اسلام، اہلِ سنت والجماعت کا اس پر اتفاق واجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد

بھی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔اور اس پر بھی اجماع ہے کہ نبوت کے بعد کوئی نبی گناہ کا قصد بھی نہیں کرسکتا۔البتہ اس بارے میں معمولی سا اختلاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے سہواً صغائر کا صدور ہوسکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ اشاعرہ (اہل سنت والجماعت کے متکلمین کا ایک گروہ) مطلقاً صدورِ صغائر (نبوت سے پہلے ہو یا بعد) کے قائل ہیں، جبکہ ماتریدیہ (اہلِ سنت والجماعت کا دوسرا گروہ) نے اس کا مطلق انکار کیا ہے۔

ایک اشکال اور اُس کے متعدد جوابات:

اب یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں تو آیت: ''لیغفرلك الله ما تقدّم من ذنبك وما تأخّر'' اور مذکورہ حدیث کے اس جملہ: ''وقد غفر لك ما تقدّم من ذنبك وما تأخّر'' میں نبی پاک ﷺ کی طرف ذنب (گناہ) کی نسبت کیسے کی گئی ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ سے گناہ کا صدور ممکن ہے، لہٰذا دیگر انبیاء سے بھی گناہ کا صدور ممکن ہے؟ اس اشکال کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) لوگ مختلف مقام و مرتبہ کے ہوتے ہیں، لہذا ہر ایک کا ذنب اور اُس پر مؤاخذہ بھی اُسی مقام و مرتبہ کے موافق ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ سب لوگوں کے ذنوب اور اُس پر مؤاخذہ یکساں ہوں۔ چنانچہ یہاں ذنب سے مراد خلافِ اولیٰ کام ہیں، گو وہ فی نفسہٖ جائز ہو بلکہ باعثِ اجر وثواب ہی کیوں نہ ہو، عربی کا مشہور مقولہ: ''حسناتُ الأبرارِ سیّئاتُ المقرّبین'' (صلحاء کی نیکیاں مقربین کے حق میں برائیاں شمار ہوتی ہیں) اس کی عکاسی کرتا ہے۔

(۲) قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ معصیت خطاء اور ذنب میں باہم فرق ہے، وہ اس طرح کہ معصیت شدید ہے، خطاء اُس سے کم اور ذنب اُس سے بھی کم درجہ، چنانچہ ذنب کا معنیٰ عار اور عیب کے ہیں۔ معصیت اور خطاء سے تو انبیاء معصوم ہوتے ہیں، البتہ ذنب جو ایک معمولی چیز ہے کبھی کبھار بتقاضائے بشریت اُس کا صدور ہوجاتا ہے جو اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی شانِ عالی مقام کے اعتبار سے معیوب ہے لیکن عصمت کے منافی نہیں۔

(۳) مشاہدۂ حق کی جو کیفیات آپ ﷺ پر طاری ہوتی تھی جن کی وجہ سے اُمورِ طبعیہ (قضائے حاجت وغیرہ) کی انجام دہی میں آپ ﷺ کو مشکل کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس کے بارے میں یہ ارشاد: ''لیغفرلك الله ما تقدّم'' فرمایا گیا، لہٰذا اس میں ذنب سے مراد حقیقی گناہ نہیں۔

(۴) ذنب، سے مراد خطائے اجتہادی ہے یعنی آپ ﷺ کی ایسی تمام خطائیں جو اجتہادی طور پر صادر ہوئیں، وہ معاف ہیں۔

(۵) اس آیت اور حدیث میں ''غفر'' کا مادہ مستعمل ہے جس کا معنیٰ ''ستر'' کے ہیں یہاں معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نبی اور ذنب کے درمیان ساتر یعنی مانع بن جاتا ہے، نتیجۃً نبی کے دامنِ عصمت تک ذنب (یعنی گناہ) کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ (نفحات)

نماز کے لیے نہ اُٹھنے والے کی برائی:

۱۱۵۲۔عن ابن مسعودؓ قال: ذُکِر عند النبیّ ﷺ رجلٌ فقیل له: مازال نائمًا حتیٰ أصبحَ ما قام إلی الصلوٰۃ، قال: ذلك رجلٌ بالَ الشیطٰن فی أُذنہٖ [أوقال: فی أذنیه]. [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے ہاں ایک شخص کا ذکر ہوا آپ ﷺ سے کہا گیا کہ وہ شخص صبح تک سویا رہتا ہے، نماز کے لیے نہیں اٹھتا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایسا شخص ہے جس کے کان میں یا [فرمایا کہ] دونوں کانوں میں شیطان پیشاب کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

بہت سی عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی:

١١٥٣۔وعن أمّ سلمةؓ قالت: استيقظ رسولُ الله ﷺ ليلةً فزِعًا يقولُ: سبحان الله! ما ذا أُنزِل الليلةَ من الخزائنِ وماذا أُنزِل مِن الفِتنِ، مَن يُوقِظُ صواحبَ الحجُراتِ [يريدُ أزوجَه] لِكَيْ يُصَلِّينَ رُبَّ كاسيةٍ في الدنيا عاريةٌ في الآخرة. [بخاری]

ترجمہ: حضرت امّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ گھبرا کر جاگ اٹھے، فرمانے لگے: سبحان اللہ! آج کی رات کس قدر خزانے اتارے گئے ہیں اور کس قدر فتنے نازل کیے گئے ہیں، حجرے والیوں کو کون جگائے گا؟ (راوی کہتا ہے کہ) آپ ﷺ کی مراد آپ ﷺ کی بیویاں تھیں تاکہ (اٹھ کر) نماز پڑھیں، دنیا میں بہت سی کپڑے پہنی ہوئی عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔ (بخاری)

رات کے آخری حصہ میں نزولِ باری تعالیٰ:

١١٥٤۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: ينزلُ ربُّنا [تباركَ وتعالىٰ] كلَّ ليلةٍ إلى السماءِ الدنيا حينَ يبقى ثُلثُ الليلِ الآخرُ، يقول: مَن يدعوني فأستجيبَ له، مَن يسألُني فأُعطيه، مَن يستغفرني فأغفِرُ له. [متفق عليه] وفي روايةٍ لمسلمٍ: ثمّ يبسُطُ يديه ويقولُ: "مَن يقرِضُ غيرَ عَدومٍ ولا ظَلومٍ" حتّى ينفجرُ الفجرُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات قریب والے آسمان (دنیا کے آسمان) کی طرف نزول فرماتا ہے جب کہ رات کا آخری تہائی باقی رہ جاتا ہے، فرماتا ہے: کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اُس کی پکار کا جواب دوں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کو عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے اور میں اُس کی مغفرت کروں؟ (متفق علیہ) اور مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیتا ہے فرماتا ہے کہ کون ہے جو قرض دے (ایسی ذات کو) جو نہ فقیر ہے اور نہ ظالم ہے؟ (اللہ تعالیٰ یہی فرماتا رہتا ہے) یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

نزولِ باری تعالیٰ کے بارے میں دو قول:

تشریح: قوله: ينزلُ ربّنا تبارك وتعالىٰ كلّ ليلةٍ إلى السماء الدنيا..:۔اس جگہ نزولِ باری تعالیٰ کا ذکر ہے جو کہ متشابہات میں سے ہے، اہلِ حق علماء کے متشابہات کے بارے میں دو قول ہیں: ایک ''تفویض'' کا اور دوسرا ''تاویل'' کا۔

(۱) تفویض کا لغوی معنیٰ ہے سپرد کرنا یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ نصوص کی اتباع میں صفاتِ متشابہہ کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت مانا جائے اور اس پر ایمان لایا جائے لیکن ان کے معنیٰ، مراد اور اُس کی کیفیت کا صحیح علم، علمِ الٰہی کے سپرد کیا جائے اور خود اس کے بارے میں توقف اور سکوت اختیار کیا جائے۔ اس قول کے قائلین کو ''مُفوِّضہ'' کہتے ہیں۔

(۲) اور تاویل کا مطلب یہ ہے کہ متشابہات کا ظاہری مفہوم ہرگز مراد نہ لیا جائے، کیونکہ وہ تشبیہ کو مستلزم ہے بلکہ اِن الفاظ کے مجازی معنیٰ مراد لیے جائیں۔ اس قول کے قائلین کو ''مؤوِّلہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات ان متشابہات کی حسب موقع مناسب تاویل کرتے ہیں مثلاً: نزولِ

باری کی تأویل ''رحمتِ خداوندی کے نزول'' یا ''نزولِ ملائکہ'' سے کرتے ہیں۔

فائدہ: اِن دونوں مذہبوں میں سے تفویض اولیٰ ہے۔ البتہ جس شخص سے یہ خطرہ ہو کہ اگر اُس کے سامنے تأویل نہ کی گئی تو وہ کسی شک یا بد اعتقادی میں مبتلا ہو جائے گا تو اُس کے لیے تاویل کا راستہ اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ (نفحات)

ہر رات میں قبولیتِ دعا کی گھڑی:

۱۱۵۵۔ وعن جابرؓ قال: سمعتُ النبیَّ ﷺ یقولُ: إنّ فی اللیل لَساعةً لا یوافقُها رجلٌ مسلمٌ یسألُ اللهَ فیها خیرًا مِن أمرِ الدنیا والآخرةِ الّا أعطاه إیّاه وذلك كلَّ لیلةٍ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رات میں ایک گھڑی ہے اس کو جو مسلمان پا کر اُس میں اللہ سے دنیا اور آخرت کی کسی بھلائی کا سوال کرتا ہے تو اللہ اُس کو عطا فرماتا ہے اور یہ (ساعت قبولیت) ہر رات ہوتی ہے۔ (مسلم)

حضرت داؤد علیہ السلام کے معمولات:

۱۱۵۶۔ وعن عبد الله بن عمروؓ قال: قال رسول الله ﷺ: أحبُّ الصلوٰةِ إلى اللهِ صلوٰةُ داوٗدَ وأحبَّ الصیامِ الی اللهِ صیامُ داوٗدؑ، كان ینامُ نِصفَ اللیلِ ویقومُ ثُلثَه وینامُ سُدسَه ویصومُ یومًا ویُفطِرُ یومًا. [متفق علیه]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں محبوب نماز داؤدؑ کی نماز ہے اور محبوب روزے داؤدؑ کے روزے ہیں، حضرت داؤدؑ آدھی رات سوتے اور ایک تہائی رات (عبادت کے واسطے) کھڑے رہتے اور (پھر) رات کا چھٹا حصہ سوتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے (روزہ نہ رکھتے)۔ (متفق علیہ)

آنحضرت کے معمولاتِ شب:

۱۱۵۷۔ وعن عائشةؓ قالت: كان [تعنی النبیَّ ﷺ] ینامُ أوّلَ اللیلِ ویُحیِی آخرَه ثمّ إنْ كانتْ له حاجةٌ الیٰ أهلِه قضٰی حاجتَه ثمّ ینامُ فإنْ كان عندَ النداءِ الأوّلِ جُنُبًا وَثَبَ فأفاضَ علیه الماءَ وإنْ لم یكُنْ جُنبًا توضّأَ للصلوٰةِ ثمّ صلّی ركعتین.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وہ [یعنی] نبی پاک ﷺ رات کے پہلے حصہ میں سوتے تھے اور آخری حصہ کو زندہ رکھتے (اس میں جاگ کر عبادت کرتے) پھر اگر آپ کو اپنے اہل کی حاجت ہوتی (یعنی ہمبستری کی ضرورت ہوتی) تو اپنی حاجت پوری فرماتے، پھر سو جاتے، پھر اگر (فجر کی) پہلی اذان کے وقت آپ جنابت سے ہوتے تو اٹھ کر اپنے بدن پر پانی بہاتے اور اگر جنابت سے نہ ہوتے تو نماز کے لیے وضو فرماتے اور دو رکعت (سنت) پڑھتے۔ (متفق علیہ)

''الفصل الثانی''

تہجد برائیوں سے روکنے والی ہے:

۱۱۵۸۔ عن أبی أُمامةَ قال: قال رسول الله ﷺ: علیكم بقیامِ اللیلِ فإنّه دأبُ الصالحینَ قبلَكم وهو قُربةٌ لكم الیٰ ربّكم

ومکفرۃٌ للسّیّئات ومَنھاۃٌ عن الإثمِ.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے اوپر قیام اللیل (تہجد) کو لازم کرلو کیونکہ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور تمہیں تمہارے رب کے قریب کرنے کا سبب ہے، برائیوں کو مٹانے والا ہے اور گناہ سے باز رکھنے والا ہے۔ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ خوش ہوکر مسکراتا ہے:

۱۱۵۹۔وعن أبی سعید الخدریّ قال: قال رسولُ اللهﷺ: ثلاثۃٌ یضحَکُ الله إلیھم: الرجلُ إذا قامَ باللیل یُصلّی والقومُ اذاصَفُّوافی الصلوٰۃِ والقومُ اذاصفُّوافی قتالِ العَدُوِّ.[شرح السنّۃ]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین (قسم کے) شخص ہیں جن سے اللہ (خوش ہونے کی بناپر) ہنستا ہے: ایک وہ شخص جو رات کو اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھتا ہے اور وہ لوگ جو نماز کے لیے صف باندھیں اور وہ لوگ جو (جہاد میں) دشمن سے لڑنے کے لیے صف بندی کریں۔ (شرح السنۃ)

رات کے آخری پہر میں ذکر اللہ کی فضیلت:

۱۱۶۰۔عن عمرو بن عبسۃَ قال: قال رسولُ اللهﷺ: أقربُ ما یکونُ الربُّ مِن العبد فی جوفِ اللیلِ الأخرِ فإن استطعتَ أنْ تکونَ مِمّن یذکرُ اللهَ فی تلك الساعۃِ فکُنْ.[ترمذی وقال: "ھذاحدیثٌ حسنٌ صحیح غریبٌ إسنادًا".]

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ربّ تعالیٰ اپنے بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتے ہیں، پس اگر تیرے بس میں ہو کہ اس وقت اللہ کو یاد کرنے والوں میں سے ہوتو ہو جاؤ۔ (ترمذی)

تہجد میں ایک دوسرے کو جگانے والے میاں بیوی:

۱۱۶۱۔عن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: رحِم اللهُ رجلاً قام من اللیل فصلّٰی وأیقظَ إمرأتہ فصلّتْ فإنْ أبتْ نضحَ فی وجھِھاالماءَ، رحِمَ اللهُ امرأۃً قامتْ مِن اللیل فصَلّتْ وأیقظتْ زوجَھافصلّٰی فإنْ أبیٰ نضحَ فی وجھِہِ الماءَ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اُس شخص پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھے اور اپنی بیوی کو (بھی) جگائے کہ وہ بھی نماز پڑھ لے اور اگر وہ نہ اٹھے تو اُس کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارے۔ اور اللہ تعالیٰ اُس عورت پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھے اور اپنے شوہر کو جگائے تا کہ وہ (بھی) نماز پڑھ لے اگر وہ (سستی کی وجہ سے اٹھنے سے) انکار کرے تو اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالے۔ (ابوداؤد،نسائی)

دعا کی قبولیت کے اوقات:

۱۱۶۲۔وعن أبی أُمامۃؓ قال: قیلَ: یارسولَ الله! أیُّ الدعاءِ أسمعُ؟ قال: جوفَ اللیل الاٰخر ودُبُرَ الصلوٰتِ.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابواُمامہؓ سے کہتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کون سی دعا زیادہ قبول کی جاتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد (کی جانے والی دعا زیادہ قبول کی جاتی ہے)۔ (ترمذی)

اعمالِ صالحہ کرنے والوں کے لیے بشارت:

۱۱۶۳۔عن أبی مالك الأشعریؓ قال: قال رسول اللهﷺ: إنّ فی الجنّةِ غُرفًا یُرٰی ظاهرُها مِن باطنِها و باطنُها مِن ظاهرِها أعدّها اللهُ لِمَنْ ألانَ الكلامَ و أطعمَ الطعامَ و تابعَ الصیامَ و صلّٰی باللیلِ و النّاسُ نِیامٌ.[بیهقی فی شعب الایمان وروی الترمذیُّ نحوَه وفی روایتِه :"لمَن أطابَ الكلامَ".]

ترجمہ:حضرت ابو مالک اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کے باہر کی چیزیں ان کے اندر سے اور اندر کی چیزیں اُن کے باہر سے دکھائی دیتی ہیں، یہ بالا خانے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لیے تیار کیے ہیں جو نرم کلام کریں اور (لوگوں کو) کھانا کھلائیں اور پے در پے (نفل) روزے رکھیں اور رات کو (ایسے وقت میں) نماز پڑھیں جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔(بیہقی)

"الفصل الثالث"

تہجد کو ترک کرنے کی ممانعت:

۱۱۶۴۔عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ قال: قال لی رسولُ اللهﷺ: یا عبدَ الله! لا تكُنْ مثلَ فلانٍ كانَ یقومُ مِن اللیل فترکَ قیامَ اللیلِ.[متفق علیه]

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہ! فلاں شخص کی طرح مت ہو جانا جو رات کو قیام کیا کرتا تھا (یعنی تہجد پڑھتا تھا) پھر قیام اللیل کو چھوڑ دیا۔(متفق علیہ)

داؤد علیہ السلام کی عبادت کی خاص گھڑی:

۱۱۶۵۔وعن عثمان بن أبی العاصؓ قال: سمعتُ رسولَ اللهﷺ یقولُ :كان لداوٗدَ[علیه السلام]مِن اللیلِ ساعةٌ یُوقِظُ فیه أهلَه،یقولُ:یاآلَ داوٗدَ!قومُوا فصلُّوا فإنّ هذهِ ساعةٌ یستجیبُ اللهُ عزّ وجلّ فیها الدعاءَ الّا لساحرٍ أوْعشّارٍ.[أحمد]

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ داؤد علیہ السلام کے لیے رات میں ایک (خاص) گھڑی تھی جس میں آپؑ اپنے اہل خانہ کو یہ کہہ کر جگاتے تھے کہ اے آلِ داؤد! اٹھو اور نماز پڑھو کیونکہ یہ ایک ایسی گھڑی ہے جس میں اللہ عزّ وجلّ دعا کو قبول فرماتے ہیں سوائے جادوگر اور عشار (کی دعا) کے۔(احمد)

فائدہ:"عشار" کہتے ہیں چونگی لینے والے شخص کو یہاں اس سے مراد وہ شخص ہے جو ناجائز اور ظالمانہ طور پر لوگوں سے چونگی وصول کرے۔

فرض کے بعد افضل نماز تہجد ہے:

۱۱۶۶۔عن أبی هریرةؓ قال: سمعتُ رسول اللهﷺ یقولُ: أفضلُ الصلوٰة بعدَ المفروضةِ صلوٰةٌ فی جوفِ اللیل.[أحمد]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی نماز (تہجد) ہے۔(احمد)

تہجد کی نماز افضل ہے یا سننِ رواتب؟:

تشریح: اس حدیث کی بنا پر شوافع میں سے امام ابواسحاق مروزی اس کے قائل ہوئے ہیں کہ تہجد کی نماز سننِ رواتب (یعنی فرائض کے ساتھ پڑھی جانے والی سننِ مؤکدہ) سے افضل ہے۔

جبکہ اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ سننِ رواتب تہجد سے افضل ہے۔ تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ دونوں قسم کی نمازوں کی افضلیت اپنی اپنی جگہ مسلّم ہے، چنانچہ تہجد کی افضلیت تو اس وجہ سے ہے کہ اس میں مشقت اور نفس کا مجاہدہ بہت زیادہ ہے اور یہ نماز ریا و نمائش سے دور ہے۔ اور سننِ رواتب کی افضلیت بایں معنیٰ ہے کہ احادیث میں ان سنتوں کی بڑی تاکید آئی ہے نیز ان سے فرضوں کی تکمیل ہوتی ہیں یعنی ان کے سبب فرض نمازیں درجہ کمال کو پہنچتی ہیں، لہٰذا دونوں میں کوئی منافات نہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا قصہ:

تہجد کی نماز کے متعلق حضرت جنید بغدادیؒ کا قصہ مشہور ہے کہ انتقال کے بعد کسی نے آپؒ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا معاملہ ہوا؟ آپؒ نے جواب دیا: ''تاهتِ العباراتُ وفَنِيتِ الإشاراتُ وما نفعَنا إلا رُكيعاتٌ، صلّيناها في جوفِ الليل.''
[ترجمہ] ''عبارات (حقائق و معارف کی باتیں) جاتی رہیں اور اشارات (علمی نکات جو بیان کیا کرتے تھے) فنا ہوگئے (کام نہ آئے) ہمیں تو بس (تہجد کی) اُن چھوٹی چھوٹی چند رکعتوں نے فائدہ دیا جو ہم رات میں پڑھا کرتے تھے''۔ (مظاہر حق)

تہجد برائیوں سے روکنے والی ہے:

١١٦٧ـ عنه قال: جاءَ رجلٌ إلى النبيِّ ﷺ، فقالَ: إنّ فُلانًا يُصلّي بالليل فإذا أصبح سرقَ، فقال: إنّه سَينهاه ماتقول.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا کہ فلاں شخص رات کو (تہجد کی) نماز پڑھتا ہے اور جب صبح ہوتی ہے تو چوری کرتا ہے۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا: عنقریب (تہجد کی) نماز اس کو اُس برائی (چوری) سے منع کردے گی جو تم کہہ رہے ہو۔ (احمد، بیہقی)

اہلِ خانہ کے ہمراہ تہجد پڑھنے کی فضیلت:

١١٦٨ـ وعن أبي سعيدؓ وأبي هريرةؓ قالا: قال رسولُ الله ﷺ: إذا أيقظَ الرجلُ أهلَه من الليل فصلّيا[أو صلّى] ركعتين جميعًا كُتِبافي الذاكرين والذاكراتِ. [أبوداؤد، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ اور ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص رات میں اپنی بیوی کو جگائے اور وہ دونوں نماز پڑھیں یا فرمایا کہ دونوں میں سے ہر ایک دو رکعت نماز پڑھیں تو وہ دونوں ذکر کرنے والے مردوں میں سے اور ذکر کرنے والی عورتوں میں سے لکھے جاتے ہیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

امت کے معزز ترین لوگ:

١١٦٩ـ وعن ابنِ عباسؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: أشرافُ أُمّتي حملةُ القرآن وأصحابُ الليل. [بيهقي في شعب الايمان]

ترجمہ: ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے اشراف (معزز لوگ) حاملینِ قرآن اور اصحاب اللیل ہیں۔

تہجد کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا معمول:

۱۱۷۰۔عن ابن عمرؓ أنّ أباه عمرَ بن الخطاب كان يُصلّي مِن الليلِ ما شاء اللهُ حتّىٰ إذا كان من آخرِ الليلِ أيقظ أهلَه للصلوٰةِ يقولُ لهم: "الصلوٰة" ثمّ يتلو هذه الآية: "وأْمُرْ أهلَك بالصلوٰة واصْطَبِرْ عليها لا نسئلُك رزقًا نحنُ نرزقُك والعاقبةُ للتقوىٰ". [مالك]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ اُن کے والد حضرت عمر بن خطابؓ رات میں [جس قدر اللہ چاہتے] نماز پڑھتے یہاں تک کہ جب رات کا آخری حصہ ہوتا تو اپنے اہلِ خانہ کو نماز کے لیے جگاتے، اُن سے فرماتے کہ نماز پڑھو پھر یہ آیت تلاوت کرتے: "وامر أهلك بالصلوٰة واصطبر عليها لا نسئلك رزقًا نحنُ نرزقكَ والعاقبةُ للتقوىٰ". [ترجمہ] "حکم کر اپنے اہل کو نماز کا اور اس پر صبر کر، ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم آپ (ﷺ) کو دیں گے اور بہترین انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے"۔ (مالک)

(بابُ القَصدِ فِی العَملِ)

{اس باب میں نیک اعمال کے حوالہ سے میانہ روی اختیار کرنے اور افراط وتفریط سے بچنے سے متعلق احادیث ذکر کی گئی ہیں}

"الفصل الاوّل"

۱۱۷۱۔عن أنسٍؓ قال: كان رسولُ اللهِ ﷺ يُفطِرُ من الشهر حتّىٰ نَظُنَّ أن لا يَصُومَ منه شيئًا ويصومُ حتّىٰ نظنَّ أن لا يُفطِرَ منه شيئًا وكان لاتشاءُ أن تراه مِن الليل مُصلّيًا الّا رأيتَه نائمًا ولانائمًا الّا رأيتَه مصلّيًا. [بخاری]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی مہینہ میں روزے نہ رکھتے حتیٰ کہ ہم گمان کرتے کہ آپ ﷺ اس مہینہ (میں کسی دن) روزہ نہیں رکھیں گے اور (کسی مہینہ) روزے رکھنے لگتے حتیٰ کہ ہم گمان کرنے لگتے کہ اس مہینہ آپ ﷺ افطار نہیں کریں گے اور رات میں جس وقت تم آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھنا چاہتے اس میں آپ ﷺ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ لیتے اور (جس وقت) سویا ہوا نہ دیکھنا چاہتے مگر (اس وقت) سویا ہوا دیکھ لیتے۔ (بخاری)

اللہ کو محبوب عمل:

۱۱۷۲۔وعن عائشةؓ قالت: قال رسولُ اللهِ ﷺ: أحبُّ الأعمالِ إلى الله أدوَمُها وإن قَلَّ. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کو سب سے محبوب عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو۔

بقدرِ استطاعت عبادت اختیار کرنے کا حکم:

۱۱۷۳۔وعنها قالت: قال رسولُ اللهِ ﷺ: خُذُوا مِن الأعمالِ ما تُطيقُونَ فإنّ الله لا يَمَلُّ حتّىٰ تَمَلُّوا. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسی قدر عمل کیا کرو جتنے عمل کی (ہمیشہ) طاقت رکھ سکتے ہو، کیونکہ اللہ تنگ

نہیں ہوتا یہاں تک کہ تم تنگ ہوں۔ (متفق علیہ)

جب تک نشاط ہو عبادت کی جائے:

۱۱۷٤۔وعن أنسؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: لِيُصَلِّ أحدُكم نَشاطَه وإذا فتر فَلْيَقْعُدْ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: چاہیے کہ تم میں سے کوئی اسی وقت تک نماز پڑھے جب تک نشاط رہے اور جب (طبیعت) سست ہو جائے تو بیٹھ جائے (نماز پڑھنا چھوڑ دے)۔ (متفق علیہ)

اونگھ آنے کی صورت میں سو جانا چاہیے:

۱۱۷٥۔وعن عائشةؓ قالت: قال رسولُ اللهﷺ: إذا نَعَسَ أحدُكم وهو يُصلِّي فليَرْقُدْ حتىّٰ يذهبَ عنه النومُ فإنّ أحدَكم اذاصلّٰى وهوناعسٌ لايدرى لعلّه يستغفِرُ فيسُبُّ نفسَه.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو نماز کی حالت میں اونگھ آنی شروع ہو جائے تو اسے چاہیے کہ سو جائے یہاں تک کہ اس کی نیند جاتی رہے، کیونکہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور اسے اونگھ آ رہی ہو (کیونکہ) وہ نہیں جانتا کہ وہ استغفار کرنا چار ہا ہو اور (نیند کے غلبہ سے) اپنے لیے بددعا کر دے۔ (متفق علیہ)

بے شک دین آسان ہے:

۱۱۷٦۔وعن أبي هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: إنّ الدينَ يُسْرٌ ولن يُشادّ الدينَ أحدٌ إلّا غلبه فسدّدُوا وقاربُوا و أبشِرُوا و استعينُوابالغُدْوةِ والروحةِ وشئٌ مِن الدُّلجةِ.[بخاری]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ بے شک دین آسان ہے اور کوئی شخص ہرگز دین میں سختی نہیں کرتا مگر یہ کہ دین اُس پر غالب آ جاتا ہے پس میانہ روی کرو اور طاقت کے مطابق عمل کرو اور (اللہ سے) مدد مانگو صبح کے وقت اور شام کے وقت اور کچھ رات کے اخیر وقت میں (نماز وغیرہ عبادت کر کے)۔ (بخاری)

رات میں رہ جانے والے وظائف کی تلافی:

۱۱۷۷۔وعن عمرؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: مَن نام عن حزبه أو عن شئٌ منه ،فقرأه فيما بين صلاةِ الفجرِ وصلوٰةِ الظهرِ كُتِبَ له كأنّماقرأه مِن الليلِ .[مسلم]

ترجمہ: حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے وظیفہ سے سو جائے یا بعض حصہ (پڑھے بغیر) رہ جائے اور فجر اور ظہر کی نماز کے مابین اُس کو پڑھ لے تو اُس کے لیے (ایسا ثواب) لکھا جاتا ہے گویا کہ اُس نے رات میں اُس وظیفہ کو پڑھا ہے۔ (مسلم)

عذر کی وجہ سے بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت:

۱۱۷۸۔وعن عمرانَ بن حُصينؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ :صَلِّ قائمًا فإنْ لم تستطِعْ فقاعدًا فإن لم تستطِعْ فعلىٰ جَنبٍ.

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ نماز کھڑے ہو کر پڑھ اور اگر (کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر) قدرت نہ ہو تو

بیٹھ کر (پڑھ) اور اگر (اس کی بھی) قدرت نہ ہو تو کروٹ کے بل (پڑھو)۔(بخاری)

بلاعذر بیٹھ کر نفل پڑھنے پر آدھا ثواب ملتا ہے:

۱۱۷۹۔وعنه أنّه سأل النبيّ ﷺ عن صلوٰةِ الرجلِ قاعدًا قال: إنْ صَلّٰى قائمًا فهو أفضلُ ومَن صلّٰى قاعدًا فله نصفُ أجرِ القائمِ ومَن صلّٰى نائمًا فله نصفُ أجرِ القاعدِ .[بخاری]

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ سے (قدرت کے باوجود) بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے متعلق پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے اُس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا آدھا ثواب ملے گا اور جو لیٹ کر نماز پڑھے اُس کو بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا آدھا اجر ملے گا۔(بخاری)

''الفصل الثانی''

نیند آنے تک ذکر میں مشغول رہنے کی فضیلت:

۱۱۸۰۔عن أبي أمامةؓ قال: سمعتُ النبيَّ ﷺ يقولُ: مَن اوٰى إلى فراشِه طاهرًا و ذكرَ اللهَ حتّٰى يُدرِكَه النُّعاسُ لم يتقلّبْ ساعةً مِن الليل يسألُ اللهَ فيها خيرًا مِن خير الدنياوالاخرةِ الاّ أعطاه ايّاه.[النَوَوِی فی کتابِ الأذکاربروایۃِ ابن السُّنّی]

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص پاک ہو کر اپنے بستر پر (سونے کے لیے) آئے اور اللہ کا ذکر کرے یہاں تک اس کو نیند آ لے تو وہ رات کی جس گھڑی میں کروٹ بدلتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ بھلائی ضرور عطا فرماتے ہیں۔(نوویؒ نے ''کتاب الاذکار'' میں ابن السنی کی روایت سے نقل کیا ہے)

اللہ تعالیٰ کا دو بندوں سے نہایت خوش ہونا:

۱۱۸۱۔وعن عبد الله بن مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ :عجِبَ ربُّنا من رجلين: رجلٌ ثار عن وِطآئه ولحافِهِ مِن بين حِبّه وأهلِه الىٰ صلوٰةٍ فيقولُ اللهُ لملائكته :أنظُروا الىٰ عبدى ثار عن فراشه و وِطآئه مِن بين حِبّه وأهلِه الىٰ صلوٰةٍ رغبةً فيما عندى و شَفَقاً مِمّاعندى؛ورجلٌ غزافى سبيل الله فانهزَمَ معَ أصحابه فعلِمَ ماعليه فى الإنهزامِ ومالَه فى الرجوعِ فرجعَ حتّٰى هُريقَ دمُه ،فيقولُ اللهُ لملائكته:أنظروا الىٰ عبدى رجعَ رغبةً فيما عندى و شَفَقاً مِمّاعندى حتّٰى هُريقَ دمُه.[شرح السنّة]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارا رب دو شخصوں سے تعجب کرتا ہے (یعنی خوش ہوتا ہے) ایک وہ شخص جو اپنے نرم بستر و لحاف سے اور اپنی محبوبہ اور بیوی کے پاس سے (تہجد کی) نماز کے لیے اٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ دیکھو میرے بندے کو جو اپنے بستر و لحاف سے اپنی محبوبہ اور بیوی کے درمیان سے نماز پڑھنے اٹھا ہے اُن نعمتوں (جنت اور ثواب وغیرہ) کی رغبت میں جو میرے پاس ہیں اور اُن چیزوں (دوزخ وغیرہ) سے ڈرتے ہوئے جو میرے پاس ہے۔اور ایک وہ شخص جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور اپنے ساتھیوں سمیت شکست کھا کر بھاگ گیا، پھر اُس نے جانا (اس کو یاد آیا) کہ شکست کھا کر بھاگ جانے

میں کیا (عذاب) ہے اور (میدانِ جنگ میں) واپس جانے کا کیا (ثواب) ہے، پس وہ واپس ہوا یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا (شہید ہوا) تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ دیکھو میرے بندے کو کہ (میدانِ جنگ میں) واپس ہوا میرے پاس کی نعمتوں میں رغبت کرتے ہوئے اور میرے ہاں کے عذاب سے ڈرتے ہوئے یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا۔ (شرح السنۃ)

''الفصل الثالث''

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب:

١١٨٢۔عن عبد الله بن عمروؓ قال: حُدِّثتُ أنّ رسولَ الله ﷺ قال: صلوٰةُ الرجلِ قاعدًا نصفُ الصلوٰةِ ،قال: فأتيتُه فوجدتُه يُصلّي جالسًا فوضعتُ يدي على رأسِه فقال:مالكَ؟ ياعبدالله بن عمرو!قلتُ:حُدِّثتُ يارسولَ الله! أنّك قلتَ صلوٰةُ الرجلِ قاعدًا نصفُ الصلوٰةِ وأنتَ تُصلّي قاعدًا ،قال: أجل! ولكنّي لستُ كأحدٍ منكم.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے حدیث بیان کی گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کی نماز بیٹھ کر (اجر وثواب کے اعتبار سے) آدھی نماز ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں نے (آپ کے نماز سے فارغ ہونے پر از راہِ تعجب عربوں کے عادت کے موافق) آپ کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا، تو آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن عمرو! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھ سے یہ حدیث بیان کی گئی کہ آپ کا فرمان ہے کہ آدمی کی نماز بیٹھے ہوئے (ثواب کے اعتبار سے) آدھی نماز ہے اور آپ خود بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں! (ایسا ہی ہے) لیکن میں تم میں سے کسی کے مانند نہیں ہوں۔

نماز سے آپ ﷺ کی راحت:

١١٨٣۔وعن سالم بن أبي الجعد قال: قال رجلٌ من خزاعة: ليتني صلّيتُ فاسترحتُ فكأنّهم عابُوا ذلك عليه ،فقال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقولُ:أقِمِ الصلوٰةَ يابلالُ!أرِحْنابها.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت سالم بن ابی الجعدؒ کہتے ہیں کہ خزاعہ (قبیلہ) کے ایک شخص نے کہا کہ کاش میں نماز پڑھوں اور راحت حاصل کر سکوں۔ لوگوں نے اس بات کو برا سمجھا۔ وہ کہنے لگا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے بلال! نماز کے لیے تکبیر کہہ کر ہمیں راحت پہنچاؤ۔

تشریح: قوله: ليتني صلّيتُ فاسترحتُ فكأنّهم عابوا ذلك عليه ....: اس صحابی کے یہ کہنے پر کہ ''نماز پڑھ کر راحت پاؤں'' کو دیگر لوگوں نے اس لیے پسند نہیں کیا کہ اس کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ ''نماز پڑھ کر آرام سے بیٹھ جاؤں'' لیکن اُس صحابیؓ کا مطلب یہ تھا کہ نماز کے ذریعہ راحت پاؤں۔ اُن صحابیؓ کی مراد یہی تھی، لہٰذا اس کی تائید میں آپ ﷺ کا مذکورہ ارشاد نقل کیا کہ: بلال! ''اقامت کہہ کر ہمیں راحت پہنچاؤ''۔ اسی کے ہم معنیٰ آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ''قرّةُ عيني في الصلوٰة'' (میرے آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے)۔ (مظاہر حق)

(بابُ الوتر)

وتر کے وجوب کا مسئلہ:

یہاں وتر کے وجوب اور عدمِ وجوب کے متعلق فقہاء کے مابین پایا جانے والا مشہور اختلاف نقل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر واجب ہے۔ اس سلسلہ میں امام صاحبؒ کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) اس باب کے فصلِ ثانی میں مذکور حدیثِ خارجہ ابن حذافہؓ مرفوعاً: ''قال: إنّ الله أمدّكم بصلاةٍ هي خيرٌ لكم من حُمرِ النَّعَمِ الوترُ جعله الله لكم فيما بين صلاةِ العشاء إلىٰ أن يطلع الفجر.'' (ترمذی، ابوداؤد) ''أمدّكم'' بمعنیٰ اضافہ کرنے کے ہیں یعنی وتر کی نماز فرض نمازوں سے زائد مقرر کی گئی ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ مزید، مزید علیہ کی جنس سے ہوتا ہے، مزید علیہ فرض نماز ہے جو محدود ہے، لہٰذا زیادتی بھی محدود میں ہوگی، نوافل کی زیادتی مراد نہیں، کیونکہ نوافل محدود نہیں، پھر مزید یعنی وتر کی دلیل (خبرِ واحد) ظنی ہے لہٰذا واجب ہوگی فرض نہ ہوگی۔ یہ حدیث آٹھ صحابہ سے مروی ہے۔

(۲) فصلِ ثانی میں مروی حضرت ابوایوبؓ کی روایت: ''قال: قال رسول الله ﷺ: الوترُ حقٌّ علىٰ كل مسلمٍ.'' (ابوداؤد)

(۳) وہ روایات جن میں امر کے صیغہ کے ساتھ وتر کا حکم دیا گیا ہے، مثلاً: فصلِ ثانی میں مروی حضرت علیؓ کی روایت: ''قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ الله وترٌ يُحِبُّ الوترَ فأوتِروا يا أهلَ القرآن.'' (ترمذی)

(۴) وہ روایات جن میں امر کے صیغہ کے ساتھ قضا کا حکم دیا گیا ہے مثلاً: فصلِ ثانی میں زید بن اسلمؓ کی روایت: ''قال: قال رسول الله ﷺ: من نامَ عن وترِهٖ ،فليُصلِّ إذا أصبحَ.'' (ترمذی) اسی طرح فصلِ ثالث میں حدیثِ ابوسعیدؓ۔

(۵) وہ روایات جن میں ترکِ وتر پر نکیر آئی ہے مثلاً فصلِ ثالث میں مذکور حدیثِ بُریدہؓ مرفوعاً: ''الوترُ حقٌّ فمن لم يُوتر فليسَ منّا.''

(۶) آپ ﷺ نے سفر اور حضر میں وتر پر بلا ترک مواظبت فرمائی اور فوت ہونے کی صورت میں قضا بھی فرمائی جیسا کہ لیلۃ التعریس کے واقعہ میں پیش آیا۔

جبکہ ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک وتر سنت ہے۔ اِن حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) ضمام بن ثعلبہؓ کی حدیث جس میں ارشاد ہے: "خمسُ صلوٰتٍ في اليوم والليلة" پھر جب انہوں نے سوال کیا ''هل عليّ غيرُها'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا إلّا أن تطوّع'' ایسے ہی وہ تمام احادیث جن میں صلوٰتِ خمسہ کی فرضیت کا ذکر ہے مثلاً: ''عن جابرؓ مرفوعًا: إنّ الله فرض عليهم خمسَ صلوٰتٍ في اليوم والليلةِ.'' (بخاری، مسلم)

(۲) عن ابن عمرؓ إنّ رسولَ الله ﷺ أوترَ على البعيرِ.'' (بخاری) ترجمہ: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے سواری پر وتر پڑھے۔ حالانکہ سواری پر نوافل پڑھے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ وتر واجب نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے ان حضرات کی پہلی دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ضمام بن ثعلبہؓ کا واقعہ وتر کے وجوب سے پہلے کا

ہے۔ یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ وتر کی نماز چونکہ مستقل نماز نہیں بلکہ عشاء کے تابع ہے اس لیے اس کو الگ شمار نہیں کیا گیا اور احادیث جن میں صلوٰتِ خمسہ کی فرضیت کا ذکر ہے، اِن احادیث میں فرض نمازوں کا ذکر ہے اور وتر واجب ہے جو فرض سے کم درجہ ہے، لہٰذا فرض کی نفی سے وجوب کی نفی نہیں ہوتی۔

اور ان حضرات کی دوسری دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جو حضورﷺ کے متعلق سواری پر وتر پڑھنے کو روایت کرتے ہیں، یہ وتر کے وجوب سے پہلے کا واقعہ ہے، اس پر قرینہ خود حضرت ابن عمرؓ کی یہ حدیث ہے: ''عن ابن عمرؓ أنه كان يُصلّي علىٰ راحلته ويوترُ على الأرض ويزعم أنّ النبيَّ ﷺ فعلَ ذلك''۔ (طحاوی) [ترجمہ]''ابن عمرؓ نفل سواری پر پڑھتے اور وتر زمین پر اتر کر اور اس کو نبی پاک ﷺ کا عمل بتلاتے''۔ ابن عمرؓ کا یہ واقعہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد کا ہے جو اس پر دال ہے کہ آخر میں آپ ﷺ بھی سواری سے اتر کر زمین پر وتر پڑھتے تھے۔

فائدہ: واضح رہے کہ وتر کے متعلق یہ اختلاف تقریباً لفظی وصوری ہے کیونکہ تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ وتر کو ترک کرنا جائز نہیں۔ اس کو ترک کرنے والا گناہگار ہے اور اس کی شہادت بھی مقبول نہیں۔ چنانچہ امام مالکؒ فرماتے ہیں: ''من تركَ الوترَ أُدِّبَ ورُدَّت شهادتُه'' ترجمہ: ''تارکِ وتر کی تادیب کی جائے اور اُس کی شہادت قبول نہ کی جائے''۔ اس پر بھی تمام ائمہ متفق ہیں کہ اِس کا منکر کافر نہیں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر نہ تو عام سنن ونوافل کی طرح ہے اور نہ ہی فرض کی طرح ہے بلکہ فرض اور سنت کے درمیان ہے۔ جس کو امام ابوحنیفہؒ واجب سے تعبیر کرتے ہیں، جبکہ ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں چونکہ فرض اور واجب کے درمیان کوئی مرتبہ نہیں، اس لیے یہ حضرات اس مرتبہ کے عمل کو (جو دلیل قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ سے ثابت نہ ہو، لیکن اُس کی تاکید زیادہ آئی ہو) ''آکد السنن'' یعنی بہت زیادہ مؤکد سنت قرار دیتے ہیں اور اِس کا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ (لمحات، مرآۃ)

''الفصل الاوّل''

رکعاتِ وتر کی تعداد کا مسئلہ:

۱۱۸۴۔ عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: صلاةُ الليلِ مثنى مثنى فإذا خشِيَ أحدُكم الصبحَ صلّى ركعةً واحدةً توترُ له ماقدْ صلّى [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کی نماز (یعنی تہجد) دو دو رکعت ہے اور جب تم میں سے کوئی صبح ہونے سے ڈرے تو ایک رکعت پڑھ لے جو اُس کے لیے اُس کی پڑھی ہوئی نماز کو طاق بنادے گی۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: صلّى ركعةً واحدةً توترُ له ما قد صلّى: اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وتر ایک رکعت ہے جو صلاۃ اللیل کے تابع ہے۔ یہاں اس حوالے سے گفتگو ہوتی ہے کہ وتر کل کتنی رکعات ہیں؟ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر تین رکعات ایک سلام کے ساتھ ہیں اور یہ مستقل نماز ہے صلاۃ اللیل (تہجد) کے تابع نہیں۔

امام مالکؒ بھی تین رکعت کے قائل ہیں مگر فصل کے ساتھ یعنی پہلی دو رکعت الگ سلام کے ساتھ ہوں گی اور آخری ایک رکعت الگ سلام کے ساتھ۔

امام شافعیؒ کے ہاں وتر صلاۃ اللیل کے تابع ہے، چنانچہ ان حضرات کے ہاں وتر کا اطلاق ایک سے لیکر گیارہ رکعات تک پر ہوتا ہے۔ امام احمدؒ سے دو روایتیں ہیں مثلِ حنفیہ اور مثلِ شافعیہ۔

حضرات حنفیہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) صحیحین میں وارد حدیثِ عائشہؓ: "ما كانَ رسول الله ﷺ يزيدُ في رمضانَ ولافي غيرهِ علىٰ.... ثمّ يُصلّي ثلاثًا" اور "قالت: ثمّ أوتر بثلاثٍ لا يفصلُ بينهن" "یعنی" آپ ﷺ تین وتر پڑھتے اور اُس میں سلام سے فصل نہیں کرتے تھے"۔

(۳) اسی باب کے فصلِ ثانی میں عبدالعزیز بن جُریج کی روایت ہے جس میں وہ حضرت عائشہؓ سے حضور ﷺ کے وتر کی سورتوں کے بارے میں پوچھتا ہے، حضرت عائشہؓ نے جواب میں وتر کی سورتوں کی تصریح کے ساتھ ساتھ تین رکعت کی بھی تصریح فرمائی ہے: "قالت: كان يقرأ في الأولىٰ بسبّح اسمَ ربّكَ الأعلىٰ، وفي الثانية بقل يأيها الكفرون، وفي الثالثة بقل هو الله أحد والمعوّذتين." "(ترمذی)

(۴) فصلِ ثالث میں مروی حضرت علیؓ کی روایت: " كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاثٍ يقرأ فيهنّ...." (ترمذی)

(۵) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: "أجمع المسلمونَ علىٰ أنّ الوترَ ثلاثٌ لا يُسلّمُ إلّا في آخرهنّ." "یعنی" وتر کے تین رکعت ایک سلام کے ساتھ ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے"۔ امام طحاویؒ نے مدینہ کے فقہائے سبعہ کا متفقہ فتویٰ صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ "إنّ الوترَ ثلاثٌ لا يسلم في آخرهن." "یعنی" وتر تین رکعت ہیں آخر میں ایک سلام کے ساتھ"۔

حضرات شافعیہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

زیرِ بحث حدیثِ ابن عمرؓ اور اس کے علاوہ ان تمام روایات سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں جن میں ایک رکعت کا ذکر آیا ہے مثلاً حدیثِ باب کے متصل ابن عمرؓ ہی کی دوسری روایت: " قال رسول الله ﷺ: الوترُ ركعةٌ من آخر الليل "۔ (مسلم) ایسے ہی متعدد احادیث میں وارد یہ الفاظ بھی ان حضرات کا مستدل ہیں: "يوترُ منها بركعةٍ" اور "أوتر بركعةٍ واحدةٍ"۔

حضرات حنفیہؒ کی جانب سے شوافع کی مستدل احادیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ وتر کا تین رکعت ہونا تو بکثرت صحیح احادیث سے ثابت ہے لیکن مستقل طور پر ایک رکعتِ وتر کا اثبات نہ کسی قوی حدیث سے ہوتا ہے اور نہ ضعیف حدیث سے، لہٰذا جن روایات میں ایک رکعت کا ذکر ہے وہ مجمل اور محتمل ہیں جس میں تاویل کرنا ضروری ہے تا کہ احادیث کے مابین تطبیق حاصل ہو؛ چنانچہ حنفیہ ان احادیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ ایک رکعت کے ملنے سے پہلی دو رکعتیں وتر بن جائیں گی۔ حافظ ابنِ حجرؒ جو خود شافعی ہیں اس کے باوجود انہوں نے اِن احادیث کی یہی تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ اِن احادیث میں اس کا بھی احتمال ہے کہ "ركعة واحدة" سے مستقل رکعت مراد نہ ہو بلکہ ماقبل متصل دوگانہ کو وتر بنانے والی رکعت مراد ہو۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں ایک رکعت مستقل پڑھنے سے ممانعت آئی ہے چنانچہ ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے: "إنّ رسولَ الله ﷺ نهىٰ عن البُتيراء، أن يُصلّيَ الرجلُ ركعةً واحدةً يوترُ بها." "یعنی" رسول اللہ ﷺ نے "بُتیراء" سے منع فرمایا، "بتیراء" یہ ہے کہ آدمی ایک رکعت وتر پڑھے"۔

بقولِ علامہ یوسف بنوریؒ مسلکِ حنفی کی ترجیح کی ایک قوی دلیل یہ ہے کہ تین رکعت متفق علیہ طور پر جائز ہے جبکہ تین سے کم یا زیادہ مختلف فیہ ہے اور متفق علیہ راجح ہوتا ہے مختلف فیہ سے۔ نیز جن روایات میں پانچ، سات، نو، گیارہ اور تیرہ رکعات پر وتر کا اطلاق کیا گیا ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ اِن روایات میں وتر سے مراد پوری صلاۃ اللیل ہے جن میں تین رکعت وتر ہیں باقی نوافل۔ (نفحات)

۱۱۸۵۔وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: الوترُ ركعةٌ مِن آخر الليل .[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وتر رات کے آخر میں ایک رکعت ہے۔ (مسلم)

آپ ﷺ کی نماز تہجد اور وتر کی کل رکعات:۔

۱۱۸۶۔وعن عائشةؓ قالت: كان رسولُ الله ﷺ يُصلّي مِن الليل ثلاثَ عشرةَ ركعةً يُوتِرُ مِن ذلك بخمسٍ لايجلسُ في شيءٍ إلّا في آخرها.متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات میں (تہجد کے) تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے اِن میں سے پانچ رکعت کے ساتھ وتر پڑھتے اور اُن میں کسی رکعت میں نہ بیٹھتے مگر آخر میں (بیٹھا کرتے تھے)۔ (متفق علیہ)

ایک قعدہ کے ساتھ پانچ رکعت پڑھنے کا مطلب:

تشریح: قوله: يوتر بذلك من خمسٍ لا يجلسُ في شيءٍ إلّا في آخرها:۔اس حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پانچ رکعت وتر پڑھا کرتے تھے جس میں ایک ہی قعدہ ہوا کرتا تھا اور ایک ہی سلام۔ یہ معنیٰ مذہبِ حنفی کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ درج ذیل احادیث کے بھی خلاف ہے:عن فضل بن عباسؓ : الصلاةُ مثنىٰ مثنىٰ ،تشهدٌ في كلِّ ركعتين ....'' (ترمذی) یعنی ''نماز دو دو رکعت ہے اور ہر دو رکعتوں میں تشہد ہوگی۔'' وعن عائشةؓ كان رسول الله ﷺ يقولُ في كلِّ ركعتين التحية. '' [ترجمہ] ''رسول اللہ ﷺ ہر دو رکعتوں میں ''التحیات'' پڑھتے تھے۔ اس بنا پر اِس حدیث کی متعدد توجیہات کی گئی ہیں چند ایک یہ ہیں:

(۱) اس حدیث میں مذکور ان پانچ رکعتوں میں تین وتر اور دو نفل ہوا کرتے تھے اور ''لا يجلس '' سے اُس جلوسِ طویل کی نفی ہے جو دعا اور ذکر کے لیے ہوا کرتا تھا نفسِ قعدہ وتشہد کی نفی نہیں، لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ جلسہ فراغ اور جلسۂ استراحت برائے ذکر ودعا بالکل آخر میں ہوتا تھا۔ اس صورت میں ''إلا في آخرها'' کا استثناء منقطع ہوگا کیونکہ یہ جلسہ نماز سے خارج ہوا کرتا تھا۔

(۲) بقولِ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر سے پہلے کی صلاۃ اللیل (تہجد) کھڑے ہوکر پڑھا کرتے تھے اور وتر کے بعد کی دو رکعت (نفل) میں قیام کی بجائے قعود اختیار فرماتے تھے، اس صورت میں ''إلا في آخرها'' کا استثناء متصل ہوگا اور ''بیٹھ کر'' نماز پڑھنا مراد ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ ان پانچ رکعت کے آخر میں صرف دو رکعت نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے اس سے پہلے وتر کی تین رکعتیں اور اُس سے پہلے کی تمام رکعات بیٹھ کر نہیں پڑھا کرتے تھے۔

(۳) بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق ابتدا میں اس طرح جائز تھا کہ کئی رکعات کے آخر میں ایک قعدہ کیا جائے، بعد میں اُن احادیث سے منسوخ ہوگیا جن میں وتر کے تین رکعت ہونے اور ہر دوگانے میں تشہد کی صراحت ہے، جیسا کہ ماقبل میں بیان ہو چکا۔ (نفحات)

نبی پاک ﷺ کی رات کی نماز:

۱۱۸۷۔وعن سعد بن هشام قال: انطلقتُ إلىٰ عائشةفقلتُ يا أمّ المؤمنين! أنبئيني عن خُلق،قالتْ:ألستَ تقرأُ القرآنَ ؟ قلتُ :بلىٰ ،قالتْ:فإنّ خُلق نبيّ الله ﷺ كان القرآنَ ،قلتُ:ياأمّ المؤمنين!أنبئيني عن وِترِ رسولِ الله ﷺ ،فقالت: كنّانُعِدُّ له سواكه وطهوره فيبعثُه اللهُ ماشاءَ أنْ يبعثَه مِن الليل فيتسوّكُ ويتوضّأُويُصلّي تسعَ ركعاتٍ لايجلسُ فيها الاّ في الثامنةِ فيذكرُ اللهَ ويحمدُه ويدعُوه ثمّ ينهَضُ ولايُسلّمُ فيُصلّي التاسعةَ ثمّ يقعدُفيذكرُ اللهَ ويحمدُه ويدعُوه ثمّ يُسلّمُ تسليماً يُسمِعُناثمّ يُصلّي ركعتين بعدَ مايُسلّمُ وهوقاعدٌ ،فتلك إحدىٰ عشرةَ ركعةً يابُنَيّ!فلمّاأسنّ رسولُ الله ﷺ وأخذَ اللحمَ أوترَ بسبعٍ وصنعَ في الركعتين مِثلَ صنيعِهِ في الأُولىٰ فتلك تسعٌ يا بُنيّ!وكان نبيُّ الله ﷺ اذاصلّى صلوٰةً أحبّ أن يُداوِمَ عليهاوكان اذاغلبَه نومٌ أوْوجعٌ صلّى مِن النهارِ ثِنتَي عشرةَ ركعةً،ولاأعلمُ نبيَّ الله ﷺ قرأَ القرآنَ كلّه في ليلةٍ ولاصلّى ليلةً الى الصبحِ ولاصامَ شهرًا كاملاً غيرَ رمضانَ .[مسلم]

ترجمہ: حضرت سعد بن ہشامؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں گیا اور عرض کی کہ اے ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ ﷺ کے خلق کے بارے میں بتائیے؟ آپؓ نے فرمایا: کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ میں نے کہا کہ کیوں نہیں! (پڑھتا ہوں) تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ کا خلق قرآن ہی تھا (یعنی آپ کی زندگی خلقِ قرآنی کا چلتا پھرتا نمونہ تھا) میں نے عرض کیا کہ اے ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ ﷺ کے وتر کے بارے میں بتائیے؟ آپؓ کہنے لگی کہ ہم آپ کا مسواک اور وضو کا پانی تیار رکھتے، پھر اللہ تعالیٰ رات کو جس وقت آپ ﷺ کو اٹھانا چاہتا اٹھا دیتا، چنانچہ آپ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور نو رکعت نماز پڑھتے، جن میں صرف آٹھویں رکعت میں بیٹھتے، چنانچہ (بیٹھ کر) اللہ کا ذکر کرتے اور اس کی تعریف کرتے اور دعا مانگتے، پھر کھڑے ہو جاتے اور سلام نہ پھیرتے، پھر نویں رکعت پڑھتے، پھر بیٹھ کر ذکر کرتے اور اللہ کی تعریف کرتے اور اس سے دعا مانگتے، پھر سلام پھیرتے اور ہم کو (سلام) سناتے پھر سلام پھیرنے کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے، پس اے میرے بیٹے! یہ گیارہ رکعتیں ہوئیں۔ پھر جب آپ کی عمر (مبارک) زیادہ ہو گئی اور (بدن مبارک پر) گوشت آ گیا تو سات رکعت کے ساتھ وتر پڑھتے اور (آخری) دو رکعتوں میں ایسا ہی کرتے جیسا کہ پہلے کیا کرتے تھے (یعنی بیٹھ کر پڑھتے تھے) سوائے میرے بیٹے! یہ نو رکعتیں ہوئیں۔ اور نبی پاک ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو (اس بات کو) پسند کرتے کہ اُس پر ہمیشگی کرے اور جب آپ ﷺ پر نیند یا کوئی تکلیف رات کے قیام سے غالب آ جاتی (یعنی آپ کے لیے قیام اللیل ممکن نہ ہوتا) تو آپ ﷺ دن کے وقت بارہ رکعت نماز پڑھ لیا کرتے اور میرے علم میں نہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی ایک رات میں سارا قرآن پڑھا ہو اور نہ ساری رات صبح تک نماز پڑھی ہو اور نہ رمضان کے علاوہ کسی پورے مہینہ کے روزے رکھے ہو۔ (مسلم)

وتر کو رات کی آخری نماز بنانے کا حکم:

۱۱۸۸۔وعن ابن عمرؓ عن النبي ﷺ قال: إجعلُوا آخرَصلوٰتِكم بالليل وِترًا.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ۔ (مسلم)

۱۱۸۹۔وعنه عن النبیّ ﷺ قال: بادروا الصبحَ بالوتر.[مسلم]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ ہی نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھو۔(مسلم)

جو رات میں نہ اٹھ سکے وہ اولِ شب میں وتر پڑھے:

۱۱۹۰۔عن جابرؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن خاف أن لا يقومَ مِن آخرِ الليل فليُوتر أوّلَه ومَنْ طمِعَ أنْ يقومَ آخرَه فليُوترْ آخرَ الليل،فاِنّ صلوٰةَ آخرِ الليلِ مشهودةٌ وذلك أفضلُ.[مسلم]

ترجمہ:حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو اندیشہ ہو کہ آخرِ شب میں نہ اٹھ سکے گا تو اُس کو چاہیے کہ اولِ شب میں وتر پڑھ لے اور جس کو امید ہو کہ وہ آخرِ شب میں اٹھ سکتا ہے تو وہ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھے، کیونکہ رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھنا ''مشہود'' ہے (یعنی اس وقت کی نماز میں فرشتے شاہد و حاضر رہتے ہیں) اور یہ افضل ہے۔(مسلم)

رات کے ہر پہر میں وتر پڑھے جاسکتے ہیں:

۱۱۹۱۔وعن عائشةؓ قالت: مِنْ كلِّ الليلِ أوترَ رسولُ الله ﷺ: مِن أوّلِ الليل وأوسطِه وآخرِه وانتهى وِترُه الى السَّحرِ.

ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے ہر حصہ میں وتر پڑھے، رات کے اول حصہ میں بھی درمیانی حصہ میں بھی اور رات کے آخر میں بھی اور اخیر (عمر) میں آپ ﷺ کے وتر سحر (رات کے آخری پہر) میں ہوا کرتے۔(متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ کو آپ ﷺ کی تین وصیتیں:

۱۱۹۲۔وعن أبي هريرةؓ قال: أوصاني خليلي بثلثٍ: صيامِ ثلثة أيامٍ مِن كلّ شهرٍ وركعتَي الضُّحٰى وأنْ أُوترَ قبلَ أنْ أنام.

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھے میرے دوست (ﷺ) نے تین باتوں کی وصیّت فرمائی: (ایک تو) ہر ماہ تین دن روزے رکھنے کی اور (دوسرے) دو رکعت ضحیٰ (چاشت کی نماز) پڑھنے کی اور (تیسرے) یہ کہ میں سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں۔(متفق علیہ)

''الفصل الثانی''

وتر رات کے ہر حصہ میں جائز ہے:

۱۱۹۳۔عن غُضيف بن الحارث قال: قلتُ لعائشةَ:أرأيتِ رسولَ الله ﷺ كان يغتسِلُ مِن الجنابةِ في أوّلِ الليلِ أمْ في آخرِه؟قالتْ:رُبمااغتسلَ في أوّلِ الليلِ ورُبمااغتسلَ في آخرِه،قلتُ:الله أكبرُ،الحمدُ لله الذي جعلَ في الأمرِ سعةً، قلتُ: كان يُوتِرُ في أوّلِ الليلِ أمْ في آخرِه؟قالتْ:رُبماأوترَ في أوّلِ الليل ورُبماأوترَ في آخرِه،قلتُ:الله أكبرُ،الحمدُ لله الذي جعلَ في الأمرِ سعةً،قلتُ: كان يجهرُ بالقراءةِ أمْ يخفِتُ؟قالتْ: رُبماجهربه ورُبماخفَتَ،قلتُ:الله أكبرُ،الحمدُ لله الذي جعلَ في الأمرِ سعةً.[أبوداؤد،وروى ابن ماجة الفصلَ الأخيرَ.]

ترجمہ:حضرت غُضیف بن حارثؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ رات کے پہلے حصہ میں جنابت سے غسل

کیا کرتے تھے یارات کے آخری حصہ میں؟ فرمانے لگی کہ کبھی رات کے پہلے حصہ میں غسل فرمالیا کرتے اور کبھی رات کے آخری حصہ میں۔ میں نے (فرطِ مسرت سے) کہا: اللہ اکبر! تمام تعریفیں اُس ذات کے لیے ہے جس نے (دین کے) معاملہ میں آسانی رکھی ہے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ وتر رات کے پہلے حصہ میں پڑھا کرتے تھے یارات کے آخری حصہ میں؟ فرمانے لگی کہ کبھی رات کے پہلے حصہ میں وتر پڑھتے اور کبھی آخری حصہ میں۔ میں نے (فرطِ خوشی سے) کہا: اللہ اکبر! تمام تعریفیں اُس ذات کے لیے ہے جس نے معاملہ میں آسانی رکھی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ قرأت جہراً کرتے یا آہستہ سے؟ فرمانے لگی کہ کبھی جہر سے پڑھا کرتے تھے اور کبھی آہستہ سے۔ میں نے (فرطِ مسرت سے) کہا کہ اللہ اکبر! تمام تعریفیں اُس ذات کے لیے ہیں جس نے معاملہ میں آسانی رکھی ہے۔ (ابوداؤد)

آپ ﷺ کی تہجد اور وتر کی رکعتوں کی تعداد:

۱۱۹۴۔وعن عبد الله بن أبي قيسؓ قال: سألتُ عائشة، بكم كان رسولُ الله ﷺ يوترُ؟ قالت: كان يُوترُ بأربع وثلاث وستّ وثلاث وثمان وثلاث وعشر وثلاث ولم يكنْ يُوترُ بأنقصَ مِن سبعٍ ولا بأكثر مِن ثلاثَ عشرةَ.[أبو داؤد]

ترجمہ: عبداللہ بن قیسؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کتنی رکعتوں کے ساتھ وتر پڑھتے تھے؟ فرمانے لگی کہ آپ ﷺ ''چار اور تین'' رکعت کے ساتھ اور ''چھ اور تین'' رکعت کے ساتھ اور ''آٹھ اور تین'' رکعت کے ساتھ اور ''دس اور تین'' رکعت کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اور (مجموعی طور پر نفل سمیت) ''سات'' رکعت سے کم وتر نہ پڑھتے اور ''تیرہ'' رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے۔ (ابوداؤد)

وتر ہر مسلمان پر لازم ہے:

۱۱۹۵۔وعن أبي أيّوب الأنصاريّ قال: قال رسولُ الله ﷺ: الوترُ حقٌ علىٰ كلّ مسلمٍ فمن أحبّ أن يوترَ بخمسٍ فليفعلْ ومَن أحبَّ أنْ يُوترَ بثلاثٍ فلْيَفعلْ ومَن أحبَّ أن يُوترَ بواحدةٍ فلْيَفعَلْ.[أبو داؤد، نسائی، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وتر ہر مسلمان پر حق (لازم) ہے سو جو پانچ رکعت وتر پڑھنا چاہے تو وہ (ایسا) کرے اور جو تین رکعت وتر پڑھنا چاہے تو وہ (ایسا) کرے (یعنی تین رکعت پڑھے) اور جو ایک رکعت وتر پڑھنا چاہے تو وہ (ایسا) کرے (ایک رکعت وتر پڑھے)۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

وتر کی فضیلت:

۱۱۹۶۔وعن عليٍّ قال: قال رسول الله ﷺ: إنّ اللهَ وترٌ يُحبُّ الوترَ فأوتِرُوا يا أهلَ القرآن.[ترمذی، أبو داؤد، نسائی]

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تحقیق اللہ وتر (طاق) ہے وتر کو پسند کرتا ہے، لہٰذا اے اہلِ قرآن! وتر پڑھو۔

۱۱۹۷۔عن خارجة بن حُذافةؓ قال: خرجَ علينا رسول الله ﷺ وقال: إنّ الله أمدّكم بصلوٰةٍ هي خيرٌ لكم مِن حُمر النعَمِ، الوترُ جعلَه اللهُ لكم فيما بينَ صلوٰة، العشاءِ الىٰ أن يطلعَ الفجرُ.[ترمذی، أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت خارجہ بن حُذافہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ نے تمہیں ایک نماز زائد عطا کی ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے وہ وتر ہے، جسے نماز عشاء کے درمیان سے طلوع فجر تک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مقرر کیا ہے۔

وتر کی قضا کا حکم:

۱۱۹۸۔عن زید بن أسلمؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: مَن نامَ عن وِترِهِ فَلْيُصَلِّ إذا أصبحَ .[ترمذی]

ترجمہ: زید بن اسلمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جو شخص وتر (پڑھنے) سے سو جائے تو اسے چاہیے کہ جب صبح ہو جائے تو پڑھ لے۔

وتر میں پڑھی جانے والی سورتیں:

۱۱۹۹۔وعن عبد العزیز بن جُریجؒ قال: سألنا عائشةؓ بأیّ شیءٍ کان یُوتِرُ رسول اللهﷺ قالت: کان یقرأُ فی الأولیٰ بـ سبِّح اسمَ ربّك الأعلیٰ وفی الثانیةِ بـقل یـآیّها الکفرون وفی الثالثةِ بـ قل هو الله أحد والمُعوّذتین.[ترمذی،أبوداؤد]و رواه النسائی عن عبدالرحمٰن بن أبزیٰ،ورواه أحمدعن أبیّ بن کعب والدارمیُّ عن ابن عباس ولم یذکرا"والمُعوّذتین".

ترجمہ: عبدالعزیز بن جُریجؒ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہﷺ کس چیز (کن سورتوں) سے وتر پڑھا کرتے تھے، آپؓ نے فرمایا کہ آنحضرتﷺ پہلی رکعت میں" سبِّح اسمَ ربّك الأعلیٰ " پڑھتے اور دوسری رکعت میں" قل یآیّها الکفرون" پڑھتے اور تیسری رکعت میں "قل هو الله أحد"اور"معوّذتین" پڑھتے۔(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،احمد) دارمی کی روایت میں معوّذتین کا ذکر نہیں۔

حسن بن علیؓ کی دعائے قنوت:

۱۲۰۰۔وعن الحسن بن علیؓ قال: علّمنی رسولُ اللهﷺ کلماتٍ أقولُهنّ فی قنوتِ الوترِ:" اللّٰهمّ اهدِنی فیمَن هدیتَ، وعـافِنی فیمَن عافیتَ، وتَوَلَّنی فیمَن تولّیتَ ،وبارِكْ لی فیما أعطیتَ ،وقِنی شرَّما قضیتَ، فإنّكَ تقضِی ولا یُقضٰی علیك إنّه لا یُذِلُّ مَن والیتَ ،تبارکتَ ربَّنا وتعالیتَ".[ترمذی ،أبوداؤد،نسائی ،ابن ماجة،دارمی] ....۔

ترجمہ: حضرت حسن بن علیؓ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہﷺ نے کچھ کلمات سکھائے جسے میں وتر کے قنوت میں پڑھا کروں (وہ کلمات یہ ہیں)" اللّٰهم اهدنی فیمن هدیتَ.... الخ".[ترجمہ]"اے اللہ! مجھے ہدایت فرما اُن لوگوں میں جنہیں تو نے ہدایت فرمائی ہے اور میرے ساتھ عافیت فرما اُن لوگوں میں جن کے ساتھ تو نے عافیت فرمائی اور میرا دوست بن جا اُن لوگوں میں جن کو تو نے دوست بنایا اور میرے لیے برکت ڈال اُن چیزوں میں جو تو نے عطا فرمائی اور اُس چیز کے شر سے مجھے بچا جو تو نے مقدر فرمائی ہے، بے شک تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، بے شک، ذلیل نہیں ہوتا وہ شخص جس کو تو نے دوست بنایا ہے۔ اے ہمارے رب! تو برکت والا ہے اور تو عالی شان والا ہے"۔(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

وتر کے بعد کی تسبیح اور دعا:

۱۲۰۱۔وعن أبیّ بن کعبؓ قال: کان رسولُ اللهﷺ إذا سلَّم فی الوِترِ ،قال: "سبحان المَلِكِ القُدُّوسِ"[أبوداؤد، و النسائی]وزاد:"ثلاثَ مرّاتٍ، یُطیلُ" .وفی روایةٍ للنسائی عن عبدالرحمٰن بن أبزیٰ عن أبیه قال: کان یقولُ اذاسلَّمَ "سبحانَ المَلِكِ القدُّوس"ثلاثاویرفعُ صوتَه بالثالثة.

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ جب وتر میں سلام پھیرتے تو کہتے:"سبحان الملِكِ القدُّوس"۔(ابوداؤد) او

نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ تین مرتبہ کہتے (تیسری مرتبہ میں) آواز بلند کرتے اور" عبد الرحمن بن أبزیٰ عن أبیه " کی سند سے نسائی ہی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ جب سلام پھیرتے تو تین مرتبہ" سبحان الملك القدّوس " کہتے اور تیسری مرتبہ میں آواز کو بلند کرتے۔

۱۲۰۲۔عن عليّ قال: إنّ النبيّ ﷺ كان يقولُ في آخرِ وترِهِ :"اللّهمّ إنّي أعوذُ بِرضاك من سَخطِك وبِمُعافتِك مِن عُقوبتِك وأعوذبك مِنك لا أُحصِي ثناءً عليكَ أنتَ كما أثنيتَ علىٰ نفسك".[أبو داؤد،ترمذی ،نسائی ،ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ اپنے وتر کے آخر میں یہ (دعا) کہا کرتے تھے:''اللّهمّ إنّي أعوذُ برضاك من سخطك ..الخ' [ترجمہ]''اے اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں اور تیری معافی کے ساتھ تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں تیری پکڑ سے، تیری تعریف کرنا میرے بس میں نہیں، تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف کی'۔

''الفصل الثالث''

حضرت معاویہؓ کا ایک رکعت وتر پڑھنا:

۱۲۰۳۔عن ابن عباسؓ قيلَ له: هَل لكَ في أميرِ المؤمنين معاويةَ؟ماأوترَ إلّا بواحدةٍ قال: أصابَ إنّه فقيهٌ.وفي روايةٍ قال ابن أبي مُلَيكة:أوترَ معاويةُ بعدَ العشاءِ بركعةٍ ،وعندَه مولىً لابن عباس،فأتىٰ ابنَ عباس فأخبرَه فقال: دَعْه فإنّه قد صحِب النبيَّ ﷺ.[بخاری]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے بارے میں آپ کیا (کہتے) ہیں جو وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے (کیونکہ) وہ فقیہ ہیں۔اور ایک روایت میں ہے کہ ابن ابی مُلیکہؒ نے کہا کہ حضرت امیر معاویہؓ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی جبکہ حضرت ابن عباسؓ کا آزاد کردہ غلام بھی وہاں موجود تھا چنانچہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کے پاس آ کر اس کی خبر دی۔ابن عباسؓ نے (سن کر) فرمایا کہ اُن کو چھوڑ دو (اُن کے متعلق اس حوالے سے کچھ نہ کہو) کیونکہ ان کو نبی پاک ﷺ کی صحبت (کا شرف) حاصل ہے (ہوسکتا ہے نبی پاک ﷺ کے کسی قول یا فعل سے اُن کا استدلال ہو)۔(بخاری)

وتر کی تاکید:

۱۲۰۴۔عن بُريدةَ قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقولُ: الوترُ حقٌ فمن لم يُوتِرْ فليسَ مِنّا، الوِترُ حقٌ فمن لم يُوترْ فليسَ مِنّا، الوترُ حقٌ فمن لم يُوترْ فليسَ مِنّا.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت بُریدہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر حق ہے (لہذا) جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر حق ہے، لہذا جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر حق ہے، لہذا جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔(ابوداؤد)

وتر کی قضا:

۱۲۰۵۔عن أبي سعيدؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن نام عن الوِتر أو نسِيَه ،فليُصَلِّ إذا ذكرَ وإذااستيقظَ.[ترمذی ،أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص وتر (پڑھنے سے) سو جائے یا (پڑھنا) بھول جائے تو اسے چاہیے کہ جب یاد آئے اور جب جاگ جائے تو (اسے) پڑھ لے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

وتر پر تمام صحابہ کا عمل:

۱۲۰۶۔ وعن مالكٍ بلغه أنّ رجلاً سأل ابنَ عمرؓ عن الوتر، أواجبٌ هو؟ فقال عبدُالله: قد أوتر رسولُ الله ﷺ وأوتر المسلمون، فجعلَ الرجلُ يُردِّدُ عليه، وعبدُالله يقول: أوتر رسولُ الله ﷺ وأوترَ المسلمون. [رواه فی المؤطّا]

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے کہ اُن کو روایت پہنچی کہ ایک آدمی نے ابن عمرؓ سے وتر کے بارے میں پوچھا کہ کیا وتر واجب ہے؟ تو حضرت عبداللہؓ نے (صریح جواب دینے کی بجائے) فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور مسلمانوں (صحابہؓ) نے بھی وتر پڑھے (یہ سن کر) وہ شخص بار بار یہی سوال کرنے لگا اور حضرت عبداللہؓ (یہی) کہتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور مسلمانوں نے وتر پڑھے۔

وتر کی قرأت:

۱۲۰۷۔ عن عليٍّ قال: كان رسولُ الله ﷺ يُوترُ بثلثٍ يقرأ فيهنّ بتسعِ سورٍ من المُفصَّلِ يقرأُ في كلِّ ركعةٍ بثلاثِ سُوَرٍ آخرُهنّ "قل هو اللهُ أحد". [ترمذی]

ترجمہ: حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے جن میں نو سورتیں پڑھتے، ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھتے، ان میں آخری سورت "قل هو الله أحد" ہوتی۔ (ترمذی)

وتر کے سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ کا عمل:

۱۲۰۸۔ وعن نافعٍ قال: كنتُ مع ابن عمرؓ بمكّة والسّماءُ مُغَيِّمَةٌ، فخشِي الصبحَ فأوترَ بواحدةٍ ثمّ انكشفَ فرأى أنّ عليه ليلاًفشفَعَ بواحدةٍ ثمّ صلّى ركعتين ركعتين فلمّا خشِيَ الصبحَ أوترَ بواحدةٍ. [مالك]

ترجمہ: نافعؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ہمراہ تھا اور آسمان ابر آلود تھا آپؓ کو صبح ہونے کا اندیشہ ہوا، چنانچہ آپؓ نے ایک رکعت وتر پڑھی، پھر بادل ہٹ گیا تو آپؓ نے دیکھا کہ رات (ابھی) باقی ہے، چنانچہ ایک رکعت کے ساتھ اس کو دوگانہ بنادیا، پھر دو دو رکعت پڑھتے رہے، پھر جب صبح ہونے کا اندیشہ ہوا تو ایک (رکعت) وتر پڑھ لی۔ (مالک)

۱۲۰۹۔ وعن عائشةؓ أنّ رسولَ الله ﷺ كان يُصلِّي جالسًا، فيقرأُ وهو جالسٌ، فإذا بقِي مِن قرآءتِهٖ قدرُ مايكونُ ثلاثين أو أربعين آيةً قامَ وقرأَ وهوقائمٌ ثمّ ركعَ ثمّ سجدَ ثمّ يفعلُ في الركعة الثانية مثلَ ذلك. [مسلم]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور قرأت بھی بیٹھ کر کرتے اور جب تیس یا چالیس آیتوں کے بقدر قراءت رہ جاتی تو کھڑے ہو کر قرأت کرتے، پھر رکوع فرماتے، پھر سجدہ کرتے، پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا کرتے۔ (مسلم)

وتر کے بعد کی دو رکعتیں اور ان کی فضیلت:

۱۲۱۰۔ وعن أمّ سلمةؓ أنّ النبيَّ ﷺ كان يُصلِّي بعدَ الوترِ ركعتين. [رواه الترمذی] وزادَابنُ ماجة: "خفيفتين وهو جالسٌ".

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ وتر کے بعد دو رکعت (نفل) پڑھتے۔(ترمذی) اور ابن ماجہ نے یہ اضافہ کیا ہے دو ہلکی رکعتیں بیٹھ کر (پڑھتے)۔

١٢١١۔عن عائشةؓ قالت: كان رسولُ الله ﷺ يُوتِرُ بواحدةٍ ثمّ يركَعُ ركعتين يقرأُ فيهما وهو جالسٌ فاذا أرادَ أن يركعَ قامَ فركعَ.[ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک رکعت سے (باقی نماز کو) وتر بناتے، پھر دو رکعت پڑھتے جس میں قرأت کرتے اور آپ ﷺ بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، پھر جب رکوع کا ارادہ ہوتا تو کھڑے ہو کر رکوع فرماتے۔(ابن ماجہ)

وتر کے بعد، سونے سے پہلے نفل:

١٢١٢۔وعن ثوبانؓ عن النبيّ ﷺ قال: إنّ هذا السَّهرَ جُهدٌ وثِقلٌ فإذا أوترَ أحدُكم فليركعْ ركعتين فإنْ قام مِن الليل وإلّا كانتا له.[دارمی]

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ (رات کی) بیداری مشکل اور بھاری ہے، چنانچہ جب تم میں سے کوئی وتر پڑھے تو اُسے چاہیے کہ دو رکعتیں پڑھے، پس اگر رات کو کھڑا ہوا تو (بہتر ہے) ورنہ یہ دونوں رکعتیں اس کے لیے کافی ہیں (یعنی تہجد کا ثواب اس کو مل جائے گا)۔(ترمذی، دارمی)

وتر کے بعد کی دو نفلوں میں پڑھی جانے والی سورتیں:

١٢١٣۔وعن أبي أمامةؓ أنّ النبيّ ﷺ كان يصلّيهما بعدَ الوتر وهو جالسٌ يقرأُ فيهما "إذا زُلزِلت" و"قل يآأيّها الكفرون".

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعت پڑھا کرتے جن میں "إذا زُلزِلت" اور "قل یآأیّها الکفرون" پڑھتے۔(احمد)

(بابُ القُنوتِ)

"الفصل الاوّل"

قنوت نازلہ:

١٢١٤۔عن أبي هريرةؓ أنّ رسولَ الله ﷺ كان إذا أرادَ أن يدعُوَ على أحدٍ أو يدعُوَ لأحدٍ قنَتَ بعدَ الركوعِ فرُبّما قال اذا قال: "سمِعَ الله لمن حمده، ربّنا لك الحمد": "اللّهمّ أنجِ الوليدَ بن الوليدِ وسلمةَ بن هشامٍ وعيّاشَ بن أبي ربيعةَ، اللّهمّ اشدُدْ وَطْأتَك على مُضَرَ واجعلْها سِنينَ كسِني يوسفَ" يجهرُ بذلك وكان يقولُ في بعضِ صلوٰتِه: "اللّهمّ العنْ فلانًا وفلانًا لأحياءٍ مِن العربِ حتّى أنزلَ اللهُ: "ليسَ لك مِن الأمرِ شيءٌ" الآية.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے لیے بددعا کرنے یا دعا فرمانے کا ارادہ کرتے تو رکوع کے بعد قنوت

پڑھتے پس کبھی "سمع الله لمن حمده ،ربّنا لك الحمد" کہنے کے بعد (اس طرح دعا کے کلمات) کہتے اے اللہ! ولید ابن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو (کافروں کے ظلم وستم سے) نجات عطا فرما، اے اللہ! (قبیلۂ) مضر پر سخت عذاب (نازل) فرما اور اس پکڑ وعذاب کو قحط (کا عذاب) بنا، جیسا کہ حضرت یوسفؑ (کے زمانے) کا قحط۔ اس کو بلند آواز کے ساتھ کہتے اور بعض نمازوں میں (قنوت کے یہ کلمات) کہتے اے اللہ! فلاں فلاں عرب قبائل پر لعنت فرما، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری "لیس لك من الأمر شيئٌ...الآية (یعنی کافروں کے عذاب اور بددعا کے معاملہ میں آپ ﷺ کا کچھ دخل نہیں)۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: اللّهم انج الوليد بن الوليد.....: حضرت "ولید بن ولیدؓ" حضرت خالد بن ولیدؓ کے بھائی تھے۔ "حضرت سلمہ بن ہشامؓ" "ابوجہل" کے سگے بھائی تھے اور ابتدا میں اسلام لے آئے تھے۔ "عیاش بن ابی ربیعہؓ" "ابوجہل ملعون کے ماں شریک بھائی تھے۔ ابوجہل اور دیگر کفارِ مکہ اسلام لانے کے پاداش میں ان حضرات پر ناقابلِ بیان مصائب ڈھاتے۔ یہاں ان اصحابِ عزیمت کی رہائی کی دعا آنحضرت ﷺ اپنی مقدس ومستجاب زبان مبارک سے فرمارہے ہیں اور مُضر (یعنی قریش) اور دوسرے ظالم قبائل کے لیے آپ قحط کی بددعا فرمارہے ہیں، چنانچہ سات ہجری میں قبائلِ مکہ ایسے قحط میں مبتلا ہوئے کہ مردار کی ہڈیاں تک انہیں کھانی پڑیں۔ (مظاہرِ حق)

قنوت کے حوالے سے چار اختلافی مسائل:

قوله: قنتَ بعد الركوع....: اس حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھا۔ یہاں چار اختلافی مسائل ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) دعائے قنوت وتر میں رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟

(۲) وتر میں سال بھر قنوت پڑھی جائے یا صرف رمضان کے نصفِ آخر میں؟

(۳) صلاۃِ فجر میں قنوت ہمیشہ پڑھی جائے یا نہیں؟

(۴) کونسی دعائے قنوت پڑھنا افضل ہے؟

ان مسائل کی مدلل تفصیل درج ذیل ہے:

مسئلہ (۱): دعائے قنوت وتر میں کب پڑھی جائے؟:

اس بارے میں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مؤقف یہ ہے کہ دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے۔ مذکورہ حدیث اور اس کے علاوہ وہ تمام روایات ان حضرات کی دلیل ہے جن میں رکوع کے بعد قنوت کا ذکر ہے، مثلاً: حدیثِ علیؓ: "قال: علّمني رسول الله ﷺ كلماتٍ أقولهنّ في الوترِ إذا رفعتُ رأسي ولم يبقَ إلّا السجودُ." [ترجمہ] "رسول اللہ ﷺ نے مجھے وتر میں رکوع کے بعد، سجدہ سے پہلے قنوت پڑھنے کے لیے کچھ کلمات سکھائے"۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور متعدد صحابہ کرامؓ کا مؤقف یہ ہے کہ دعائے قنوت وتر میں رکوع سے پہلے پڑھی جائے۔ یہ حضرات متعدد احادیث سے استدلال کرتے ہیں مثلاً:

(۱)"عن أُبَی بن کعبؓ إنّ رسول الله ﷺ کان یوترُ ،فیقنتُ قبلَ الرکوع." (ابن ماجہ) یعنی "آپ ﷺ وتر میں قنوت رکوع سے پہلے پڑھا کرتے تھے"۔

(۲) ایسے ہی "عن ابن عمرؓ أنّ النبیﷺ کانَ یوترُ بثلاثٍ یجعلُ القنوتَ قبل الرکوع"۔(طبرانی)

(۳) عن ابن مسعودؓ أنّ أصحاب النبیﷺ کانوا یقنتونَ فی الوترِ قبل الرکوعِ. "(ابن ابی شیبہ) یعنی "نبی پاک ﷺ کے صحابہ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے"۔ اِن حضرات کی طرف سے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی مستدل روایات کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ وہ تمام روایات وآثار جن میں رکوع کے بعد قنوت کا ذکر ہے، وہ قنوتِ نازلہ پر محمول ہیں جس کے ہم بھی قائل ہیں، جیسا کہ اسی فصل میں روایت ہے "عن العاصم الأحول قال: سألتُ أنسَ بن مالك عن القنوتِ فی الصلاۃِ کان قبل الرکوع أو بعدہ قال: قبلہ إنّما قنتَ رسول اللهﷺ بعد الرکوع شهراً إنّه کان بعثَ أُناساًیقال لهم القراء..."(متفق علیہ) یعنی "حضرت انسؓ سے قنوت کے بارے میں پوچھا گیا کہ رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ رکوع سے پہلے۔ باقی رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ تک رکوع کے بعد جو قنوت پڑھی وہ اصل میں ان لوگوں کے لیے بددعا تھی جنھوں نے آپ ﷺ کے ستر قرّاء صحابہ کو بے دردی سے شہید کیا تھا"۔

مسئلہ (۲): دعائے قنوت سال بھر پڑھی جائے گی؟:

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک وتر میں دعائے قنوت سال بھر پڑھی جائے گی۔ ان حضرات کا استدلال اُن تمام احادیث سے ہے جن میں وتر میں قنوت پڑھنے کا ذکر ہے، مثلاً: فصلِ ثانی میں مروی حضرت علیؓ کی حدیث: "علّمنی رسول اللهﷺ کلماتِ أقولهنّ فی الوتر...." چونکہ ایسی تمام روایات مطلق ہیں اور مطلق سے فردِ کامل مراد لیا جاتا ہے جو یہاں "سال بھر قنوت پڑھنا" ہے ،لہذا اِن احادیث کی بنا پر کہا جائے گا کہ وتر میں قنوت سال بھر پڑھی جائے گی۔

جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف رمضان کے نصفِ آخر میں وتر میں قنوت پڑھی جائیگی؛ ان حضرات کا استدلال حضرت عمرؓ وعلیؓ کے آثار ہیں مثلاً یہاں مشکوٰۃ میں منقول ہے "عن الحسن أنّ عمر بن الخطابؓ جمع الناسَ علیٰ أُبی بن کعبؓ فکانَ یُصلّی بهم عشرین لیلةً من رمضان ولا یقنتُ بهم إلا فی النصفِ الثانی. "(ابوداوٗد) ترجمہ: "حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ کو تراویح پڑھانے کے لیے مقرر فرمایا، وہ رمضان کے نصفِ آخر میں دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے"۔

امام صاحبؒ کی جانب سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے، لہذا لائقِ استدلال نہیں، کیونکہ حسنؒ نے حضرت عمرؓ کے زمانہ کو نہیں پایا۔

مسئلہ (۳): فجر میں قنوت پڑھنے کا حکم:

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک فجر کی نماز میں دعائے قنوت ہمیشہ پڑھی جائے کہ یہ مسنون ومستحب ہے۔ ان حضرات کا استدلال اُن تمام روایات سے ہے جن میں قنوت فی صلاۃِ الفجر کا ذکر ہے، نیز حضرت انسؓ کی یہ حدیث بھی ان حضرات کی دلیل ہے: "قال: ما زال رسول اللهﷺ یقنتُ فی الفجرِ حتیٰ فارق الدنیا "(دارقطنی ،طحاوی) ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں: "آپ ﷺ دنیا سے پردہ

فرمانے تک فجر میں قنوت پڑھتے رہیں''۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ اور صحابہ کرام وتابعینِ عظام کی ایک بڑی جماعت اس کے قائل ہوئے ہیں کہ صلاۃِ فجر میں قنوت پڑھنا نہ سنت ہے اور نہ مستحب۔ اِن حضرات کا استدلال فصل ثانی میں مروی ابو مالک اشجعیؒ کی اس روایت سے ہے: "قال: قلتُ لأبي: إنك قد صلّيتَ خلفَ رسول الله ﷺ و أبي بكرٍ وعمر وعثمانَ وعليّ ههُنا بالكوفة نحواً من خمسِ سنينَ أكانوا يقنتون؟ قال: أي بُنيّ امحدث." (ترمذی) [ترجمہ] ''ابو مالک اشجعی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم) کی اقتداء میں نمازیں پڑھی ہیں کیا یہ حضرات (فجر میں) ہمیشہ قنوت پڑھا کرتے تھے؟ تو والد نے کہا کہ بیٹا! یہ (فجر میں ہمیشہ قنوت پڑھنا) تو بدعت ہے''۔

ان حضرات کی جانب سے امام شافعیؒ کی مستدل روایات کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ قنوت فی الفجر کی تمام روایات ''قنوتِ نازلہ'' پڑھنے پر محمول ہے جو اجتماعی آفت ومصیبت کے وقت فجر میں رکوع کے بعد پڑھی جاتی ہے اور اِس کے احناف بھی قائل ہیں، امام شافعیؒ کی مستدل ''حدیثِ انسؓ'' کے کئی جواب دیے جاتے ہیں:

(۱) اس میں قنوت سے مراد طولِ قیام ہے۔

(۲) اس روایت میں ''عیسیٰ بن عیسیٰ'' ایک راوی ضعیف ہے، لہٰذا یہ روایت صحیح روایات کے مقابلے میں حجت نہیں۔

(۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ آخر عمر تک ''قنوتِ نازلہ'' کو مصائب کے اوقات میں پڑھا کرتے تھے۔ اس پر قرینہ اسی فصل میں ''عاصم الاحول'' کی سند سے مروی ''حدیثِ انسؓ'' ہے۔ نیز امام ترمذیؒ نے اس مسئلہ میں احناف کے مسلک کو اکثر اہلِ علم کا مذہب قرار دیا ہے جبکہ شافعی مسلک کو بعض اہلِ علم کا مذہب کہا ہے۔

مسئلہ (۴): کون سی دعائے قنوت افضل ہے؟:

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ''سورۃ الحفد'' اور ''سورۃ الخلع'' یعنی اللّٰھم إنّا نستعينُك و نستغفرُك و نؤمن بك ...الخ پڑھنا افضل ہے۔ ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) عن خالد بن عمرانؒ أنّ جبرئيلؑ علّمه ﷺ اللهم إنّا نستعينُك .... (مراسیلِ ابوداؤد، طبرانی) یعنی خود جبرئیلؑ نے حضور ﷺ کو ''اللهم انا نستعيك...'' کی تعلیم دی۔

(۲) عن ابن عباسؓ أنّ عمر بن الخطابؓ كانَ يقنُتُ بالسورتين "اللهم انّا نستعينُك و اللهم ايّاك نعبدُ". (طحاوی، ابن ابی شیبہ) یعنی حضرت عمرؓ ان دو سورتوں ''اللهم إنّا نستعينُك'' اور ''اَللّٰهمّ ايّاكَ نَعبُدُ'' کو قنوت میں پڑھا کرتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ کی تحقیق کے مطابق یہ دونوں قرآن کی منسوخ التلاوت سورتیں ہیں۔ نیز حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ اور حضرت انسؓ کے آثار سے بھی اس دعا کا وتر میں پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

جبکہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ''اللّٰهم اهدني فيمن هديتَ وعافني فيمن عافيتَ ....الخ'' پڑھنا اولیٰ ہے۔ ان

حضرات کی دلیل [باب الوتر] کے فصلِ ثانی میں مرذی حسن بن علیؓ کی یہ حدیث ہے: قال: علّمنی رسول اللهﷺ کلماتٍ أقولهنّ فی قنوتِ الوتر" اللهم اهدنی فیمن هدیتَ وعافنی فیمن عافیتَ ...." الخ (ترمذی وابوداؤد) ترجمہ: حضرت حسن بن علیؓ کہتے ہیں کہ "رسول اللہﷺ نے مجھے قنوت وتر کے لیے "مذکورہ دعا" کی تعلیم دیں"۔ (نفحات، المسائل والدلائل)

"بیر معونہ" کا اندوہناک واقعہ:

۱۲۱۵۔وعن عاصم الأحولِ قال: سألتُ أنس بن مالكٍ عن القنوتِ فی الصلوٰة، كانَ قبلَ الركوعِ أوبعدَه ؟قال:قبلَه إنّما قنتَ رسولُ اللهﷺبعدَ الرُّكوعِ شهرا،أنّه كان بعثَ أُناسًا يقال لهم" القرّآء" سبعون رجلاً فأُصيبُوافقنتَ رسولُ اللهﷺ بعدَ الرُّكوعِ شهرًا يدْعوا عليهم.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عاصم احولؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے نماز میں قنوت کے متعلق پوچھا کہ وہ رکوع سے پہلے ہے یا بعد؟ آپؓ نے فرمایا کہ (قنوت) رکوع سے پہلے ہے، (البتہ) ایک مہینہ تک آپﷺ نے رکوع کے بعد (بھی) قنوت پڑھی جس کا سبب یہ ہوا کہ آپﷺ نے چند لوگوں (صحابہ) کو جنہیں "قرآء" کہا جاتا تھا (کافر قبائل کی تبلیغ کے لیے) بھیجا، یہ ستر آدمی تھے اور یہ سب (دھوکہ سے) شہید کیے گئے تو آپﷺ نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھی (جس میں) اُن (قاتل قبائل) کے لیے بددعا کرتے۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: إنّه كان بعث أناسا يقال لهم: القرّآء ...:۔ یہ صحابہ اصحابِ صفہ کی مقدس جماعت کے رکنِ رکین تھے۔ چونکہ یہ حضرات قرآن پڑھتے پڑھاتے، اس وجہ سے ان کو "قرآء" کہا جاتا۔ کچھ کافر ان حضرات کو نبی پاکﷺ کی اجازت سے اپنے قبائل میں تبلیغ کی غرض سے لے کر گئے جو درحقیقت ایک دھوکہ تھا، جب یہ حضرات بیرِ معونہ (مکہ اور عسفان کے درمیان ایک کنواں) پہنچے تو قبیلہ "رعل، ذکوان اور قارہ" نے ان حضرات کو گھیرے میں لے کر چُن چُن کر شہید کیا۔ ایک صحابی "حضرت کعب بن زیدؓ" جو زخمی ہو گئے تھے اور کسی طرح آنحضرتﷺ کی خدمت میں پہنچنے میں کامیاب ہوئے انہوں نے آپﷺ کو اس روح فرسا واقعہ کی خبر دی، جس سے آپﷺ کو کافی صدمہ ہوا، یہاں تک کہ مسلسل ایک مہینہ تک ان قاتل قبائل کے لیے (قنوتِ نازلہ پڑھ کر) بددعا کی۔ یہ واقعہ چار ہجری میں پیش آیا۔

"الفصل الثانی"

۱۲۱۶۔عن ابن عباسؓ قال: قنتَ رسولُ اللهﷺ شهرًا مُتتابعًا فی الظهرِ والعصرِ والمغربِ والعشاءِ وصلاةِ الصبحِ اذاقال: سمع الله لمن حمده مِن الركعةِ الآخرةِ يدعُوا علىٰ أحياءٍ مِن بنی سليم :علىٰ رِعْل وزكوان وعُصيّة،ويُؤمّنُ مَن خلفَه.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے مسلسل ایک مہینہ تک ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز میں قنوتِ (نازلہ) پڑھی، جب [سمع الله لمن حمده] کہتے تو بنو سُلیم کے چند قبیلوں "رعل، ذکوان اور عُصیہ" کے لیے بددعا فرماتے اور جو لوگ آپﷺ کے پیچھے کھڑے ہوتے وہ آمین کہتے۔ (ابوداؤد)

۱۲۱۷۔وعن أنسؓ أنّ النبیّﷺ قنتَ شهراً ثمّ تركه .[أبوداؤد،نسائی]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی پاکﷺ نے ایک ماہ تک قنوتِ (نازلہ) پڑھی پھر ترک کر دی۔ (ابوداؤد، نسائی)

۱۲۱۸۔وعن أبی مالك الأشجعیؓ قال: قلتُ لأبی: یا أبتِ ! إنّكَ قد صلّیتَ خلفَ رسولِ اللهﷺ وأبی بکر وعمر وعثمان وعلیٍّ ههُنا بالکوفةِ نحواً مِن خمسِ سنین أکانوا یقنتُون ؟قال: اِی بُنَیِّ ! مُحدَثٌ.[ترمذی،نسائی]

ترجمہ:حضرت ابو مالک اشجعیؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ نے رسول اللہﷺ اور ابوبکرؓ،عمرؓ اور عثمانؓ کے پیچھے اور یہاں کوفہ میں علیؓ کے پیچھے تقریباً پانچ برس تک نماز پڑھی ہے،کیا یہ حضرات (فرض نمازوں میں مستقلاً) قنوت پڑھا کرتے تھے؟انہوں نے فرمایا کہ میرے بیٹے!یہ(مستقلاً فرض نمازوں میں قنوت پڑھنا) تو بدعت ہے۔(ترمذی،نسائی)

’’الفصل الثالث‘‘

۱۲۱۹۔عن الحسنؒ أنّ عمرَ بن الخطابؓ جمعَ الناسَ علیٰ أُبیِّ بن کعبؓ فکان یُصلّی لهم عشرینَ لیلةً ولا یقنتُ بهم الافی النصفِ الباقی فاذا کانتِ العشرُ الأواخرُ یتخلّفُ فصلّی فی بیتِه فکانوا یقولونَ :أبَقَ أُبیٌّ.[أبو داؤد]وَسُئِل أنس بن مالك عن عن القُنوتِ ،فقال:قنتَ رسولُ اللهﷺ بعدَ الرُّکوعِ .وفی روایةٍ :"قبلَ الرکوعِ وبعدَه".[ابن ماجة]

ترجمہ:حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے لوگوں کو(رمضان میں تراویح کے لیے) حضرت اُبی بن کعبؓ پر جمع کیا (یعنی اُن کو امام بنایا)وہ بیس راتوں تک لوگوں کو صلاۃِ تراویح پڑھاتے اور قنوت صرف آخری نصف (رمضان) میں پڑھتے جب آخری دس دن ہوتے تو حضرت اُبی بن کعبؓ (مسجد آنے سے) پیچھے رہتے اور گھر پر نماز پڑھتے (یہ دیکھ کر) لوگ کہتے کہ اُبیؓ بھاگ گئے۔(ابوداوٗد)اور حضرت انسؓ بن مالک سے قنوت کے متعلق پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ رسول اللہﷺ نے رکوع کے بعد(ایک ماہ تک) قنوت (نازلہ) پڑھی۔اور ایک روایت میں آتا ہے کہ رکوع سے پہلے (قنوتِ وتر) پڑھی اور اُس کے بعد بھی (قنوتِ نازلہ رکوع کے بعد پڑھی)۔

(بابُ قِیامِ شهرِ رمضانَ)

{اس باب میں تراویح سے متعلق احادیث ذکر کی جائیں گی}

تراویح کی وجہ تسمیہ،حکم اور تعدادِ رکعات:

تراویح ، ترویحۃ کی جمع ہے جس کے معنیٰ استراحت کے ہیں،چونکہ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد اسی کے بقدر استراحت ہوتی ہے،اس لیے اس نماز کو تراویح کہا گیا۔تراویح باتفاقِ جمہور علماء وفقہاء ’سنتِ مؤکدہ‘ ہے،نیز ’’بیس رکعت‘‘ ہیں۔البتہ امام مالکؒ کا ایک قول ’’چھتیس رکعت‘‘ کا ہے۔اس قول کی بنا تعاملِ اہلِ مدینہ پر ہے یعنی اہلِ مدینہ چھتیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔جس کی وجہ یہ بنی تھی کہ اہلِ مکہ ہر چار رکعت کے بعد طواف کرتے اور دوگانہ طواف بھی اداء کرتے،ان کے مقابلہ میں اہلِ مدینہ نے چار رکعت تراویح کے بعد انفرادی طور پر چار نفل پڑھنے کا اضافہ کیا،یہ نفل چونکہ آخری ترویحہ کے بعد یہ لوگ نہیں پڑھا کرتے تھے اس وجہ سے رکعات کی کل تعداد چھتیس ہوئی،اگرچہ اس میں تراویح بیس ہی رکعت ہیں۔واضح رہے کہ عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک بیس رکعت تراویح سے کم کا کوئی بھی قائل

نہیں، سوائے غیر مقلدین کے جو کہتے ہیں کہ تراویح ''آٹھ رکعت'' ہیں۔

تراویح بیس رکعت یا آٹھ......؟:

بیس رکعت کی تحدید میں اگرچہ مرفوع روایات موجود نہیں، لیکن حضرات خلفائے راشدین اور بے شمار صحابہ و تابعین [رضوان اللہ علیہم اجمعین] کے آثار اس پر دال اور شاہد ہیں کہ وہ تراویح کو ''بیس رکعت'' سمجھتے اور پڑھتے رہیں۔ چنانچہ ''سنن بیہقی'' اور ''آثار السنن'' میں اس نوع کے متعدد آثار منقول ہیں۔ بنابریں حضرات ائمہ مجتہدین نے بیس رکعت تراویح کو ''اجماعی مسئلہ'' قرار دیا ہے۔ جب یہ ثابت ہوا کہ خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ بیس رکعت تراویح پر عامل تھے اور نصوص و احادیث سے خلفائے راشدین کا واجب الاتباع ہونا معلوم ہوتا ہے، مثلاً: ''علیکم بسنّتی وسنّة الخلفاءِ الراشدین المهدیین، تمسّکوا بها وعضّوا علیها بالنواجذ.'' (ترمذی) [ترجمہ] ''میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو''۔ لہذا جو عمل خلفائے راشدین سے ثابت ہوگا وہ عمل حکماً نبی پاک ﷺ کے قول یا عمل سے ثابت سمجھا جائے گا پس کہا جائے گا کہ بیس رکعت تراویح کے سلسلہ میں اِن حضرات کے پاس حضور ﷺ کے قول یا فعل میں سے کوئی اصل ضرور تھی۔

اس کے علاوہ محدثین کا یہ اُصول ہے کہ ''غیر مدرک بالعقل'' مسائل میں حضرات صحابہ کرامؓ کے موقوف آثار، احادیثِ مرفوعہ کے درجہ میں شمار کیے جاتے ہیں، چنانچہ تراویح کا بیس رکعت ہونا اور مجموعی طور پر صحابہ کا اس پر عمل پیرا ہونا ''غیر مدرک بالقیاس'' ہے، اس میں عقل وقیاس کو کوئی دخل ہی نہیں، لہذا کہا جائے گا کہ اس کا بیس رکعت ہونا ضرور بالضرور نبی پاک ﷺ سے ثابت ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ سے جب تراویح کے بیس رکعت ہونے کے بارے میں حضرت عمرؓ کے قول و فعل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا: ''التراویح سنّةٌ مؤکّدةٌ ولم یتخرّجه عمرؓ من تلقاءِ نفسه ولم یکنْ فیه مُبتدعًا ولم یأمرُ به إلا عن أصلٍ لدیه وعهدٍ من رسول الله ﷺ.'' [ترجمہ] ''تراویح سنت مؤکدہ ہے حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے اس کو ایجاد نہیں کیا اور نہ ہی وہ اس حوالے سے کسی بدعت کے مرتکب ہوئے ہیں، آپؓ کا اس کا حکم دینا ضرور کسی ایسے اصل کی بنا پر تھا جو نبی پاک ﷺ سے ثابت تھا''۔

صحیح روایات سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رمضان میں نفل نمازوں میں اضافہ کر دیتے جبکہ تراویح کے بیس رکعت ہونے کے متعلق ''سنن بیہقی'' میں روایت ہے جو اگرچہ ضعیف ہے لیکن تعاملِ امت اور پوری امت کے تلقی بالقبول کی بنا پر لائق استدلال ہے: ''عن ابن عباسؓ أنّ النبی ﷺ کان یقومُ فی رمضان بعشرین رکعةً فی غیرِ جماعةٍ والوتر.'' [ترجمہ] ''نبی پاک ﷺ رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت تراویح مع وتر کے پڑھا کرتے تھے''۔ آپ ﷺ سے صرف تین مرتبہ تراویح باجماعت پڑھنا ثابت ہے۔ تراویح باجماعت مستقل پڑھانے میں چونکہ فرضیت کا خدشہ تھا اس لیے مستقل نہیں پڑھائی۔

آٹھ رکعت تراویح کے دلائل اور اُس کے جوابات:

غیر مقلدین جو تراویح کو آٹھ رکعت میں منحصر مانتے ہیں، ان کے پاس اس پر کوئی قوی اور صحیح دلیل نہیں، وہ اپنے زعم میں جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں وہ جمہور ائمہ کی طرف سے دیے گئے اجوبہ سمیت ذکر کیے جاتے ہیں:

دلیل(۱): عن عائشۃَ ما کان رسول اللہ ﷺ یزیدُ فی رمضانَ ولا فی غیرہٖ علیٰ إحدیٰ عشر رکعۃً. ''(متفق علیہ) یعنی ''نبی پاک ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ صلاۃ اللیل نہ پڑھتے تھے''۔

جمہور ائمہ کی جانب سے اس کا ایک جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں تہجد کی نماز کا ذکر ہے نہ کہ تراویح کا اور اس پر قرینہ ''فی رمضان ولا فی غیرہ'' کے الفاظ ہیں۔

دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ آٹھ رکعت میں انحصار کا دعویٰ حضرت عائشہؓ ہی کی اس حدیث سے باطل ہوجاتا ہے: ''کان رسول اللہ ﷺ یصلی باللیل ثلاثَ عشرَ رکعۃً'' ترجمہ: ''نبی پاک ﷺ ''تیرہ'' رکعت صلاۃ اللیل پڑھا کرتے تھے''۔

دلیل(۲): عن جابرؓ قال: صلّی بنا رسول اللہ ﷺ فی رمضان لیلۃً ثمانیَ رکعاتٍ والوتر ....'' (قیام اللیل للامام مروزی) [ترجمہ]: ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان میں ایک رات آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو راوی ''محمد بن حمید الرازی'' اور ''عیسیٰ بن جاریہ'' ضعیف ہیں، لہٰذا یہ روایت قابلِ استدلال نہیں رہے گی۔ (میزان الاعتدال وغیرہ)

دلیل(۳): فصلِ ثالث میں مروی حدیثِ سائب بن یزید: ''قال: أمر عمرؓ أُبیَّ بن کعبؓ وتمیماً الداریؓ أن یقوما للنّاسِ فی رمضان بإحدیٰ عشرۃَ رکعۃً.'' (المؤطا) ترجمہ: ''حضرت عمرؓ نے حضرت اُبیؓ اور حضرت تمیمؓ کو اس بات کا حکم فرمایا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں''۔

جمہور کی جانب سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ روایت کئی وجوہ سے قابلِ استدلال نہیں: ایک تو یہ کہ یہ روایت ''مضطرب المتن'' ہے، چنانچہ اسی سائب بن یزیدؓ سے مروی ہے کہ ''کنّا نقوم فی زمنِ عمر بن الخطابؓ بعشرین رکعۃً والوتر.'' (بیہقی) ترجمہ: ''ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے''۔ دوم، اضطراب کے ساتھ ساتھ اُن دوسری صحیح روایات کے خلاف ہے جن میں حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں بیس رکعت تراویح کا پڑھا جانا اور حضرت عمرؓ کا لوگوں کو اس کا حکم فرمانا مذکور ہے۔ سوم یہ روایت مؤطا کی ہے اور خود امام مالکؒ کے نزدیک اس پر عمل نہیں ہے۔ (نفحات، مرآۃ)

''الفصل الاوّل''

تراویح باجماعت کا ثبوت:

۱۲۲۰۔ عن زید بن ثابتؓ أنّ النبیَّ ﷺ اتّخذَ حُجرۃً فی المسجدِ مِن حصیرٍ، فصلّی فیہا لیالیَ حتیٰ اجتمعَ علیہ ناسٌ ثمّ فقدوا صوتَہ لیلۃً وظنّوا أنّہ قد نامَ فجعل بعضُھم یتنحنحُ لِیَخرُجَ الیہم، فقال: مازال بکم الّذی رأیتُ مِن صنیعِکم حتیٰ خشیتُ أن یُکتَبَ علیکم ولو کُتِبَ علیکم ماقُمتُم بہٖ فصلُّوا أیّھا النّاسُ فی بیوتِکم، فإنّ أفضلَ صلوٰۃِ المرءِ فی بیتِہٖ الّا الصلوٰۃَ المکتوبۃَ. [متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے مسجد میں بوریا سے ایک حجرہ (خیمہ) بنایا، اُس میں کئی راتوں تک

نماز (تراویح) پڑھی یہاں تک کہ لوگ آپ ﷺ (کی اقتدا میں تراویح پڑھنے) پر جمع ہونے لگے، پھر ایک رات آپ ﷺ کی (قرأت کی) آواز انہوں نے نہ پائی تو خیال کیا کہ آپ سو گئے ہیں، چنانچہ بعض حضرات نے کھنکارنا شروع کیا تا کہ آپ (باہر) اُن کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے (حجرہ سے نکل کر یا اندر ہی سے) فرمایا کہ میں نے مسلسل تمہارا عمل (تراویح باجماعت پڑھنے کے حوالے سے) دیکھا حتیٰ کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ (کہیں) تم پر فرض نہ ہو جائے اور اگر تم پر (تراویح باجماعت) فرض ہو جائے تو تم اس کو ادا نہیں کر سکتے، لہذا اے لوگو! (یہ نماز) اپنے گھروں میں پڑھو کیونکہ فرض نماز کے ماسوا آدمی کی سب سے افضل نماز اُس کے گھر کی (نماز) ہے۔

تشریح: قوله: خشيتُ أن يُكتب عليكم ....: آپ ﷺ نے کئی راتوں تک لوگوں کو مسجد میں اعتکاف کی غرض سے بنائے ہوئے چبوترے کے پیچھے سے تراویح کی جماعت پڑھائی اور پھر اس غرض سے پڑھانا چھوڑ دی کہ کہیں تراویح باجماعت امت پر فرض نہ ہو جائے۔ اس حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔

تراویح گھر میں پڑھنی افضل ہے یا مسجد میں؟:

قوله: فصلّوا أيّها النّاسُ في بيوتِكم ....: اس میں آپ ﷺ کا لوگوں کو گھروں مین تراویح پڑھنے کا حکم مذکور ہے۔ یہاں اس بارے میں اختلاف ہوا ہے کہ تراویح مسجد میں باجماعت پڑھنا افضل ہے یا گھر میں انفرادی طور پر پڑھنا افضل ہے؟ چنانچہ امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ تراویح گھر میں منفرداً پڑھنا افضل ہے۔ ان حضرات کی دلیل مذکورہ حدیث ہے۔

جبکہ جمہور فقہاء وائمہ ثلاثہ اور بعض مالکیہ کے ہاں مسجد میں تراویح باجماعت پڑھنا افضل ہے۔ ان حضرات کا استدلال حضرت عمرؓ کے قول وعمل اور دیگر صحابہ کرامؓ کے عمل سے ہے، نیز خلافتِ فاروقی سے لے کر آج تک اِس پر اُمت کا تعامل بھی ہے۔ جمہور حضرات کی جانب سے مذکورہ حدیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے بنفسِ نفیس چند دن تراویح باجماعت پڑھائی اور پھر اس خوف سے کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائے اس کو ترک کر دیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اصل منشأ تو جماعت کے ساتھ پڑھنا تھا، لیکن فرض ہونے کے اندیشہ سے اس کو ترک کر دیا گیا تھا۔ اس کی تائید ''بیہقی'' میں مروی ''ثعلبہ بن مالکؓ'' کی روایت سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ آپ ﷺ نے تراویح باجماعت پڑھنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ''قد أحسنوا وأصابوا'' یعنی ''ان لوگوں کا تراویح باجماعت پڑھنا درست بلکہ مستحسن ہے''۔ گویا تراویح کی جماعت آپ ﷺ کے قول اور فعل دونوں سے ثابت اور مؤیَّد ہے اور اسی پر امت کا عمل بھی ہے۔ (تنقیحات)

تراویح کی ترغیب:

۱۲۲۱۔ عن أبي هريرةؓ قال: كان رسولُ الله ﷺ يُرغِّبُ في قيامِ رمضانَ مِن غيرِ أن يأمرَهم فيه بعزيمةٍ فيقولُ: مَن قامَ رمضانَ ايمانًا واحتسابًا غُفِرله ماتقدّمَ مِن ذنبه، فتُوُفّي رسولُ الله ﷺ والأمرُ علىٰ ذلك ثمّ كان الأمرُ علىٰ ذلك في خلافةِ أبي بكر وصدرًا مِن خلافةِ عمر علىٰ ذلك. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قیامِ رمضان (یعنی تراویح) کی ترغیب دیا کرتے تھے بغیر اس کے کہ صحابہ کو تاکید کے ساتھ اس کا حکم کریں، چنانچہ فرماتے کہ جو شخص ایمان اور ثواب کے حصول کے جذبہ سے قیامِ رمضان کرے تو اس کے اگلے گناہ (سب) معاف

کردیے جاتے ہیں۔(اس کے بعد) نبی پاک ﷺ وفات پا گئے اور (تراویح کا) معاملہ ایسا ہی رہا (یعنی بغیر جماعت کے تراویح پڑھی جاتی تھی) پھر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں بھی معاملہ یہی رہا اور حضرت عمرؓ کی خلافت کی ابتدا میں (بھی) معاملہ یہی رہا۔(مسلم)

نوافل گھر کی نماز ہے:

۱۲۲۲۔وعن جابرؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: إذا قضى أحدُكم الصلوٰةَ في مسجدِهِ فليجعلْ لبيتِه نصيبًا مِن صلوٰتِهٖ فإنّ اللهَ جاعلٌ في بيتِه مِن صلوٰتِهٖ خيراً.[مسلم]

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں (فرض) نماز پڑھ لے تو اسے چاہیے کہ اپنی نماز میں سے کچھ حصہ گھر کے لیے مقرر کرلے کیونکہ اُس کی نماز پڑھنے کے سبب سے اللہ تعالیٰ اُس کے گھر میں بھلائی پیدا فرمائیں گے۔

''الفصل الثانی''

۱۲۲۳۔عن أبي ذرٍّؓ قال: صُمنا مع رسول اللهِ ﷺ فلم يَقُم بنا شيئاً من الشهرِ حتىٰ بقِيَ سبعٌ فقامَ بنا حتىٰ ذهبَ ثُلثُ الليلِ فلمّا كانتِ السادسةُ لم يقُمْ بنا فلمّا كانتِ الخامسةُ قامَ بنا حتىٰ ذهبَ شطرُ الليلِ ،فقلتُ:يارسولَ الله! لو نفلتَنا قيامَ هذه الليلةِ ،فقال: إنّ الرجلَ اذاصلّى مع الإمامِ حتىٰ ينصرِفَ حُسِبَ له قيامُ ليلةٍ فلمّا كانتِ الرابعةُ لم يَقُمْ بنا حتىٰ بقِيَ ثُلثُ الليلِ ،فلمّا كانتِ الثالثةُ جمعَ أهلَه ونساءَهُ والنّاسَ فقامَ بنا حتىٰ خشِيناأنْ يفوتَنا الفلاحُ ،قلتُ:وماالفلاحُ؟ قال:السُّحورُ ثمّ لم يقُمْ بنا بقيّةَ الشهرِ.[أبوداؤد،ترمذی،نسائی الاّ أنّ الترمذيلم يذكرُ:"ثمّ لم يقُمْ بنا بقيّةَ الشهر".

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ (رمضان کے) روزے رکھیں۔آپ ﷺ نے ہمارے ساتھ (تراویح کا) (باجماعت) قیام نہ فرمایا، یہاں تک کہ سات دن باقی رہ گئے (یعنی تیئسویں رمضان کی رات آئی) تو ہمارے ساتھ تہائی رات تک قیام فرمایا اور جب چھ راتیں رہ گئیں تو ہمارے ساتھ قیام نہیں فرمایا، پھر جب پانچ دن رہ گئے تو ہمارے ساتھ قیام کیا یہاں تک کہ آدھی رات گذر گئی۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کاش آپ اس رات کا قیام ہمیں زیادہ کراتے۔(یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی جب امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے یہاں تک کہ فارغ ہوجاتا ہے تو اُس کے لیے ساری رات کا قیام گنا جاتا ہے۔اور جب چار دن رہ گئے تو ہمارے ساتھ قیام نہ فرمایا یہاں تک کہ تہائی رات رہ گئی (اور ہم انتظار کرتے رہیں) اور جب تین دن رہ گئے تو آپ ﷺ نے اپنے گھر والوں کو، اپنی بیویوں کو اور (دوسرے) لوگوں کو جمع کیا اور ہمارے ساتھ (اتنا طویل) قیام کیا کہ ہمیں ''فلاح'' فوت ہونے کا اندیشہ ہونے لگا۔(راوی کہتا ہے کہ) میں نے پوچھا یہ ''فلاح'' کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ ''سحری''۔پھر آپ ﷺ نے باقی مہینہ ہمارے ساتھ قیام نہ فرمایا۔(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔البتہ ترمذی نے ''ثمّ لم يقُمْ بنا بقيّةَ الشهر'' کے الفاظ روایت نہیں کیے ہیں)

پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت:

۱۲۲۴۔وعن عائشةَؓ قالت: فقدتُ رسولَ اللهِ ﷺ ليلةً فإذا هوبالبقيعِ ،فقال: أكنتِ تخافينَ أن يَحيفَ اللهُ عليكِ ورسولُه، قالتُ:يا رسولَ اللهِ! إنّي ظننتُ أنّكَ أتيتَ بعضَ نسائِكَ،فقال: إنّ اللهَ تعالىٰ ينزِلُ ليلةَ النصفِ مِن شعبانَ الى السماءِ

الدنیا فیغفرُ لأکثرَ مِن عددِ شَعرِ غَنَمِ کلب. [ترمذی و ابن ماجة] وزاد رزین: "مِمَّن استحقَ النَّار" وقال الترمذیُّ: سمعتُ محمدًا [یعنی البخاریَّ] یُضعِّفُ هذاالحدیثَ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو (بستر پر) نہ پایا، ناگہاں (کیا دیکھتی ہوں کہ) آپ ﷺ (مدینہ کے قبرستان) بقیع میں ہیں (مجھے وہاں دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تجھے اس بات کا خوف تھا کہ اللہ اور اُس کا رسول تم پر ظلم کریں گے۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے خیال ہوا کہ آپ اپنی کسی (اور) بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان (پندرہویں) کی رات کو آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور قبیلۂ بنوکلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ (لوگوں کو) بخشتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور رزین نے یہ اضافہ نقل کیا ہے "وہ لوگ جو دوزخ کے مستحق ہوں"۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے محمد یعنی امام بخاریؒ کو اس حدیث کی تضعیف کرتے ہوئے سنا۔

نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے:

۱۲۲۵۔ وعن زید بن ثابتؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ: صلوٰۃُ المرءِ فی بیته أفضلُ من صلوٰته فی مسجدی هذا الّا المکتوبة.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا گھر میں نماز (نفل وغیرہ) پڑھنا "میری اس مسجد" میں نماز پڑھنے سے افضل ہے علاوہ فرض نماز کے (کہ وہ مسجد میں افضل ہے)۔ (ابوداؤد، ترمذی)

"الفصل الثالث"

باقاعدہ تراویح کی جماعت شروع ہونے کا قصہ:

۱۲۲۶۔ عن عبد الرحمٰن بن عبد القاری قال: خرجتُ مع عمر بن الخطابؓ لیلةً إلی المسجدِ فإذا النّاسُ أوزاعٌ متفرّقونَ یُصلّی الرجلُ لنفسِهٖ ویُصلّی الرجلُ فیصلّی بصلوٰته الرهطُ، فقال عمر: إنّی لو جمعتُ هٰؤلاءِ علیٰ قاریٍٔ واحدٍ لکان أمثلَ ثمّ عزمَ فجمعَهم علیٰ أُبیِّ بن کعب، قال: ثمّ خرجتُ معَه لیلةً أُخریٰ والنّاسُ یُصلّونَ بصلاةِ قارئِهم قال عمرؓ: نعمتِ البدعةُ هذه، والّتی تنامُونَ عنها أفضلُ مِن الّتی تقومون، یُریدُ اٰخرَ اللیلِ وکانَ النّاسُ یقومون أوّلَه. [بخاری]

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ کہتے ہیں کہ میں (رمضان کی) ایک رات حضرت عمر بن خطابؓ کے ہمراہ مسجد کی طرف نکلا، ناگہاں کیا دیکھا کہ لوگ بکھرے ہوئے تھے، چنانچہ کوئی آدمی تنہا نماز (نفل وتراویح) پڑھ رہا تھا اور کوئی آدمی (اس طرح) نماز پڑھ رہا تھا تو اُس کی اقتداء میں کچھ لوگ نماز (تراویح) پڑھ رہے تھے۔ (یہ دیکھ کر) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں اِن سب لوگوں کو ایک (امام) پر جمع کردوں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا، پھر اس کا پختہ ارادہ فرمایا اور لوگوں کو اُبی بن کعبؓ پر جمع کیا۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ پھر میں ایک رات آپؓ کے ہمراہ نکلا اور لوگ اپنے قاری (امام) کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا کہ "یہ اچھی بدعت ہے" اور جس نماز سے تم سورہتے ہو وہ اس نماز سے جسے تم پڑھ رہے ہو افضل ہے۔ آپؓ کی مراد آخرِ شب (میں تراویح پڑھنا) تھی اور لوگ رات کے پہلے حصہ میں قیام کرتے۔

حضرت عمرؓ کا تراویح کی جماعت کو ''بدعت'' کہنا:

تشریح: قوله: والنّاسُ يُصلّونَ بصلاةِ قارئهم قال عمرؓ :نعمتِ البدعةُ هذه ..... :۔اس حدیث میں تراویح کی جماعت کو رواج دینے کا واقعہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے تمام لوگوں کو ایک امام کے پیچھے باجماعت تراویح کا پابند کیا اور پھر آپؓ نے یہ منظر بھی دیکھا کہ لوگ ایک امام کے پیچھے تراویح پڑھ رہے ہیں تو بے ساختہ آپؓ کے منہ سے یہ کلمات نکلے کہ '' نعمتِ البدعةُ هذا'' یعنی ''یہ اچھی بدعت ہے''۔ بدعت کا لغوی معنیٰ ہے نئی چیز۔ یہاں تراویح کی جماعت پر بدعت کا اطلاق اسی لغوی معنیٰ میں ہے؛ وہ اس طرح کہ عہدِ صدیقی میں تراویح کی جماعت نہیں ہوتی تھی تو آپؓ نے عہدِ صدیقی کے اعتبار سے اس پر بدعت کا اطلاق کیا۔ یہاں بدعت سے اصطلاحی بدعت مراد نہ ہوگی، کیونکہ تراویح باجماعت کا سنت ہونا تو خود آنحضرت ﷺ کے فعل وقول سے ثابت ہے۔ (نفحات)

آٹھ رکعت تراویح سے متعلق ایک معلول روایت:

۱۲۲۷۔وعن السائب بن يزيدَ قال: أمرَ عمرُ أُبيّ بن كعبؓ وتميمًا الداريّ أن يَقُومَا للنّاسِ في رمضانَ بإحدىٰ عشرةَ ركعةً فكان القارئُ يقرأُ بالمِئين حتىّ كنّانعتمِدُ على العصامِن طولِ القيامِ فماكنّاننصرفُ الّا في فروعِ الفجرِ.[مالك]

ترجمہ: حضرت سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں چنانچہ امام ''سو'' سے زائد آیتوں والی سورتیں پڑھتا یہاں تک کہ ہم طویل قیام کی وجہ سے عصا کا سہارا لیا کرتے تھے، اور ہم (تراویح سے) فارغ نہ ہوتے مگر فجر کے قریب قریب۔ (مالکؒ)

فائدہ: اس حدیث کے بارے میں باب کے شروع میں کلام ہو چکا ہے۔

۱۲۲۸۔وعن الأعرج قال: ما أدركْنَا النّاسَ إلّا وهم يلعَنُون الكفرةَ في رمضان قال: وكان القارئُ يقرأُ سورةَ البقرةَ في ثمانيَ ركعاتٍ، واذاقامَ بها في ثِنتَي عشرةَ ركعةً رأىٰ النّاسُ أنّه قد خفّفَ.[مالك]

ترجمہ: اعرجؒ کہتے ہیں کہ ہم نے لوگوں (صحابہ کرامؓ) کو (اس حال میں) پایا کہ وہ رمضان میں کافروں پر لعنت بھیجتے تھے اور قاری سورہ بقرہ کو آٹھ رکعت میں پڑھتا تھا اور جب (کبھی) بارہ رکعت میں سورۃ بقرہ پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ انہوں نے (نماز) ہلکی پڑھائی ہے۔ (مالکؒ)

صحابہؓ ساری ساری رات تراویح میں گزارتے:

۱۲۲۹۔وعن عبد الله بن أبي بكرؓ قال: سمِعتُ أُبيّاً يقولُ: كُنّا ننصرفُ في رمضانَ من القيامِ فنستَعجِلُ الخَدَمَ بالطعامِ مخافةَ فوتِ السُّحورِ. وفي أُخرىٰ:"مخافةَ الفجرِ".[مالك]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت اُبیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم جب رمضان میں قیام (تراویح) سے فارغ ہوتے تو سحری فوت ہو جانے کے خوف سے خادموں کو جلد کھانا لانے کے لیے کہتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ فجر ہو جانے کے خوف سے۔

نصفِ شعبان کی رات کی خصوصیات وفضائل:

۱۲۳۰۔وعن عائشةؓ أنّ النّبيّ ﷺ قال: هل تَدرِينَ ما في هذه الليلةِ؟ [يعني ليلةَ النصفِ من شعبانَ]قالتْ:مافيها؟ يا رسولَ

الله!فقال: فیها أن یُکتَبَ کلُّ مولودِ بنی ادمَ فی هذه السنةَ وفیها أن یُکتبَ کلُّ هالكٍ مِن بنی ادمَ فی هذه السنةَ وفیها تُرفَعُ أعمالُهم وفیها تنزلُ أرزاقُهم ،فقالت:یا رسولَ الله!مامِن أحدٍ یدخلُ الجنّةَ الاّ برحمةالله تعالیٰ ؟فقال:مامِن أحدٍ یدخلُ الجنّةَ الاّ برحمةالله تعالیٰ [ثلاثاً]قلتُ: ولاأنتَ ؟یارسولَ الله!فوضعَ یدَه علیٰ هامتِه فقال:ولاأناالاّ أن یتغمّدَنِیَ اللهُ برحمةٍ [یقولُهاثلاث مراتٍ].[بیهقی فی الدعوات الکبیر]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے (اُن سے) پوچھا کہ کیاتم کو پتہ ہے کہ اس رات یعنی نصف شعبان کی رات میں کیا ہوتا ہے؟ حضرت عائشہؓ کہنے لگی کہ یارسول اللہ! اس میں کیا ہوتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس رات میں بنی آدم کا ہر وہ بچہ لکھا جاتا ہے جس نے اس سال پیدا ہونا ہے اور اس سال مرنے والے بنی آدم بھی اس رات میں لکھے جاتے ہیں اور اس رات میں لوگوں کے اعمال (اوپر) اٹھائے جاتے ہیں اور اس رات میں لوگوں کا رزق (آسمان سے) اتارا جاتا ہے۔حضرت عائشہؓ نے پوچھا کیا جنت میں کوئی بھی داخل نہیں ہوگا مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے؟ آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ کوئی بھی جنت میں داخل نہ ہوگا مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ) میں نے (پھر) پوچھا کہ یارسول اللہ! اور آپ بھی (جنت میں رحمتِ خداوندی کے بغیر داخل نہیں ہوسکیں گے) حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ اپنے سر مبارک پر رکھا اور تین بار فرمایا کہ اور میں بھی نہیں (داخل ہوسکتا) مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانک دے (تو اللہ کے فضل وکرم اور رحمتِ واسعہ کے طفیل میں جنت میں داخل ہوسکوں گا)۔(بیہقی فی الدعوات الکبیر)

۱۲۳۱۔وعن أبی موسیٰ الأشعریؓ عن رسولِ الله ﷺ قال: إنّ اللهَ تعالیٰ لَیَطَّلِعُ فی لیلة النصف مِن شعبانَ فیَغفِرُ لجمیعِ خلقِه الاّ لِمشرِكٍ أو مُشاحنٍ.[ابن ماجة]وروَاه أحمد عن عبدالله بن عمرووَفی روایتِه:"الاّ اثنین:مُشاحِن وقاتلِ النّفسِ"

ترجمہ:حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات کو (اہلِ دنیا کی طرف) جھانکتا ہے (یعنی متوجہ ہوتا ہے) اور مشرک اور کینہ رکھنے والے کے علاوہ تمام مخلوق کی مغفرت فرماتا ہے۔(ابن ماجہ) اور امام احمدؒ نے اس کو عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی سند سے روایت کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ" کینہ رکھنے والے اور کسی (ناحق) جان کو قتل کرنے والے کے سوا"(سب کی مغفرت فرماتے ہیں)۔

۱۲۳۲۔عن علیؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: إذا کانت لیلةُ النصفِ مِن شعبانَ فقُوموا لیلَها وصُوموا یومَها فإنّ اللهَ تعالیٰ ینزِلُ فیها لغروبِ الشمسِ الی السماءِ الدنیا فیقولُ :ألامِن مُستغفرٍ فأغفِرُ له ،ألامسترزقٌ فأرزقُه،ألامبتلٍ فأُعَافِیه ،ألا کذا، ألا کذاحتیٰ یطلُعَ الفجرُ.[ابن ماجة]

ترجمہ:حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نصف شعبان کی رات ہوتو اُس رات نماز پڑھو اور اُس کے دن (پندرہ شعبان) کو روزہ رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات غروب آفتاب کے وقت آسمانِ دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے: خبردار! کوئی ہے مغفرت چاہنے والا کہ میں اُس کی مغفرت کردوں، خبردار! کوئی ہے رزق مانگنے والا کہ میں اُس کو رزق دوں، خبردار! کوئی مبتلائے مصیبت ہے کہ میں اس کو عافیت سے نوازوں، خبردار! کوئی ایسا (ایسا) ہے، خبردار! کوئی ایسا (ایسا) ہے، (رحمت خداوندی کا یہ عالم ساری رات رہتا ہے) یہاں تک کہ فجر طلوع ہوجاتی ہے۔(ابن ماجہ)

(بابُ صَلاۃِ الضّحیٰ)

{یہاں چاشت کی نماز کے متعلق احادیث ذکر کی جائیں گی}

''الفصل الاوّل''

صلاۃ چاشت:

۱۲۳۳۔عن أمّ هانیءٍ قالت: إنّ النبیّ ﷺ دخلَ بیتَها یومَ فتحِ مکةَ فاغتسلَ وصلّی ثمانیَ رکعاتٍ فلم أرَصلوٰةً قطُّ أخفَّ منها غیرَ أنّه یُتِمُّ الرکوعَ والسجودَ .وقالت فی روایةٍ أُخریٰ :"وذلك ضُحیً".[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت امّ ہانیؓ (حضرت علیؓ کی بہن، فاختہ) فرماتی ہیں کہ نبی پاک ﷺ فتح مکہ کے دن اُن کے گھر تشریف لائے اور غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز پڑھی چنانچہ میں نے اس سے زیادہ ہلکی نماز (آپ ﷺ کی) نہیں دیکھی سوائے اس نماز کے کہ آپ ﷺ رکوع وسجود پورا پورا کرتے تھے۔اور ایک دوسری روایت میں آپؓ فرماتی ہیں کہ یہ چاشت (کی نماز) تھی۔(متفق علیہ)

۱۲۳۴۔عن معاذةَ قالت: سألتُ عائشةَؓ کَم کان رسولُ اللهﷺ یُصلّی صلوٰةَ الضُّحیٰ ؟قالتْ:أربعَ رکعاتٍ ویزیدُ ماشاءَ .

ترجمہ: حضرت معاذہؒ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی پاک ﷺ چاشت کی نماز کتنی رکعت پڑھتے تھے؟انہوں نے فرمایا کہ چار رکعات اور (اس سے) زیادہ بھی پڑھتے جس قدر اللہ کو منظور ہوتا۔(مسلم)

۱۲۳۵۔وعن أبی ذرٍّ قال: قال رسول اللهﷺ :یُصبحُ علیٰ کلِّ سُلامیٰ مِن أحدِکم صدقةٌ،فکلُّ تسبیحةٍ صدقةٌ وکلُّ تحمیدةٍ صدقةٌ وکلُّ تهلیلةٍ صدقةٌ وکلُّ تکبیرةٍ صدقةٌ وأمرٌ بالمعروفِ صدقةٌ ونهیٌ عن المنکرصدقةٌ ویُجزیُٔ مِن ذلك رکعتان یرکعُهما مِن الضُّحی .[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صبح ہوتے ہی تم میں سے ہر ایک کے ہر جوڑ (ہڈی) پر ایک صدقہ لازم ہوتا ہے،چنانچہ ہر سبحان الله کہنا صدقہ ہے اور ہر الحمد لله کہنا صدقہ ہے اور ہر لا إله إلا الله کہنا صدقہ ہے اور نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور ان سب سے دو رکعتیں کافی ہو جاتی ہیں جنہیں آدمی چاشت کے وقت پڑھ لے۔(مسلم)

چاشت کی نماز کا افضل وقت:

۱۲۳۶۔وعن زید بن أرقمؓ أنّه رأیٰ قومًا یُصلّون من الضحیٰ ،فقال: لقد علِموا أنّ الصلاةَ فی غیرِ هذهِ الساعةِ أفضل،إنّ رسول الله ﷺقال:صلاةُ الأوّابینَ حین ترمَضُ الفِصالُ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ اِن لوگوں کو معلوم ہے کہ (چاشت کی) نماز اس وقت کے علاوہ (دوسرے وقت میں) پڑھنی افضل ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اوّابین کی نماز کا وقت یہ ہے کہ جس

وقت اونٹوں کے بچے کے پیر گرم ہونے لگے۔(مسلم)

اوّابین، چاشت اور اشراق نصوص کی روشنی میں:

تشریح: قوله: صلاةُ الأوّابينَ حين ترمض الفصال: ۔[فصال] جمع ہے فصیلؔ کی بمعنیٰ اونٹنی کا بچہ۔ اس ارشادِ نبوی کا مطلب یہ ہے کہ صلاۃِ اوّابین یعنی چاشت کا افضل وقت وہ ہے جس میں اونٹنیوں کے بچوں کے پیر گرمی سے جلنے لگے۔ مشہور یہ ہے کہ مغرب کے بعد والے نوافل کو ''اوّابین'' کہا جاتا ہے جبکہ اس حدیث میں چاشت کی نماز پر اوابین کا اطلاق کیا جارہا ہے۔ صلوٰۃِ چاشت پر ''اشراق'' کا اطلاق بھی کیا گیا ہے۔ ''مفسرین'' کے بیان کے مطابق صلاۃِ ضحیٰ یعنی چاشت کو ''صلاۃِ اشراق'' کہنا اس آیت سے ماخوذ ہے: ''إنا سخّرنا الجبالَ معه يُسبِّحنَ بالعَشيِّ والإشراقِ والطيرَ محشورةً كلٌّ له أوّابٌ.'' (سورۃ ص) ترجمہ: ''ہم نے داؤدؑ کے لیے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کردیا تھا جو بوقتِ شام اور اشراق اُن کے ساتھ مل کر تسبیح کیا کرتے تھے''۔ بقولِ علامہ کشمیریؒ ''عند الفقہاء والمحدثین'' بھی صلاۃِ چاشت و اشراق ایک ہی ہے، چنانچہ اگر یہ نفل نماز وقتِ مکروہ یعنی طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھی جائے تو اس کو ''اشراق'' کہا جاتا ہے اور اگر دن چڑھے کچھ تاخیر سے پڑھی جائے تو اس کو ''ضحیٰ'' (چاشت) کہا جاتا ہے۔ اس کی تائید ابن عباسؓ کے اس اثر سے بھی ہوتی ہے: '' صلاةُ الإشراقِ هي صلاةُ الضحى'' یعنی ''صلاۃِ اشراق ہی صلاۃِ چاشت ہے'' نیز متعدد احادیث میں ایک کا دوسرے پر اطلاق کیا گیا ہے۔

فائدہ: صلاۃِ چاشت کم سے کم دو رکعت ہیں اور زیادہ کے متعلق چار، آٹھ، بارہ یا حسبِ توفیق پڑھنے کے مختلف اقوال ہیں۔ (نفحات)

''الفصل الثانی''

شروع دن میں چار نفل پڑھنے کا فائدہ:

۱۲۳۷۔عن أبي الدرداءؓ وأبي ذرؓ قالا: قال رسولُ اللهِ ﷺ عنِ الله تبارك وتعالىٰ: إنه قال: يا ابنَ آدم! اركعْ لي أربعَ ركعاتٍ مِن أوّلِ النّهار أكفِكَ آخرَه. [ترمذی] ورواه أبو داؤد والدارميُّ عن نُعيم بن همّار وأحمد عنهم.

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابنِ آدم! میرے لیے دن کے شروع حصہ میں چار رکعت پڑھ، میں اس دن کے آخر تک تیری کفایت کروں گا۔ (ترمذی، ابوداوٗد، دارمی، احمد)

تین سو ساٹھ جوڑوں کا صدقہ:

۱۲۳۸۔وعن بُريدةؓ قال: سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقولُ: في الإنسانِ ثلاثُ مائةٍ وستّون مَفصِلاً فعليه أن يتصدّقَ عن كلِّ مفصلٍ منه بصدقةٍ، قالوا: ومَن يُطيقُ ذلك؟ يا نبيَّ الله! قال: النُّخاعةُ في المسجدِ تدفنُها والشيُّ تُنحّيه عن الطريقِ، فإن لم تجدْ فركعتا الضُّحىٰ تُجزئُك. [أبو داؤد]

ترجمہ: بریدہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ انسان میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، اُس پر لازم ہے کہ ہر جوڑ کے بدلے صدقہ دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! اس کی طاقت کون رکھتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مسجد میں پڑے ہوئے تھوک کو دفن کرنا

(صدقہ ہے)اور راستے سے(تکلیف دینے والی)چیز کو ہٹانا(بھی صدقہ ہے)اگر یہ نہ پاؤ تو چاشت کی دو رکعتیں تمہارے لیے کافی ہیں۔

چاشت کے بارہ رکعت کی فضیلت:

۱۲۳۹۔وعن أنسؓ قال: قال رسول اللهﷺ:مَن صلّی الضحی ثنتی عشرةَ رکعةً بنی اللهُ له قصرًا مِن ذهبٍ فی الجنّة.

ترجمہ:حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:جو چاشت کے وقت بارہ رکعت پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں سونے کا ایک محل بناتا ہے۔(ترمذی ،ابن ماجه،وقال الترمذی هذاحديث غريب لانعرفُه الاّ مِن هذاالوجه)

دو رکعت چاشت کی فضیلت:

۱۲۴۰۔وعن معاذ بن أنس الجهنیؓ قال: قال رسول اللهﷺ :مَن قعدَ فی مُصلّاه حينَ ينصرِفُ مِن صلوةِ الصبحِ حتیٰ يُسبّحَ ركعتَيِ الضُّحیٰ لايقولُ الاّ خيراغُفِرَله خطاياه وإنْ كانتْ أكثرَ مِن زَبْدِ البحرِ.[أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت معاذ بن انس جہنیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنے نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھا رہے یہاں تک کہ چاشت کی دو رکعتیں پڑھ لے(اور اس وقت تک) بھلائی کے سوا کوئی بات نہ کرے تو اُس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ سے زیادہ ہوں۔(ابوداؤد)

"الفصل الثالث"

چاشت پر مداومت کی فضیلت:

۱۲۴۱۔عن أبی هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: مَن حافظَ علیٰ شَفعةِ الضُّحیٰ غُفرتْ له ذنوبُه وإن كانتْ مثلَ زَبدِ البحر.

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ضحیٰ(چاشت) کی دو رکعتوں پر محافظت کرے(ہمیشہ پڑھے) تو اُس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اگر چہ سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔(احمد،ترمذی،ابن ماجہ)

صلاۃِ چاشت کی اہمیت:

۱۲۴۲۔وعن عائشةؓ أنّها كانت تُصلّی الضُّحیٰ ثمانیَ ركعاتٍ ثمّ تقولُ :لو نُشِرَلی أبوایَ ماتركتُها.[مالك]

ترجمہ:حضرت عائشہؓ کے متعلق مروی ہے کہ وہ صلاۃِ چاشت کی آٹھ رکعت پڑھتی پھر فرماتی کہ اگر میرے لیے میرے ماں باپ بھی زندہ کر دیے جائیں تو بھی میں اس نماز کو نہ چھوڑوں۔(مالکؒ)

چاشت پر مداومت کا حکم اور خود آپﷺ کا عمل:

۱۲۴۳۔وعن أبی سعيدٍؓ قال: كان رسولُ اللهﷺ يُصلّی الضُّحیٰ حتیٰ نقولَ :لا يَدَعُها ،ويَدَعُها حتیٰ نقولَ:لايُصلّيها.

ترجمہ:حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ چاشت کی نماز(تسلسل کے ساتھ) پڑھتے حتیٰ کہ ہم کہنے لگتے کہ آپﷺ اس کو کبھی نہیں چھوڑیں گے اور(کبھی) اس کو چھوڑ دیتے حتیٰ کہ ہم کہنے لگتے کہ(اب) آپﷺ اس نماز کو نہیں پڑھیں گے۔(ترمذی)

تشریح: قوله: يُصلّي الضحى حتىٰ نقول لا يدعها،ويدعُها ......:۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صلاۃ الضحیٰ (چاشت) پر مواظبت نہیں فرمائی، کبھی پڑھنا شروع کر دیتے اور کبھی پڑھنا موقوف کر دیتے۔اسی طرح اس روایت کے متصل روایت میں مورّق عجلی نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ اور نبی پاک ﷺ چاشت نہیں پڑھا کرتے تھے۔اور حضرت عائشہؓ سے دونوں قسم کی روایات منقول ہیں، چنانچہ مسلم شریف میں اثبات کی روایت ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں نفی کی روایت ہے۔

جبکہ جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ، اور حنابلہ کے نزدیک صلاۃ ضحیٰ بھی مستحب ہے اور اس پر مواظبت بھی۔اور اکثر حضرات شافعیہ کے ہاں صلاۃ ضحیٰ سنت ہے۔اِن حضرات کی دلیل وہ تمام احادیث ہیں جن میں آپ ﷺ کا صلاۃ الضحیٰ پڑھنا اور دوسروں کو اس کی ترغیب دینا منقول ہے، مثلاً ماقبل میں جو احادیث گزریں۔یہ حضرات مذکورہ روایات (جو چاشت نہ پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں) کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اِن روایات میں چاشت پر آپ ﷺ کی مداومت ومواظبت کی نفی ہے، کیونکہ بسا اوقات آپ ﷺ کسی عمل کی رغبت دلانے کے لیے خود اُس عمل کو کرتے اور پھر فرضیت کے اندیشہ سے اُس عمل کو کچھ عرصہ کے لیے ترک بھی فرمادیتے۔ (نفحات)

١٢٤٤۔عن مؤرّق العجليّ قال: قلتُ لابن عمرؓ:تصلّي الضحىٰ ؟قال: لا، قلتُ: فعمرُ ،قال: لا، قلتُ: فأبو بكر،قال:لا، قلتُ:فالنبيّ ﷺ قال:لااِخالُه.

ترجمہ: مورّق عجلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا: کیا آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے (پھر) پوچھا کہ حضرت عمرؓ (پڑھتے تھے؟) فرمایا کہ نہیں۔میں نے (پھر) پوچھا کہ حضرت ابوبکرؓ (پڑھتے تھے؟) فرمایا: نہیں۔میں نے (پھر) پوچھا کہ نبی پاک ﷺ پڑھا کرتے تھے؟ فرمایا: میرے خیال میں نہیں پڑھتے تھے۔ (بخاری)

(بابُ التَّطوُّعِ)

{اس باب میں مختلف نفلی نمازوں کے متعلق احادیث ذکر کی جائیں گی}

''الفصل الاوّل''

تحیۃ الوضو کی فضیلت:

١٢٤٥۔عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ لبلالٍ عندَ صلوٰةِ الفجر:يا بلالُ! حدِّثني بأرجىٰ عملٍ عمِلتَه في الإسلامِ فإنّي سمعتُ دَفَّ نعليكَ بين يديّ في الجنةِ ،قال: ماعملتُ عملاًأرجىٰ عندي أنّي لم أتطهّرْ طهورًا في ساعةٍ مِن ليلٍ ولانهارٍ إلّا صلّيْتُ بذلك الطهورِ ماكُتِبَ لي أنْ أُصلّيَ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فجر کی نماز کے وقت فرمایا کہ اے بلال! مجھے اپنا کوئی ایسا عمل بتایئے جو اسلام میں تو نے کیا ہو، جس سے تجھے ثواب کی زیادہ امید ہو، کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تیرے جوتوں کی آواز سنی ہے۔حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ میں نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا جس سے مجھے (ثواب کی) زیادہ امید ہو (ہاں البتہ) میں رات اور دن کی کسی بھی گھڑی وضو

کرتا ہوں تو اُس وضو سے جو (نفل) نماز میرے لیے مقدر ہوتی ہے پڑھتا ہوں۔ (متفق علیہ)

فائدہ: اس حدیث میں ''صلاۃِ تحیۃ الوضوء'' کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ یہ نماز وضو، غسل اور تیمم کے بعد پڑھی جاسکتی ہے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔ باقی حضرت بلالؓ کا جنت میں آنحضرت ﷺ کے آگے جانا ''خادم کے مخدوم کے آگے آگے جانے'' کے قبیل سے ہے۔ (مظاہر حق)

استخارہ کی نماز اور دعا:

١٢٤٦۔وعن جابرٍؓ قال: كان رسول الله ﷺ يُعلِّمُنا الاستخارةَ في الأُمورِ كما يُعلّمُناسورةً من القرآن، يقول: إذا هَمَّ أحدُكم بالأمرِ فلْيركعْ ركعتين مِن غير الفريضة ثمّ لِيَقُلْ:"اللّهمّ إنّي أستخيرُك بعلمِك وأستقدرُك بقدرتك وأسألك من فضلك العظيم فإنّك تقدرُ ولا أقدرُ وتعلمُ ولاأعلم وأنتَ علّامُ الغيوبِ ،اللّهم إنْ كنتَ تعلمُ أنّ هذاالأمرَ خيرٌ لي في ديني ومعاشي وعاقبةِ أمري [أو قال:في عاجلِ أمري وآجلِه]فاقدِرْه لي ويسِّره لي ثُمّ بارِكْ لي فيه؛ وإنْ كنتَ تعلمُ أنّ هذاالأمرَ شرٌّ لي في ديني و معاشي وعاقبةِ أمري [أو قال:في عاجلِ أمري وآجلِه]فاصرفْه عنّي واصرِفني عنه ،واقدُرْلي الخيرَ حيثُ كان ثمّ أرْضِني به ؛قال: ويُسمّي حاجتَه.[بخاری]

ترجمہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تمام کاموں کے لیے اس طرح استخارہ (کی دعا) سکھایا کرتے تھے جیسے قرآن پاک کی کوئی سورت سکھایا کرتے۔ فرماتے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو فرض کے علاوہ دو رکعت (نفل) پڑھے، پھر (یہ دعا) کہے: "اللّهمّ إنّي أستخيرُك بعلمِك ...الخ". [ترجمہ] ''اے اللہ! میں تیرے علم کے طفیل تجھ سے بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کی بدولت (درست کام کرنے کی) قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضلِ عظیم کا سوال کرتا ہوں، کیونکہ تو قادر ہے اور میں (تیرے حکم کے بغیر) قدرت نہیں رکھتا اور تو (سب بھلا برا) جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو پوشیدہ باتوں (یعنی پوشیدہ خیر اور شر) کو جانتا ہے، اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے بہتر ہے میرے دین، میری دنیا، اور میری زندگی اور میری آخرت میں، یا فرمایا کہ اس جہان میں اور اُس جہان میں، تو اِس کو میرے لیے مہیا فرما اور آسان فرما پھر میرے لیے اس میں برکت ڈال دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے میرے دین، میری دنیا، میری زندگی اور میرے انجام (آخرت) کے اعتبار سے بُرا ہے یا فرمایا کہ اِس جہان میں اور اُس جہان میں تو اس کو مجھ سے پھیر اور مجھ کو اُس سے پھیر اور بہتری جہاں کہیں بھی ہو میرے لیے مہیا فرما، پھر مجھے اُس پر راضی رکھ۔ راوی کہتا ہے کہ (هذا الأمر کہتے وقت) اپنی حاجت کا (دل میں) نام لے۔ (بخاری)

فائدہ: اس حدیث میں استخارہ کا ذکر ہے۔ یہ باب استفعال سے مصدر ہے، اس کا معنیٰ ہے ''طلب خیر من الله تعالیٰ'' (کسی ایسے معاملہ میں اللہ سے خیر طلب کرنا جس میں آدمی متردّد ہو) استخارہ مباح امور میں کیا جاتا ہے، چنانچہ جو کام خیر محض ہو یا شرّ محض ہو، اس کے لیے استخارہ نہیں کیا جاتا۔ نیز ضروری ہے کہ استخارہ سے پہلے آدمی کا قلبی میلان کسی ایک جانب نہ ہو بلکہ محض تردد ہو، اگر کسی ایک جانب میلان ہو تو ایسے وقت میں آدمی استشارہ سے کام لے۔

صلاۃِ استخارہ کے حوالے سے بعض کتابوں میں جو یہ آتا ہے کہ ''رات سونے سے پہلے پڑھی جائے، اس کے بعد کسی سے بات

چیت کیے بغیر سویا جائے، اب رات کو خواب نظر آئے گا یا فلاں فلاں رنگ نظر آئے گا جس سے آدمی اپنے معاملہ کی بھلائی برائی معلوم کر سکتا ہے، اگر پہلے دن خواب نظر نہ آئے تو سات دنوں تک مسلسل استخارہ کرے"۔ یہ سب باتیں بزرگوں نے اپنے تجربات کی روشنی میں کہیں ہیں، حدیث سے صرف استخارہ کی دعا اور نماز ثابت ہے جو مکروہ اوقات کے علاوہ ہر وقت پڑھی جاسکتی ہے، نیز ہنگامی حالت میں جب کہ نماز کی فرصت نہ ہو یا مشروع وقت نہ ہو تو صرف دعائے استخارہ بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ ایک روایت میں استخارہ کی یہ مختصر دعا بھی منقول ہے:

"اللّٰهُمَّ خِرْلِي واخْتَرْلِي ولا تكِلْنِي إلىٰ اختيارِي"۔

استخارہ کرنے کے بعد ضروری نہیں کہ خواب نظر آئے، بلکہ جس معاملہ میں استخارہ کیا جارہا ہے اس کے متعلق سب سے پہلی بات جو دل میں آئے اُس کو "منجانب اللہ" سمجھا جائے اور اسی کے مطابق پھر قدم اٹھایا جائے، نیز کبھی استخارہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانبِ خیر کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں اور شر کی جانب سے آدمی کو پھیر دیا جاتا ہے۔ (از افادات مفتی رشید احمد لدھیانویؒ و مظاہر حق)

صلاۃِ توبہ:

۱۲۴۷۔عن عليٍّ قال: حدّثني أبو بكرٍ وصدقَ أبو بكر قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقول: ما من رجلٍ يُذنبُ ذنبًا ثمّ يقومُ فيتطهّرُ ثمّ يُصلّي ثمّ يستغفرُ اللهَ الّا غفرَله ثمّ قرأ:"والّذينَ إذا فعلُوا فاحشةً أو ظلَمُوا أنفسَهم ذَكَرُوا اللهَ، ثمّ استغفَرُوا لذُنُوبِهم ".[ترمذی وابن ماجةالاّ أنّ ابن ماجةلم يذكرُالآية]

ترجمہ: حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابوبکرؓ نے حدیث بیان کی اور حضرت ابوبکرؓ نے سچ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو کوئی بندہ کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے، پھر اٹھ کر وضو کرے، پھر نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ (ضرور) اس کی مغفرت فرماتے ہیں پھر یہ آیت پڑھی:"والّذينَ إذا فعلوا فاحشةً أو...الخ"[ترجمہ] "اور وہ لوگ جو خلاف حیا کام کے مرتکب ہوں یا (گناہ کے سبب) اپنی جانوں پر ظلم کر چکے ہوں، اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں"۔

مصیبت کے وقت نماز:

۱۲۴۸۔عن حذيفةؓ قال: كان النبيّ ﷺ إذا حَزَبَهُ أمرٌ صلّى.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ کو جب کوئی مصیبت پہنچتی تو (نفل) نماز پڑھتے۔(ابوداؤد)

حضرت بلالؓ کے جوتوں کی آہٹ جنت میں:

۱۲۴۹۔وعن بُريدةؓ قال: أصبحَ رسولُ الله ﷺ، فدعا بلالاً ،فقالَ: بما سبقتَني إلى الجنّةِ ،مادخلتُ الجنّةَ قطُّ الّا سمعتُ خشخشتَكَ أمامي ،قال: يا رسولَ الله! ماأذّنتُ قطُّ الّا صلّيتُ ركعتين وماأصابَني حدثٌ قطُّ الّا توضّأتُ عندَه ورأيتُ أنّ لله عليّ ركعتين ،فقال رسولُ الله ﷺ:بهما.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی اور بلالؓ کو بلا کر پوچھا کہ کس چیز کی وجہ سے تو جنت کی طرف مجھ سے سبقت لے گیا ہے، میں جنت میں جب بھی داخل ہوا تمہارے جوتوں کی آہٹ اپنے آگے آگے سنی۔ بلالؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے جب بھی

اذان دی ہے دو رکعت نماز ضرور پڑھی ہے اور جب بھی میرا وضو ٹوٹا ہے تو اسی وقت میں نے وضو کیا ہے اور میں نے یہ (ضروری) سمجھا ہے کہ اللہ کے واسطے میرے اوپر دو رکعتیں ہیں۔ (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اِن دو (کاموں یا رکعتوں) سے (تم نے یہ رتبہ پایا ہے)۔

صلاۃ حاجت:

وعن عبد الله بن أبی أوفٰی قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَنْ كانتْ له حاجةٌ إلی الله أو إلیٰ أحدٍ مِن بنی ادمَ فلْيتوضّأْ فلْيُحسِنِ الوضوءَ ثمّ لِيُصلِّ ركعتينِ ثمّ لِيُثْنِ علی اللهِ ولْيُصلِّ علی النبیّ ﷺ ثمّ لِيقُلْ: "لا إله إلا اللهُ الحليمُ الكريمُ سبحانَ الله ربِّ العرشِ العظيمِ والحمدُ لله ربِّ العالمينَ، أسألُك مُوجِباتِ رحمتِك وعزائمَ مغفرتِك والغنيمَةَ مِن كلِّ بِرٍّ والسلامةَ مِن كلِّ إثْمٍ لاتدَعْ لی ذنباً إلّا غفرتَهٗ ولا هَمّاً إلّا فرّجتَه ولا حاجةً هی لك رِضیً إلّا قضيتَها يا أرحم الراحمين".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ سے یا کسی آدمی سے کوئی کام ہوا سے چاہیے کہ وضو کرے اور اچھا وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے، پھر نبی پاک ﷺ پر درود بھیجے، پھر کہے کہ "لا إله إلا اللهُ الحليم الكريم....الخ" [ترجمہ] "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بُردبار کرم کرنے والا ہے، پاک ہے، اللہ جو عرشِ عظیم کا رب ہے اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، (اے اللہ) میں تجھ سے تیری رحمت کا سبب بننے والے اعمال کا اور تیری مغفرت لازم کرنے والے اعمال کا اور ہر نیکی میں سے حصے کا اور ہر گناہ سے بچنے کا سوال کرتا ہوں، (اے اللہ) میرے کسی گناہ کو نہ چھوڑ، مگر یہ کہ اسے بخش دے اور نہ کسی پریشانی کو چھوڑ مگر یہ کہ تو اس کو دور کر دے اور نہ کسی حاجت کو چھوڑ، مگر یہ کہ تو اُسے پورا کر دے اے سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والے!"۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

صلوٰۃ التسبیح:

١٢٥١ ـ وعن ابنِ عبّاسٍؓ أنّ النبیّ ﷺ قال للعبّاسِ بن عبد المطّلب: يا عبّاسُ! يا عمّاه! ألا أُعطِيكَ، ألاأمنحُك، ألاأُخبِرُك، ألا أفعلُ بكَ عشرَ خصالٍ اذاأنتَ فعلتَ ذلك غفرَاللهُ لك ذنبَك أوّلَه واخرَه قديمَه وجديثَه خطأَه وعمدَه صغيرَه وكبيرَه سِرّه وعلانيتَه أن تُصلّیَ أربعَ ركعاتٍ تقرأُ فی كلِّ ركعةٍ فاتحةَ الكتابِ وسورةً فاذافرغتَ مِن القراءَةِ فی أوّلِ ركعةٍوأنتَ قائمٌ، قلتَ: "سبحانَ الله والحمد لله ولاإله إلا الله والله أكبر" خمسَ عشرةَ مرّةً، ثمّ تركعُ فتقولُهاوأنتَ راكعٌ عشراً، ثمّ ترفعُ رأسَك مِن الرُّكوعِ فتقولُها عشراً، ثمّ تهوی ساجداً فتقولُها وأنت ساجدٌ عشراً، ثمّ ترفعُ رأسَك مِن السجودفتقولُها عشراً، ثمّ تسجدُ فتقولُها عشراً، ثمّ ترفعُ رأسَك فتقولُها عشراً فذلك خمس وسبعون فی كلِّ ركعةٍ، تفعلُ ذلك فی أربعِ ركعاتٍ، إنِ استطعتَ أنْ تُصلّيها فی كلِّ يومٍ مرّةً فافعلْ، فإن لم تفعلْ ففی كلِّ جمعةٍ مرّةً، فإن لم تفعلْ ففی كلِّ سنةٍ مرّةً، فان لم تفعلْ ففی عمرِك مرّةً. [أبو داؤد، ابن ماجة، بيهقی فی الدعوات الكبير وروی الترمذی عن أبی رافع نحوَه]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے فرمایا کہ اے عباس! اے میرے چچا! کیا میں آپ کو عطا نہ کروں؟ کیا میں تجھے نہ دوں؟ کیا میں تجھے نہ بتاؤں؟ کیا میں آپ کو دس خصلتوں کا مالک نہ بناؤں؟ کہ جب آپ (اُس عمل) کو

کروگے تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے، پچھلے، پرانے اور نئے، غلطی سے کیے ہوئے اور جان بوجھ کر کیے ہوئے، چھوٹے اور بڑے، چھپے ہوئے اور ظاہر (گناہ سب) معاف کردے گا، وہ یہ ہے کہ تو چار رکعت پڑھ، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھ، جب پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائے تو کھڑے کھڑے پندرہ مرتبہ "سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر" کہو پھر رکوع کر اور رکوع کی حالت میں ان کلمات کو دس مرتبہ کہو، پھر رکوع سے سر اٹھا کر دس مرتبہ ان کلمات کو کہو، پھر سجدے میں جائیے اور سجدے میں (سبحان ربی الأعلی کے بعد) دس مرتبہ ان کلمات کو کہو، پھر سجدے سے سر اٹھا کر دس بار ان کلمات کو کہو، پھر سجدے میں جا کر دس بار ان کلمات کو کہو، پھر سجدے سے سر اٹھا کر دس بار ان کلمات کو کہو، یہ ہر رکعت میں "پچھتر" تسبیحات ہوئیں اس طرح آپ چاروں رکعتوں میں کریں گے، اگر قدرت ہو تو روزانہ پڑھو اور اگر ایسا نہ کرسکو تو ہر جمعہ میں ایک مرتبہ (پڑھ لیا کرو) اور اگر ایسا نہ کرسکو تو ہر مہینہ میں ایک مرتبہ (پڑھ لیا کرو) اور اگر ایسا نہ کرسکو تو ہر سال میں ایک مرتبہ اور اگر ایسا نہ کرسکو تو زندگی میں ایک مرتبہ۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی، ترمذی عن ابی رافع)

فرائض کی کمی کا نوافل سے پورا کیا جانا:

۱۲۵۲۔وعن أبی هريرةؓ قال: سمعتُ رسولَ الله ﷺ يقولُ: إنّ أوّلَ ما يُحاسَبُ به العبدُ يومَ القيامةِ مِن عملِه صلوٰتُه فإنْ صلُحتْ فقد أفلح وأنجحَ وإن فسدتْ فقدْ خابَ وخسِرَ ،فإنِ انتقصَ مِن فريضتِه شئٌ قال الربُّ تبارَكَ وتعالیٰ :أنظروا هل لعبدی مِن تطوُّعٍ فيُكمَّلُ بهاماانتقصَ من الفريضةِ ثمّ يكون سائرُ عملِه علیٰ ذلك .وفی روايةٍ:"ثمّ الزكوٰةُ مثلَ ذلك ،ثمّ تؤخذُ الأعمالُ علیٰ حسبِ ذلك ".[أبو داؤد،رواه أحمد عن رجلٍ]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب کیا جائے گا، اگر نماز درست نکلی تو وہ بندہ فلاح اور کامیابی پالے گا اور اگر نماز خراب نکلی تو وہ نامراد ہوگا اور خسارے میں ہوگا۔ اور اگر فرائض میں کوئی کمی ہوگی تو ربّ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمائے گا: دیکھو! میرے بندے کے کچھ نفل بھی ہیں۔ چنانچہ فرائض میں جو کمی ہوگی وہ نوافل سے پوری کردی جائے گی، پھر اس طرح اُس کے باقی اعمال کا حساب ہوگا۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ پھر اسی طرح زکوٰۃ کا حساب ہوگا، پھر دیگر اعمال کا حساب اسی طرح ہوگا۔ (ابوداؤد، احمد)

بحالتِ نماز بندہ کے سر پر نیکی چھڑکی جاتی ہے:

۱۲۵۳۔عن أبی أُمامةؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: ما أذِنَ الله لعبدٍ فی شئٍ أفضل من ركعتين يُصلّيهماوإنّ البِرَّ ليُذَرُّ علیٰ رأسِ العبدِ مادامَ فی صلوٰتِه ،وماتقرّبَ العبدُ الی اللهِ بمثلِ ماخرجَ منه [يعنی القرآنَ].[أحمد ،ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی بندے کو (اس طرح متوجہ ہو کر) نہیں سنتا جتنا کہ دو رکعت (نماز میں) جسے وہ پڑھتا ہو۔ اور بندے کے سر پر نیکی چھڑکی جاتی ہے جب تک کہ وہ نماز میں ہوتا ہے اور بندے اللہ تعالیٰ کا قرب اس چیز سے زیادہ حاصل نہیں کرسکتے جو اللہ سے نکلی ہے یعنی قرآن۔ (احمد، ترمذی)

(بابُ صَلٰوۃِ المُسَافِرِ)

''الفصل الاوّل''

سفر میں قصر واجب ہے یا فقط مباح؟:

١٢٥٤۔عن أنسؓ أنّ رسولَ اللهﷺ صلّى الظهرَ بالمدينةِ أربعًا وصلّى العصرَ بذى الحُليفةِ ركعتين .[متفق عليه]

ترجمہ:انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی اور عصر کی نماز ذی الحُلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔

تشریح: قوله: وصلّى العصرَ بذى الحُليفةِ ركعتين...:۔اس حدیث میں دورانِ سفر چار رکعت والی نماز میں قصر کا بیان ہے۔تمام فقہاء سفر میں قصر کی مشروعیت پر متفق ہیں،البتہ قصر کی حیثیت میں اختلاف ہے کہ قصر واجب اور ضروری ہے یا فقط جائز اور مباح؟ چنانچہ جمہور صحابہ وتابعین،امام ابوحنیفہؒ اور ایک روایت میں امام مالکؒ اور امام احمدؒ اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ مسافر کے حق میں قصر واجب ہے اور یہی عزیمت ہے،اگرچہ مجازاً اس پر رخصت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

(١) عن ابن عمرؓ سافرتُ مع النبىﷺ وأبى بكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ فكانوا يُصلّون الظهر والعصرَ ركعتين ركعتين لا يُصلّون قبلها ولا بعدها. ''(متفق علیہ) ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ''میں نے آپﷺ،ابوبکرؓ،عمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ سفر کیے،یہ حضرات ظہر وعصر دو دو رکعت پڑھا کرتے تھے، نہ اس سے پہلے کچھ پڑھتے تھے اور نہ اس کے بعد''۔

(٢)فصلِ ثالث میں مروی حدیث عائشہؓ''قالت: فُرضتِ الصلاةُ ركعتين ثمّ هاجر رسول اللهﷺ ففُرضت أربعًا وتُركت صلاةُ السفرِ على الفريضة الأولىٰ ''(متفق علیہ) ترجمہ:حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:''نماز دو رکعت فرض تھی پھر ہجرتِ نبوی کے بعد چار فرض ہوئی اور سفر کی نماز دو ہی رکعت رہنے دی گئی''۔

(٣)اس کے متصل حدیثِ ابن عباسؓ:''قال: فرض الله الصلاةَ على لسانِ نبيّكم ﷺ فى الحضرِ أربعاً وفى السفرِ ركعتين.....''(مسلم) ترجمہ:''اللہ نے تمہارے نبی کی زبانی حضر میں چار رکعت فرض کی اور سفر میں دو رکعت...''۔

(٤)اسی فصل میں یعلیٰ بن اُمیہؒ کی حدیث کہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے آیت:''فليسَ عليكم جُناحٌ أن تقصُروا مِنَ الصَّلوٰةِ إن خِفتُم أن يفتِنَكم الّذينَ كفرُوا'' کے بارے میں استفسار کیا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قصرِ صلاۃ کا حکم بوقتِ خوف ہے اور اب تو لوگ امن میں ہیں لہٰذا قصر کا حکم بھی نہ رہے گا۔حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس سے تعجب ہوا تھا چنانچہ میں نے حضورﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو حضورﷺ نے فرمایا کہ''صدقةٌ تصدّقَ اللهُ بها عليكم فاقبلُوا صدقتَه ''(مسلم) ترجمہ:''قصر تو اللہ کا صدقہ ہے اس کو قبول کرو''۔اس میں ''فاقبلو''امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دال ہے۔

(٥)اس موضوع پر متعدد احادیث موجود ہیں جن سے سفر میں قصر پر آنحضرت کی''مواظبت بلا ترک''بھی معلوم ہوتی ہے جو قصر کے وجوب

کی دلیل ہے۔

جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک سفر میں قصر واتمام یعنی پوری چار رکعت پڑھنا دونوں جائز ہیں۔امام مالکؒ وامام احمدؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے، البتہ سفر میں قصر افضل ہے۔اِن حضرات کے دلائل احناف کی طرف سے دیے گئے جوابوں کے ہمراہ درج ذیل ہیں:

دلیل (۱): آیتِ کریمہ ''وإذا ضَربتُم في الأرضِ فليسَ عليكُم جُناحٌ أن تقصُرُوا مِن الصَّلوٰة. ''(النساء) ترجمہ: ''جب تم سفر پر ہوتو اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم قصر کرو''۔یہاں ''فليس عليكم جُناح'' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر مباح ہے نہ کہ واجب اور لازم، کیونکہ یہ الفاظ اباحت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

حضرات حنفیہ کی جانب سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ الفاظ ''ليس عليكم جُناحٌ'' وجوب کی نفی اور تخییر کے اثبات کے لیے نص نہیں بلکہ توہمِ نقصان کی نفی کے لیے ہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ نماز کے ساتھ خصوصی شغف کی بنا پر قصرِ صلاۃ کو ایک قسم کا گناہ خیال کرتے تھے اور قصر میں ثواب کے کم ہوجانے کا وہم بھی تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دفع کرنے کے لیے یہ الفاظ اختیار فرمائے، جیسا کہ سعی بین الصفا والمروۃ کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''فَمَنْ حَجَّ البيتَ أو اعْتَمَرَ فلا جُناحَ عليهِ ان يَطَّوَّفَ بِهِما ''ترجمہ: ''جو بھی حج یا عمرہ کرنا چاہے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ صفا اور مروہ کا طواف کرے''۔یہاں ''فلا جُناحَ عليه '' کے الفاظ کے باوجود امام شافعیؒ بھی سعی کو واجب کہتے ہیں۔

دلیل (۲): حضرت عثمانؓ مکہ میں اتمام کرتے اور حضرت عائشہؓ بھی سفر میں اتمام کیا کرتیں (جیسا کہ فصلِ ثالث میں مذکور ہوگا) جو اس بات کی دلیل ہے کہ سفر میں قصر واجب نہیں، اِتمام کی بھی گنجائش ہے۔

حضرات حنفیہ کی جانب سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ اِن حضرات کے اجتہاد کی بنا پر تھا جس کی جمہور علماء متعدد تاویلات کرتے ہیں؛ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں یہ تاویل نقل کی جاتی ہے کہ انہوں نے مکہ میں شادی کرلی تھی اور مکہ کو وطنِ اصلی کا درجہ دے دیا تھا، امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ''إنّ عثمانَؓ صلّى بمنًى أربعًا لأنّه أجمعَ على الإقامةِ بعدَ الحج ''.(ابوداؤد) اور ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ ''إنّ عثمانؓ صلّى أربعًا لأنّه اتخذَها وطنًا ''۔حضرت عثمانؓ کے اتمام کے متعلق یہ تاویل بھی کرتے ہیں کہ حج کے موقع پر چونکہ بکثرت اعرابی لوگ آتے تھے اس صورتِ حال میں قصر پڑھنے میں اس کا اندیشہ تھا کہ اعرابی لوگ اپنی ناواقفی کی بنا پر کہیں ظہر، عصر اور عشاء کو سفر وحضر دونوں میں دو رکعت نہ سمجھ بیٹھیں (چنانچہ ایسا ہوا بھی، جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے) چنانچہ اِن لوگوں کی تعلیم کی غرض سے آپؓ نے اتمام کو اختیار فرمایا۔اور یہ تاویل بھی کی جاتی ہے کہ حضرت عثمانؓ قصر کو سفرِ سیر (مسلسل جاری سفر) کے ساتھ خاص سمجھتے تھے اور سفرِ اقامت میں قصر کے قائل نہیں تھے۔

اور حضرت عائشہؓ کے عمل کے متعلق یہ تاویل کی جاتی ہے کہ آپؓ مشقت کے وقت قصر کی قائل تھی، چنانچہ حضرت عروہؓ سے مروی ہے ''إنّها كانت تُصلّي في السفرِ أربعًا فقلتُ لها: لو صلّيتِ ركعتين، فقالت: يا ابن أُختي! إنّه لا يشُقُّ عليّ.'' (بیہقی) ترجمہ: ''حضرت عائشہؓ سفر میں چار رکعت پڑھا کرتی تھی تو میں نے عرض کیا کہ اگر آپ دو رکعت ہی پڑھتی تو اچھا تھا (مشقت نہ ہوتی)۔اس پر انہوں نے فرمایا کہ اے میرے بھانجے! چار پڑھنے میں مجھے کوئی مشقت نہیں''۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ بھی حضرت عثمانؓ کی طرح سفرِ سیر میں قصر کی قائل تھیں، سفرِ اقامت میں قصر کی قائل نہ تھیں، چنانچہ امام زہریؒ نے حضرت عروہؒ سے حضرت عائشہؓ کے اتمام کے بارے میں پوچھا تو عروہؒ نے جواب دیا: "تأوّلتْ كما تأوّل عثمانُ" (متفق علیہ) یعنی وہ بھی حضرت عثمانؓ کی طرح تاویل کرتی ہیں۔ (نفحات، المسائل والدلائل)

دلیل (۳): حضرت عائشہؓ کی حدیث جس میں وارد ہے: "قالت: يا رسول الله! بأبي أنتَ وأمّي! أفطرتُ وصُمتُ وقصرتُ وأتممتُ، فقال النبي ﷺ: أحسنتِ يا عائشة!" (بیہقی) ترجمہ: حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! میں نے سفر میں روزہ چھوڑا بھی اور رکھا بھی اور (نماز میں) قصر بھی کیا اور اتمام بھی۔ تو نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! آپ نے اچھا کیا"۔

احنافؒ کی جانب سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہؓ پر جھوٹ ہے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "هذا الحديثُ كذبٌ علىٰ عائشةؓ لم تكنْ تُصلّي عائشةؓ بخلافِ صلاةِ رسول الله ﷺ" (الهدیٰ لابن القیم) ترجمہ: "یہ حدیث حضرت عائشہؓ پر جھوٹ ہے، حضرت عائشہؓ کبھی بھی حضور ﷺ کی نماز کے خلاف نماز نہیں پڑھ سکتی"۔

دلیل (۴): حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث: "إنّ النبي ﷺ كان يقصرُ في السفرِ ويُتِمّ ..." (دار قطنی) ترجمہ: "نبی پاک ﷺ سفر میں قصر بھی کرتے اور اتمام بھی"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت اگرچہ دار قطنی اور بیہقی وغیرہ میں مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے، لیکن اس کی کوئی بھی سند کلام سے خالی نہیں، علامہ ابن تیمیہؒ تو فرماتے ہیں کہ "هو كِذبٌ علىٰ رسول الله ﷺ" یعنی "یہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ ہے"۔ (نفحات)

قصر کا حکم خوف وامن میں یکساں ہے:

۱۲۵۵۔عن حارثة بن وهبؓ الخُزاعي قال: صلّىٰ بنا رسولُ الله ﷺ ونحنُ أكثرُ ما كُنّا قطُّ وآمَنُهُ بِمِنىً. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت حارثہ بن وہب خزاعیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منیٰ میں دو رکعتیں پڑھائیں اور اس موقع پر ہم اتنی تعداد میں اور اتنے امن میں تھے کہ (اس سے پہلے) کبھی نہ تھے۔ (متفق علیہ)

۱۲۵۶۔عن يعلىٰ بن أُميّةَ قال: قلتُ لعمرَ بن الخطابؓ: إنّما قال الله: "أن تقصُروا مِن الصّلوٰة إن خِفتُم أن يفتِنَكم الّذين كفروا" فقد أمِنَ النّاسُ، قال عمرُ: عجبتُ مِمّا عجبتَ منه فسألتُ رسولَ الله ﷺ، فقال صدقةٌ تصدّقَ اللهُ بها عليكم فاقبَلُوا صدقَتَهُ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت یعلیٰ بن اُمیہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں: "أن تقصروا من الصلوٰة.. ..الخ" [ترجمہ] "تم نماز قصر پڑھو اگر اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں فتنہ میں ڈالیں گے"۔ تو اب لوگ امن میں ہو گئے ہیں (لہٰذا اب بھی قصر پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس سے تعجب ہوا جس سے آپ کو تعجب ہو رہا ہے تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے (اس کے متعلق) پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ (قصر) تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا صدقہ (احسان) ہے، پس اللہ تعالیٰ کا صدقہ قبول کرو۔

مدتِ اقامت کا بیان:

۱۲۵۷۔وعن أنسؓ قال: خرجنا مع رسولِ الله ﷺ من المدينة إلىٰ مكةَ، فكانَ يُصلّي ركعتين ركعتين حتّىٰ رجعنا الى

المدينةِ ،قيلَ له :أقمتُم بمكّةَ شيئًا؟قال: أقمنابها عشرًا.[متفق عليه]

ترجمہ: انسؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مدینہ سے مکہ کی طرف نکلے، آپ ﷺ دو دو رکعت نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آ گئے، حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ مکہ میں آپ لوگ کتنے دن ٹھہریں؟ آپؓ نے فرمایا کہ ہم مکہ میں دس دن ٹھہرے رہیں۔

۱۲۵۸۔وعن ابن عباسؓ قال: سافرَ النبی ﷺ سفراً فأقام تسعةَ عشرَ يومًا يُصلّي ركعتين ركعتين .قال ابن عباس:فنحنُ نُصلّي فيما بينناوبين مكّةَ تسعةَ عشرَ ، ركعتين ركعتين فاذاأقمناأكثرَ مِن ذلك صلّينا أربعا.[بخاری]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ایک سفر کیا اور انیس دن تک ٹھہرے رہے، دو دو رکعت نماز پڑھتے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ہم اپنی منزل (مدینہ) اور مکہ کے درمیان (اگر کہیں) انیس دن تک ٹھہرتے تو دو دو رکعت پڑھتے، پس جب ہم اس سے زیادہ ٹھہرتے تو چار رکعت نماز پڑھتے۔(بخاری)

تشریح: قوله: سافر النبی ﷺ سفرًا فأقام تسعةَ عشر يومًا.....: اس جگہ فقہاء کے مابین اس حوالے سے گفتگو ہوئی ہے کہ مسافر کے لیے مدتِ اقامت کتنے دن ہیں؟ علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں اس حوالے سے ''اکیس'' قول نقل کیے ہیں، یہاں مشہور اقوال کے ذکر پر اکتفا کی جاتی ہے؛ چنانچہ حضرت ابنِ عباسؓ کے نزدیک مدتِ اقامت ''انیس دن سے زائد'' ہے۔ آپؓ کی دلیل مذکورہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ایک سفر میں ''انیس دن'' قیام کیا اور قصر پڑھتے رہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدتِ اقامت ''پندرہ دن'' ہیں۔ آپؒ کی دلیل یہ حدیث ہے: ''عن مجاهد أنّ ابنَ عمرؓ كان إذا أجمعَ علىٰ إقامةِ خمسةَعشر يومًا، أتمّ الصلاةَ.'' (ابن ابی شیبہ) ترجمہ: ''حضرت ابن عمرؓ جب کسی جگہ پندرہ دن اقامت کا ارادہ رکھتے تو پوری نماز پڑھتے''۔ حضرت ابن عمرؓ کا یہ موقوف اثر بحکمِ مرفوع حدیث کے ہے، کیونکہ اس میں قصر کے لیے مقدار کا ذکر ہے اور ''مقادیر'' غیر مدرک بالعقل کے قبیل سے ہے، لہذا اس میں موقوف حدیث، مرفوع کے حکم میں ہوگی جب کہ ابن عمرؓ کا اتباعِ سنت میں مشہور ہونا اس پر قرینہ ہے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مدتِ اقامت چار دن ہے۔ ان حضرات کی دلیل آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے جو آپ ﷺ نے مہاجرین سے فرمایا تھا کہ ''يقيم المهاجر بعد قضاء نسكهٖ ثلاثة أيامٍ'' کہ ''مہاجرین ادائیگی حج کے بعد مکہ میں تین دن تک رہ سکتے ہیں'' چونکہ مہاجرین کے لیے مکہ میں اقامت ممنوع تھی، اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ تین دن سے زائد مدت اقامت کے حکم میں ہوگی۔

اور امام احمدؒ کے نزدیک ''چار دن سے ایک نماز زائد'' یعنی ''اکیس نمازیں'' اقامت کی مدت ہے۔ آپؒ کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ چار روز تک مکہ میں رہے اور قصر فرماتے رہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے زائد مدت اقامت کے حکم میں ہوگی۔

امام صاحبؒ کی جانب سے حضرت ابن عباسؓ کی دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا ان انیس دنوں میں قصر پڑھنا اس بنا پر تھا کہ آپ ﷺ نے پندرہ دن یا اس سے زائد مدت تک اقامت کا پختہ عزم نہیں کیا تھا بلکہ آج اور کل میں چلے جانے کا خیال تھا اور ایسی صورت میں مطلقاً قصرِ صلاۃ کا حکم ہے، خواہ کتنا عرصہ ہی کیوں نہ ٹھہرنا پڑے، چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے: ''كان أصحابُ رسولِ اللهِ ﷺ أقاموا برامهرز تسعةَ شهرٍ يقصرون الصلاةَ.'' (بیہقی باسنادٍ حسن) ترجمہ: ''صحابہ کرام کی ایک جماعت رامہرز نامی شہر میں

نو ماہ تک قصر پڑھتی رہی''۔

حنفیہ کی جانب سے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ تین اور چار روز تک سفر کے حکم میں ہونے اور قصر پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے زائد مدت اقامت کے حکم میں ہو۔ (المسائل والدلائل، مرآۃ)

ابن عمرؓ کی نظر میں سفر میں نوافل کی حیثیت:

۱۲۵۹۔وعن حفصِ بن عاصمؒ قال: صَحِبتُ ابنَ عمرَ فی طریقِ مکۃَ، فصلّٰی لنا الظهرَ رکعتین ثمّ جاءَ رحله وجلس فرای ناسًا قیامًا فقال :مایصنعُ هؤلاءِ؟قلتُ:یُسبِّحون ،قال: لو کنتُ مسبّحًا أتممتُ صلوٰتی ،صحبتُ رسولَ اللهِ ﷺ فکان لایزیدُ فی السفرِ علی الرکعتین وأبابکر وعمر وعثمان کذلك.[متفق علیه]

ترجمہ: حفص بن عاصمؒ کہتے ہیں کہ میں مکہ کے راستے میں حضرت ابن عمرؓ کا مصاحب بنا، آپؓ نے ہمیں ظہر دو رکعت پڑھائی، پھر اپنے پڑاؤ میں آئے اور بیٹھ گئے۔ آپؓ نے کچھ لوگوں کو (نماز کے لیے) کھڑے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفل پڑھ رہے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ اگر میں نے نفل پڑھنی ہوتی تو (فرض) نماز پوری پڑھ لیتا، میں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی، آپ ﷺ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وعثمانؓ کی صحبت اٹھائی وہ بھی اسی طرح کرتے تھے (دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے)۔ (متفق علیہ)

سفر میں جمع بین الصلاتین:

۱۲۶۰۔وعن ابن عباسؓ قال: کان رسولُ اللهِ ﷺ یَجمَعُ بین صلوٰةِ الظهرِ والعصرِ اذاکانَ علیٰ ظهرِ سیرٍ ویجمعُ بین المغربِ والعشاءِ .[بخاری]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب سفر پر ہوتے تو ظہر اور عصر کو جمع فرماتے اور مغرب اور عشاء کو جمع فرماتے۔ (بخاری)

ابتداء میں وتر کے سواری پر پڑھنے کی مشروعیت:

۱۲۶۱۔عن ابن عمرؓ قال :کان رسولُ اللهِ ﷺ یُصلّی فی السفرِ علیٰ راحلتِہٖ حیثُ توجّهتْ بہٖ یومی ایماءً صلوٰةَ اللیلِ الّا الفرائضَ ویُوترُ علیٰ راحلتِہٖ.[متفق علیه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں اپنی سواری پر رات کی نماز (تہجد) اشارے کے ساتھ پڑھتے تھے سوائے فرض نماز کے اور وتر بھی اپنی سواری پر پڑھتے تھے۔ (متفق علیہ)

''الفصل الثانی''

۱۲۶۲۔عن عائشةؓ قالت: کلُّ ذلكَ قد فعلَ رسولُ اللهِ ﷺ، قَصَرَ الصلوٰةَ وأتمّ.[شرح السنّة]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سب کیا ہے قصر بھی پڑھی ہے اور پوری نماز بھی۔ (شرح السنۃ)

۱۲۶۳۔عن عمران بن حصینؓ قال: غزوتُ مع النبیﷺ وشهدتُ معه الفتحَ، فأقامَ بمکّة ثمانیَ عشرةَ لیلةً لایُصلّی الّا رکعتین یقولُ:یاأهلَ البلد! صلّوا أربعًا فانّا سُفرٌ.[أبوداؤد]

ترجمہ:حضرت عمران بن حُصینؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاکﷺ کے ہمراہ جہاد کیا اور فتحِ مکہ میں بھی آپﷺ کے ہمراہ رہا، آپﷺ نے مکہ میں ''اٹھارہ دن'' قیام فرمایا، آپﷺ صرف دو رکعت پڑھتے اور فرماتے: اے اہلِ شہر! تم چار رکعت پڑھو ہم تو مسافر ہیں۔(ابوداؤد)

سفر میں سنت پڑھنا:

۱۲۶٤۔وعن ابن عمرؓ قال: صلّیتُ مع النبیّﷺ الظهرَ فی السفرِ رکعتین وبعدَها رکعتینِ.وفی روایةٍ قال: صلّیتُ مع النبیﷺ فی الحضرِ والسفرِ فصلّیتُ معَه فی الحضرِ الظهرَ أربعًا وبعدَها رکعتین وصلّیتُ معه فی السفرِ الظهرَ رکعتین وبعدَها رکعتین والعصرَ رکعتین ولم یُصلِّ بعدَها شیئًا والمغربَ فی الحضرِ والسفرِ سواءً ثلاثَ رکعاتٍ ولایُنقَصُ فی حضرٍ ولاسفرٍ وهی وِترُ النّهارِ وبعدَ ها رکعتین.[ترمذی]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاکﷺ کے ہمراہ سفر میں دو رکعت پڑھی اور اس کے بعد دو رکعت (سنت)۔اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے نبی پاکﷺ کے ہمراہ سفر اور حضر میں نماز پڑھی چنانچہ میں نے حضر میں آپﷺ کے ہمراہ چار رکعت پڑھی اور اُس کے بعد دو رکعتیں (سنت) پڑھی اور سفر میں آپﷺ کے ہمراہ ظہر کی دو رکعت پڑھی اور اُس کے بعد دو رکعت (سنت) پڑھی اور عصر دو رکعت پڑھی اور اُس کے بعد آپﷺ نے کچھ نہیں پڑھا اور مغرب سفر اور حضر میں (برابر) تین رکعت پڑھی، سفر اور حضر میں آپﷺ اس میں کمی نہ کرتے تھے یہ دن کے وتر ہیں اور اس کے بعد دو رکعت پڑھی۔(ترمذی)

جمع بین الصلاتین کا مسئلہ:

۱۲٦٥۔عن معاذ بن جبلؓ قال: کان النبیﷺ فی غزوةِ تبوك إذا زاغتِ الشمسُ قبلَ أن یرتحِل جمع بینَ الظُّهرِ والعصرِ وإن ارتحلَ قبلَ أنْ تزیغَ الشمسُ أخّر الظهرَ حتیٰ ینزِلَ للعصرِ وفی المغرِ مثلَ ذلك اذاغابتِ الشمسُ قبلَ أن یرتحلَ جمع بین المغربِ والعشاءِ وإن ارتحلَ قبلَ أن تغیبَ الشمسُ أخّرَ المغربَ حتیٰ ینزِلَ للعشاءِ ثمّ یجمعُ بینهما.[أبوداؤد،ترمذی]

ترجمہ:حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک (کے سفر) میں اگر نبی پاکﷺ کے کوچ کرنے سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو ظہر اور عصر کو جمع فرماتے اور اگر سورج ڈھلنے سے پہلے آپ کوچ فرماتے تو ظہر کو موٴخر کرتے یہاں تک کہ عصر کے لیے اترتے (پھر دونوں نمازوں کو اکٹھا پڑھتے) اور مغرب میں اسی طرح کرتے، چنانچہ جب کوچ کرنے سے پہلے سورج غائب ہو جاتا تو مغرب اور عشاء کو جمع فرماتے اور اگر سورج غائب ہونے سے پہلے کوچ کرتے تو مغرب کو موٴخر کرتے یہاں تک کہ عشاء کے لیے اترتے پھر دونوں نمازوں کو جمع فرماتے۔(ابوداؤد)

تشریح: قوله: جمعَ بینَ الظهرِ والعصرِ......:۔اس حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ آپﷺ نے غزوہ تبوک کے سفر میں ''جمع بین الصلاتین'' فرمایا یعنی ظہر وعصر کو یکجا ادا کیا۔جمع بین الصلاتین کی دو صورتیں ہیں:

(۱) جمع حقیقی یعنی دو فرض نمازوں کو ایک فرض کے وقت میں پڑھا جائے۔

(۲) جمع صوری یعنی دو فرضوں کو اپنے اپنے وقت میں اس طرح پڑھنا کہ دونوں میں قرب واتصال ہو، مثلاً: ظہر کو اُس کے آخری وقت میں پڑھنا اور عصر کو اُس کے پہلے وقت میں پڑھنا۔

جمعِ حقیقی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جمع تقدیم یعنی دوسرے فرض کو مقدم کر کے پہلی فرض نماز کے ساتھ پہلے فرض کے وقت میں پڑھنا۔

(۲) جمع تأخیر یعنی پہلے فرض کو مؤخر کر کے فرضِ ثانی کے ساتھ فرضِ ثانی کے وقت میں پڑھنا۔

جمع صوری کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ جمعِ حقیقی کے جواز میں اختلاف ہے، چنانچہ اُیمہ ثلاثہؒ کے نزدیک جمع حقیقی عذر کی بنا پر مطلقاً جائز ہے خواہ جمع تقدیم ہو یا جمعِ تأخیر۔ البتہ عذر کی تفصیلات میں پھر ان حضرات کے مابین اختلاف ہے۔ ان حضرات کی دلیل زیرِ بحث حدیث ہے، اس کے علاوہ فصلِ اوّل میں مروی حضرت ابنِ عباسؓ کی یہ حدیث بھی ان حضرات کی دلیل ہے: "قال: كان رسول الله ﷺ يجمعُ بين صلوٰةِ الظهرِ و العصرِ إذا كان علىٰ ظهرِ سيرٍ ويجمع بين المغربِ و العشاءِ" (بخاری) ترجمہ: "نبی پاک ﷺ جب سفر میں ہوتے تو ظہر اور عصر کو جمع فرما کر پڑھتے اور مغرب اور عشاء کو بھی جمع فرماتے"۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعِ حقیقی جائز نہیں نہ تقدیم کے ساتھ اور نہ تأخیر کے ساتھ۔ ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) آیت "إنّ الصلوٰةَ كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً" یعنی "ہر ہر نماز کا وقت مقرر ہے اور اس کا دوسری نماز کے وقت میں اداء کرنا جائز نہیں"۔ یہ آیت چونکہ قطعی الثبوت، قطعی الدلالۃ ہے، لہٰذا وہ "آحاد احادیث" جن میں جمع بین الصلاتین کا ذکر ہے اس آیت کے معارض نہیں ہو سکتیں جبکہ اُن کا ایسا معنیٰ لینا ممکن ہے جو اس آیت کے معارض نہ ہو، چنانچہ جمع صوری مراد لینا اس آیت کے معارض نہیں جبکہ جمع حقیقی مراد لینا معارض ہے۔

(۲) "عن عبد الله بن مسعودؓ "كان رسول الله ﷺ يُصلّي الصلوٰتِ لوقتها إلّا بجمعٍ و عرفاتٍ" (نسائی) ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ مزدلفہ اور عرفات کے علاوہ (تمام جگہوں میں) نمازوں کو اپنے وقت میں پڑھا کرتے تھے"۔ اس طرح آپؓ کی یہ روایت: "ما رأيتُ رسول الله ﷺ صلّىٰ صلوٰةً إلّا لميقاتها إلّا صلوٰتين صلوٰة المغرب و العشاء بجمعٍ." (متفق علیہ)

(۳) "عن ابن عباسؓ مرفوعاً: "من جمعَ بين الصلوٰتين من غيرِ عذرٍ فقد أتىٰ باباً من أبواب الكبائر." (ترمذی) ترجمہ: "جو بلا عذر کے دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھے وہ کبیرہ گناہوں کے ایک دروازے میں داخل ہو گیا"۔

امام صاحبؒ کی جانب سے ائمہ ثلاثہؒ کے مستدلات کے درج ذیل جوابات دیے جاتے ہیں:

چنانچہ زیرِ بحث حدیث معاذؓ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حدیث نہایت ضعیف اور متکلم فیہ ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ اس کو معلول قرار دیتے ہیں، جبکہ امام حاکمؒ اس کو موضوع، ابن حزمؒ منقطع اور امام ابوداؤدؒ منکر قرار دیتے ہیں۔ یہ حدیث چونکہ جمعِ تقدیم پر بھی دال ہے اس بنا پر امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں: "هذا حديثٌ منكرٌ وليس في جمع التقديمِ حديثٌ قائمٌ" ترجمہ: "یہ حدیث منکر ہے اور جمع تقدیم کے متعلق اس کے علاوہ بھی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں"۔

اس حدیث کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ اس میں جمع صلاتین صورۃً مراد ہے، اس کی تائید آپؓ ہی سے مروی اس روایت سے ہوتی ہے کہ

’’یُصلّی الظهرَ فی آخرِ وقتها ویُصلّی العصرَ فی أوّلِ وقتها‘‘ (مجمع الزوائد) یعنی ’’نبی پاک ﷺ ظہر کو آخری وقت میں اور عصر کو پہلے وقت میں جمع کر کے پڑھ لیا کرتے‘‘۔

حدیثِ ابن عباسؓ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس میں بھی ’’جمع‘‘ سے مراد ’’جمع صوری‘‘ ہے، اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ ہی کی دوسری روایت سے ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ”صلّیتُ مع النبی ﷺ بالمدینة ثمانیًا جمیعًا و سبعًا جمیعًا ،أخر الظهر وعجّل العصرَ وأخر المغربَ وعجّل العشاءَ“۔ (نسائی) قاضی شوکانی جو اہلِ ظواہر اور غیر مقلدوں کے امام ہیں وہ بھی اِن روایات کو ’’جمع صوری‘‘ پر محمول کرتے ہیں۔

خلاصہ بحث یہ ہوا کہ اگر احادیثِ جمع بین الصلوٰتین سے جمع حقیقی مراد لیتے ہیں تو یہ احادیث آیتِ قطعیہ ’’إنّ الصلوٰةَ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً‘‘ کے بھی معارض ہوں گی اور اُن احادیث کے بھی جن میں بلا عذر جمع بین الصلوٰتین کو کبائر میں سے بتایا گیا ہے؛ اور اگر جمع صوری مراد لیتے ہیں تو نہ آیت کے ساتھ تعارض باقی رہے گا اور نہ احادیث کے ساتھ، بلکہ تمام روایات میں تطبیق ہو جائے گی، لہٰذا جمع بین الصلوٰتین کی احادیث کو جمعِ صوری پر حمل کرنا اولیٰ ہوگا۔

فائدہ: حضور ﷺ نے عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ کہیں بھی جمع حقیقی نہیں فرمائی اور یہ جمع احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے لہٰذا قطعی ہونے کی بنا پر آیت: ’’ إنّ الصلوٰةَ کانت علی المؤمنین کتابًا موقوتا‘‘ کے مفہوم سے مستثنیٰ ہوگی۔ (نفحات، مرآۃ، المسائل)

سفر میں سنت مؤکدہ اور نوافل پڑھنے کا مسئلہ:

۱۲۶۶۔عن أنسؓ قال: کانَ رسول الله ﷺ إذا سافر وأرادَ أن یتطوّعَ استقبل القبلةَ بناقته ،فکبّر، ثمّ صلّی حیثُ وجّهه رِکابُه.[أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کرتے اور نفل (پڑھنے) کا ارادہ ہوتا تو اپنی اونٹنی کا رخ قبلہ کی طرف کرتے اور تکبیرِ تحریمہ کہتے پھر آپ ﷺ نماز پڑھتے سواری کا رخ جس طرف بھی ہوتا۔ (ابوداوٗد)

تشریح: قوله: إذا سافرَ وأرادَ أن یتطوّعَ .....:۔اس حدیث میں دورانِ سفر آپ ﷺ کا سواری پر نفل پڑھنا مذکور ہے کہ سواری کو قبلہ رو کر کے نیت باندھ لیتے تھے، پھر اس کی پرواہ نہ کرتے کہ سواری کس طرف جاتی ہے۔ تمام اَئمہ اس بات پر متفق ہیں کہ حالتِ سفر میں مطلق نفل مثلاً تہجد، اشراق وغیرہ جائز ہے، البتہ سننِ مؤکدہ کے بارے میں جمہور فقہاء اور ائمہ فرماتے ہیں کہ سفر میں سننِ مؤکدہ پڑھنا مستحب ہے یعنی سفر میں ان کی تاکید ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر گنجائش ہو تو پڑھ لینا چاہیے، لیکن اگر نہ پڑھے تو اس کی بھی گنجائش ہے، البتہ سفر میں اگر کہیں مقیم ہو تو سنن کو ترک نہیں کرنا چاہیے، سوائے سنتِ فجر کے کہ وہ سفر و حضر دونوں میں مؤکدہ ہے، کیونکہ روایات میں اس کی مطلقاً تاکید آئی ہے، مثلاً: حدیثِ ابوہریرہؓ جس میں سفر کی طرف اشارہ بھی پایا جاتا ہے ’’لا تدَعُوهما وإن طردتکم الخیلُ.‘‘ ترجمہ: ’’ان دو رکعتوں کو ترک مت کرو اگرچہ گھوڑے تمہیں روندھ ڈالے‘‘۔

فائدہ: حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ سفر میں سننِ مؤکدہ کے قائل نہیں، جبکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ اس کے قائل ہیں۔ اس کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ آپؓ سفر میں سنن کے مؤکدہ ہونے کے قائل نہ تھے اور آپؓ نے کچھ لوگوں

پر سفر میں سنتیں پڑھنے پر جو نکیر فرمائی اُس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ سفر میں بھی ان سنتوں کا اس قدر اہتمام کر رہے تھے جیسا کہ حضر میں، مقصد یہ تھا کہ سفر میں سنت پڑھنا مستحب ہے، گنجائش ہو تو پڑھو ورنہ خواہ مخواہ خود کو اور دوسروں کو مشقت میں گرفتار مت کرو۔

سواری پر نماز پڑھنے کی صورت میں قبلہ کی رعایت رکھنا:

قوله: استقبل القبلةَ بناقته فكبّر ....۔ یہاں اس کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نفل کی ابتداء میں سواری سمیت قبلہ رو ہوئے۔ یہ واضح رہے کہ سواری پر نوافل پڑھنے کی صورت میں قبلہ رو ہونا ضروری نہیں، البتہ اگر ابتداء میں قبلہ کی رعایت کرلی جائے تو بہتر ہے لیکن فرض نماز میں عند التحریمہ استقبالِ قبلہ ضروری ہے۔ (نفحات)

۱۲۶۷۔ وعن جابرٍؓ قال بعثنی رسول اللهﷺ فی حاجةٍ فجئتُ وهو يُصلّی علیٰ راحلته نحوَ المشرقِ ويجعلُ السجودَ أخفضَ مِن الرُّكوعِ.[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا، (جب) میں واپس آیا تو آپ ﷺ اپنی سواری پر مشرق کی جانب (منہ کیے ہوئے) نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ رکوع سے پست تر کرتے۔ (ابوداؤد)

"الفصل الثالث"

حضرت عثمانؓ کا منیٰ میں پوری نماز پڑھنا:

۱۲۶۸۔ عن ابن عمرؓ قال: صلّی رسولُ اللهﷺ بمنیً ركعتين وأبو بكرٍ بعدَه وعمرُ بعدَ أبی بكرٍ وعثمانُ صدرًا مِن خلافته ثمّ إنّ عثمانَ صلّی بعدُ أربعًا، فكان ابن عمر صلّی مع الامامِ صلّی أربعًا واذا صلّی وحدَه صلّی ركعتين.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (حج کے موقع پر) منیٰ میں (چار رکعت والی نماز) دو رکعت پڑھی اور آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اور اُن کے بعد حضرت عمرؓ نے (دو رکعتیں پڑھی) اور حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں (دو رکعتیں پڑھی) پھر بعد میں حضرت عثمانؓ نے چار رکعتیں پڑھی۔ حضرت ابن عمرؓ (کے بارے میں منقول ہے کہ) جب امام (حضرت عثمانؓ کے ساتھ) نماز پڑھتے تو چار رکعت پڑھتے اور جب اکیلے پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ کا سفر میں قصر کو ترک کر دینا:

۱۲۷۹۔ وعن عائشةؓ قالتْ: فُرِضتِ الصلاةُ ركعتين ثمّ هاجرَ رسولُ اللهﷺ ففُرِضتْ أربعًا وتُرِكتْ صلوٰةُ السفرِ علیٰ الفريضةِ الأولیٰ. قال الزهريُّ: قلت لعُروة: مابالُ عائشةَ تُتِمُّ؟ قال: تأوّلتْ كما تأوّلَ عثمانُ.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (ابتداء میں سفر وحضر کی) نماز دو رکعت فرض کی گئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی تو چار رکعت فرض کی گئی اور سفر کی نماز پہلی والی صورت (دو رکعت) پر چھوڑ دی گئی۔ زہریؒ (راویٔ حدیث) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عُروہؒ سے کہا کہ حضرت عائشہؓ کو کیا ہوا ہے جو سفر میں پوری نماز پڑھتی ہیں؟ حضرت عُروہ نے جواب دیا کہ انہوں نے ایسی ہی تاویل کرلی ہے جیسی تاویل حضرت

عثمانؓ نے کی ہے۔(متفق علیہ)

نماز حضر میں چار اور سفر میں دو رکعت فرض کی گئی ہے:

١٢٧٠۔عن ابن عباسؓ قال:فرضَ اللهُ الصلوٰةَ علیٰ لسانِ نبیّکم ﷺفی الحَضرِ أربعًا وفی السفرِ رکعتین وفی الخوف رکعةً

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی زبانی حضر میں چار رکعت نماز فرض کی اور سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت۔(مسلم)

سفر میں قصر پوری نماز ہے:

١٢٧١۔وعنه وعن ابن عمرؓ قالا:سَنَّ رسولُ اللهﷺ صلوٰةَ السفرِ رکعتینِ وهما تمامٌ غیرُ قصرٍ والوترُ فی السفرِ سنةٌ.

ترجمہ:حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر کی نماز دو رکعت مقرر فرمائی اور وہ پوری (نماز) ہیں ناقص نہیں اور وتر سفر میں سنّت ہے (یعنی سنت سے ثابت شدہ واجب ہے)۔(ابن ماجہ)

مسافتِ قصر (سفرِ شرعی) کی حد:

١٢٧٢۔وعن مالكٌ بلغه أنّ ابن عباسٍؓ کان یقصرُ فی الصلاة فی مثلِ ما یکونُ بین مکةَ والطائفِ وفی مثلِ مابین مکّةَ وعُسفانَ وفی مثلِ مابین مکّةَ وجُدّة.قال مالك:وذلك أربعةُ بُرُدٍ.[رواه فی المؤطّا]

ترجمہ:امام مالکؒ سے مروی ہے کہ اُن کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ مکہ اور طائف اور مکہ اور جدہ کے درمیانی فاصلے جتنی مسافت میں نماز میں قصر کرتے تھے۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسافت ''چار برید'' ہے۔(موطا امام مالکؒ)

تشریح: قوله: وقال مالك :وذلك أربعةُ بردٍ.....۔اس جگہ حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں ذکر کیا جارہا ہے کہ آپؓ مکہ اور طائف کے درمیانی مسافت کے بقدر مسافت والے سفر میں قصر فرمایا کرتے تھے۔مسافتِ سفر جو احکامِ سفر مثلاً قصر وغیرہ کے لیے موجب ہے، کتنی ہونی چاہیے؟اس بارے میں کوئی صریح نص تو موجود نہیں، البتہ صحابہؓ کے آثار اور تابعینؒ کے اقوال اس بارے میں باہم کافی مختلف پائے جاتے ہیں۔چنانچہ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک مسافتِ شرعی جو مغیّرِ احکام ہے، چار بُرد ہے (برد، برید کی جمع ہے) اور ایک برید بارہ میل کا ہوتا ہے؛ اس حساب سے مسافتِ شرعی اڑتالیس میل ہوئی۔مذکورہ حدیث اور ایسے ہی حضرت ابن عباسؓ کا یہ اثر ان حضرات کی دلیل ہے:''قال: یا أهلَ مکةَ لا تقصروا الصلوٰةَ فی أدنیٰ من أربعةِ بُردٍ من مکةَ إلیٰ عسفان.''(عمدۃ القاری)

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسافت جو مغیّر احکام ہے وہ تین دن کی مسافت ہے، ایسی مسافت جس میں رات کو آرام ہو اور صبح سے ظہر تک چلنا ہو۔اس کی تائید اُن احادیث سے ہوتی ہے جن میں تین دن کی مسافت کو احکام کے تغیر میں دخیل مانا گیا ہے، مثلاً: حدیث ''المسحُ علی الخُفّینِ للمسافرِ ثلاثةَ أیّامٍ وللمقیمِ یومٌ ولیلة''.(ابوداود) ترجمہ:''مسح علی الخفین مسافر کے لیے تین دنوں تک جائز ہے جبکہ مقیم کو ایک دن رات کی رخصت ہے''۔ایسے ہی یہ حدیث:''عن ابن عمرؓ مرفوعاً ''لا تُسافرُ المرأةُ ثلاثةَ أیّامٍ إلّا مع محرمٍ''(بخاری) یعنی''عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے نہیں کرسکتی''۔اس سے معلوم ہوا کہ تغیر احکام میں تین دن کی مسافت کو

خاص دخل ہے، لہٰذا حکمِ قصر کے لیے بھی تین دن کی مسافت معتبر ہوگی۔البتہ متاخرین احناف کے نزدیک تین دن کی مسافت تقریباً ''اڑتالیس میل'' ہی بنتی ہے اس وجہ سے محققین فقہائے احناف نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔یہاں شرعی میل مراد ہے نہ کہ انگریزی میل۔ ''اڑتالیس'' شرعی میل ''چوّن'' (۵۴) انگریزی میل (۸۶.۹۰۲۷ کلومیٹر تقریباً ساڑھے ستتر کلومیٹر) ہوتے ہیں۔(فحات، مرآۃ)

سفر میں زوال کے نفلوں پر مداومت کرنا:

۱۲۷۳۔عن البرّاء قال: صحبتُ رسولَ اللهﷺ ثمانيةَ عشرةَ سفراً فما رأيتُه تركَ ركعتين اذازاغتِ الشمسُ قبلَ الظهرِ.

ترجمہ: حضرت برآءؓ کہتے ہیں کہ مجھے اٹھارہ اسفار میں آپﷺ کی صحبت حاصل رہی (اس دوران) میں نے آپﷺ کو نہیں دیکھا کہ زوال آفتاب کے وقت ظہر سے پہلے دو رکعتوں کو ترک کیا ہو۔(ابوداؤد، ترمذی)

۱۲۷۴۔وعن نافعٍ قال: إنّ عبدَ الله بن عمرؓ كان يَرَى ابنَه عُبيدَ الله يتنفّلُ فی السفرِ فلا يُنكِرُ عليه.[مالك]

ترجمہ: حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے بیٹے عُبید اللہ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے اور اُن پر نکیر نہ فرماتے۔(مالکؒ)

(بابُ الجُمُعَةِ)

جمعہ کی لفظی تحقیق اور وجہ تسمیہ:

''جمعة'' مشہور لغت اور قرأتِ متواترۃ کے مطابق میم کے ضمہ کے ساتھ ہے، گو میم کے سکون اور فتحہ کے ساتھ بھی منقول ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عرب اس دن کو ''یوم العروبۃ'' کہتے تھے اور اسلام میں اس کو ''جمعہ'' کہا جانے لگا، جس کی وجہ بقولِ علامہ ابنِ حزمؒ یہ ہوئی کہ لوگ اس دن نمازِ جمعہ کے لیے جمع ہوتے تھے۔جبکہ حافظ ابن حجرؒ، امام فرّاءؒ، زجاجؒ، ابوعُبیدۃؒ اور ابوعمروؒ اس کے قائل ہیں کہ جاہلیت میں کعب بن لؤی اس دن لوگوں کو جمع کرکے وعظ ونصیحت کہا کرتے تھے اور انہوں نے ہی اس دن کا نام جمعہ رکھا۔

جبکہ فصلِ ثالث میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ایک بہترین وجہ تسمیہ مذکور ہے کہ آپﷺ سے جمعہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپﷺ نے یہ توجیہ فرمائی کہ اس دن میں عظیم الشان امور مثلاً مٹی سے تخلیقِ آدمؑ، نفخِ صور، بعثت بعد الموت وغیرہ جمع کردیے گئے ہیں اس لیے اس دن کو ''یوم الجمعہ'' کہتے ہیں۔(فحات)

''الفصل الاوّل''

جمعہ کے دن سے یہود اور نصاریٰ کا اعراض:

۱۲۷۵۔عن أبی هريرةؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: نحنُ الآخِرُونَ السابقونَ يومَ القيامةِ ،بيدَ أنّهم أُوتوا الكتابَ مِن قبلِناوأُوتيناهم مِن بعدِهم ،ثم هذايومُهم الّذی فُرِضَ عليهم [يعنی يومَ الجمعةِ]فاختلفوافيه فهدانااللهُ له والنّاسُ لنا فيه تَبَعٌ اليهودُ غداً والنصارٰی بعدَ غدٍ .[متفق عليه]وفی روايةٍ لمسلم :قال:نحنُ الآخرون الأوّلُون يومَ القيامةِ ونحنُ أوّلُ مَن

يدخلُ الجنّةَ بيدَ أنّهم؛ [وذكرَ نحوَه الىٰ اٰخره]وفي أخرىٰ له عنه وعن حذيفة قالا :قال رسولُ الله ﷺ في اٰخرِ الحديثِ :

"نحنُ الاٰخرُونَ مِن أهلِ الدنيا والأوّلون يوم القيامةِ المقضىُّ لهم قبلَ الخلائق.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم (دنیا میں) آخر میں آئے ہیں، قیامت کے دن (شرف ومرتبہ میں سب سے) آگے ہوں گے سوائے اس کے کہ اُن لوگوں (یہود ونصاریٰ) کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی اور ہمیں بعد میں دی گئی پھر یہ دن یعنی جمعہ کا اُن پر فرض (مقرر) کیا گیا، لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دن (کے متعلق) ہدایت عطا فرمائی۔ اور لوگ (یہود ونصاریٰ) اس میں ہمارے تابع ہیں، یہود نے کل (ہفتہ کے دن) کو اختیار کیا اور نصاریٰ نے پرسوں (اتوار کے دن) کو اختیار کیا ۔(متفق علیہ) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم (دنیا میں) آخر میں آنے والے ہیں، قیامت کے دن (سب سے) اول ہوں گے اور ہم جنت میں پہلے داخل ہوں گے سوائے اس کے ...الخ اور باقی حدیث آخر تک پہلی جیسی ذکر کی ہے اور مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں ابو ہریرہؓ سے اور حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث کے آخر میں یہ (بھی) فرمایا کہ ہم دنیا والوں میں سب سے آخر میں ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے (آگے) ہوں گے جن کے لیے تمام مخلوقات سے پہلے (جنت میں داخل ہونے کا) فیصلہ کیا جائے گا۔

تشریح: قوله: بيدَ أنّهم أوتوا الكتابَ من قبلنا ....: یہ جملہ "تاکید المدح بمایشبہ الذم" (مدح کی تاکید ذم کے مشابہ جملہ سے کرنا) کے قبیل سے ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ماقبل میں "نحن الآخرون السابقون" میں امتِ محمدیہ کی مدح تھی اور یہ جملہ اُس کی تاکید ہے اور اس اعتبار سے ذم معلوم ہوتا ہے کہ پہلی امتوں کو کتبِ الٰہیہ پہلے دی گئی اور اس امت کو بعد میں، لیکن درحقیقت یہ جملہ مدح ہے اور دوسری امتوں کے مقابلے میں ہماری عظمت کی دلیل ہے، کیونکہ آخر میں کتاب کا ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس امت کو دی جانے والی کتاب "ناسخ" اور پہلی کتابیں "منسوخ" ہیں اور ناسخ ہونا مدح ہے۔

قوله: ثمّ هذا يومهم الّذي فُرِض عليهم يعني يوم الجمعة فاختلفوا فيه....: اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ سابقہ امتوں (یہود ونصاریٰ) کو عبادت کے لیے خاص ایک دن کا انتخاب کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ یہ اختیار ابتلا وامتحان کے قبیل سے تھا، چنانچہ یہود نے یوم السبت (ہفتہ) کو منتخب کیا اور یہی ان کے لیے حکمِ الٰہی ٹھہرا؛ نصاریٰ نے یوم الاحد (اتوار) کو پسند کیا اور یہی اُن کی شریعت میں خاص عبادت کا دن مقرر ہوا، لیکن کتاب کے اہل ان دونوں فریقوں سے غلطی ہوئی اور کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی منشأ کو نہ پا سکا اور اصل دن جو خدا کے علم میں عبادت کے لیے پسندیدہ تھا (یعنی جمعہ) اُس کو نہ پہچان سکے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اِس امت کو ہدایت سے نوازا، چنانچہ اس امت نے منشأ الٰہی کے مطابق یومِ جمعہ کی تعیین کی، اس دن کی عبادت کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے جمعہ کے دن ہی پیدا فرمایا تھا۔

قوله: والنّاسُ لنا فيه تبعٌ ....: دوسری امتوں کا اس امت کے تابع ہونا اس امت کی اس فضیلت اور قبولیت کی وجہ سے ہے، جس سے اہلِ کتاب محروم ہو گئے اور یہ امت اِس فضیلت اور قبولیت کو حاصل کر کے اوّلیت اور متبوعیت کے درجہ پر فائز ہوئی۔ (نفحات)

جمعہ کا دن افضل ہے یا عرفہ کا؟:

۱۲۷۶۔عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: خيرُ يومٍ طلعتْ عليه الشمسُ يومُ الجمعةِ فيه خُلقَ آدمُ وفيه أُدْخِل الجنّةَ وفيه أخرِجَ منهاولاتقومُ الساعةُ الاّ فی يومِ الجمعةِ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ بہترین دن جس پر سورج طلوع ہو، جمعہ کا دن ہے۔اس دن میں حضرت آدمؑ پیدا کیے گئے اور اسی دن جنت میں داخل کیے گئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے اور قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔(مسلم)

تشریح: قوله: خيرُ يومٍ طلعت فيه الشمسُ يومَ الجمعةِ .....:۔یہاں یہ بحث ہوئی ہے کہ یوم جمعہ افضل ہے یا یومِ عرفہ؟ چنانچہ اس حدیث اور فصلِ ثالث میں مروی ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ کی حدیث:’’قال النبیﷺ: إنّ يوم الجمعةِ سيدُ الأيام وأعظمُها عند الله وهو أعظمُ عند الله من يوم الأضحىٰ ويوم الفطر...‘‘(ابن ماجہ) یہ اور اس کے ہم معنیٰ دوسری احادیث سے امام احمدؒ اور ابن العربی مالکیؒ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ یومِ جمعہ، یومِ عرفہ سے افضل ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یوم عرفہ، یوم جمعہ سے افضل ہے، چنانچہ ارشادِ نبوی ہے: "ما من يومٍ أفضلُ عند الله تعالىٰ من يومِ عرفة ‘‘(ابن حبان) یعنی’’اللہ کے ہاں یوم عرفہ سے افضل کوئی دن نہیں‘‘۔شارحین اِن احادیث میں یوں تطبیق کرتے ہیں کہ یوم جمعہ کی فضیلت ہفتہ کے دیگر ایّام کی بنسبت ہے جبکہ یوم عرفہ کی فضیلت تمام ایّامِ سال کی بنسبت ہے لہذا کوئی تناقض نہیں۔

قوله: فيه خُلقَ آدمؑ وفيه أُدخِل الجنّة وفيه أُخرِجَ منها .....:۔قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ان باتوں کا ذکر یومِ جمعہ کی افضلیت کے طور پر نہیں کیا جارہا بلکہ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس دن میں بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے۔(نفحات)

جمعہ کے دن ساعتِ قبولیّت:

۱۲۷۷۔وعنه قال: قال رسول اللهﷺ: إنّ فی الجمعةِ لساعةً لا يوافقها عبدٌ مسلمٌ يسألُ اللهَ فيها خيرًا الاّ أعطاه إيّاه.[متفق عليه]وزاد مسلم قال:وهی ساعةٌ خفيفة.وفی روايةٍ لهما قال: إنّ فی الجمعةِ لساعةً لا يوافقها مسلمٌ قائمٌ يُصلّی يسألُ اللهَ فيها خيراً الاّ أعطاه إيّاه.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جمعہ(کے دن) میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ کوئی مسلمان اس گھڑی کو نہیں پاتا کہ اس میں اللہ سے خیر مانگے مگر اللہ تعالیٰ اُس کو وہ خیر عطا فرمادیتے ہیں۔(متفق علیہ)اور مسلم نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آپﷺ نے فرمایا کہ وہ ساعت بہت کم ہے۔اور بخاری ومسلم کی ایک روایت میں ہے آپﷺ نے فرمایا کہ جمعہ میں ایک گھڑی ہے جسے جو کوئی مسلمان جو نماز کے لیے کھڑا ہو، پالے اور اُس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کو وہ بھلائی ضرور عطا فرماتے ہیں۔

ساعت قبولیت کس وقت ہوتی ہے؟:

تشریح: قوله: إنّ فی الجمعةِ لساعةً .....:۔اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ جمعہ کے دن قبولیتِ دعا کی ایک ساعت ہے، لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ ساعت کس وقت ہوتی ہے؟ تاکہ لوگ اس ساعت کو پانے کی امید میں سارا دن عبادت کریں، جیسا کہ لیلۃ القدر کو پوشیدہ رکھنے

میں بھی یہی حکمت ہے تاکہ لوگ ہر رات شب قدر ہونے کی امید پر عبادت کریں۔ البتہ جس طرح بعض احادیث میں لیلۃ القدر کی ظنی تحدید کے متعلق اشارات ہیں، اس طرح ''ساعۃ یوم الجمعۃ'' کے متعلق بھی اشارات ہیں جس سے درجہ ظن میں اس ساعت کی تعیین کی گئی ہے، اس بارے میں علماء کے پچاس اقوال ملتے ہیں، علامہ ابن القیمؒ کے مطابق ان میں سے گیارہ اقوال مشہور ہیں، پھر ان میں سے دو اقوال زیادہ مشہور ہیں جو یہاں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) شافعیہ کا کہنا ہے کہ یہ ساعت امام کے منبر پر خطبہ کے لیے جانے سے لے کر نماز کے ختم تک ہے۔ اس کی تائید زیر بحث حدیث کے متصل بعد واقع ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث سے ہوتی ہے۔

(۲) یہ ساعتِ اجابت جمعہ کے دن عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے۔ اس کی تائید فصلِ ثانی میں مروی حضرت ابو ہریرہؓ کی طویل حدیث میں وارد حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے ان الفاظ سے ہوتی ہے: ''هي آخرُ ساعةٍ يوم الجمعةِ'' (ابوداؤد وغیرہ) یعنی ''وہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے''۔ نیز اس کے متصل حدیثِ انسؓ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: "قال رسول الله ﷺ: التمسوا الساعةَ الّتي تُرجىٰ في يومِ الجمعةِ بعد العصرِ إلىٰ غيبوبةِ الشمس" (ترمذی)۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ اس کے قائل ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے بھی متعدد دلائل سے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ (نفحات)

١٢٧٨۔وعن أبي بُردة بن أبي موسىٰ قال: سمعتُ أبي يقولُ :سمِعتُ رسولَ الله ﷺ يقولُ في شانِ ساعةِ الجمعةِ:" هي ما بين أن يجلسَ الإمامُ إلىٰ أن تُقضَى الصلاةُ ".[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو بُردہ جو ابو موسیٰؓ کے بیٹے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ساعتِ جمعہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وہ امام کے منبر پر بیٹھنے اور نماز پڑھے جانے تک کے درمیان ہے۔ (مسلم)

''الفصل الثاني''

ساعتِ اجابت جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے:

١٢٧٩۔عن أبي هريرةؓ قال: خرجتُ إلى الطّورِ، فلقِيتُ كعبَ الأحبارِ، فجلستُ معه ،فحدّثني عن التوراةِ وحدّثتُ عن رسولِ الله ﷺ فكان فيماحدّثته أن قلتُ : قال رسولُ الله ﷺ :خير يومٍ طلعت عليه الشمسُ يومُ الجمعةِ فيه خُلِقَ آدمُ وفيه أُهبِط وفيه تِيبَ عليه وفيه مات وفيه تقومُ الساعةُ ومامِن دابةٍ الّا وهي مُصيخةٌ يومَ الجمعةِ مِن حينِ تصبحُ حتّیٰ تطلعَ الشمسُ شفَقاً من الساعةِ الّا الجنُّ والانسُ وفي ساعةٌ لايُصادِفُهاعبدٌ مسلم وهو يُصلّي يسألُ اللهَ شيئًا الّاأعطاه إيّاه؛قال كعب: ذلك في كلّ سنةٍ يومٌ ،فقلتُ :بلْ في كلِّ جمعةٍ ،فقرأ كعب التوراةَ فقال: صدقَ رسولُ الله ﷺ .قال أبوهريرة: لقِيتُ عبدَ الله بن سلامؓ فحدّثتُه بمجلِسي مع كعب الأحبار وماحدّثته في يومِ الجمعةِ فقلتُ له :قال كعب: ذلك في كلّ سنةٍ يومٌ ،قال عبدالله بن سلام: كذبَ كعبٌ ،فقلتُ له :ثمّ قرأ كعبٌ التوراةَ فقال:بل هي في كلِّ جمعةٍ،فقال عبدالله بن سلام:صدقَ كعبٌ،ثمّ قال عبدالله بن سلام:قد علِمتُ أيّةَ ساعةٍ هي ؟قال أبوهريرة:فقلتُ: أخبرني بها ولاتضِنّ عليّ ،فقال

عبدالله بن سلام :هي آخرُ ساعةٍ في يومِ الجمعةِ،قال أبوهريرة:فقلتُ:وكيف تكونُ اخرُ ساعةٍ في يومِ الجمعةِ وقد قالَ رسولُ اللهﷺ:"لايُصادِفُها عبدٌ مسلم وهو يُصلّي فيها "فقال عبدالله بن سلام:ألَم يقُل رسولُ اللهﷺ:"مَن جلسَ مجلساً ينتظرُ الصلوٰةَ فهوَ في صلوٰةٍ حتىٰ يُصلّي "قال أبوهريرة:فقلتُ: بلىٰ ،قال: فهو ذاك.[مالكٌ ،أبوداؤد،ترمذی، نسائی]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں کوہِ طور پر گیا (وہاں) میری ملاقات کعب احبار سے ہوئی انہوں نے مجھ سے توراۃ کی باتیں بیان کی اور میں نے نبی پاک ﷺ کی احادیث اُن سے بیان کی، چنانچہ میں نے اُن سے جو احادیث بیان کی، اُن میں یہ حدیث بھی میں نے بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہترین دن جس پر سورج طلوع ہو جمعہ کا دن ہے، اس دن آدم پیدا کیے گئے اور اسی دن (جنت سے زمین پر) اتارے گئے اور اسی دن اُن کی توبہ قبول کی گئی اور اسی دن انہوں نے وفات پائی اور اسی دن قیامت قائم ہوگی اور سوائے جن اور اِنس کے کوئی ایسا جانور نہیں جو جمعہ کے دن صبح ہونے سے لے کر طلوعِ آفتاب تک قیامت کے خوف سے کان لگائے ہوئے نہ ہو (یعنی قیامت کا منتظر نہ ہو) اور اس دن میں وہ گھڑی ہے کہ جو کوئی مسلمان بندہ اُسے اس حال میں پائے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو اور اللہ سے کوئی چیز (خیر) مانگے تو اللہ ضرور وہ چیز اُس کو عطا فرماتا ہے۔کعب احبارؒ نے (یہ سن کر) کہا: یہ سارے سال میں ایک دن ہوتا ہے؟ (حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ) میں نے جواب دیا: بلکہ یہ (ساعتِ اجابت) تو ہر جمعہ کے دن ہوتی ہے۔پھر حضرت کعبؒ نے (اس کی تصدیق کے لیے) تورات پڑھی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے ملا اور میں نے اُن سے کعب احبارؒ کے ساتھ ہونے والی اپنی مجلس اور جمعہ کے متعلق میں نے جو حدیث بیان کی تھی اُس کے متعلق گفتگو کی۔میں نے کہا کہ کعب نے کہا کہ یہ (ساعتِ اجابت) سارے سال میں ایک دن ہوتی ہے (یہ سن کر) عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا: کعب نے جھوٹ کہا ہے۔میں نے عرض کی کہ پھر کعبؒ نے تورات پڑھ کر کہا کہ یہ ساعت ہر جمعہ کو ہوتی ہے۔(یہ سن کر) عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ کعبؒ نے سچ کہا ہے۔پھر حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ کون سی گھڑی ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ مجھے بتا دیجئے اور میرے ساتھ بخل کا معاملہ مت فرمایئے۔عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ یہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے۔ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) میں نے کہا کہ یہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی کیسے ہو سکتی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے کہ جو کوئی مسلمان بندہ اُس گھڑی کو نماز کی حالت میں پائے (اور عصر کے بعد مغرب سے پہلے تو کوئی نماز نفل وغیرہ نہیں پڑھی جا سکتی) حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ جو شخص نماز کے انتظار میں کسی جگہ بیٹھ جائے تو نماز پڑھ چکنے تک نماز میں شمار ہوتا ہے۔ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ کیوں نہیں (آپ ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے) تو عبداللہ بن سلامؓ نے کہا کہ (بس) وہ (نماز) یہی (نماز کے انتظار میں بیٹھنا) ہے۔(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

ساعتِ اجابت کو عصر کے بعد غروب تک تلاش کرو:

۱۲۸۰۔عن أنسؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: التمِسُوا الساعةَ الّتي تُرجىٰ في يومِ الجمعةِ بعدَ العصرِ الىٰ غيبُوبةِ الشمس.

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن جس گھڑی (میں قبولیت) کی امید کی جاتی ہے اُس کو عصر کے بعد سے سورج غائب ہونے تک تلاش کرو۔(ترمذی)

عقیدۂ حیات النبی ﷺ:

۱۲۸۱۔وعن أوس بن أوسؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ :إنّ من أفضلِ أيّامكم يومَ الجمعةِ ،فيه خُلِقَ آدمُ وفيه قُبِضَ وفيه النفخةُ وفيه الصعقةُ فأكثِروا عليّ مِن الصلوٰةِ فيه،فإنّ صلوٰتكم معروضةٌ عليّ ،قالوا:يا رسولَ الله! وكيفَ تُعرَضُ صلوٰتُنا عليك وقدْ أرِمتَ،[قال:يقولون:بليتَ]قال: إنّ اللهَ حرّمَ على الأرضِ أجسادَ الأنبياء.[أبو داؤد،نسائی،ابن ماجة]

ترجمہ:حضرت اوس بن اوسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا ہے،اسی میں آدمؑ پیدا کیے گئے اور اسی دن اُن کی روح قبض کی گئی اور اسی دن نفخہ (دوسرا صور) پھونکا جائے گا (جس سے سارے مردے زندہ ہوکر محشر میں جمع ہوں گے) اور اسی دن میں صعقہ ہوگا (پہلا صور پھونکا جائے گا جس سے قیامت قائم ہوگی) لہٰذا اس دن مجھ پر بکثرت درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے،صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارا درود آپ (ﷺ) کے سامنے کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ (ﷺ) کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ راوی کہتا ہے کہ صحابہ أرِمتَ سے بلِیتَ مراد لے رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو زمین پر حرام کردیا ہے (زمین انبیاء کے اجسام کو فنا اور خراب نہیں کرسکتی)۔(ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

فائدہ:یہ حدیث برزخی حیات خصوصاً حیات النبی ﷺ کے حوالے سے جمہور اہل سنت والجماعت (قائلین حیات وسماع) کے منجملہ دلائل میں سے ہے۔''عقیدہ حیات النبی ﷺ'' کا مطلب یہ ہے کہ''آنحضرت ﷺ قبر مبارک میں اپنے بدن مبارک کے ساتھ زندہ ہیں،نیز آپ درود وسلام کو سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں''۔یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے متفق علیہ مسائل میں سے ہے،اس مسئلہ پر اہل سنت والجماعت کے محققین نے ہر دور میں مختصر و مفصل تصانیف سپرد قلم کی،یہاں مذاہب اربعہ اور اہل حدیث کے محقق اہل علم وقلم اور اکابرینِ دیوبند کے ارشادات پیش خدمت ہیں،اختصار کے پیش نظر عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ نہیں کیا گیا،ملاحظہ ہو:

امام مالکؒ المتوفی ۱۷۹ھ:

"نُقل عن الإمام مالك أنّه كان يكرَه أن يقولَ رجلٌ :زرتُ قبرَ النبيّ ﷺ ،قال ابنُ رُشدٍ من أتباعِه: إنّ الكراهةَ لغلبةِ الزيارة في الموتىٰ وهو ﷺ أحياه الله تعالىٰ بعد موتِه حياةً تامّةً واستمرتْ تلك الحياةُ وهي مستمرّةٌ في المستقبَل ،وليس هذه خاصةً به ﷺ بل يُشاركُه الأنبياء ـ عليهم السلام ـ فهو حيٌّ بالحياة الكاملة مع الاستغناءِ عن الغذاء الحِسيّ الدنيويّ".[نور الإيمان بزيارة آثار حبيب الرحمٰن ،لمولانا عبد الحليم فرنگی محلی، وكذلك في وفاء الوفا]

امام بیہقیؒ المتوفی ۴۵۸ھ:

"إنّ الله جلّ ثنائُه ردَّ إلى الأنبياء أرواحَهم فهم أحياءٌ عندَ ربهم كالشهداء......"إلخ.[حياةُ الأنبياء للبيهقي]

علامہ ابن عقیل حنبلیؒ المتوفی ۷۶۹ھ:

قال ابن عقيل من الحنابلة:" هو ﷺ حيٌّ في قبره يُصلّي". [فتح الباری ،كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ]

علامہ ابن حجرؒ المتوفی ۸۵۲ھ:

إنّ حياته ﷺ في القبر لايعقِبُها موتٌ بل يستمرّ حيًّا ،والأنبياء أحياءٌ في قبورهم .[فتح الباری ،كتاب فضائل

أصحاب النبی ﷺ]

شارح بخاری علامہ عینیؒ المتوفی ۸۵۵ھ:

"ومذهبُ أهلِ السنّة والجماعة أنّ فی القبر حیاةً وموتًا ،فلابدّ من ذوق الموتتین لكلّ أحدٍ غیر الأنبیاءِ".[عمدة القاری، كتاب المناقب]

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاویؒ المتوفی ۹۰۲ھ:

"نحن نؤمن ونُصدّق بأنّه ﷺ حیٌّ یُرزق فی قبره ،وأنّ جسده الشریف لاتأكله الأرضُ، والإجماعُ علیٰ هذا".[القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع ،الباب الرابع]

علامہ جلال الدین السیوطیؒ المتوفی ۹۱۱ھ:

"حیاةالنبی ﷺ فی قبره هو وسائر الأنبیاء معلومةٌ عندنا علمًا قطعیًا لما قام عندنا من الأدلّة فی ذلك، وتوترات به الأخبارُ الدالةُ علیٰ ذلك."[الحاوی للفتاویٰ ،أنباء الأذكیاء بحیاة الأنبیاء]

علامہ عبدالوہاب الشعرانیؒ المتوفی ۹۷۳ھ:

"قد صحت الأحادیثُ أنّه ﷺ حیٌ فی قبره ،یُصلّی بأذان وإقامة."[منح المنّة]

ملاعلی قاری الحنفیؒ المتوفی ۱۰۱۴ھ:

"ومن المعتقد المعتمد أنّه ﷺ حیٌّ فی قبره كسائر الأنبیاء فی قبورِهم ،وهم أحیاءٌ عند ربهم ،وأنّ لأرواحهم تعلقًا بالعالم العلویّ والسفلیّ كماكان فی الحال الدُّنیویّ، فهم بحسب القلب عرشیّون، وباعتبار القالب فرشیّون. " [شرح الشِّفاء ،الباب الرابع]

علامہ شرنبلالیؒ المتوفی ۱۰۶۹ھ:

"وممّاهو مقررٌعندَ المحققین أنّه ﷺ حیٌّ یُرزق مُمَتّعٌ بجمیع المَلاذ والعبادات غیرَ أنّه حُجِب عن أبصار القاصرین عن شریف المقامات ......ینبغی لمن قصدَ زیارةَ النبی ﷺ أن یُكثِر الصلاةَ علیه فإنّه یسمعُها وتبلُغ إلیه."[حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح ،فصل فی زیارة النبی ﷺ]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ المتوفی ۱۰۵۲ھ:

''حیات انبیاء متفق علیہ است، ہیچ کس رادروے خلاف نیست''۔ (أشعة اللمعات، باب الجمعة)

عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ المتوفی ۱۲۰۶ھ :

"والذی نعتقد أنّ رُتبة نبیّنا ﷺ علیٰ مراتب المخلوقین علی الإطلاق ،وأنّه حیٌّ فی قبره حیاةً مستقرّةً أبلغ من حیاة الشهداء المنصوصُ علیها فی التنزیل، إذهو أفضل منهم بلا ریب ،وأنّه یَسمعُ مَن یُسلِّم علیه."[اتحاف النبلاء بحوالہ مقام حیات، الفصل الثانی: مذاہب اربعہ درحیات نبویہ؛ اکابر فرقۂ اہل حدیث]

علامہ قاضی شوکانیؒ (اہل حدیث) المتوفی ۱۲۵۵ھ:

"وقد ذهبَ جماعةٌ من المحققين إلىٰ أنّ رسولَ الله ﷺ حيٌّ بعدَ وفاته، وأنّه يُسَرُّ بطاعات أُمتِه وأنّ الأنبياء لايبلَون مع أنّ مطلق الإدراك كالعلم والسماع ثابتٌ لسائر الموتى[إلىٰ أن قال:] وورد النصُّ في كتاب الله في حق الشهداء:" أنّهم أحياء يرزقون "وأنّ الحياةَ فيهم متعلقة بالجسدِ فكيف بالأنبياء والمرسلين وقد ثبت في الحديث أنّ الأنبياء أحياءٌ في قبورهم." رواه المنذري وصحّحه البيهقي، وفي صحيح مسلم عن النبي ﷺ قال: مررتُ بموسٰى ليلةَ أسرِيَ بي عندَالكثيبِ الأحمرِ وهو قائم يُصلّي في قبره." [نيل الأوطارص ۳۰۵، ج۳]

علامہ ابن عابدین شامیؒ المتوفی ۱۲۵۲ھ:

"فقد أفاد في الدرّ المنتقىٰ أنّه خلافُ الإجماع، قلت: وأمّا ما نُسب إلى الإمام الأشعريؒ إمام أهل السنّة والجماعة من إنكارثبوتها بعد الموتَ فهو افتراءٌ وبهتانٌ ،والمُصَرّح به في كتبه وكتب أصحابه خلافَ مانُسبَ إليه بعضُ أعدائه لأنّ الأنبياء -عليهم السلام- أحياءٌ في قبورهم وقد أقام النكير علىٰ افتراءِ ذلك الإمامُ العارفُ أبوالقاسِم القشيري ".[شامية ،كتاب الجهاد ،باب المغنم وقسمته]

علامہ محمد عابد السندیؒ المتوفی ۱۲۵۷ھ:

''أمّا هم أي الأنبياء فحياتُهم لاشكّ فيه ولاخلافَ لأحدٍ من العلماء في ذلك ....فهو ﷺ حيٌّ على الدوام."

[مدارك الأذكياء في حياة الأنبياء]

نواب قطب الدین دہلویؒ المتوفی ۱۲۸۹ھ:

''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے''۔(مظاہر حق، باب الجمعہ)

ملا احمد علی صاحب سہارنپوری الحنفیؒ المتوفی ۱۲۹۷ھ:

"والأحسن أن يقال:إنّ حياته ﷺ لايتعقبُها موتٌ بل يستمر حيًّا والأنبياء أحياء في قبورهم ".[حاشية البخاري]

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ المتوفی ۱۳۲۳ھ:

''قبر کے پاس......انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ، کتاب العلم، اہل قبور سے استعانت)

مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (اہل حدیث) المتوفی ۱۳۲۹ھ:

"إنّ الأنبياء في قبورهم أحياء ."[عون المعبود ،باب فضل يوم الجمعة]

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ المتوفی ۱۳۴۶ھ:

"إنّ نبي الله ﷺ حيٌّ في قبره كماأنّ الأنبياء -عليهم السلام- أحياءٌ في قبورهم .[بذل المجهود،باب التشهد]

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ المتوفی ۱۳۶۹ھ:

"إنّ النبیّ ﷺ حییٌ کما تقرر وأنّه ﷺ یصلی فی قبره بآذان وإقامة". [فتح الملهم، کتاب الحج باب فضل مکة والمدینة]

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ المتوفی ۱۳۵۲:

"هوقد یتخایل أنّ ردّ الروح یُنافی الحیاةَ وهو یُقرِّرُها فإنّ الرد إنّما یکون إلی الحیّ لا إلی الجماد، کما وقع فی حدیث لیلة التعریس، یرید بـ قوله: الأنبیاء مجموع الأشخاص لا الأرواح فقط......الخ. [تحیةُ السّلام]

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ المتوفی ۱۳۶۲ھ:

''بیہقی وغیرہ نے حدیث انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں (کذا فی المواهب) فائدہ: یہ نماز تکلیفی نہیں بلکہ تلذذ کے لیے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ ﷺ کو ہر جگہ پکارنا جائز ہے......'' الخ۔ [نشرُ الطِّیبِ فی ذکرِ النبیِّ الحبیبِ]

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ المتوفی ۱۳۷۷ھ:

''آپ ﷺ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام)

(مذکورہ بالا عبارات ''فتاویٰ بینات، کتاب العقائد، ص ۷۰۹ تا ۷۳۴'' سے ماخوذ ہے۔)

یومِ موعود، یومِ مشہود اور شاہد:

۱۲۸۲۔ عن أبی هریرة قال: قال رسولُ الله ﷺ: الیومُ الموعودُ یومُ القیامةِ والیومُ المشهودُ یومُ عرفةَ والشاهدُ یومُ الجمعةِ وماطلعتِ الشمسُ ولاغربتْ علیٰ یومٍ أفضلَ منه، فیه ساعةٌ لایُصادِفُها عبدٌ مؤمنٌ یدعوالله بخیرٍ الّا استجابَ اللهُ له و لا یستعیذُ مِن شیٔ الّا أعاذَه منه. [أحمد، والترمذی وقال: هذاغریبٌ لایُعرَفُ الّا مِن حدیث موسیٰ بن عُبیدة وهویضعَّف]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''یوم موعود'' قیامت کا دن ہے اور اور ''یومِ مشہود'' عرفہ کا دن ہے اور ''شاھد'' جمعہ کا دن ہے اور جمعہ کے دن سے افضل دن میں نہ سورج طلوع ہوا اور نہ غروب ہوا (یعنی اس سے افضل کوئی دن نہیں) اس میں ایک ایسی گھڑی ہے جسے کوئی مؤمن بندہ پالے اور اُس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی مانگے تو اللہ اس کو ضرور قبول فرماتے ہیں اور جس چیز سے پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ اس چیز سے ضرور پناہ عطا فرماتے ہیں۔ (احمد، ترمذی)

فائدہ: یومِ موعود، یومِ مشہود اور شاہد قرآنِ پاک کی سورۃ البروج میں مذکور ہے، یہاں نبی پاک ﷺ نے اِن کی مراد متعین فرمائی ہے۔

''الفصل الثالث''

جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے:

۱۲۸۳۔ عن أبی لُبابةَ بن عبد المُنذرؓ قال: قال النبیُّ ﷺ: إنّ یومَ الجمعةِ سیّدُ الأیّامِ وأعظمُها عندَ الله وهو أعظمُ عندَ اللهِ

مِن یومِ الضُّحٰی ویومِ الفطرِ ،فیه خمسُ خلالٍ:خلقَ اللّٰهُ فیه آدمَ وأهبطَ اللّٰهُ فیه آدمَ وفی تَوَفّٰی اللّٰهُ آدمَ وفیه ساعةٌ لایسألُ العبدُ فیها شیئًاالاّ أعطاه مالم یسألُ حرامًا وفیه تقومُ الساعةُ ،مامِن مَلَكٍ مُقرّبٍ ولا سماءَ ولاأرضَ ولارياحَ ولاجبالَ ولابحرَ الاّ هومُشفِقٌ مِن یومِ الجمعةِ .[ابن ماجة]وروىٰ أحمد عن سعد بن سعد بن معاذأنّ رجلًا مِن الأنصارأتی النبیَّ ﷺفقال: أخبرنا عن یومِ الجمعةِ ،ماذافیه مِن الخیر؟قال:فیه خمسُ خلالٍ؛...وساقَ الیٰ اٰخر الحدیث.

ترجمہ: حضرت ابولُبابہ بن عبدالمنذرؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عظمت والا ہے اور یہ دن عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن سے بھی زیادہ عظمت والا ہے۔اس میں پانچ باتیں ہیں: اس میں اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا اور اسی میں اللہ نے اُن کو زمین کی طرف اتارا اور اسی میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو وفات دی اور اس دن میں (قبولیت کی) گھڑی ہے، اس گھڑی میں بندہ جو بھی چیز مانگتا ہے، اللہ اسے ضرور عطا کرتے ہیں جب تک حرام کا سوال نہ کرے اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔تمام مقرّب فرشتے، آسمان، زمین، ہوائیں، پہاڑ اور سمندر جمعہ کے دن سے ڈرتے ہیں۔(ابن ماجہ، احمد) احمدؒ نے سعد بن معاذؓ سے روایت کی ہے کہ ایک انصاری آدمی نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے جمعہ کے دن کے بارے میں بتایئے کہ اس میں کیا کیا خیر ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں پانچ باتیں ہیں...اور آخر تک حدیث ذکر کی۔

جمعہ کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا؟:

۱۲۸۴۔وعن أبی هریرةؓ قال: قیلَ للنبیِّ ﷺ: لأیِّ شیءٍ سُمِّیَ یومُ الجمعة؟قال: لأنّ فیهاطُبِعتْ طینةُ أبیكَ اٰدمَ وفیهاالصعقةُ والبعثةُ وفیها البطشةُ وفی اٰخرِ ثلاثِ ساعاتٍ منهاساعةٌ مَنْ دعااللّٰهَ فیها اسْتُجیبَ له.[أحمد]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کے دن کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس لیے کہ اس میں تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی مٹی جمع کی گئی، اسی دن صعقہ (پہلا صور) ہوگا اور (اسی دن) دوبارہ جی اٹھنا ہوگا اور اسی دن پکڑ ہوگی اور اس دن کی آخری تین ساعتوں میں سے ایک ساعت ایسی ہے کہ اس میں جو شخص اللہ سے دعا کرے وہ قبول کی جاتی ہے۔(احمد)

انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں:

۱۲۸۵۔وعن أبی الدرداءؓ قال: قال رسولُ اللّٰه ﷺ: أكثِرُوا الصلوٰةَ علیّ یومَ الجمعةفإنّه مشهودٌ یشهدُه الملائكةُ وإنّ أحداً لم یُصلِّ علیَّ الاّ عُرِضَتْ علیَّ صلوٰتُه حتیّٰ یفرغَ منها ،قال:قلتُ:وبعدَ الموتِ؟قال:إنّ اللّٰهَ حرّم علیَ الأرضِ أن تأكلَ أجسادَ الأنبیاءِ ،فنبیُّ اللّٰهِ حیٌّ یُرزق.[ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ جمعہ کا دن مشہود ہے اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس (درود پڑھنے) سے فارغ ہوجاتا ہے۔ حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اور (آپ ﷺ کے) مرنے کے بعد بھی (ہمارا درود آپ ﷺ پر پیش کیا جائے جائے گا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے، کیونکہ اللہ کے نبی (قبر میں دنیا کی حقیقی زندگی

کی طرح) زندہ ہوتے ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

جمعہ کے دن موت آنے کی فضیلت:

١٢٨٦۔وعن عبد الله بن عمروؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ :ما مِن مسلمٍ يموتُ يومَ الجمعةِ أو ليلةَ الجمعةِ الّا وقاه اللهُ فتنةَ القبرِ .[أحمد،والترمذى وقال:هذاحديثٌ غريبٌ]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوکوئی مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اُس کو قبر کے فتنہ (عذاب) سے بچاتا ہے۔ (احمد، ترمذی)

فائدہ: فقہ حنفی کی مشہور اور معتبر کتاب ''شامی'' میں منقول ہے کہ جمعہ کے دن، اسی طرح رمضان المبارک میں مرنے والے مؤمن سے تاقیامت عذابِ قبر اٹھالیا جاتا ہے، نیز اس مبارک دن اور مبارک مہینہ میں مرنے والے کافر کے ساتھ بھی اتنی رعایت برتی جاتی ہے کہ صرف اس دن اور اس ماہ اُس سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے اور اس دن اور مہینہ کے گذرنے کے بعد عذاب دوبارہ شروع ہوجاتا ہے۔

جمعہ مسلمانوں کے لیے عید ہے:

١٢٨٧۔وعن ابن عباسؓ أنه قرأ:" اليومَ أكملتُ لكم دينَكم" [الآية]وعندَه يهوديٌّ ،فقال: لو نزلتْ هذه الآية لاتّخذناها عيداً،فقال ابن عباس:فإنّها نزلتْ في يومِ عيدين: في يومِ جمعةَ ويومِ عرفةَ .[ترمذى وقال:هذاحديثٌ حسنٌ غريبٌ]

ترجمہ: مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت ''اليومَ أكملتُ لكم دينكم'' پڑھی جب کہ آپؓ کے پاس ایک یہودی (بیٹھا ہوا) تھا اُس نے کہا کہ اگر یہ آیت ہم (یہودیوں) پر نازل ہوتی تو ہم اس (دن کو جس میں یہ نازل ہوئی) کو عید کا دن قرار دیتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی: جمعہ کے دن اور عرفہ کے دن (کیونکہ یہ دو دن شرف وفضیلت کے اعتبار سے مسلمانوں کے لیے عید کی حیثیت رکھتے ہیں)۔ (ترمذی)

جمعہ کی رات روشن رات ہے اور دن چمکتا دن ہے:

١٢٨٨۔وعن أنسؓ قال: كان رسولُ الله ﷺ إذا دخلَ رجبٌ قال:" اللّهمّ بارك لنا في رجب وشعبانَ وبلِّغنا رمضانَ"قال:وكان يقولُ:ليلةُ الجمعةِ أغرُّ ويومُ الجمعةِ أزهرُ.[بيهقى فى الدعوات الكبير]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب رجب کا مہینہ آتا تو رسول اللہ ﷺ دعا فرماتے: '' اللّهمّ بارك لنا في رجبٍ وشعبانَ وبلّغنا رمضان '' (ترجمہ) ''اے اللہ! ہمارے لیے رجب اور شعبان کے مہینے کو بابرکت بنا اور ہمیں رمضان تک پہنچادے''۔ انسؓ کہتے ہیں کہ اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے''۔ (بیہقی)

(بابُ وُجُوبِهَا)

{باب جمعہ کے وجوب کے بیان میں}

''الفصل الاوّل''

ترک جمعہ کی مذمت:

۱۲۸۹۔عن ابن عمرؓ وأبی هریرةؓ أنهما قالا: سمعنا رسول اللهﷺ یقولُ علیٰ أعوادِ منبرہٖ :لَیَنْتَهِیَنّ أقوامٌ عن وَدْعِهِم الجمعاتِ أوْ لیختِمَنَّ اللهُ علیٰ قلوبِهم ثمّ لیکونَنّ مِن الغافلین.[مسلم]

ترجمہ:حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہﷺ منبر کی لکڑیوں (سیڑھیوں) پر سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ نماز جمعہ کو چھوڑنے سے باز آجائے ورنہ تو اللہ اُن کے دلوں پر مہر لگادے گا پھر وہ لوگ غافلوں میں سے ہوجائیں گے۔(مسلم)

''الفصل الثانی''

۱۲۹۰۔عن أبی الجعد الضُمریؓ قال: قال رسولُ اللهﷺ: مَن ترکَ ثلاثَ جُمَعٍ تهاوناً بها طبعَ اللهُ علیٰ قلبه.

ترجمہ:حضرت ابوالجعد ضُمریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سستی کی بنا پر تین جمعے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اُس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ترکِ جمعہ پر صدقہ کرنے کا حکم:

۱۲۹۱۔عن سمرة بن جُندُبٍ قال: قال رسولُ اللهﷺ: مَن ترک الجمعةَ من غیرِ عُذرٍ فلیتصدّقْ بدینارٍ فإنْ لم یجِدْ فبنصفِ دینارٍ.[أحمد،أبو داؤد،ابن ماجة]

ترجمہ:حضرت سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بغیر کسی عذر کے جمعہ کو ترک کردے تو اُسے چاہیے کہ ایک دینار صدقہ کرے، اگر (ایک دینار) نہ پائے تو آدھا دینار صدقہ کرے۔(احمد، ابوداؤد)

ایک شبہ اور اُس کا جواب:

تشریح: قوله: من ترك الجمعةَ من غیرِ عذرٍ فلیتصدّق بدینارٍ...:۔اس حدیث میں بلا عذر ترک جمعہ کرنے پر آپﷺ دینار صدقہ کرنے کا حکم فرما رہے ہیں، جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ جمعہ فرض نہیں کیونکہ صدقہ ''ترکِ فرض'' کا کفارہ نہیں بن سکتا، معلوم ہوا کہ جمعہ فرض ہی نہیں، حالانکہ جمعہ کی فرضیت قرآن، سنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے بلکہ حنفیہ کی تصریح کے مطابق جمعہ کی فرضیت ظہر سے زیادہ مؤکد ہے چنانچہ ارشاد ہے:''فاسعوا إلیٰ ذکرِ اللهِ....''(الجمعہ) ترجمہ:''اللہ کی یاد کی طرف سعی کرو...'' صحیح قول کے

مطابق اس آیت میں "ذکر الله" خطبۂ جمعہ اور نمازِ جمعہ دونوں کو شامل ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں ترکِ جمعہ کی صورت میں "فلیتصدق بدینار..." کا حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے اور اس سے غرض یہ ہے کہ نفس کو احکامِ خداوندی کی مخالفت سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے، چنانچہ یہ صدقہ نہ تو ترکِ جمعہ کے گناہ کا کفارہ ہے اور نہ نمازِ جمعہ کا قائم مقام، کیونکہ جمعہ نہ پڑھنے کی صورت میں ظہر پڑھنا بدستور لازم رہے گا البتہ صدقہ کرنے سے گناہ میں کچھ تخفیف ہو جائے گی۔ (نفحات)

جمعہ کس پر واجب ہے؟:

۱۲۹۲۔وعن عبد الله بن عمروؓ عن النبیﷺ قال :الجمعةُ علیٰ مَن سمِعَ النداءَ.[ابو داؤد]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ نبی پاکﷺ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا کہ جمعہ اُس شخص پر واجب ہے جو (جمعہ کی) اذان سنے۔

تشریح: اس حدیث کی بنا پر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جمعہ کی اذان جس کو سنائی دے یعنی جو شخص شہر کی فِناء میں شہر سے اتنے فاصلے پر ہو کہ اُس کو اذان جمعہ سنائی دیتی ہو، اُس پر جمعہ واجب ہے۔

جبکہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شہر سے اتنے فاصلے پر ہو کہ شہر میں جمعہ پڑھ لینے کے بعد رات ہونے تک وہ اپنے اہل کے پاس واپس پہنچ سکتا ہے تو اُس پر جمعہ واجب ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث کے متصل حدیث ابو ہریرہؓ سے معلوم ہوتا ہے۔

دیہات میں اقامتِ جمعہ کا مسئلہ:

اس جگہ جمعہ فی القریٰ (دیہات میں اقامت جمعہ) کے جواز وعدم جواز کا معرکۃ الآراء مسئلہ زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ چنانچہ ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ فی القریٰ جائز ہے خواہ گاؤں چھوٹا ہو یا بڑا۔ اگرچہ ائمہ ثلاثہ کے مابین تفصیلات میں پھر اختلاف ہے۔ دیہات میں جوازِ جمعہ کے حوالے سے ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) آیت "إذا نُودِیَ لِلصَّلوٰةِ من یومِ الجمعةِ فاسْعَوْا إلیٰ ذکرِ الله". [ترجمہ:] "جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف سعی کرو"۔ یہاں "سعی الی الجمعہ" کا حکم مطلق ہے مصر وغیرہ کی شرط نہیں۔

(۲) ابنِ عباسؓ کی حدیث "إنّ أوّلَ جمعةٍ جمّعت فی الإسلامِ بعدَ جمعةٍ جُمّعت فی مسجدِ رسول الله ﷺ بالمدینة لجمعةٌ جُمعت بجواثیٰ قریة مِن قُری البحرین." (ابوداؤد) ترجمہ: "مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرین کی ایک بستی "جُواثا" نامی میں ادا کیا گیا"۔

(۳) حضرت عمرؓ کا اپنے وُلاۃ اور حکام کو یہ حکم "جَمّعُوا حیثُ کنتم" (ابن ابی شیبہ) ترجمہ: "جمعہ پڑھو جہاں کہیں بھی تم ہوں"۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے جواز اور انعقاد کے لیے "مصرِ جامع" شرط ہے، دیہات میں جمعہ جائز نہیں، البتہ مصر جامع کی تعریف میں احناف کے متعدد اقوال ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اس کا مدار عرف پر ہے، مصر کی تعریف کے حوالے سے فقہاء کے اقوال میں پائے جانے والے اختلاف کا دار و مدار عرف پر ہے۔

احناف کے دلائل مع ائمہ ثلاثہؒ کے دلائل کے جوابات کے درج ذیل ہیں:

(۱) آیت "إذا نودی للصلوٰۃ..." میں سعی الی الجمعہ کا حکم مطلق نہیں بلکہ اہلِ مصر کو ہے، اس پر قرینہ اس کے بعد والی آیات میں مذکور یہ جملے ہیں: "وذروا البیعَ" (ترجمہ) "خرید وفروخت چھوڑ دو"، "فانتشِروا فی الأرضِ وابتغوا مِن فضلِ اللہِ" (ترجمہ) "زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا رزق تلاش کرو" اور "وإذا رأوا تجارۃً أو لهوًا انفضُّوا إلیها..." (ترجمہ) "جب قافلہ تجارت وغیرہ کو دیکھ لیتے ہیں تو اُس کی طرف بھاگ جاتے ہیں"۔ ان جملوں میں خرید وفروخت کا ذکر ہے جس کا محل مصر ہے اور مصر کے حکم میں فناءِ مصر اور قصبۂ کبیرہ بھی ہے، لہٰذا یہ آیات مذہب حنفی کی دلیل ہوں گی نہ کہ ائمہ ثلاثہ کی۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ کی "حدیثِ جُواثا" بھی درحقیقت احناف کی دلیل بنتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جواثا پر لفظِ "قریۃ" کا اطلاق شہر کے معنیٰ میں ہوا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں مکہ اور طائف پر "قریۃ" کا اطلاق کیا گیا ہے چنانچہ سورۃ النساء میں ارشاد ہے: "ربنا أخرِجنا من هذهِ القریۃِ الظالمِ أهلُها" (ترجمہ) "اے ہمارے رب! ہمیں ظالموں کی بستی (مکہ) سے نکال دے"۔ اور سورۃ الزخرف میں ارشاد ہے: "قالوا لولا نُزِّلَ هذا القرآنُ علیٰ رجلٍ من القریتینِ عظیم." (ترجمہ) "کافروں نے کہا کہ کیوں نہ نازل کیا گیا یہ قرآن ان دو بستیوں (مکہ وطائف) کے کسی سردار پر"۔ لغت کے امام علامہ زمخشری نے، صاحبِ تاج العروس اور صاحبِ قاموس نے اس کی تصریح کی ہے کہ "قریۃ" کا اطلاق شہر پر بھی کیا جاتا ہے، علاوہ ازیں تاریخی شواہد بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جواثا شہر تھا جو بحرین کا تجارتی مرکز تھا نیز اس میں ایک قلعہ اور قید خانہ بھی تھا۔

مزید برآں دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جواثا کے بارے میں "قریۃمِن قُری البحرین" حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ نہیں بلکہ بعد کے کسی راوی نے از خود "جواثا" کی تفسیر کی ہے، اس طرح یہ روایت بھی احناف کی دلیل ہوگی نہ کہ ائمہ ثلاثہ کی۔

(۳) حضرت عمرؓ کے فرمان "جمِّعوا حیثُ کُنتم" کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس کے مخاطب "حکام اور وُلاۃ" ہیں اور وہ شہر میں ہوتے ہیں نہ کہ ہر جگہ حتیٰ کہ جنگل اور دیہات میں بھی، کیونکہ ائمہ ثلاثہ بھی اس کے قائل نہیں کہ ہر ہر جگہ میں جمعہ فرض ہو۔ لہٰذا اس فرمان کا مطلب یہ ہوگا کہ حکام سے کہا جا رہا ہے کہ "اپنے اپنے شہروں میں جمعہ قائم کرو"۔

(۴) درج ذیل احادیث وآثار بھی حنفیہ کے مؤید ہیں: [اول] "عن عائشۃؓ قالت: کان النّاسُ ینتابون الجمعۃَ من منازلهم والعوالی." (بخاری) ترجمہ: "لوگ (مسجد نبوی میں) جمعہ پڑھنے کے لیے اپنے پڑاؤ کی جگہوں اور عوالی (مدینہ کے دیہات) سے باری باری مدینہ آتے تھے"۔ معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں ورنہ وہ باری باری نہ آتے بلکہ سب کے سب جمعہ پڑھنے کی خاطر آتے یا گاؤں کے اندر جمعہ پڑھ لیتے۔ [دوم] حضرت علیؓ کا یہ اثر: "قال: لا جمعۃَ ولا تشریقَ ولا صلاۃَ فطرٍ ولا أضحیٰ إلا فی مصرٍ جامع." (ابن ابی شیبہ، بیہقی) ترجمہ: "مصر جامع کے علاوہ میں نہ جمعہ مشروع ہے، نہ تشریق اور نہ ہی صلاۃِ عیدین"۔ [سوم] حضرت حُذیفہؓ کا یہ اثر: "قال: لیس علیٰ أهلِ القریٰ جمعۃٌ فإنّما الجمعۃُ علیٰ أهلِ الأمصار." (ابن ابی شیبہ) ترجمہ: "اہلِ قریٰ پر جمعہ نہیں، جمعہ تو اہلِ امصار پر ہے"۔

(۵) مذکورہ دلائل کے علاوہ حنفیہ اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ ہجرت کے موقع پر آپ ﷺ "چودہ" یا "چوبیس" دنوں تک قباء نامی بستی

میں مقیم رہے لیکن وہاں جمعہ ادا نہ فرمایا، حالانکہ جمعہ کی فرضیت مکہ میں آچکی تھی، بلکہ مدینہ منورہ پہنچ کر بنوسالم کے محلہ میں سب سے پہلا جمعہ ادا فرمایا۔ (لمعات، مرآۃ)

جو رات تک گھر لوٹ سکے اُس پر جمعہ فرض ہے:

۱۲۹۳۔وعن أبی هریرۃؓ عن النبیّ ﷺ قال: الجمعةُ علیٰ من اٰواه اللیلُ إلیٰ أهله.[الترمذی وقال:حدیثٌ اسنادُه صعیفٌ]

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہؓ نبی پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ جمعہ اُس شخص پر فرض ہے جس کو رات اس کے اہل کی طرف جگہ دے (وہ رات بسر کرنے اپنے گھر پہنچ سکے)۔(ترمذی)

جن پر جمعہ واجب نہیں:

۱۲۹۴۔وعن طارق بن شهابؓ قال: قال رسول اللهﷺ: الجمعةُ حقٌّ واجبٌ علیٰ كلّ مسلمٍ فی جماعةٍ الّا علیٰ أربعةٍ عبدٍ مملوكٍ أوِ امرأةٍ أوصبیٍّ أومریضٍ.[أبوداؤد،وفی شرح السنة بلفظِ المصابیح "عن رجلٍ مِن بنی وائل"]

ترجمہ:حضرت طارق بن شہابؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ حق اور واجب ہے سوائے چار شخصوں پر: مملوک غلام پر، عورت پر، بچے پر اور مریض پر۔(ابوداؤد)

"الفصل الثالث"

تارکینِ جمعہ پر آنحضرت کی برہمی:

۱۲۹۵۔عن ابن مسعودؓ أنّ النبیّ ﷺ قال لقومٍ یتخلّفونَ عن الجمعةِ:لقد هَمَمْتُ أن اٰمُرَ رجلاً یُصلّی بالنّاسِ ثمّ أُحرِّقُ علیٰ رجالٍ یتخلّفون عن الجمعةِ بُیوتَهم.[مسلم]

ترجمہ:حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اُن لوگوں کے متعلق فرمایا جو جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں کہ تحقیق میں نے ارادہ کیا ہے کہ کسی آدمی کو حکم دوں کہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر اُن لوگوں کے گھر جلا دوں جو (بلا عذر) جمعہ کی نماز سے پیچھے رہتے ہیں۔(مسلم)

تارک جمعہ منافق لکھا جاتا ہے:

۱۲۹۶۔وعن ابن عباسؓ أنّ النبیّ ﷺ قال: مَن تركَ الجمعةَ من غیرِ ضرورةٍ كُتِبَ منافقًافی كتابٍ لایُمحیٰ ولایُبدّلُ. وفی بعضِ الروایات "ثلاثًا".[رواه الشافعی]

ترجمہ:ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بغیر کسی ضرورت (عذر) کے جمعہ چھوڑ دیتا ہے وہ ایک ایسی کتاب میں منافق لکھ دیا جاتا ہے جو نہ مٹائی جاتی ہے اور نہ تبدیل کی جاتی ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ (آپ ﷺ نے) تین مرتبہ (یہ فرمایا)۔

اہلِ ایمان پر جمعہ پڑھنا فرض ہے:

۱۲۹۷۔وعن جابرؓ أنّ رسولَ اللهِ ﷺ قال: مَن كانَ یؤمنُ باللهِ والیومِ الآخرِ فعلیه الجمعةُ یومَ الجمعةِ الّا مریضٌ أومسافر

أو امرأة أو صبيّ أو مملوك، فمَن استغنى بلهوٍ أو تجارةٍ استغنىَ اللهُ عنه و الله غنيٌّ حميد. [دارقطنی]

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اُس پر جمعہ کے دن جمعہ پڑھنا فرض ہے سوائے مریض یا مسافر یا عورت یا بچے یا غلام کے (جن پر جمعہ فرض نہیں) چنانچہ جس نے کھیل کود یا تجارت میں مشغول ہو کر جمعہ سے لاپروائی برتی تو اللہ اُس سے بے پرواہ ہے اور اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے، تعریف کیا گیا ہے۔ (دارقطنی)

(بابُ التَّنظِيفِ و التَّبكِيرِ)

{یہاں جمعہ کے لیے پاکی حاصل کرنے اور سویرے جانے کے متعلق احادیث ذکر کی جائیں گی}

''الفصل الاوّل''

۱۲۹۸۔عن سلمانَ قال: قال رسولُ الله ﷺ :لايغتسِلُ رجلٌ يومَ الجمعةِ ويَتَطَهَّرُ ما استطاعَ من طُهرٍ ويَدّهِنُ مِن دُهنِهٖ أو يمسُّ مِن طيبِ بيتِهٖ ثمّ يخرُجُ فلايُفرِّقُ بين اثنين ثمّ يُصلّي ما كُتِب لهٗ ثمّ ينصِتُ اذاتكلّمَ الامامُ الّا غُفِرَ له مابينه و بين الجمعةِ الأُخرىٰ .[بخاری]

ترجمہ: سلمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرتا ہے اور بقدرِ استطاعت پاکی حاصل کرتا ہے اور تیل لگاتا ہے یا فرمایا کہ اپنے گھر کی خوشبو لگاتا ہے، پھر (جمعہ پڑھنے کے لیے) نکلے، پھر دو آدمیوں کے درمیان فرق نہ کرے (دو شخصوں کے درمیان نہ گھسے) پھر جب امام (خطبہ) کہتا ہے تو خاموش رہتا ہے تو اُس کے گناہ جو اس جمعہ اور گذشتہ جمعہ کے درمیان ہوئے، بخش دیے جاتے ہیں۔

جمعہ پڑھنے پر گناہوں کی معافی:

۱۲۹۹۔وعن أبي هريرةؓ عن رسولِ الله ﷺ قال: مَنِ اغتسَلَ ثمّ أتى الجمعةَ فصلّى ما قُدّر له ثمّ أنصتَ حتّى يفرُغَ مِن خطبتِهٖ ثمّ يُصلّي معه غُفِرله مابينَه و بين الجمعةِ الأُخرىٰ و فضلُ ثلاثةِ أيّام. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص غسل کرے پھر جمعہ کو آئے اور جتنی (نفل) نماز مقدر ہو پڑھے پھر خاموش رہے یہاں تک کہ (امام) خطبہ سے فارغ ہو پھر امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اُس کے لیے اِس جمعہ اور پچھلے جمعہ کے درمیان ہونے والے گناہ اور مزید تین دن کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ (مسلم)

۱۳۰۰۔وعنه قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن توضّأَ فأحسَنَ الوضوءَ ثمّ أتى الجمعةَ فاستمعَ و أنصتَ غُفِرله مابينَه و بين الجمعة و زيادةُ ثلاثةِ أيّامٍ و مَن مسَّ الحَصافقدلَغىٰ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا پھر جمعہ (پڑھنے) کو آیا اور غور سے خطبہ سنا اور خاموش رہا تو اُس (جمعہ) کے اور (گذشتہ) جمعہ کے درمیان ہونے والے گناہ اور مزید تین دن کے گناہ اُس کے لیے بخش دیے جاتے

ہیں اور جس نے کنکریوں کو ہاتھ لگایا اُس نے فضول کام کیا۔(مسلم)

جمعہ کے دن مسجد میں سویرے آنے کی فضیلت:

١٣٠١۔وعنہ قال: قال رسول اللہﷺ: إذا کان یومُ الجمعةِ وقفتِ الملائکةُ علیٰ بابِ المسجد یکتُبُونَ الأوّلَ فالأوّلَ ومثلُ المُھجّرِ کمثلِ الذی یُھدی بدنةً ثمّ کالّذی یُھدی بقرةً ثمّ کبشاً ثمّ دجاجةً ثمّ بَیضةً فاذاخرجَ الامامُ طوَوا صُحُفَھم ویستمِعُون الذکرَ.[متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے (جامع) مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور (مسجد میں) پہلے آنے والے شخص کا نام لکھتے ہیں، پھر جو اُس کے بعد پہلے آتا ہے اور (جمعہ کے دن مسجد میں) سویرے آنے والے کی مثال اُس شخص کی طرح ہے جو اونٹ ہدی کرتا ہے (قربانی کے لیے اُسے حرم بھیجتا ہے) پھر اُس کے بعد آنے والے کی مثال اُس شخص کی طرح ہے جو گائے ہدی کرے پھر (اس کے بعد آنے والے کی مثال) مینڈھے کو ہدی کے طور پر بھیجنے والے کی طرح اور پھر مرغی صدقہ کرنے والے کی طرح اور پھر انڈا صدقہ کرنے والے کی طرح ہے۔(متفق علیہ)

بوقتِ خطبہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر بھی درست نہیں:

١٣٠٢۔وعنہ قال: قال رسولُ اللہﷺ: إذا قُلتَ لصاحبِك یومَ الجمعةِ أنصِتْ والإمامُ یخطبُ فقد لغوتَ.[متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن جب کے امام خطبہ دے رہا ہو اگر تم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے کو (یہ) کہا کہ "چپ رہو" تو تم نے فضول کام کیا۔(متفق علیہ)

١٣٠٣۔وعن جابرؓ قال: قال رسولُ اللہﷺ: لا یُقِیمَنَّ أحدُکم أخاہ یومَ الجمعةِ ثمّ یُخالِفُ إلیٰ مقعدِہٖ فیقعُدُ فیہ ولکن یقولُ: اِفسَحُوا.[مسلم]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن تم میں سے کوئی اپنے (مسلمان) بھائی کو اُس کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ وہاں جا کر اُس کی جگہ خود بیٹھ جائے ہاں البتہ یہ کہے کہ (جگہ کو) کشادہ کرو۔(مسلم)

"الفصل الثانی"

آداب کی رعایت کے ساتھ ادائیگی جمعہ کا اجر:

١٣٠٤۔عن أبی سعیدؓ وأبی ھریرةؓ قالا: قال رسولُ اللہﷺ: مَنِ اغتسَلَ یومَ الجُمعةِ ولبِسَ مِن أحسنِ ثیابہٖ ومَسَّ مِن طیبٍ اِن کان عندَہ، ثمّ أتی الجمعةَ فلم یَتخطَّ أعناقَ النّاسِ ثمّ صلّٰی ماکتبَ اللہُ لہ ثمّ أنصتَ اذاخرجَ امامُہ حتیّٰ یفرُغَ مِن صلوٰتِہ کانتْ کفّارةً لمابینھا وبینَ جمعتِہ الّتی قبلَھا.[أبوداؤد]

ترجمہ:۔حضرت ابو سعیدؓ اور ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنے سب سے اچھے کپڑے

پہنے اور خوشبو لگائے اگر اُس کے پاس ہو پھر جمعہ پڑھنے آئے اور (وہاں پہنچ کر) لوگوں کی گردنوں کو نہ پھلانگے پھر جتنی اللہ تعالیٰ نے مقدر میں لکھی ہو نماز پڑھے پھر جب امام (خطبہ دینے کے لیے) آنے لگے تو خاموش ہو جائے یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو تو یہ (اس کے لیے) اِس جمعہ اور اس سے پہلے والے جمعہ کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ (ابوداؤد)

جمعہ کے دن ہمبستری اور غسلِ جنابت:

۱۳۰۵۔عن أوسِ بن أوسٍؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن غَسَّلَ يومَ الجمعةِ واغتسَلَ وبكَّر وابتكرَ ومشٰى ولم يرْكبْ ودنا مِن الامامِ واستمعَ ولم يلغُ كان له بكلِّ خطوةٍ عملُ سنةٍ أجرُ صيامِها وقيامِها. [ترمذی، أبوداؤد، نسائی، ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت اوس بن اوسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کا سبب بنے اور خود غسل کرے اور سویرے جائے اور (خطبے میں) اول سے شریک ہو اور پیادہ جائے اور سوار نہ ہو اور امام کے قریب بیٹھے اور (خطبہ) غور سے سنے اور لغو کام نہ کرے اُس کو ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں کا اور قیام اللیل کا ثواب ملے گا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: قوله: مَن غَسَّل يوم الجمعةِ واغتسل...: اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی سے صحبت کر کے اُس کے غسل کا بھی سبب ہو اور خود بھی غسلِ جنابت کرے، تاکہ زنا کے خطرات اور وساوس سے دل پاک ہو اور نماز میں حضورِ قلب حاصل ہو۔ (مظاہر حق)

جمعہ کے لیے خاص کپڑے بنالینا:

۱۳۰۶۔وعن عبد الله بن سلامؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: ما علىٰ أحدِكم إن وجدَ أن يتّخِذَ ثوبين ليومِ الجمعةِ سوىٰ ثوبَيْ مِهنتِهِ. [ابن ماجة، ورواه مالك عن يحييٰ بن سعيد]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلامؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی پر کوئی عیب نہیں اگر اُس کی استطاعت ہو کہ جمعہ کے دن کے لیے کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ کپڑے بنالے۔ (ابن ماجہ، مالکؒ)

نیک کاموں میں آگے رہنا چاہیے:

۱۳۰۷۔وعن سمُرة بن جُندبٍؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: أُحضُروا الذكرَ وادْنُوا مِن الإمامِ فإنّ الرجلَ لايزالُ يتباعدُ حتّٰى يُؤخَّرُ في الجنّةِ وإن دخلَها. [أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جُندبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خطبہ میں حاضر ہوا کرو اور امام کے قریب رہو، کیونکہ آدمی (بھلائیوں سے) دور رہتا ہے یہاں تک کہ جنت میں اُس کو پیچھے رکھا جائے گا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے۔ (ابوداؤد)

لوگوں کی گردنیں پھلانگنے پر وعید:

۱۳۰۸۔وعن معاذ بن أنس الجهنيؓ عن أبيه قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن تخطّٰى رقابَ النّاسِ يومَ الجمعةِ اِتّخذَ جسرًا الىٰ جهنّمَ. [رواه الترمذي وقال: هذا حديثٌ غريب]

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس جہنیؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن (جگہ حاصل کرنے کے

لیے) لوگوں کی گردنوں کو پھلانگنے وہ جہنم کی طرف پُل بناتا ہے۔ (ترمذی)

خطبہ کے دوران گوٹھ مارنے کی ممانعت:

۱۳۰۹۔وعنه أنّ النبیّ ﷺ نھیٰ عن الحَبوۃِ یومَ الجمعۃِ والإمامُ یخطبُ. [ترمذی، أبوداؤد]

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس جہنیؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے جمعہ کے دن جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو گوٹھ مارنے سے منع فرمایا۔

فائدہ: گوٹھ مارنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اکڑوں بیٹھ کر سرین کو زمین پر ٹیک کر کپڑے یا ہاتھوں کے ذریعے گھٹنے اور رانیں پیٹ کے ساتھ ملا لیے جائیں۔ (مظاہر حق)

اونگھ آنے کی صورت میں جگہ بدلنا:

۱۳۱۰۔وعن ابن عمرؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ: إذا نَعِسَ أحدُکم یومَ الجمعۃِ، فلیتحَوّلْ مِن مجلسِه ذلك. [ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جمعہ کے دن (دورانِ خطبہ) تم میں سے کسی کو اونگھ آنے لگے تو اُسے چاہیے کہ اپنی جگہ بدل لے۔ (ترمذی)

"الفصل الثالث"

کسی کو اُس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھنا جائز نہیں:

۱۳۱۱۔عن نافعٍ قال: سمعتُ ابن عمرؓ یقول: نھی رسولُ اللہ ﷺ أن یُقیمَ الرجلُ الرجلَ من مقعدِہٖ ویجلسُ فیه. قیل لنافعٍ: فی الجمعۃِ؟ قال: فی الجمعۃِ وغیرھا. [متفق علیه]

ترجمہ: نافع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اُس کی جگہ سے اٹھائے اور خود وہاں بیٹھ جائے۔ حضرت نافع سے کہا گیا کہ (یہ ممانعت) صرف جمعہ کے لیے ہے؟ فرمایا کہ جمعہ کے لیے بھی اور جمعہ کے علاوہ بھی۔ (متفق علیہ)

جمعہ کی نماز میں کس کو کیا ملتا ہے؟:

۱۳۱۲۔وعن عبد اللہ بن عمروؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ: یَحضُرُ الجمعۃَ ثلاثۃُ نفرٍ: فرجلٌ حضرھا بلغوٍ فذلك حظُّه ورجلٌ حضرَھا بدعاءٍ فھو رجلٌ دعا اللہَ إنْ شاءَ أعطاہ وإن شاءَ منعَه ورجلٌ حضرھا بإنصاتٍ وسکوتٍ ولم یتخطَّ رقبۃَ مسلمٍ ولم یؤذِ أحداً فھی کفّارۃٌ الی الجمعۃِ الّتی تلیھا وزیادۃُ ثلاثۃِ أیّامٍ وذلك بأنّ اللہَ یقولُ: "مَن جاءَ بالحسنۃِ فله عشرُ أمثالِھا"۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ (کی نماز) میں تین قسم کے لوگ آتے ہیں: ایک وہ شخص جو لغو کلام کے ساتھ آتا ہے چنانچہ جمعہ سے اس کا حصہ یہی ہے۔ اور ایک شخص وہ ہوتا ہے جو جمعہ میں دعا کے لیے آتا ہے، چنانچہ یہ ایسا شخص ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو عطا کرنا چاہے عطا کر دے اور چاہے تو عطا نہ کرے۔ اور ایک وہ شخص ہے جو جمعہ میں خاموش اور چپ رہ کر حاضر ہوتا ہے، نہ

کسی مسلمان کی گردن پھلانگتا ہے اور نہ کسی کو تکلیف دیتا ہے تو (اس طرح) جمعہ (کی ادائیگی) اس کے متصل (گذشتہ) جمعہ تک (کے گناہوں کے لیے) اور تین دن مزید (کے گناہوں کے لیے) کفارہ ہو جاتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ فرماتا ہے کہ "جو شخص ایک نیکی کرے گا اُس کو دس گنا ثواب دیا جائے گا"۔ (ابوداؤد)

خطبۂ جمعہ کے دوران باتیں کرنے والے کی مثال:

١٣١٣۔ وعن ابن عباسؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: من تكلَّم يومَ الجُمعةِ والإمامُ يخطبُ، فهو كمثلِ الحمارِ يحمِلُ أسفارًا والّذي يقول له "أنصِتْ" ليس له جمعة. [أحمد]

ترجمہ: ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن باتیں کرے جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو اُس کی مثال اُس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لادی گئی ہوں اور جو شخص اس (بات کرنے والے کو) کہے کہ چپ ہو جاؤ اس کو جمعہ کا ثواب نہیں (ملتا)۔

١٣١٤۔ عن عُبيد بن السبّاق مرسلاً قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ في جمعةٍ من الجُمعِ: يا معشرَ المسلمينَ إنّ هذا يومٌ جعله اللهُ عيدًا فاغتسِلوا ومَن كان عنده طيبٌ فلايضرُّه أن يمسَّ منه وعليكم بالسواكِ. [مالك، وابن ماجة عن ابن عباس متصلاً]

ترجمہ: حضرت عبید بن سباق کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی ایک جمعہ میں فرمایا کہ اے مسلمانوں کے گروہ! یہ (جمعہ) وہ دن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے عید بنایا ہے، لہٰذا (اس دن) غسل کرو، اور جس کے پاس خوشبو ہو تو کوئی حرج نہیں کہ اُسے استعمال کرے اور تم پر مسواک کرنا لازم ہے۔ (مالکؒ، ابن ماجہ)

جمعہ کے دن خوشبو لگانے کی اہمیت:

١٣١٥۔ وعن البراءؓ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: حقًّا على المسلمين أن يغتسلوا يومَ الجمعةِ وليمَسَّ أحدُهم من طيبِ أهلِه فإن لم يجدْ فالماءُ له طيبٌ. [أحمد، ترمذي وقال: هذا حديثٌ حسنٌ]

ترجمہ: حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں پر لازم ہے کہ جمعہ کے دن غسل کریں اور چاہیے کہ تم میں سے ہر شخص اپنے گھر کی خوشبو (میں سے) لگائے اور اگر خوشبو میسر نہ ہو تو پانی ہی اُس کے لیے خوشبو ہے۔ (احمد، ترمذی)

(بابُ الخُطبةِ والصَّلوٰة)

"الفصل الاوّل"

زوال سے پہلے جمعہ پڑھنے کا مسئلہ:

١٣١٦۔ عن أنسؓ أنّ النبيَّ ﷺ كان يُصلِّي الجمعةَ حينَ تميلُ الشمسُ. [بخاري]

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ سورج ڈھلنے کے وقت جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ (بخاری)

تشریح: اس جگہ جمعہ کے وقت کے متعلق یہ بحث ہوتی ہے کہ اقامتِ جمعہ قبل الزوال جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک اقامتِ جمعہ قبل الزوال جائز نہیں بلکہ جو ظہر کا وقت ہے وہی جمعہ کا وقت ہے۔ ان حضرات کا استدلال ایک تو حدیثِ باب سے ہے جو اس پر نص ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ''بعد الزوال'' جمعہ پڑھانے پر مواظبت فرمائی۔

دوم حدیثِ سلمہ بن الاکوعؓ سے استدلال ہے۔ حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں: ''كنا نجمع مع رسول الله ﷺ إذا زالت الشمس.'' (مسلم) ترجمہ: ''ہم نبی پاک ﷺ کے ساتھ زوالِ آفتاب کے بعد جمعہ پڑھا کرتے تھے''۔ اس کے علاوہ حضرت بلالؓ، جابرؓ، سعد بن قرظؓ کی احادیثِ مرفوعہ اور خلفائے راشدین کے آثار موقوفہ بھی اس سلسلہ میں جمہور کی مؤید ہیں۔

جبکہ امام احمدؒ اور اہلِ ظواہر کے نزدیک جمعہ ''قبل الزوال'' بھی جائز ہے، ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) مذکورہ حدیث کے متصل حدیثِ سہل بن سعدؓ: ''ما كنا نقيل ولا نتغدى إلا بعد الجمعة.'' (متفق علیہ) یہ حضرات اس حدیث سے استدلال اس طرح کرتے ہیں کہ قیلولہ نصف النہار کے وقت کھانے کے بعد سونے کو کہتے ہیں اور [نتغدی] ''غداء'' سے ماخوذ ہے جو اس کھانے کو کہتے ہیں جو زوال سے پہلے کھایا جائے اور حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں کام ہم جمعہ پڑھ لینے کے بعد کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ عہدِ نبوی میں جمعہ قبل الزوال پڑھا جاتا تھا۔

(۲) ان حضرات کی دوسری دلیل: ''عن عبدالله بن سيدان قال شهدتُ الجمعة مع ابى بكرؓ فكانت صلاته وخطبته قبل نصف النهار وشهدتها مع عمرؓ...'' (ابن ابی شیبہ) ترجمہ: عبداللہ بن سیدان کہتے ہیں کہ ''میں نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ جمعہ پڑھا ان حضرات کی نماز اور خطبہ نصف النہار سے پہلے ختم ہو جاتا''۔

جمہور حضرات کی جانب سے حدیثِ سہل بن سعدؓ کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث کا مقصد جمعہ کی تیاری اور جمعہ میں سویرے جانے کا اہتمام بتانا مقصود ہے کہ جمعہ کی غرض سے ہم لوگ قیلولہ اور غداء (دوپہر کے کھانے) کو جمعہ سے مؤخر کر دیتے تھے، باقی جمعہ کے بعد کے کھانے پر حدیث میں ''غداء'' کا اطلاق توسعاً کیا گیا ہے، جیسا کہ سحری پر آپ ﷺ نے ''غداء'' کا اطلاق کرتے ہوئے فرمایا: ''هلموا إلى الغداء المبارك''۔ عبداللہ بن سیدان کی حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ باتفاقِ محدثین ضعیف ہے جو قابلِ استدلال نہیں۔ (نفحات)

۱۳۱۷۔ عن سهل بن سعدؓ قال: ما كنا نقيل ولا نتغدى إلا بعد الجمعة. [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ (عہدِ نبوی میں) ہم جمعہ (کی نماز) کے بعد قیلولہ کرتے اور دوپہر کا کھانا کھاتے۔ (متفق علیہ)

جمعہ پڑھانے کا معمول سردی اور گرمی میں:

۱۳۱۸۔ عن أنسؓ قال: كانَ النبيُّ ﷺ إذا اشتدَّ البردُ بكَّرَ بالصلوٰة وإذا اشتدَّ الحرُّ أبردَ بالصلوٰةِ [يعني الجمعةَ]. [بخاری]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب سردی سخت ہوتی تو نبی پاک ﷺ (جمعہ کی) نماز سویرے پڑھاتے اور جب گرمی سخت ہوتی تو نماز ٹھنڈک میں (دیر سے) پڑھتے۔ (بخاری)

حضرت عثمانؓ کا جمعہ میں ایک اذان بڑھانا:

١٣١٩ـوعن السائب بن يزيدَ قال: كان النداءُ يومَ الجمعةِ أوّله إذا جلسَ الإمامُ علىٰ المنبرِ علىٰ عهدِ رسولِ اللهﷺ وأبى بكر وعمرفلمّاكان عثمانُ و كثُرالنّاسُ زادَ النداءَ الثالثَ على الزَّوراءِ.[بخارى]

ترجمہ: حضرت سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ اور حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے زمانہ میں جمعہ کے دن کی پہلی اذان وہ ہوتی جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے۔ پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی کثرت ہوئی تو آپؓ نے تیسری اذان کا اضافہ کیا جو ''زوراء'' پر دی جاتی۔(بخاری)

تشریح: قوله: زاد النداء الثالث على الزوراء :۔چونکہ ایک اذان اور تکبیر پہلے سے مقرر تھے اُن کو دو اذان شمار کر کے حضرت عثمانؓ کی زائد کردہ اذان کو تیسری اذان کہہ دیا یہ وہی اذان ہے جو جمعہ کی سنتوں سے پہلے دی جاتی ہے۔ حضرت عثمانؓ چونکہ خلیفہ راشد ہیں اور صحابہؓ میں سے کسی کی نکیر بھی اس اذان پر ثابت نہیں جو صحابہؓ کے اجماع کی علامت ہے، لہٰذا اس اذان کو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

فائدہ: جمعہ کی تیاری کے واجب ہونے اور خرید وفروخت کی حرمت کا تعلق بھی اب اس زائد کردہ اذان کے ساتھ ہے۔(مظاہر حق)

نماز اور خطبہ معتدل ہونے چاہیے:

١٣٢٠ـوعن جابر بن سمُرةؓ قال: كانت للنبيِّ ﷺ خطبتانِ، يجلِسُ بينهما يقرأُ القرآنَ ويُذكّرُ النّاسَ فكانتْ صلوٰتُه قصدًا. وخطبتُه قصدًا.[مسلم]

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاکﷺ دو خطبے پڑھا کرتے تھے جن کے درمیان میں بیٹھا کرتے (ان خطبوں میں) آپﷺ قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے۔ اور آپﷺ کی نماز بھی اوسط درجہ کی ہوتی اور خطبہ بھی اوسط درجہ کا ہوا کرتا۔(مسلم)

نماز لمبی پڑھنا اور خطبہ مختصر پڑھنا:

١٣٢١ـوعن عمّارٍقال: سمعتُ رسولَ اللهﷺ يقولُ :إنّ طولَ صلوٰةِالرجلِ وقصرَ خطبتِهٖ مَئِنّةٌ مِن فِقهِهٖ فأطِيلوا الصلوٰةَ وأقصِرُوا الخُطبةَوإنّ مِن البيان سحراً.[مسلم]

ترجمہ: حضرت عمارؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لمبی نماز پڑھنا اور مختصر خطبہ پڑھنا آدمی کی دانائی کی علامت ہے لہٰذا نماز کو طویل کرو اور خطبہ کو مختصر کرو اور بعض بیان جادو اثر ہوتے ہیں۔(مسلم)

آنحضرتﷺ کے خطبہ دینے کا انداز اور کیفیت:

١٣٢٢ـوعن جابرؓ قال: كان رسولُ اللهﷺ إذا خطبَ احمرّتْ عيناه وعلا صوتُه واشتدّ غضبُه حتّى كأنّه مُنذرُ جيشٍ يقولُ:صبّحَكم ومسّاكم ويقولُ:بُعِثتُ أنا والساعةِ كهاتين ويَقرِنُ بين اصبعيه السبّابةِ والوُسطىٰ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، اور آواز بلند ہو جاتی اور غصہ تیز

ہو جاتا حتیٰ کہ یوں محسوس ہوتا گویا آپ ﷺ کسی لشکر سے ڈرانے والے ہیں جو کہہ رہا ہے کہ وہ لشکر تم پر یا صبح حملہ آور ہوگا یا شام کو۔ اور فرماتے: میں اور قیامت اس طرح ساتھ ساتھ بھیجے گئے ہیں اور (یہ کہتے ہوئے) اپنی دونوں انگلیوں یعنی شہادت اور بیچ کی انگلی کو ملا دیتے۔

خطبہ میں قرآنی آیات پڑھنا:

١٣٢٣۔ وعن يعلىٰ بن أميّة قال: سمعتُ النبيَّ ﷺ يقرأُ على المنبرِ: "ونادَوا يا مالكُ لِيَقْضِ علينا ربُّك". [متفق عليه]

ترجمہ: حضرت یعلیٰ بن اُمیہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو سنا کہ منبر پر (یہ آیت) پڑھ رہے تھے: " ونادَوا يا مالكُ ليقضِ علينا ربّك" (ترجمہ) "دوزخی (جہنم کے سردار فرشتے) کو پکار کر کہیں گے کہ اے مالک چاہیے کہ تمہارا رب ہمارا کام تمام کر دے"۔ (متفق علیہ)

جمعہ کے خطبہ میں سورۂ " ق " پڑھنا:

١٣٢٤۔ عن أمّ هشام بنتِ حارثة بن نعمانؓ قالت: ما أخذتُ "ق والقرآن المجيد" إلّا عن لسانِ رسول الله ﷺ يقرأُها كلَّ جمعةٍ على المنبرِ إذا خطبَ النّاسَ. [مسلم]

ترجمہ: حضرت امّ ہشامؓ جو کہ حارثہ بن نعمانؓ کی بیٹی ہیں کہتی ہیں کہ میں نے سورۂ " ق والقرآن المجيد" نبی پاک ﷺ کی زبان مبارک سے یاد کی ہے (وہ اس طرح کہ) آپ ﷺ اس سورت کو ہر جمعہ منبر پر پڑھتے جب لوگوں کو خطبہ دیتے۔ (مسلم)

١٣٢٥۔ عن عمرو بن حُريثٍ أنّ النبيَّ ﷺ خطبَ وعليه عمامةٌ سوداءُ قد أرخىٰ طرَفَيها بينَ كتِفَيه يومَ الجمعة. [مسلم]

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریثؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے جمعہ کے دن اس حال میں (جمعہ کا) خطبہ دیا کہ آپ ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا جس کے دونوں سروں کو آپ ﷺ نے دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔ (مسلم)

دورانِ خطبہ نفل نماز پڑھنے کا مسئلہ:

١٣٢٦۔ عن جابرٍؓ قال: قال رسول الله ﷺ وهو يخطبُ: إذا جاءَ أحدُكم يومَ الجمعةِ والإمامُ يخطُبُ فلْيَركعْ ركعتين وليتجوّزْ فيهما. [مسلم]

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حال میں کہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے یہ فرمایا: جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن اس حال میں (مسجد کو) آئے کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو اُسے چاہیے کہ دو رکعتیں پڑھ لے اور چاہیے کہ اُسے مختصر پڑھے۔ (مسلم)

تشریح: قوله: إذا جاء أحدُكم يوم الجمعةِ والإمامُ يخطبُ فليركعْ ركعتين ...... یہاں اس کا ذکر ہے کہ جب کوئی شخص جمعہ کے خطبہ کے دوران آئے تو دو رکعت مختصر نماز پڑھ لے۔ اس جگہ فقہاء کے مابین یہ اختلاف ہوا ہے کہ خطبۂ جمعہ کے دوران آنے والے شخص کو نفل پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دورانِ خطبہ آنے والے شخص کے لیے مستحب ہے کہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لے۔ دلیل مذکورہ حدیث ہے جو قاعدہ کلیہ کی صورت میں ہے۔

جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کے نزدیک خطبہ کے دوران کسی قسم کی نفل نماز پڑھنا جائز نہیں۔ ان حضرات کے چند ایک دلائل یہاں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) عن ابن عمرؓ قال سمعتُ النبی ﷺ یقولُ: إذا دخل أحدُکم المسجدَ والإمام علی المنبرِ فلا صلوٰۃَ ولا کلامَ حتیٰ یفرغَ الإمامُ من خطبتہ۔ ''(طبرانی) ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''جب تم سے کوئی ایسے وقت میں مسجد آئے کہ امام منبر پر بیٹھ چکا ہو تو نہ کسی قسم کی نماز پڑھے اور نہ کوئی بات کرے''۔

(۲) عن أبی ہریرۃؓ مرفوعاً '' إذا قلتَ لصاحبکَ یوم الجمعۃ: أنصت والإمام یخطبُ فقد لغوتَ۔'' (متفق علیہ) ترجمہ: ''جمعہ کے دن اگر آپ نے دورانِ خطبہ کسی سے یہ کہا کہ ''چپ رہ'' تو یہ لغو کام کیا''۔ حالانکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قبیل سے ہے جو کہ واجب ہے تو جب واجب کی اجازت نہیں تو نفل کی گنجائش کیسے ہوگی؟

ان حضرات کی جانب سے زیرِ بحث حدیثِ جابرؓ کے کئی جواب امام شافعیؒ و امام احمدؒ کو دیے جاتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) بقولِ امام طحاویؒ یہ حدیث ابتدائے اسلام پر محمول ہے اور منسوخ ہے۔

(۲) یہ حدیث دورانِ خطبہ نفل پڑھنے کے حق میں ''مبیح'' ہے اور دیگر احادیث ''محرّم'' اور محرّم کو مبیح پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

(۳) یہ حدیث سُلیک غطفانیؓ کے واقعہ سے متعلق ہے جو ایک جزئی واقعہ ہے۔ ہوا یہ کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو حضرت سُلیکؓ کی خستہ حالی کی طرف متوجہ کرنے کے لیے سُلیکؓ کو دورانِ خطبہ نماز کا حکم فرمایا اور لوگوں کو ترغیب دی کہ اُن پر صدقہ کریں۔ راوی نے اس جزئی واقعہ کو قاعدہ کلیہ کی صورت میں نقل کر دیا۔ یہ جواب کمزور ہے۔ (مرآۃ نجات)

۱۳۲۷۔وعن أبی ہریرۃؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من أدرک رکعۃً من الصلوٰۃِ مع الإمامِ فقد أدرکَ الصلوٰۃَ۔[متفق علیہ]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص امام کے ساتھ نماز کی ایک رکعت کو پائے اُس نے (وہ) نماز پالی۔

''الفصل الثانی''

آپ ﷺ کا خطبہ پڑھنے کا طریقہ:

۱۳۲۸۔عن ابن عمرؓ قال: کانَ النبیُّ ﷺ یخطبُ خطبتین، کان یجلسُ إذا صعِد المنبرَ حتیٰ یفرُغَ [أُراہ المؤذّن] ثمّ یقومُ فیخطبُ ثمّ یجلسُ ولا یتکلّمُ ثمّ یقومُ فیخطبُ۔[أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ دو خطبے پڑھتے تھے، جب منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جاتا (راوی کہتا ہے کہ) میرا خیال ہے کہ (ابن عمرؓ نے) مؤذن کا فارغ ہونا بتایا پھر آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے اور خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے اور کلام نہ کرتے پھر کھڑے ہو کر (دوسرا) خطبہ ارشاد فرماتے۔ (ابو داؤد)

۱۳۲۹۔وعن عبد اللہ بن مسعودؓ قال: کان النبیُّ ﷺ إذا استویٰ علی المنبر استقبلناہ بوجوھنا۔[ترمذی]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو ہم اپنے منہ نبی پاک ﷺ کی طرف کرتے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ہم صرف محمد بن فضل کی سند سے جانتے ہیں جو کہ ضعیف ہیں۔

''الفصل الثالث''

۱۳۳۰۔عن جابر بن سمرۃؓ قال: کان النبیُّ ﷺ یخطُبُ قائماً ثمّ یجلِسُ ثمّ یَقُومُ فیخطبُ قائماً فمَن نبّاكَ أنّه کان یخطبُ جالساً فقد کذبَ فقدْوَاللهِ اصلّیتُ معه أکثرَ مِن ألفَی صلوٰۃِ.[مسلم]

ترجمہ:حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کھڑے ہوکر خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوکر خطبہ دیتے۔پس جو تجھے بتائے کہ آپ ﷺ بیٹھ کر خطبہ دیا کرتے تھے تو بے شک وہ جھوٹا ہے۔اللہ کی قسم!میں نے آپ ﷺ کے ہمراہ [کُل] دو ہزار سے زیادہ نمازیں پڑھی ہیں(جن میں متعدد جمعہ کی نمازیں بھی ہیں جس میں کسی جمعہ ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر خطبہ دیا ہو)۔(مسلم)

صحابہؓ کی دینی غیرت اور جرأت:

۱۳۳۱۔وعن کعب بن عُجرۃَ أنّه دخل المسجدَ وعبدُ الرحمٰن بن أمّ الحَکم یخطبُ قاعداً فقال أنظروا الیٰ ھذاالخبیثِ یخطبُ قاعدًاوقدْ قالَ اللهُ تعالیٰ:"وإذا رأوا تجارۃً أو لھوًا انفضُّوا إلیھا وتَرکُوكَ قائمًا".[مسلم]

ترجمہ:حضرت کعب بن عُجرہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ(ایک مرتبہ)آپؓ مسجد تشریف لائے جب کہ عبدالرحمٰن بن ام الحکم(ایک اُموی گورنر)بیٹھ کر(جمعہ کا)خطبہ دے رہا تھا۔(یہ دیکھ کر)حضرت کعب بن عُجرہؓ نے فرمایا:اس خبیث کو دیکھو جو بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ''وإذا رأوا تجارۃً أو لھواً انفضّوا إلیھا وترکوكَ قائماً''(ترجمہ)''اور جب لوگ تجارت یا کھیل تماشہ دیکھ لیتے ہیں تو اُس کی طرف دوڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں''۔(مسلم)

۱۳۳۲۔وعن عُمارۃ بن رُویبۃَ أنّه رأیٰ بَشیر بن مروانَ علی المنبرِرافعًا یدیه فقالَ:قبّح الله ھاتین الیدینِ لقد رأیتُ رسولَ الله ﷺ مایزیدُ علیٰ أن یقولَ بیدِہٖ ھکذا وأشارَ باصبعَه المسبِّحۃِ.[مسلم]

ترجمہ:حضرت عُمارہ بن رُویبہؓ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے بشیر بن مروان(ایک اموی حاکم)کو منبر پر(دورانِ خطبہ)اپنے دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے دیکھا تو(بددعا دیتے ہوئے)فرمایا:اللہ تعالیٰ اِن ہاتھوں کا بُرا کرے،بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اپنے ہاتھ سے اس سے زیادہ اشارہ نہیں کرتے تھے(یہ کہتے ہوئے)حضرت عُمارہؓ نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔(مسلم)

ابن مسعودؓ کی اطاعتِ رسول:

۱۳۳۳۔وعن جابرؓ قال:لمّا استویٰ رسولُ الله ﷺ یومَ الجمعۃِ علی المنبر قال:اجلِسُوا فسمِع ذلك ابنُ مسعود فجلسَ علی بابِ المسجدِ فراہ رسولُ الله ﷺ فقال:تعال!یاعبدَ اللهِ بن مسعود.[أبو داؤد]

ترجمہ:حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ(ایک مرتبہ)جب نبی پاک ﷺ جمعہ کے روز منبر پر جلوہ آفروز ہوئے تو فرمایا:''بیٹھ جاؤ''۔یہ ارشاد حضرت ابن مسعودؓ نے سن لیا(جو آتے ہوئے مسجد کے دروازے تک پہنچ گئے تھے)تو وہ مسجد کے دروازے کے پاس ہی بیٹھ گئے آپ ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:اے عبداللہ بن مسعود!آجاؤ۔(ابوداؤد)

جس کو جمعہ کی ایک رکعت ملی اُس کو جمعہ مل گیا:

۱۳۳۴۔ وعن أبی ھریرۃؓ قال: قال رسولُ اللہ ﷺ: مَنْ أدرکَ مِن الجُمُعَۃِ رکعۃً فلیَصِلْ إلیھا أُخریٰ ومَن فاتتہ الرکعتان فلیُصلِّ أربعًا[أو قال: الظھرَ]۔[دار قطنی]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی ایک رکعت پالے تو اُس کے ساتھ ایک دوسری رکعت ملا لے اور جس سے دونوں رکعتیں رہ جائیں تو وہ چار رکعت پڑھے یا فرمایا کہ ظہر پڑھ لے۔(دار قطنی)

(بابُ صَلوٰۃِ الخَوفِ)

{کفار کے خوف اور دشمن کے مقابل ہونے کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اُسے ''صلاۃ الخوف'' کہا جاتا ہے یہاں اس کا بیان ہے}

''الفصل الاوّل''

صلاۃ الخوف کے مختلف طریقے:

۱۳۳۵۔عن سالم بن عبد اللہ بن عمر عن أبیہ قال: غزوتُ مع رسول اللہ ﷺ قِبَل نجدٍ فوازَینا العدوَّ فصافَفنا لھم فقامَ رسولُ اللہ ﷺ یُصلّی لنافقامتُ طائفۃٌ معَہ واقبلتْ طائفۃٌ علی العدوِّ ورکعَ رسولُ اللہ ﷺ بمن معَہ وسجدَ سجدتین ،ثمّ انصرفوا مکان الطائفۃِ الّتی لم تُصلِّ فجاءُ وافرکعَ رسولُ اللہ ﷺ بھم رکعۃً وسجدَ سجدتین ثمّ سلّمَ فقامَ کلُّ واحدٍ منھم فرکعَ لنفسِہ رکعۃً وسجدَ سجدتین.وروٰی نافعٌ نحوَہ وزادَ :فإن کان خوفٌ ھو أشدُّ مِن ذلك صلّوارجالاً قیاماً علیٰ أقدامِھم أورُکباناً مستقبلی القبلۃِ أوغیرَ مُستقبلیھا؛قال نافع: لاأُریٰ ابن عمر ذکَرَ ذلك الاّ عن رسولِ اللہ ﷺ .[بخاری]

ترجمہ: حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نجد کی جانب جہاد میں گیا، چنانچہ ہمارا دشمن سے آمنا سامنا ہو گیا اور ہم نے اُن کے (مقابل ہونے کے) لیے صفیں باندھ لیں، رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو ایک جماعت آپ ﷺ کے ہمراہ (نماز پڑھنے کے لیے) کھڑی ہوئی اور دوسری جماعت دشمن کی جانب متوجہ رہی اور رسول اللہ ﷺ نے اُن کے ساتھ جو آپ ﷺ کے ہمراہ کھڑے تھے رکوع کیا اور دو سجدے کیے پھر یہ جماعت اُس جماعت کی جگہ پر چلی گئی جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی اور وہ (نماز پڑھنے) آ گئی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے ہمراہ (بھی) ایک رکوع کیا اور دو سجدے کیے، پھر سلام پھیرا اور دونوں جماعتوں میں سے ہر شخص نے ایک رکوع اور دو سجدے کیے۔ اور نافع نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو (کہ مذکورہ طریقہ پر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو) تو نماز پڑھو پیادہ اپنے قدموں پر کھڑے کھڑے یا سوار ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے یا قبلہ کی طرف منہ کیے بغیر (اگر قبلہ رو ہونا متعذر رہو)۔ نافعؒ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ ہی سے نقل کیے ہوں گے۔(بخاری)

تشریح: قولہ: فقامت طائفۃ معہ واقبلت طائفۃ علی العدو ورکع رسول اللہ ﷺ بمن معہ وسجد سجدتین ثم انصرفوا مکان الطائفۃ۔۔۔۔۔: اس حدیث میں صلاۃ الخوف کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو دو جماعتوں میں تقسیم فرمایا، پہلی جماعت کو ایک رکعت پڑھائی تو وہ دشمن کے سامنے چلی گئی اور دوسری جماعت آپ ﷺ کے پیچھے آگئی، آپ ﷺ نے اس کو بھی ایک رکعت پڑھائی اور سلام پھیر دیا پھر دونوں جماعتوں نے باقی نماز پوری فرمائی۔ آپ ﷺ سے چار مقامات (ذی قرد، عسفان، نجد اور طائف) میں چوبیس مرتبہ صلاۃ الخوف پڑھنا ثابت ہے۔ احادیث میں صلاۃ الخوف کے "سولہ طریقے" مروی ہیں جن میں سے ایک طریقہ بالاتفاق ناجائز ہے جو صلاۃ المسافر کے تحت حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے: "وفی الخوف رکعۃ"۔ ترجمہ: "خوف کے وقت ایک رکعت پڑھی جائے۔" اس پر کسی کا بھی عمل نہیں اور ایک طریقہ مختلف فیہ ہے جس میں "اقتداء المفترض خلف المتنفل" لازم آتا ہے وہ اس طرح کہ امام طائفہ اولیٰ کو نماز پڑھانے سے فارغ ہوکر طائفہ ثانیہ کو نماز پڑھائے، اس صورت میں امام کی نماز نفل ہوگی۔ یہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے، جبکہ جمہور فقہاء اس کے قائل نہیں۔ ان دو طریقوں کے علاوہ باقی سب طریقے جائز اور معمول بہا ہیں صرف افضل اور غیر افضل کا اختلاف ہے۔

صلاۃ الخوف کا افضل طریقہ کون سا ہے؟:

ائمہ حنفیہؒ کے ہاں افضل یہ ہے کہ امام لشکر کو دو طائفوں میں تقسیم کرلے، پھر پہلے طائفہ کو ایک رکعت پڑھادے اور پھر یہ طائفہ دشمن کے سامنے چلا جائے اور دوسرا طائفہ آکر امام کی اقتداء میں ایک رکعت پڑھ لے، امام سلام پھیر لے، اس کے بعد پہلا والا طائفہ اپنی نماز لاحق کی طرح پوری کردے، چاہے اپنی جگہ پر پڑھے یا جماعت کی جگہ آکر۔ دوسرا طائفہ باقی نماز مسبوق کی طرح پوری کرلے۔ مذکورہ حدیثِ ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں یہی طریقہ مذکور ہے۔ اس طریقہ کی افضلیت کی کئی وجوہ ہیں:

(۱) یہ طریقہ ظاہر قرآن کے زیادہ موافق ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فإذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ..." الخ۔ ترجمہ: "جب ایک طائفہ امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھ لے تو وہ تمہارے پیچھے (دشمن کے سامنے) چلا جائے"۔

(۲) مذکورہ حدیثِ ابن عمرؓ صحاح ستہ میں موجود ہے۔

(۳) یہ طریقہ اصولِ امامت کے زیادہ موافق ہے، کیونکہ اس میں امام بدستور متبوع ہی رہتا ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہ کے طریقہ کے مطابق امام کو مقتدیوں کا انتظار کرنا پڑتا ہے، گویا امام تابع بن جاتا ہے اور طائفہ اولیٰ امام سے پہلے نماز سے فارغ ہوجاتا ہے یعنی امام پر سبقت کرلیتا ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ امام طائفہ اولیٰ کو ایک رکعت پڑھا کر انتظار کرے اور یہ طائفہ اپنی نماز لاحق کی طرح پوری کرکے دشمن کے سامنے چلا جائے، پھر طائفہ ثانیہ آکر امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھ لے، امام ان کو ایک رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے اور یہ طائفہ ثانیہ مسبوق کی طرح اپنی نماز پوری کرلے۔ یہ طریقہ مذکورہ حدیث کے متصل روایت میں مذکور ہے: "عن یزید بن رومان عن صالح بن خوات عمن صلیٰ (یعنی سھل بن ابی حثمۃؓ) مع رسول اللہ ﷺ یوم ذات الرقاع صلوٰۃ الخوف ...." (متفق علیہ)۔ یہ روایت بخاری میں ایک دوسرے طریق: "عن القاسم عن صالح بن خوات عن سھل بن أبی حثمۃؓ عن النبی ﷺ" سے

بھی مروی ہے۔

امام احمدؒ نے یزید بن رومانؒ کے طریق سے مروی روایت کو اختیار کیا ہے، اس میں اس کا ذکر ہے کہ امام طائفہ ثانیہ کے دوسری رکعت سے فارغ ہونے کا انتظار کرے گا اور پھر ان کے ساتھ سلام پھیرے گا۔

جبکہ امام مالکؒ نے قاسم عن صالح بن حواتؒ کے طریق سے مروی روایت کو ترجیح دی ہے، اس میں یہ بات مذکور نہیں کہ امام سلام پھیرنے کے لیے طائفہ ثانیہ کا انتظار کرے گا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر دشمن قبلہ کی جانب میں نہ ہو تو یزید بن رومانؒ کی روایت میں مروی طریقہ راجح ہے اور اگر دشمن قبلہ کی جانب ہو تو حضرت جابرؓ کی حدیث میں مروی طریقہ پر عمل کرنا راجح ہوگا، یہ حدیث اسی فصل کے اخیر میں مذکور ہے: ''حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع میں ہم نے نبی پاک ﷺ کی اقتداء میں دو صفیں بنائیں، دشمن قبلہ کی جانب تھا، ہم سب نے نبی پاک ﷺ کے ساتھ تکبیر کہی، ایک ساتھ رکوع کیا، ایک ساتھ رکوع سے سر اٹھایا، پھر آپ ﷺ اور متصل پیچھے کھڑی صف سجدے میں گئے جب کہ دوسری صف والے سجدے میں نہیں گئے، پھر جب آپ ﷺ اور پہلی صف والوں نے سجدہ سے سر اٹھایا تو دوسری صف والوں نے سجدہ کیا، پھر یہ دوسری صف آگے آگئی اور اگلی صف پیچھے چلی گئی، پھر حضور ﷺ نے دوسری رکعت کا رکوع فرمایا اور ہم سب نے رکوع کیا پھر آپ اور آپ کے متصل کھڑی صف کے لوگ سجدہ میں گئے اور پچھلی صف کھڑی رہی جب یہ سجدہ سے اٹھے تو پچھلی صف سجدہ میں گئی اور اپنی رکعت پوری کی پھر آپ ﷺ نے سلام پھیرا اور ہم سب نے بھی سلام پھیرا''۔ (مسلم)۔

بعض حضرات کا صلاۃ الخوف کو عہدِ نبوت کے ساتھ خاص قرار دینا:

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض حضرات مثلاً حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ اور شوافع میں سے امام مزنیؒ کا کہنا یہ ہے کہ صلاۃ الخوف کی مشروعیت آپ ﷺ کے ساتھ خاص تھی۔ یہ حضرات اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ''وإذا کنتَ فیھم فأقمتَ لھم الصلوٰۃ...'' (ترجمہ) اے نبی! جب آپ اِن میں موجود ہو اور آپ انہیں نماز پڑھانا چاہے...الخ'' اس میں خطاب خاص آپ ﷺ کو ہے۔

جبکہ جمہور فقہاء جو آپ ﷺ کے بعد بھی صلاۃ الخوف کی مشروعیت کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی متعدد صحابہ مثلاً: حضرت علیؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، حذیفہؓ اور عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے مختلف مقامات پر صلاۃ الخوف پڑھنا منقول ہے۔ ان حضرات کی جانب سے مذکورہ آیت کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس میں وإذا کنتَ فیھم ...'' کی قید اتفاقی ہے جیسا کہ سفر میں قصر کے متعلق آیت میں ''إن خِفتُم...'' (اگر تمہیں خوف ہو...) کی قید اتفاقی ہے۔ (مرآۃ ،لمعات)

صلوٰۃ الخوف مختلف مواقع پر پڑھی گئی:

۱۳۳۶۔وعن یزید بن رومان عن صالح بن خوّاتؓ عمّن صلّی مع رسول اللہ ﷺ یومَ ذاتِ الرقاعِ صلوٰۃَ الخوفِ أنّ طائفۃً صفّتْ معہ وطائفۃٌ وِجاہَ العدوِّ فصلّی بالّتی معہ رکعۃً ثمّ ثبتَ قائمًا وأتمّوا لأنفسِھم ثمّ انصرفوا فصفّوا وِجاہَ العدوِّ وجاءتِ الطائفۃُ الأُخریٰ فصلّی بھم الرکعۃَ الّتی بقِیتْ مِن صلوٰتِہ،ثمّ ثبتَ جالسًا وأتمّوا لأنفسِھم ثمّ سلّم بھم .

[متفق علیه]وأخرج البخاريُّ بطريقٍ اٰخر عن صالح بن خوّات عن سهل بن أبي حثمة عن النبي ﷺ .

ترجمہ: یزید بن رومان، صالح بن خوات سے وہ اُن صحابیؓ سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر صلوۃ الخوف پڑھی کہ ایک جماعت نے آپ کے ہمراہ صف باندھ لی اور ایک جماعت، دشمن کے سامنے چلی گئی چنانچہ آپ ﷺ نے اُس جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھی جو آپ کے ہمراہ تھی پھر آپ کھڑے رہے اور انہوں نے اپنی اپنی نماز پوری کر لی پھر وہ چلے گئے اور دشمن کے سامنے صف باندھ لی اور وہ دوسری جماعت آ گئی چنانچہ نبی پاک ﷺ نے اُن کے ساتھ وہ ایک رکعت پڑھی جو آپ کی نماز میں سے باقی رہ گئی تھی پھر آپ بیٹھے رہے اور انہوں (مقتدیوں) نے اپنی نمازیں پوری کیں پھر آپ نے اُن کے ساتھ سلام پھیرا۔ (متفق علیہ) نیز امام بخاریؒ نے ایک دوسری سند سے اس کو بیان کیا ہے جو یہ ہے "عن القاسم عن صالح بن خوات عن سهل بن أبي حثمةؓ عن النبي ﷺ".

۱۳۳۷۔عن جابرؓ قال: أقبلنا مع رسول الله ﷺ حتىٰ إذا كنّا بذاتِ الرقاع قال: كنّا إذا أتيناعلىٰ شجرةٍ ظليلةٍ تركناها لرسولِ الله ﷺ ،قال:فجاءَ رجلٌ من المشركين وسيفُ رسولِ الله ﷺ مُعلّقٌ بشجرةٍ فأخذَ سيفَ نبيِّ الله ﷺ فاخترطَه فقال لرسولِ الله ﷺ: أتخافُني؟قال: لا،قال فمن يمنعُكَ منّي؟قال: اللهُ يمنعني منك ،قال: فتهدّدَه أصحابُ رسولِ الله ﷺ فغمّدَ السيفَ وعلّقَه ،قال: فنُودِيَ بالصلوٰةِ فصلّى بطائفةٍ ركعتين ثمّ تأخّروا وصلّى بالطائفةِ الأُخرىٰ ركعتين فكانت لرسولِ الله ﷺ أربعَ ركعاتٍ وللقومِ ركعتان.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ہمراہ (جہاد کے لیے) روانہ ہوئے یہاں تک کہ ذات الرقاع (ایک جگہ) پہنچے۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم جب کسی سایہ دار درخت کے پاس آتے تو اسے آنحضرت ﷺ کے (آرام کے) لیے چھوڑ دیتے۔ آپؓ کہتے ہیں کہ (اس حال میں کہ آپ ﷺ ایک درخت کے سایہ میں آرام فرما تھے) ایک مشرک شخص آیا جبکہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار ایک درخت کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی، اُس نے اللہ کے نبی ﷺ کی تلوار اٹھائی (نیام سے) کھینچی اور رسول اللہ ﷺ سے (مخاطب ہو کر) کہنے لگا کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں (پھر) اُس نے کہا کہ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ مجھے تجھ سے بچائے گا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے اُسے ڈرایا چنانچہ اُس نے تلوار نیام میں ڈالی اور اُس کو لٹکا دیا۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ پھر نماز کے لیے اذان کہی گئی چنانچہ آپ ﷺ نے (پہلے) ایک گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی پھر وہ گروہ پیچھے چلا گیا اور دوسرے گروہ کو بھی دو رکعت نماز پڑھائی، جابرؓ کہتے ہیں کہ (اس طرح) رسول اللہ ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور لوگوں کی دو دو رکعتیں ہوئیں۔ (متفق علیہ)

۱۳۳۸۔ وعنه قال: صلّى بنا رسولُ الله صلوٰةَ الخوفِ فصففْنا خلفَه صفّين والعدوُّ بينَناوبينَ القبلةِ فكبّرالنبيُّ ﷺ وكبّرنا جميعاً ثمّ ركعَ وركعنا جميعاً ثمّ رفعَ رأسَه مِن السجودِ ورفعنا جميعًا ثمّ انحدرَ بالسجودِ والصفُّ الذي يليه وقامَ الصفُّ المؤخرُ في نحرِ العدوِّ فلمّاقضىَ النبيُّ ﷺ السجودَ وقامَ الصفُّ الذي يليه انحدرَ الصفُّ المؤخّرُ بالسجودِ ثمّ قاموا ثمّ تقدّمَ الصفُّ المؤخّرُ وتأخرَ المقدمُ ثمّ ركعَ النبيُّ ﷺ وركعنا جميعاًثمّ رفع رأسَه من الركوعِ ورفعنا جميعًاثمّ انحدرَ بالسجودِ والصفُّ الذي يليه الّذي كان مؤخرًافي الركعةِ الأُولىٰ وقامَ الصفُّ المؤخّرُ في نحرِ العدوِّ فلمّا قضى

النبی ﷺ السجودَ والصفُّ الذی یلیه انحدرالصفُّ المؤخّرُ بالسجودِ فسجدُوا ثمّ سلّمَ النبیُّ ﷺ وسلّمْناجمیعا.[مسلم]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صلوٰۃ الخوف پڑھائی چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے دو صفیں باندھ لیں اور دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان تھا نبی پاک ﷺ نے تکبیر کہی اور ہم سب نے تکبیر کہی پھر رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا پھر رسول اللہ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا اور ہم سب نے سر اٹھایا پھر آپ سجدہ میں چلے گئے اور وہ صف بھی جو آپ ﷺ سے قریب کھڑی تھی اور پچھلی صف دشمن کے سامنے کھڑی رہی، پس جب نبی پاک ﷺ سجدہ سے فارغ ہو چکے اور وہ صف بھی (سجدہ سے) اٹھ کھڑی ہوئی جو آپ کے قریب تھی تو پچھلی صف سجدے میں چلی گئی پھر وہ (سجدے سے) کھڑے ہوئے پھر پچھلی صف آگے آ گئی اور اگلی صف پیچھے آ گئی پھر نبی پاک ﷺ نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع کیا پھر آپ سجدہ میں چلے گئے اور جو صف آپ کے قریب تھی جو کہ پہلی رکعت میں پیچھے تھی وہ بھی سجدہ میں گئی اور پچھلی صف دشمن کے مدِ مقابل کھڑی رہی، پھر جب نبی پاک ﷺ سجدہ کر چکے اور وہ صف بھی جو آپ ﷺ کے قریب تھی تو پچھلی صف سجدے میں چلی گئی اور انہوں نے سجدہ کیا پھر نبی پاک ﷺ نے سلام پھیرا اور ہم سب نے سلام پھیرا۔ (مسلم)

''الفصل الثانی''

۱۳۳۹۔عن جابرٍ أنّ النبیَّ ﷺ کان یُصلّی بالنّاسِ صلوٰۃَ الظهرِ فی الخَوفِ ببطنِ نخلٍ فصلّی بطائفةٍ رکعتین ثمّ سلّمَ ثمّ جاءَ طائفةٌ أُخریٰ فصلّی بهم رکعتین ثمّ سلّمَ.[شرح السنّة]

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے بطنِ نخل (ایک جگہ) میں لوگوں کو ظہر کی نماز خوف کی حالت میں پڑھائی، چنانچہ ایک جماعت کو دو رکعت پڑھائیں، پھر سلام پھیرا، پھر دوسری جماعت آئی، اُس کو بھی آپ ﷺ نے دو رکعت پڑھائیں، پھر سلام پھیر دیا۔

''الفصل الثالث''

۱۳۴۰۔عن أبی هریرةؓ أنّ رسولَ اللهِ ﷺ نزلَ بینَ ضَجْنانَ وعُسفانَ فقال المشرکون:لهؤلاءِ صلوٰةٌ هی أحبُّ الیهم مِن اٰباءِ هم وأبناءِ هم وهی العصرُ فأجمِعُوا أمرَکم فتمِیلوا علیهم میلةً واحدةً ؛وأنّ جبریلَ أتَی النبیَّ ﷺ فأمرَه أن یقسِمم أصحابَه شَطرین فیُصلّی بهم وتقومُ طائفةٌ أُخرٰی ورائَهم ولْیأخُذُوا حِذْرَهم وأسلِحَتَهم فتکونُ لهم رکعةٌ ولرسولِ اللهِ ﷺ رکعتان.[ترمذی،نسائی]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ضجنان اور عُسفان کے درمیان پڑاؤ ڈالا، مشرکین (آپس میں) کہنے لگے کہ ان لوگوں (مسلمانوں) کی ایک نماز ہے جو ان کو اِن کے والدین اور اپنی اولادوں سے بھی زیادہ عزیز ہے اور وہ عصر کی نماز ہے، لہٰذا اپنے معاملہ (جنگ) کا قصد کرو اور ان پر یکبارگی حملہ کر دو اور جبرئیلؑ نبی پاک ﷺ کے پاس تشریف لائے اور آپ سے کہا کہ اپنے ساتھیوں کو دو حصوں میں تقسیم کریں اور اُن کو (ایک گروہ کو) نماز پڑھائیں اور ایک گروہ اُن کے (دشمن کے مدمقابل) پیچھے کھڑا ہو اور چاہیے کہ اپنے بچاؤ کا سامان اور اسلحہ لے لے، چنانچہ اِن لوگوں کی تو (امام کے ساتھ) ایک ایک رکعت ہوئی اور آپ ﷺ کی دو رکعت ہوئی۔

(بَابُ صَلاۃِ العِیْدَیْنِ)

صلوۃِ عیدین واجب ہے یا سنت؟:

صلاۃ العیدین کے حکم کے بارے میں اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عیدین کی نماز واجب ہے۔امام مالکؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک صلاۃِ عیدین سنتِ مؤکدہ ہے۔امام احمدؒ کے نزدیک صلاۃِ عیدین فرضِ کفایہ ہے۔

حضرات حنفیہؒ کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) آیت ''ولتکبّروا الله علیٰ ما ھداکم '' اس میں ''لِتکبّروا الله '' صیغہ امر ہے جو مفید للوجوب ہے اور اس سے مراد عید کی نماز پڑھنا ہے۔ایسے ہی آیت ''فصلّ لربّك وانحر'' میں بھی بصیغۂ امر [فصلّ لربّك] صلاۃِ عیدین پڑھنے کا حکم ہے۔

(۲) آپ ﷺ کا صلاۃِ عیدین پر بلا ترک مواظبت فرمانا جو تواتر سے ثابت ہے، بھی وجوب کی دلیل ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا استدلال ضمام بن ثعلبہؓ کی روایت سے ہے جو ''حدیثِ اعرابی'' سے مشہور ہے، اس میں ارشاد ہے ''لا إلاّ أن تطوّعَ ''یعنی فرائضِ خمسہ کے علاوہ باقی سب نمازیں تطوع ہیں، لہٰذا عید کی نماز بھی تطوع ہوگی یعنی واجب نہ ہوگی۔

حضرات حنفیہ کی جانب سے اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

(۱) اس حدیث میں فریضۂ یومیہ کا بیان ہے جبکہ صلاۃِ عید تو سال کے سال پڑھی جاتی ہے۔

(۲) حدیثِ اعرابی کا واقعہ پیش آنے تک عیدین کی نماز واجب نہ ہوئی تھی۔

(۳) اس حدیث میں اعرابی کا ذکر ہے جو دیہات کا رہنے والا تھا اور دیہات والوں پر تو عید کی نماز واجب نہیں ہوتی۔

(۴) اس حدیث میں صلاۃِ خمسہ کی فرضیت کا بیان ہے اور ہم عیدین کی نماز کے وجوب کے قائل ہیں نہ کہ فرضیت کے۔(مرآۃ،نفحات)

''الفصل الاوّل''

عید کے دن سب سے پہلا اہم کام:

۱۳۴۱۔عن أبی سعید الخدریؓ قال: کان النبیّ ﷺ یخرُجُ یومَ الفطرِ والأضحٰی إلی المُصَلّٰی فأوّلُ شئٍ یبدأُ به الصلوٰۃُ ثمّ ینصرفُ فیقومُ مُقابلَ النّاسِ والنّاسُ جلوسٌ علیٰ صُفوفِھم فیعظُھم ویوصیھم ویأمرُھم وإنْ کان یُریدُ أن یقطعَ بَعثاً قطعَه أو یأمرُ بشئٍ أمرَ به ثمّ ینصرفُ.[متفق علیه]

ترجمہ:ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ عید الفطر اور عید الاضحٰی کے دن عیدگاہ کی طرف تشریف لے جاتے، چنانچہ سب سے پہلا کام جو آپ کرتے وہ نماز ہوتی، پھر(نماز سے) فارغ ہوکر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوجاتے اور لوگ صفوں میں بیٹھے ہوتے، پھر آپ اُن کو نصیحت کرتے اور(معروف کا) حکم کرتے اور اگر کوئی لشکر بھیجنا چاہتے تو بھیجتے یا کسی بات کا حکم کرنا ہوتا تو اُس کا حکم فرماتے پھر واپس آتے۔

صلاۃِ عیدین میں نہ اذان ہے اور نہ اقامت:

۱۳۴۲۔وعن جابر بن سمُرةؓ قال: صلّيتُ مع رسولِ اللهِ ﷺ العيدينِ غيرَ مرّةٍ و لا مرّتين بغيرِ أذان و لا إقامةٍ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت جابر بن سمُرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ عیدین کی نماز بغیر اذان واقامت کے پڑھی نہ ایک مرتبہ اور نہ دو مرتبہ (بلکہ بہت زیادہ مرتبہ)۔(مسلم)

نمازِ عید خطبہ سے پہلے پڑھی جائے گی:

۱۳۴۳۔وعن ابن عمرؓ قال: كان رسولُ اللهِ ﷺ وأبوبكرٍ وعمرُ يُصلُّونَ العيدينِ قبلَ الخُطبةِ.[متفق عليه] وَسُئِلَ ابنُ عباسٍؓ أَشَهِدتَّ مع رسول اللهِ ﷺ العيدَ؟ قال: نعم! خرجَ رسولُ اللهِ ﷺ فصلّى ثمّ خطب[ولم يذكر اذاناً ولا اِقامة]ثمّ أتى النساءَ فوعظَهنّ وذكّرهنّ وأمرَهنّ بالصدقةِ فرأيتُهنّ يُهوِينَ الىٰ اذانِهنّ وحُلوقِهنّ يدفعنَ الىٰ بلال،ثمّ ارتفعَ هو وبلال الىٰ بيتِهٖ.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ اور عمرؓ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے۔(متفق علیہ) اور حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ عید کی نماز میں شریک ہوئے؟ آپؓ نے جواب دیا کہ ہاں! رسول اللہ ﷺ (عیدگاہ) تشریف لے گئے اور نماز پڑھی پھر خطبہ دیا۔[حضرت ابن عباسؓ نے اذان اور اقامت کا ذکر نہیں کیا] پھر عورتوں (کی جماعت) کے پاس آئے اور اُن کو نصیحت کی اور (دین کے احکام) یاد دلائے اور اُن کو صدقہ کرنے کا حکم کیا، چنانچہ میں نے اُن کو دیکھا کہ اپنے کانوں اور گلوں کی طرف ہاتھ بڑھاتیں اور (زیورات اُتار اُتار کر) بلالؓ کو دیتیں پھر آپ ﷺ اور بلالؓ تشریف لے گئے۔(متفق علیہ)

نمازِ عید سے پہلے یا اس کے بعد نفل پڑھنے کا مسئلہ:

۱۳۴۴۔وعن ابن عباسؓ أنّ النبيّ ﷺ صلّىٰ يوم الفطرِ ركعتين لم يُصلِّ قبلَهما و لا بعدَ هما.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے عید الفطر کے دن دو رکعت (عید کی) نماز پڑھی نہ اُس سے پہلے (نفل) نماز پڑھی اور نہ اُس کے بعد۔(متفق علیہ)

تشریح: یہاں صلاۃِ عید سے قبل اور بعد نفل پڑھنے کے متعلق گفتگو ہوئی ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک عیدگاہ میں نوافل پڑھنا خواہ صلاۃ عید سے پہلے ہو یا بعد، مکروہ ہے۔ان حضرات کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے، البتہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نمازِ عید کے بعد گھر آ کر نفل پڑھے جاسکتے ہیں۔دلیل یہ حدیث ہے: "عن أبي سعيد الخدريؓ قال: كان رسول الله ﷺ لا يُصلّي قبل العيدِ شيئاً فإذا رجعَ إلىٰ منزله صلّىٰ ركعتين"۔(ابن ماجہ) ترجمہ: حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نمازِ عید سے پہلے نفل نہ پڑھتے تھے البتہ عید سے واپس گھر آنے پر دو رکعت نفل پڑھتے"۔

جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نمازِ عید سے پہلے اور بعد نوافل کی کراہت خاص ہے عید کی نماز پڑھانے والے امام کے ساتھ، باقی لوگوں کو نفل پڑھنے کی مطلقاً اجازت ہے خواہ نمازِ عید سے پہلے پڑھیں یا بعد میں، گھر پر ہو یا عیدگاہ میں۔آپؒ کا استدلال بعض صحابہ اور بعض تابعین کے عمل سے ہے۔

امام شافعیؒ کو جمہور حضرات کی جانب سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ جمہور صحابہ وتابعین کے عمل سے أیمہ ثلاثہؒ کی تائید ہوتی ہے، نیز ائمہ ثلاثہ کا استدلال اس مسئلہ میں مرفوع احادیث سے ہے جن کے ہوتے ہوئے آثار موقوفہ سے استدلال کرنا درست نہیں، باقی امام شافعیؒ کا نمازِ عید سے پہلے اور بعد نوافل کی کراہت کو امام کے ساتھ خاص کرنا اختصاص بلا دلیل ہے۔ (فحات)

نمازِ عید میں عورتوں کی شرکت:

۱۳۴۵۔وعن أمّ عطيّةؓ قالت: أُمِرنا أن نُخرِجَ الحُيَّضَ يومَ العيدين وذواتِ الخُدورِ فيَشهَدْنَ جماعةَ المسلمين ودعوتَهم وتعتزِلُ الحُيّضُ عن مُصلّاهنّ ،قالت امرأةٌ :يارسولَ الله إحدانا ليسَ لها جِلبابٌ ؟قال:لِتُلبِسْها صاحبتُها مِن جِلبابِها.

ترجمہ: حضرت امّ عطیہؓ کہتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم عیدین کے دن (نمازِ عید کے لیے) حیض والی عورتوں کو اور پردہ نشین عورتوں کو (گھروں سے عید گاہ کی طرف) نکالیں تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور دعا میں شریک ہوں اور (یہ حکم بھی دیا جاتا کہ) حیض والی عورتیں نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ کھڑیں ہوں۔ایک عورت نے عرض کی یارسول اللہ! ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہیں ہوتی (تو وہ کیا کرے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: چاہیے کہ اُس کی ساتھ والی عورت اُس کو اپنی چادر کا کچھ حصہ اوڑھادے۔(متفق علیہ)

خوشی کے موقعوں پر دُف بجانا:

۱۳۴۶۔وعن عائشةؓ قالت: أنّ أبابكرٍ دخلَ عليها وعندَها جاريتان في أيّامِ مِنىً تُدفِّفانِ وتضربانِ[وفي روايةٍ: تُغَنّيانِ] بماتقاولتِ الأنصارُ يومَ بُعاث والنبيُّ ﷺ مُتَغشٍّ بثوبِه فانتهرَهماأبوبكرٍ فكشفَ النبيُّ ﷺ عن وجهِه فقال:دَعْهمايا أبابكرٍ فإنّها أيّامُ عيدٍ .وفي روايةٍ:ياأبابكر!إنّ لكلّ قومٍ عيداًوهذاعيدُنا.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ منیٰ کے ایام میں (بقرعید کے دنوں میں) اُن کے پاس تشریف لائے جبکہ دو بچیاں آپؓ کے ہاں دُف بجارہی تھیں۔ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ بچیاں اُن اشعار کے گیت گارہی تھی جو انصار نے جنگِ بُعاث کے متعلق کہے تھے اور نبی پاک ﷺ کپڑے سے اپنے (منہ مبارک) کو ڈھانپے ہوئے تھے،حضرت ابوبکرؓ نے اُن بچیوں کو ڈانٹ پلائی (جسے سن کر) نبی پاک ﷺ نے اپنے روئے اقدس سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا کہ ابوبکر! انہیں چھوڑ دو (گیت گانے دو) کیونکہ یہ عید (یعنی خوشی) کا دن ہے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ (فرمایا) اے ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔(متفق علیہ)

تشریح:قولها: تُدفِّفانِ وتضربانِ وفي روايةٍ تُغنّيانِ بما تقاولت الأنصارُ يومَ بُعاث ...:۔[تضربان ،تُدفِّفان] کی تاکید کے لیے ہے جبکہ بعض علماء نے اس کے معنیٰ یہ بیان کیے ہیں کہ وہ بچیاں اچھلتی کودتی تھیں۔بعض کورفہم لوگوں نے اس حدیث سے گانے بجانے کے جواز پر استدلال کیا ہے جو کسی طرح درست نہیں،کیونکہ اس حدیث میں دو چھوٹی بچیوں کا دُف بجانا،اچھلنا کودنا اور شجاعت اور بہادری کے اشعار گانا مذکور ہے جسے کسی طرح بھی گانے بجانے سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا،کیونکہ خوشی کے مواقع پر دُف بجانا بشرطیکہ وہ جھانجدار نہ ہو مباح ہے اسی طرح ایسے اشعار گنگنانا جو فواحش اور حُسن وعشق کے مضامین سے خالی ہوں،مباح ہے۔جبکہ قرآن وحدیث کی صریح نصوص گانے بجانے کی حرمت پر دال ہیں،جس کے ہوتے ہوئے اس حدیث سے گانے بجانے کی حلت پر استدلال کرنا نری حماقت ہے۔

قولها: فانتهرهما أبو بكرؓ ...: حضرت ابوبکرؓ کا اُن بچیوں کو ڈانٹنا اس بنا پر تھا کہ آپؓ نے دُف بجانے کو جائز نہ سمجھا، جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے کہ انہوں نے اُن بچیوں سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے قریب مزمارِ شیطان (شیطانی باجا) بجاتی ہوں؟ اور حضور ﷺ کے متعلق انہوں نے یہ خیال کیا کہ آپ سو رہے ہیں اسی وجہ سے نکیر نہیں فرما رہے ہیں، باقی آپ ﷺ کا حضرت ابوبکرؓ سے فہمائش کرنا کہ انہیں چھوڑ دو اس بنا پر تھا کہ یہ چیز خوشی کے موقعوں پر مباح ہے اور آج عید کا دن ہے جو مسلمانوں کی خوشی کا دن ہوتا ہے۔

فائدہ: بعض علماء کے ہاں "دُف بجانا" مطلقاً حرام ہے۔ جواز کے قائلین نے صرف جھانجدار دُف کو مکروہ لکھا ہے۔ (مظاہر حق)

عیدگاہ جانے سے قبل کھجوریں کھانا:

۱۳۴۷۔وعن أنسؓ قال: كان رسولُ اللهِ ﷺ لا يغدُو يومَ الفطرِ حتّى يأكلَ تمراتٍ ويأكلُهنّ وِتراً. [بخاری]

ترجمہ: انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن (عیدگاہ کو) نہ جاتے یہاں تک کہ کھجوریں کھا لیتے اور کھجوریں طاق عدد میں کھاتے۔

عیدگاہ ایک راستہ سے جانا اور دوسرے سے واپس آنا:

۱۳۴۸۔وعن جابرؓ قال: كانَ النبيُّ ﷺ إذا كانَ يومُ عيدٍ، خالفَ الطريقَ. [بخاری]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ عید کے دن راستہ بدلتے۔ (بخاری)

تشریح: جس راستہ سے عیدگاہ جاتے واپسی میں اُس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتے تا کہ دونوں راستے عبادت کی گواہی دیں۔

قبل از وقت ذبح کی گئی قربانی کا حکم:

۱۳۴۹۔عن البراءؓ قال: خطبَنا النبيُّ ﷺ يومَ النحرِ فقالَ: إنّ أوّلَ ما نبدءُ به في يومِنا هذا أن نُصلّيَ ثمّ نرجعَ فننحرَ فمَن فعلَ ذلك فقدْ أصابَ ومَن ذبحَ قبلَ أن نُصلّيَ فإنّما هو شاةُ لحمٍ عجّلَه لأهلِه ليسَ مِن النُّسُكِ في شيءٍ. [متفق علیه]

ترجمہ: براءؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے قربانی کے دن ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ اس دن سب سے پہلا کام جو ہم کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں گے، پھر واپس آ کر قربانی کریں گے، سو جس نے ایسا کیا اُس نے ہماری سنت کو اختیار کیا اور جس نے جانور کو اس سے پہلے ذبح کیا قبل اس کے کہ ہم نماز پڑھیں تو وہ گوشت والی بکری ہے جسے اپنے گھر والوں کے لیے جلدی ذبح کر لیا ہے اِس کا قربانی میں سے کچھ حصہ نہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح: قوله: ومن ذبحَ قبلَ أن نصلّيَ إنّما هو شاةُ لحمٍ عجّله لأهله ليس من النُسُكِ في شيءٍ: اس حدیث میں صلاۃِ عید سے پہلے ذبح کیے جانے والے جانور کے متعلق یہ ارشاد ہے کہ یہ اب صرف گوشت کا جانور ہے اس سے قربانی اداء نہ ہوگی۔ یہاں اس حوالے سے گفتگو ہوئی ہے کہ قربانی کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قربانی کا وقت اہلِ شہر کے لیے عید کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے، جبکہ دیہات والوں کے لیے عید کے دن طلوعِ فجر کے بعد۔ آپؒ کا استدلال زیرِ بحث حدیث اور اس کے متصل بعد حدیثِ جندب بن عبداللہ بجلیؓ سے ہے۔ اور دیہات والے چونکہ نمازِ عید کے مکلّف ہی نہیں لہٰذا وہ طلوعِ صبح صادق کے بعد ذبح کر سکتے ہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک قربانی کا وقت امام کی قربانی کے بعد شروع ہوتا ہے۔ آپؒ کی دلیل یہ حدیث ہے: "عن أبي الزبير عن جابرؓ قال: صلّىٰ بنا رسول الله ﷺ يوم النحرِ بالمدينةِ فأمر النبي ﷺ من كان نحر قبلَه أن يُعيدَ بنحرِ آخرَ ولا ينحروا حتىٰ ينحر النبي ﷺ". (طحاوی) ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے اُن لوگوں کو قربانی کا اعادہ کرنے کا حکم دیا جنہوں نے آپ کی قربانی کے نحر ہونے سے پہلے اپنی قربانیوں کو ذبح کیا''۔

جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک عید کے دن جب طلوعِ آفتاب کے بعد اتنا وقت گزر جائے جس میں نمازِ عید اور خطبہ پڑھے جاسکتے ہوں تو قربانی کا وقت شروع ہو جائے گا۔ آپؒ کا استدلال کچھ یوں ہے کہ احادیث میں وارد صلاۃِ عید پڑھنے کو آپ وقتِ صلاۃِ عید پر محمول کرتے ہیں تاکہ جن لوگوں پر صلاۃِ عید واجب نہیں (یعنی دیہات والے) لیکن قربانی کے مخاطب ہیں اُن کی بھی رعایت ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے امام مالکؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حدیث براءؓ اور حدیثِ جُندبؓ اصح اور اثبت ہے اور یہ حدیث اس کے معارض ہے، لہذا اس حدیث میں تاویل کرنی پڑے گی اور کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نمازِ عید کے فوراً بعد قربانی کرتے پھر صحابہ قربانی کرتے، اس کو راوی (ابوالزبیر) نے صلاۃِ عید کا قائم مقام بنا کر روایت بالمعنیٰ ذکر کر دی۔

امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ احادیث کے ظاہر سے نفسِ صلاۃِ عید کا اعتبار معلوم ہوتا ہے نہ کہ وقتِ صلاۃِ عید کے اندازے کا۔ البتہ نحر بعد الصلاۃ کا یہ حکم اہلِ شہر کے لیے ہے جو صلاۃِ عید کے مکلّف ہیں اور دیہات والوں پر تو عید کی نماز ہے ہی نہیں لہذا ان کے واسطے حکم بھی یہ نہیں ہوگا۔ (نفحات)

١٣٥٠۔وعن جُندبِ بن عبدِالله البَجَلِيّ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن ذبحَ قبلَ الصلوٰةِ فليذبحْ مكانَها أُخرىٰ ومَن لم يذبحْ حتىٰ صلّينا فليذبحْ علىٰ اسمِ الله.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت جُندب بن عبداللہ بجلیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے نمازِ (عید) سے پہلے (جانور) ذبح کیا تو وہ اُس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور جو شخص ذبح نہ کرے یہاں تک کہ ہم نماز پڑھ لے تو وہ (نماز کے بعد) اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔ (متفق علیہ)

١٣٥١۔وعن البراءؓ قال: قال رسولُ الله ﷺ: مَن ذبح قبل الصلوٰةِ فإنّما يَذْبَحُ لنفسِه ومَن ذبحَ بعدَ الصلوٰةِ فقدْ تمّ نُسُكُه وأصابَ سنّةَ المسلمين.[متفق عليه]

ترجمہ: حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو نمازِ عید سے پہلے ذبح کرے تو وہ اپنے (کھانے کے) واسطے ذبح کرتا ہے اور جو نمازِ عید کے بعد ذبح کرے تو اُس کی قربانی پوری ہوگئی اور اُس نے مسلمانوں کا طریقہ اختیار کیا۔ (متفق علیہ)

عیدگاہ میں قربانی کرنا:

١٣٥٢۔وعن ابن عمرؓ قال: كان رسولُ الله ﷺ يذبَحُ وينحَرُ بالمُصلّى.[بخاری]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ عیدگاہ میں ذبح اور نحر فرمایا کرتے۔ (بخاری)

"الفصل الثانی"

اللہ کی طرف سے خوشی کے دو بہترین دن:

۱۳۵۳۔عن أنسؓ قال: قدِم النبیﷺ المدینۃولھمُ یومانِ یلعَبُونَ فیھما،فقال: ماھذانِ الیومانِ؟ قالوا:کُنّانَلعبُ فیھما فی الجاھلیّۃِ ،فقال رسولُ اللہﷺ:قدْ أبدَلکم اللہُ بھما خیراً مِنھمایومَ الأضحیٰ ویومَ الفطرِ.[أبوداؤد]

ترجمہ:حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی پاکﷺ مدینہ تشریف لائے اور اہلِ مدینہ کے دو دن تھے جن میں وہ کھیلتے کودتے ،تو آپﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ دو دن کیسے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم اِن دو دنوں میں کھیلا کرتے تھے (یعنی خوشیاں مناتے تھے) آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دو دنوں کے بدلے اس سے بہتر دو دن مقرر کردیے ہیں وہ دو دن عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر ہیں۔

عیدین میں نمازِ عید سے پہلے کچھ کھانے کی سنت:

۱۳۵۴۔عن بُریدۃؓ قال: کان النبیُّﷺ لایخرجُ یومَ الفطرِ حتیٰ یَطْعَمَ ولایطعمُ یومَ الأضحیٰ حتیٰ یُصلّیَ .

ترجمہ:حضرت بُریدۃؓ کہتے ہیں کہ نبی پاکﷺ عیدالفطر کے دن (باہر) نہ نکلتے یہاں تک کہ کچھ کھالیتے اور عیدالاضحیٰ کے دن کچھ نہ کھاتے یہاں تک کہ نماز پڑھ لیتے۔(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

تکبیراتِ عیدین کی تعداد کا مسئلہ:

۱۳۵۵۔عن کثیر بن عبداللہ عن أبیہ عن جدّہ أنّ النبیﷺ کبّر فی العیدین فی الأولیٰ سبعاً قبل القراءۃ وفی الآخرۃ خمساً قبل القراءۃ .[ترمذی ،ابن ماجۃ دارمی]

ترجمہ:حضرت کثیر بن عبداللہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاکﷺ نے عیدین کی نمازوں میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

تشریح: قولہ: کبّر فی العیدینِ فی الأولیٰ سبعاً قبلَ القراءۃِ.....۔اس حدیث میں تکبیراتِ عیدین کا ذکر ہے۔عیدین میں تکبیراتِ زوائد پر تو اتفاق ہے لیکن یہ زائد تکبیریں کتنی ہوں؟ اس میں اختلاف ہے جو اس بارے میں وارد احادیث اور اقوالِ صحابہ میں پائے جانے والے تعارض سے پیدا ہوتا ہے،البتہ یہ اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ ہونے میں ہے۔چنانچہ ائمہ ثلاثہؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت شروع کرنے سے پہلے کہی جائیں۔البتہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ پہلی رکعت میں تکبیرِ تحریمہ سمیت سات تکبیروں کے قائل ہیں جبکہ امام شافعیؒ تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ سات تکبیروں کے قائل ہیں۔ان حضرات کا استدلال مذکورہ روایت سے ہے،اس کے متصل جعفر بن محمد کی حدیث میں بھی یہی مضمون ہے،لیکن وہ مرسل ہے،نیز اس مضمون کی روایات حضرت عائشہؓ،ابو ہریرہؓ اور عمرو بن العاصؓ سے بھی مروی ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیراتِ عیدین چھ ہیں: تین پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قراءت کے بعد۔ دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) پہلی دلیل اسی فصل میں آگے مروی یہ حدیث ہے: "عن سعيد بن العاص قال: سألتُ أبا موسیٰ و حذيفةَ كيف كان رسول الله ﷺ يُكبّرُ في الأضحى والفطر، فقال أبو موسیٰ: كان يكبّرُ أربعاً تكبيره على الجنائز، فقال حذيفة: صدق". اس حدیث میں چار تکبیروں کا ذکر ہے پہلی رکعت میں چوتھی تکبیر سے مراد تحریمہ والی تکبیر ہے اور دوسری رکعت میں اس سے مراد رکوع والی تکبیر ہے۔

(۲) دوسری دلیل طحاوی میں مروی قاسم ابوعبدالرحمٰن کی حدیث ہے، جس میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے عید کے دن نمازِ عید میں چار چار تکبیریں کہیں اور نماز کے بعد فرمایا کہ جنازے کی تکبیرات جتنی تکبیریں ہیں بھولنا نہیں اور انگوٹھا بند کر کے ہاتھ کی چار انگلیوں سے اشارہ بھی فرمایا"۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں تکبیراتِ جنازہ کا اختلاف ختم کر کے اس کو تکبیراتِ عیدین کی مانند چار تکبیریں قرار دیا تو گویا اس پر صحابہ کا اجماع بھی منعقد ہو گیا۔ (طحاوی) نیز اس بارے میں مروی دیگر احادیث سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیرات قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے ہوا کرتے تھے، مثلاً: قول ابن مسعودؓ "يكبّرُ أربعًا ثمّ يقرأ ثمّ يُكبّر، فيركعُ فيقومُ في الثانيةِ فيقر أثمّ يُكبّرُ أربعًا بعد القرأةِ". (مسند عبدالرزاق) ترجمہ: "پہلی رکعت میں چار تکبیریں قرأت سے پہلے کہتے پھر رکوع کرتے پھر دوسری رکعت میں قراءت کے بعد تکبیریں کہتے اور اس کے بعد رکوع کرتے"۔

امام صاحبؒ کی جانب سے ائمہ ثلاثہ" کو زیرِ بحث حدیثِ باب کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس حدیث کا دار و مدار" کثیر بن عبد اللہ" پر ہے جو انتہائی ضعیف ہیں بلکہ امام شافعیؒ اور امام ابوداؤدؒ اس کو" ركنٌ من أركان الكذب" قرار دیتے ہیں، لہٰذا یہ حدیث قابلِ استدلال نہیں، اس مضمون کی دیگر تمام مرفوع احادیث بھی نہایت ضعیف ہیں، لہٰذا اس مسئلہ کا دار و مدار آثارِ صحابہ پر ہوگا اور آثارِ صحابہ سے جس انداز میں احناف کی تائید ہوتی ہے ایسے ائمہ ثلاثہ کی تائید نہیں ہوتی۔ (نفحات، المسائل والدلائل)

۱۳۵۶۔ وعن جعفر بن محمد مرسلاً أنّ النبيَّ ﷺ و أبا بكرٍ و عمرَ كبّرُوا في العيدين والاستسقاءِ سبعًا و خمسًا و صلّوا قبلَ الخطبةِ و جهرُوا بالقراءةِ. [رواه الشافعي]

ترجمہ: جعفر بن محمد سے مرسل روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ عیدین اور استسقاء کی نماز میں سات اور پانچ تکبیریں کہتے اور خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے اور قراءت بلند آواز سے کرتے۔ (رواہ الشافعی)

۱۳۵۷۔ وعن سعيد بن العاصؓ قال: سألتُ أبا موسیٰ و حذيفةَ كيفَ كان رسولُ الله ﷺ يُكبّرُ في الأضحى والفطر؟ فقال أبو موسیٰ: كان يُكبّرُ أربعًا تكبيرَه على الجنائز، فقال حذيفةُ:" صدقَ". [أبو داؤد]

ترجمہ: حضرت سعید بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰؓ اور حضرت حذیفہؓ سے پوچھا کہ نبی پاک ﷺ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر (کی نمازوں) میں تکبیر کیسے کرتے تھے؟ حضرت ابوموسیٰؓ نے جواب دیا کہ آپ جنازے کی (چار) تکبیروں کی طرح چار تکبیریں کہتے، حضرت حذیفہؓ نے (یہ سن کر) کہا کہ ابوموسیٰؓ نے سچ کہا۔ (ابوداؤد)

خطبہ کہتے وقت کمان یا عصا وغیرہ کا سہارا لینا:

١٣٥٨۔وعن البرآءِ أنّ النبیّ ﷺ نُوْوِلَ یومَ العیدِ قَوْسًا فخطبَ علیه.[أبو داوٗد]

ترجمہ: حضرت برآء ؓ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ کو عید کے دن کمان دی گئی چنانچہ آپ نے اُس پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا۔(ابوداوٗد)

١٣٥٩۔وعن عطاءٍ مرسلاً أنّ النبیّ ﷺ کان إذا خطبَ یعتمِدُ علیٰ عَنزتِهٖ [رواہ الشافعی]

ترجمہ: حضرت عطاءؒ سے مرسل روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو اپنے نیزے کا سہارا لیتے۔(رواہ الشافعی)

آپ ﷺ کا بلال ؓ پر ٹیک لگا کر خطبہ دینا

١٣٦٠۔وعن جابرٍؓ قال: شهدتُّ الصلوٰۃ مع النبیّ ﷺ فی یومِ عیدٍ فبدأ بالصلوٰۃِ قبلَ الخُطبةِ بغیرِ أذانٍ ولا إقامةٍ،فلمّا قضی الصلوٰۃَ قامَ مُتّکئًا علیٰ بلالٍ فحمِدَ اللهَ وأثنیٰ علیه ووعظَ النّاسَ وذکّرهم وحثّهم علیٰ طاعتِهٖ ومضیٰ الی النساءِ ومعه بلالٌ فأمرَهنّ بتقوی اللهِ ووعَظهنّ وذکّرهنّ.[نسائی]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں عید کے دن نبی پاک ﷺ کے ہمراہ نماز میں شریک ہوا چنانچہ آپ ﷺ نے بغیر اذان واقامت کے خطبہ سے پہلے نماز شروع فرمائی پھر جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت بلالؓ پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے، پس اللہ کی حمد وثنا کی اور لوگوں کو نصیحت کی اور اُن کو (اللہ کی) یاد دلائی اور اللہ کی فرمان برداری کرنے کی ترغیب دی۔اور عورتوں کے پاس تشریف لے گئے، حضرت بلالؓ بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، چنانچہ اُن کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا اور اور اُن کو نصیحت کی اور (اللہ کی) یاد دلائی۔(نسائی)

١٣٦١۔وعن أبی هریرۃؓ قال: کان النبیّ ﷺ إذا خرجَ یومَ العیدِ فی طریقٍ رجعَ فی غیرہ.[ترمذی]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ عید کے دن جب (عیدگاہ) تشریف لے جاتے تو دوسرے راستے سے واپس ہوتے تھے۔

عذر کی وجہ سے عیدین کی نماز مسجد میں پڑھنا:

١٣٦٢۔وعنه أنّه أصابَهم مَطَرٌ فی یومِ عیدٍ فصلّی بهم النبیُّ ﷺ صلوۃَ العید فی المسجدِ.[أبو داوٗد،ابن ماجة]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) عید کے دن صحابہؓ پر بارش برسنے لگی تو آپ نے اُن کو عید کی نماز مسجد میں پڑھائی۔

عیدالفطر کی نماز تاخیر سے اور عید قربان کی نماز جلدی پڑھی جائے:

١٣٦٣۔وعن أبی الحُوَیرِث أنّ رسولَ اللهِ ﷺ کتبَ إلیٰ عمرو بن حزمٍ [وهو بِنَجرانَ]:"عَجِّلِ الأضحی وأخِّرِ الفِطرَ وذکِّرِ النّاسَ".[رواہ الشافعیُّ]

ترجمہ: حضرت ابوالحویرثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو [جو کہ نجران میں تھے] لکھا کہ عیدالاضحیٰ کی نماز جلدی پڑھ لیا کرو اور عیدالفطر کی نماز تاخیر سے پڑھو اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کرو۔(رواہ الشافعی)

اگر چاند کی شہادت زوالِ آفتاب کے بعد آئے... :

١٣٦٤۔وعن أبی عُمیر بن أنس عن عمومةٍ له مِن أصحاب النبیّ ﷺ أنّ رَکْبًا جاؤوا إلی النبیِّ ﷺ یشهدُون أنّهم

رَأَوُا الھلالَ بالأمسِ فأمرَھم أن یُفطِرُوا واذا أصبحُوا أنْ یَغدُوا الیٰ مُصلّاھم.[أبو داؤد]

ترجمہ: ابوعُمیر بن انسؓ اپنے چچاؤں سے جو کے نبی پاک ﷺ کے صحابہ میں سے تھے روایت کرتے ہیں کہ ایک قافلہ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں آیا جو گواہی دے رہا تھا کہ انہوں نے (گذشتہ) کل (عید کا) چاند دیکھا ہے۔ (اس پر) آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ روزے افطار کر دیں اور صبح (نمازِ عید کے لیے) عیدگاہ جائیں۔ (ابوداؤد)

"الفصل الثالث"

١٣٦٥۔عن ابن جُریجٍ قال: أخبرَنی عطاءٌ عن ابن عباسٌ وجابرِ بن عبد الله ﷺ قالا: لم یکُن یُؤذّنُ یومَ الفطرِ ولا یومَ الأضحیٰ، ثمّ سألتُه [یعنی عطاءً] بعدَ حینٍ عن ذلك، فأخبرَنی، قال: أخبرَنی جابرُ بن عبدالله أن لا أذانَ للصلوٰۃِ یومَ الفطرِ حینَ یخرُجُ الامامُ ولا بعدَ مایخرجُ ولا اِقامةَ ولا نداءَ ولا شیءٌ ولا نداءَ یومئذٍ ولا اِقامةَ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابن جُریجؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے عطاءؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ کے حوالہ سے روایت بیان کی کہ انہوں نے فرمایا کہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن (نمازِ عید کے لیے) نہ اذان دی جاتی تھی اور اقامت کہی جاتی تھی، ابن جُریج کہتے ہیں کہ پھر میں نے اُن سے یعنی عطاءؒ سے تھوڑی دیر بعد اس کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے مجھ سے حدیث بیان کی، کہا کہ مجھے حضرت جابر بن عبداللہؓ نے خبر دی کہ عیدالفطر کے دن نمازِ عید کے لیے نہ امام کے نکلنے کے وقت اذان ہے اور نہ امام کے نکلنے کے بعد اور نہ اقامت ہے اور نہ پکارنا ہے اور نہ کچھ اور اور نہ اُس دن پکارنا ہے اور نہ اقامت ہے۔ (مسلم)

١٣٦٦۔وعن أبی سعید الخدریّ أنّ رسولَ الله ﷺ کان یخرجُ یومَ الأضحیٰ ویومَ الفطرِ فیَبْدَأُ بالصلوٰۃِ فاذا صلّٰی صلوٰتَه قامَ فأقبلَ علی النّاسِ وھم جُلوسٌ فی مُصلّاھم فاِنْ کانتْ له حاجةٌ بِبعثٍ ذکرَه للنّاسِ أوْ کانتْ له حاجةٌ بغیرِ ذلك أمرَھم بھا وکان یقول: تصدّقُوا، تصدّقُوا، تصدّقُوا، وکان أکثرُ مَن یتصدّقُ النساءَ، ثمّ ینصرفُ، فلم یزلْ کذلك حتیٰ کان مروانُ بن الحکمِ فخرجتُ مُخاصِراً مروانَ حتیٰ أتینا المُصلّٰی فاذا کثیرُ بن الصَلْتِ قدْ بنیٰ مِنبرًا مِن طینٍ ولبنٍ فاذا مروانُ یُنازِعُنی یدَه کأنّه یجُرّنی نحوَ المنبرِ وأنا أجُرُّہٗ نحو الصلوٰۃِ فلمّا رأیتُ ذلك منه، قلتُ: أین الابتداءُ بالصلوٰۃِ؟ فقال: لا یا أباسعید! قدْ تُرِكَ ماتعلمُ، قلتُ: کلّا! والذی نفسی بیدہ! لا تأتُونَ بخیرٍ مِمّا أعلمُ[ثلاثَ مِرارٍ] ثمّ انصرفَ.[مسلم]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن (عیدگاہ کی طرف) نکلتے تھے اور نماز شروع فرماتے، جب نماز پڑھ لیتے تو کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاتے، لوگ اپنی نماز پڑھنے کی جگہوں میں بیٹھے ہوئے ہوتے، پھر اگر آپ ﷺ کو کہیں لشکر بھیجنے کی حاجت ہوتی تو لوگوں کے سامنے اُس کا تذکرہ کرتے یا اِس کے علاوہ کوئی حاجت ہوتی تو صحابہ کو اُس بارے میں حکم فرماتے اور آپ ﷺ فرمایا کرتے: صدقہ کرو، صدقہ کرو، صدقہ کرو۔ اور زیادہ صدقہ کرنے والی عورتیں ہوتیں، پھر آپ ﷺ واپس لوٹتے (نماز کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے) یہ سلسلہ اسی طرح رہا یہاں تک کہ مروان بن الحکم (مدینہ کا) حاکم ہوا، ایک دن میں (ابوسعیدؓ) مروان بن الحکم کا ہاتھ پکڑے ہوئے نکلا حتیٰ کہ ہم عیدگاہ پہنچ گئے، ناگہاں (کیا دیکھتا ہوں) کہ کثیر بن الصلت نے مٹی اور کچی اینٹ کا منبر

بنایا ہوا تھا، اچانک مروان مجھ سے اپنا ہاتھ کھینچنے لگا، گویا وہ مجھے منبر کی جانب کھینچ رہا تھا اور میں اُس کو نماز کی طرف کھینچ رہا تھا، جب میں نے اُس کی اس حرکت کو محسوس کیا تو میں نے کہا کہ (خطبہ سے) پہلے عید کی نماز پڑھنے کا کیا ہوا؟ اُس نے کہا نہیں، اے ابوسعید! جس کا تجھے علم ہے وہ اب متروک ہو چکا ہے۔ میں نے کہا: ہرگز نہیں، اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم اُس سے بہتر چیز لا ہی نہیں سکتے جو میں جانتا ہوں [یہ بات تین مرتبہ کہی] پھر وہ (یعنی ''ابوسعید بے نماز پڑھے'' یا ''مروان خطبہ دیئے'') چلے گئے۔ (مسلم)

الحمدُ للہ الذی بنعمتہٖ تتمُّ الصّالحات

تمت بالخیر